۷۸۶
۹۲

ورفعنالک ذکرک کا ہے سایہ تجھ پر
بول بالا ہے ترا ذکر ہے اونچا تیرا

الحمدللہ کہ کتاب لاجواب نافع شیخ وشاب مفید عاقل موقظ غافل
مسمّٰی بہ

جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ

المعروف

فیصلہ مسائل

(جلد اول)

اضافات جدیدہ وضمیمہ عجیبہ کے ساتھ
جس میں موجودہ زمانہ کے عام مختلف فیہ مسائل کا نہائت محققانہ مدلل فیصلہ کر دیا گیا ہے

مصنفہ
حضرت حکیم الامت مولٰنا المفتی الحاج احمد یار خاں صاحب اوجھانوی بدایونی مدظلہ
سرپرست مدرسہ غوثیہ گجرات پاکستان

باھتمام
محمد اقتدار خاں عرف مصطفٰے میاں
ناشر:۔ مفتی اقتدار احمد خان مالک نعیمی کتب خانہ گجرات

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ط

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۔ خَالِقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرَضِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنْ كَانَ نَبِيًّا وَّاٰدَمُ بَيْنَ الْمَاءِ وَالطِّيْنِ ۔ اَجْمَلِ الْاَجْمَلِيْنَ ۔ اَكْمَلِ الْاَكْمَلِيْنَ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَهْلِ بَيْتِهٖ اَجْمَعِيْنَ ط

دیباچہ

دین اسلام کو دنیا میں تشریف لائے ہوئے آج تقریباً پونے چودہ سو برس گذرے اس عرصہ میں اس پاک دین نے ہزارہا بلاؤں سے مقابلہ کیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس لہلہاتے ہوئے چمن پر بہت سی تیز آندھیاں آئیں اور اپنا اپنا زور دکھا کر چلی گئیں ۔ مگر الحمد للہ کہ یہ چمن اسی طرح سرسبز وشاداب رہا۔ اس آفتاب پر بارہا تاریک بادل اور غبار آئے مگر یہ آفتاب اسی طرح چمکتا دمکتا رہا اور کیوں نہ ہوتا کہ رب تعالےٰ خود اس دین کا محافظ و ناصر ہے خود فرماتا ہے ۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ہم نے ہی قرآن اتارا اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

کبھی اس پر یزیدی بادل آئے اور کبھی حجاجی غبار ۔ کبھی ماموں طاقت نے اس کے سامنے آنے کی جرأت کی اور کبھی تاتاری قوتیں اس سے ٹکرائیں ، کبھی خارجی شورش نے اس سے مقابلہ کیا اور کبھی رفض کی طاقت نے اس کو زیر کرنے کی کوشش کی مگر وہ سب کی سب اس پہاڑ سے ٹکرا کر پاش پاش ہو گئیں ۔ اور یہ پہاڑ اسی طرح اپنی جگہ مضبوطی سے قائم رہا۔ اَقَامَهَا اللّٰهُ وَاَدَامَهَا اللہ تعالےٰ اس کو قائم دائم رکھے ۔

مگر ان تمام فتنوں میں زبردست فتنہ اور تمام مصیبتوں میں خطرناک مصیبت وہابیوں نجدیوں کا فتنہ تھا۔ جس کی خبر مخبر صادق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے ہی دے دی تھی اور طرح طرح سے اس فتنہ سے مسلمانوں کو آگاہ کر دیا تھا۔ چنانچہ مشکوٰۃ جلد دوم باب ذکر الیمن والشام میں بخاری کے حوالہ سے روایت ہے کہ حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن دریائے رحمتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم جوش میں ہے بارگاہِ الٰہی میں ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی جارہی ہے ۔

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِیْ شَامِنَا اے اللہ ہمارے لیئے ہمارے شام میں برکت دے اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِیْ یَمَنِنَا اے اللہ ہم کو ہمارے یمن میں برکت دے حاضرین میں سے بعض نے عرض کیا وَفِیْ نَجْدِنَا یارسول اللہ دعا فرمائیں کہ ہمارے نجد میں برکت دے پھر حضور علیہ السلام نے وہ ہی دعا فرمائی۔ شام اور یمن کا ذکر فرمایا۔ مگر نجد کا نام نہ لیا۔ انہوں نے پھر توجہ دلائی کہ وَفِیْ نَجْدِنَا حضور یہ بھی دعا فرمائیں کہ نجد میں برکت ہو غرض تین بار یمن اور شام کے لیئے دعائیں فرمائیں۔ بار بار توجہ دلانے پر نجد کو دعا نہ فرمائی بلکہ آخر میں فرمایا۔

هُنَاكَ الزَّلَازِلُ وَالْفِتَنُ وَبِهَا یَطْلَعُ قَرْنُ الشَّیْطٰنِ۔ | میں اس ازلی محروم خطہ کو دعا کس طرح فرماؤں وہاں تو زلزلے اور فتنے ہونگے۔ اور وہاں شیطانی گروہ پیدا ہوگا

اس سے معلوم ہوا کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ پاک میں دجال کے فتنہ کے بعد نجد کا فتنہ تھا جس کی اس طرح خبر دی۔

اسی طرح مشکوٰۃ جلد اول کتاب القصاص باب قتل اہل الردۃ میں بحوالہ نسائی حضرت ابو برزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام ایک بار کچھ مال غنیمت تقسیم فرمارہے ہیں۔ ایک شخص نے پیچھے سے عرض کیا یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ نے اس تقسیم میں انصاف نہ کیا حضور علیہ السلام نے غضبناک ہوکر فرمایا کہ ہمارے بعد تم کو ہم سے بڑھ کر کوئی عادل نہ ملے گا۔ پھر فرمایا کہ آخر زمانہ میں ایک قوم اس سے پیدا ہوگی جو قرآن پڑھیں گے مگر قرآن اُن کے حلق سے نیچے نہ اُترے گا اور اسلام سے ایسے نکل جائیں گے۔ جیسے تیر شکار سے۔ پھر فرمایا۔

سِیْمَاهُمُ التَّحْلِیْقُ لَا یَزَالُوْنَ یَخْرُجُوْنَ حَتّٰی یَخْرُجَ اٰخِرُهُمْ مَعَ الدَّجَّالِ فَاِذَا لَقِیْتُمُوْهُمْ هُمْ شَرُّ الْخَلْقِ وَالْخَلِیْقَةِ | یعنی ان کی پہچان سر منڈانا ہے یہ نکلتے ہی رہیں گے یہاں تک کہ ان کی آخری جماعت دجال کے ساتھ ہوگی اگر تم اُنسے ملو تو جان لو کہ وہ تمام خلقت میں بدترین

اس میں ان کی پہچان فرمائی گئی۔ سر منڈانا آج بھی وہاں اس سے خالی شکل ہی سے ملیں گے۔ کہیں فرمایا کہ بت پرستوں کو چھوڑیں گے اور مسلمانوں کو قتل کریں گے۔ دیکھو بخاری جلد اوّل کتاب الانبیاء متصل قصہ یاجوج وماجوج۔ مسلم اور مشکوٰۃ باب المعجزات فصل اول۔ اسی

جگہ مشکوٰۃ میں یہ بھی ہے۔

لَئِنْ اَدْرَکْتُھُمْ لَاَقْتُلَنَّھُمْ قَتْلَ عَادٍ۔ | اگر انہیں ہم پاتے تو قوم عاد کی طرح قتل فرما دیتے۔

آج بھی دیوبندی عام طور پر ہندوؤں کے ساتھ ہیں۔ مگر نفرت کرتے ہیں تو مسلمانوں سے اور ان کے ہمیشہ حملے مسلمانوں پر خاص کر اہلِ حرمین پر ہی ہوئے۔

اس فرمان عالی کے مطابق بارہویں صدی میں نجد سے محمد ابن عبدالوہاب پیدا ہوا اس نے کیا کیا۔ اہل حرمین و دیگر مسلمانوں پر ظلم کیے۔ اس کی داستان تو سیف الجبار اور بوارق محمدیہ علیٰ ارغامات النجدیہ وغیرہ کتب تواریخ میں دیکھو۔ اُن کے کچھ ظلم علامہ شامی نے اپنی کتاب ردالمحتار جلد سوم باب البغات کے شروع میں اس طرح بیان فرمائے ہیں۔

کَمَا وَقَعَ فِیْ زَمَانِنَا فِیْ اَتْبَاعِ عَبْدِ الْوَھَّابِ الَّذِیْنَ خَرَجُوْا مِنْ نَجْدٍ وَتَغَلَّبُوْا عَلَی الْحَرَمَیْنِ وَکَانُوْا یَنْتَحِلُوْنَ اِلَی الْحَنَابِلَۃِ لٰکِنْ ھُمْ اِعْتَقَدُوْا اَنَّھُمْ ھُمُ الْمُسْلِمُوْنَ وَاَنَّ مَنْ خَالَفَ اِعْتِقَادَھُمْ مُشْرِکُوْنَ وَاسْتَبَاحُوْا بِذٰلِکَ قَتْلَ اَھْلِ السُّنَّۃِ وَقَتْلَ عُلَمَآءِ ھِمْ حَتّٰی کَسَرَ اللّٰہُ شَوْکَتَھُمْ وَخَرَّبَ بِلَادَھُمْ وَظَفَرَ بِھِمْ عَسَاکِرُ الْمُسْلِمِیْنَ عَامَ ثَلٰثٍ وَّثَلٰثِیْنَ وَمِأَتَیْنِ وَاَلْفٍ۔

جیسے کہ ہمارے زمانہ میں عبدالوہاب کے ماننے والوں کا واقعہ ہوا کہ یہ لوگ نجد سے نکلے اور مکہ و مدینہ شریف پر انہوں نے غلبہ کر لیا اپنے کو حنبلی مذہب کی طرف منسوب کرتے تھے لیکن انکا عقیدہ یہ تھا کہ صرف ہم ہی مسلمان ہیں اور جو ہمارے عقیدے کے خلاف ہے وہ مشرک ہے اس لیے انہوں نے اہل سنت والجماعت کا قتل جائز سمجھا اور ان کے علماء کو قتل کیا یہاں تک کہ اللہ نے وہابیوں کی شوکت توڑی اور ان کے شہروں کو ویران کر دیا۔ اور اسلامی لشکروں کو ان پر فتح دی یہ واقعہ ۱۲۳۳ھ ہجری میں ہوا۔

سیف الجبار وغیرہ میں ان کے مظالم بیشمار بیان فرمائے کہ مکہ مکرمہ و مدینہ طیبہ میں بے گناہوں کو بے دریغ قتل کیا اور حرمین شریف کے رہنے والوں کی عورتوں اور لڑکیوں سے زنا کیا ان کو غلام بنایا انکی عورتوں کو اپنی لونڈیاں۔ سادات کرام کو بہت قتل و غارت کیا مسجد نبوی شریف کے تمام قالین اور جھاڑ فانوس اٹھا کر نجد لے گئے۔ تمام صحابہ کرام اور اہلبیت عظام کی قبروں کو گرا کر زمین سے ملا دیا یہاں تک کہ یہ بھی ارادہ کیا کہ خاص گنبد خضرا جس کے گرد روزانہ صبح و شام ملائکہ صلوٰۃ و سلام پڑھتے ہیں۔ اس کو

بھی گرادیا جائے۔ مگر جو شخص اس بری نیت سے روضہ پاک پر گیا اس پر خدائے پاک نے ایک سانپ مقرر فرمادیا۔ جس نے اس کو ہلاک کیا اور رب العلمین نے اپنے نبی کی اس آخری آرامگاہ کو ان سے محفوظ رکھا۔ غرضیکہ ان کے مظالم بے حد تکلیف دہ ہیں۔ جن کے بیان سے کلیجہ منہ کو آتا ہے یزید نے اہل بیت کی دشمنی ان کی زندگی میں ہی کی۔ مگر تیرہ سو برس کے بعد صحابہ کرام اور اہل بیت عظام کو ان کی قبروں میں ستانا ان وہابیوں ہی کے ہاتھ سے ہوا۔ اب بھی جو کچھ ابن سعود نے حرمین شریفین میں کیا وہ ہر حاجی پر روشن ہے مکہ مکرمہ میں میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ کسی صحابی کی قبر شریف کا نشان بھی نہیں ملتا کہ کوئی فاتحہ بھی پڑھ لے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جائے ولادت میں میں نے ایک شامیانہ لگا ہوا دیکھا جہاں کتے گدھے بے تکلف پھر رہے تھے۔ اس جگہ پہلے ایک قبہ بنا ہوا تھا جہاں لوگ جاکر نمازیں پڑھتے تھے اور اس کی زیارت کرتے تھے یہ حضرت آمنہ خاتون کا مکان تھا اور اسی جگہ اسلام کا آفتاب چمکا۔ مگر اب اس کی یہ بے حرمتی کی گئی فَاِلَی اللّٰہِ الْمُشْتَکٰی۔

یہ تو تھے عرب کے واقعات۔ لیکن ہم کو اس وقت ہندوستان سے گفتگو کرنی ہے دہلی میں ایک شخص پیدا ہوا جس کا نام تھا مولوی اسمٰعیل، اس نے محمد ابن عبدالوہاب نجدی کی کتاب التوحید کا اردو میں خلاصہ کیا۔ جس کا نام رکھا تقویۃ الایمان اور اس کی ہندوستان میں اشاعت کی۔ وہابی انہیں شہید کہتے ہیں کیونکہ یہ حضرت اسی تقویۃ الایمان کی بدولت سرحدی پٹھانوں کے ہاتھوں قتل ہوئے دیکھو انوار آفتاب صداقت۔ مگر مشہور کیا کہ سکھوں کے ہاتھوں مرے۔ اعلیحضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ؎

وہ وہابیہ نے جسے دیا ہے لقب شہید و ذبیح کا ‌‌ وہ شہید لیلےٰ نجد تھا وہ ذبیح تیغ خیار ہے

اگر سکھوں کے ہاتھوں قتل ہوئے ہوتے تو امرتسر یا مشرقی پنجاب کے کسی اور شہر میں مارے جاتے۔ کیونکہ یہ ہی سکھوں کا مرکز تھا۔ سرحد تو پٹھانوں کا ملک ہے وہاں یہ مارے گئے معلوم ہوا کہ انہیں مسلمانوں نے قتل کیا اور ان کی لاش بھی غائب کردی۔ اسی لئے ان کی قبر ہی نہیں۔

نیز دیوبندیوں کی مشہور کتاب ارواح ثلثہ کے صفحہ نمبر ۱۳۹ پر ہے کہ سید احمد صاحب نے پہلا جہاد یار محمد خاں حاکم یاغستان سے کیا۔ اس جہاد میں مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی۔ مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی، مولوی محمد حسین صاحب رامپوری سید صاحب کے ہمراہ جہاد میں شریک تھے۔ نیز مولوی اسمٰعیل صاحب کا میر منشی ہیرا لال تھا (حیاۃ طیبہ) اور توپچی راجہ رام تھا غرضیکہ دہلی

دیوبندیوں کے قلمی، زبانی اور تلواروں کے حملے مسلمانوں ہی پر ہوتے۔ ابھی حال کا واقعہ ہے۔ جو ۲۶ دسمبر ۱۹۶۱ء کے کوہستان وغیرہ تمام اخبارات میں چھپا کہ ایک دیوبندی عبدالقادر نامی نے پہلے تو حضرت داتا گنج بخش لاہوری کے آستانہ مقدس پر قلمی اشتہارات لگائے جن میں تحریر تھا کہ میت کے پاس دعا قبول کرنے کی طاقت نہیں۔ اُن کے مزارات پر منتیں مانگنا شرک و بدعت ہے۔ پھر رات کے آخری حصہ میں تمام آستانہ پر مٹی کے تیل میں بھیگے ہوئے کپڑے رکھ دیئے سوئے ہوئے زائرین کے کپڑوں میں بھی مٹی کا تیل چھڑک دیا، دیا سلائی جلا کر آگ لگانا چاہتا ہی تھا کہ پکڑا گیا۔ یہ واقعہ رات کے تین بجے ہوا اگر یہ ایک سیکنڈ کا موقع پالیتا تو سارا دربار اور سارے محلے اور ان تمام انسانوں کو جلا دیتا۔ یہ ہے ان ظالموں کی توحید۔ اور تبلیغ اسی گروہ نے ایک دن پہلے مسجد وزیر خاں کے صحن میں جو مزار ہے اُسے آگ لگانے کی کوشش کی۔ آگ لگا بھی دی مگر چونکہ وہاں لکڑی کا سامان نہ تھا۔ اس لئے صرف دیواریں کالی تو ہوگئیں مگر آگ باقاعدہ نہ لگ سکی۔ کوہستان ۲۶ دسمبر ۱۹۶۱ء بروز پیر۔

اسمٰعیل کے معتقدین دو گروہ بنے ایک تو وہ جنہوں نے اماموں کی تقلید کا انکار کیا جو غیر مقلد یا وہابی کہلاتے ہیں۔ دوسرے وہ جنہوں نے دیکھا کہ اس طرح اپنے کو ظاہر کرنے سے مسلمان ہم سے نفرت کرتے ہیں انہوں نے اپنے کو حنفی ظاہر کیا۔ نماز روزے میں ہماری طرح ہمارے سامنے آئے۔ اُن کو کہتے ہیں، گلابی وہابی یا دیوبندی۔ بھلا میرے آقا و مولےٰ محبوب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم معجزہ دیکھو کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ وہاں سے قَرْنُ الشَّیْطٰنِ یعنی شیطانی گروہ نکلے گا۔ اُردو میں قَرْنُ الشَّیْطٰنِ کا ترجمہ ہے دیوبند۔ دیو اردو میں کہتے ہیں شیطان کو اور بند معنی گروہ تابعدار یا۔ اضافت مقلوبی ہے۔ یعنی بندِ دیو شیطان کی جگہ یعنی ۔ لیکن ان دونوں فرقوں کے عقیدے بالکل ایک ہیں۔ اعمال میں کچھ ظاہری اختلاف ہے۔ دونوں محمد ابن عبدالوہاب کو اچھا جانتے ہیں۔ اس کے عقائد کے حامی، چنانچہ دیوبندیوں کے پیشوا مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی اپنے فتاویٰ رشیدیہ جلد اول کتاب التقلید صفحہ ۱۱۹ میں لکھتے ہیں۔

محمد ابن عبدالوہاب کے مقتدیوں کو وہابی کہتے ہیں۔ ان کے عقائد عمدہ تھے اور مذہب ان کا حنبلی تھا۔ البتہ ان کے مزاج میں شدت تھی اور ان کے مقتدی اچھے ہیں مگر ہاں جو حد سے

بڑھ گئے۔ ان میں فساد آ گیا ہے۔ اور عقائد سب کے متحد ہیں۔ اعمال میں فرق حنفی، شافعی مالکی، حنبلی کا سا ہے ۔، رشید احمد۔

لیکن موجودہ زمانہ میں بمقابلہ غیر مقلدین کے زیادہ خطرناک دیوبندی ہیں کیونکہ عام مسلمان انکو پہچان نہیں سکتے ان لوگوں نے اپنی کتابوں میں حضور علیہ السلام کی ایسی توہینیں کیں کہ کوئی کھلا ہوا مشرک بھی نہیں کر سکتا۔ مگر پھر بھی مسلمانوں کے پیشوا بنتے ہیں اور اسلام کے اکیلے ٹھیکیدار۔

مولوی اشرف علی صاحب تھانوی نے حفظ الایمان میں حضور علیہ السلام کے علم کو جانوروں کے علم کی طرح بتایا۔ مولوی خلیل احمد صاحب انبیٹھوی نے اپنی کتاب براہین قاطعہ میں شیطان اور ملک الموت کا علم حضور علیہ السلام کے علم سے زیادہ بتایا۔ مولوی اسمٰعیل صاحب دہلوی نے نماز میں حضور علیہ السلام کے خیال کو گدھے اور بیل کے خیال سے بدتر لکھا۔ مولوی قاسم صاحب نانوتوی نے تحذیر الناس میں حضور علیہ السلام کو خاتم النبیین بمعنی آخری نبی ماننے سے انکار کیا اور کہا کہ حضور علیہ السلام کے بعد اگر اور بھی نبی آجائیں تب بھی خاتمیت میں کچھ فرق نہ آئیگا خاتم کے معنی ہیں اصلی نبی دیگر نبی عارضی ہیں۔ یہ ہی مرزا غلام احمد قادیانی نے کہا کہ میں بروزی نبی ہوں۔ غرضیکہ مرزا غلام احمد اس مسئلہ میں اُن کا شاگرد رشید ہوا۔

اِن صاحبوں کے یہاں توحید کے معنی ہیں انبیاء کی توہین جیسے کہ روافض کے یہاں حب علی کے معنی ہیں بُغض صحابہ کرام حالانکہ یہ توحید تو شیطانی توحید ہے اس نے حضرت آدم کی عظمت سے انکار کیا۔ نبی کے سامنے نہ جھکا۔ پھر جو اس کا حشر ہوا وہ آج تک لوگ دیکھ رہے ہیں کہ ہر جگہ اس کی لاحول سے تواضع کی جاتی ہے۔

اسلامی توحید ہے اللہ تعالیٰ کو ایک جاننا، اس کے محبوبوں کی عزت و عظمت کرنا جس کی تعلیم ہے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پہلے جز میں اللہ کی وحدانیت کا اقرار ہے۔ دوسرے میں عظمتِ مصطفےٰ کا اظہار آج کل جس جگہ بھی دیکھا گیا مسلمانوں میں اہل سنّت اور دیوبندیوں میں جھگڑے پڑے ہوئے ہیں۔ ہر جگہ خانہ جنگی ہے ہر کارِ خیر کو روکنے کی کوشش۔ کہیں علم غیب پر بحث ہے تو کہیں حضور علیہ السلام کے حاضر و ناظر ہونے پر تکرار۔ کہیں محفلِ میلاد و فاتحہ پر بحث۔ کہیں مزاراتِ اولیاء اللہ پر قبہ بنانے پر مناظرہ۔ اگرچہ ان میں سے ہر ایک مسائل میں اہلسنّت نے اعلیٰ درجہ کی تصانیف شائع فرمائیں جیسے مسئلہ تقلید میں انتصار الحق

مصنفہ حضرت مولانا ارشاد حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ مسئلہ علم غیب میں الکلمۃ العلیا مصنفہ حضرت صدر الافاضل استادی مرشد مولانا الحاج محمد نعیم الدین صاحب مراد آبادی مدظلہ، تیجہ فاتحہ وغیرہ میں انوار ساطعہ مصنفہ حضرت مولانا عبد السمیع صاحب بیدل رامپوری اور مسئلہ حاضر و ناظر عرس و زیارت قبور و تمام مسائل میں تصنیفات اعلیحضرت مجدد مائۃ حاضرہ مولانا مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی قدس سرہٗ العزیز وغیرہ۔ مگر خیال یہ تھا کہ کوئی کتاب ایسی لکھی جائے جو ان تمام بحثوں کی جامع ہو جس کے پاس وہ کتاب ہو وہ تقریباً ہر مسئلہ میں مخالف سے گفتگو کر سکے اور مسلمانوں کے عقائد کو ان لوگوں سے بچا سکے اس لئے میں نے حَسْبَۃً لِلّٰہِ اس کام کی ہمت کی۔ ہمت تو کر دی مگر اپنی کم علمی اور بے بضاعتی کا مجھ کو پورا پورا احساس ہے شروع کرنا میرا کام ہے اور اس کو اختتام پر پہنچانا میرے رب کے کرم پر موقوف ہے۔

اس کتاب میں ہر مسئلہ پر مختصر مگر جامع بحث کی گئی ہے۔ جن اصحاب کو زیادہ تفصیل منظور ہو وہ مسئلہ علم غیب میں الکلمۃ العلیا کا مطالعہ کریں کہ ایسی کتاب اس مسئلہ میں آج تک نہیں لکھی گئی اسی طرح دیگر مباحث میں اعلیحضرت بریلوی قدس سرہٗ العزیز کی تصنیفات کا مطالعہ کریں۔

ہدایات

اس کتاب میں حسب ذیل باتوں کا لحاظ رکھا گیا ہے۔

(۱) اپنے دعوے کی وضاحت۔

(۲) اس کے دلائل قرآن و حدیث اور بزرگانِ دین، محدثین و مفسرین کے اقوال سے۔

(۳) اس کی تائید مخالفین کی کتابوں سے۔

(۴) مخالفین کے اعتراضات آیاتِ قرآنیہ اور احادیث و اقوالِ فقہاء سے۔

(۵) اعتراضات کے جوابات قرآن و احادیث و اقوالِ علماء کی روشنی میں۔

(۶) اپنے دعویٰ کے عقلی دلائل۔

(۷) مخالفین کے عقلی اعتراضات۔

(۸) ان کے عقلی جوابات۔

(۹) اس بات کا بھی لحاظ رکھا گیا ہے کہ حتی الامکان کتابوں کا صفحہ نہ نقل کیا جائے کیونکہ صفحے بدل جاتے ہیں بلکہ باب اور فصل اور اگر تفسیر کا حوالہ ہو تو پارہ، سورۃ اور آیت۔

ناظرین اگر غور سے اس کتاب کا مطالعہ کریں گے تو اِنْ شَآءَ اللّٰہُ تعالےٰ اس کو ایک سمندر پائیں گے جس سے بیش قیمت موتی حاصل ہوں گے اس کتاب میں سخت الفاظی اور کج بحثی سے پرہیز کیا گیا ہے اہلِ انصاف سے اُمید ہے کہ حق قبول کریں اور باطل سے بچیں کہ اسی میں دین و دنیا کی بھلائی ہے دعا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْہِ اُنِیْبُ۔

اس کتاب کا نام حضرت قبلہ عالم امیر ملت شیخ المشائخ قطب الوقت عالم ربانی پیر سید جماعت علی شاہ صاحب محدث علی پوری مدظلہ العالی ودامت برکاتہم القدسیہ نے جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ تجویز فرمایا ہے میں نہایت فخر سے اس کتاب کو اسی نام سے موسوم کرتا ہوں اور اپنے رب سے امید کرتا ہوں کہ اس کتاب کو اسم بامسمّٰی فرمائے اور اپنے فضل وکرم سے اس کو قبول فرمائے۔ میرے لیئے کفارہ سیاٰت بنائے اور حسن خاتمہ نصیب فرمائے۔ آمین۔

ضروری نوٹ، مسلمانوں کا اصرار ہوا کہ اس کتاب میں تین مباحث اور زیادہ کیئے جائیں سلطنتِ مصطفےٰ، عصمتِ انبیاء، بیس رکعت تراویح۔ چنانچہ اس سے پہلے ایڈیشن میں یہ تین بحثیں بڑھا دی گئیں اور بھی دلائل کی زیادتی کی گئی ہے۔ اللہ تعالےٰ قبول فرمادے۔

ناچیز احمد یار خاں نعیمی اجھانوی بدایونی
ناظم مدرسہ غوثیہ نعیمیہ گجرات مغربی پاکستان
۴ شعبان المعظم ۱۳۶۱ھ روز پایان افروز شنبہ مبارکہ

اس ایڈیشن میں مضامین اور دلائل بہت سے زیادہ کیئے گئے اور ایک رسالہ طلاقی الاولہ فی حکم الطلاق الثلثہ بڑھایا گیا۔ جس میں دلائل سے ثابت کیا گیا ہے کہ ایک دم تین طلاقیں، تین ہی ہوں گی نہ کہ ایک۔ رب تعالےٰ قبول فرمائے۔

الحمد للہ یہ کتاب اب ۱۳۸۵ھ میں اٹھائیسواں بار چھپ رہی ہے اکثر بار دو دو ہزار چھپی اور اللہ تعالےٰ کے فضل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کرم سے مکہ معظمہ، مدینہ منورہ۔ افریقہ۔ لندن وغیرہ دور دراز ممالک میں پہنچی یہ سب رب تعالےٰ کی کرم نوازی ہے اس اٹھائیسویں ایڈیشن میں بہت تھوڑا سا اضافہ کیا گیا ہے۔

احمد یار خاں نعیمی بدایونی

مدرسہ غوثیہ نعیمیہ گجرات مغربی پاکستان

۱۹ شوال ۱۳۸۵ھ ۲۲ فروری ۱۹۶۶ء دوشنبہ

خوشنویس عنایت اللہ بمقام چھتی محرم ڈاکخانہ ٹھٹھہ عالیہ تحصیل پھالیہ ضلع گجرات

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ؕ

مقدّمہ

چونکہ اس کتاب میں ہر مسئلہ کے متعلق قرآنی آیات پیش کی جاویں گی۔ اور ان آیات کی تفسیر بھی بیان ہوگی۔ اس لیئے تفسیر قرآن کے متعلق حسب ذیل باتیں لحاظ میں رکھنا ضروری ہیں۔

ایک تو ہے قرآن کی تفسیر، دوسری قرآن کی تاویل۔ تیسری قرآن کی تحریف، ان کی علیحدہ علیحدہ تعریفیں ہیں اور علیحدہ علیحدہ احکام۔

(۱) قرآن کی تفسیر اپنی رائے سے کرنا حرام ہے۔ بلکہ اس کے لیئے نقل کی ضرورت ہے قرآن کی جائز تاویل اپنے علم و معرفت سے کرنا جائز اور باعث ثواب ہے۔ قرآن پاک کی تحریف کرنا کفر ہے۔

تفسیر۔ قرآن کریم کے وہ احوال بیان کرنا ہیں جو عقل سے معلوم نہ ہو سکیں۔ ان میں نقل کی ضرورت ہو جیسے آیات کا شان نزول یا آیات کا ناسخ و منسوخ ہونا۔ اگر کوئی شخص بغیر حوالہ نقل اپنی رائے سے کہدے کہ فلاں آیت منسوخ ہے یا فلاں آیت کا یہ شان نزول ہے تو معتبر نہیں۔ بلکہ کہنے والا گنہگار ہے۔

(۱) مشکوٰۃ کتاب العلم فصل دوم میں ہے:۔

مَنْ قَالَ فِی الْقُرْاٰنِ بِرَاْیِہٖ فَلْیَتَبَوَّءْ مَقْعَدَہٗ مِنَ النَّارِ۔　　جو شخص قرآن میں اپنی رائے سے کچھ کہے وہ اپنی جگہ جہنم میں بنائے۔

(مشکوٰۃ میں اسی جگہ ہے) مَنْ قَالَ فِی الْقُرْاٰنِ بِرَاْیِہٖ فَاَصَابَ فَقَدْ اَخْطَاءَ۔　　جس شخص نے قرآن میں اپنی رائے سے کچھ کہا پس صحیح کہہ گیا تو بھی اس نے غلطی کی۔

اب تفسیر قرآن کے چند مرتبے ہیں۔ تفسیر بالقرآن۔ یہ سب سے مقدم ہے۔ اس کے بعد تفسیر قرآن بالاحادیث۔ کیونکہ حضور علیہ السلام صاحب قرآن ہیں۔ ان کی تفسیر قرآن نہایت ہی اعلیٰ۔ پھر قرآن کی تفسیر صحابہ کرام کے قول سے خصوصاً فقہاء صحابہ اور خلفائے راشدین کی تفسیر۔

رہی تفسیر قرآن تابعین یا تبع تابعین کے قول سے۔ یہ اگر روایت سے ہے تو معتبر ورنہ غیر معتبر ماخوذ از اعلاء کلمۃ اللہ للعلامہ گولڑوی قدس سرہٗ۔

(۲) تاویل قرآن یہ ہے کہ آیاتِ قرآنیہ کے مضامین اور اس کی باریکیاں بیان کرے۔ اور صرفی و نحوی

قواعد سے اس میں طرح طرح سے نکات نکالے۔ یہ اہلِ علم کے لئے جائز ہے۔ ان میں نقل کی ضرورت نہیں اس کا ثبوت قرآنی آیات اور احادیث نبویہ و اقوالِ فقہا سے ہے۔

رب کریم فرماتا ہے پارہ ۵ سورۃ نساء،

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا

تو کیا یہ قرآن میں غور نہیں کرتے اگر یہ غیر خدا کے پاس سے ہوتا تو ضرور اس میں بہت اختلاف پاتے۔

تفسیر روح البیان میں اس آیت کے ماتحت يَتَدَبَّرُوْنَ کی تفسیر میں فرماتے ہیں يَتَأَمَّلُوْنَ وَيَتَبَصَّرُوْنَ مَا فِيْهِ یعنی کیوں نہیں غور کرتے اس کے معنی ہیں اور کیوں نہیں عقل سے دیکھتے۔ اُن خوبیوں کو جو قرآن میں ہیں۔

مشکوٰۃ کتاب القصاص فصل اول میں ہے کہ کسی صاحب نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کیا کہ کیا آپ کے پاس قرآن کے سوا کچھ اور بھی عطیہ مصطفےٰ ہے علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ تو فرمایا کہ

مَا عِنْدَنَا اِلَّا مَا فِی الْقُرْاٰنِ اِلَّا فَهْمًا يُعْطٰى رَجُلٌ فِیْ كِتَابِهٖ۔

ہمارے پاس اس قرآن کے سوا اور کچھ نہیں ہاں وہ علم و فہم ہے جو کسی کو کتاب الٰہی کے متعلق عطا کر دی جاتی ہے۔

اسی حدیث کے ماتحت مرقاۃ میں ہے۔

وَالْمُرَادُ مِنْهُ مَا يُسْتَنْبَطُ بِهِ الْمَعَانِیْ وَيُدْرَكُ بِهِ الْاِشَارَاتُ وَالْعُلُوْمُ الْخَفِيَّةُ۔

اس فہم سے مراد وہ علم ہے جس سے قرآن کے معنے مستنبط کئے جائیں اور جس سے اشارات معلوم ہوں اور چھپے ہوئے علوم کا پتہ لگے۔

اس آیت اور حدیث سے معلوم ہوا کہ قرآنی معنے میں غور کرنا اور علم و عقل سے کام لینا اس سے مسائل کا استنباط کرنا جائز ہے۔ ہر جگہ نقل کی ضرورت نہیں۔

جمل حاشیہ جلالین میں ہے۔ اَصْلُ التَّفْسِيْرِ الْكَشْفُ وَاَصْلُ التَّاْوِيْلِ الرُّجُوْعُ وَعِلْمُ التَّفْسِيْرِ عِلْمٌ عَنْ اَحْوَالِ الْقُرْاٰنِ مِنْ حَيْثُ دَلَالَتِهٖ عَلٰى مُرَادِ اللّٰهِ تَعَالٰى بِحَسْبِ الطَّاقَةِ الْبَشَرِيَّةِ ثُمَّ هُوَ قِسْمَانِ تَفْسِيْرٌ وَهُوَ مَا لَا يُدْرَكُ اِلَّا بِالنَّقْلِ كَاَسْبَابِ النُّزُوْلِ وَتَاْوِيْلٌ

تفسیر کے لغوی معنے ہیں ظاہر کرنا اور تاویل کے معنے ہیں لوٹنا علم تفسیر قرآن پاک کے ان حالات کا جاننا ہے جو اللہ کی مراد کو بتائیں طاقت انسانی کے مطابق پھر اسکی دو قسمیں ہیں ایک تو تفسیر اور تفسیر وہ ہے جو نقل کے بغیر نہ معلوم ہو سکے اور ایک تاویل، اور تاویل وہ ہے جس کو عربی قاعدوں سے معلوم کر سکیں پس تاویل

وَهُوَ مَا يُمْكِنُ اِدْرَاكُهٗ بِالْقَوَاعِدِ الْعَرَبِيَّةِ فَهُوَ مِمَّا يَتَعَلَّقُ بِالدِّرَايَةِ وَالسِّرُّ فِيْ جَوَازِ التَّاوِيْلِ بِالرَّاْيِ بِشُرُوْطِهٖ دُوْنَ التَّفْسِيْرِ اَنَّ التَّفْسِيْرَ كَشَهَادَةٍ عَلَى اللّٰهِ قَطْعٌ بِاَنَّهٗ عَنٰى بِهٰذَا اللَّفْظِ هٰذَا الْمَعْنٰى وَلَا يَجُوْزُ اِلَّا بِتَوْقِيْفٍ وَلِذَا اَجْزَمَ الْحَاكِمُ بِاَنَّ تَفْسِيْرَ الصَّحَابِيِّ فِيْ حُكْمِ الْمَرْفُوْعِ وَالتَّاوِيْلُ تَرْجِيْحُ لِاَحَدِ الْمُحْتَمَلَاتِ بِلَا قَطْعٍ ـ

کا تعلق فہم سے ہے اور تاویل کے رائے سے جائز ہونے میں اور تفسیر کے رائے سے ناجائز ہونے میں راز یہ ہے کہ تفسیر تو خدائے پاک پر گواہی دینا ہے اور اس کا یقین کرنا ہے کہ رب تعالیٰ نے اس کلمہ کے یہ ہی معنی مراد لیئے ہیں اور یہ بغیر بتائے جائز نہیں اسی لئے حاکم نے فیصلہ کر دیا کہ صحابی کی تفسیر مرفوع حدیث کے حکم میں ہے اور تاویل چند احتمالات میں سے بعض کو ترجیح دے دینے کا نام ہے وہ بھی بلا یقین ۔

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ کتاب العلم فصل دوم میں مَنْ قَالَ فِي الْقُرْاٰنِ بِرَاْيِهٖ کے ماتحت فرماتے ہیں۔

اَيْ تَكَلَّمَ فِيْ مَعْنَاهُ اَوْ فِيْ قِرَاءَتِهٖ مِنْ تِلْقَاءِ نَفْسِهٖ مِنْ غَيْرِ تَتَبُّعِ اَقْوَالِ الْاَئِمَّةِ مِنْ اَهْلِ اللُّغَةِ وَالْعَرَبِيَّةِ لِلْقَوَاعِدِ الشَّرْعِيَّةِ بَلْ بِحَسْبِ مَا يَقْتَضِيْهِ عَقْلُهٗ وَهُوَ مِمَّا يَتَوَقَّفُ عَلَى النَّقْلِ كَاَسْبَابِ النُّزُوْلِ وَالنَّاسِخِ وَالْمَنْسُوْخِ ـ

یعنی حدیث کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کے معنی یا اس کی قرآت میں اپنی طرف سے کلام کرے لغت اور زبان جاننے والے اماموں کے قول کی تلاش نہ کرے شرعی قاعدوں کا لحاظ نہ رکھے بلکہ اس طرح کہدے جسکو اسکی عقل چاہے حالانکہ یہ معنے ایسے ہوں کہ جن کا سمجھنا نقل پر موقوف ہو جیسے کہ شانِ نزول اور ناسخ و منسوخ ۔

ترمذی جلد دوم کتاب التفسیر کے شروع میں ہے۔

وَهٰكَذَا رُوِيَ عَنْ بَعْضِ اَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَغَيْرِهِمْ اَنَّهُمْ شَدَّدُوْا فِيْ هٰذَا فِيْ اَنْ يُّفَسَّرَ الْقُرْاٰنُ بِغَيْرِ عِلْمٍ

بعض اہل علم صحابہ کرام وغیرہ سے یہ ہی روایت ہے کہ وہ حضرات اس میں بہت سختی کرتے تھے ۔ کہ قرآن کی تفسیر بغیر علم کی جائے ۔

اس حدیث کے حاشیہ میں مجمع البحار سے نقل فرمایا۔

لَا يَجُوْزُ اَنْ يُّرَادَ اَنْ لَّا يَتَكَلَّمَ اَحَدٌ فِي الْقُرْاٰنِ اِلَّا بِمَا سَمِعَهٗ فَاِنَّ الصَّحَابَةَ قَدْ فَسَّرُوْا وَاخْتَلَفُوْا فِيْهِ عَلٰى وُجُوْهٍ وَلَيْسَ

یہ تو جائز نہیں کہ اس عبارت کی یہ مراد ہو کہ کوئی بھی قرآن میں بغیر سنے ہوئے کچھ کلام ہی نہ کرے کیونکہ صحابہ کرام نے قرآن کی تفسیریں کیں اور آپس میں بہت طرح

كُلُّ مَا قَالُوْهُ سَمِعُوْهُ مِنْهُ وَلِاَنَّهٗ لَا يُفِيْدُ دُعَاءَهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ وَعَلِّمْهُ التَّاوِيْلَ ۔

ان میں اختلاف رہا اور ان کی ہر بات تو سنی ہوئی نہ تھی نیز پھر حضور علیہ السلام کا یہ دعا فرمانا بیکار ہوگا کہ اے اللہ انکو دینی فقہ دے اور ان کو تاویل سکھا دے ۔

نیز حضرت امام غزالی نے احیاء العلوم باب ہشتم میں فصل چہارم اس مقصد کے لیئے مقرر کی ہے کہ قرآن کا سمجھنا بغیر نقل بھی جائز ہے وہ فرماتے ہیں کہ قرآن کے ایک ظاہری معنے ہیں اور ایک باطنی علماء ظاہری معنے کی تحقیق کرتے ہیں۔ اور صوفیائے کرام باطنی کی ۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر میں چاہوں تو سورۂ فاتحہ کی تفسیر سے ۰۷ اونٹ بھر دوں ۔ نیز حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو شخص قرآن سمجھ لیتا ہے وہ تمامی علوم کو بیان کر سکتا ہے ۔ پھر جو حدیث میں یہ آیا کہ جو شخص اپنی رائے سے قرآن میں کہے وہ خطا کار ہے۔ اس کا مطلب یہ ہی ہے کہ جن باتوں کا علم بغیر نقل نہیں ہو سکتا ۔ اُن کو رائے سے بیان کرنا حرام ہے ۔ دیکھو اس کی پوری بحث احیاء العلوم شریف کے اسی باب اسی فصل میں ۔

نیز آئمہ دین کا قرآنی آیات میں بڑا اختلاف رہتا ہے ایک صاحب کسی جگہ وقف کرتے ہیں ۔ تو دوسرے اور جگہ ایک صاحب اسی ایک آیت سے ایک مسئلہ نکالتے ہیں ۔ دوسرے صاحب اس کے خلاف ۔ جیسے کہ تہمت زنا لگانے والے کی گواہی متشابہات کا علم وغیرہ ۔ تو اگر آپ اپنے علم سے کلام الہٰی میں بالکل کلام نہیں کر سکتے ہر ہر بات کے لیئے نقل کی ضرورت ہے تو یہ اختلاف کیسا ۔

(۳) تحریف یہ ہے کہ قرآن کے ایسے معنے یا مطلب بیان کرے جو کہ اجماع امت یا عقیدہ اسلامیہ یا اجماع مفسرین کے خلاف ہو یا خود تفسیر قرآن کے خلاف ہو اور کہے کہ اس آیت کے وہ معنی نہیں ہیں بلکہ یہ معنے ہیں ۔ جو میں نے کہے یہ صریح کفر ہے جیسے کہ آیات قرآنیہ اور قرأت متواترہ کا انکار کفر ہے ایسے ہی قرآن کے متواتر معنے کا انکار کفر جیسے کہ مولوی قاسم صاحب نے خاتم النبیین کے معنے کیئے ۔ اصلی نبی ۔ اور معنی آخری نبی کو خیال عوام یعنی غلط کہا اور نبوت کی دو قسمیں کر ڈالیں ۔ اصلی اور عارضی ۔ حالانکہ امت کا اجماع اور احادیث کا اتفاق اس پر ہے کہ خاتم النبیین کے معنے ہیں آخری نبی ۔ اور حضور علیہ السلام کے زمانہ میں یا بعد کوئی نیا نبی نہیں آسکتا ۔ یہ تحریف ہے ۔ اسی طرح قرآن کریم کی جن آیتوں میں غیر اللہ کو پکارنے کی ممانعت کی گئی ہے وہاں مفسرین کا اجماع ہے کہ اس سے مراد غیر خدا کو پوجنا ہے جیسے وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ خدا کے سوا ان کو نہ پوجو جو نفع نقصان نہ پہنچا سکیں ۔

نیز قرآن کریم خود اس کی تفسیر فرماتا ہے وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ جو شخص خدا کے ساتھ دوسرے معبود کو پوجے

اب اس تفسیر اور اجماع مفسرین کے ہوتے ہوئے جو کہے کہ غیر اللہ کو پکارنا منع ہے۔ وہ قرآن میں تحریف کرتا ہے اس بحث کو خوب اچھی طرح خیال میں رکھنا چاہیئے بہت فائدہ مند ہے اور آئندہ کام آئیگی۔

تقلید کی بحث

تقلید کے باب میں پانچ باتیں خیال میں رہنا ضروری ہیں (۱) تقلید کے معنی اور اس کی قسمیں۔ (۲) تقلید کونسی ضروری ہے اور کونسی منع (۳) تقلید کس پر لازم ہے اور کس پر نہیں (۴) تقلید کے واجب ہونے کے دلائل (۵) تقلید پر اعتراضات اور انکے مکمل جوابات۔ اس لیئے اس بحث کے پانچ باب کیئے جاتے ہیں

باب اوّل

تقلید کے معنی اور اس کے اقسام میں

تقلید کے دو معنی ہیں۔ ایک لغوی۔ دوسرے شرعی۔ لغوی معنی ہیں۔ قلادہ در گردن بستن گلے میں ہار یا پٹہ ڈالنا۔ تقلید کے شرعی معنی یہ ہیں کہ کسی کے قول و فعل کو اپنے پر لازم شرعی جاننا یہ سمجھ کر کہ اس کا کلام اور اس کا کام ہمارے لیئے حجت ہے کیونکہ یہ شرعی محقق ہے۔ جیسے کہ ہم مسائل شرعیہ میں امام صاحب کا قول و فعل اپنے لیئے دلیل سمجھتے ہیں اور دلائل شرعیہ میں نظر نہیں کرتے۔

حاشیہ حسامی باب متابعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں صفحہ ۸۶ پر شرح مختصر المنار سے نقل کیا اور یہ عبارت نور الانوار بحث تقلید میں بھی ہے۔

اَلتَّقْلِيْدُ اِتِّبَاعُ الرَّجُلِ غَيْرَهٗ فِيْمَا سَمِعَهٗ يَقُوْلُ اَوْفِيْ فِعْلِهٖ عَلٰى زَعْمٍ اَنَّهٗ مُحِقٌّ بِلَا نَظَرٍ فِي الدَّلِيْلِ۔	تقلید کے معنی ہیں کسی شخص کا اپنے غیر کی اطاعت کرنا اس میں جو اسکو کہتے ہوئے یا کرتے ہوئے سن لے یہ سمجھ کر کہ وہ اہل تحقیق میں سے ہے بغیر دلیل میں نظر کیئے ہوئے

نیز امام غزالی کتاب المستصفٰے جلد دوم صفحہ ۳۸۷ میں فرماتے ہیں اَلتَّقْلِيْدُ هُوَ قَبُوْلُ قَوْلٍ بِلَا حُجَّةٍ۔

مسلم الثبوت میں ہے اَلتَّقْلِيْدُ اَلْعَمَلُ بِقَوْلِ الْغَيْرِ مِنْ غَيْرِ حُجَّةٍ ترجمہ وہ ہی جو اوپر بیان ہوا اس تعریف سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السّلام کی اطاعت کرنے کو تقلید نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ انکا ہر قول و فعل دلیل شرعی ہے تقلید میں ہوتا ہے۔ دلیل شرعی کو نہ دیکھنا۔ لہذا ہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اُمتی کہلائیں گے نہ کہ مقلد۔ اسی طرح صحابہ کرام و آئمہ دین حضور علیہ السلام کے امتی ہیں نہ کہ مقلد اسی طرح عالم کی اطاعت جو عام مسلمان کرتے ہیں اس کو بھی تقلید نہ کہا جائے گا کیونکہ کوئی بھی ان عالموں کی بات یا ان کے کام کو اپنے لیئے حجت نہیں بناتا۔ بلکہ یہ سمجھ کر ان کی بات مانتا ہے کہ مولوی آدمی ہیں کتاب سے دیکھ کر کہہ رہے ہوں گے اگر ثابت ہوجائے کہ ان کا یہ فتویٰ غلط تھا، کتب فقہ کے خلاف تھا تو کوئی بھی نہ مانے بخلاف قول امام ابوحنیفہ کے کہ اگر وہ حدیث یا قرآن یا اجماع امت کو دیکھ کر مسئلہ فرمادیں تو بھی قبول اور اگر اپنے قیاس سے حکم دیں تو بھی قبول ہوگا یہ فرق ضرور یاد رہے۔

تقلید دو طرح کی ہے۔ تقلید شرعی اور غیر شرعی۔ تقلید شرعی تو شریعت کے احکام میں کسی کی پیروی کرنے کو کہتے ہیں۔ جیسے روزے، نماز، حج۔ زکوٰۃ وغیرہ کے مسائل میں آئمہ دین کی اطاعت کی جاتی ہے اور تقلید غیر شرعی دنیاوی باتوں میں کسی کی پیروی کرنا ہے جیسے طبیب لوگ علم طب میں بوعلی سینا کی اور شاعر لوگ داغ، امیر یا مرزا غالب کی یا نحوی و صرفی لوگ سیبویہ اور خلیل کی پیروی کرتے ہیں اسی طرح ہر پیشہ ور اپنے پیشہ میں اس فن کے ماہرین کی پیروی کرتے ہیں۔ یہ تقلید دنیاوی ہے۔

صوفیائے کرام جو وظائف و اعمال میں اپنے مشائخ کے قول و فعل کی پیروی کرتے ہیں وہ تقلید دینی تو ہے مگر تقلید شرعی نہیں بلکہ تقلید فی الطریقت ہے۔ اس لئے کہ یہ شرعی مسائل حرام و حلال میں تقلید نہیں ہاں جس چیز میں تقلید ہے وہ دینی کام ہے۔

تقلید غیر شرعی اگر شریعت کے خلاف میں ہے تو حرام ہے اگر خلاف اسلام نہ ہو تو جائز ہے بوڑھی عورتیں اپنے باپ داداؤں کی ایجاد کی ہوئی شادی غمی کی ان رسموں کی پابندی کریں جو خلاف شریعت ہیں تو حرام ہے اور طبیب لوگ جو طبی مسائل میں بوعلی سینا وغیرہ کی پیروی کریں جو کہ مخالف اسلام نہ ہوں تو جائز ہے اسی پہلی قسم کی حرام تقلید کے بارے میں قرآن کریم جگہ جگہ ممانعت فرماتا ہے اور ایسی تقلید کرنے والوں کی برائی فرماتا ہے۔

وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا	اور اس کا کہنا نہ مان جسکا دل ہم نے اپنی یاد سے غافل کردیا

وَاتَّبَعَ هَوَاهُ وَكَانَ أَمْرُهُ فُرُطًا

اور وہ اپنی خواہش کے پیچھے چلا اور اس کا کام حد سے گزر گیا۔

۲۔ وَإِنْ جَاهَدَاكَ عَلَىٰ أَنْ تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا۔

اور اگر وہ تجھ سے کوشش کریں کہ تو میرا شریک ٹھہرا اس کو جس کا تجھ کو علم نہیں تو ان کا کہنا نہ مان۔

۳۔ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ قَالُوا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ۔

اور جب ان سے کہا جاتے کہ آؤ اس طرف جو اللہ نے اتارا اور رسول کی طرف کہیں ہم کو وہ بہت ہے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا۔ اگرچہ ان کے باپ دادا کچھ نہ جانیں اور نہ راہ پر ہوں۔

۴۔ وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا۔

اور جب ان سے کہا جاوے کہ اللہ کے اتارے ہوئے پر چلو تو کہیں گے ہم تو اس پر چلیں گے جس پر اپنے باپ دادا کو پایا۔

ان میں اور ان جیسی آیتوں میں اسی تقلید کی برائی فرمائی گئی ہے جو شریعت کے مقابلہ میں جاہل باپ دادوں کے حرام کاموں میں کی جاوے کہ چونکہ ہمارے باپ دادا ایسا کرتے تھے ہم بھی ایسا کریں گے۔ چاہے یہ کام جائز ہو یا ناجائز۔ رہی شرعی تقلید اور آئمہ دین کی اطاعت، اس سے ان آیات کو کوئی تعلق نہیں ان آیتوں سے تقلید آئمہ کو شرک یا حرام کہنا محض بے دینی ہے۔ اس کا بہت خیال رہے۔

دوسرا باب

کن مسائل میں تقلید کی جاتی ہے کن میں نہیں

تقلید شرعی میں کچھ تفصیل ہے شرعی مسائل تین طرح کے ہیں (۱) عقائد (۲) وہ احکام جو صراحۃً قرآن پاک یا حدیث شریف سے ثابت ہوں اجتہاد کو ان میں دخل نہ ہو (۳) وہ احکام جو قرآن یا حدیث سے استنباط و اجتہاد کر کے نکالے جائیں۔

عقائد میں کسی کی تقلید جائز نہیں۔ تفسیر روح البیان آخر سورہ ھود زیر آیت نَصِيبَهُمْ غَيْرَ مَنْقُوصٍ میں ہے وَفِي الْآيَةِ ذَمُّ التَّقْلِيدِ وَهُوَ قَبُولُ قَوْلِ الْغَيْرِ بِلَا دَلِيلٍ وَهُوَ جَائِزٌ فِي الْفُرُوعِ وَالْعَمَلِيَّاتِ۔

وَلَا يَجُوْزُ فِي اُصُوْلِ الدِّيْنِ وَالْاِعْتِقَادِيَّاتِ بَلْ لَابُدَّ مِنَ النَّظَرِ وَالْاِسْتِدْلَالِ اگر کوئی ہم سے پوچھے کہ توحید و رسالت وغیرہ تم نے کیسے مانی تو یہ نہ کہا جاوے گا کہ حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے فرمانے سے یا کہ فقہ اکبر سے بلکہ دلائل توحید و رسالت سے کیونکہ عقائد میں تقلید نہیں ہوتی۔ مقدمہ شامی بحث تقلید المفضول مع الافضل میں ہے۔

(عَنْ مُعْتَقَدِنَا) اَيْ عَمَّا نَعْتَقِدُهٗ مِنْ غَيْرِ الْمَسَائِلِ الْفَرْعِيَّةِ مِمَّا يَجِبُ اِعْتِقَادُهٗ عَلٰى كُلِّ مُكَلَّفٍ بِلَا تَقْلِيْدٍ لِاَحَدٍ وَهُوَ مَا عَلَيْهِ اَهْلُ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ وَهُمُ الْاَشَاعِرَةُ وَالْمَاتُرِيْدِيَّةُ

یعنی جن کا ہم اعتقاد رکھتے ہیں فرعی مسائل کے علاوہ کہ جن کا اعتقاد رکھنا ہر مکلف پر بغیر کسی کی تقلید کے واجب ہے وہ عقائد وہی ہیں جن پر اہل سنت والجماعت ہیں اور اہل سنت اشاعرہ اور ماتریدیہ ہیں۔

نیز تفسیر کبیر پارہ دس زیر آیت فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلَامَ اللهِ میں ہے هٰذِهِ الْاٰيَةُ تَدُلُّ عَلٰى اَنَّ التَّقْلِيْدَ غَيْرُ كَافٍ فِي الدِّيْنِ وَاَنَّهٗ لَابُدَّ مِنَ النَّظَرِ وَالْاِسْتِدْلَالِ صریح احکام میں بھی کسی کی تقلید جائز نہیں۔ پانچ نمازیں، نماز کی رکعتیں، تیس روزے، روزے میں کھانا پینا حرام ہونا یہ وہ مسائل ہیں جن کا ثبوت نص سے صراحۃً ہے اس لئے یہ نہ کہا جائے گا کہ نمازیں پانچ اس لئے ہیں یا روزے ایک ماہ کے اس لیئے ہیں کہ فقہ اکبر میں لکھا ہے یا امام ابو حنیفہ نے فرمایا ہے بلکہ اس کے لیئے قرآن و حدیث سے دلائل دیئے جائیں گے۔

جو مسائل قرآن و حدیث یا اجماع امت سے اجتہاد و استنباط کر کے نکالے جائیں۔ ان میں غیر مجتہد پر تقلید کرنا واجب ہے مسائل کی جو ہم نے تقسیم کر دی اور بتا دیا کہ کون سے مسائل تقلیدیہ ہیں اور کون سے نہیں اس کا بہت لحاظ ہے بعض موقعہ پر غیر مقلد اعتراض کرتے ہیں کہ مقلد کو حق نہیں ہوتا کہ دلائل سے مسائل نکالے پھر تم لوگ نماز روزے کے لیئے قرآنی آیتیں یا احادیث کیوں پیش کرتے ہو اس کا جواب بھی اس امر میں آ گیا کہ روزہ و نماز کی فرضیت تقلیدی مسائل سے نہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ سوائے احکام خبر وغیرہ میں تقلید نہ ہوگی۔ جیسے کہ مسئلہ کفر یزید وغیرہ۔ نیز قیاسی مسائل میں فقہا کا قرآن و حدیث سے دلائل پیش کرنا صرف مانے ہوئے مسائل کی تائید کے لیئے ہوتا ہے وہ مسائل پہلے ہی سے قول امام سے مانے ہوئے ہوتے ہیں تو بلا نظر فی الدلیل کے یہ معنی نہیں کہ مقلد دلائل دیکھے ہی نہیں بلکہ یہ کہ دلائل سے مسائل حل نہ کرے۔

تیسرا باب

کس پر تقلید کرنا واجب ہے اور کس پر نہیں

مکلف مسلمان دو طرح کے ہیں ایک مجتہد۔ دوسرے غیر مجتہد۔ مجتہد وہ ہے۔ جس میں اس قدر علمی لیاقت اور قابلیت ہو کہ قرآنی اشارات و رموز سمجھ سکے اور کلام کے مقصد کو پہچان سکے اس سے مسائل نکال سکے۔ ناسخ و منسوخ کا پورا علم رکھتا ہو۔ علم صرف و نحو و بلاغت وغیرہ میں اس کو پوری مہارت حاصل ہو احکام کی تمام آیتوں اور احادیث پر اس کی نظر ہو۔ اس کے علاوہ ذکی اور خوش فہم ہو دیکھو تفسیرات احمدیہ وغیرہ جو کہ اس درجہ پر نہ پہنچا ہو وہ غیر مجتہد یا مقلد ہے۔ غیر مجتہد پر تقلید ضروری ہے۔ مجتہد کے لیے تقلید منع۔ مجتہد کے چھ طبقے ہیں (۱) مجتہد فی الشرع (۲) مجتہد فی المذہب (۳) مجتہد فی المسائل (۴) اصحاب التخریج (۵) اصحاب الترجیح (۶) اصحاب التمیز (مقدمہ شامی بحث طبقات الفقہاء)

(۱) مجتہد فی الشرع وہ حضرات ہیں جنہوں نے اجتہاد کرنے کے قواعد بنائے۔ جیسے چاروں امام ابو حنیفہ شافعی۔ مالک۔ احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم اجمعین۔

(۲) مجتہد فی المذہب وہ حضرات ہیں جو ان اصول میں تقلید کرتے ہیں اور ان اصول سے مسائل شرعیہ فرعیہ خود استنباط کر سکتے ہیں جیسے امام ابو یوسف و محمد ابن مبارک رحمہم اللہ اجمعین۔ کہ یہ قواعد میں حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالے عنہ کے مقلد ہیں اور مسائل میں خود مجتہد۔

(۳) مجتہد فی المسائل وہ حضرات ہیں جو قواعد اور مسائل فرعیہ دونوں میں مقلد ہیں۔ مگر وہ مسائل جن کے متعلق آئمہ کی تصریح نہیں ملتی۔ ان کو قرآن و حدیث وغیرہ دلائل سے نکال سکتے ہیں۔ جیسے امام طحاوی اور قاضی خان، شمس الآئمہ سرخسی وغیرہم۔

(۴) اصحاب تخریج وہ حضرات ہیں جو اجتہاد تو بالکل نہیں کر سکتے، ہاں آئمہ میں سے کسی کے مجمل قول کی تفصیل فرما سکتے ہیں جیسے امام کرخی وغیرہ۔

(۵) اصحاب ترجیح وہ حضرت ہیں جو امام صاحب کی چند روایات میں سے بعض کو ترجیح دے سکتے ہیں یعنی اگر کسی مسئلہ میں حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالے عنہ کے دو قول روایت میں آئے تو ان میں

سے کس کو ترجیح دیں۔ یہ وہ کر سکتے ہیں۔ اسی طرح جہاں امام صاحب اور صاحبین کا اختلاف ہو تو کسی کے قول کو ترجیح دے سکتے ہیں کہ ہذا اولیٰ یا ہذا اصح وغیرہ جیسے صاحب قدوری اور صاحب ہدایہ

(۶) اصحاب تمیز وہ حضرات ہیں جو ظاہر مذہب اور روایات نادرہ اسی طرح قول ضعیف اور قوی اور اقویٰ میں فرق کر سکتے ہیں کہ اقوال مردودہ اور روایات ضعیفہ کو ترک کر دیں۔ اور صحیح روایات اور معتبر قول کو لیں۔ جیسے کہ صاحب کنز اور صاحب دُرِّ مختار وغیرہ۔

جن میں ان چھ وصفوں میں سے کچھ بھی نہ ہوں۔ وہ مقلد محض ہیں۔ جیسے ہم اور ہمارے زمانہ کے عام علماء کہ ان کا صرف یہ ہی کام ہے کہ کتاب سے مسائل دیکھ کر لوگوں کو بتادیں۔

ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ مجتہد کو تقلید کرنا حرام ہے تو ان چھ طبقوں میں جو صاحب جس درجہ کے مجتہد ہوں گے۔ وہ اس درجہ سے کسی کی تقلید نہ کریں گے۔ اور اس سے اوپر والے درجہ میں مقلد ہوں گے جیسے امام ابو یوسف و محمد رحمہما اللہ تعالیٰ کہ یہ حضرات اصول اور قواعد میں تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد ہیں اور مسائل میں چونکہ خود مجتہد ہیں۔ اس لئے ان میں مقلد نہیں۔

ہماری اس تقریر سے غیر مقلدوں کا یہ سوال بھی اٹھ گیا کہ جب امام ابو یوسف و محمد علیہما الرحمۃ حنفی ہیں اور مقلد ہیں تو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی جگہ جگہ مخالفت کیوں کرتے ہیں۔ تو یہ ہی کہا جاویگا۔ کہ اصول و قواعد میں یہ حضرات مقلد ہیں۔ اس میں مخالفت نہیں کرتے اور فرعی مسائل میں مخالفت کرتے ہیں انہیں خود مجتہد ہیں۔ وہ کسی کے مقلد نہیں۔

یہ سوال بھی اٹھ گیا کہ تم بہت سے مسائل میں صاحبین کے قول پر فتویٰ دیتے ہو اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو چھوڑتے ہو پھر تم حنفی کیسے؟ جواب آگیا کہ بعض درجہ کے فقہاء اصحاب ترجیح بھی ہیں جو چند قولوں میں سے بعض کو ترجیح دیتے ہیں اسی لئے ہم کو ان فقہاء کا ترجیح دیا ہوا جو قول ملا اس پر فتویٰ دیا گیا

یہ سوال بھی اٹھ گیا کہ تم اپنے کو حنفی پھر کیوں کہتے ہو۔ یوسفی یا محمدی یا ابن مبارکی کہو کیونکہ بہت سی جگہ تم ان کے قول پر عمل کرتے ہو امام ابو حنیفہ کا قول چھوڑ کر۔ جواب یہ ہی ہوا کہ چونکہ ابو یوسف و محمد و ابن مبارک رحمہم اللہ تعالیٰ کے تمام اقوال امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کے اصول اور قوانین پر بنے ہیں۔ لہٰذا ان میں سے کسی بھی قول کو لینا در حقیقت امام صاحب ہی کے قول کو لینا ہے جیسے حدیث پر عمل در حقیقت قرآن پر ہی عمل ہے کہ رب تعالیٰ نے اس کا حکم دیا ہے مثلاً امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ کوئی حدیث صحیح ثابت

ہو جاوے تو وہ ہی میرا مذہب ہے۔ اب اگر کوئی محقق فی المذاہب کوئی صحیح حدیث پا کر اس پر عمل کرے تو وہ اس سے غیر مقلد نہ ہوگا۔ بلکہ حنفی ہی رہے گا۔ کیونکہ اس نے اس حدیث پر امام صاحب کے اس قاعدے سے عمل کیا یہ پوری بحث دیکھو مقدمہ شامی مطلب صَحَّ عَنِ الْاِمَامِ اِذَا صَحَّ الْحَدِیْثُ فَهُوَ مَذْهَبِیْ امام صاحب کے اس قول کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جب کوئی حدیث صحیح ثابت ہوئی ہے تو وہ میرا مذہب ہے یعنی ہر مسئلہ اور ہر حدیث میں میں نے بہت جرح قدح اور تحقیق کی ہے تب اسے اختیار کیا چنانچہ حضرت امام کے یہاں ہر مسئلہ کی بڑی چھان بین ہوتی تھی۔ مجتہد شاگردوں سے نہایت تحقیقی گفتگو کے بعد اختیار فرمایا جاتا تھا۔

اگر یہ مختصر سی تقریر خیال میں رکھی گئی تو بہت مشکلوں کو انشاء اللہ حل کر دے گی اور بہت کام آویگی۔

بعض غیر مقلد کہتے ہیں کہ ہم میں اجتہاد کرنے کی قوت ہے لہٰذا ہم کسی کی تقلید نہیں کرتے اس کے لیے بہت طویل گفتگو کی ضرورت نہیں۔ صرف یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ اجتہاد کے لیے کس قدر علم کی ضرورت ہے اور ان حضرات کو وہ قوت علمی حاصل ہے یا نہیں۔

حضرت امام رازی، امام غزالی وغیرہ امام ترمذی و امام ابو داؤد وغیرہ حضور غوث پاک حضرت بایزید بسطامی۔ شاہ بہاء الحق نقشبند اسلام میں ایسے پایہ کے علماء اور مشائخ گزرے کہ ان پر اہل اسلام جسقدر بھی فخر کریں کم ہے۔ مگر ان حضرات میں سے کوئی صاحب بھی مجتہد نہ ہوئے بلکہ سب مقلد ہی ہوئے خواہ امام شافعی کے مقلد ہوں۔ یا امام ابو حنیفہ کے رضی اللہ عنہم اجمعین۔ زمانہ موجودہ میں کون ان کی قابلیت کا ہے جب ان کا علم مجتہد بننے کیلئے کافی نہ ہوا۔ تو جن بے چاروں کو ابھی حدیث کی کتابوں کے نام لینا بھی نہ آتے ہوں وہ کس شمار میں ہیں۔

ایک صاحب نے دعویٰ اجتہاد کیا تھا ہم نے ان سے صرف اتنا پوچھا کہ سورۃ تکاثر سے کس قدر مسائل آپ نکال سکتے ہیں اور اس میں حقیقت، مجاز، صریح و کنایہ ظاہر و نص کتنے ہیں۔ ان بے چارے نے ان چیزوں کے نام بھی نہ سنے تھے۔

چوتھا باب

تقلید واجب ہونے کے دلائل میں

اس باب میں ہم دو فصلیں لکھتے ہیں۔ پہلی فصل میں تو مطلقاً تقلید کے دلائل ہیں۔ دوسری میں تقلید شخصی کے دلائل۔

فصل اول ۔ تقلید کا واجب ہونا قرآنی آیات۔ اور احادیث صحیحہ اور عمل امت اور اقوال مفسرین سے ثابت ہے۔ تقلید مطلقاً بھی اور تقلید مجتہدین بھی ہر ایک تقلید کا ثبوت ہے۔

اِھۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡھِمۡ۔ ہم کو سیدھا راستہ چلا۔ ان کا راستہ جن پر تو نے احسان کیا۔ (سورہ فاتحہ)

اس سے معلوم ہوا کہ صراط مستقیم وہی ہے جس پر اللہ کے نیک بندے چلے ہوں اور تمام مفسرین محدثین فقہاء، اولیاء اللہ، غوث و قطب و ابدال اللہ کے نیک بندے ہیں وہ سب ہی مقلد گزرے لہٰذا تقلید ہی سیدھا راستہ ہوا۔ کوئی محدث و مفسر، ولی غیر مقلد نہ گزرا۔ غیر مقلد وہ ہے جو مجتہد نہ ہو۔ پھر تقلید نہ کرے۔ جو مجتہد ہو کر تقلید نہ کرے۔ وہ غیر مقلد نہیں۔ کیونکہ مجتہد کو تقلید کرنا منع ہے۔

(۲) لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَھَا (سورہ بقرہ) اللہ کسی جان پر بوجھ نہیں ڈالتا مگر اس کی طاقت بھر

اس آیت سے معلوم ہوا کہ طاقت سے زیادہ کام کی خدا تعالیٰ کسی کو تکلیف نہیں دیتا۔ تو جو شخص اجتہاد نہ کر سکے اور قرآن سے مسائل نہ نکال سکے۔ اس سے تقلید نہ کرانا اور اس سے استنباط کرانا طاقت سے زیادہ بوجھ ڈالنا ہے۔ جب غریب آدمی پر زکوٰۃ اور حج فرض نہیں تو بے علم پر مسائل کا استنباط کرانا کیونکر ضروری ہوگا۔

(۳) وَالسّٰبِقُوۡنَ الۡاَوَّلُوۡنَ مِنَ الۡمُھٰجِرِیۡنَ وَالۡاَنۡصَارِ وَالَّذِیۡنَ اتَّبَعُوۡھُمۡ بِاِحۡسَانٍ رَّضِیَ اللّٰہُ عَنۡھُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡہُ۔ اور سب میں اگلے پچھلے مہاجر و انصار اور جو بھلائی کے ساتھ ان کے پیرو ہوئے اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی۔

معلوم ہوا کہ اللہ اُن سے راضی ہے جو مہاجرین اور انصار کی اتباع یعنی تقلید کرتے ہیں۔ یہ بھی تقلید ہوئی۔

(۴) اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ۔ | اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور حکم والوں کی جو تم میں سے ہوں۔

اس آیت میں تین ذاتوں کی اطاعت کا حکم دیا گیا۔ اللہ کی (قرآن) رسول علیہ السلام کی (حدیث) امر والوں کی (فقہ و استنباط کے علماء) مگر کلمہ اطیعوا دو جگہ لایا گیا۔ اللہ کے لیے ایک اور رسول علیہ السلام اور حکم والوں کے لیے ایک۔ کیونکہ اللہ کی صرف اس کے فرمانے میں ہی اطاعت کی جائے گی نہ کہ اس کے فعل میں اور نہ اس کے سکوت میں۔ وہ کفار کو روزی دیتا ہے کبھی ان کو ظاہری فتح دیتا ہے وہ کفر کرتے ہیں مگر ان کو فوراً عذاب نہیں بھیجتا۔ ہم اس میں رب تعالیٰ کی پیروی نہیں کر سکتے کہ کفار کی امداد کریں بخلاف نبی علیہ السلام و امام مجتہد کے کہ ان کا ہر حکم ان کا ہر کام اور ان کا کسی کو کچھ کام کرتے ہوئے دیکھ کر خاموش ہونا۔ تینوں چیزوں میں پیروی کی جاوے گی۔ اس فرق کی وجہ سے دو جگہ اَطِیْعُوا بولا اگر کوئی کہے کہ امر والوں سے مراد سلطان اسلامی ہے تو سلطان اسلامی کی اطاعت شرعی احکام میں کی جاوے گی نہ کہ خلاف شرع چیزوں میں اور سلطان وہ شرعی احکام علماء مجتہدین ہی سے معلوم کرے گا حکم تو سب میں فقیہ کا ہوتا ہے۔ اسلامی سلطان محض اس کا جاری کرنے والا ہوتا ہے۔ تمام رعایا کا حاکم بادشاہ اور بادشاہ کا حاکم۔ عالم مجتہد لہٰذا نتیجہ وہ ہی نکلا کہ اولی الامر علمائے مجتہدین ہی ہوئے اور اگر بادشاہ اسلامی بھی مراد لو جب بھی تقلید تو ثابت ہو ہی گئی۔ عالم کی نہ ہوئی بادشاہ کی ہوئی۔

یہ بھی خیال رہے کہ آیت میں اطاعت سے مراد شرعی اطاعت ہے۔

ایک نکتہ اس آیت میں یہ بھی ہے کہ احکام تین طرح کے ہیں۔ صراحۃً قرآن سے ثابت جیسے کہ جس عورت غیر حاملہ کا شوہر مر جائے تو اس کی عدت چار ماہ دس دن ہے ان کے لیے حکم ہوا اَطِیْعُوا اللّٰہَ دوسرے وہ جو صراحۃً حدیث سے ثابت ہیں۔ جیسے کہ چاندی سونے کا زیور مرد کو پہننا حرام ہے اس کے لیے فرمایا گیا وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ تیسرے وہ جو نہ تو صراحۃً قرآن سے ثابت ہیں نہ حدیث سے جیسے کہ چاول میں سود کی حرمت قطعی ہے۔ اس کے لیے فرمایا گیا اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ تین طرح کے احکام اور تین حکم۔

(۵) فَاسْئَلُوْا اَھْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ | تو اے لوگو علم والوں سے پوچھو اگر تم کو علم نہیں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو شخص جس مسئلہ کو نہ جانتا ہو وہ اہل علم سے دریافت کرے۔ وہ

اجتہادی مسائل جن کے نکالنے کی ہم میں طاقت نہ ہو۔ مجتہدین سے دریافت کیئے جائیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس سے مراد تاریخی واقعات ہیں۔ جیسا کہ اوپر کی آیت سے ثابت ہے لیکن یہ صحیح نہیں اس لیئے کہ اس آیت کے کلمات مطلق بغیر قید کے ہیں اور پوچھنے کی وجہ ہے نہ جاننا تو جس چیز کو ہم نہ جانتے ہوں اس کا پوچھنا لازم ہے۔

(۶) وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ	اور اس کی راہ چل جو میری طرف رجوع لایا۔

اس آیت سے بھی معلوم ہوا کہ اللہ کی طرف رجوع کرنے والوں کی اتباع (تقلید) ضروری ہے۔ یہ حکم بھی عام ہے کیونکہ آیت میں کوئی قید نہیں۔

(۷) وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا۔	اور وہ جو عرض کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم کو دے ہماری بیویوں اور ہماری اولاد سے آنکھوں میں ٹھنڈک اور ہم کو پرہیز گاروں کا پیشوا بنا۔

اس آیت کی تفسیر میں تفسیر معالم التنزیل میں ہے۔

فَنَقْتَدِي بِالْمُتَّقِينَ وَيَقْتَدِي بِنَا الْمُتَّقُونَ۔	ہم پرہیزگاروں کی پیروی کریں اور پرہیزگار ہماری پیروی کریں۔

اس آیت سے بھی معلوم ہوا کہ اللہ والوں کی پیروی اور ان کی تقلید ضروری ہے۔

(۸) فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ طَائِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنْذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ۔	تو کیوں نہ ہوا کہ ان کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکلے کہ دین کی سمجھ حاصل کریں اور واپس آکر اپنی قوم کو ڈر سنائیں اس امید پر کہ وہ بچیں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر شخص پر مجتہد بننا ضروری نہیں۔ بلکہ بعض تو فقیہ بنیں اور بعض دوسرں کی تقلید کریں۔

(۹) وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَىٰ أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنْبِطُونَهُ مِنْهُمْ۔	اور اگر اس میں رسول اور امر والے لوگوں کی طرف رجوع کرتے تو ضرور ان میں سے اس کی حقیقت جان لیتے وہ جو استنباط کرتے ہیں۔

اس سے صاف معلوم ہوا کہ احادیث اور اخبار اور قرآنی آیات۔ کو پہلے استنباط کرنے والے علماء

کے سامنے پیش کرے۔ پھر جس طرح وہ فرمادیں اس پر عمل کرے۔ خبر سے بڑھ کر قرآن و حدیث ہے لہٰذا اُس کا مجتہد پر پیش کرنا ضروری ہے۔

(۱۰) یَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمْ | جس دن ہر جماعت کو ہم اس کے امام کے ساتھ بلائیں گے۔

اس کی تفسیر تفسیر روح البیان میں اس طرح ہے۔

اَوْ مُقْتَدَاهُمْ فِی الدِّیْنِ فَیُقَالُ یَا حَنَفِیُّ یَا شَافِعِیُّ۔ | یا امام دینی پیشوا ہے۔ پس قیامت میں کہا جاوے گا کہ اے حنفی اے شافعی۔

اس سے معلوم ہوا کہ قیامت کے دن ہر انسان کو اس کے امام کے ساتھ بلایا جاوے گا۔ یوں کہا جاوے گا کہ اے حنفیو اے شافعیو اے مالکیو چلو ا تو جس نے امام ہی نہ پکڑا۔ اس کو کس کے ساتھ بلایا جائے گا۔ اس کے بارے میں صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ جس کا کوئی امام نہیں۔ اس کا امام شیطان ہے۔

(۱۱) وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَاۤ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْۤا اَنُؤْمِنُ كَمَاۤ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ۔ | یعنی جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ایسا ایمان لاؤ جیسا کہ مخلص مومن ایمان لاتے تو کہتے ہیں کہ کیا ہم ایسا ایمان لائیں جیسا یہ بے وقوف ایمان لائے۔

معلوم ہوا کہ ایمان بھی وہ ہی معتبر ہے۔ جو صالحین کا سا ہو۔ تو مذہب بھی وہ ہی ٹھیک ہے۔ جو نیک بندوں کی طرح ہو اور وہ تقلید ہے۔

اقوال مفسرین و محدثین

دارمی باب الاقتداء بالعلماء میں ہے۔ اَخْبَرَنَا یَعْلٰی قَالَ اَخْبَرَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ عَنْ عَطَاءٍ وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ قَالُوْا اُولُو الْعِلْمِ وَالْفِقْهِ۔ | خبر دی ہم کو یعلیٰ نے انہوں نے کہا کہ مجھ سے کہا عبد الملک نے انہوں نے عطا سے روایت کی کہ اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور اپنے میں سے امر والوں کی۔ فرمایا عطا نے کہ اولوالامر علم اور فقہ والے حضرات ہیں

تفسیر خازن زیر آیت۔

فَاسْئَلُوْۤا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔ | پس پوچھو تم ذکر والوں سے اگر تم نہیں جانتے

فَاسْئَلُوا الْمُؤْمِنِيْنَ الْعٰلِمِيْنَ مِنْ اَهْلِ الْقُرْاٰنِ۔

تم ان مومنوں سے پوچھو جو قرآن کریم کے عالم ہیں۔

تفسیر درمنثور میں اسی آیت فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ کی تفسیر میں ہے۔

اَخْرَجَ ابْنُ مَرْدَوَيْهِ عَنْ اَنَسٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ الرَّجُلَ يُصَلِّيْ وَيَصُوْمُ وَيَحُجُّ وَيَغْزُوْ وَاِنَّهٗ لَمُنَافِقٌ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ بِمَا ذَا دَخَلَ عَلَيْهِ النِّفَاقُ قَالَ لِطَعْنِهٖ عَلٰى اِمَامِهٖ وَاِمَامُهٗ مَنْ قَالَ قَالَ اللّٰهُ فِيْ كِتَابِهٖ فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔

ابن مردویہ نے حضرت انس سے روایت کی فرماتے ہیں کہ میں نے حضور علیہ السلام سے سنا کہ فرماتے تھے کہ بعض شخص نماز پڑھتے ہیں، روزے رکھتے ہیں حج اور جہاد کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ منافق ہوتے ہیں عرض کی کہ یا رسول اللہ کس وجہ سے ان میں نفاق آگیا۔ فرمایا کہ اپنے امام پر طعنہ کرنے کی وجہ سے امام کون ہے فرمایا کہ رب نے فرمایا فَاسْئَلُوْا الْاٰیۃ

تفسیر صاوی سورہ کہف وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ کی تفسیر میں ہے۔

وَلَا يَجُوْزُ تَقْلِيْدُ مَا عَدَا الْمَذَاهِبِ الْاَرْبَعَةِ وَلَوْ وَافَقَ قَوْلَ الصَّحَابَةِ وَالْحَدِيْثَ الصَّحِيْحَ وَالْاٰيَةَ فَالْخَارِجُ عَنِ الْمَذَاهِبِ الْاَرْبَعَةِ ضَالٌّ مُضِلٌّ وَرُبَمَا اَدَّاهُ ذٰلِكَ لِلْكُفْرِ لِاَنَّ الْاَخْذَ بِظَوَاهِرِ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ مِنْ اُصُوْلِ الْكُفْرِ۔

یعنی چار مذہبوں کے سوا کسی کی تقلید جائز نہیں اگرچہ وہ صحابہ کے قول اور صحیح حدیث اور آیت کے موافق ہی ہو۔ جو ان چار مذہبوں سے خارج ہے وہ گمراہ اور گمراہ کرنے والا ہے۔ کیوں کہ حدیث و قرآن کے محض ظاہری معنے لینا کفر کی جڑ ہے۔

احادیث۔ مسلم جلد اول صفحہ ۵۴ باب بیان اِنَّ الدِّيْنَ النَّصِيْحَةُ میں ہے۔

عَنْ تَمِيْمِ الدَّارِيِّ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلدِّيْنُ النَّصِيْحَةُ قُلْنَا لِمَنْ قَالَ لِلّٰهِ وَلِكِتَابِهٖ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِاَئِمَّةِ الْمُسْلِمِيْنَ وَعَامَّتِهِمْ۔

تمیم داری سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ دین خیر خواہی ہے ہم نے عرض کیا کس کی؟ فرمایا اللہ کی اور اس کی کتاب کی اور اس کے رسول کی۔ اور مسلمانوں کے اماموں کی اور عام مومنین کی۔

اس حدیث کی شرح نووی میں ہے۔

وَقَدْ يَتَنَاوَلُ ذٰلِكَ عَلَى الْاَئِمَّةِ الَّذِيْنَ

یہ حدیث ان اماموں کو بھی شامل ہے جو علمائے دین

هُمْ عُلَمَاءُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِنَّ مِنْ نَصِيْحَتِهِمْ قَبُوْلُ مَا رَوَوْهُ وَتَقْلِيْدَهُمْ فِي الْاَحْكَامِ وَاِحْسَانَ الظَّنِّ بِهِمْ

ہیں اور علماء کی خیر خواہی سے ہے ان کی روایت کی ہوئی احادیث کا قبول کرنا اور ان کے احکام میں تقلید کرنا اور ان کے ساتھ نیک گمان کرنا۔

دوسری فصل تقلید شخصی کے بیان میں

مشکوٰۃ کتاب الامارۃ میں بحوالہ مسلم ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

مَنْ اَتَاكُمْ وَاَمْرُكُمْ جَمِيْعٌ عَلٰى رَجُلٍ وَاحِدٍ يُرِيْدُ اَنْ يَّشُقَّ عَصَاكُمْ وَيُفَرِّقَ جَمَاعَتَكُمْ فَاقْتُلُوْهُ۔

جو تمہارے پاس آوے حالانکہ تم ایک شخص کی اطاعت پر متفق ہو وہ چاہتا ہو کہ تمہاری لاٹھی توڑ دے اور تمہاری جماعت کو متفرق کر دے تو اس کو قتل کر دو۔

اس میں مراد امام اور علماء دین ہی ہیں۔ کیونکہ حاکم وقت کی اطاعت خلاف شرع احکام میں جائز نہیں ہے۔

مسلم نے کتاب الامارۃ میں ایک باب باندھا بَابُ وُجُوْبِ طَاعَةِ الْاُمَرَاءِ فِيْ غَيْرِ مَعْصِيَةٍ یعنی امیر کی اطاعت غیر معصیت میں واجب ہے اس سے معلوم ہوا کہ ایک ہی کی اطاعت ضروری ہے۔
مشکوٰۃ شریف کتاب البیوع باب الفرائض میں بروایت بخاری ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری نے حضرت ابن مسعود کے بارے میں فرمایا لَا تَسْئَلُوْنِيْ مَادَامَ هٰذَا الْحِبْرُ فِيْكُمْ جب تک کہ یہ علامہ تم میں رہیں۔ مجھ سے مسائل نہ پوچھو۔ معلوم ہوا کہ افضل کے ہوتے ہوئے مفضول کی اطاعت نہ کرے اور ہر مقلد کی نظر میں اپنا امام افضل ہوتا ہے۔

فتح القدیر میں ہے۔ مَنْ تَوَلّٰى اَمْرَ الْمُسْلِمِيْنَ شَيْئًا فَاسْتَعْمَلَ عَلَيْهِمْ رَجُلًا وَّيَعْلَمُ اَنَّ فِيْهِمْ مَنْ هُوَ اَوْلٰى بِذٰلِكَ وَاَعْلَمُ مِنْهُ بِكِتَابِ اللّٰهِ وَسُنَّةِ رَسُوْلِهٖ فَقَدْ خَانَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَجَمَاعَةَ الْمُسْلِمِيْنَ۔

جو شخص مسلمانوں کی حکومت کا مالک ہو پھر ان پر کسی کو حاکم بنائے حالانکہ جانتا ہو کہ مسلمانوں میں اس سے زیادہ مستحق اور قرآن و حدیث کا جاننے والا ہے تو اس نے اللہ و رسول علیہ السلام اور عام مسلمانوں کی خیانت کی۔

مشکوٰۃ کتاب الامارۃ فصل اول میں ہے۔

مَنْ مَاتَ وَلَيْسَ فِي عُنُقِهِ بَيْعَةٌ مَاتَ مِيْتَةً جَاهِلِيَّةً۔

جو مرجائے حالانکہ اس کے گلے میں کسی کی بیعت نہ ہو۔ وہ جہالت کی موت مرا۔

اس میں امام کی بیعت یعنی تقلید اور بیعت اولیاء سب ہی داخل ہیں ورنہ بتاؤ فی زمانہ ہندوستانی وہابی کس سلطان کی بیعت میں ہیں۔

یہ تو چند آیات واحادیث تھیں۔ اس کے علاوہ اور بھی پیش کی جاسکتی ہیں۔ مگر اختصاراً اسی پر قناعت کی گئی۔ اب امت کا عمل دیکھو۔ تو تبع تابعین کے زمانہ سے اب تک ساری امت مرحومہ اس ہی تقلید کی عامل ہے کہ جو خود مجتہد نہ ہو۔ وہ ایک مجتہد کی تقلید کرے اور اجماع امت پر عمل کرنا قرآن وحدیث سے ثابت ہے اور ضروری ہے۔ قرآن فرماتا ہے۔

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا۔

اور جو رسول کی مخالفت کرے بعد اس کے کہ حق راستہ اس پر کھل چکا اور مسلمانوں کی راہ سے جدا راستہ چلے ہم اس کو اس کی حالت پر چھوڑ دیں گے اور اسکو دوزخ میں داخل کرینگے۔ اور کیا ہی بری جگہ پلٹنے کی ہے۔

جس سے معلوم ہوا کہ جو راستہ عام مسلمانوں کا ہو اس کو اختیار کرنا فرض ہے اور تقلید پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔

مشکوٰۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنت میں ہے۔

اِتَّبِعُوا السَّوَادَ الْاَعْظَمَ فَاِنَّهٗ مَنْ شَذَّ شُذَّ فِي النَّارِ۔

بڑے گروہ کی پیروی کرو کیونکہ جو جماعت مسلمین سے علیحدہ رہا وہ علیحدہ کر کے جہنم میں بھیجا جاویگا۔

نیز حدیث میں ہے۔ مَا رَاٰهُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ حَسَنٌ۔

جس کو مسلمان اچھا جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ آج بھی اور اس سے پہلے بھی عام مسلمان تقلید شخصی ہی کو اچھا جانتے آئے اور مقلد ہی ہوئے آج بھی عرب وعجم میں مسلمان تقلید شخصی ہی کرتے ہیں اور جو غیر مقلد ہوا وہ اجماع کا منکر ہوا! اگر اجماع کا اعتبار نہ کرو تو خلافت صدیقی وفاروقی کس طرح ثابت کروگے وہ بھی تو اجماع اُمت سے ہی ثابت ہوئی۔ یہاں تک کہ جو شخص ان دونوں خلافتوں میں سے کسی کا بھی انکار کرے وہ کافر ہے دیکھو شامی وغیرہ اسی

طرح تقلید پر بھی اجماع ہوا۔

تفسیر خازن زیر آیت وَكُونُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ہے کہ ابوبکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے انصار سے فرمایا کہ قرآن شریف نے مہاجرین کو صادقین کہا اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ اور پھر فرمایا وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ سچوں کے ساتھ رہو۔ لہٰذا تم بھی علیحدہ خلافت نہ قائم کرو۔ ہمارے ساتھ رہو۔ ایسے ہی ہم غیر مقلدوں سے کہتا ہوں کہ سچوں نے تقلید کی ہے تم بھی ان کے ساتھ رہو۔ مقلد بنو۔

عقلی دلیل:۔ دنیا میں انسان کوئی بھی کام بغیر دوسرے کی پیروی کے نہیں کر سکتا۔ ہر ہنر اور علم کے قواعد سب میں اس کے ماہرین کی پیروی کرنا ہوتی ہے۔ دین کا معاملہ تو دنیا سے کہیں زیادہ مشکل ہے اس میں بھی اس کے ماہرین کی پیروی کرنا ہوگی۔ علم حدیث میں بھی تقلید ہے کہ فلاں حدیث اس لئے ضعیف ہے کہ بخاری نے یا فلاں محدث نے فلاں راوی کو ضعیف کہا ہے۔ اس کا قول ماننا یہ ہی تو تقلید ہے۔ قرآن کی قرأت میں قاریوں کی تقلید ہے کہ فلاں نے اس طرح اس آیت کو پڑھا ہے قرآن کے اعراب، آیات سب ہی تقلید ہی تو ہے نماز میں جب جماعت ہوتی ہے تو امام کی تقلید سب مقتدی کرتے ہیں حکومت اسلامی میں تمام مسلمان ایک بادشاہ کی تقلید کرتے ہیں۔ ریل میں بیٹھتے ہیں تو ایک انجن کی ساری ریل والے تقلید کرتے ہیں۔ غرضیکہ انسان ہر کام میں مقلد ہے اور خیال رہے کہ ان سب صورتوں میں تقلید شخصی ہے۔ نماز کے امام دو نہیں۔ بادشاہ اسلام دو نہیں۔ تو شریعت کے امام ایک شخص دو کس طرح مقرر کر سکتا ہے۔

مشکوٰۃ کتاب الجہاد باب آداب السفر میں ہے۔

اِذَا كَانَ ثَلٰثَةٌ فِيْ سَفَرٍ فَلْيُؤَمِّرُوْا اَحَدَهُمْ | جبکہ تین آدمی سفر میں ہوں تو ایک کو اپنا امیر بنا لیں

پانچواں باب

تقلید پر اعتراضات اور جوابات کے بیان میں

مسئلہ تقلید پر مخالفین کے اعتراضات دو طرح کے ہیں۔ ایک واہیات طعنے اور تمسخر ان کے جوابات ضروری نہیں۔ دوسرے وہ جن سے مقلدین کو غیر مقلد دھوکا دیتے ہیں۔ اور عام مقلدین

دھوکا کھالیتے ہیں۔ یہ حسب ذیل ہیں۔

سوال:- (۱) اگر تقلید ضروری تھی تو صحابہ کرام کسی کے مقلد کیوں نہ ہوئے؟

جواب:- صحابہ کرام کو کسی کی تقلید کی ضرورت نہ تھی۔ وہ تو حضور علیہ السلام کی صحبت کی برکت سے تمام مسلمانوں کے امام اور پیشوا ہیں کہ آئمہ دین امام ابو حنیفہ و شافعی وغیرہ وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان کی پیروی کرتے ہیں۔ مشکوٰۃ باب فضائل الصحابہ میں ہے۔

اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ بِاَیِّھِمْ اِقْتَدَیْتُمْ اِھْتَدَیْتُمْ۔ | میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں تم جن کی پیروی کروگے ہدایت پالوگے۔

عَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ وَسُنَّۃِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ ۲ تم لازم پکڑو میری اور میرے خلفاء راشدین کی سنت کو

یہ سوال تو ایسا ہے۔ جیسے کوئی کہے ہم کسی کے اُمتی نہیں۔ کیونکہ ہمارے نبی علیہ السلام کسی کے اُمتی نہ تھے تو اُمتی نہ ہونا سنت رسول اللہ ہے۔ اس سے یہ ہی کہا جاوے گا کہ حضور علیہ السلام تو خود نبی ہیں سب آپ کی امت ہیں وہ کس کے امتی ہوتے۔ ہم کو امتی ہونا ضروری ہے ایسے ہی صحابہ کرام تمام کے امام ہیں۔ اُن کا کون مسلمان امام ہوتا۔

نہر سے پانی اس کھیت کو دیا جاوے گا جو دریا سے دور ہو۔ تکبیر کی آواز پردہ ہی نماز پڑھیگا جو امام سے دور ہو لب دریا کے کھیتوں کو نہر کی ضرورت نہیں۔ صف اول کے مقتدیوں کو مکبرین کی ضرورت نہیں صحابہ کرام صف اول کے مقتدی ہیں۔ وہ بلا واسطہ سینۂ پاک مصطفےٰ علیہ السلام سے فیض لینے والے ہیں ہم چونکہ اس بحر سے دور ہیں لہذا کسی نہر کے حاجتمند ہیں۔ پھر سمندر سے ہزارہا دریا جاری ہوتے ہیں۔ جن سب میں پانی تو سمندر ہی کا ہے مگر ان سب کے نام اور راستے جدا ہیں کوئی گنگا کہلاتا ہے کوئی جمنا ایسے ہی حضور علیہ السلام۔ آب رحمت کے سمندر ہیں۔ اُس سینہ میں سے جو نہر امام ابو حنیفہ کے سینہ سے ہوتی ہوئی آئی اُسے حنفی کہا گیا جو امام مالک کے سینہ سے آئی وہ مذہب مالکی کہلایا۔ پانی سب کا ایک ہے مگر نام جداگانہ اور ان نہروں کی ہمیں ضرورت پڑی نہ کہ صحابہ کرام کو جیسے حدیث کی اسناد ہمارے لیئے ہے صحابہ کرام کیلئے نہیں۔

سوال (۲) رہبری کے لیئے قرآن و حدیث کافی ہیں۔ ان میں کیا نہیں جو کہ فقہ سے حاصل کریں قرآن فرماتا ہے۔

وَلَا رَطْبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ؁ | اور نہ ہے کوئی تر اور خشک چیز جو ایک روشن کتاب میں لکھی نہ ہو

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ۔	اور بیشک ہم نے قرآن یاد کرنے کے لیئے آسان فرما دیا تو ہے کوئی یاد کرنے والا۔

ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ قرآن میں سب ہے اور قرآن سب کے لیئے آسان بھی ہے پھر کس لیئے مجتہد کے پاس جاویں۔

جواب۔ قرآن و حدیث بیشک راہبری کے لیئے کافی ہیں۔ اور ان میں سب کچھ ہے۔ مگر ان سے مسائل نکالنے کی قابلیت ہونا چاہیئے۔ سمندر میں موتی ہیں۔ مگر ان کو نکالنے کیلئے غوطہ خور کی ضرورت ہے۔ آئمہ دین اس سمندر کے غوطہ زن ہیں۔ طب کی کتابوں میں سب کچھ لکھا ہے۔ مگر ہم کو حکیم کے پاس جانا اور اس سے نسخہ تجویز کرانا ضروری ہے۔ آئمہ دین طبیب ہیں وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ میں فرمایا گیا ہے کہ ہم نے قرآن کو حفظ کرنے کے لیئے آسان کیا ہے۔ نہ کہ اس سے مسائل استنباط کرنے کیلئے۔ اگر مسائل نکالنا آسان ہیں تو پھر حدیث کی بھی کیا ضرورت ہے قرآن میں سب کچھ ہے اور قرآن آسان ہے نیز پھر قرآن سکھانے کے لیئے نبی کیوں آئے۔ قرآن میں ہے وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ط اور وہ نبی ان کو کتاب اللہ اور حکمت کی باتیں سکھاتے ہیں۔ قرآن و حدیث روحانی دوائیں ہیں۔ امام روحانی طبیب

سوال (۳) قرآن کریم نے تقلید کرنے والوں کی برائیاں فرمائی ہیں۔ فرماتا ہے۔

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔	انہوں نے اپنے پادریوں اور جوگیوں کو اللہ کے سوا خدا بنا لیا۔
فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ۔	پھر اگر تم میں کسی بات کا جھگڑا اٹھے تو اس کو اللہ اور رسول کی طرف رجوع کرو۔
وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ۔	اور یہ کہ یہی میرا سیدھا راستہ ہے تو اس پر چلو اور راہیں نہ چلو کہ تم کو اس کی راہ سے جدا کر دیں گی۔
قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا۔	تو کہینگے بلکہ ہم تو اس پر چلیں گے جس پر اپنے باپ دادا کو پایا

ان آیات اور ان جیسی دوسری آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ و رسول کے حکم کے سامنے اماموں کی بات ماننا طریقہ کفار ہے اور سیدھا راستا ایک ہی ہے چار راستہ حنفی، شافعی وغیرہ ٹیڑھے راستہ ہیں وغیرہ وغیرہ۔

جواب۔ جس تقلید کی قرآن کریم نے برائی فرمائی ہے۔ اس کو ہم پہلے باب میں بیان کر چکے ہیں۔

وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ میں یہودیت یا نصرانیت وغیرہ خلافِ اسلام راستے مراد ہیں حنفی شافعی وغیرہ چند راستے نہیں۔ بلکہ ایک سٹیشن کی چار سڑکیں یا ایک دریا کی چار نہریں ہیں۔ ورنہ پھر تو غیر مقلدین کی جماعتیں ثنائی اور غزنوی کا کیا حکم ہے۔ چند راستے ہوتے ہیں۔ عقائد بدلنے سے چاروں مذہب کے عقائد یکساں ہیں صرف اعمال میں فروعی اختلاف ہے جیسا کہ خود صحابہ کرام میں اختلاف رہا۔

سوال (۴) ہوتے ہوئے مصطفٰے کی گفتار مت مان کسی کا قول و کردار
دین حق را چار مذہب ساختند فتنہ در دین نبی انداختند!

جواب:۔ یہ شعر اصل میں چکڑالویوں کا ہے ؎
ہوتے ہوئے کبریا کی گفتار مت مان نبی کا قول و کردار

دوسرا شعر بھی اس طرح ہے ؎
مسجد و خشت علیحدہ ساختند فتنہ در دین نبی انداختند

چار مذہب کا جواب ہم نے اپنے دیوان میں دو شعروں میں اس طرح دیا ہے ؎
چار رسل فرشتے چار چار کتب ہیں دین چار سلسلے دونوں چار چار لطف عجب ہے چار میں
آتش و آب و خاک و باد سب کا انہی سے ہے ثبات چار کا سارا ماجرا ختم ہے چار یار میں

چار کا عدد تو خدا کو بڑا ہی پیارا ہے۔ کتابیں بھی چار بھیجیں۔ اور دین بھی چار ہی بنائے انسان کا خمیر بھی چار ہی چیزوں سے کیا وغیرہ۔ جب مقصود کے چاروں راستے گم گئے تو پھر وہاں پہنچنا ناممکن کیونکہ راستے چار ہی ہو سکتے ہیں۔ خانہ کعبہ کے اردگرد چار طرف نماز ہوتی ہے۔ مگر رخ سب کا کعبہ کو ایسے ہی حضور علیہ السلام تو کعبہ ایمان ہیں۔ چاروں مذہبوں نے چاروں راستے گھیر لیئے۔ وہابی کس راستے سے وہاں پہنچینگے؟ کسی نے کیا خوب کہا ؎

مذہب چار چوں چہار راہ اند بہر منت جو جادہ پیمائی
خود یکے بینی از چہار طرف کعبہ را چوں تو سجدہ بنمائی

جس طرح قرآن کے ہوتے ہوئے حدیث کی ضرورت ہے اسی طرح حدیث کے ہوتے ہوئے فقہ کی ضرورت ہے فقہ قرآن و حدیث کی تفسیر ہے اور جو حکم کہ ہم کو نہ حدیث میں ملے نہ قرآن میں اس کو فقہ ہی بیان فرماتا ہے۔

سوال (۵) تقلید میں غیر خدا کو اپنا حکم بنانا ہے اور یہ شرک ہے لہٰذا تقلید شخصی شرک ہے رب تعالےٰ فرماتا ہے۔ اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ | نہیں ہے حکم مگر اللہ کا

جواب: اگر غیر خدا کو حکم یا پنچ بنانا شرک ہے۔ تو حدیث ماننا بھی شرک ہوا نیز سارے محدثین مفسرین مشرک ہو گئے کیونکہ ترمذی ابوداؤد و مسلم وغیرہ حضرات تو مقلد ہیں۔ اور امام بخاری وغیرہ مقلدوں کے شاگرد دیکھو عینی شرح بخاری۔ ہم نے دیوان سالک میں اس سوال کا جواب یہ دیا ہے سے

جو تیری تقلید شرک ہوتی محدثین سارے ہوتے مشرک | بخاری و مسلم ابن ماجہ امام اعظم ابو حنیفہ!
کہ جتنے فقہا محدثین ہیں تمہارے خرمن سے خوشہ چیں ہیں | ہوں واسطے سے کہ بے وسیلہ امام اعظم ابو حنیفہ!

جس روایت میں ایک فاسق راوی آجاوے۔ وہ روایت ضعیف یا موضوع ہے تو جس روایت میں کوئی مقلد آجاوے تو مشرک آگیا لہٰذا وہ بھی باطل۔ پھر ترمذی و ابوداؤد تو خود مقلد ہیں۔ مشرک ہوئے ان کی روایات ختم ہوئیں بخاری وغیرہ پہلے ہی ختم ہو چکی کہ وہ مشرکوں کے شاگرد ہیں اب حدیث کہاں سے لاؤ گے۔ قرآن پاک فرماتا ہے۔

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَیْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا۔ | اور اگر تم کو میاں بیوی کے جھگڑے کا خوف ہو تو ایک حکم مرد والوں کی طرف سے بھیجو اور ایک پنچ عورت والوں کی طرف سے بھیجو۔

حضرت علی و معاویہ رضی اللہ عنہما نے جنگ صفین میں حکم بنایا۔ خود حضور علیہ السلام نے بنی قریظہ کے معاملہ میں حضرت سعد ابن معاذ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو حکم بنایا۔ آیت کے معنیٰ یہ ہیں کہ حقیقی حکم خدائے پاک ہی کا ہے اور جو اس کے سوا کے احکام ہیں۔ علماء فقہاء اور مشائخ کے اسی طرح احکام حدیث یہ تمام بالواسطہ خدائے تعالیٰ ہی کے حکم ہیں۔ اگر یہ معنیٰ ہوں کہ کسی کا حکم سوائے خدا کے ماننا شرک ہے تو آج تمام دنیا جج کا فیصلہ کچہریوں کے مقدمات کو مانتی ہے۔ سب ہی مشرک ہو گئے۔

سوال (۶) قیاس مجتہد ظن ہے اور ظن کرنا گناہ ہے۔ قرآن میں اس سے ممانعت ہے۔ قرآن فرماتا ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا یَغْتَب | اے ایمان والو بہت گمانوں سے بچو بے شک کوئی گمان گناہ ہو جاتا ہے اور عیب ڈھونڈو۔ اور ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو لہٰذا دین میں صرف کتاب و

بَعْضُكُمْ بَعْضًا۔

اصل دین آمد کتاب اللہ مقدم داشتن | سنت پر عمل چاہیئے سے
پس حدیث مصطفےٰ از جان مسلم داشتن

جواب۔ اس کا جواب خاتمہ میں آویگا کہ قیاس کسے کہتے ہیں اور اس کے احکام کیا ہیں۔

سوال (۷) امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ جو حدیث صحیح ثابت ہو جاوے۔ وہ ہی میرا مذہب ہے لہٰذا ہم نے ان کے قول حدیث کے خلاف پاکر چھوڑ دیئے انشاء اللہ غیر مقلدوں کو اس سے زیادہ دلائل نہ ملیں گے ان ہی کو بنا بگاڑ کر یا بڑھا چڑھا کر بیان کرتے ہیں۔

جواب:۔ بیشک امام صاحب کا یہ حکم ہے کہ اگر میرا قول کسی حدیث کے مقابل واقعہ ہو جائے تو حدیث پر عمل کرنا میرے مذہب پر عمل کرنا ہے۔ یہ تو امام صاحب کا انتہائی تقویٰ ہے اور واقعہ بھی یہ ہے کہ قیاس مجتہد وہاں ہوتا ہے جہاں نص موجود نہ ہو۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اس زمانہ میں دنیا میں ایسا کون محدث ہے جو احادیث کا اس قدر علم رکھتا ہو کہ تمام احادیث پھر اس کی تمام اسنادوں پر اطلاع رکھتا ہو اور یہ بھی جانتا ہو کہ امام صاحب نے یہ حکم کس حدیث سے لیا ہے۔ ہم لوگوں کی نظر صحاح ستہ سے آگے نہیں ہوتی پھر کس طرح فیصلہ کر سکتے ہیں کہ امام کا یہ فرمان کسی حدیث سے ماخوذ نہیں یوں تو حدیث میں بھی آتا ہے (مقدمہ تفسیر آیات احمدیہ صفحہ ۴)

اِذَا بَلَغَكُمْ مِنِّيْ حَدِيْثٌ فَاعْرِضُوْهُ عَلٰى كِتَابِ اللّٰهِ فَاِنْ وَافَقَهٗ فَاقْبَلُوْهُ وَاِلَّا فَرُدُّوْهُ۔ | جب تم کو میری کوئی حدیث پہنچے تو اس کو کتاب اللہ پر پیش کرو اگر اسکے موافق ہو تو قبول کر لو ورنہ رد کر دو۔

تو اگر کوئی چکڑالوی کہے کہ بہت احادیث چونکہ خلاف قرآن ہیں اس لئے ہم حدیث کو چھوڑتے ہیں قرآن میں ہے کہ میراث تقسیم کرو حدیث میں ہے کہ نبی کی میراث تقسیم نہیں ہوتی۔ جس طرح یہ کلام مردود ہے تمہارا قول بھی رد ہے۔

سوال (۸) امام اعظم کو حدیث نہیں آتی تھی۔ اس لیئے ان کی روایات بہت کم ہیں اور جو ہیں وہ سب ضعیف

جواب:۔ امام اعظم بہت بڑے محدث تھے۔ بغیر حدیث دانی اس قدر مسائل کیسے استنباط ہو سکتے تھے ان کی کتاب مسند امام ابو حنیفہ اور امام محمد کی کتاب مؤطا امام محمد سے ان کی حدیث دانی معلوم ہوتی ہے حضرت صدیق اکبرؓ کی روایات بہت کم ملتی ہیں تو کیا وہ محدث نہ تھے کمی روایت احتیاط کی وجہ سے ہے امام صاحب کی تمام روایات صحیح ہیں کیونکہ ان کا زمانہ حضور سے بہت قریب ہے بعد میں بعض روایات

میں ضعف پیدا ہوا بعد کا ضعف حضرت امام کو مضر نہیں۔ جس قدر اسناد بڑھی ضعف بھی پیدا ہوا۔

لطیفہ: بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ تم کہتے ہو کہ چاروں مذہب حق ہیں یہ کس طرح ہو سکتا ہے حق تو صرف ایک ہی ہوگا۔ امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنا مکروہ تحریمی ہے امام شافعی فرماتے ہیں کہ واجب ہے تو یا تو واجب ہوگی یا مکروہ۔ دونوں مسئلے صحیح کس طرح ہو سکتے ہیں۔

جواب: یہ ہے کہ حق کے معنی یہاں صحیح یا واقعہ کے موافق نہیں ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ چاروں مذاہب میں سے کسی کی پیروی کر لو خدا کے یہاں پکڑ نہ ہوگی۔ کیونکہ مجتہد کی خطا بھی معاف ہے۔ امیر معاویہ اور مولیٰ علی اسی طرح عائشہ صدیقہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہم اجمعین میں جنگ بھی ہوئی۔ اور حق پر ایک ہی صاحب تھے مگر دونوں کو حق پر کہا جاتا ہے یعنی کسی کی پکڑ عنداللہ نہیں ہوگی جنگل میں ایک شخص کو خبر نہیں کہ قبلہ کدھر ہے۔ اس نے اپنی رائے سے چار رکعت چار طرف پڑھیں کیونکہ رائے بدلتی رہی یہ بھی منہ پھیرتا رہا۔ قبلہ تو ایک ہی طرف تھا مگر نماز صحیح ہوگئی چاروں قبلہ درست ہیں۔ بلکہ مجتہد خطا بھی کرے تو بھی ایک ثواب پاتا ہے۔ قرآن کریم نے حضرت داود علیہ السلام کی اجتہادی خطا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی درستی رائے بیان فرمائی۔ مگر کسی پر عتاب نہ فرمایا۔ بلکہ فرمایا۔ كُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّ عِلْمًا

مشکوٰۃ کتاب الامارۃ باب العمل فی القضاء میں ہے۔

اِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ وَاَصَابَ فَلَهٗ اَجْرَانِ وَاِذَا حَكَمَ فَاجْتَهَدَ فَاَخْطَاَ فَلَهٗ اَجْرٌ وَّاحِدٌ (متفق علیہ)	جبکہ حاکم فیصلہ کرے تو اجتہاد کرے اور صحیح کرے تو اس کو دو ثواب ہیں اور جب فیصلہ کرے اور اجتہاد کرے اور خطا کرے تو اس کو ایک ثواب ہے۔

اس سے یہ اعتراض بھی اٹھ گیا کہ اگر شافعی رفع یدین کرے تو ٹھیک ہے اور اگر غیر مقلد کرے تو جرم ہے کیونکہ شافعی حاکم شرع مجتہد سے فیصلہ کرا کر رفع یدین کر رہا ہے اگر غلطی کرتا ہے تو بھی معاف ہے اور چونکہ غیر مقلد نے کسی مجتہد سے فیصلہ نہ کرایا۔ لہٰذا اگر صحیح بھی کرتا ہے تو بھی خطا کار ہے جیسے کہ آج حاکم کے بغیر فیصلہ کوئی شخص خود ہی قانون کو ہاتھ میں لے کر کوئی کام کرتا ہے مجرم ہے لیکن اگر حاکم کچہری سے فیصلہ کرا کر وہ ہی کام کیا تو اس پر جرم نہیں۔ حاکم جوابدہ ہے اگر حاکم نے غلطی کی ہے تو بھی اسکی پکڑ نہیں دیکھو حضور علیہ السلام نے بدر کے قیدیوں سے محض قیاس پر فدیہ لیا پھر آیت اسکے خلاف آئی۔ معلوم ہوا کہ اس قیاس سے رب راضی نہیں مگر وہ فدیہ کا روپیہ واپس نہ کرایا گیا۔ بلکہ ارشاد ہوا فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ

حَلٰلًا طَیِّبًا وہ مال کھاؤ حلال طیب۔ معلوم ہوا کہ خطاء اجتہادی پر کوئی پکڑ نہیں۔

خاتمہ قیاس کی بحث

شریعت کے دلائل چار ہیں۔ قرآن، حدیث اجماع اُمت اور قیاس، اجماع کے دلائل تو ہم بیان کر چکے ہیں کہ قرآن کا بھی حکم ہے اور حدیث کا بھی کہ عام جماعت مسلمین کے ساتھ رہو۔ جو اس سے علیحدہ ہوا وہ جہنمی ہے۔

قیاس کے معنی لغت میں اندازہ لگانا اور شریعت میں کسی فرعی مسئلہ کو اصل مسئلہ سے علت اور حکم میں ملا دینا یعنی ایک مسئلہ ایسا درپیش آگیا۔ جس کا ثبوت قرآن و حدیث میں نہیں ملتا تو اس کی مثل کوئی وہ مسئلہ لیا جو قرآن و حدیث میں ہے اس کے حکم کی علت معلوم کر کے کہا کہ چونکہ وہ علت یہاں بھی ہے لہٰذا اس کا یہ حکم ہے جیسے کسی نے پوچھا کہ عورت کے ساتھ اغلام کرنا کیسا ہے؟ ہم نے جواب دیا کہ حالت حیض میں عورت سے جماع حرام ہے کیوں؟ پلیدی کی وجہ سے۔ اور اس میں بھی پلیدی ہے لہٰذا یہ بھی حرام ہے۔ کسی نے پوچھا کہ جس عورت سے کسی کے باپ نے زنا کیا۔ وہ اس کے بیٹے حلال ہے۔ یا نہیں؟ ہم نے کہا کہ جس عورت سے کسی کا باپ نکاح کرے وہ بیٹے کو حرام ہے۔ وطی یا جزئیت کی وجہ سے لہٰذا یہ عورت بھی حرام ہے۔ اس کو قیاس کہتے ہیں۔ مگر شرط یہ ہے کہ قیاس کرنیوالا مجتہد ہو ہر کس و ناکس کا قیاس معتبر نہیں۔ قیاس اصل میں حکم شریعت کو ظاہر کرنیوالا ہے خود مستقل حکم نہیں۔ یعنی قرآن و حدیث کا حکم ہوتا ہے مگر قیاس اسے یہاں ظاہر کرتا ہے قیاس کا ثبوت قرآن و حدیث و افعال صحابہ سے ہے۔ قرآن فرماتا ہے۔

فَاعْتَبِرُوْا یٰۤاُولِی الْاَبْصَارِ — تو عبرت لو اے نگاہ والو۔

یعنی کفار کے حال پر اپنے کو قیاس کرو کہ اگر تم نے ایسی حرکات کیں تو تمہارا بھی یہی حال ہوگا۔

نیز قرآن نے قیامت کے ہونے کو نیند پر اسی طرح کھیتی کے خشک ہو کر سرسبز ہونے پر قیاس فرما کر بتایا ہے۔ اول سے آخر تک کفار کی مثالیں بیان فرمائی ہیں یہ بھی قیاس ہے۔ بخاری کتاب الاعتصام میں ایک باب باندھا

بَابُ مَنْ شَبَّهَ اَصْلًا مَّعْلُوْمًا بِاَصْلٍ مُّبِیْنٍ قَدْ بَیَّنَ اللّٰهُ حُكْمَهَا لِیُفْهِمَ بِهِ السَّائِلُ۔ — جو کسی قاعدۂ معلومہ کو ایسے قاعدے سے تشبیہ دے جس کا حکم خدا نے بیان فرما دیا ہے تاکہ سائل اس سے سمجھ لے۔

اس میں ایک حدیث نقل کی۔ جس میں حضور علیہ السلام نے ایک عورت کو قیاس سے حکم فرمایا۔

اِنَّ امْرَاَةً جَاءَتْ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ — ایک عورت حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئی

وَسَلَّمَ فَقَالَتْ اِنَّ اُمِّیْ نَذَرَتْ اَنْ تَحُجَّ اَفَاَحُجُّ عَنْهَا قَالَ نَعَمْ حُجِّیْ عَنْهَا اَرَءَیْتِ لَوْ كَانَ عَلٰی اُمِّكِ دَیْنٌ اَكُنْتِ قَاضِیَتَهٗ قَالَتْ نَعَمْ قَالَ اِقْضُوا الَّذِیْ لَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ اَحَقُّ بِالْقَضَآءِ۔

اور عرض کیا کہ میری والدہ نے حج کی نذر مانی تھی، کیا میں اس کی طرف سے حج کروں؟ فرمایا ہاں کرو۔ اگر تمہاری ماں پر قرض ہوتا تو تم اس کو ادا کرتیں عرض کیا ہاں۔ فرمایا وہ بھی قرض ادا کرو جو اللہ کا ہے کیوں کہ اللہ ادائے قرض کا زیادہ مستحق ہے۔

مشکوٰۃ کتاب الامارۃ باب ما علی الولاۃ اور ترمذی جلد اول شروع ابواب الاحکام اور دارمی میں ہے کہ جب حضرت معاذ ابن جبل کو حضور علیہ السلام نے یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تو پوچھا کہ کس چیز سے فیصلہ کرو گے؟ عرض کیا کتاب اللہ سے۔ فرمایا کہ اگر اس میں نہ پاؤ تو عرض کیا کہ اس کے رسول کی سنت سے فرمایا اگر اس میں بھی نہ پاؤ؟ تو عرض کیا کہ،

اَجْتَهِدُ بِرَاْیِیْ وَلَا اٰلُوْ قَالَ فَضَرَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَلٰی صَدْرِهٖ وَقَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَفَّقَ رَسُوْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ لِمَا یَرْضٰی بِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ

اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔ راوی نے فرمایا کہ پس حضور علیہ السلام نے ان کے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا اس خدا کا شکر ہے جس نے رسول اللہ کے قاصد کو اسکی توفیق دی جس سے رسول اللہ راضی ہیں

اس سے قیاس کا پُرزور ثبوت ہوا۔ چونکہ حضور علیہ السلام کی ظاہری حیات میں اجماع نہیں ہو سکتا اس لئے اجماع کا ذکر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے نہ کیا۔ اسی طرح صحابہ کرام نے بہت سے احکام اپنے قیاس سے دیئے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس عورت کو قیاس فرما کر مہر مثل دلوایا جو بغیر مہر نکاح میں آئی اور شوہر مر گیا (دیکھو نسائی جلد دوم صفحہ ۸۸)

نسائی شریف جلد دوم کتاب القضاء باب الحکم باتفاق اہل العلم میں حضرت عبداللہ ابن مسعود سے روایت ہے،

فَمَنْ عَرَضَ لَهٗ مِنْكُمْ قَضَآءٌ بَعْدَ الْیَوْمِ فَلْیَقْضِ بِمَا فِیْ كِتَابِ اللّٰهِ فَاِنْ جَآءَهٗ اَمْرٌ لَیْسَ فِیْ كِتَابِ اللّٰهِ فَلْیَقْضِ بِمَا قَضٰی بِهٖ نَبِیُّهٗ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَاِنْ جَآءَهٗ اَمْرٌ لَیْسَ فِیْ كِتَابِ اللّٰهِ وَلَا قَضٰی

آج کے بعد سے جس پر کوئی فیصلہ پیش آجائے تو قرآن شریف سے فیصلہ کرے اگر ایسی چیز پیش آگئی جو قرآن شریف میں نہیں ہے تو اس سے فیصلہ کرے جو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ کیا لیکن اگر ایسی چیز پیش آجائے جو نہ تو قرآن شریف میں ہو اور نہ اللہ کے

بِهٖ نَبِيُّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلْيَقْضِ بِمَا قَضٰى بِهِ الصَّالِحُوْنَ فَاِنْ جَآءَهٗ اَمْرٌ لَيْسَ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ وَلَا قَضٰى بِهٖ نَبِيُّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا قَضٰى بِهِ الصَّالِحُوْنَ فَلْيَجْتَهِدْ رَأْيَهٗ۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا فیصلہ کیا ہو تو اس پر فیصلہ کرو جو نیک لوگوں نے فیصلہ کیا ہو لیکن اگر وہ چیز پیش آ گئی جو نہ تو قرآن شریف میں ہے اور نہ اس کا فیصلہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا نہ صالحین نے تو اپنے قیاس سے اجتہاد کرے۔

امام نسائی اسی حدیث کے متعلق اسی جگہ فرماتے ہیں۔

قَالَ اَبُوْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ هٰذَا الْحَدِيْثُ جَيِّدٌ جَيِّدٌ یہ حدیث بڑی کھری ہے بڑی کھری ہے۔

نسائی شریف میں اسی جگہ حضرت قاضی شریح سے روایت ہے فرمایا کہ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں دریافت کیا کہ میں فیصلے کیسے کروں تو آپ نے جواب دیا۔

فَكَتَبَ اِلَيْهِ اَنِ اقْضِ بِمَا فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ فَبِسُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ وَلَا فِيْ سُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاقْضِ بِمَا قَضٰى بِهِ الصَّالِحُوْنَ فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ وَلَا فِيْ سُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ يَقْضِ بِهِ الصَّالِحُوْنَ فَاِنْ شِئْتَ فَتَقَدَّمْ وَاِنْ شِئْتَ فَتَاَخَّرْ وَلَا اَرَى التَّاَخُّرَ اِلَّا خَيْرًا لَّكَ وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ۔

انہیں حضرت عمر نے لکھا کہ قرآن شریف سے فیصلہ کرو۔ اگر اس میں نہ ہو تو سنت رسول اللہ سے فیصلہ کرو اور اگر نہ کتاب اللہ میں ہو نہ سنت رسول اللہ میں تو اس سے فیصلہ کرو جو اللہ کے نیک لوگوں نے فیصلہ کیا ہو (اجماع امت) لیکن اگر نہ تو وہ مسئلہ قرآن میں ہو نہ سنت میں اور نہ ہی اس کے متعلق صالحین کا فیصلہ ہو تو چاہو تو پیش قدمی کرو اور چاہو مہلت لو میں تمہارے لئے مہلت ہی کو بہتر جانتا ہوں۔

ان دونوں حدیثوں میں کتاب۔ سنت، اجماع امت اور قیاس کا ایسا صریحی ثبوت ہے کہ اس کا نہ انکار ہو سکتا ہے۔ نہ کوئی تاویل۔ اب وہ اعتراض جو غیر مقلد کرتے ہیں اِجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ کہ بہت ظن سے بچو۔ اس میں ظن سے مراد بدگمانیاں ہیں یعنی مسلمانوں پر بدگمانیاں نہ کیا کرو اسی لئے اس آیت میں اس کے بعد غیبت وغیرہ کی ممانعت ہے ورنہ قیاس اور غیبت میں کیا تعلق جیسے رب تعالٰی فرماتا ہے اِنَّمَا النَّجْوٰى مِنَ الشَّيْطٰنِ مشورہ کرنا شیطان کی طرف سے ہے۔ تو کیا ہر مشورہ شیطانی کام

ہے۔ نہیں بلکہ جو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف مشورے ہوں وہ شیطانی ہیں ایسے ہی یہ ہے اور جس قیاس کی برائیاں آئی ہیں۔ وہ وہ قیاس ہے جو حکم خدا کے مقابلہ میں کیا جائے جیسا کہ شیطان نے حکم سجدہ پاکر قیاس کیا اور حکم الہی کو رد کر دیا یہ کفر ہے۔ غیر مقلد یہ بھی کہتے ہیں کہ قرآن فرماتا ہے اِنَّمَا اَتَّبِعُ مَا یُوْحٰی اِلَیَّ اِنَّما حصر کے لیئے ہے جس سے معلوم ہوا کہ سوائے وحی کے اور کسی چیز کی پیروی نہ کی جائے نہ اجماع کی نہ قیاس کی صرف قرآن وحدیث کی پیروی ہو مگر انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ اجماع وقیاس پر عمل بھی قرآن وحدیث پر ہی عمل ہے کہ قیاس مظہر ہے۔

آخر میں میں منکرین قیاس سے دریافت کرتا ہوں کہ جن چیزوں کی تصریح قرآن وحدیث میں نہ ملے یا بظاہر احادیث میں تعارض واقع ہو وہاں کیا کرو گے؟ مثلاً ہوائی جہاز میں نماز پڑھنا کیسی ہے؟ اسی طرح اگر جمعہ کی نماز میں رکعت اول میں جماعت تھی۔ رکعت دوم میں جماعت پیچھے سے بھاگ گئی اب ظہر پڑھیں یا جمعہ؟ اسی طرح دیگر مسائل قیاسیہ میں کیا جواب ہوگا؟ اس لیئے بہتر ہے کہ کسی امام کا دامن پکڑ لو۔ اللہ توفیق دے۔

بحث علم غیب

اس میں ایک مقدمہ ہے اور دو باب اور ایک خاتمہ بمنہ وکرمہ

مقدمہ

اس میں چند فصلیں ہیں

پہلی فصل

غیب کی تعریف اور اس کے اقسام کے بیان میں

غیب وہ چھپی ہوئی چیز ہے جس کو انسان نہ تو آنکھ ناک کان وغیرہ حواس سے محسوس کر سکے اور نہ بلا دلیل بداہتہً عقل میں آسکے لہذا پنجاب والے کے لیئے بھی غیب نہیں۔ کیونکہ وہ یا تو آنکھ سے دیکھ آیا ہے یا سن کر کہہ رہا ہے کہ بمبئی ایک شہر ہے۔ یہ حواس سے علم ہوا۔ اسی طرح کھانوں کی لذتیں اور ان کی خوشبو وغیرہ غیب نہیں کیونکہ یہ

چیزیں اگرچہ آنکھ سے چھپی ہیں۔ مگر دوسرے حواس سے معلوم ہیں جن اور ملائکہ اور جنت و دوزخ ہمارے لیئے اس وقت غیب ہیں۔ کیونکہ نہ انکو حواس سے معلوم کر سکتے ہیں اور نہ بلا دلیل عقل سے۔ غیب دو طرح کا ہے۔ ایک وہ جس پر کوئی دلیل قائم ہو سکے یعنی دلائل سے معلوم ہو سکے دوسرا وہ جس کو دلیل سے بھی معلوم نہ کر سکیں پہلے غیب کی مثال جیسے جنت و دوزخ اور خدائے پاک کی ذات و صفات کہ عالم کی چیزیں اور قرآن کی آیات دیکھ کر ان کا پتہ چلتا ہے۔ دوسرے غیب کی مثال جیسے قیامت کا علم کہ کب ہوگی۔ انسان کب مریگا اور عورت کے پیٹ میں لڑکا ہے یا لڑکی، بدبخت ہے یا نیک بخت کہ ان کو دلائل سے بھی معلوم نہیں کر سکتے۔ اسی دوسرے غیب کو مفاتح الغیب کہا جاتا ہے اور اس کو پروردگار عالم نے فرمایا فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ۔ تفسیر بیضاوی یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ کے ماتحت ہے۔

وَالْمُرَادُبِهِ الْخَفِیُّ الَّذِیْ لَایُدْرِکُهُ الْحِسُّ وَلَا تَقْتَضِیْهِ بِدَاهَةُ الْعَقْلِ۔

غیب سے مراد وہ چھپی ہوئی چیز ہے جسکو حواس نہ پا سکیں اور نہ بداہتہً اس کو عقل چاہے۔

تفسیر کبیر سورۂ بقر کے شروع میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

قَوْلُ جُمْهُوْرِ الْمُفَسِّرِیْنَ اَنَّ الْغَیْبَ هُوَ الَّذِیْ یَکُوْنُ غَائِبًا عَنِ الْحَاسَّةِ ثُمَّ هٰذَا یَنْقَسِمُ اِلٰی مَاعَلَیْهِ دَلِیْلٌ وَاِلٰی مَا لَا دَلِیْلَ عَلَیْهِ۔

عام مفسرین کا یہ قول ہے کہ غیب وہ ہے جو حواس سے چھپا ہوا ہو۔ پھر غیب کی دو قسمیں ہوتی ہیں ایک تو وہ جس پر دلیل ہے دوسرے وہ جس پر کوئی دلیل نہیں۔

تفسیر روح البیان میں شروع سورۂ بقر یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ کے ماتحت ہے۔

وَهُوَمَاغَابَ عَنِ الْحِسِّ وَالْعَقْلِ غَیْبَةً کَامِلَةً بِحَیْثُ لَایُدْرَکُ بِوَاحِدٍ مِّنْهُمَا اِبْتِدَاءً بِطَرِیْقِ الْبَدَاهَةِ وَهُوَ قِسْمَانِ قِسْمٌ لَا دَلِیْلَ عَلَیْهِ وَهُوَالَّذِیْ اُرِیْدَ بِقَوْلِهٖ عِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ وَقِسْمٌ نُصِبَ عَلَیْهِ دَلِیْلٌ کَالصَّانِعِ وَصِفَاتِهٖ وَهُوَالْمُرَادُ۔

غیب وہ ہے جو حواس اور عقل سے پورا پورا چھپا ہوا ہو اس طرح کہ کسی ذریعہ سے بھی ابتداءً کھلم کھلا معلوم نہ ہو سکے۔ غیب کی دو قسمیں ہیں ایک وہ قسم جس پر کوئی دلیل نہ ہو وہ ہی اس آیت سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں دوسری قسم وہ جس پر دلیل قائم ہو جیسے اللہ تعالیٰ اور اسکی صفات۔ وہ ہی اس جگہ مراد ہے

فائدہ، رنگ آنکھ سے دیکھا جاتا ہے۔ بُو ناک سے سونگھی جاتی ہے اور لذت زبان سے آواز کان

سے محسوس ہوتی ہے۔ تو رنگت زبان وکان کے لیئے غیب ہے اور بُو آنکھ کے لیئے غیب اگر کوئی اللہ کا بندہ بُو اور لذت کو اُن کی شکلوں میں آنکھ سے دیکھ لے وہ بھی علمِ غیب اضافی ہے جیسے اعمال قیامت میں مختلف شکلوں میں نظر آئیں گے۔ اگر کوئی اُن شکلوں میں یہاں دیکھ لے تو یہ بھی علم غیب ہے۔ حضور غوث پاک فرماتے ہیں۔

وَمَا مِنْهَا شُهُوْرٌ اَوْ دُهُوْرٌ | تَمُرُّ وَتَنْقَضِیْ اِلَّا اَتَالِیْ

کوئی مہینہ اور کوئی زمانہ عالم میں نہیں گزرتا مگر وہ ہمارے پاس ہوکر اجازت لے کر گزرتا ہے۔

اسی طرح جو چیز فی الحال موجود نہ ہونے یا بہت دور ہونے یا اندھیرے میں ہونے کی وجہ سے نظر نہ آسکے وہ بھی غیب ہے اور اس کا جاننا علم غیب جیسے حضور علیہ السلام نے آیندہ پیدا ہونے والی چیزوں کو ملاحظہ فرمالیا یا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نہاوند میں حضرت ساریہ کو مدینہ پاک سے دیکھ لیا اور ان تک اپنی آواز پہنچادی۔ اسی طرح کوئی پنجاب میں بیٹھ کر مکہ معظمہ یا دیگر دور دراز ملکوں کو مثل کفِ دست کے دیکھے یہ سب غیب ہی میں داخل ہیں۔

بذریعہ آلات کے جو چھپی ہوئی چیز معلوم کی جاوے وہ علم غیب نہیں۔ مثلاً کسی آلہ کے ذریعہ سے عورت کے پیٹ کا بچہ معلوم کرتے ہیں۔ یا کہ ٹیلیفون اور ریڈیو سے دور کی آواز سن لیتے ہیں۔ اس کو علم غیب نہ کہیں گے۔ کیونکہ غیب کی تعریف میں عرض کردیا گیا کہ جو حواس سے معلوم نہ ہو سکے۔ اور ٹیلیفون یا ریڈیو میں سے جو آواز نکلی۔ وہ آواز حواس سے معلوم ہونے کے قابل ہے آلہ سے جو پیٹ کے بچہ کا حال معلوم ہوا۔ یہ بھی غیب کا علم نہ ہوا جبکہ آلہ نے اس کو ظاہر کر دیا تو اب غیب کہاں رہا۔

خلاصہ یہ کہ اگر کوئی آلہ چھپی چیز کو ظاہر کردے۔ پھر ظاہر ہو چکنے کے بعد ہم اس کو معلوم کرلیں تو علمِ غیب نہیں۔

دوسری فصل ضروری فوائد کے بیان میں

علمِ غیب کے مسئلہ میں گفتگو کرنے سے پہلے یہ چند باتیں خوب خیال میں رکھی جاویں تو بہت فائدہ ہوگا اور بہت سے اعتراضات خود بخود ہی دفع ہو جائیں گے۔

(۱) نفس علم کسی چیز کا بھی ہو برا نہیں۔ ہاں بری باتوں کا کرنا یا کرنے کے لیئے سیکھنا برا ہے ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ بعض علم دوسرے علموں سے زیادہ افضل ہوں جیسے علمِ عقائد۔ علمِ شریعت۔ علم تصوف دوسرے

علموں سے افضل ہیں مگر کوئی علم فی نفسہ برا نہیں جیسے بعض آیات قرآنیہ بعض سے زیادہ ثواب رکھتی قُلْ هُوَ اللّٰهُ میں تہائی قرآن کا ثواب ہے مگر تَبَّتْ يَدَا میں یہ ثواب نہیں (دیکھو روح البیان زیر آیت وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا) لیکن کوئی آیت بری نہیں۔ اس لیئے کہ اگر کوئی برا علم ہوتا تو خدا کو بھی وہ حاصل نہ ہوتا کہ خدا ہر برائی سے پاک ہے نیز فرشتوں کو خدا کی ذات وصفات کا علم تو تھا۔ مگر حضرت آدم علیہ السلام کو عالم کی ساری اچھی بری چیزوں کا علم دیا۔ اور وہ ہی علم ان کی افضلیت کا ثبوت ہوا۔ اس علم کی وجہ سے وہ ملائکہ کے استاد قرار پائے اگر بری چیزوں کا علم برا ہوتا تو حضرت آدم کو یہ علم دے کر استاد نہ بنایا جاتا۔ نیز دنیا میں سب سے بدتر چیز ہے کفر و شرک۔ مگر فقہا فرماتے ہیں کہ علم حسد و بغض اور الفاظ کفریہ و شرکیہ کا جاننا فرض ہے تاکہ اس سے بچے۔ اسی طرح جادو سیکھنا فرض ہے دفع جادو کے لیئے شامی کے مقدمہ میں ہے۔

وَعِلْمُ الرِّيَاءِ وَعِلْمُ الْحَسَدِ وَالْعُجْبِ وَعِلْمُ الْاَلْفَاظِ الْمُحَرَّمَةِ وَالْمُكَفِّرَةِ وَلَعَمْرِيْ هٰذَا مِنْ اَهَمِّ الْمُهِمَّاتِ (ملخصاً)	یعنی علم ریا اور حسد حرام اور کفریہ کلمے کا سیکھنا فرض ہے اور واللہ یہ بہت ہی ضروری ہے۔

اسی مقدمہ شامی بحث علم نجوم و رمل میں فرماتے ہیں۔

وَفِيْ ذَخِيْرَةِ النَّظَرِ تَعَلُّمُهُ فَرْضٌ لِرَدِّ سَاحِرِ اَهْلِ الْحَرْبِ۔	ذخیرہ ناظرہ میں لکھا ہے کہ جادو سیکھنا فرض ہے اہل حرب کے جادو کو دفع کرنے کے لیئے۔

احیاء العلوم جلد اول باب اول فصل سوم برے علوم کے بیان میں ہے علم کی برائی خود علم ہونے کی وجہ سے نہیں۔ بلکہ بندوں کے حق میں تین وجہوں سے ہے الخ

اس بیان سے بخوبی واضح ہوا کہ نفس علم کسی شئے کا برا نہیں۔ اب منکرین کا وہ سوال اٹھ گیا کہ حضور علیہ السلام کو بری چیزوں، چوری، زنا، جادو، اشعار کا علم نہیں تھا۔ کیونکہ ان کا جاننا عیب ہے۔ بتاؤ خدا کو بھی ان کا علم ہے یا نہیں؟ اسی لیئے انہوں نے شیطان اور ملک الموت کا علم حضور علیہ السلام سے زیادہ مانا یہ تو ایسا ہوا، جیسے مجوسی کہتے ہیں کہ خدائے پاک بری چیزوں کا خالق نہیں ہے کیونکہ بری چیز کا پیدا کرنا بھی برا ہے۔ نعوذ باللہ۔ اگر علم جادو برا ہے تو اس کی تعلیم کے لیئے رب کی طرف سے دو فرشتے ہاروت و ماروت کیوں زمین پر اترے؟ موسیٰ علیہ السلام کے جادوگروں نے جادو کے علم کے ذریعہ سے موسیٰ علیہ السلام کی حقانیت پہچانی اور آپ پر ایمان لائے۔ دیکھو علم جادو ایمان کا ذریعہ بن گیا۔

(۲) سارے انبیاء اور ساری مخلوق کے علوم حضور علیہ السلام کو عطا ہوئے۔ اس کو مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی نے تحذیر الناس میں مانا ہے۔ جس کے سارے حوالے آتے ہیں تو جس چیز کا علم کسی مخلوق کو بھی ہے وہ حضور علیہ السلام کو ضرور ہے بلکہ سب کو جو علم ملا وہ حضور علیہ السلام ہی کی تقسیم سے ملا۔ جو علم شاگرد و استاد سے ضروری ہے کہ استاد بھی اس کا جاننے والا ہو۔ انبیاء میں حضرت آدم علیہ السلام بھی ہیں۔ اس لئے ہم حضرت آدم و حضرت خلیل اللہ علیہما السلام کے علم سے بھی بحث کریں گے۔

(۳) قرآن اور لوح محفوظ میں سارے واقعات کل ماکان و مایکون ہیں اور اس پر ملائکہ اور بعض اولیاء و انبیاء کی نظریں ہیں اور ہر وقت وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیش نظر ہے۔ اس کے حوالہ بھی آتے ہیں۔ اس لئے ہم لوح محفوظ اور قرآنی علوم کا بھی ذکر کر دیں گے۔ اسی طرح کاتب تقدیر فرشتہ کے علوم کا بھی ذکر کر دیں گے۔

یہ تمام بحثیں علم مصطفٰے علیہ السلام کے ثابت کرنے کو ہوں گی۔

تیسری فصل علم غیب کے متعلق عقیدہ اور علم غیب کے مراتب کے بیان میں

علم غیب کی تین صورتیں ہیں اور ان کے علیحدہ علیحدہ احکام ہیں (از خالص الاعتقاد صفحہ ۵)

(۱) اللہ عزوجل عالم بالذات ہے۔ اس کے بغیر بتائے کوئی ایک حرف بھی نہیں جان سکتا۔

(۲) حضور علیہ السلام اور دیگر انبیائے کرام کو رب تعالیٰ نے اپنے بعض غیوب کا علم دیا۔

(۳) حضور علیہ السلام کا علم ساری خلقت سے زیادہ ہے۔ حضرت آدم و خلیل علیہما السلام اور ملک الموت و شیطان بھی خلقت ہیں۔ یہ تین باتیں ضروریات دین میں سے ہیں ان کا انکار کفر ہے۔

(۱) **قسم دوم** اولیائے کرام کو بھی بالواسطہ انبیائے کرام کچھ علوم غیب ملتے ہیں۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پانچ غیبوں میں سے بہت سے جزئیات کا علم دیا۔ جو اس قسم دوم کا منکر ہے وہ گمراہ اور بدمذہب ہے کہ صدہا احادیث کا انکار کرتا ہے۔

(۱) **قسم سوم** حضور علیہ السلام کو قیامت کا بھی علم ملا کہ کب ہوگی۔

(۲) تمام گزشتہ اور آئندہ واقعات جو لوح محفوظ میں ہیں ان کا بلکہ ان سے بھی زیادہ کا علم دیا گیا۔

(۳) حضور علیہ السلام کو حقیقتِ روح اور قرآن کے سارے متشابہات کا علم دیا گیا۔

چوتھی فصل:۔ جب علمِ غیب کا منکر اپنے دعوے پر دلائل قائم کرے تو چار باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے ہے (ازاحۃ الغیب صفحہ ۴)

(۱) وہ آیت قطعی الدلالت ہو جس کے معنی میں چند احتمال نہ نکل سکتے ہوں اور حدیث ہو تو متواتر ہو۔

(۲) اس آیت یا حدیث سے علم کے عطا کی نفی ہو کہ ہم نے نہیں دیا۔ یا حضور علیہ السلام فرماویں مجھکو یہ علم نہیں دیا گیا۔

(۳) صرف کسی بات کا ظاہر نہ فرمانا کافی نہیں ممکن ہے کہ حضور علیہ السلام کو علم تو ہو مگر کسی مصلحت سے ظاہر نہ کیا ہو اسی طرح حضور علیہ السلام کا یہ فرمانا کہ خدا ہی جانے اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا یا مجھے کیا معلوم وغیرہ کافی نہیں کہ یہ کلمات کبھی علم ذاتی کی نفی اور مخاطب کو خاموش کرنے کے لیئے ہوتے ہیں۔

(۴) جس کے لیئے علم کی نفی کی گئی ہو وہ واقعہ ہو اور قیامت تک کا ہو ورنہ کل صفاتِ الٰہیہ اور بعد قیامت کے تمام واقعات کے علم کا ہم بھی دعوے نہیں کرتے یہ چار فصلیں خوب خیال میں رکھی جائیں۔

پہلا باب

علم غیب کے ثبوت کے بیان میں

اس میں چھ فصلیں ہیں۔ پہلی فصل میں آیات قرآنیہ سے ثبوت۔ دوسری میں احادیث سے ثبوت تیسری میں احادیث کے شارحین کے۔ چوتھی میں علمائے امت اور فقہا کے اقوال۔ پانچویں میں خود منکرین کی کتابوں سے ثبوت۔ چھٹی میں عقلی دلائل اولیاء اللہ کے علم غیب کا بیان۔

پہلی فصل آیات قرآنیہ میں۔

(۱) وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ۔	اور اللہ تعالیٰ نے آدم کو تمام اشیاء کے نام سکھائے پھر سب اشیاء ملائکہ پر پیش کیں۔

تفسیر مدارک میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

وَمَعْنٰى تَعْلِيْمِهٖ اَسْمَآءَ الْمُسَمِّيَاتِ اَنَّهٗ تَعَالٰى اَرَاهُ الْاَجْنَاسَ الَّتِيْ خَلَقَهَا وَعَلَّمَهٗ اَنَّ هٰذَا اِسْمُهٗ فَرَسٌ وَهٰذَا اِسْمُهٗ	حضرت آدم علیہ السلام کو تمام چیزوں کے نام بتانے کے معنی یہ ہیں کہ رب تعالیٰ نے انکو وہ تمام جنسیں دکھا دیں جس کو پیدا کیا ہے اور انکو بتا دیا کہ اس کا نام گھوڑا

یَعْنِیْ وَھٰذَا اِسْمُہٗ کَذَا وَعَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ عَلَّمَہٗ اِسْمَ کُلِّ شَیْءٍ حَتّٰی الْقَصْعَۃَ وَالْمِغْرَفَۃَ۔

اور اس کا نام اونٹ اور اس کا نام فلاں ہے۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ ان کو ہر چیز کے نام سکھا دیئے یہاں تک کہ پیالی اور چلّو کے بھی۔

تفسیر خازن میں اسی آیت میں یہ ہی مضمون بیان فرمایا اتنا اور بھی زیادہ فرمایا۔

وَقِیْلَ عَلَّمَ اٰدَمَ اَسْمَآءَ الْمَلٰٓئِکَۃِ وَقِیْلَ اَسْمَآءَ ذُرِّیَّتِہٖ وَقِیْلَ عَلَّمَہُ اللُّغَاتَ کُلَّھَا۔

کہا گیا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو تمام فرشتوں کے نام سکھا دیئے اور کہا گیا ہے کہ ان کی اولاد کے نام اور کہا گیا کہ ان کو تمام زبانیں سکھا دیں۔

تفسیر کبیر میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

قَوْلُہٗ اَیْ عَلَّمَہٗ صِفَاتِ الْاَشْیَآءِ وَنُعُوْتَھَا وَھُوَ الْمَشْھُوْرُ اَنَّ الْمُرَادَ اَسْمَآءُ کُلِّ شَیْءٍ مِّنْ خَلْقٍ مِّنْ اَجْنَاسِ الْمُحْدَثَاتِ مِنْ جَمِیْعِ اللُّغَاتِ الْمُخْتَلِفَۃِ الَّتِیْ یَتَکَلَّمُ بِھَا وَلَدُ اٰدَمَ الْیَوْمَ مِنَ الْعَرَبِیَّۃِ وَالْفَارِسِیَّۃِ وَالرُّوْمِیَّۃِ وَغَیْرِھَا

آدم علیہ السلام کو تمام چیزوں کے اوصاف اور ان کے حالات سکھا دیئے اور یہ ہی مشہور ہے کہ مراد مخلوق میں سے ہر حادث کی جنس کے سارے نام ہیں جو مختلف زبانوں میں ہونگے۔ جنکو اولاد آدم آج تک بول رہی ہے عربی۔ فارسی۔ رومی وغیرہ۔

تفسیر ابوالسعود میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

وَقِیْلَ اَسْمَآءَ مَا کَانَ وَمَا یَکُوْنُ وَقِیْلَ اَسْمَآءَ خَلْقِہٖ مِنَ الْمَعْقُوْلَاتِ وَالْمَحْسُوْسَاتِ وَالْمُتَخَیَّلَاتِ وَالْمَوْھُوْمَاتِ وَاَلْھَمَہٗ مَعْرِفَۃَ ذَوَاتِ الْاَشْیَآءِ وَاَسْمَآءَھَا وَخَوَاصَّھَا وَمَعَارِفَھَا اُصُوْلَ الْعِلْمِ وَقَوَانِیْنَ الصِّنَاعَاتِ وَتَفَاصِیْلَ اٰلَاتِھَا وَکَیْفِیَّۃَ اِسْتِعْمَالَاتِھَا۔

کہا گیا ہے کہ حضرت آدم کو گذشتہ اور آئندہ چیزوں کے نام بتا دیئے اور کہا گیا ہے کہ اپنی ساری مخلوق کے نام بتا دیئے عقلی، حسی، خیالی، وہمی چیزیں بتا دیں ان چیزوں کی ذات، ان کے نام ان کے خاصے ان کی پہچان، علم کے قواعد، ہنروں کے قانون، ان کے اوزاروں کی تفصیل اور انکے استعمال کے طریقے کا علم حضرت آدم کو الہام فرمایا۔

تفسیر روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

وَعَلَّمَہٗ اَحْوَالَھَا وَمَا یَتَعَلَّقُ بِھَا مِنَ الْمَنَافِعِ

اور حضرت آدم کو چیزوں کے حالات سکھائے اور جو کچھ ان

الدِّینِیَّۃِ وَالدُّنیَوِیَّۃِ وَعَلَّمَہٗ اَسْمَآءَ الْمَلٰٓئِکَۃِ وَاَسْمَآءَ ذُرِّیَّتِہٖ وَاَسْمَآءَ الْحَیْوَانَاتِ وَالْجَمَادَاتِ وَصَنْعَۃَ کُلِّ شَیْءٍ وَاَسْمَآءَ الْمُدُنِ وَالْقُرٰی وَاَسْمَآءَ الطَّیْرِ وَالشَّجَرِ وَمَا یَکُوْنُ وَاَسْمَآءَ کُلِّ شَیْءٍ یَّخْلُقُھَا اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ وَاَسْمَآءَ الْمَطْعُوْمَاتِ وَالْمَشْرُوْبَاتِ وَکُلِّ نَعِیْمٍ فِی الْجَنَّۃِ وَاَسْمَآءَ کُلِّ شَیْءٍ وَفِی الْخَبَرِ عَلَّمَہٗ سَبْعَ مِاٰئَۃِ اَلْفِ لُغَاتٍ۔	ہیں دینی و دنیاوی نفع ہیں وہ بتائے اور انکو فرشتوں کے نام انکی اولاد اور حیوانات اور جمادات کے نام بتائے اور ہر چیز کا بنانا بتایا تمام شہروں اور گاؤں کے نام پرندوں اور درختوں کے نام جو ہو چکا یا جو کچھ بھی ہوگا ان کے نام اور جو قیامت تک پیدا فرمائیگا ان کے نام اور کھانے پینے کی چیزوں کے نام جنت کی ہر نعمت غرضیکہ ہر چیز کے نام بتادیئے حدیث میں ہے کہ حضرت آدم کو سات لاکھ زبانیں سکھائی گئیں۔

ان تفسیروں سے اتنا معلوم ہوا ما کان اور ما یکون کے سارے علوم حضرت آدم علیہ السلام کو دیئے گئے زبانیں چیزوں کے نفع وضرر بنانے کے طریقے۔ آلات کا استعمال سب دکھادیئے۔ لیکن اب میرے آقا مولےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم کو تو دیکھو۔ حق یہ ہے کہ یہ علم آدم میرے آقا کے علم کے دریا کا ایک قطرہ یا میدان کا ایک ذرہ ہیں۔

شیخ ابن عربی فتوحات مکیہ باب دہم میں فرماتے ہیں۔

اَوَّلُ نَائِبٍ کَانَ لَہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَخَلِیْفَتُہٗ اٰدَمُ عَلَیْہِ السَّلَامُ	حضور علیہ السلام کے پہلے خلیفہ اور نائب آدم علیہ السلام ہیں۔

معلوم ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام حضور علیہ السلام کے خلیفہ ہیں۔ خلیفہ اس کو کہتے ہیں جو اصل کی غیر موجودگی میں اس کی جگہ کام کرے۔ حضور علیہ السلام کی پیدائش پاک سے قبل سارے انبیاء حضور علیہ السلام کے نائب تھے یہ مولوی قاسم صاحب نے بھی تحذیر الناس میں لکھا ہے۔ جیسا کہ ہم بیان کریں گے خلیفہ کے علم کا یہ حال ہے۔

نسیم الریاض شرح شفا قاضی عیاض میں ہے۔

اِنَّہٗ عَلَیْہِ السَّلَامُ عُرِضَتْ عَلَیْہِ الْخَلَائِقُ مِنْ لَّدُنْ اٰدَمَ اِلٰی قِیَامِ السَّاعَۃِ فَعَرَفَھُمْ کُلَّھُمْ کَمَا عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّھَا۔	حضور علیہ السلام پر ساری مخلوقات از حضرت آدم تا روز قیامت پیش کی گئیں پس ان سب کو پہچان لیا جیسے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو سب نام سکھائے

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام سب کو جانتے پہچانتے ہیں۔

(۲) وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا | اور یہ رسول تمہارے نگہبان و گواہ ہوں۔

تفسیر عزیزی میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

رسول علیہ السلام مطلع است بنور نبوت بردین ہر متدین بدین خود کہ درکدام درجہ از دین من رسیدہ وحقیقت ایمان او چیست وحجابے کہ بدان از ترقی محجوب ماندہ است کدام است پس او مے شناسد گناہان شمارا و درجات ایمان شمارا و اعمال بد و نیک شمارا و اخلاق و نفاق شمارا لہذا شہادت او در دنیا بحکم شرع در حق امت مقبول واجب العمل است۔

حضور علیہ السلام اپنے نور نبوت کی وجہ سے ہر دیندار کے دین کو جانتے ہیں کہ دین کے کس درجہ تک پہنچا ہے اور اس کے ایمان کی حقیقت کیا ہے۔ اور کون سا حجاب اس کی ترقی سے مانع ہے پس حضور علیہ السلام تمہارے گناہوں کو اور تمہارے ایمانی درجات کو اور تمہارے نیک و بد اعمال اور تمہارے اخلاص اور نفاق کو پہچانتے ہیں۔ لہذا ان کی گواہی دنیا میں بحکم شرع امت کے حق میں قبول اور واجب العمل ہے۔

تفسیر روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

هٰذَا مَبْنِيٌّ عَلٰى تَضْمِيْنِ الشَّهِيْدِ مَعْنَى الرَّقِيْبِ وَالْمُطَّلِعِ وَالْوَجْهُ فِيْ اِعْتِبَارِ تَضْمِيْنِ الشَّهِيْدِ الْاِشَارَةُ اِلٰى اَنَّ التَّعْدِيْلَ وَالتَّزْكِيَةَ اِنَّمَا يَكُوْنُ عَنْ خُبْرَةٍ وَّمُرَاقَبَةٍ بِحَالِ الشَّاهِدِ۔ وَمَعْنٰى شَهَادَةِ الرَّسُوْلِ عَلَيْهِمْ اِطِّلَاعُهٗ رُتْبَةَ كُلِّ مُتَدَيِّنٍ بِدِيْنِهٖ فَهُوَ يَعْرِفُ ذُنُوْبَهُمْ وَحَقِيْقَةَ اِيْمَانِهِمْ وَاَعْمَالَهُمْ وَحَسَنَاتِهِمْ وَسَيِّئَاتِهِمْ وَاِخْلَاصَهُمْ وَنِفَاقَهُمْ وَغَيْرَ ذٰلِكَ بِنُوْرِ الْحَقِّ وَاُمَّتُهٗ يَعْرِفُوْنَ ذٰلِكَ مِنْ سَائِرِ الْاُمَمِ بِنُوْرِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ۔

یہ اس بنا پر ہے کہ کلمہ شہید میں محافظ اور خبردار کے معنے بھی شامل ہیں اور اس معنے کے شامل کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ کسی کو عادل کہنا اور صفائی کی گواہی دینا گواہ کے حالات پر مطلع ہونے سے ہو سکتا ہے۔ اور حضور علیہ السلام کی مسلمانوں پر گواہی دینے کے معنے یہ ہیں کہ حضور علیہ السلام ہر دیندار کے دینی مرتبہ کو پہچانتے ہیں پس حضور علیہ السلام مسلمانوں کے گناہوں کو انکے ایمان کی حقیقت کو ان کے اچھے بُرے اعمال کو ان کے اخلاص اور نفاق وغیرہ کو نور حق سے پہچانتے ہیں اور حضور علیہ السلام کی اُمت بھی قیامت میں ساری امتوں کے یہ حالات جانے گی مگر حضور علیہ السلام کے نور سے

تفسیر خازن میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

ثُمَّ یُؤْتیٰ بِمُحَمَّدٍ عَلَیْہِ السَّلَامُ فَیَسْأَلُہٗ عَنْ اُمَّتِہٖ فَیُزَکِّیْھِمْ وَیَشْھَدُ بِصِدْقِھِمْ۔	پھر قیامت میں حضور علیہ السلام کو بلایا جاوے گا پس رب تعالے حضور علیہ السلام سے آپ کی امت کے حالات پوچھے گا تو آپ انکی صفائی کی گواہی دیں گے اور انکی سچائی کی گواہی دینگے۔

تفسیر مدارک پارہ ۲ سورہ بقر میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

یُؤْتیٰ بِمُحَمَّدٍ فَیُسْأَلُ عَنْ حَالِ اُمَّتِہٖ فَیُزَکِّیْھِمْ وَیَشْھَدُ بِعَدَالَتِھِمْ وَیُزَکِّیْھِمْ وَیَعْلَمُ بِعَدَالَتِکُمْ۔	پھر حضور علیہ السلام کو بلایا جاویگا اور آپکی امت کے حال پوچھے جائیں گے پس آپ اپنی امت کی صفائی بیان کرینگے اور انکے عادل ہونیکی گواہی دینگے لہذا حضور تمہاری عدالت کو جانتے ہیں۔

اس آیت اور ان تفاسیر میں یہ فرمایا گیا کہ قیامت کے دن دوسرے انبیائے کرام کی امتیں بارگاہ الہی میں عرض کرینگی کہ ہمارے پاس تیرا کوئی پیغمبر نہ پہنچا۔ ان امتوں کے نبی عرض کریں گے کہ خدایا ہم ان میں گئے، تیرے احکام پہنچائے مگر ان لوگوں نے قبول نہ کیے۔ رب تعالیٰ کا انبیاء کو حکم ہوگا کہ چونکہ تم مدعی ہو اپنا کوئی گواہ لاؤ۔ وہ اپنی گواہی کے لیئے امت مصطفےٰ علیہ السلام کو پیش فرمائینگے مسلمان گواہی دیں گے کہ خدایا تیرے پیغمبر سچے ہیں انہوں نے تیرے احکام پہنچائے تھے۔

اب دو باتیں تحقیق کے لائق ہیں اول یہ کہ یہ مسلمان گواہی کے قابل ہیں یا نہیں (فاسق وفاجر اور کافر کی گواہی قبول نہیں ہوتی۔ مسلمان پرہیز گار کی گواہی قبول ہے) دوسرے یہ کہ ان لوگوں نے اپنے سے پہلے پیغمبروں کا زمانہ دیکھا نہ تھا۔ پھر گواہی کس طرح دے رہے ہیں مسلمان عرض کریں گے کہ خدایا ہم سے تیرے محبوب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ پہلے پیغمبروں نے تبلیغ کی تھی اس کو سن کر ہم گواہی دے رہے ہیں تب حضور علیہ السلام کو بلایا جاویگا اور حضور علیہ السلام دو باتوں کی گواہی دیں گے ایک یہ کہ یہ لوگ فاسق یا کافر نہیں تاکہ ان کی گواہی قبول نہ ہو۔ بلکہ مسلمان اور پرہیز گار ہیں۔ دوسرے یہ کہ ہاں ہم نے ان سے کہا تھا کہ پہلے نبیوں نے اپنی قوم تک احکام الٰہیہ پہنچائے تب ان پیغمبروں کے حق میں ڈگری ہوگی۔

اس واقعہ سے چند باتیں حاصل ہوئیں۔ ایک یہ کہ حضور علیہ السلام قیامت تک کے مسلمان کے ایمان اعمال روزہ، نماز ونیت سے بالکل خبردار ہیں ورنہ پہلی یعنی صفائی کی گواہی کیسی ممکن نہیں کہ ایک مسلمان کا بھی کوئی حال آپ سے چھپا رہے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کی آنے والی نسل کا حال معلوم فرمادیا

تو خدایا ان کی اولاد بھی اگر ہوتی تو کافر ہوتی وَلَا یَلِدُوْا اِلَّا فَاجِرًا کَفَّارًا ۔ لہٰذا تو ان کو غرق کر دے حضرت خضر علیہ السلام نے جس بچہ کو قتل فرمایا اس کا آئندہ حال معلوم کر لیا تھا کہ آئندہ اگر زندہ رہا تو سرکش ہوگا تو سید الانبیاء علیہ السلام پر کسی کا حال کیونکر چھپ سکتا ہے دوسرے یہ کہ گذشتہ پیغمبروں اور ان کی امتوں کے حالات حضور علیہ السلام نے بنور نبوت دیکھے تھے اور آپ کی گواہی دیکھی ہوئی تھی اگر سنی ہوئی ہوتی تو ایسی گواہی تو اس سے پہلے مسلمان بھی دے چکے تھے سنی گواہی کی انتہا دیکھی گواہی پہ ہوتی ہے تیسرے یہ بھی معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ تو جانتا ہے کہ نبی سچے ہیں مگر پھر بھی گواہیاں لے کر فیصلہ فرماتا ہے۔ اسی طرح اگر حضور علیہ السلام مقدمات میں تحقیق فرما دیں اور گواہیاں وغیرہ لیں تو اس سے لازم یہ نہیں آتا کہ حضور علیہ السلام کو خبر نہ ہو۔ بلکہ مقدمات کا قاعدہ یہ ہی ہوتا ہے اور زیادہ تحقیق اس کی دیکھنا ہو تو ہماری کتاب شانِ حبیب الرحمان بہ آیات القرآن میں دیکھو۔ اسی گواہی کا ذکر آئندہ آیت میں بھی ہے۔

(۳) وَجِئْنَابِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا | اور اے محبوب تم کو ان سب پر نگہبان بنا کر ہم لاویں گے۔

تفسیر نیشاپوری میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

لِاَنَّ رُوْحَهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ شَاهِدٌ عَلٰى جَمِيْعِ الْاَرْوَاحِ وَالْقُلُوْبِ وَالنُّفُوْسِ بِقَوْلِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِىْ | اس لیے کہ حضور علیہ السلام کی روح مبارک تمام روحوں اور دلوں اور نفسوں کو دیکھنے والی ہے کیونکہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ نے جو پہلے پیدا فرمایا وہ میرا نور ہے

تفسیر روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

وَاعْلَمْ اَنَّهٗ يُعْرَضُ عَلَى النَّبِىِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَعْمَالُ اُمَّتِهٖ غُدْوَةً وَّعَشِيَّةً فَيَعْرِفُهُمْ بِسِيْمَاهُمْ اَعْمَالَهُمْ فَلِذٰلِكَ يَشْهَدُ عَلَيْهِمْ | حضور علیہ السلام پر آپ کی امت کے اعمال صبح و شام پیش کیے جاتے ہیں لہٰذا آپ امت کو انکی علامات سے جانتے ہیں اور انکے اعمال کو بھی اس لیے آپ ان پر گواہی دیں گے۔

تفسیر مدارک میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

اَىْ شَاهِدًا عَلٰى مَنْ اٰمَنَ بِالْاِيْمَانِ وَعَلٰى مَنْ كَفَرَ بِالْكُفْرِ وَعَلٰى مَنْ نَافَقَ بِالنِّفَاقِ | حضور علیہ السلام گواہ ہیں مومنوں پر ان کے ایمان کے کافروں پر ان کے کفر کے اور منافقوں پر ان کے نفاق کے

اس آیت اور ان تفاسیر سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام از اول تا روزِ قیامت تمام لوگوں کے کفر و ایمان

ولنفاق و اعمال وغیرہ سب کو جانتے ہیں اسی لیئے آپ سب کے بی گواہ ہیں یہ بی تو علم غیب ہے۔

(۴) مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ۔ | وہ کون ہے جو اس کے یہاں شفاعت کرے بغیر اسکے حکم کے جانتا ہے جو کچھ اُن کے آگے ہے اور جو کچھ انکے پیچھے ہے

تفسیر نیشاپوری میں اس آیت کے ماتحت ہے۔

یَعْلَمُ مُحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ مِنْ اَوَّلِیَّاتِ الْاُمُوْرِ قَبْلَ الْخَلَائِقِ وَمَا خَلْفَهُمْ مِنْ اَحْوَالِ الْقِیَامَةِ | حضور علیہ السلام مخلوق کے پہلے کے اوّلی معاملات بھی جانتے ہیں اور جو مخلوق کے بعد قیامت کے احوال ہیں وہ بھی جانتے ہیں۔

روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

یَعْلَمُ مُحَمَّدٌ عَلَیْهِ السَّلَامُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ مِنَ الْاُمُوْرِ الْاَوَّلِیَّاتِ قَبْلَ الْخَلَائِقِ وَمَا خَلْفَهُمْ مِنْ اَحْوَالِ الْقِیَامَةِ وَفَزَعِ الْخَلْقِ وَ غَضَبِ الرَّبِّ۔ | حضور علیہ السلام مخلوق کے پہلے کے حالات جانتے ہیں اللہ تعالیٰ کے مخلوقات کو پیدا کرنیکے پہلے کے واقعات اور انکے پیچھے کے حالات بھی جانتے ہیں قیامت کے احوال مخلوق کی گھبراہٹ اور رب تعالیٰ کا غضب وغیرہ

اس آیت اور ان تفاسیر سے معلوم ہوا کہ آیت الکرسی میں مَنْ ذَا الَّذِیْ سے لے کر اِلَّا بِمَا شَآءَ تک تین صفات حضور علیہ السلام کے بیان ہوئے۔ باقی اول و آخر میں صفات الٰہیہ ہیں۔ اس میں فرمایا گیا ہے کہ خدا تعالےٰ کے پاس کوئی بغیر اجازت کسی کی شفاعت نہیں کر سکتا اور جن کو شفاعت کی اجازت ہے وہ حضور علیہ السلام ہیں اور شفیع کے لیئے ضروری ہے کہ گنہگاروں کے انجام اور ان کے حالات سے واقف ہو تاکہ نا اہل کی شفاعت نہ ہو جاوے اور مستحق شفاعت اس سے محروم نہ رہ جائیں جیسے طبیب کے لیئے ضروری ہے کہ قابل علاج اور لا علاج مریضوں کو جانے تو فرمایا گیا یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ کہ جن کو ہم نے شفیع بنایا ہے۔ اس کو تمام کا علم بھی دیا ہے کیونکہ شفاعت کرنے کے لیئے علم غیب لازم ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام قیامت میں منافقین کو نہ پہچانیں گے۔ یا حضور علیہ السلام کو اپنی بھی خبر نہیں کہ میرا انجام کیا ہوگا محض غلط اور بے دینی ہے جیسا کہ آیندہ آتا ہے وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ اور وہ نہیں پاتے اُس کے علم میں سے مگر جتنا وہ چاہے۔

تفسیر روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

يَحْتَمِلُ اَنْ تَكُوْنَ الْهَاءُ كِنَايَةً عَنْهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَعْنِيْ هُوَ شَاهِدٌ عَلٰى اَحْوَالِ هِمْ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ مِنْ سِيَرِهِمْ وَمُعَامَلَاتِهِمْ وَقَصَصِهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ مِنْ اُمُوْرِ الْاٰخِرَةِ وَاَحْوَالِ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ وَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْئًا مِّنْ مَعْلُوْمَاتِهٖ اِلَّا بِمَا شَاءَ مِنْ مَعْلُوْمَاتِهٖ عِلْمُ الْاَوْلِيَاءِ مِنْ عِلْمِ الْاَنْبِيَاءِ بِمَنْزِلَةِ قَطْرَةٍ مِنْ سَبْعَةِ اَبْحُرٍ وَعِلْمُ الْاَنْبِيَاءِ مِنْ عِلْمِ نَبِيِّنَا عَلَيْهِ السَّلَامُ بِهٰذِهِ الْمَنْزِلَةِ وَعِلْمُ نَبِيِّنَا مِنْ عِلْمِ الْحَقِّ سُبْحَانَهٗ بِهٰذِهِ الْمَنْزِلَةِ فَكُلُّ رَسُوْلٍ وَنَبِيٍّ وَوَلِيٍّ اٰخِذُوْنَ بِقَدْرِ الْقَابِلِيَّةِ وَالْاِسْتِعْدَادِ مِمَّا لَدَيْهِ وَلَيْسَ لِاَحَدٍ اَنْ يَّتَعَدَّاهُ اَوْ يَتَقَدَّمَ عَلَيْهِ

احتمال یہ بھی ہے کہ اس ضمیر سے حضور علیہ السلام مراد ہوں یعنی حضور علیہ السلام لوگوں کے حالات کو مشاہدہ فرمانے والے ہیں اور ان کے سامنے کے حالات جانتے ہیں انکے اخلاق انکے معاملات اور انکے قصے وغیرہ اور انکے پیچھے کے حالات بھی جانتے ہیں آخرت کے احوال جنتی، و دوزخی لوگوں کے حالات اور وہ لوگ حضور علیہ السلام کے معلومات میں سے کچھ بھی نہیں جانتے مگر اسی قدر جتنا کہ حضور چاہیں اولیاء اللہ کا علم علم انبیاء کے سامنے ایسا ہے جیسے ایک قطرہ سات سمندروں کے سامنے اور انبیاء کا علم حضور علیہ السلام کے علم کے سامنے اسی درجہ کا ہے اور ہمارے حضور علیہ السلام کا علم رب العلمین کے سامنے اسی درجہ کا پس ہر نبی اور ہر رسول اور ہر ولی اپنی اپنی استعداد اور قابلیت کے موافق حضور سے ہی لیتے ہیں اور کسی کو یہ ممکن نہیں کہ حضور علیہ السلام سے آگے بڑھ جائے۔

تفسیر خازن میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

يَعْنِيْ اَنْ يُّطْلِعَهُمْ عَلَيْهِ وَهُمُ الْاَنْبِيَاءُ وَالرُّسُلُ وَلِيَكُوْنَ مَا يُطْلِعُهُمْ عَلَيْهِ مِنْ عِلْمِ غَيْبِهٖ دَلِيْلًا عَلٰى نُبُوَّتِهِمْ كَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ

یعنی خدا تعالیٰ انکو اپنے علم پر اطلاع دیتا ہے اور وہ انبیاء و رسول ہیں تاکہ ان کا علم غیب پر مطلع ہونا انکی نبوت کی دلیل ہو جیسے رب نے فرمایا ہے کہ پس نہیں ظاہر فرماتا اپنے غیب خاص پر کسی کو سوائے اس رسول کے جس سے رب راضی ہے۔

تفسیر معالم التنزیل میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

يَعْنِيْ لَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِ الْغَيْبِ اِلَّا بِمَا شَاءَ مِمَّا اَخْبَرَ بِهِ الرُّسُلُ

یعنی یہ لوگ علم غیب کو نہیں گھیر سکتے مگر جس قدر کہ خدا چاہے جس کی خبر رسولوں نے دی۔

اس آیت اور ان تفاسیر سے اتنا معلوم ہوا کہ اس آیت میں یا تو خدا کا علم مراد ہے کہ خدا کا علم کسی کو حاصل نہیں ہاں جس کو رب ہی دینا چاہے تو اس کو علم غیب حاصل ہوتا ہے اور رب نے تو انبیاء کو دیا اور انبیاء کے ذریعہ سے بعض مومنین کو دیا۔ لہذا ان کو بھی بہ عطائے الٰہی علم غیب حاصل ہوا۔ کتنا دیا اس کا ذکر آیندہ آوے گا۔

یا یہ مراد ہے کہ حضور علیہ السلام کے علم کو کوئی نہیں پا سکتا۔ مگر جس کو حضور علیہ السلام ہی دینا چاہیں تو عطا فرمادیں۔ لہذا از حضرت آدم تا روز قیامت جس کو جس قدر علم ملا۔ وہ حضور علیہ السلام کے علم کے دریا کا قطرہ ہے اس میں حضرت آدم اور فرشتوں وغیرہ کا علم بھی شامل ہے اور حضرت آدم علیہ السلام کے علم کی وسعت ہم عَلَّمَ اٰدَمَ کی آیت کے تحت بیان کر چکے ہیں۔

(۵) مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ۔

اور اللہ کی شان یہ نہیں ہے کہ اے عام لوگو تم کو غیب کا علم دے۔ ہاں اللہ چن لیتا ہے اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہے۔

تفسیر بیضاوی میں اس آیت کے ماتحت ہے۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُؤْتِيَ اَحَدَكُمْ عِلْمَ الْغَيْبِ فَيَطَّلِعُ عَلٰى مَا فِي الْقُلُوْبِ مِنْ كُفْرٍ وَّاِيْمَانٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ لِرِسَالَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ فَيُوْحِيْ اِلَيْهِ وَيُخْبِرُهٗ بِبَعْضِ الْمُغَيَّبَاتِ اَوْ يُنَصِّبُ لَهٗ مَا يَدُلُّ عَلَيْهِ۔

خدا تعالیٰ تم میں سے کسی کو علم غیب نہیں دینے کا کہ مطلع کرے اس کفر و ایمان پر جو کہ دلوں میں ہوتا ہے لیکن اللہ اپنی پیغمبری کیلئے جسکو چاہتا ہے چن لیتا ہے پس اسکی طرف وحی فرماتا ہے اور بعض غیوب کی انکو خبر دیتا ہے یا ان کیلئے ایسے دلائل قائم فرماتا ہے جو غیب پر راہبری کریں

تفسیر خازن میں ہے۔

لٰكِنَّ اللّٰهَ يَصْطَفِيْ وَيَخْتَارُ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ فَيُطْلِعُهٗ عَلٰى بَعْضِ عِلْمِ الْغَيْبِ

لیکن اللہ چن لیتا ہے اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے پس انکو خبردار کرتا ہے بعض علم غیب پر

تفسیر کبیر میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

فَاَمَّا مَعْرِفَةُ ذٰلِكَ عَلٰى سَبِيْلِ الْاِعْلَامِ مِنَ الْغَيْبِ فَهُوَ مِنْ خَوَاصِّ الْاَنْبِيَآءِ (جمل) اَلْمَعْنٰى لٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ اَنْ يَّصْطَفِيَ مِنْ

لیکن ان باتوں کا بطریق غیب پر مطلع ہونے کے جان لینا یہ انبیاء کرام کی خصوصیت ہے۔ (جمل) معنیٰ یہ ہیں کہ اللہ اپنے رسولوں میں سے جسکو چاہتا

رُسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ فَيُطْلِعُهٗ عَلَى الْغَيْبِ (جلالین)

ہے چن لیتا ہے پس ان کو غیب پر مطلع کرتا ہے۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ فَتَعْرِفُوا الْمُنَافِقَ قَبْلَ التَّمْيِيْزِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ وَ يَخْتَارُ مَنْ يَّشَآءُ فَيُطْلِعُ عَلٰى غَيْبِهٖ كَمَا اَطْلَعَ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَلٰى حَالِ الْمُنَافِقِيْنَ

خدا تعالیٰ تم کو غیب پر مطلع نہیں کریگا تاکہ فرق کرنے سے پہلے منافقوں کو جان لو۔ لیکن اللہ جسکو چاہتا ہے چھانٹ لیتا ہے تو اسکو اپنے غیب پر مطلع فرماتا ہے جیسا کہ نبی علیہ السلام کو منافقین کے حال پر مطلع فرما دیا۔

روح البیان میں ہے۔

فَاِنَّ غَيْبَ الْحَقَائِقِ وَالْاَحْوَالِ لَا يَنْكَشِفُ بِلَا وَاسِطَةِ الرَّسُوْلِ۔

کیونکہ حقیقتوں اور حالات کے غیب نہیں ظاہر ہوتے بغیر رسول علیہ السلام کے واسطے سے۔

اس آیت کریمہ اور ان تفاسیر سے معلوم ہوا کہ خدا کا خاص علم غیب پیغمبر پر ظاہر ہوتا ہے۔ بعض مفسرین نے جو فرمایا کہ بعض غیب اس سے مراد ہے علم الٰہی کے مقابلہ میں بعض اور کل ما کان وما یکون بھی خدا کے علم کا بعض ہے۔

(۱۰) وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا۔

اور تم کو سکھا دیا۔ جو کچھ تم نہ جانتے تھے اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے۔ (جلالین)

اَیْ مِنَ الْاَحْكَامِ وَالْغَيْبِ

یعنی احکام اور علم غیب (تفسیر کبیر)

اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَاَطْلَعَكَ عَلٰى اَسْرَارِهِمَا وَوَاقَفَكَ عَلٰى حَقَائِقِهِمَا

اللہ نے آپ پر قرآن اتارا اور حکمت اتاری اور آپکو ان کے بھیدوں پر مطلع فرمایا اور انکی حقیقتوں پر واقف کیا۔ (خازن)

يَعْنِيْ مِنْ اَحْكَامِ الشَّرْعِ وَاُمُوْرِ الدِّيْنِ وَ قِيْلَ عَلَّمَكَ مِنْ عِلْمِ الْغَيْبِ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَقِيْلَ مَعْنَاهُ عَلَّمَكَ مِنْ خَفِيَّاتِ الْاُمُوْرِ وَاَطْلَعَكَ عَلٰى ضَمَائِرِ الْقُلُوْبِ وَ عَلَّمَكَ مِنْ اَحْوَالِ الْمُنَافِقِيْنَ وَكَيْدِهِمْ

یعنی شریعت کے احکام اور دین کی باتیں سکھائیں اور کہا گیا ہے کہ آپکو علم غیب میں وہ وہ باتیں سکھائیں جو آپ نہ جانتے تھے اور کہا گیا ہے کہ اسکے معنی یہ ہیں کہ آپکو چھپی چیزیں سکھائیں اور دلوں کے راز پر مطلع فرمایا اور منافقین کے مکر و فریب آپ کو بتا دیئے (مدارک)

مِنْ اُمُوْرِ الدِّيْنِ وَالشَّرَائِعِ اَوْ مِنْ خَفِيَّاتِ الْاُمُوْرِ وَضَمَائِرِ الْقُلُوْبِ۔

دین اور شریعت کے امور سکھائے اور چھپی ہوئی باتیں دلوں کے راز بتائے۔

تفسیر حسینی بحر الحقائق سے اسی آیت کے ماتحت نقل فرماتے ہیں۔

"ای علم ماکان ومایکون ہست کہ حق سبحانہ در شب اسرا بداں حضرت عطا فرمود۔ چنانچہ در حدیث معراج ہست کہ من در زیر عرش بودم قطرہ در حلق من ریختند فَعَلِمْتُ مَا كَانَ وَمَا يَكُوْنُ۔	یہ ماکان اور مایکون کا علم ہے کہ حق تعالیٰ نے شب معراج میں حضور علیہ السلام کو عطا فرمایا۔ چنانچہ معراج شریف کی حدیث میں ہے کہ ہم عرش کے نیچے تھے ایک قطرہ ہمارے حلق میں ڈالا پس ہم نے سارے گزشتہ اور آئندہ کے واقعات معلوم کر لیے
جامع البیان قَبْلَ نُزُوْلِ ذَالِكَ مِنْ خَفِيَّاتِ الْاُمُوْرِ۔	یعنی آپ کو وہ سب باتیں بتا دیں جو قرآن کے نزول سے پہلے آپ نہ جانتے تھے۔

اس آیت اور ان تفاسیر سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو تمام آئندہ اور گزشتہ واقعات کی خبر دے دی گئی۔ کلمہ ما عربی زبان میں عموم کے لیے ہوتا ہے تو آیت سے یہ معلوم ہوا کہ شریعت کے احکام دنیا کے سارے واقعات، لوگوں کے ایمانی حالات وغیرہ جو کچھ بھی آپ کے علم میں تھا سب ہی بتا دیا اس میں یہ قید لگانا کہ اس سے مراد صرف احکام ہیں اپنی طرف سے قید ہے جو قرآن وحدیث اور امت کے عقیدے کے خلاف ہے۔ جیسا کہ آئندہ بیان ہوگا۔

(۷) مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ	ہم نے اس کتاب میں کچھ اٹھا نہ رکھا۔
اِنَّ الْقُرْاٰنَ مُشْتَمِلٌ عَلٰى جَمِيْعِ الْاَحْوَالِ	قرآن کریم تمام حالات پر شامل ہے (خازن)

تفسیر انوار التنزیل میں اسی آیت کے ماتحت ہے:۔

يَعْنِي اللَّوْحَ الْمَحْفُوْظَ فَاِنَّهٗ مُشْتَمِلٌ عَلٰى مَا يَجْرِيْ فِي الْعَالَمِ مِنْ جَلِيْلٍ وَّ دَقِيْقٍ لَمْ يُهْمَلْ فِيْهِ اَمْرُ حَيْوَانٍ وَّلَا جَمَادٍ	کتاب سے مراد لوح محفوظ ہے کیونکہ یہ لوح محفوظ ان تمام باتوں پر مشتمل ہے جو عالم میں ہوتا ہے ظاہر اور باریک اس میں کسی حیوان اور جماد کا معاملہ چھوڑا نہ گیا

تفسیر عرائس البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

اَيْ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ ذِكْرَ اَحَدٍ مِنَ الْخَلْقِ لٰكِنْ لَا يُبْصِرُ ذِكْرَهٗ فِي الْكِتَابِ اِلَّا الْمُؤَيَّدُوْنَ بِاَنْوَارِ الْمَعْرِفَةِ۔	یعنی اس کتاب میں مخلوقات میں سے کسی کا ذکر نہ چھوڑا ہے لیکن اس ذکر کو کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ مگر وہ جنکی معرفت کے انوار سے تائید کی گئی ہو۔

امام شعرانی طبقات کبریٰ میں فرماتے ہیں۔ ماخوذ از خالص الاعتقاد صفحہ ۵۵

لَوْ فَتَحَ اللّٰهُ عَنْ قُلُوْبِكُمْ اَقْفَالَ السُّدَدِ	اگر خدا تعالیٰ تمہارے دلوں کے بند قفل کھول دے تو

لَاطَّلَعْتُمْ عَلٰی مَافِی الْقُرْاٰنِ مِنَ الْعُلُوْمِ وَ اسْتَغْنَیْتُمْ عَنِ النَّظْرِ فِیْ سِوَاهُ فَاِنَّ فِیْ جَمِیْعِ مَا ذُکِرَ فِیْ صَفْحَاتِ الْوُجُوْدِ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی مَا فَرَّطْنَا فِی الْکِتَابِ مِنْ شَیْءٍ۔

تم ان علموں پر مطلع ہوجاؤ جو قرآن میں ہیں اور تم قرآن کے سوا دوسری چیز سے بے پرواہ ہوجاؤ۔ کیونکہ قرآن میں تمام وہ چیزیں ہیں جو وجود کے صفحوں میں لکھی ہیں رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ مَا فَرَّطْنَا فِی الْکِتَابِ مِنْ شَیْءٍ

اس آیت اور ان تفسیروں سے معلوم ہوا کہ کتاب میں دنیا وآخرت کے سارے حالات موجود ہیں اب کتاب سے مراد یا تو قرآن ہے یا لوح محفوظ۔ اور قرآن بھی حضور علیہ السلام کے علم میں ہے اور لوح محفوظ بھی جیسا کہ آئندہ آوے گا۔ تو نتیجہ یہ نکلا کہ تمام دنیا وآخرت کے حالات حضور علیہ السلام کے علم میں ہوتے کیونکہ سارے علوم قرآن اور لوح محفوظ میں ہیں۔ اور قرآن ولوح محفوظ حضور کے علم میں۔

(۸) وَلَا رَطْبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ کِتَابٍ مُّبِیْنٍ ۝

اور نہیں ہے کوئی تر اور خشک جو روشن کتاب میں نہ لکھا ہو۔

(روح البیان) هُوَ اللَّوْحُ الْمَحْفُوْظُ فَقَدْ ضَبَطَ اللّٰهُ فِیْهِ جَمِیْعَ الْمَقْدُوْرَاتِ الْکَوْنِیَّةِ لِفَوَائِدَ تَرْجِعُ اِلَی الْعِبَادِ یَعْرِفُهَا الْعُلَمَاءُ بِاللّٰهِ۔

وہ لوح محفوظ ہے کہ اللہ نے اس میں ساری ہوسکنے والی چیزیں جمع فرمادیں ان فائدوں کی وجہوں سے جو بندوں کی طرف لوٹتے ہیں انکو علمائے ربانی جانتے ہیں

(تفسیر کبیر یہ ہی آیت) وَفَائِدَةُ هٰذَا الْکِتَابِ اُمُوْرٌ اَحَدُهَا اَنَّهٗ تَعَالٰی کَتَبَ هٰذِهِ الْاَحْوَالَ فِی اللَّوْحِ الْمَحْفُوْظِ لِتَقِفَ الْمَلٰئِکَةُ عَلٰی نَفَاذِ عِلْمِ اللّٰهِ فِی الْمَعْلُوْمَاتِ فَیَکُوْنُ ذٰلِکَ عِبْرَةً تَامَّةً کَامِلَةً لِلْمَلٰئِکَةِ الْمُوَکَّلِیْنَ بِاللَّوْحِ الْمَحْفُوْظِ لِاَنَّهُمْ یُقَابِلُوْنَ بِهٖ مَا یَحْدُثُ فِیْ صَحِیْفَةِ هٰذَا الْعَالَمِ فَیَجِدُوْنَهٗ مُوَافِقًا لَهٗ

اس لکھنے میں چند فائدے ہیں ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان حالات کو لوح محفوظ میں اس لیے لکھا تھا تاکہ ملائکہ خبردار ہوجائیں ان معلومات میں علم الٰہی جاری ہونے پر پس یہ بات ان فرشتوں کے لیے پوری پوری عبرت بن جائے جو لوح محفوظ پر مقرر ہیں کیونکہ وہ فرشتے ان واقعات کا اس تحریر سے مقابلہ کرتے ہیں جو عالم میں نئے نئے ہوتے رہتے ہیں تو اس کو لوح محفوظ کے موافق پاتے ہیں

(تفسیر خازن یہ ہی آیت) وَالثَّانِیْ اَنَّ الْمُرَادَ بِالْکِتَابِ الْمُبِیْنِ هُوَ اللَّوْحُ الْمَحْفُوْظُ لِاَنَّ اللّٰهَ کَتَبَ فِیْهِ عِلْمَ مَا یَکُوْنُ وَمَا قَدْ کَانَ قَبْلَ اَنْ

دوسری توجیہ یہ ہے کہ کتاب مبین سے مراد لوح محفوظ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس میں جو کچھ ہوگا اور جو کچھ آسمان وزمین کی پیدائش سے پہلے ہوچکا سب کا علم

اَنۡ یَّخۡلُقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ وَفَائِدَۃُ اِحۡصَاءِ الۡاَشۡیَآءِ کُلِّھَا فِیۡ ھٰذَا الۡکِتَابِ لِتَقِفَ الۡمَلٰئِکَۃُ عَلٰی اِنۡفَاذِ عِلۡمِہٖ۔

لکھ دیا اور ان تمام چیزوں کے لکھنے سے اس کتاب میں فائدہ یہ ہے کہ فرشتے اسکے علم کے جاری کرنے پر واقف ہوجائیں۔

(تفسیر مدارک یہ ہی آیت) ھُوَ عِلۡمُ اللّٰہِ اَوِ اللَّوۡحُ

وہ کتاب یا تو علم الٰہی ہے یا لوح محفوظ

تفسیر تنویر المقیاس میں تفسیر ابن عباس میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

کُلُّ ذٰلِکَ فِی اللَّوۡحِ الۡمَحۡفُوۡظِ مُبَیَّنٌ مِقۡدَارُھَا وَوَقۡتُھَا۔

یہ تمام چیزیں لوح محفوظ میں ہیں کہ ان کی مقدار اور ان کا وقت بیان کر دیا گیا ہے۔

اس آیت اور ان تفاسیر سے معلوم ہوا کہ لوح محفوظ میں ہر خشک و تر ادنیٰ و اعلیٰ چیز ہے اور لوح محفوظ کو فرشتے اور اللہ کے خاص بندے جانتے ہیں اور علم مصطفےٰ علیہ السلام ان سب کو محیط ہے لہٰذا یہ تمام علوم علم مصطفےٰ علیہ السلام کے دریا کے قطرے ہیں۔

(۹) نَزَّلۡنَا عَلَیۡکَ الۡکِتَابَ تِبۡیَانًا لِّکُلِّ شَیۡءٍ

اور ہم نے تم پر یہ قرآن اتارا کہ ہر چیز کا روشن بیان ہے

تفسیر حسینی یہ ہی آیت نَزَّلۡنَا فرستادیم عَلَیۡکَ الۡکِتَابَ بر تو قرآن تِبۡیَانًا لِّکُلِّ شَیۡءٍ بیان روشن برائے ہمہ چیز از امور دین و دنیا تفصیل و اجمال

ہم نے آپ پر یہ کتاب قرآن دین و دنیا کی ہر چیز کا روشن بیان بنا کر بھیجی تفصیلی و اجمالی۔

(تفسیر روح البیان یہ ہی آیت) یَتَعَلَّقُ بِاُمُوۡرِ الدِّیۡنِ مِنۡ ذٰلِکَ اَحۡوَالُ الۡاُمَمِ وَاَنۡبِیَآءِ ھِمۡ

اس کے بیان کیلئے جو دینی چیزوں سے تعلق رکھتی ہوں اور اس میں سے امتوں اور انکے پیغمبروں کے حالات ہیں۔

(تفسیر اتقان یہ ہی آیت) قَالَ الۡمُجَاھِدُ یَوۡمًا مَا مِنۡ شَیۡءٍ فِی الۡعَالَمِ اِلَّا ھُوَ فِیۡ کِتَابِ اللّٰہِ فَقِیۡلَ لَہٗ فَاَیۡنَ ذِکۡرُ الۡخَانَاتِ فَقَالَ فِیۡ قَوۡلِہٖ لَیۡسَ عَلَیۡکُمۡ جُنَاحٌ اَنۡ تَدۡخُلُوۡا بُیُوۡتًا غَیۡرَ مَسۡکُوۡنَۃٍ فِیۡھَا مَتَاعٌ لَّکُمۡ۔

حضرت مجاہد نے ایک دن فرمایا کہ عالم میں کوئی شے ایسی نہیں جو قرآن میں نہ ہو تو ان سے کہا گیا کہ سراؤں کا ذکر کہاں ہے انہوں نے فرمایا کہ اس آیت میں ہے کہ تم پر گناہ نہیں کہ تم ان گھروں میں داخل ہو جس میں کوئی رہتا نہ ہو اور تمہارا وہاں سامان ہو۔

اس آیت اور ان تفاسیر سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم میں ہر ادنےٰ و اعلیٰ چیز ہے اور قرآن رب تعالےٰ نے محبوب علیہ السلام کو سکھایا اَلرَّحۡمٰنُ ○ عَلَّمَ الۡقُرۡاٰنَ ○ یہ تمام چیزیں علم مصطفےٰ علیہ السلام میں آئیں

(۱۰) وَتَفْصِيْلَ الْكِتَابِ لَا رَيْبَ فِيْهِ۔

اور لوح محفوظ میں جو کچھ لکھا ہے قرآن سب کی تفصیل ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں۔

(جلالین یہ ہی آیت) تَفْصِيْلَ الْكِتَابِ تَبْيِيْنُ مَا كَتَبَ اللّٰهُ تَعَالٰى مِنَ الْاَحْكَامِ وَغَيْرِهَا

یہ تفصیل کتاب ہے اس میں وہ احکام اور ان کے سوا دوسری چیزیں بیان کی جاتی ہیں جو اللہ تعالیٰ نے لکھ دیں۔

(جمل یہ ہی آیت) اَیْ فِی اللَّوْحِ الْمَحْفُوْظِ

یعنی لوح محفوظ میں تمام تفصیل ہے۔

(روح البیان یہ ہی آیت) اَیْ وَتَفْصِيْلَ مَا حُقِّقَ وَاُثْبِتَ مِنَ الْحَقَائِقِ وَالشَّرَائِعِ وَفِی التَّاوِيْلَاتِ النَّجْمِيَّةِ اَیْ تَفْصِيْلَ الْجُمْلَةِ الَّتِیْ هِیَ الْمُقَدَّرُ الْمَكْتُوْبُ فِی الْكِتَابِ الَّذِیْ لَا يَتَطَرَّقُ اِلَيْهِ الْمَحْوُ وَالْاِثْبَاتُ لِاَنَّهٗ اَزَلِیٌّ اَبَدِیٌّ۔

یعنی یہ قرآن ان شرعی اور حقیقت کی چیزوں کی تفصیل ہے جو ثابت کی جاچکی ہیں اور تاویلات نجمیہ ہے کہ اس تمام کی تفصیل ہے جو تقدیر میں آچکی ہیں اور اس کتاب میں لکھی جاچکی ہیں جس میں ردو بدل نہیں ہوتا کیونکہ وہ کتاب ازلی و ابدی ہے۔

اس آیت و تفسیر سے ثابت ہوا کہ قرآن کریم میں احکام شرعیہ اور تمام علوم موجود ہیں۔ اس آیت سے پتہ لگا کہ قرآن میں سارے لوح محفوظ کی تفصیل ہے۔ اور لوح محفوظ میں سارے علوم ہیں۔ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِیْ كِتَابٍ مُّبِيْنٍ اور قرآن حضور علیہ السلام کے علم میں ہے۔ اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ لہٰذا سارا لوح محفوظ حضور علیہ السلام کے علم میں ہے کیونکہ قرآن لوح محفوظ کی تفصیل ہے۔

(۱۱) مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِیْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَیْءٍ

یہ کوئی بناوٹ کی بات نہیں اپنے سے اگلی کلاموں کی تصدیق ہے اور ہر چیز کا مفصل بیان۔

(تفسیر خازن یہ ہی آیت) يَعْنِیْ فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ الْمُنَزَّلِ عَلَيْكَ يَا مُحَمَّدُ تَفْصِيْلُ كُلِّ شَیْءٍ تَحْتَاجُ اِلَيْهِ مِنَ الْحَلَالِ وَالْحَرَامِ وَالْحُدُوْدِ وَالْاَحْكَامِ وَالْقَصَصِ وَالْمَوَاعِظِ وَالْاَمْثَالِ وَغَيْرِ ذٰلِكَ مِمَّا يَحْتَاجُ اِلَيْهِ الْعِبَادُ فِیْ اَمْرِ دِيْنِهِمْ وَدُنْيَاهُمْ۔

یعنی اس قرآن میں جو آپ پر اتارا گیا۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہر اس چیز کی تفصیل ہے جسکی آپ کو ضرورت ہو حلال اور حرام سزائیں اور احکام اور قصے اور نصیحتیں اور مثالیں۔ ان کے علاوہ اور وہ چیزیں جن کی بندوں کو اپنے دینی و دنیاوی معاملات میں ضرورت پڑتی ہے۔

تفسیر حسینی میں ہے وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَیْءٍ وبیان ہمہ

یعنی اس قرآن میں ہر اس چیز کا بیان ہے جسکی دین و دنیا

چیزہا کہ محتاج باشد در دین ودنیا۔

مَا مِنْ شَیْئٍ فِی الْعَالَمِ اِلَّا هُوَ فِیْ کِتَابِ اللّٰهِ تَعَالٰی

(۱۲) اَلرَّحْمٰنُ ہ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ہ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ہ عَلَّمَهُ الْبَیَانَ ہ

تفسیر معالم التنزیل وحسینی یہ ہی آیت خَلَقَ الْاِنْسَانَ اَیْ مُحَمَّدًا عَلَیْهِ السَّلَامُ عَلَّمَهُ الْبَیَانَ یَعْنِیْ بَیَانَ مَا کَانَ وَمَا یَکُوْنُ

تفسیر خازن یہ ہی آیت۔

قِیْلَ اَرَادَ بِالْاِنْسَانِ مُحَمَّدًا صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَلَّمَهُ الْبَیَانَ یَعْنِیْ بَیَانَ مَا کَانَ وَ مَا یَکُوْنُ لِاَنَّهٗ عَلَیْهِ السَّلَامُ نَبِیٌّ عَنْ خَبَرِ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ وَعَنْ یَوْمِ الدِّیْنِ۔

روح البیان یہ ہی آیت، وَعَلَّمَ نَبِیَّنَا عَلَیْهِ السَّلَامُ الْقُرْاٰنَ وَاَسْرَارَ الْاُلُوْهِیَّةِ کَمَا قَالَ وَعَلَّمَکَ مَا لَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ۔

(تفسیر مدارک، یہ ہی آیت) اَلْاِنْسَانَ اَیِ الْجِنْسَ اَوْ اٰدَمَ اَوْ مُحَمَّدًا عَلَیْهِ السَّلَامُ۔

(معالم التنزیل یہ ہی آیت) وَقِیْلَ الْاِنْسَانُ هٰهُنَا مُحَمَّدٌ عَلَیْهِ السَّلَامُ وَبَیَانُهٗ عَلَّمَکَ مَا لَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ۔

تفسیر حسینی یہ ہی آیت یا وجود محمد را بیا موزانید و

میں ضرورت ہو۔ (کتاب الاعجاز لابن سراقہ میں ہے)

عالم میں کوئی چیز ایسی نہیں جو قرآن میں نہ ہو۔

رحمان نے اپنے محبوب کو قرآن سکھایا انسانیت کی جان محمد کو پیدا کیا ماکان ومایکون کا بیان اُس کو سکھایا

اللہ نے انسان یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا فرمایا اور ان کو بیان یعنی ساری اگلی پچھلی باتوں کا بیان سکھا دیا۔

کہا گیا ہے کہ انسان سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کہ ان کو اگلے پچھلے امور کا بیان سکھا دیا گیا کیونکہ حضور علیہ السلام کو اگلوں اور پچھلوں کی اور قیامت کے دن کی خبر دے دی گئی۔

یعنی ہمارے نبی علیہ السلام کو رب تعالیٰ نے قرآن اور اپنی ربوبیت کے بھید سکھا دیئے جیسا کہ خود رب تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ کو سکھا دیں وہ باتیں جو آپ نہ جانتے تھے

انسان سے مراد جنس انسانی ہے یا آدم علیہ السلام یا حضور علیہ السلام۔

کہا گیا ہے کہ اس آیت میں انسان سے مراد حضور علیہ السلام ہیں اور بیان سے مراد ہے کہ آپ کو وہ تمام باتیں سکھائیں جو نہ جانتے تھے۔

یا مراد ہے کہ پیدا فرمایا حضور علیہ السلام کی ذات کو اور سکھایا ان کو جو ہو چکا ہے یا ہوگا۔

ان آیتوں اور تفاسیر سے معلوم ہوا کہ قرآن میں سب کچھ ہے اور اس کا سارا علم حضور علیہ الصلوٰۃ و

السلام کو دیا گیا۔

(۳) مَا اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ۝ تم اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں۔

(تفسیر روح البیان یہ ہی آیت) بِمَسْتُوْرٍ عِلْمًا كَانَ فِی الْاَزَلِ وَمَا سَيَكُوْنُ اِلَى الْاَبَدِ اِذَنَّ الْجُنَّ هُوَ السَّتْرُ بَلْ اَنْتَ عَالِمٌ بِمَا كَانَ وَخَبِيْرٌ بِمَا سَيَكُوْنُ۔

یعنی آپ سے وہ باتیں چھپی ہوئی نہیں ہیں جو ازل میں تھیں اور وہ جو ابد تک ہونگی۔ کیونکہ جن کے معنیٰ ہیں چھپنا بلکہ آپ اس کو جانتے ہیں جو ہو چکا اور خبردار ہیں اس سے جو ہوگا۔

اس آیت و تفسیر سے علم غیب کلی ثابت ہوا۔

(۴) وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ۔

اور اے محبوب اگر تم ان سے پوچھو گے تو کہیں گے کہ ہم تو یوں ہی ہنسی کھیل میں تھے۔

(تفسیر درمنثور و طبری یہ ہی آیت) عَنْ مُجَاهِدٍ اَنَّهُ قَالَ فِیْ قَوْلِهٖ تَعَالٰی وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ الخ قَالَ رَجُلٌ مِنَ الْمُنَافِقِيْنَ يُحَدِّثُنَا مُحَمَّدٌ اَنَّ نَاقَةَ فُلَانٍ بِوَادِ كَذَا وَكَذَا وَمَا يُدْرِيْهِ بِالْغَيْبِ۔

حضرت مجاہد رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے اس آیت کے نزول کے بارے میں وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ کہ ایک منافق نے کہا تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) خبر دیتے ہیں کہ فلاں کی اونٹنی فلاں جنگل میں ہے ان کو غیب کی کیا خبر۔

اس آیت اور تفسیر سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کے غیب کا انکار کرنا منافقین کا کام تھا جس کو قرآن نے کفر قرار دیا۔

(۵) فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ۔

تو اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے۔

(تفسیر کبیر یہ ہی آیت) اَیْ وَقْتَ وُقُوْعِ الْقِيٰمَةِ مِنَ الْغَيْبِ الَّذِیْ لَا يُظْهِرُهُ اللّٰهُ لِاَحَدٍ فَاِنْ قِيْلَ فَاِذَا حَمَلْتُمْ ذٰلِكَ عَلَى الْقِيٰمَةِ فَكَيْفَ قَالَ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ مَعَ اَنَّهٗ لَا يُظْهِرُ هٰذَا الْغَيْبَ لِاَحَدٍ قُلْنَا بَلْ

یعنی قیامت کے آنے کا وقت ان غیبوں میں سے ہے جس کو اللہ تعالٰی کسی پر ظاہر نہیں فرماتا پس اگر کہا جاوے کہ جب تم نے اس غیب کو قیامت پر محمول کر لیا تو اب رب تعالٰی نے یہ کیسے فرمایا مگر پسندیدہ رسولوں کو حالانکہ یہ غیب تو کسی پر بھی ظاہر نہیں کیا جاتا تو ہم کہیں گے کہ رب

يُظْهِرُهٗ عِنْدَ قَرِيْبِ الْقِيٰمَةِ ۔

تفسیر عزیزی صفحہ ۱۷۳۔ آنچہ بہ نسبت ہمہ مخلوقات غائب است غائب مطلق است مثل وقت آمدن قیامت واحکام تکوینیہ وشرعیہ باری تعالیٰ در ہر روز و ہر شریعت ومثل حقائق ذات وصفات او تعالیٰ علی سبیل التفصیل ایں قسم را غیب خاص او تعالیٰ نیز می نامند فَلَا يُظْهِرُهٗ عَلٰى غَيْبِهٖ اَحَدًا پس مطلع نمی کند بر غیب خاص خود ہیچکس را مگر کسی را کہ پسند میکند وآں کس رسول باشد خواہ از جنس ملک و خواہ از جنس بشر مثل حضرت محمد مصطفیٰ علیہ السلام او را اظہار بعضے از غیوب خاصہ خود می فرماید۔

تفسیر خازن یہی آیت اِلَّا مَنْ يَّصْطَفِيْهِ لِرِسَالَتِهٖ وَنُبُوَّتِهٖ فَيُظْهِرُهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنَ الْغَيْبِ حَتّٰى يَسْتَدِلَّ عَلٰى نُبُوَّتِهٖ بِمَا يُخْبِرُ بِهٖ مِنَ الْمُغَيَّبَاتِ فَيَكُوْنُ ذٰلِكَ مُعْجِزَةً لَّهٗ

روح البیان یہی آیت قَالَ ابْنُ الشَّيْخِ اَنَّهٗ تَعَالٰى لَا يُطْلِعُ عَلَى الْغَيْبِ الَّذِيْ يَخْتَصُّ بِهٖ تَعَالٰى عِلْمُهٗ اِلَّا لِمُرْتَضٰى الَّذِيْ يَكُوْنُ رَسُوْلًا وَمَا لَا يَخْتَصُّ بِهٖ يُطْلِعُ عَلَيْهِ غَيْرَ الرَّسُوْلِ

تعالیٰ قیامت کے قریب ظاہر فرمادیگا۔

جو چیز تمام مخلوقات سے غائب ہو وہ غائب مطلق ہے جیسے قیامت کے آنے کا وقت اور روزانہ اور ہر چیز کے پیدائشی اور شرعی احکام اور جیسے پروردگار کی ذات وصفات بطریق تفصیل اس قسم کو رب تعالیٰ کا خاص غیب کہتے ہیں پس اپنے خاص غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا۔ اس کے سوا جس کو پسند فرماوے اور وہ رسول ہوتے ہیں خواہ فرشتے کی جنس سے ہوں یا انسان کی جنس سے جیسے حضرت محمد مصطفیٰ علیہ السلام ان کو اپنے بعض خاص غیب پر ظاہر فرماتا ہے۔

سوا اس کے جس کو اپنی نبوت اور رسالت کیلئے چن لیا پس ظاہر فرماتا ہے جس پر چاہتا ہے غیب تاکہ انکی نبوت پر دلیل پکڑی جاوے ان غیب چیزوں سے جس کی وہ خبر دیتے ہیں پس یہ ان کا معجزہ ہوتا ہے۔

ابن شیخ نے فرمایا کہ رب تعالیٰ اس غیب پر جو اس سے خاص ہے کسی کو مطلع نہیں فرماتا سوائے برگزیدہ رسول کے اور جو غیب کہ رب سے خاص نہیں اس پر غیر رسول کو بھی مطلع فرمادیتا ہے۔

اس آیت اور ان تفاسیر سے معلوم ہوا کہ خدائے قدوس کا خاص علم غیب حتیٰ کہ قیامت کا علم بھی حضور علیہ السلام کو عطا فرمایا گیا اب کیا شے ہے جو علم مصطفیٰ علیہ السلام سے باقی رہ گئی۔

(۱۶) فَاَوْحٰى اِلٰى عَبْدِهٖ مَا اَوْحٰى ۔

اب وحی فرمائی اپنے بندے کو جو وحی فرمائی۔

مدارج النبوۃ جلد اول وصل رویۃ الٰہی میں ہے۔

فَاَوْحٰى الآیۃ بتمام علوم و معارف وحقائق و بشارات

معراج میں رب نے حضور علیہ السلام پر جو سارے علوم

واشارات، اخبار و آثار و کرامات و کمالات در احیطۂ ایں ابہام داخل است وہمہ را شامل و کثرت و عظمت اوست کہ مبہم آورد و بیان نہ کرد اشارات باآنکہ جز علم علام الغیوب و رسولِ محبوب بہ آں محیط تواند شد مگر آں چہ آں حضرت بیان کردہ ۔

اور معرفت اور بشارتیں اور اشارے اور خبریں اور کرامتیں و کمالات وحی فرمائے وہ اس ابہام میں داخل ہیں اور سب کے شامل ہیں انکی زیادتی اور عظمت ہی کی وجہ سے ان چیزوں کو بطور ابہام ذکر کیا بیان نہ فرمایا۔ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ ان علوم غیبیہ کو سوائے رب تعالیٰ اور محبوب علیہ السلام کے کوئی نہیں احاطہ کر سکتا۔ ہاں جس قدر حضور نے بیان فرمایا وہ معلوم ہے

اس آیت اور عبارت سے معلوم ہوا کہ معراج میں حضور علیہ السلام کو وہ وہ علوم عطا ہوئے۔ جن کو نہ کوئی بیان کر سکتا ہے اور نہ کسی کے خیال میں آسکتے ہیں ماکان و مایکون تو صرف بیان کے لئے ہے۔ ورنہ اس سے بھی کہیں زیادہ کی عطا ہوئی۔

(۱۷) وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ ٥

اور یہ نبی غیب بتانے میں بخیل نہیں۔

یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو علم غیب ہو۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام لوگوں کو اس سے مطلع فرما دیتے ہوں۔

(معالم التنزیل یہ ہی آیت) عَلَى الْغَيْبِ وَخَبَرِ السَّمَاءِ وَمَا أُطْلِعَ عَلَيْهِ مِنَ الْأَخْبَارِ وَالْقَصَصِ بِضَنِينٍ أَيْ بِبَخِيلٍ يَقُولُ إِنَّهُ يَأْتِيهِ عِلْمُ الْغَيْبِ فَلَا يَبْخَلُ بِهِ عَلَيْكُمْ بَلْ يُعَلِّمُكُمْ وَيُخْبِرُكُمْ وَلَا يَكْتُمُهُ كَمَا يَكْتُمُ الْكَاهِنُ

حضور علیہ السلام غیب پر اور آسمانی خبروں پر اور ان خبروں و قصوں پر بخیل نہیں ہیں۔ مراد یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کے پاس علم غیب آتا ہے پس وہ اس میں تم پر بخل نہیں کرتے بلکہ تم کو سکھاتے ہیں اور تم کو خبر دیتے ہیں جیسے کہ کاہن چھپاتے ہیں ویسے نہیں چھپاتے

(خازن یہ ہی آیت) يَقُولُ إِنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَأْتِيهِ عِلْمُ الْغَيْبِ فَلَا يَبْخَلُ بِهِ عَلَيْكُمْ بَلْ يُعَلِّمُكُمْ ۔

مراد یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کے پاس علم غیب آتا ہے تو تم پر اس میں بخل نہیں فرماتے۔ بلکہ تم کو سکھاتے ہیں۔

اس آیت و عبارات سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام لوگوں کو علم غیب سکھاتے ہیں۔ اور سکھائے گا وہ ہی جو خود جانتا ہے۔

(۱۸) وَعَلَّمْنَاهُ مِن لَّدُنَّا عِلْمًا ۔

اور ان کو اپنا علم لدنی عطا کیا یعنی حضرت خضر کو

(بیضاوی میں یہی آیت) اَیْ مِمَّا یَخْتَصُّ بِنَا لَا یَعْلَمُ اِلَّا بِتَوْقِیْفِنَا وَھُوَ عِلْمُ الْغَیْبِ۔

حضرت خضر کو وہ علم سکھائے جو ہمارے ساتھ خاص ہیں بغیر ہمارے بتائے کوئی نہیں جانتا اور وہ علم غیب ہے

تفسیر ابن جریر میں سیدنا عبداللہ ابن عباس سے روایت ہے۔

قَالَ اِنَّکَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا کَانَ رَجُلًا یَعْلَمُ عِلْمَ الْغَیْبِ قَدْ عَلِمَ ذٰلِکَ

حضرت خضر نے فرمایا تھا حضرت موسیٰ سے کہ تم میرے ساتھ صبر نہ کر سکو گے وہ خضر علم غیب جانتے تھے کہ انہوں نے جان لیا

(روح البیان یہی آیت) ھُوَ عِلْمُ الْغُیُوْبِ وَالْاِخْبَارُ عَنْھَا بِاِذْنِهٖ تَعَالٰی کَمَا ذَھَبَ اِلَیْهِ ابْنُ عَبَّاسٍ۔

حضرت خضر کو جو لدنی علم سکھایا گیا وہ علم غیب ہے اور اس غیب کے متعلق خبر دینا ہے خدا کے حکم سے جیسا کہ اس طرف ابن عباس رضی اللہ عنہ گئے ہیں۔

(تفسیر مدارک یہی آیت) یَعْنِی الْاِخْبَارَ بِالْغُیُوْبِ وَقِیْلَ الْعِلْمُ اللَّدُنِّیُّ مَا حَصَلَ لِلْعَبْدِ بِطَرِیْقِ الْاِلْھَامِ۔

یعنی حضرت خضر کو غیب کی خبریں دیں اور کہا گیا ہے کہ علم لدنی وہ ہوتا ہے جو بندے کو الہام کے طریقہ پر حاصل ہو۔

(تفسیر خازن یہی آیت) اَیْ عِلْمَ الْبَاطِنِ اِلْھَامًا۔

یعنی حضرت خضر کو علم باطن الہام کے طریقہ پر عطا فرمایا

اس آیت و تفسیری عبارتوں سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ نے حضرت خضر کو بھی علم غیب عطا فرمایا تھا۔ جس سے لازم آیا کہ حضور علیہ السلام کو بھی علم غیب عطا ہوا۔ کیونکہ آپ تمام مخلوق الٰہی سے زیادہ عالم ہیں اور حضرت خضر علیہ السلام بھی مخلوق ہیں۔

(۱۹) وَکَذٰلِکَ نُرِیْ اِبْرٰھِیْمَ مَلَکُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔

اور اسی طرح ہم ابراہیم کو دکھاتے ہیں۔ ساری بادشاہی آسمانوں اور زمین کی۔

(تفسیر خازن یہی آیت) اُقِیْمَ عَلٰی صَخْرَةٍ وَکُشِفَ لَهٗ عَنِ السَّمٰوٰتِ حَتّٰی رَاَی الْعَرْشَ وَالْکُرْسِیَّ وَمَا فِی السَّمٰوٰتِ وَکُشِفَ لَهٗ عَنِ الْاَرْضِ حَتّٰی نَظَرَ اِلٰی اَسْفَلِ الْاَرْضِیْنَ وَرَاٰی مَا فِیْھَا مِنَ الْعَجَائِبِ۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو صخرہ پر کھڑا کیا گیا اور ان کیلئے آسمان کھول دیئے گئے یہاں تک کہ انہوں نے عرش و کرسی اور جو کچھ آسمانوں میں ہے دیکھ لیا اور آپ کیلئے زمین کھولی گئی یہاں تک کہ انہوں نے زمینوں کی نیچی زمین اور ان عجائبات کو دیکھ لیا جو زمینوں میں ہیں۔

(تفسیر مدارک یہی آیت) قَالَ مُجَاھِدٌ فُرِجَتْ لَهٗ

مجاہد نے فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام کے لیئے ساتوں

السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ فَنَظَرَ اِلٰی مَا فِیْهِنَّ حَتّٰی اِنْتَهٰی نَظَرُهٗ اِلَی الْعَرْشِ وَفُرِجَتْ لَهُ الْاَرَضُوْنَ السَّبْعُ حَتّٰی نَظَرَ اِلٰی مَا فِیْهِنَّ ۔

آسمان کھول دیئے گئے پس انہوں نے دیکھ لیا۔ جو کچھ آسمانوں میں ہے یہاں تک کہ ان کی نظر عرش تک پہنچ گئی اور ان کے لیئے سات زمینیں کھولی گئیں کہ انہوں نے وہ چیزیں دیکھ لیں جو زمینوں میں ہیں۔

"روح البیان یہی آیت" عجائب وبدائع آسمانہا وزمین ہا از ذروۂ عرش تا تحت الثریٰ بروے منکشف ساختہ

ابراہیم کو آسمان وزمین کی عجائبات وغرائبات دکھائے اور عرش کی بلندی سے تحت الثریٰ تک کھول دیا۔

تفسیر ابن جریر ابن ابی حاتم میں اسی آیت کے ماتحت ہے ۔

اِنَّهٗ جُلِّیَ لَهُ الْاَمْرُ سِرُّهٗ وَعَلَانِیَتُهٗ فَلَمْ یَخْفَ عَلَیْهِ شَیْءٌ مِّنْ اَعْمَالِ الْخَلَائِقِ ۔

حضرت ابراہیم پر کھلی و پوشیدہ تمام چیزیں کھل گئیں پس ان پر مخلوق کے اعمال میں سے کچھ بھی چھپا نہ رہا۔

(تفسیر کبیر یہی آیت) اِنَّ اللّٰهَ شَقَّ لَهُ السَّمٰوٰتِ حَتّٰی رَاٰی الْعَرْشَ وَالْکُرْسِیَّ وَاِلٰی حَیْثُ یَنْتَهِیْ اِلَیْهِ فَوْقِیَّةُ الْعَالَمِ الْجِسْمَانِیِّ وَرَاٰی مَا فِی السَّمٰوٰتِ مِنَ الْعَجَائِبِ وَالْبَدَائِعِ وَرَاٰی مَا فِیْ بَطْنِ الْاَرْضِ مِنَ الْعَجَائِبِ وَالْغَرَائِبِ ۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کیلئے آسمانوں کو چیر دیا یہاں تک کہ انہوں نے عرش وکرسی اور جہانتک جسمانی علم کی فوقیت ختم ہوتی ہے دیکھ لیا۔ اور وہ عجیب و غریب چیزیں بھی دیکھ لیں جو آسمانوں میں ہیں۔ اور وہ عجیب وغریب چیزیں بھی دیکھ لیں جو زمین کے پیٹ میں ہیں۔

اس آیت اور ان تفسیری عبارات سے معلوم ہوا کہ از عرش تا تحت الثریٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دکھائے گئے اور مخلوق کے اعمال کی بھی ان کو خبر دی گئی اور حضور علیہ السلام کا علم ان سے کہیں زیادہ ہے تو ماننا پڑے گا کہ حضور علیہ السلام کو بھی یہ علوم عطا ہوئے۔

خیال رہے کہ عرش کے علم میں لوح محفوظ بھی آگئی۔ اور لوح محفوظ میں کیا لکھا ہے اس کو ہم پہلے بیان کر چکے۔ لہذا ماکان وما یکون کا علم تو ان کو بھی حاصل ہوا۔ اور علم ابراہیمی اور علم حضرت آدم علیہ السلام حضور علیہ السلام کے علم کے دریا کا قطرہ ہے۔

(۱۰) یوسف علیہ السلام نے فرمایا تھا لَا یَاْتِیْکُمَا طَعَامٌ تُرْزَقَانِهٖٓ اِلَّا نَبَّاْتُکُمَا بِتَاْوِیْلِهٖ ۔ اس کی تفسیر میں روح البیان وکبیر وخازن میں ہے اس کے معنے یہ ہیں کہ میں تمہیں کھانے کے گذشتہ وآئندہ کے

سارے حالات بتا سکتا ہوں کہ غلہ کہاں سے آیا اور اب کہاں جائے گا۔ تفسیر کبیر نے تو فرمایا کہ یہ بھی بتا سکتا ہوں کہ یہ کھانا نفع دے گا یا نقصان۔ یہ چیزیں وہ ہی بتا سکتا ہے جو ہر ذرہ کی خبر رکھتا ہو پھر فرماتے ہیں۔

ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِيْ رَبِّيْ۔ | یہ علم تو میرے علوم کا بعض حصہ ہے۔

اب بتاؤ کہ حضور علیہ السلام کا علم کتنا ہوگا۔ علم یوسفی تو علم مصطفےٰ کے سمندر کا قطرہ ہے اور عیسےٰ علیہ السلام نے فرمایا۔

وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ فِيْ بُيُوْتِكُمْ۔ | میں تمہیں بتا سکتا ہوں جو کچھ تم اپنے گھروں میں کھاتے ہو اور جو کچھ جمع کرتے ہو۔

دیکھو کھانا گھر میں کھایا اور رکھا گیا۔ جہاں عیسیٰ علیہ السلام موجود نہیں تھے اور اسکی خبر آپ باہر رہے ہیں یہ ہے علم غیب۔

(۲۱) يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْــَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ۔ | اے ایمان والو ایسی باتیں ہمارے محبوب سے نہ پوچھو کہ اگر تم پر ظاہر کر دی جاویں تو تمہیں ناگوار ہوں۔

بخاری شریف میں سیدنا عبداللہ ابن عباس سے روایت کی عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ قَوْمٌ يَسْأَلُوْنَ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِسْتِهْزَاءً فَيَقُوْلُ الرَّجُلُ مَنْ اَبِيْ وَيَقُوْلُ الرَّجُلُ اَيْنَ نَاقَتِيْ فَاَنْزَلَ اللهُ فِيْهِمْ هٰذِهِ الْاٰيَةَ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْاَلُوْا عَنْ اَشْيَاءَ۔

تتمہ۔ مخالفین سے ان دلائل کے جواب کچھ نہیں بنتے صرف یہ کہہ دیتے ہیں کہ جن آیات میں كُلُّ شَيْءٍ کا ذکر ہوا یا فرمایا گیا مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ان میں مراد شریعت کے احکام ہیں نہ کہ اور چیزیں اس کے لیئے چند دلائل لاتے ہیں۔

(۱) كُلُّ شَيْءٍ غیر متناہی (بے انتہا) ہیں اور غیر متناہی چیزوں کا علم خدا کے سوا کسی کو ہونا منطقی قاعدے سے بالکل باطل ہے دلیل تسلسل سے۔

(۲) بہت سے مفسرین نے بھی كُلُّ شَيْءٍ کے معنی کیئے ہیں مِنْ اُمُوْرِ الدِّيْنِ یعنی دین کے احکام جیسے جلالین وغیرہ۔

(۳) قرآن پاک میں بہت جگہ كُلُّ شَيْءٍ فرمایا گیا ہے مگر اس سے بعض چیزیں مراد ہیں جیسے وَاُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ بلقیس کو كُلُّ شَيْءٍ دی گئی۔ حالانکہ بلقیس کو بعض چیزیں ہی دی گئی تھیں

مگر یہ دلائل نہیں صرف غلط فہمی ہے اور دھوکا۔ ان کے جوابات یہ ہیں :۔
عربی زبان میں کلمہ کل اور کلمہ مَا عموم کے لیئے آتے ہیں۔ اور قرآن کا ایک ایک کلمہ قطعی ہے اس میں کوئی قید لگانا محض اپنے قیاس سے جائز نہیں۔ قرآن پاک کے عام کلمات کو حدیث آحاد سے بھی خاص نہیں بنا سکتے چہ جائیکہ محض اپنی رائے سے۔
(۱) کُلَّ شَیْئٍ غیر متناہی نہیں۔ بلکہ متناہی ہیں۔ تفسیر کبیر زیر آیت وَاَحْصٰی کُلَّ شَیْئٍ عَدَدًا

قُلْنَا لَا شَكَّ اِنَّ اِحْصَاءَ الْعَدَدِ اِنَّمَا يَكُوْنُ فِى الْمُتَنَاهِىْ فَاَمَّا لَفْظَةُ كُلِّ شَيْئٍ فَاِنَّهَا لَا تَدُلُّ عَلٰى كَوْنِهٖ غَيْرَ مُتَنَاهٍ لِاَنَّ الشَّيْئَ عِنْدَنَا هُوَ الْمَوْجُوْدَاتُ وَالْمَوْجُوْدَاتُ مُتَنَاهِيَةٌ فِى الْعَدَدِ

اس میں شک نہیں کہ عدد سے شمار کرنا متناہی چیز میں ہو سکتا ہے لیکن لفظ کُلّ شَیْئٍ اس شئی کے غیر متناہی ہونے پر دلالت نہیں کرتا کیونکہ ہمارے نزدیک شئی موجودات ہی ہیں اور موجود چیزیں متناہی میں شمار ہیں

تفسیر روح البیان میں اسی آیت وَاَحْصٰی کُلَّ شَیْئٍ کے ماتحت فرمایا۔

وَهٰذِهِ الْاٰيَةُ مِمَّا يُسْتَدَلُّ بِهٖ عَلٰى اَنَّ الْمَعْدُوْمَ لَيْسَ بِشَيْئٍ لِاَنَّهٗ لَوْ كَانَ شَيْئًا لَكَانَتِ الْاَشْيَاءُ غَيْرَ مُتَنَاهِيَةٍ وَكَوْنُهٗ اَحْصٰى عَدَدَهَا يَقْتَضِىْ كَوْنَهَا مُتَنَاهِيَةً لِاَنَّ اِحْصَاءَ الْعَدَدِ اِنَّمَا يَكُوْنُ فِى الْمُتَنَاهِىْ۔

اس آیت سے اس پر بڑی دلیل پکڑی جاتی ہے کہ معدوم (غیر موجود) شئی نہیں ہے کیونکہ اگر وہ بھی شئی ہوتی تو چیزیں غیر متناہی (بے انتہا) ہو جاتیں۔ اور چیزوں کا شمار میں آنا چاہتا ہے کہ چیزیں متناہی ہوں کیونکہ عدد سے شمار متناہی کی ہو سکتی ہے۔

(۲) اگر بعض مفسرین نے کُلّ شَیْئٍ سے صرف شریعت کے احکام مراد لیئے ہیں تو بہت سے مفسرین نے کل علم غیب بھی مراد لیا ہے اور جبکہ بعض دلائل نفی کے ہوں۔ اور بعض ثبوت کے۔ تو ثبوت والوں کو ہی اختیار کیا جاتا ہے۔
نور الانوار بحث تعارض میں ہے۔ وَالْمُثْبِتُ اَوْلٰى مِنَ النَّافِىْ ثابت کرنے والے دلائل نفی کرنے والے سے زیادہ بہتر ہیں۔ تو جن تفسیروں کے حوالہ ہم پیش کر چکے ہیں۔ چونکہ ان میں زیادہ کا ثبوت ہے لہٰذا وہ ہی قابل قبول ہیں۔ نیز کُلُّ شَیْئٍ کی تفسیر خود احادیث اور علمائے امت کے اقوال سے ہم بیان کریں گے کہ کوئی ذرہ کوئی قطرہ ایسا نہیں جو حضور علیہ السلام کے علم میں نہ آگیا ہو اور ہم مقدمہ کتاب میں لکھ چکے ہیں کہ تفسیر قرآن بالحدیث اور تفسیروں سے بہتر ہے لہٰذا حدیث ہی کی تفسیر مانی جاوے گی۔

نیز جن مفسرین نے امور دین سے تفسیر کی انہوں نے بھی دوسری چیزوں کی نفی تو نہ کی۔ لہٰذا تم نفی کہاں سے نکالتے ہو؟ کسی چیز کے ذکر نہ کرنے سے اس کی نفی کیسے ہوگی۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔ تَقِیْکُمُ الْحَرَّ یعنی تمہارے کپڑے تم کو گرمی سے بچاتے ہیں۔ تو کیا کپڑے سردی سے نہیں بچاتے؟ مگر ایک چیز کا ذکر نہ فرمایا۔ نیز دین تو سب ہی کو شامل ہے۔ عالم کی کون سی چیز ایسی ہے۔ جس پر دین کے احکام حرام حلال وغیرہ جاری نہیں ہوتے تو اُن کا یہ فرمانا کہ دینی علم مکمل کر دیا سب کو شامل ہے۔

(۳) بلقیس وغیرہ کے قصہ میں جو کُلِّ شَیْءٍ آیا ہے۔ وہاں قرینہ موجود ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں کُلِّ شَیْءٍ سے مراد سلطنت کے کاروبار کی کل چیزیں ہیں۔ اس لیئے وہاں گویا مجازی معنی مراد لیئے گئے یہاں کونسا قرینہ ہے جس کی وجہ سے کُلِّ شَیْءٍ کے حقیقی معنیٰ چھوڑ کر مجازی معنیٰ مراد لیئے جاویں خیال رہے۔ کہ قرآن کریم نے ہُدہُد کا قول نقل فرمایا کہ اس نے کہا اُوْتِیَتْ مِنْ کُلِّ شَیْءٍ بلقیس کو ہر چیز دی گئی خود رب نے یہ خبر نہ دی۔ ہُدہُد سمجھا کہ بلقیس کو دنیا بھر کی تمام چیزیں مل گئیں۔ مگر مصطفٰے علیہ السلام کے لیئے خود رب تعالیٰ نے فرمایا۔ تِبْیَانًا لِّکُلِّ شَیْءٍ ہُدہُد غلطی کر سکتا ہے رب کا کلام غلط نہیں ہو سکتا اُس نے تو یہ بھی کہا وَلَہَا عَرْشٌ عَظِیْمٌ۔ کیا تختِ بلقیس عرش عظیم تھا۔ بلکہ قرآن کی اور آیتیں تو بتا رہی ہیں کہ کُلِّ شَیْءٍ سے مراد یہاں عالم کی تمام چیزیں ہیں۔ فرماتا ہے۔ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ کوئی خشک و تر چیز ایسی نہیں جو لوح محفوظ یا قرآن کریم میں نہ ہو پھر آنے والی احادیث اور علماء اور محدثین کے قول بھی اسی کی تائید کرتے ہیں کہ عالم کی ہر چیز کا حضور علیہ السلام کو علم دیا گیا۔ ہم حاضر و ناظر کی بحث میں انشاء اللہ بتائیں گے کہ تمام عالم ملک الموت کے سامنے ایسا ہے۔ جیسا ایک طشت۔ اور ابلیس آن کی آن میں تمام زمین کا چکر لگا لیتا ہے۔ اور یہ دیوبندی بھی تسلیم کرتے ہیں کہ ساری مخلوقات سے زیادہ حضور علیہ السلام کا علم ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ حضور علیہ السلام کو بھی ان چیزوں کا علم ہو۔ حضرت آدم اور کاتب تقدیر فرشتہ کا علم ہم علوم خمسہ کی بحث میں بتائیں گے جس سے معلوم ہوگا کہ سارے علوم خمسہ ان کو حاصل ہوتے ہیں۔ اور حضور علیہ السلام تو ساری مخلوق سے زیادہ عالم لہٰذا حضور علیہ السلام کو بھی یہ علوم بلکہ اس سے زیادہ ماننا پڑیں گے۔ ہمارا مدعٰے ہر حال میں ثابت ہے۔ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ۔

دوسری فصل

علم غیب کی احادیث کے بیان میں

اس فصل میں ہم نمبروار احادیث بیان کرتے ہیں۔ پھر اسی نمبروں کی ترتیب سے تیسری فصل میں ان حدیثوں کی شرح بیان کریں گے۔

(۱) بخاری کتاب بدء الخلق اور مشکوٰۃ جلد دوم باب بدء الخلق وذکر الانبیاء میں حضرت فاروق سے روایت ہے۔

قَامَ فِيْنَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَقَامًا فَاَخْبَرَنَا عَنْ بَدْءِ الْخَلْقِ حَتّٰى دَخَلَ اَهْلُ الْجَنَّةِ مَنَازِلَهُمْ وَاَهْلُ النَّارِ مَنَازِلَهُمْ حَفِظَ ذٰلِكَ مَنْ حَفِظَهٗ وَنَسِيَهٗ مَنْ نَسِيَهٗ۔	حضور علیہ السلام نے ہم میں ایک جگہ قیام فرمایا۔ پس ہم کو ابتداء پیدائش کی خبر دے دی۔ یہاں تک کہ جنتی لوگ اپنی منزلوں میں پہنچ گئے اور جہنمی اپنی میں جس نے یاد رکھا۔ اس نے یاد رکھا اور جو بھول گیا وہ بھول گیا۔

اس جگہ حضور علیہ السلام نے دو قسم کے واقعات کی خبر دی ۱۔ عالم کی پیدائش کی ابتدا کس طرح ہوئی ۲۔ پھر عالم کی انتہا کس طرح ہو گی۔ یعنی از روز اول تا قیام قیامت ایک ایک ذرہ وقطرہ بیان کر دیا۔

(۲) مشکوٰۃ باب المعجزات میں مسلم سے بروایت عمرو ابن اخطب اسی طرح منقول ہے مگر اس میں اتنا اور ہے۔

فَاَخْبَرَنَا بِمَا هُوَ كَائِنٌ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَاَعْلَمُنَا اَحْفَظُنَا۔	ہم کو تمام ان واقعات کی خبر دے دی جو قیامت تک ہونیوالے ہیں پس ہم میں بڑا عالم وہ ہے جو ان باتوں کا زیادہ حافظ ہے

(۳) مشکوٰۃ باب الفتن میں بخاری ومسلم سے بروایت حضرت حذیفہ ہے۔

مَا تَرَكَ شَيْئًا يَكُوْنُ فِيْ مَقَامِهٖ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اِلَّا حَدَّثَ بِهٖ حَفِظَهٗ مَنْ حَفِظَهٗ وَنَسِيَهٗ مَنْ نَسِيَهٗ۔	حضور علیہ السلام نے اس جگہ قیامت تک کی کوئی چیز نہ چھوڑی مگر اس کی خبر دے دی جس نے یاد رکھا یاد رکھا جو بھول گیا وہ بھول گیا۔

(۴) مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین میں مسلم سے بروایت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے۔

اِنَّ اللهَ زَوٰى لِيَ الْاَرْضَ فَرَاَيْتُ مَشَارِقَ	اللہ نے میرے لیئے زمین سمیٹ دی پس میں نے

اَلْاَرْضِ وَمَغَارِبِهَا۔	زمین کے مشرقوں اور مغربوں کو دیکھ لیا۔

(۵) مشکوٰۃ باب المساجد میں عبدالرحمٰن بن عائش سے روایت ہے۔

رَءَیْتُ رَبِّیْ عَزَّ وَجَلَّ فِیْ اَحْسَنِ صُوْرَۃٍ فَوَضَعَ کَفَّہٗ بَیْنَ کَتِفَیَّ فَوَجَدْتُ بَرْدَھَا بَیْنَ ثَدْیَیَّ فَعَلِمْتُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔	ہم نے اپنے رب کو اچھی صورت میں دیکھا رب تعالےٰ نے اپنا دست قدرت ہمارے سینہ پر رکھا جس کی ٹھنڈک ہم نے اپنے قلب میں پائی پس تمام آسمان و زمین کی چیزوں کو ہم نے جان لیا۔

(۶) شرح مواہب لدنیہ للزرقانی میں حضرت عبداللہ ابن عمر کی روایت سے ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ رَفَعَ لِیَ الدُّنْیَا فَاَنَا اَنْظُرُ اِلَیْھَا وَاِلٰی مَا ھُوَ کَائِنٌ فِیْھَا اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ کَاَنَّمَا اَنْظُرُ اِلٰی کَفِّیْ ھٰذَا۔	اللہ تعالیٰ نے ہمارے سامنے ساری دنیا کو پیش فرمایا پس ہم اس دنیا کو اور جو اس میں قیامت تک ہونیوالا ہے اس طرح دیکھ رہے ہیں جیسے اپنے اس ہاتھ کو دیکھتے ہیں

(۷) مشکوٰۃ باب المساجد بروایت ترمذی ہے۔

فَتَجَلّٰی لِیْ کُلُّ شَیْءٍ وَعَرَفْتُ۔	پس ہمارے لیے ہر چیز ظاہر ہو گئی اور ہم نے پہچان لی

(۸) مسند امام احمد بن حنبل میں بروایت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے۔

لَقَدْ تَرَکَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَمَا یُحَرِّکُ طَائِرٌ جَنَاحَیْہِ اِلَّا ذَکَرَلَنَا مِنْہُ عِلْمًا	ہم کو حضور علیہ السلام نے اس حال پر چھوڑا کہ کوئی پرندہ اپنے پر بھی نہیں ہلاتا۔ مگر اس کا ہم کو علم بتا دیا۔

(۹) مشکوٰۃ باب الفتن فصل ثانی میں حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔

مَا تَرَکَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنْ قَائِدِ فِتْنَۃٍ اِلٰی اَنْ تَنْقَضِیَ الدُّنْیَا یَبْلُغُ مَنْ ثَلٰثَ مِائَۃٍ فَصَاعِدًا قَدْ سَمَّاہُ لَنَا بِاسْمِہٖ وَاسْمِ اَبِیْہِ وَاسْمِ قَبِیْلَتِہٖ رَوَاہُ اَبُوْ دَاؤُدَ	نہیں چھوڑا حضور علیہ السلام نے کسی فتنہ چلانیوالے کو دنیا کے ختم ہونے تک جن کی تعداد تین سو سے زیادہ تک پہنچے گی مگر ہم کو اس کا نام اس کے باپ کا نام اس کے قبیلے کا نام بتا دیا۔

(۱۰) مشکوٰۃ باب ذکر الانبیاء میں بخاری سے بروایت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے۔

خُفِّفَ عَلٰی دَاوٗدَ الْقُرْاٰنُ فَکَانَ یَاْمُرُ دَوَابَّہٗ فَتُسْرَجُ فَیَقْرَءُ الْقُرْاٰنَ قَبْلَ	حضرت داؤد علیہ السلام پر قرآن (زبور) کو اس قدر ہلکا کر دیا گیا تھا کہ وہ اپنے گھوڑوں کو زین لگانے کا حکم دیتے تھے

اَنۡ تُسۡرَجَ | تو آپ ان کی زین سے پہلے زبور پڑھ لیتے تھے۔

یہ حدیث اس جگہ اس لیئے بیان کی گئی کہ اگر حضور علیہ السلام نے ایک وعظ میں از اول تا آخر واقعات بیان فرمادیئے تو یہ بھی آپ کا معجزہ تھا۔ جیسا کہ حضرت داؤد آن کی آن میں ساری زبور شریف پڑھ لیتے تھے۔

(۱۱) مشکوٰۃ باب مناقب اہل البیت میں ہے۔

تَلِدُ فَاطِمَةُ اِنۡ شَآءَ اللّٰهُ غُلَامًا يَكُوۡنُ فِيۡ حِجۡرِكَ۔ | حضور علیہ السلام نے خبر دی کہ فاطمہ زہرا کے فرزند پیدا ہوگا۔ جو تمہاری پرورش میں رہے گا۔

(۱۲) بخاری باب اثبات عذاب القبر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل ہے۔

مَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ بِقَبۡرَيۡنِ يُعَذَّبَانِ فَقَالَ اِنَّهُمَا يُعَذَّبَانِ وَمَا يُعَذَّبَانِ فِيۡ كَبِيۡرٍ اَمَّا اَحَدُهُمَا فَكَانَ لَا يَسۡتَنۡزِهُ مِنَ الۡبَوۡلِ وَاَمَّا الۡاٰخَرُ فَكَانَ يَمۡشِيۡ بِالنَّمِيۡمَةِ ثُمَّ اَخَذَ جَرِيۡدَةً رَطۡبَةً فَشَقَّهَا بِنِصۡفَيۡنِ ثُمَّ غَرَزَ فِيۡ كُلِّ قَبۡرٍ وَاحِدَةً وَقَالَ لَعَلَّهٗ اَنۡ يُّخَفَّفَ عَنۡهُمَا مَا لَمۡ يَيۡبَسَا۔ | حضور علیہ السلام دو قبروں پر گزرے جن میں عذاب ہو رہا تھا تو فرمایا کہ ان دونوں شخصوں کو عذاب دیا جا رہا ہے اور کسی دشوار بات میں عذاب نہیں ہو رہا ہے ان میں سے ایک تو پیشاب سے نہ بچتا تھا اور دوسرا چغلی کیا کرتا تھا پھر ایک تر شاخ لے کر اسکو آدھا آدھا چیرا پھر ہر قبر میں ایک ایک کو گاڑ دیا اور فرمایا کہ جب تک یہ ٹکڑے خشک نہ ہوں گے ان دونوں شخصوں سے عذاب میں کمی کی جاوے گی۔

(۱۳) بخاری کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ اور تفسیر خازن میں زیر آیت لَا تَسۡئَلُوۡا عَنۡ اَشۡيَآءَ اِنۡ تُبۡدَ لَكُمۡ ہے۔

قَامَ عَلَى الۡمِنۡبَرِ فَذَكَرَ السَّاعَةَ وَذَكَرَ اَنَّ بَيۡنَ يَدَيۡهَا اُمُوۡرًا عِظَامًا ثُمَّ قَالَ مَنۡ رَجُلٌ اَحَبَّ اَنۡ يَّسۡئَلَ عَنۡ شَيۡءٍ فَلۡيَسۡئَلۡ عَنۡهُ فَوَاللّٰهِ لَا تَسۡئَلُوۡنِيۡ عَنۡ شَيۡءٍ اِلَّا اَخۡبَرۡتُكُمۡ مَا دُمۡتُ فِيۡ مَقَامِيۡ هٰذَا فَقَامَ رَجُلٌ فَقَالَ اَيۡنَ مُدۡخَلِيۡ قَالَ النَّارُ فَقَامَ عَبۡدُ اللّٰهِ ابۡنُ | حضور علیہ السلام منبر پر کھڑے ہوئے پس قیامت کا ذکر فرمایا کہ اس سے پہلے بڑے بڑے واقعات ہیں پھر فرمایا کہ جو شخص جو بات پوچھنا چاہے پوچھ لے قسم خدا کی جب تک ہم اس جگہ یعنی منبر پر ہیں تم کوئی بات ہم سے نہ پوچھو گے مگر ہم تم کو اس کی خبریں دیں گے ایک شخص نے کھڑے ہو کر عرض کیا کہ میرا ٹھکانا کہاں ہے؟ فرمایا جہنم میں۔ عبد اللہ

حُذَافَةَ فَقَالَ مَنْ اَبِیْ قَالَ اَبُوْكَ حُذَافَةُ ثُمَّ كَثُرَ اَنْ یَقُوْلَ سَلُوْنِیْ سَلُوْنِیْ۔

ابن حذافہ نے کھڑے ہو کر دریافت کیا کہ میرا باپ کون ہے فرمایا حذافہ پھر بار بار فرماتے ہیں کہ پوچھو پوچھو۔

خیال رہے کہ جہنمی یا جنتی ہونا علوم خمسہ میں سے ہے کہ سعید ہے یا شقی اسی طرح کون کس کا بیٹا ہے یہ ایسی بات ہے کہ جس کا علم سوائے اس کی ماں کے اور کسی کو نہیں ہوسکتا قربان ان نگاہوں کے جو کہ اندھیرے اجالے، دنیا و آخرت سب کو دیکھتی ہیں۔

(۱۴) مشکوٰۃ باب مناقب علی میں ہے۔

قَالَ یَوْمَ خَیْبَرَ لَاُعْطِیَنَّ هٰذِهِ الرَّایَةَ غَدًا رَجُلًا یَفْتَحُ اللّٰهُ عَلٰی یَدَیْهِ یُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ۔

حضور علیہ السلام نے خیبر کے دن فرمایا کہ ہم کل یہ جھنڈا اس کو دیں گے جس کے ہاتھ پر اللہ خیبر فتح فرما دیگا اور وہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے۔

(۱۵) مشکوٰۃ باب المساجد میں ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے۔

عُرِضَتْ عَلَیَّ اَعْمَالُ اُمَّتِیْ حَسَنُهَا وَسَیِّئُهَا فَوَجَدْتُ فِیْ مَحَاسِنِ اَعْمَالِهَا الْاَذٰی یُمَاطُ عَنِ الطَّرِیْقِ۔

ہم پر ہماری اُمت کے اعمال پیش کیے گئے اچھے بھی اور برے بھی ہم نے انکے اچھے اعمال میں وہ تکلیف دہ چیز بھی پائی جو راستے سے ہٹا دی جائے۔

(۱۶) مسلم جلد دوم کتاب الجہاد باب غزوہ بدر میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ هٰذَا مَصْرَعُ فُلَانٍ یَضَعُ یَدَهٗ عَلَی الْاَرْضِ هٰهُنَا هٰهُنَا قَالَ فَمَا مَاطَ اَحَدُهُمْ عَنْ مَوْضِعِ یَدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ فلاں شخص کے گرنے کی جگہ ہے اور اپنے دست مبارک کو ادھر ادھر زمین پر رکھتے تھے راوی نے فرمایا کہ کوئی بھی مقتولین میں سے حضور علیہ السلام کے ہاتھ کی جگہ سے ذرا بھی نہ ہٹا۔

خیال رہے کہ کون کس جگہ مرے گا۔ یہ علوم خمسہ میں سے ہے۔ جس کی خبر حضور علیہ السلام جنگ بدر میں ایک روز پہلے ہی دے رہے ہیں۔

(۱۷) مشکوٰۃ باب المعجزات میں حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔

فَقَالَ رَجُلٌ تَاللّٰهِ اِنْ رَاَیْتُ كَالْیَوْمِ ذِئْبٌ یَتَكَلَّمُ فَقَالَ الذِّئْبُ اَعْجَبُ

شکاری آدمی نے کہا کہ میں نے آج کی طرح کبھی نہ دیکھا کہ بھیڑیا باتیں کر رہا ہے تو بھیڑیا بولا کہ اس سے

مِنْ هٰذَا الرَّجُلُ فِی النَّخْلَاتِ بَیْنَ الْحَرَّتَیْنِ یُخْبِرُکُمْ بِمَا مَضٰی وَمَا هُوَ کَائِنٌ بَعْدَکُمْ۔

عجیب بات یہ ہے کہ (ایک صاحب (حضور) دو میدانوں کے درمیانی نخلستان (مدینہ) میں ہیں اور تم کو گزشتہ اور آئندہ کی خبریں دے رہے ہیں۔

(۱۸) تفسیر خازن پارہ ۴ زیر آیت۔ مَا کَانَ اللّٰہُ لِیَذَرَ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلٰی مَا اَنْتُمْ عَلَیْہِ ہے۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ عَلَیْہِ السَّلَامُ عُرِضَتْ عَلَیَّ اُمَّتِیْ فِیْ صُوَرِهَا فِی الطِّیْنِ کَمَا عُرِضَتْ عَلٰی اٰدَمَ وَاُعْلِمْتُ مَنْ یُّؤْمِنُ بِیْ وَمَنْ یَّکْفُرُ بِیْ فَبَلَغَ ذٰلِکَ الْمُنَافِقِیْنَ قَالُوْا اِسْتِهْزَاءً زَعَمَ مُحَمَّدٌ اَنَّهٗ یَعْلَمُ مَنْ یُّؤْمِنُ بِهٖ وَمَنْ یَّکْفُرُ مِمَّنْ لَمْ یُخْلَقْ بَعْدُ وَنَحْنُ مَعَهٗ وَمَا یَعْرِفُنَا فَبَلَغَ ذٰلِکَ رَسُوْلَ اللّٰہِ عَلَیْہِ السَّلَامُ فَقَامَ عَلَی الْمِنْبَرِ فَحَمِدَ اللّٰہَ وَاَثْنٰی عَلَیْهِ ثُمَّ قَالَ مَا بَالُ اَقْوَامٍ طَعَنُوْا فِیْ عِلْمِیْ لَا تَسْئَلُوْنِیْ عَنْ شَیْءٍ فِیْمَا بَیْنَکُمْ وَبَیْنَ السَّاعَةِ اِلَّا اَنْبَأْتُکُمْ بِهٖ۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ہم پر ہماری امت پیش فرمائی گئی اپنی اپنی صورتوں میں مٹی میں جسطرح کہ حضرت آدم پر پیش ہوئی تھی ہم کو بتا دیا گیا کون ہم پر ایمان لاویگا اور کون کفر کریگا یہ خبر منافقین کو پہنچی تو وہ ہنس کر کہنے لگے کہ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ان کو لوگوں کی پیدائش سے پہلے ہی کافر و مومن کی خبر ہوگئی ہم تو ان کے ساتھ ہیں اور ہم کو نہیں پہچانتے یہ خبر حضور علیہ السلام کو پہنچی تو آپ منبر پر کھڑے ہوئے اور خدا کی حمد و ثنا کی پھر فرمایا کہ قوموں کا کیا حال ہے کہ ہمارے علم میں طعنے کرتے ہیں اب سے قیامت تک کسی چیز کے بارے میں جو بھی تم ہم سے پوچھو گے ہم تم کو خبر دیں گے۔

اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک یہ کہ حضور علیہ السلام کے علم میں طعنے کرنا منافقوں کا طریقہ ہے دوسرے یہ کہ قیامت تک کے واقعات سارے حضور علیہ السلام کے علم میں ہیں۔

(۱۹) مشکوٰۃ کتاب الفتن باب الملاحم فصل اول میں مسلم سے بروایت ابن مسعود رضی اللہ تعالےٰ عنہ ہے۔

اِنِّیْ لَاَعْرِفُ اَسْمَاءَهُمْ وَاَسْمَاءَ اٰبَاءِهِمْ وَاَلْوَانَ خُیُوْلِهِمْ خَیْرُ فَوَارِسَ اَوْ مِنْ خَیْرِ فَوَارِسَ عَلٰی ظَهْرِ الْاَرْضِ۔

ہم ان کے (دجال سے جہاد کی تیاری کرنیوالوں) نام ان کے باپ دادوں کے نام ان کے گھوڑوں کے رنگ پہچانتے ہیں وہ روئے زمین پر بہترین سوار ہیں۔

(۲۰) مشکوٰۃ شریف باب مناقب ابی بکر و عمر میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا کہ کیا کوئی ایسا بھی ہے جس کی نیکیاں تاروں کے برابر ہوں فرمایا ہاں وہ عمر ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت تک کے سارے لوگوں کے تمام ظاہری اور پوشیدہ اعمال کی پوری خبر ہے اور آسمانوں کے تمام ظاہر و پوشیدہ تاروں کا بھی تفصیلی علم ہے۔ حالانکہ بعض بعض تارے اب تک فلاسفہ کو سائنسی آلات سے بھی معلوم نہ ہو سکے۔ حضور علیہ السلام نے ان دونوں چیزوں کو ملاحظہ فرما کر فرمایا کہ عمر کی نیکیاں تاروں کے برابر ہیں۔ دو چیزوں کی برابری یا کمی بیشی وہ ہی بتا سکتا ہے جسے دونوں چیزوں کا علم بھی ہو اور مقدار بھی معلوم ہو۔

ان کے علاوہ اور بہت سی احادیث پیش کی جا سکتی ہیں۔ مگر اختصاراً اسی قدر پر کفایت کی گئی ان احادیث سے اتنا معلوم ہوا کہ تمام عالم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے اس طرح ہے۔ جیسے اپنی کفِ دست۔ خیال رہے کہ عالم کہتے ہیں ماسوا اللہ کو تو عالمِ اجسام، عالمِ ارواح، عالمِ امر، عالمِ امکان عالمِ ملائکہ، عرش و فرش غرضیکہ ہر چیز پر حضور علیہ السلام کی نظر ہے اور عالم میں لوحِ محفوظ بھی ہے جس میں سارے حالات ہیں۔ دوسرے یہ معلوم ہوا کہ اگلے پچھلے سارے واقعات پر بھی اطلاع رکھتے ہیں تیسرے یہ معلوم ہوا کہ تاریک راتوں میں تنہائی کے اندر جو کام کیے جاویں وہ بھی نگاہِ مصطفےٰ علیہ السلام سے پوشیدہ نہیں کہ عبداللہ کے والد حذیفہ کو بتا دیا۔ چوتھے یہ معلوم ہوا کہ کون کب مرے گا۔ کہاں مرے گا۔ کس حال میں مرے گا۔ کافر یا مومن، عورت کے پیٹ میں کیا ہے یہ بھی میرے حضور علیہ السلام پر مخفی نہیں غرضیکہ ذرہ ذرہ اور قطرہ قطرہ علم میں ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

تیسری فصل

شارحین احادیث کے اقوال میں، دربارۂ علم غیب

(۱) عینی شرح بخاری۔ فتح الباری ارشاد الساری شرح بخاری۔ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں حدیث نمبر ۱ کے ماتحت ہے۔

فِیْهِ دَلَالَةٌ عَلٰی اَنَّهٗ اَخْبَرَ فِی الْمَجْلِسِ الْوَاحِدِ بِجَمِیْعِ اَحْوَالِ الْمَخْلُوْقَاتِ مِنْ اِبْتِدَائِهَا اِلٰی اِنْتِهَائِهَا۔

اس حدیث میں دلالت ہے کہ حضور علیہ السلام نے ایک ہی مجلس میں ساری مخلوقات کے سارے حالات کی از ابتداء تا انتہاء خبر دے دی۔

(۲) مرقاۃ شرح مشکوٰۃ اور شرح شفا للملا علی قاری و زرقانی شرح مواہب۔ نسیم الریاض شرح شفا میں حدیث نمبر ۴ میں ہے۔

مَحَاصِلُهُ اَنَّهُ طُوِیَ لَہُ الْاَرْضُ وَجَعَلَهَا مَجْمُوْعَةً كَهَيْئَةِ كَفٍّ فِيْهِ مِرْاٰةٌ يَنْظُرُ اِلٰى جَمْعِهَا وَطَوَاهَا بِشَرِيْبِ بَعِيْدِهَا اِلٰى قَرِيْبِهَا حَتّٰى اِطَّلَعْتُ عَلٰى مَا فِيْهَا۔

اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کیلئے زمین سمیٹ دی گئی اور اسکو ایسا جمع فرمادیا گیا جیسے ایک ہاتھ میں آئینہ ہو اور وہ شخص اس پورے آئینہ کو دیکھتا ہے اور زمین کو اس طرح سمیٹا کہ دور والی کو قریب کر دیا اسکے قریب کیطرف یہاں تک کہ ہم نے دیکھ لیا ان تمام چیزوں کو جو اس میں ہیں

(۵) مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں حدیث نمبرہ کے ماتحت ہے۔

فَعَلِمْتُ بِسَبَبِ وُصُوْلِ ذٰلِكَ الْفَيْضِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَعْنِىْ مَا اَعْلَمَهُ اللّٰهُ مِمَّا فِيْهِمَا مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ وَالْاَشْجَارِ وَغَيْرِ هَا وَهُوَ عِبَارَةٌ عَنْ سِعَةِ عِلْمِهِ الَّذِىْ فَتَحَ اللّٰهُ وَقَالَ ابْنُ حَجَرٍ اَىْ جَمِيْعَ الْكَائِنَاتِ الَّتِىْ فِى السَّمٰوٰتِ بَلْ وَمَا فَوْقَهَا كَمَا يُسْتَفَادُ مِنْ قِصَّةِ الْمِعْرَاجِ وَالْاَرْضُ هِىَ بِمَعْنَى الْجِنْسِ وَجَمِيْعَ مَا فِى الْاَرْضِيْنَ السَّبْعِ بَلْ وَمَا تَحْتَهَا كَمَا اَفَادَهُ اِخْبَارُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَنِ الثَّوْرِ وَالْحُوْتِ الَّذِىْ عَلَيْهِمَا الْاَرْضُوْنَ۔

اس فیض کے پہنچنے سے ہم نے تمام وہ چیزیں جان لیں جو آسمانوں اور زمین میں ہیں یعنی آسمان و زمین میں وہ چیزیں جو اللہ نے بتائیں فرشتے اور درخت وغیرہ یہ آپ کے اس وسیع علم کا بیان ہے جو اللہ تعالےٰ نے آپ پر ظاہر فرمایا۔ ابن حجر نے فرمایا کہ جان لی وہ تمام مخلوقات جو آسمانوں (بلکہ جو اس کے اوپر ہے) جیسا کہ حدیث معراج سے معلوم ہوتا ہے) اور زمین میں ہے اور تمام وہ چیزیں جو ساتوں زمین بلکہ جو اس سے نیچے ہیں جیسا کہ ان حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے جن میں حضور علیہ السلام نے گائے اور مچھلی کی خبر دی ہے جن پر زمینیں قائم ہیں۔

(۶) اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ میں اسی حدیث کے ماتحت ہے۔

عبارت است از حصول تمام علوم جزوی و کلی و احاطہ آں

یہ حدیث تمام جزئی و کلی علموں کے حاصل ہونے اور اسکے احاطہ کا بیان ہے

(۷) اشعۃ اللمعات میں حدیث نمبر ۷ کے ماتحت بیان فرمایا۔

" پس ظاہر شد مرا ہر چیز از علوم و شناختم ہمہ را "

ہم پر ہر قسم کا علم ظاہر ہوگیا۔ اور ہم نے سب کو پہچان لیا۔

علامہ زرقانی شرح مواہب میں اسی حدیث نمبر ۷ کے ماتحت فرماتے ہیں۔

اَىْ اُظْهِرَ وَكُشِفَ لِىَ الدُّنْيَا بِحَيْثُ اَحَطْتُ

یعنی ہمارے سامنے دنیا ظاہر کی گئی اور کھولی گئی کہ ہم

بِجَمِيْعِ مَافِيْهَا فَاَنَا اَنْظُرُ اِلَيْهَا وَاِلٰى مَاهُوَ كَائِنٌ فِيْهَا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ كَاَنَّمَا اَنْظُرُ اِلٰى كَفِّيْ هٰذِهٖ اِشَارَةٌ اِلٰى اَنَّهٗ نَظَرَ حَقِيْقَةً دُفِعَ بِهٖ اَنَّهٗ اُرِيْدَ بِالنَّظَرِ الْعِلْمُ	لے اسکی تمام چیزوں کا احاطہ کر لیا پس ہم اس دنیا کو اور جو کچھ اس میں قیامت تک ہونے والا ہے اسطرح دیکھ رہے ہیں جیسے کہ اس میں اسطرف اشارہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے حقیقتہً ملاحظہ فرمایا یہ احتمال دفع ہو گیا کہ نظر سے مراد علم ہے

(۸) امام احمد قسطلانی مواہب شریف میں زیر حدیث نمبر ۸ فرماتے ہیں۔

وَلَا شَكَّ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَطْلَعَهٗ عَلٰى اَزْيَدَ مِنْ ذٰلِكَ وَاَلْقٰى عَلَيْهِ عِلْمَ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ	اس میں شک نہیں کہ اللہ نے حضور کو اس سے بھی زیادہ پر مطلع فرمایا اور آپکو سارے اگلے پچھلے حضرات کا علم دیا

ملا علی قاری مرقاۃ میں حدیث نمبر ۱ کے ماتحت فرماتے ہیں۔

يُخْبِرُكُمْ بِمَا مَضٰى اَیْ سَبَقَ مِنْ خَبَرِ الْاَوَّلِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمَاهُوَ كَائِنٌ بَعْدَكُمْ اَیْ مِنْ نَبَاِ الْاٰخِرِيْنَ فِی الدُّنْيَا وَمِنْ اَحْوَالِ الْاَجْمَعِيْنَ فِی الْعُقْبٰى۔	تم کو حضور علیہ السلام اگلوں کی گذری ہوئی خبریں دیتے ہیں اور جو کچھ تمہارے بعد پچھلوں کی خبریں ہیں وہ بھی بتاتے ہیں۔ دنیا کے حالات اور آخرت کے سارے حالات۔

(۹) مرقاۃ میں حدیث نمبر ۹ کے ماتحت فرماتے ہیں۔

فِيْهِ مَعَ كَوْنِهٖ مِنَ الْمُعْجِزَاتِ دَلَالَةٌ عَلٰى اَنَّ عِلْمَهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ مُحِيْطٌ بِالْكُلِّيَّاتِ وَالْجُزْئِيَّاتِ مِنَ الْكَائِنَاتِ وَغَيْرِهَا۔	اس حدیث میں معجزہ ہونیکے ساتھ ہی ساتھ اس پر بھی دلالت ہے کہ حضور علیہ السلام کا علم کلی اور جزئی واقعات کو گھیرے ہوئے ہے۔

محدثین کے ان ارشادات سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام تمام عالم کو اور اس میں ازاول تا ابد ہونے والے واقعات کو اس طرح ملاحظہ فرمارہے ہیں۔ جیسے کوئی اپنے ہاتھ میں آئینہ لے کر اس کو دیکھتا ہے اس عالم میں لوح محفوظ بھی ہے دوسرے یہ معلوم ہوا کہ تمام اولین وآخرین یعنی انبیاء و ملائکہ و اولیاء کا علم آپ کو عطا فرمایا گیا۔ انبیاء میں حضرت آدم وحضرت خلیل وحضرت خضر علیہم السلام داخل ہیں۔ اور ملائکہ میں حاملین عرش اور حاضرین لوح محفوظ بھی شامل ہیں اور انکا علم تو سارے ماکان ومایکون کو محیط ہے۔ تو حضور کے علم کا کیا پوچھنا۔ اس وسعتِ علم میں علوم خمسہ بھی آگئے۔

چوتھی فصل

علمائے اُمت کے اقوال کے بیان میں دربارۂ علم غیب

مدارج النبوۃ کے خطبہ میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ۔

وہ ہی اول ہے وہ ہی آخر وہ ہی ظاہر ہے وہ ہی پوشیدہ اور وہ ہر چیز کو جانتا ہے۔

یہ خدا کی حمد بھی ہے اور نعت مصطفےٰ علیہ السلام بھی چنانچہ فرماتے ہیں۔

"وے صلی اللہ علیہ وسلم دانا است ہمہ چیز از شیونات واحکام الٰہی واحکام وصفات حق واسماء وافعال وآثار و بجمیع علوم ظاہر و باطن و اول و آخر احاطہ نمودہ و مصداق فَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيْمٌ شد"

حضور علیہ السلام تمام چیزوں کے جاننے والے ہیں اور انہوں نے خدائے پاک کی شانیں اس کے احکام حق تعالیٰ کے صفات اور افعال اور سارے ظاہری باطنی اول و آخر کے علوم کا احاطہ فرما لیا ہے۔

اسی مدارج جلد اول باب پنجم در ذکر فضائل آنحضرت صفحہ ۱۴۴ میں ہے۔

ما از زمانِ آدم تا نفخۂ اولیٰ بروے علیہ السلام منکشف ساختند تا ہمہ احوال او را از اول و آخر معلوم گردد و یاران خود را نیز از بعضے احوال خبر داد۔

حضرت آدم سے صور پھونکنے تک تمام حضور علیہ السلام پر ظاہر فرما دیا تا کہ اول سے آخر تک کے سارے حالات آپ کو معلوم ہو جائیں اور حضور علیہ السلام نے بعض حالات کی خبر اپنے صحابہ کو بھی دی۔

علامہ زرقانی شرح مواہب لدنیہ میں فرماتے ہیں۔

وَقَدْ تَوَاتَرَتِ الْاَخْبَارُ وَاتَّفَقَتْ مَعَانِيْهَا عَلٰى اِطِّلَاعِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَلَى الْغَيْبِ وَلَا يُنَافِيْ الْاٰيَاتِ الدَّالَّةَ عَلٰى اَنَّهٗ لَا يَعْلَمُ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ لِاَنَّ الْمَنْفِيَّ عِلْمُهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ مِنْ غَيْرِ وَاسِطَةٍ اَمَّا اِطِّلَاعُهٗ عَلَيْهِ بِاِعْلَامِ اللّٰهِ فَمُتَحَقِّقٌ بِقَوْلِهٖ تَعَالٰى اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ

احادیث اس پر متواتر ہیں اور انکے معانی اس پر متفق ہیں کہ حضور علیہ السلام کو غیب پر اطلاع ہے اور یہ مسئلہ ان آیتوں کے خلاف نہیں جو اس پر دلالت کرتی ہیں کہ خدا کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا کیونکہ جس غیب کی نفی ہے وہ علم بغیر واسطہ ہے (ذاتی) لیکن حضور کا غیب پر مطلع ہونا اللہ کے بتانے سے وہ ثابت ہے رب کے اس قول سے کہ سوائے پسندیدہ رسول کے

شفا شریف میں قاضی عیاض علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں (ماخوذ از خرپوتی شرح قصیدہ بردہ)

خَصَّ اللّٰہُ تَعَالٰی بِہٖ عَلَیْہِ السَّلَامُ بِالْاِطِّلَاعِ عَلٰی جَمِیْعِ مَصَالِحِ الدُّنْیَا وَالدِّیْنِ وَمَصَالِحِ اُمَّتِہٖ وَکَانَ فِی الْاُمَمِ وَمَا سَیَکُوْنُ فِیْ اُمَّتِہٖ مِنَ النَّقِیْرِ وَالْقِطْمِیْرِ وَعَلٰی جَمِیْعِ فُنُوْنِ الْمَعَارِفِ کَاَحْوَالِ الْقَلْبِ وَالْفَرَائِضِ وَالْعِبَادَۃِ وَالْحِسَابِ۔

اللہ نے حضور علیہ السلام کو خاص فرمایا تمام دینی و دنیاوی مصلحتوں پر مطلع فرماکر اور اپنی امت کے مصلحت اور گزشتہ امتوں کے واقعات اور اپنی امت کے ادنیٰ سے ادنیٰ واقعہ پر خبردار فرمادیا اور تمامی معرفت کے فنون پر مطلع فرمادیا جیسے دل کے حالات، فرائض عبادات اور علم حساب۔

قصیدہ بردہ میں ہے۔

فَاِنَّ مِنْ جُوْدِکَ الدُّنْیَا وَضَرَّتَھَا ٭ وَمِنْ عُلُوْمِکَ عِلْمُ اللَّوْحِ وَالْقَلَمِ

دنیا و آخرت آپ ہی کے کرم سے ہے | اور لوح و قلم کا علم آپ کے علوم کا بعض حصہ ہے

شرح قصیدہ بردہ مصنفہ علامہ ابراہیم بیجوری میں اس شعر کے ماتحت ہے۔

فَاِنْ قِیْلَ اِذَا کَانَ عِلْمُ اللَّوْحِ وَالْقَلَمِ بَعْضَ عُلُوْمِہٖ عَلَیْہِ السَّلَامُ فَمَا الْبَعْضُ الْاٰخَرُ اُجِیْبَ بِاَنَّ الْبَعْضَ الْاٰخَرَ ھُوَ مَا اَخْبَرَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی مِنْ اَحْوَالِ الْاٰخِرَۃِ لِاَنَّ الْقَلَمَ اِنَّمَا کَتَبَ فِی اللَّوْحِ مَا ھُوَ کَائِنٌ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ۔

اگر کہا جاوے کہ جب لوح و قلم کا علم حضور کے علوم کا بعض ہوا تو دوسرے بعض کون سے علوم ہیں جواب دیا جاویگا کہ بعض آخرت کے حالات کا علم ہے جس کی اللہ تعالٰی نے حضور علیہ السلام کو خبر دی کیونکہ قلم نے تو لوح میں وہ ہی لکھا ہے جو قیامت تک ہونے والا ہے۔

ملا علی قاری حل العقد شرح قصیدہ بردہ میں اسی شعر کے ماتحت فرماتے ہیں۔

وَکَوْنُ عُلُوْمِھِمَا مِنْ عُلُوْمِہٖ عَلَیْہِ السَّلَامُ اَنَّ عُلُوْمَہٗ تَتَنَوَّعُ اِلَی الْکُلِّیَاتِ وَالْجُزْئِیَّاتِ وَحَقَائِقَ وَمَعَارِفَ وَعَوَارِفَ تَتَعَلَّقُ بِالذَّاتِ وَالصِّفَاتِ وَعِلْمُھُمَا یَکُوْنُ نَھْرًا مِّنْ بُحُوْرِ عِلْمِہٖ وَحَرْفًا مِّنْ سُطُوْرِ عِلْمِہٖ۔

اور لوح و قلم کے علوم حضور علیہ السلام کے علوم کے بعض اس لئے ہیں کہ حضور کے علوم منقسم ہیں جزئیات اور کلیات اور حقائق اور معرفت اور ان معرفتوں کی طرف جن کا تعلق ذات اور صفات سے ہے لہذا لوح و قلم کا علم حضور کے علم کے دریاؤں کی ایک نہر ہے اور حضور علیہ السلام کے علم کی سطروں کا ایک حرف۔

ان عبارتوں نے فیصلہ فرمادیا کہ وہ لوح وقلم جن کے علوم کو قرآن نے فرمایا کہ۔

وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ | کوئی خشک وتر چیز ایسی نہیں جو لوح محفوظ میں نہ ہو۔

اس کے علوم علم مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے سمندروں کا ایک قطرہ ہے تو معلوم ہوا کہ مَا كَانَ وَمَا يَكُوْنُ کا علم حضور علیہ السلام کے علم کے دفتر کا ایک نقطہ ہے۔

امام بوصیری صاحب قصیدہ بردہ اپنے دوسرے قصیدہ اُمّ القریٰ میں فرماتے ہیں۔

وَسِعَ الْعَالَمِيْنَ عِلْمًا وَّحِلْمًا ٭ فَهُوَ بَحْرٌ لَّمْ تُعْيِهَا الْاَعْيَاءُ

حضور علیہ السلام نے اپنے علم و اخلاق سے جہانوں کو گھیر لیا۔ پس آپ ایسے سمندر ہیں کہ اس کو گھیرنے والے نہ گھیر سکے۔ شیخ سلیمان جمل اس شعر کی شرح میں فتوحات احمدیہ میں فرماتے ہیں۔

اَیْ وَسِعَ عِلْمُهٗ عُلُوْمَ الْعٰلَمِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ وَالْمَلٰٓئِكَةِ لِاَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى اَطْلَعَهٗ عَلَى الْعَالَمِ كُلِّهٖ فَعَلِمَ عِلْمَ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ وَمَا كَانَ وَمَا يَكُوْنُ وَحَسْبُكَ عِلْمُهٗ عِلْمُ الْقُرْاٰنِ وَقَدْ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ۔

یعنی آپ کا علم تمام جہانوں یعنی جن و انسان اور فرشتوں کے علم کو گھیرے ہوئے ہے کیونکہ رب تعالیٰ نے آپ کو تمام عالم پر خبردار فرمایا پس اگلے پچھلوں کا علم سکھایا اور ماکان ومایکون بتایا اور حضور علیہ السلام کے علم کے لیئے علم قرآن کافی ہے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے ہم نے اس کتاب میں کوئی چیز اٹھا نہ رکھی۔

امام ابن حجر مکی اس شعر کی شرح میں افضل القریٰ میں فرماتے ہیں۔

لِاَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى اَطْلَعَهٗ عَلَى الْعَالَمِ فَعَلِمَ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ وَمَا كَانَ وَمَا يَكُوْنُ۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تمام جہان پر خبردار فرمایا پس آپ نے اولین و آخرین کو اور جو کچھ ہوچکا اور جو کچھ ہوگا اس کو جان لیا۔

ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ سارے جہان والوں کا علم حضور علیہ السلام کو دیا گیا۔ جہان والوں میں حضرت آدم و ملائکہ اور ملک الموت اور شیطان وغیرہ سب ہی ہیں۔ اور ملک الموت و شیطان کے لیئے علم غیب تو دیوبندی بھی مانتے ہیں۔

امام بوصیری قصیدہ بردہ میں فرماتے ہیں۔

وَكُلُّهُمْ مِّنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ مُلْتَمِسٌ ٭ غَرْفًا مِّنَ الْبَحْرِ اَوْ رَشْفًا مِّنَ الدِّيَمِ

تمام رسول حضور علیہ السلام سے ہی لینے والے ہیں ٭ سمندر سے ایک چلو یا تیز بارش سے چھینٹا

علامہ خرپوتی شرح قصیدہ بردہ میں اس شعر کے ماتحت فرماتے ہیں۔

اِنَّ جَمِیْعَ الْاَنْبِیَآءِ کُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمْ طَلَبُوْا وَاَخَذُوْا الْعِلْمَ مِنْ عِلْمِهٖ عَلَیْهِ السَّلَامُ اَلَّذِیْ کَالْبَحْرِ فِی السَّعَةِ وَالْکَرَمِ مِنْ کَرَمِهٖ عَلَیْهِ السَّلَامُ الَّذِیْ هُوَ کَالدِّیَمِ لِاَنَّهٗ عَلَیْهِ السَّلَامُ مُفِیْضٌ وَهُمْ مُسْتَفَاضُوْنَ لِاَنَّهٗ تَعَالٰی خَلَقَ اِبْتِدَاءً رُوْحَهٗ عَلَیْهِ السَّلَامُ وَضَعَ عُلُوْمَ الْاَنْبِیَاءِ وَعِلْمَ مَاکَانَ وَمَا یَکُوْنُ ثُمَّ خَلَقَهُمْ فَاَخَذُوْا عُلُوْمَهُمْ مِنْهُ عَلَیْهِ السَّلَامُ۔

ہر نبی نے حضور علیہ السلام کے اس علم سے مانگا اور لیا جو وسعت میں سمندر کی طرح ہے اور سب نے کرم حضور علیہ السلام کے اس کرم سے حاصل کیا جو تیز بارش کی طرح ہے کیونکہ حضور علیہ السلام فیض دینے والے ہیں اور وہ نبی فیض لینے والے۔ کیونکہ رب تعالیٰ نے اولاً حضور علیہ السلام کی روح پیدا فرمائی پھر اس روح میں نبیوں کے اور ماکان وما یکون کے علم رکھے پھر ان رسولوں کو پیدا فرمایا پس ان سب نے اپنے علوم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لیئے

حافظ سلیمان ابریز شریف صفحہ ۲۵۸ میں فرماتے ہیں۔

یَعْلَمُ عَلَیْهِ السَّلَامُ مِنَ الْعَرْشِ اِلَی الْفَرْشِ وَیَطَّلِعُ عَلٰی جَمِیْعِ مَافِیْهَا وَهٰذَا الْعُلُوْمُ بِالنِّسْبَةِ اِلَیْهِ عَلَیْهِ السَّلَامُ کَالْفِ مِنْ سِتِّیْنَ جُزْءً اَلَّتِیْ هِیَ الْقُرْاٰنُ الْعَزِیْزُ۔

حضور علیہ السلام عرش سے فرش تک کو جانتے ہیں اور جو کچھ ان میں ہے اسکی خبر رکھتے ہیں اور یہ سارے علوم حضور علیہ السلام کی نسبت سے ایسے ہیں جیسے الف ۶۰ جزو کی نسبت سے جو قرآن کریم ہیں۔

امام قسطلانی مواہب میں فرماتے ہیں۔

اَلنُّبُوَّةُ مَاْخُوْذَةٌ مِنَ النَّبَاءِ بِمَعْنَی الْخَبَرِ اَیْ اَطْلَعَهُ اللّٰهُ عَلَی الْغَیْبِ۔

نبوت نبا سے مشتق ہے جس کے معنے ہیں خبر یعنی اللہ نے اُن کو غیب پر خبردار فرمایا۔

مواہب لدنیہ جلد دوم صفحہ ۱۹۲ القسم الثانی فِیْمَا اَخْبَرَبِهٖ عَلَیْهِ السَّلَامُ مِنَ الْغُیُوْبِ میں ہے۔

لَاشَکَّ اَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی قَدْ اَطْلَعَهٗ عَلٰی اَزْیَدَ مِنْ ذٰلِکَ وَاَلْقٰی عَلَیْهِ عِلْمَ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ۔

اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو اس سے بھی زیادہ پر اطلاع دی اور آپ پر اگلوں پچھلوں کا علم پیش کر دیا۔

حضرت مجدد الف ثانی مکتوبات شریف جلد اوّل مکتوب ۳۱۰ میں فرماتے ہیں۔

ہر علم کہ مخصوص بہ او است سبحانہ خاص رسل را اطلاع مے بخشند

جو علم رب تعالیٰ کیساتھ خاص ہے اس پر خاص رسولوں کو اطلاع دیتے ہیں

مدارج النبوۃ جلد اوّل میں ہے۔ از بعضے صلحا از اہل فضل شنیدہ شدہ کہ بعضے از عرفا کتابے نوشتہ اند اثبات کردہ اند کہ آں حضرت را تمام علوم الٰہی معلوم ساختہ بودند دایں سخن بظاہر مخالف بسیارے از ادلہ است تا قائل آنچہ قصد باشد

بعض علمائے صالحین سے سنا گیا ہے کہ بعض عارفین نے کوئی کتاب لکھی ہے جس میں ثابت کیا ہے کہ حضور علیہ السلام کو تمام علوم الٰہیہ معلوم کرا دیئے گئے تھے۔ یہ کلام بظاہر تو بہت سے دلائل کے خلاف ہے نہ معلوم کہ قائل نے اس سے کیا مراد لی ہے

یہ عبارت یہاں اس لیئے پیش کی گئی کہ بعض لوگوں نے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسلام کا علم خدا کے علم کے برابر مانا اور فرق صرف ذاتی اور عطائی کا مانا۔ مگر شیخ عبدالحق نے ان کو مشرک نہ فرمایا۔ بلکہ عارف کہا۔ معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیئے علم غیب ماننا شرک نہیں۔ میر زاہد رسالہ کے خطبہ میں ہے۔ کَانَ صَوَادِقُ التَّصْدِیْقَاتِ بِطَبَائِعِهَا مُتَوَجِّهَةً اِلٰی حَضْرَتِهِ الْاَقْدَسِ وَحَقَائِقُ التَّصَوُّرَاتِ بِاَنْفُسِهَا مَائِلَةً اِلٰی جَنَابِ الْمُقَدَّسِ فَوُجْهُهُ الْمُعَلّٰی مَرْکَزُ الْمَعْقُوْلَاتِ تَصَوُّرَاتِهَا وَ تَصْدِیْقَاتِهَا وَ نَفْسُهُ الْعُلْیَا مَنْبَعُ الْعَقْلِیَّاتِ نَظَرِیَّاتِهَا وَ فِطْرِیَّاتِهَا اس کی شرح لاالہدایہ مصنفہ غلام یحییٰ میں اس عبارت کے ماتحت ہے فَذَاتُهُ عَلَیْهِ السَّلَامُ جَامِعٌ بَیْنَ جَمِیْعِ اَنْحَاءِ الْعُلُوْمِ۔ سبحان اللہ اس عبارت نے پردے اٹھا دیئے منطقیوں نے بھی بارگاہ نبوت میں پیشانی رگڑدی۔

مولانا بحرالعلوم عبدالعلی لکھنوی علیہ الرحمۃ خطبہ حواشی میر زاہد رسالہ میں فرماتے ہیں۔

عَلَّمَهٗ عُلُوْمًا مَا احْتَوٰی عَلَیْهِ الْعِلْمُ الْاَعْلٰی وَمَا اسْتَطَاعَ عَلٰی اِحَاطَتِهَا اللَّوْحُ الْاَوْفٰی لَمْ یَلِدِ الدَّهْرُ مِثْلَهٗ مِنَ الْاَزَلِ وَلَمْ یُوْلَدْ اِلَی الْاَبَدِ فَلَیْسَ لَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کُفُوًا اَحَدٌ

حضور علیہ السلام کو رب نے وہ علوم سکھائے جن پر علم اعلیٰ بھی مشتمل نہیں اور جن کے گھیرنے پر لوح محفوظ قادر نہیں نہ تو آپ کی مثل زمانے میں پیدا ہوا ازل سے اور ابد تک ہو اور آسمانوں و زمین میں کوئی آپ کا ہمسر نہیں

علامہ شنوانی جمع النہایۃ میں فرماتے ہیں۔

قَدْ وَرَدَ اَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی لَمْ یُخْرِجِ النَّبِیَّ عَلَیْهِ السَّلَامُ حَتّٰی اَطْلَعَهٗ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ

یہ وارد ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ السلام کو دنیا سے نہ نکالا یہاں تک کہ آپکو ہر چیز پر مطلع فرما دیا۔

شرح عقائد نسفی صفحہ ۱۷۵ میں ہے۔

بِالْجُمْلَةِ الْعِلْمُ بِالْغَیْبِ اَمْرٌ تَفَرَّدَ بِهِ اللّٰهُ تَعَالٰی لَا سَبِیْلَ اِلَیْهِ لِلْعِبَادِ اِلَّا بِاِعْلَامٍ مِّنْهُ اَوْ اِلْهَامٍ بِطَرِیْقِ الْمُعْجِزَةِ اَوِ الْكَرَامَةِ ۔	خلاصہ کلام یہ ہے کہ غیب جاننا ایک ایسی بات ہے جو خدا سے خاص ہے بندوں کو اس تک کوئی راہ نہیں بغیر رب کے بتائے یا الہام فرمائے معجزے یا کرامت کے طریقہ پر

درمختار شروع کتاب الحج میں ہے۔

فُرِضَ الْحَجُّ سَنَةَ تِسْعٍ وَاِنَّمَا اَخَّرَهٗ عَلَیْهِ السَّلَامُ لِعَشْرٍ لِعُذْرٍ مَعَ عِلْمِهٖ بِبَقَاءِ حَیَاتِهٖ لِیُكْمِلَ التَّبْلِیْغُ ۔	حج ۹ھ میں فرض ہوا اور حضور علیہ السلام نے اس کو ۱۰ھ تک مؤخر فرمایا کسی عذر کی وجہ سے اور حضور علیہ السلام کو اپنی زندگی پاک کے باقی رہنے کا علم بھی تھا تاکہ تبلیغ پوری ہو جائے

اس عبارت سے معلوم کہ کب وفات ہوگی اس کا جاننا علوم خمسہ سے ہے مگر حضور علیہ السلام کو اپنی وفات کی خبر تھی۔ کہ ۹ھ میں نہ ہوگی۔ اسی لیئے اس سال حج نہ فرمایا۔ ورنہ حج فرض ہوتے ہی اس کا ادا کرنا ضروری ہے کیونکہ ہم کو موت کی خبر نہیں۔

خرپوتی نے شرح قصیدہ بردہ میں اس شعر کے ماتحت بیان فرمایا۔

وَوَاقِفُوْنَ لَدَیْهِ عِنْدَ حَدِّهِمْ وَفِیْ حَدِیْثٍ یُرْوٰی عَنْ مُعَاوِیَةَ اَنَّهٗ كَانَ یَكْتُبُ بَیْنَ یَدَیْهِ عَلَیْهِ السَّلَامُ فَقَالَ لَهٗ اَلِقِ الدَّوَاةَ وَحَرِّفِ الْقَلَمَ وَاَقِمِ الْبَاءَ وَفَرِّقِ السِّیْنَ وَلَا تُعَوِّرِ الْمِیْمَ مَعَ اَنَّهٗ عَلَیْهِ السَّلَامُ لَمْ یَكْتُبْ وَلَمْ یَقْرَءْ مِنْ كُتُبِ الْاَوَّلِیْنَ	حضرت امیر معاویہ سے حدیث مروی ہے کہ وہ حضور علیہ السلام کے سامنے لکھا کرتے تھے۔ پس حضور علیہ السلام نے ان کو فرمایا کہ دوات اس طرح رکھو۔ قلم کو پھیرو۔ ب کو سیدھا کرو۔ سین میں فرق کرو۔ م کو ٹیڑھا نہ کرو باوجودیکہ حضور علیہ السلام نے لکھنا نہ سیکھا اور نہ اگلوں کی کتاب پڑھی۔

تفسیر روح البیان میں زیر آیت وَلَا تَخُطُّهٗ بِیَمِیْنِكَ ہے۔

كَانَ عَلَیْهِ السَّلَامُ یَعْلَمُ الْخُطُوْطَ وَیُخْبِرُ عَنْهَا	حضور علیہ السلام خطوں کو جانتے تھے اور اسکی خبر بھی دیتے تھے۔

اس سے ثابت ہوا کہ حضور علیہ السلام علم خط بھی بخوبی جانتے تھے۔ اسکی پوری تحقیق ہماری کتاب شان حبیب الرحمٰن بآیات القرآن میں دیکھو۔ مثنوی شریف میں ہے۔

سرمہ کن در چشم خاک اولیاء	تا بہ بینی ز ابتدا تا انتہا
کاملاں از دور نامت بشنوند	تا بقعر تار و پودت در روند
بلکہ پیش از زادن تو سالہا	دیدہ باشندت بچندیں حالہا

حال تو داند یک یک مو بمو ۔ زانکہ پر ہستند از اسرار ہو
اسی مثنوی شریف میں مولانا کفار قیدیوں کا ایک واقعہ نقل فرما کر فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام نے ارشاد فرمایا ہے

بنگرم سہر عالم بنیم نہاں ۔ آدم و حوا نرستہ از جہاں
من شمارا وقت ذرات الست ۔ دیدہ ام پابستہ و منکوس و پست
از حدوث آسمانِ بے عمد ۔ آنچہ دانستہ بدم افزوں نہ شد

یعنی ہم ہمارے جہان کو اس وقت سے دیکھ رہے ہیں جب آدم و حوا پیدا بھی نہ ہوئے تھے اے کافر قیدیو ہم نے تمہیں میثاق کے دن مومن اور نمازی دیکھا تھا۔ اس لیے تمہیں قید کیا ہے کہ تم ایمان لاؤ۔ بے ستون آسمان کی پیدائش ہم نے دیکھی ہے اس سے کچھ نہ زیادہ ہوا۔
علمائے کرام کے ان اقوال سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو رب تعالےٰ نے سارے انبیاء ملائکہ سے زیادہ علوم عطا فرمائے لوح محفوظ و قلم کے علوم حضور علیہ السلام کے علموں کا قطرہ ہے اور عالم کی کوئی چیز ایسی نہیں جو اس چشم حق بین سے مخفی رہی ہو۔

پانچویں فصل

مخالفین کی تائید کے بیان میں

اب تک تو موافقین کی عبارات سے علم غیب حضور علیہ السلام کے لیے ثابت کیا گیا۔ اب مخالفین کے اکابر کی وہ عبارات پیش کی جاتی ہیں۔ جن سے مسئلہ علم غیب بخوبی حل ہو جاتا ہے۔
حاجی امداد اللہ صاحب شمائم امدادیہ صفحہ ۱۱۰ میں فرماتے ہیں کہ لوگ کہتے ہیں کہ علم غیب انبیاء و اولیاء کو نہیں ہوتا، میں کہتا ہوں کہ اہل حق جس طرف نظر کرتے ہیں۔ دریافت و ادراک مغیبات کا ان کو ہوتا ہے۔ اصل میں یہ علم حق ہے۔ آنحضرت علیہ السلام کو حدیبیہ اور حضرت عائشہ کے معاملات کی خبر نہ تھی۔ اس کو دلیل اپنے دعویٰ کی سمجھتے ہیں۔ یہ غلط ہے کیونکہ علم کے واسطے توجہ ضروری ہے۔
(ماخوذ از انوار غیبیہ صفحہ ۲۵)
مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی لطائف رشیدیہ صفحہ ۷ میں فرماتے ہیں۔ انبیاء علیہ السلام کو ہر

دم مشاہدہ امور غیبیہ اور تیقظ حضور حق تعالیٰ کارہتا ہے، کَمَا قَالَ النَّبِیُّ عَلَیْہِ السَّلَامُ لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا اَعْلَمُ لَضَحِکْتُمْ قَلِیْلاً وَ لَبَکَیْتُمْ کَثِیْرًا اور فرمایا اِنِّیْ اَرٰی مَالَا تَرَوْنَ (انوار غیبیہ صفحہ ۳۲)

مولوی اشرف علی صاحب تھانوی تکمیل الیقین مطبوعہ ہندوستان پرنٹنگ پریس صفحہ ۱۳۵ میں فرماتے ہیں کہ شریعت میں وارد ہوا ہے کہ رسل و اولیاء غیب اور آیندہ کی خبر دیا کرتے ہیں۔ کیونکہ جب خدا غیب اور آیندہ کے حوادثات کو جانتا ہے اس لیئے کہ ہر حادث اس کے علم سے اسی کے ارادے کے متعلق ہونے سے اسی کے فعل سے پیدا ہوتا ہے تو پھر اس سے کون امر مانع ہو سکتا ہے کہ یہ ہی خدا ان رسل و اولیاء میں سے جسے چاہے اسے غیب یا آیندہ کی خبر دے دے۔ اگرچہ ہم اس کے قائل ہیں۔ کہ فطرت انسانی کا یہ مقتضیٰ نہیں کہ وہ بذاتہٖ اور خود مغیبات میں سے کسی شئے کو جان سکے۔ لیکن اگر خدا کسی کو بتادے تو اس کو کون روک سکتا ہے۔ پس ان لوگوں کو جو کچھ معلوم ہوتا ہے۔ وہ خدا کے بتانے سے ہی معلوم ہوتا ہے اور پھر وہ لوگ اوروں کو خبر دے دیتے ہیں۔ ان میں سے ایسا کوئی نہیں جو بذاتہٖ علم غیب کا دعویٰ کرتا ہو۔ چنانچہ شریعت محمدیہ بالذات علم غیب کے دعویٰ کرنے کو اعلیٰ درجہ کے ممنوعات میں شمار کرتی ہے۔ اور جو اس کا دعویٰ کرے اس کو کافر بتاتی ہے۔

مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی تحذیر الناس کے صفحہ ۴ پر لکھتے ہیں۔ علوم اولین مثلاً اور ہیں اور علوم آخرین اور لیکن وہ سب علم رسول اللہ میں مجتمع ہیں۔ اسی طرح سے عالم حقیقی رسول اللہ ہیں اور انبیاء باقی اور اولیاء بالعرض ہیں۔

اس آخری عبارت پر غور کرنا چاہیئے کہ مولوی قاسم صاحب نے حضور علیہ السلام میں اولین اور آخرین کا علم جمع مانا ہے۔ اور اولین میں حضرت آدم و حضرت خلیل و حضرت ابراہیم علیہم السلام اسی طرح سارے ملائکہ حاملان عرش و حاضرین لوح محفوظ بھی شامل ہیں۔ لہٰذا ان سب کے علوم سے حضور علیہ السلام کا علم زیادہ ہونا چاہیئے۔ حضرت آدم علیہ السلام کے علم کو ہم بیان کر چکے ہیں۔

چھٹی فصل

علم غیب کے عقلی دلائل اور اولیاء کے علم غیب کے بیان میں

چند عقلی دلائل سے بھی علم ماکان و مایکون کا ثابت ہے وہ دلائل حسب ذیل ہیں۔

(۱) حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سلطنتِ الٰہیہ کے وزیر اعظم بلکہ خلیفہ اعظم ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کو خلیفۃ اللہ بنایا گیا۔ تو حضور علیہ السلام اس سلطنت کے خلیفہ اعظم اور زمین میں نائب رب العٰلمین ہیں۔ اور سلطنت کے مقرر کردہ حاکم ہیں۔ دو وصف لازم ہیں۔ ایک تو علم دوسرے اختیارات۔ اس دنیاوی سلطنت کے حکام جس قدر بڑا درجہ رکھتے ہیں۔ اسی قدر ان کی معلومات اور اختیارات زیادہ ہوتے ہیں۔ کلکٹر کو سارے ضلع کا علم و اختیارات۔ وائسرائے کو سارے ملک کے متعلق علم و اختیارات ضروری ہیں۔ کہ ان دو وصفوں کے بغیر وہ حکومت کر ہی نہیں سکتا۔ اور سلطانی قانون رعایا میں جاری ہی نہیں کر سکتا۔ اسی طرح حضرات انبیاء میں جن کا جس قدر بڑا درجہ اسی قدر ان کے اختیارات اور علم زیادہ۔ حضرت آدم علیہ السلام کی خلافت کو رب العٰلمین نے ان کے علم ہی سے ثابت فرمایا کہ چونکہ ان کو اتنا وسیع علم دیا ہے وہ ہی خلافت الٰہیہ کے لئے موزوں ہیں پھر ملائکہ سے سجدہ کرانا ان کے اختیاراتِ خصوصیہ کا ثبوت تھا کہ ملائکہ بھی ان کے سامنے جھک گئے۔ چونکہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سارے عالم کے نبی اور عرش و فرش کے لوگ آپ کے امتی ہیں۔ لہٰذا ضروری تھا کہ آپ کو تمام انبیاء سے زیادہ علم اور زیادہ اختیارات دیئے جاویں۔ اسی لئے بہت سے معجزات دکھائے گئے۔ چاند اشارے سے پھاڑا۔ ڈوبا ہوا سورج واپس فرمایا۔ بادل کو حکم دیا۔ پانی برسا۔ پھر حکم دیا۔ کھل گیا۔ یہ سب اپنے خداداد اختیارات کا اظہار تھا۔

(۲) مولوی قاسم صاحب نانوتوی نے تحذیر الناس میں لکھا ہے۔ "کہ انبیاء امت سے علوم ہی میں ممتاز ہوتے ہیں۔ رہا عمل۔ اس میں بظاہر کبھی امتی نبی سے بڑھ جاتے ہیں" جس سے معلوم ہوا کہ عمل میں امتی نبی سے بڑھ سکتے ہیں۔ مگر علم میں نبی کا زیادہ ہونا ضروری ہے اور حضور علیہ السلام کے امتی تو ملائکہ بھی ہیں لِيَكُونَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا تو علم میں حضور علیہ السلام کا ملائکہ سے زیادہ ہونا ضروری ہے ورنہ پھر حضور علیہ السلام کس وصف میں امت سے افضل ہوں گے اور ملائکہ حاضرین لوح محفوظ کو تو ماکان ومایکون کا علم ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ حضور علیہ السلام کو اس سے بھی زیادہ علم ہو۔

(۳) چند سال کامل استاد کی صحبت میں رہ کر انسان عالم بن جاتا ہے۔ حضور علیہ السلام قبل ولادت پاک کروڑوں برس رب تعالیٰ کی بارگاہِ خاص میں حاضر رہے تو حضور کیوں نہ کامل عالم ہوں۔ روح البیان نے لَقَدْ جَاءَكُمْ کی تفسیر میں فرمایا کہ حضرت جبریل نے بارگاہِ نبوت میں عرض کیا کہ ایک تارہ ستر ہزار سال بعد چمکتا تھا۔ اور میں نے

اسے بہتر ہزار دفعہ چمکتے دیکھا۔ فرمایا۔ وہ تارا ہم ہی تھے۔ حساب لگالو کتنے کروڑ برس صرف خاص میں حاضری رہی

(۴) اگر شاگرد کے علم میں کچھ کمی ہے تو اس کی صرف چار ہی وجہ ہو سکتی ہیں۔ اوّلاً تو یہ کہ شاگرد نااہل تھا۔ استاذ سے پورا فیض لے نہ سکا۔ دوم یہ کہ استاذ کامل نہ تھا کہ مکمل سکھا نہ سکا۔ سوم یہ کہ استاذ یا تو بخیل تھا کہ پورا پورا علم اس شاگرد کو نہ دیا یا اس سے زیادہ کوئی اور پیارا شاگرد تھا کہ اس کو سکھانا چاہتا ہے۔ چوتھے یہ کہ جو کتاب پڑھائی وہ ناقص تھی۔ ان چار وجہوں کے سوا اور کوئی وجہ ہو سکتی ہی نہیں۔ یہاں سکھانے والا پروردگار سیکھنے والے محبوب علیہ السلام۔ کیا سکھایا قرآن اور اپنے خاص علوم بتاؤ آیا رب تعالیٰ کامل استاذ نہیں۔ یا رسول علیہ السلام لائق شاگرد نہیں؟ حضور علیہ السلام سے زیادہ کوئی اور پیارا ہے؟ یا کہ قرآن مکمل نہیں؟ جب ان میں سے کوئی بات نہیں۔ رب تعالیٰ کامل عطا فرمانے والا محبوب علیہ السلام کامل لینے والے۔ قرآن کریم کامل کتاب اَلرَّحْمٰنُ ۝ عَلَّمَ الْقُرْآنَ ۝ وہ ہی سب سے زیادہ مقبول بارگاہ۔ پھر علم کیوں ناقص ہو۔

(۵) رب تعالیٰ نے ہر بات لوح محفوظ میں کیوں لکھی۔ لکھنا تو اپنی یادداشت کے لیئے ہوتا ہے کہ بھول نہ جائیں۔ یا دوسروں کے بتانے کے لیئے رب تعالیٰ تو بھول سے پاک لہٰذا اس نے دوسروں ہی کے لیئے لکھا اور حضور علیہ السلام تو دوسروں سے زیادہ محبوب لہٰذا وہ تحریر حضور کے لیئے ہے

(۶) غیبوں کی غیب رب تعالیٰ کی ذات ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دیدار کی تمنا فرمائی تو فرما دیا گیا۔ لَنْ تَرَانِیْ تم ہم کو دیکھ نہ سکو گے۔ جب محبوب علیہ السلام نے رب ہی کو معراج میں اپنی ان ظاہری مبارک آنکھوں سے دیکھ لیا۔ تو عالم کیا چیز ہے جو آپ سے چھپ سکے۔

اور کوئی غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا جب نہ خدا ہی چھپا تم پہ کروڑوں درود

دیدار الٰہی کی بحث ہماری کتاب شان حبیب الرحمٰن میں دیکھو۔ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب الایمان بالقدر فصل اول کے آخر میں ہے۔

كَمَا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاٰهُ فِي الدُّنْيَا لِانْقِلَابِهٖ نُوْرًا	حضور علیہ السلام نے دنیا میں رب کو دیکھا۔ کیونکہ خود نور ہو گئے تھے۔

(۷) شیطان دنیا کا گمراہ کرنے والا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کے ہادی۔ گویا شیطان وبائی بیماری ہے۔ اور نبی علیہ السلام طبیب مطلق۔ رب تعالیٰ نے شیطان کو گمراہ کرنے کے لیئے اتنا وسیع

علم دیا کہ دنیا کا کوئی شخص اس کی نگاہ سے غائب نہیں۔ پھر اُسے یہ بھی خبر ہے کہ کون گمراہ ہو سکتا ہے۔ کون نہیں۔ اور جو گمراہ ہو سکتا ہے۔ وہ کس حیلہ سے۔ ایسے ہی وہ ہر دین کے ہر مسئلہ سے خبردار ہے اس لئے ہر نیکی سے روکتا ہے۔ ہر برائی کراتا ہے۔ اس نے رب تعالیٰ سے عرض کیا تھا۔ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ۔ جب گمراہ کرنے والے کو اتنا علم دیا گیا۔ تو ضروری ہے کہ دنیا کے طبیب مطلق صلی اللہ علیہ وسلم ہدایت دینے کے لیے اس سے کہیں زیادہ علم والے ہوں کہ آپ ہر شخص کو اس کی بیماری کو اس کی استعداد کو اس کے علاج کو جانیں۔ ورنہ ہدایت مکمل نہ ہوگی۔ اور رب تعالیٰ پر اعتراض پڑے گا کہ اس نے گمراہ کرنے والے کو قوی کیا اور ہادی کو کمزور رکھا۔ لہٰذا گمراہی تو کامل رہی اور ہدایت ناقص

(۸) رب تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی کے خطاب سے پکارا یَا اَیُّهَا النَّبِیُّ اور نبی کے معنی ہیں خبر دینے والا۔ اگر اس خبر سے صرف دین کی خبر مراد ہو تو ہر مولوی نبی ہے اور اگر دنیا کے واقعات مراد ہوں تو ہر اخبار۔ ریڈیو، خط، تار بھیجنے والا نبی ہو جائے۔ معلوم ہوا کہ نبی میں غیبی خبریں معتبر ہیں یعنی فرشتوں کی اور عرش کی خبر دینے والا جہاں تار، اخبار کام نہ آ سکیں۔ وہاں نبی کا علم ہوتا ہے معلوم ہوا کہ علم غیب نبی کے معنی میں داخل

یہاں تک تو حضور علیہ السلام کے علم غیب کی بحث تھی۔ اب یہ بھی جاننا چاہیے کہ حضور علیہ السلام کے صدقے سے اولیائے کرام کو بھی علم غیب دیا جاتا ہے۔ مگر ان کا علم نبی علیہ السلام کے واسطے سے ہوتا ہے اور ان کے علم کے سمندر کا قطرہ۔

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں کتاب عقائد تالیف شیخ ابو عبد اللہ شیرازی سے نقل فرماتے ہیں۔

اَلْعَبْدُ يَنْتَقِلُ فِي الْاَحْوَالِ حَتّٰى يَصِيْرَ اِلٰى نَعْتِ الرُّوْحَانِيَّةِ فَيَعْلَمُ الْغَيْبَ۔	بندہ حالات میں منتقل ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ روحانیت کی صفت پا لیتا ہے۔ پس غیب جانتا ہے۔

اسی مرقاۃ میں کتاب عقائد سے نقل فرمایا۔

يَطَّلِعُ الْعَبْدُ عَلٰى حَقَائِقِ الْاَشْيَاءِ وَيَتَجَلّٰى لَهُ الْغَيْبُ وَغَيْبُ الْغَيْبِ۔	کامل بندہ چیزوں کی حقیقتوں پر مطلع ہو جاتا ہے اور اس پر غیب اور غیب الغیب کھل جاتے ہیں۔

مرقاۃ جلد دوم صفحہ ۲ بَابُ الصَّلٰوةِ عَلَى النَّبِيِّ وَفَضْلِهَا میں فرماتے ہیں۔

اَلنُّفُوْسُ الزَّكِيَّةُ الْقُدْسِيَّةُ اِذَا تَجَرَّدَتْ عَنِ الْعَلَائِقِ الْبَدَنِيَّةِ خَرَجَتْ وَاتَّصَلَتْ	پاک و صاف نفس جبکہ بدنی علاقوں سے خالی ہو جاتے ہیں تو ترقی کرکے بزم بالا سے مل جاتے ہیں اور ان پر کوئی پردہ

بِالْمَلَاءِ الْاَعْلٰی وَلَمْ يَبْقَ لَهٗ حِجَابٌ فَتَرَى الْكُلَّ كَالْمُشَاهَدِ بِنَفْسِهَا اَوْ بِاِخْبَارِ الْمَلَكِ لَهَا۔

باقی نہیں رہتا پس وہ تمام چیزوں کا مثل محسوس و حاضر کے دیکھتے ہیں خواہ تو اپنے آپ یا فرشتہ کے الہام سے

شاہ عبدالعزیز صاحب تفسیر عزیزی سورہ جن میں فرماتے ہیں "اطلاع بر لوح محفوظ و دیدن نقوش نیز از بعضے اولیاء بتواتر منقول است"۔ لوح محفوظ کی خبر رکھنا اور اس کی تحریر دیکھنا بعض اولیاء اللہ سے بھی بطریق تواتر منقول ہے۔ امام ابن حجر مکی کتاب الاعلام میں اور علامہ شامی سل الحسام میں فرماتے ہیں۔

اَلْخَوَاصُّ يَجُوْزُ اَنْ يَعْلَمَ الْغَيْبَ فِيْ قَضِيَّةٍ اَوْ قَضَايَا كَمَا وَقَعَ لِكَثِيْرٍ مِّنْهُمْ وَاشْتَهَرَ۔

جائز ہے کہ خاص خاص حضرات کسی معاملہ یا فیصلے میں غیب جان لیں جیسا کہ بہت سے اولیاء اللہ سے واقع ہوا۔ اور یہ مشہور بھی ہو گیا

شاہ ولی اللہ صاحب الطاف القدس میں فرماتے ہیں۔

"نفس کلیہ بجائے جسد عارف مے شود و ذات عارف بجائے روح او ہمہ عالم بعلم حضوری مے بیند"

عارف کا نفس بالکل جسم بن جاتا ہے اور عارف کی ذات بجائے روح کے ہو جاتی ہے وہ تمام عالم کو علم حضوری سے دیکھتا

زرقانی شرح مواہب جلد ۷ صفحہ ۲۲۸ میں فرماتے ہیں۔

قَالَ فِيْ لَطَائِفِ الْمِنَنِ اِطِّلَاعُ الْعَبْدِ عَلٰى غَيْبٍ مِّنْ غُيُوْبِ اللّٰهِ بِدَلِيْلِ خَبَرِ اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهٗ يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ لَا يُسْتَغْرَبُ وَهُوَ مَعْنٰى كُنْتُ بَصَرَهُ الَّذِيْ يُبْصِرُ بِهٖ فَمَنِ الْحَقُّ بَصَرُهٗ فَاطِّلَاعُهٗ عَلَى الْغَيْبِ لَا يُسْتَغْرَبُ۔

لطائف المنن میں فرمایا کہ کامل بندے کا اللہ کے غیبوں میں سے کسی غیب پر مطلع ہو جانا عجیب نہیں اس حدیث کی وجہ سے کہ مومن کی دانائی سے ڈرو کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے اور یہ ہی اس حدیث کے معنے ہیں کہ رب فرماتا ہے کہ میں اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے پس اسکا دیکھنا حق کی طرف سے ہوتا ہے لہذا اس کا غیب پر مطلع ہونا کچھ عجیب بات نہیں۔

امام شعرانی الیواقیت والجواہر میں فرماتے ہیں۔

لِلْمُجْتَهِدِيْنَ الْقَدَمُ فِيْ عُلُوْمِ الْغَيْبِ

غیبی علوم میں مجتہدین کا قدم مضبوط ہے۔

حضور غوث پاک فرماتے ہیں ؎

نَظَرْتُ اِلٰى بِلَادِ اللّٰهِ جَمْعًا ٭ كَخَرْدَلَةٍ عَلٰى حُكْمِ اتِّصَالِىْ

ہم نے اللہ کے سارے شہروں کو اس طرح دیکھ لیا۔ جیسے چند رائی کے دانے ملے ہوتے ہوں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی زبدۃ الاسرار میں حضور غوث پاک کا ارشاد نقل فرماتے ہیں۔

قَالَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ یَا اَبْطَالُ یَا اَبْطَالُ ھَلُمُّوْ وَخُذُوْا عَنْ ھٰذَا الْبَحْرِ الَّذِیْ لَا سَاحِلَ لَہٗ وَعِزَّۃِ رَبِّیْ اِنَّ السُّعَدَاءَ وَالْاَشْقِیَاءَ یُعْرَضُوْنَ عَلَیَّ وَاَنَّ بُؤْبُؤَۃَ عَیْنِیْ فِی اللَّوْحِ الْمَحْفُوْظِ وَاَنَا غَائِصٌ فِیْ بِحَارِ عِلْمِ اللّٰہِ۔

اے بہادر و اے فرزند و! آؤ اور اس دریا سے کچھ لو جسکا کنارہ ہی نہیں قسم جلالی اپنے رب کی کہ تحقیق نیک بخت اور بد بخت لوگ مجھ پر پیش کیے جاتے ہیں اور ہمارا گوشۂ چشم لوح محفوظ میں رہتا ہے اور ہم اللہ کے علم کے سمندروں میں غوطے لگا رہا ہوں۔

مولانا جامی نفحات الانس میں حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند قدس سرہٗ کا قول نقل فرماتے

حضرت عزیزان علیہ الرحمۃ گفتہ اند کہ زمین در نظر ایں طائفہ چوں سفرہ ایست و ما می گوئیم کہ چوں ناخنے است ہیچ چیز از نظر ایشاں غائب نیست۔

حضرت عزیزان علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے کہ اس گروہ اولیاء کی نظر میں زمین دستر خوان کی طرح ہے۔ اور ہم کہتے ہیں کہ ناخن کی طرح ہے کہ کوئی چیز ان کی نظر سے غائب نہیں ہے

امام شعرانی کبریت احمر میں فرماتے ہیں۔

وَاَمَّا شَیْخُنَا السَّیِّدُ عَلِیُّ بْنُ الْخَوَّاصِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ فَسَمِعْتُہٗ یَقُوْلُ لَا یَکْمُلُ الرَّجُلُ عِنْدَنَا حَتّٰی یَعْلَمَ حَرَکَاتِ مُرِیْدِہٖ فِیْ اِنْتِقَالِہٖ فِی الْاَصْلَابِ وَھُوَ مِنْ یَوْمِ اَلَسْتُ اِلٰی اِسْتِقْرَارِہٖ فِی الْجَنَّۃِ اَوْ فِی النَّارِ۔

ہم نے اپنے شیخ سید علی خواص رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ ہمارے نزدیک اس وقت تک کوئی مرد کامل نہیں ہوتا جب تک کہ اپنے مرید کی حرکات نسبی کو نہ جان لے۔ یوم میثاق سے لے کر اس کے جنت یا دوزخ میں داخل ہونے تک کو۔

شاہ ولی اللہ صاحب فیوض الحرمین میں فرماتے ہیں۔

ثُمَّ اِنَّہٗ یَنْجَذِبُ اِلٰی حَیِّزِ الْحَقِّ فَیَصِیْرُ عَبْدَ اللّٰہِ فَیَتَجَلّٰی لَہٗ کُلُّ شَیْءٍ۔

پھر وہ مرد عارف بارگاہ حق کیطرف جذب ہو جاتے ہیں پس وہ اللہ کے بندے ہوتے ہیں اور انکو ہر چیز ظاہر ہو جاتی ہے

مشکوٰۃ جلد اول کتاب الدعوات باب ذکر اللہ والتقرب میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بروایت بخاری

فَاِذَا اَحْبَبْتُہٗ فَکُنْتُ سَمْعَہُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِہٖ وَبَصَرَہُ الَّذِیْ یُبْصِرُ بِہٖ وَیَدَہُ الَّذِیْ یَبْطِشُ بِھَا وَرِجْلَہُ الَّذِیْ

رب تعالیٰ فرماتا ہے پس جبکہ میں اس بندے سے محبت کرتا ہوں تو اس کے کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اسکا ہاتھ

يَمْشِيْ بِهَا۔ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پاؤں جس سے وہ چلتا ہے

یہ بھی خیال رہے کہ حضرت خضر علیہ السلام و الیاس علیہ السلام اس وقت زمین پر زندہ ہیں۔ اور یہ حضرات اب امتِ مصطفےٰ علیہ السلام کے ولی ہیں اور حضرت عیسٰے علیہ السلام جب تشریف لائیں گے وہ بھی اس امت کے ولی کی حیثیت سے ہوں گے۔ ان کے علوم کا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ ان کے علوم بھی اب حضور علیہ السلام کی امت کے اولیاء کے علوم ہیں۔

دوسرا باب

علم غیب پر اعتراضات کے بیان میں

اس باب میں چار فصلیں ہیں۔ پہلی فصل ان آیاتِ قرآنیہ کے بیان میں جو مخالفین پیش کرتے ہیں۔ دوسری فصل احادیث کے بیان میں۔ تیسری فصل اقوال علماء و فقہاء کے بیان میں۔ چوتھی فصل عقلی اعتراضات کے بیان میں۔

اس باب کے شروع سے پہلے بطور مقدمہ چند ضروری بحثیں قابل غور ہیں۔

(۱) جن آیات و احادیث یا اقوالِ فقہاء میں حضور علیہ السلام کے علم غیب کی نفی ہے ان میں یا تو ذاتی علم مراد ہے۔ یا تمامی معلومات یعنی رب تعالیٰ کے معلومات کی برابر عطائی علم کی نفی نہیں ورنہ پھر ان آیات و احادیث میں جو ہم اثبات میں بیان کر چکے ہیں۔ مطابقت کیوں کر ہو گی۔

علامہ ابن حجر فتاویٰ حدیثیہ میں اس قسم کے تمام دلائل کے جواب میں فرماتے ہیں۔

مَعْنَاهَا لَا يَعْلَمُ ذٰلِكَ اِسْتِقْلَالًا وَ عِلْمَ اِحَاطَةٍ اِلَّا اللّٰهُ تَعَالٰى اَمَّا الْمُعْجِزَاتُ وَ الْكَرَامَاتُ فَبِاِعْلَامِ اللّٰهِ تَعَالٰى۔

ان کے معنے یہ ہیں کہ مستقل طور پر (ذاتی) اور احاطہ کے طور پر کوئی نہیں جانتا سوائے اللہ تعالیٰ کے لیکن معجزات اور کرامات پس وہ خدا کے بتانے سے ہوتے ہیں

مخالفین کہتے ہیں کہ جن دلائل میں علم غیب کا ثبوت ہے اس سے مراد مسائل دینیہ کا علم ہے۔ اور جن میں نفی ہے ان سے مراد باقی دنیاوی چیزوں کے علوم ہیں۔ مگر یہ توجیہ ان آیاتِ قرآنیہ اور

احادیث صحیحہ و اقوال علمائے امت کے خلاف ہے جو ہم نے ثبوت میں پیش کی ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کا علم۔ اسی طرح لوح محفوظ کا علم سب ہی چیزوں کو شامل ہے۔ پھر حضور علیہ السلام کا فرمانا کہ تمام عالم ہمارے سامنے مثل ہاتھ کے ہے لہذا یہ توجیہ بالکل باطل ہے۔

(۲) مخالفین کے پیش کردہ وہ دلائل کہ رب فرماتا ہے کہ غیب اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ یا حضور فرماتے ہیں کہ میں غیب نہیں جانتا یا فقہا فرماتے ہیں کہ جو غیر خدا کے لیئے علم غیب مانے وہ کافر ہے یہ خود مخالفین کے بھی خلاف ہیں۔ کیونکہ بعض علوم غیبیہ کے تو وہ بھی قائل ہیں۔ صرف جمیع ماکان وما یکون میں اختلاف ہے ان آیات واقوال فقہا سے تو وہ بھی نہیں بچ سکتے۔ کیونکہ اگر ایک بات کا بھی علم مانا۔ ان دلائل کے خلاف ہوا۔ سالبہ کلیہ کی نقیض موجبہ جزئیہ ہوتی ہے۔

(۳) مخالفین کہتے ہیں کہ ان دلائل میں کل علم غیب کی نفی ہے نہ کہ بعض کی۔ تو جھگڑا ہی ختم ہوگیا۔ کیونکہ ماکان وما یکون علم الٰہی کے سمندروں کا قطرہ ہے۔ ہم بھی حضور علیہ السلام کے لیئے علوم الٰہیہ کے مقابلہ میں بعض ہی علم کے قائل ہیں۔

(۴) مخالفین کہتے ہیں کہ علم غیب خدا کی صفت ہے لہذا غیر خدا کے لیئے ماننا کفر ہے اس کفر میں وہ بھی داخل ہو گئے۔ کیونکہ صفت الٰہیہ میں اگر ایک میں شرکت مانی تو کفر ہوا سب میں مانی تو کفر ہوا جو شخص عالم کی ایک چیز کا خالق کسی بندے کو مانے وہ بھی بے دین ہے۔ تمام عالم کا خالق کسی کو مانے تو بھی کافر اور وہ بھی بعض علم غیب تو حضور علیہ السلام کے لیئے ثابت کرتے ہیں ہیں۔ پھر کفر سے کیسے بچے ہاں یہ کہو کہ ذاتی علم خدا کی صفت عطائی علم حضور علیہ السلام کی صفت لہذا شرک نہ ہوا۔ یہ ہی ہم کہتے ہیں۔

پہلی فصل

آیات قرآنیہ کے بیان میں

(۱) قُلْ لَّاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآىٕنُ اللّٰهِ وَلَاۤ اَعْلَمُ الْغَیْبَ۔	تم فرما دو کہ میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہو کہ میں آپ غیب جان لیتا ہوں۔

اس آیت کی چار توجیہیں مفسرین نے کی ہیں۔ اولاً یہ کہ علم غیب ذاتی کی نفی ہے۔ دوم یہ کہ کل علم کی نفی ہے۔ تیسرے یہ کہ یہ کلام تواضع اور انکسار کے طور پر بیان فرما دیا گیا ہے۔ چہارم یہ کہ آیت کے معنی یہ ہیں میں دعوے نہیں کرتا کہ میں غیب جانتا ہوں یعنی دعویٰ علم غیب کی نفی ہے نہ کہ علم غیب کی۔ ملاحظہ ہوں تفاسیر

تفسیر نیشا پوری میں اس آیت کے ماتحت ہے۔

یَحْتَمِلُ اَنْ یَّکُوْنَ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ عَطْفًا عَلٰی لَآ اَقُوْلُ لَکُمْ اَیْ قُلْ لَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ فَیَکُوْنُ فِیْهِ دَلَالَةٌ اَنَّ الْغَیْبَ بِالْاِسْتِقْلَالِ لَا یَعْلَمُهٗ اِلَّا اللّٰهُ۔	اس آیت میں یہ احتمال بھی ہے کہ لا اعلم کا عطف لا اقول پر ہو یعنی اے محبوب فرما دو کہ میں غیب نہیں جانتا تو اس میں دلالت اس پر ہوگی کہ غیب بالاستقلال یعنی ذاتی سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا۔

تفسیر بیضاوی یہ ہی آیت۔

لَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ مَالَمْ یُوْحَ اِلَیَّ اَوْ لَمْ یَنْتَصِبْ عَلَیْهِ دَلِیْلٌ۔	میں غیب نہیں جانتا جب تک اسکی مجھ پر وحی نہ کی جاوے یا کوئی دلیل اس پر قائم نہ ہو۔

یا اس سے مراد کل علم کی نفی ہے۔ تفسیر کبیر میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

قَوْلُهٗ لَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ یَدُلُّ عَلٰی اِعْتِرَافِهٖ بِاَنَّهٗ غَیْرُ عَالِمٍ بِکُلِّ الْمَعْلُوْمَاتِ۔	یہ فرمان کہ میں غیب نہیں جانتا حضور علیہ السلام کے اس اقرار پر دلالت کرتا ہے کہ آپ سارے معلومات نہیں جانتے

یا یہ کلام بطور تواضع وانکسار فرمایا گیا۔ تفسیر خازن میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

وَاِنَّمَا نَفٰی عَنْ نَفْسِهِ الشَّرِیْفَةِ هٰذِهِ الْاَشْیَاءَ تَوَاضُعًا لِلّٰهِ تَعَالٰی وَاعْتِرَافًا لِلْعُبُوْدِیَّةِ فَلَسْتُ اَقُوْلُ شَیْئًا مِّنْ ذَالِكَ وَلَآ اَدَّعِیْهِ۔	حضور علیہ السلام نے ان چیزوں کی اپنی ذات کریمہ سے نفی فرمائی رب کے لئے عاجزی کرتے ہوئے اور اپنی بندگی کا اقرار فرماتے ہوئے یعنی میں اسمیں سے کچھ نہیں کہتا اور کسی چیز کا دعویٰ نہیں کرتا۔
تفسیر عرائس البیان میں ہے۔ وَتَوَاضَعَ حِیْنَ اَقَامَ نَفْسَهٗ مَقَامَ الْاِنْسَانِیَّةِ بَعْدَ اَنْ کَانَ اَشْرَفَ خَلْقِ اللّٰهِ مِنَ الْعَرْشِ اِلَی الثَّرٰی وَ اَطْهَرَ مِنَ الْکَرُّوْبِیِّیْنَ وَالرُّوْحَانِیِّیْنَ خُضُوْعًا لِّلْجَبَرُوْتِهٖ وَخُشُوْعًا لِّمَلَکُوْتِهٖ۔	حضور علیہ السلام نے انکسار فرمایا کہ اپنی ذات کو انسانیت کی جگہ میں رکھا ورنہ آپ از عرش تا فرش ساری مخلوق میں اشرف ہیں اور ملائکہ اور روحانیین سے زیادہ ستھرے ہیں حق تعالیٰ کی شان جباری کے سامنے عاجزی کے طور پر اسکی سطوت کے سامنے پستی کے اظہار کے طریقہ پر یہ فرمایا۔

یہ دعویٰ علم غیب کی نفی ہے کہ میں علم غیب کا دعویٰ نہیں کرتا۔

تفسیر نیشا پوری میں ہے۔ اَیْ لَآ اَدَّعِی الْقُدْرَةَ عَلٰی کُلِّ الْمَقْدُوْرَاتِ وَالْعِلْمَ بِکُلِّ الْمَعْلُوْمَاتِ۔	یعنی میں تمام مقدورات پر قدرت رکھنے اور تمام معلومات کے جاننے کا دعویٰ نہیں کرتا۔

تفسیر کبیر میں یہی آیت۔ اَیْ لَا اَدَّعِیْ کَوْنِیْ مَوْصُوْفًا بِعِلْمِ اللّٰہِ وَبِمَجْمُوْعِ ھٰذَیْنِ الْکَلَامَیْنِ حَصَلَ اَنَّہٗ لَا یَدَّعِی الْاُلُوْھِیَّۃَ۔

یعنی میں اللہ کے علم سے متصف ہونیکا دعویٰ نہیں کرتا اور ان دونوں باتوں کے مجموعہ کا مطلب یہ ہے کہ حضور علیہ السلام خدا ہونیکا دعویٰ نہیں کرتے۔

روح البیان میں یہی آیت عَطْفٌ عَلٰی عِنْدِیْ خَزَائِنُ اللّٰہِ وَلَا مُذَکِّرَۃٌ لِلنَّفْیِ اَیْ وَلَا اَدَّعِیْ اَنِّیْ اَعْلَمُ الْغَیْبَ مِنْ اَفْعَالِہٖ تَعَالٰی عَلٰی اَنَّھَا عِنْدِیْ وَلٰکِنْ لَا اَقُوْلُ لَکُمْ فَمَنْ قَالَ اِنَّ نَبِیَّ اللّٰہِ لَا یَعْلَمُ الْغَیْبَ فَقَدْ اَخْطَاءَ فِیْمَا اَصَابَ

اس کا عطف عِنْدِیْ خَزَائِنُ اللّٰہِ پر ہے اور لَا زائدہ ہے نفی کا یاد دلانے والا یعنی میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ خدا کے افعال میں غیب جانتا ہوں اس بنا پر کہ خزائن اللہ میرے پاس تو ہیں مگر میں یہ کہتا نہیں۔ تو جو شخص یہ کہے کہ نبی اللہ غیب نہیں جانتے تھے اس نے غلطی کی اس آیت میں جس میں مصیب تھا

تفسیر مدارک میں یہی آیت۔

وَمَحَلُّ لَا اَعْلَمُ الْغَیْبَ النَّصْبُ عَطْفًا عَلٰی مَحَلِّ عِنْدِیْ خَزَائِنُ اللّٰہِ لِاَنَّہٗ مِنْ جُمْلَۃِ الْمَقُوْلِ کَاَنَّہٗ قَالَ لَا اَقُوْلُ لَکُمْ ھٰذَا الْقَوْلَ وَلَا ھٰذَا الْقَوْلَ وَلَا اَعْلَمُ الْغَیْبَ۔

وَلَا اَعْلَمُ الْغَیْبَ کا اعراب زبر ہے عِنْدِیْ خَزَائِنُ اللّٰہِ کے محل پر عطف کی وجہ سے کیونکہ یہ بھی کہی ہوئی بات میں سے ہے گویا آپ نے یوں فرمایا کہ میں تم سے نہ یہ کہتا ہوں اور نہ یہ۔

تفسیر نیشا پوری۔ اَیْ قُلْ لَا اَعْلَمُ الْغَیْبَ فَیَکُوْنُ فِیْہِ دَلَالَۃٌ عَلٰی اَنَّ الْغَیْبَ بِالْاِسْتِقْلَالِ لَا یَعْلَمُ اِلَّا اللّٰہُ

نکتہ۔ اس آیت میں لَا اَقُوْلُ دو جگہ ہے پہلے لَا اَقُوْلُ کے بعد دو چیزوں کا ذکر ہے کہ میں نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہتا ہوں کہ غیب جانتا ہوں۔ دوسرے لَا اَقُوْلُ کے بعد صرف ایک چیز کا ذکر ہے میں نہیں کہتا کہ میں فرشتہ ہوں۔ اس لیئے کہ پہلے دو میں تو دعویٰ کی نفی ہے اور مدعیٰ کا ثبوت اور دوسرے قول میں دعویٰ اور مدعیٰ دونوں کی نفی ہے یعنی میرے پاس اللہ کے خزانے بھی ہیں اور میں غیب بھی جانتا ہوں۔ مگر ان کا دعوےٰ نہیں کرتا۔ حدیث پاک میں ہے۔ اُوْتِیْتُ مَفَاتِیْحَ خَزَائِنِ الْاَرْضِ (مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین) یعنی مجھ کو زمین کے خزانوں کی کنجیاں دے دی گئیں اور علم غیب کی احادیث ہم پیش کر چکے ہیں۔ اور نہ میں واقع میں فرشتہ ہوں اور نہ اس کا دعویٰ کرتا ہوں۔ اگر یہ نکتہ نہیں۔ تو ایک ہی جگہ لَا اَقُوْلُ کافی تھا۔ دو جگہ کیوں لایا گیا اگر ہماری بیان کی ہوئی توجیہیں نہ کی جاویں تو یہ آیت مخالفین کے بھی خلاف ہے کیونکہ بعض علم غیب تو وہ بھی مانتے ہیں۔ اور یہ آیت بالکل نفی کر رہی

ہے۔ نیز یہاں لَکُمْ میں کفار سے خطاب ہے یعنی اے کافرو میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس خزانے ہیں تم چور ہو۔ چوروں کو خزانے نہیں بتائے جاتے۔ تم شیطانوں کی طرح اسرار کی چوری نہ کر لو۔ رب تعالٰی نے بھی شیطان کو آسمان پر جانے سے اسی لیئے روکا کہ وہ چور ہے۔ یہ تو صدیق سے کہا جاویگا کہ مجھے خزائن الٰہیہ کی کنجیاں سپرد ہوئیں نیز یہاں عِنْدِی فرما کر بتایا کہ خزانہ میرے پاس نہیں میری ملک میں ہیں۔ کیونکہ خزانہ خزانچی کے پاس اور مالک کی ملک میں ہوتا ہے۔ میں خزانچی نہیں۔ کیا نہ دیکھا کہ ان کے اشارہ پر بادل برسا۔ ان کی انگلیوں سے چشمے جاری ہوئے۔

(۲) وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ۔	اور اگر میں غیب جان لیا کرتا تو یوں ہوتا کہ میں نے بہت بھلائی جمع کر لی۔

اس آیت کے بھی مفسرین نے تین مطلب بتائے ہیں۔ ایک یہ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ کلام بطور انکسار کے ہے۔ دوسرے یہ کہ اس میں تمام معلوماتِ الٰہیہ جاننے کی نفی کرنا مقصود ہے تیسرے یہ کہ علم غیب ذاتی کی نفی ہے۔

نسیم الریاض میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

قَوْلُهٗ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ فَاِنَّ الْمَنْفِيَّ عِلْمُهٗ مِنْ غَيْرِ وَاسِطَةٍ وَاَمَّا اِطِّلَاعُهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِاِعْلَامِ اللّٰهِ تَعَالٰى فَاَمْرٌ مُتَحَقِّقٌ بِقَوْلِهٖ تَعَالٰى فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ۔	علم غیب کا ماننا اس آیت کے منافی نہیں کہ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ الخ کیونکہ نفی علم بغیر واسطہ کی ہے لیکن حضور علیہ السلام کا غیب پر مطلع ہونا اللہ کے بتانے سے واقع ہے رب تعالٰی کے اس فرمان کی وجہ سے کہ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖ الخ، کل معلوماتِ الٰہیہ جاننے کی نفی ہے

شرح مواقف میں میر سید شریف فرماتے ہیں۔

اَلْاِطِّلَاعُ عَلٰى جَمِيْعِ الْمُغَيَّبَاتِ لَا يَجِبُ لِلنَّبِيِّ وَلِذَا قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ (الْاٰيَة) وَجَمِيْعُ مُغَيَّبَاتٍ غَيْرُ مُتَنَاهِيَةٍ۔	تمام غیبوں پر مطلع ہونا نبی کیلئے ضروری نہیں اسی لیئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا لَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ الآیۃ تمام غیب غیر متناہی ہیں۔ یہ کلام انکسار کے طور پر ہے۔
صاوی حاشیہ جلالین میں ہے یہ ہی آیت۔ اِنْ قُلْتَ اَنَّ هٰذَا يُشْكِلُ مَعَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ	اگر تم کہو کہ یہ آیت گذشتہ کلام کے خلاف ہے۔ کہ حضور علیہ السلام کو تمام دینی و دنیاوی غیبوں پر مطلع

اَنَّهٗ اُطْلِعَ عَلٰی جَمِیْعِ مُغَیَّبَاتِ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ فَالْجَوَابُ اَنَّهٗ قَالَ ذٰلِکَ تَوَاضُعًا

کر دیا گیا تو جواب یہ ہے کہ یہ کلام کا اَعْلَمُ الْغَیْبَ بطور انکسار فرمایا گیا ہے ۔

تفسیر خازن میں جمل حاشیہ جلال سے اسی آیت کے ماتحت نقل کیا۔

فَاِنْ قُلْتَ قَدْ اَخْبَرَ النَّبِیُّ عَلَیْهِ السَّلَامُ عَنِ الْمُغَیَّبَاتِ قَدْ جَاءَتْ اَحَادِیْثُ فِی الصَّحِیْحِ بِذٰلِکَ وَهُوَ مِنْ اَعْظَمِ مُعْجِزَاتِهٖ فَکَیْفَ الْجَمْعُ بَیْنَهٗ وَبَیْنَ قَوْلِهٖ لَوْ کُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ قُلْتُ یَحْتَمِلُ اَنْ یَکُوْنَ قَالَهٗ تَوَاضُعًا وَاَدَبًا وَالْمَعْنٰی لَا اَعْلَمُ الْغَیْبَ اِلَّا اَنْ یُطْلِعَنِیَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَیُقَدِّرَهٗ لِیْ وَیَحْتَمِلُ اَنْ یَکُوْنَ قَالَ ذٰلِکَ قَبْلَ اَنْ یُطْلِعَهُ اللّٰهُ عَلَی الْغَیْبِ فَلَمَّا اَطْلَعَهُ اللّٰهُ اَخْبَرَ بِهٖ۔

پس اگر تم کہو کہ حضور علیہ السلام نے بہت سے غیبوں کی خبر دی ہے اور اس کے متعلق بہت سی احادیث صحیح وارد ہیں۔ اور علم غیب تو حضور علیہ السلام کا بڑا معجزہ ہے تو ان باتوں میں اور اس آیت میں کہ لَوْ کُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ مطابقت کس طرح ہوگی تو میں کہونگا کہ یہاں احتمال یہ ہے کہ یہ کلام انکسار کے طریقہ پر فرمایا ہو اور اس کے معنے یہ ہیں کہ میں غیب نہیں جانتا بغیر خدا کے بتائے اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ کلام غیب پر مطلع ہونے سے پہلے کا ہو۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو غیب پر مطلع فرمادیا تو خبریں دیں ۔

علامہ سلیمان جمل نے فتوحات الٰہیہ حاشیہ جلالین جلد دوم صفحہ ۲۵۸ میں اسی کی مثل فرمایا ۔

اَیْ قُلْ لَا اَعْلَمُ الْغَیْبَ فَیَکُوْنُ فِیْهِ دَلَالَةٌ عَلٰی اَنَّ الْغَیْبَ بِالْاِسْتِقْلَالِ لَا یَعْلَمُ اِلَّا اللّٰهُ۔

یعنی فرمادو کہ میں غیب نہیں جانتا الخ پس اس آیت میں اس پر دلالت ہے کہ غیب بالاستقلال یعنی ذاتی خدا کے سوائے کوئی نہیں جانتا ۔

تفسیر صاوی یہ ہی آیت اَوْ اَنَّ عِلْمَهٗ بِالْمُغَیَّبِ کَلَا عِلْمٍ مِنْ حَیْثُ اَنَّهٗ لَا قُدْرَۃَ لَهٗ عَلٰی تَغْیِیْرِ مَا قَدَّرَ اللّٰهُ فَیَکُوْنُ الْمَعْنٰی حِیْنَئِذٍ لَوْ کَانَ لِیْ عِلْمٌ حَقِیْقِیٌّ بِاَنْ اَقْدِرَ عَلٰی مَا اُرِیْدُ وُقُوْعَهٗ لَاسْتَکْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ

حضور علیہ السلام کا علم غیب جاننا نہ جاننے کی طرح ہے ۔کیونکہ آپ کو اس چیز کے بدلنے پر قدرت نہیں جو اللہ تعالیٰ نے مقدر فرمادیں ۔تو معنی یہ ہوئے کہ اگر مجھ کو علم حقیقی ہوتا اس طرح کہ میں اپنی مراد کے واقع کرنے پر قادر ہوتا ۔تو خیر بہت سی جمع کر لیتا ۔

یہ توجیہ نہایت ہی نفیس ہے کیونکہ آیت کے معنے یہ ہیں کہ اگر میں غیب جانتا ہوتا تو بہت سی خیر جمع کر لیتا

اور مجھ کو تکلیف نہ پہنچتی۔ اور صرف کسی چیز کا جاننا خیر جمع کرنے اور مصیبت سے بچنے کے لیئے کافی نہیں۔ جب تک کہ خیر کے حاصل کرنے اور مصیبت سے بچنے پر مستقل قدرت نہ ہو۔ مجھ کو علم ہے کہ بڑھاپا آویگا اور اس وقت مجھ کو یہ تکالیف پہنچیں گی۔ مگر مجھے بڑھاپے کے دفع کرنے پر قدرت نہیں۔ مجھے آج خبر ہے کہ غلہ چند روز کے بعد گراں ہو جاوے گا۔ کہ میرے پاس آج روپیہ نہیں۔ کہ بہت سا غلہ خرید لوں خرید نہیں سکتا۔ معلوم ہوا کہ خیر حاصل کرنا۔ مصیبت سے بچنا علم اور قدرت دونوں پر موقوف ہے اور یہاں قدرت کا ذکر نہیں۔ تو علم غیب سے وہ علم مراد ہے جو قدرت حقیقی کے ساتھ ہو یعنی علم ذاتی جو لازم الوہیت ہے جس کے ساتھ قدرت حقیقی لازم ہے ورنہ آیت کے معنیٰ نہیں درست ہوتے۔ کیونکہ مقدم اور تالی میں لزوم نہیں رہتا اور اس کے بغیر قیاس درست نہیں ہوتا۔

نیز دیوبندی تو اس آیت کے یہ معنیٰ کرتے ہیں کہ اگر میں غیب جانتا تو بہت خیر جمع کر لیتا اور مجھے کوئی مصیبت نہ پہنچتی۔ مگر چونکہ نہ میرے پاس خیر ہے اور نہ میں مصیبت سے بچا لہٰذا غیب نہیں جانتا۔ ہم یہ ترجمہ کر سکتے ہیں کہ غور کرو اگر میرے پاس خیر ہو اور میں مصیبت سے بچوں تو سمجھ لو کہ مجھے علم غیب بھی ہے میرے پاس بہت خیر تو ہے۔ مَنۡ یُّؤۡتَ الۡحِکۡمَةَ فَقَدۡ اُوۡتِیَ خَیۡرًا کَثِیۡرًا نیز۔ اِنَّاۤ اَعۡطَیۡنٰکَ الۡکَوۡثَرَ۔ نیز یُعَلِّمُهُمُ الۡکِتٰبَ وَالۡحِکۡمَةَ۔ اور میں مصیبت سے بھی محفوظ کہ رب تعالےٰ نے فرمایا وَاللّٰهُ یَعۡصِمُكَ مِنَ النَّاسِ لہٰذا مجھے علم غیب بھی ہے۔ یہ آیت تو علم غیب کے ثبوت میں ہے نہ کہ انکار میں۔

روح البیان یہ ہی آیت وَقَدۡ ذَهَبَ بَعۡضُ الۡمَشَائِخِ اِلٰی اَنَّ النَّبِیَّ عَلَیۡهِ السَّلَامُ کَانَ یَعۡرِفُ وَقۡتَ السَّاعَةِ بِاِعۡلَامِ اللّٰهِ وَهُوَ لَا یُنَافِی الۡحَصۡرَ فِی الۡاٰیَةِ کَمَا لَا یَخۡفٰی

بعض مشائخ اس طرف گئے ہیں کہ نبی علیہ السلام قیامت کا وقت بھی جانتے تھے اللہ کے بتانے سے اور ان کا یہ کلام اس آیت کے حصر کے خلاف نہیں۔ جیسا کہ مخفی نہیں۔

(۳) وَعِنۡدَهٗ مَفَاتِحُ الۡغَیۡبِ لَا یَعۡلَمُهَاۤ اِلَّا هُوَ۔

اور اسی کے پاس ہیں کنجیاں غیب کی ان کو وہ ہی جانتا ہے۔

مفسرین نے فرمایا ہے کہ مَفَاتِحُ الۡغَیۡبِ (غیب کی کنجیوں) سے مراد یا تو غیب کے خزانے ہیں۔ یعنی سارے معلومات الٰہیہ کا جاننا یا اس سے مراد ہے غیب کو حاضر کرنے یعنی چیزوں کے پیدا کرنے پر

قادر ہونا۔ کیونکہ کنجی کا کام یہ ہی ہوتا ہے کہ اس سے قفل کھولا جائے اور اندر کی چیز باہر اور باہر کی چیز اندر کر دی جائے اسی طرح حاضر کو غائب اور غائب کو حاضر کرنا یعنی پیدا کرنے اور موت دینے کی قدرت پروردگار ہی کو ہے۔ تفسیر کبیر میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

فَكَذٰلِكَ هٰهُنَا لَمَّا كَانَ عَالِمًا بِجَمِيْعِ الْمَعْلُوْمَاتِ عَبَّرَ هٰذَا الْمَعْنٰى بِالْعِبَارَةِ الْمَذْكُوْرَةِ وَعَلَى التَّقْدِيْرِ الثَّانِىْ الْمُرَادُ مِنْهُ الْقُدْرَةُ عَلٰى كُلِّ الْمُمْكِنَاتِ	جبکہ پروردگار تمام معلومات کا جاننے والا ہے تو اس مطلب کو اس عبارت سے بیان کیا اور دوسری صورت پر مراد اس سے سارے ممکنات پر قادر ہونا ہے۔

تفسیر روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

وَقَلَمُ تَصْوِيْرِهَا الَّذِىْ هُوَ مِفْتَاحٌ يُفْتَحُ بِهٖ بَابُ عِلْمِ تَكْوِيْنِهَا عَلٰى صُوَرِتِهَا وَكَوْنُهَا هُوَ الْمَلَكُوْتُ فَبِقَلَمِ مَلَكُوْتِ كُلِّ شَيْئٍ يَكُوْنُ كُلُّ شَيْئٍ وَقَلَمُ الْمَلَكُوْتِ بِيَدِ اللّٰهِ لَا تَ الْغَيْبِ هُوَ عِلْمُ التَّكْوِيْنِ۔	ان چیزوں کے نقش باندھنے کا قلم جو ایسی کنجی ہے جس سے ان چیزوں کے پیدائش کا دروازہ کھولا جاتا ہے ان کی مناسب صورتوں پر وہ ہی ملکوت ہے پس ہر چیز کے ملکوت کے قلم سے ہر چیز کی ہستی ہوتی ہے اور ملکوت کا قلم اللہ کے ہاتھ میں ہے اسلئے کہ غیب سے مراد پیدا کرنیکا جاننا

تفسیر خازن میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى لَمَّا كَانَ عَالِمًا بِجَمِيْعِ الْمَعْلُوْمَاتِ عَبَّرَ هٰذَا الْمَعْنٰى بِهٰذِهِ الْعِبَارَةِ وَعَلَى التَّفْسِيْرِ الثَّانِىْ يَكُوْنُ الْمَعْنٰى وَعِنْدَهٗ خَزَائِنُ الْغَيْبِ وَالْمُرَادُ مِنْهُ الْقُدْرَةُ الْكَامِلَةُ عَلٰى كُلِّ الْمُمْكِنَاتِ	کیونکہ رب تعالیٰ جب تمام معلومات کا جاننے والا ہے تو اس کے معنی کو اس عبارت سے بیان کیا اور دوسری تفسیر پر اسکے معنے یہ ہونگے کہ اس کے نزدیک غیب کے خزانے ہیں اور اس سے مراد ہے ہر ممکن چیز پر قدرت کاملہ

یا اس سے مراد ہے کہ غیب کی کنجیاں بغیر تعلیم الٰہی کوئی نہیں جانتا۔ تفسیر عرائس البیان میں ہے۔

قَالَ الْحَرِيْرِىُّ لَا يَعْلَمُهَا اِلَّا هُوَ وَمَنْ يُّطْلِعُهٗ عَلَيْهَا مِنْ خَلِيْلٍ وَحَبِيْبٍ اَىْ لَا يَعْلَمُهَا الْاَوَّلُوْنَ وَالْاٰخِرُوْنَ قَبْلَ اِظْهَارِهٖ تَعَالٰى ذٰلِكَ لَهُمْ۔	حریری نے فرمایا کہ ان کنجیوں کو سوائے اللہ تعالےٰ کے اور سوائے ان محبوبوں کے جن کو اللہ خبردار کرے کوئی نہیں جانتا یعنی ان کو اگلے پچھلے اللہ کے ظاہر فرمانے سے پہلے نہیں جانتے۔
تفسیر عنایت القاضی میں ہے آیت وَجْهُ اخْتِصَاصِهَا	ان غیب کی کنجیوں کے خدا تعالےٰ کے ساتھ خاص ہونیکی وجہ

بِهٖ تَعَالٰی اَنَّهٗ لَا یَعْلَمُهَا کَمَا هِیَ اِبْتِدَاءً اِلَّا هُوَ	یہ ہے کہ جیسی وہ ہیں اسطرح ابتداءً خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا

اس آیت کے اگر وہ مطلب نہ بیان کئے جاویں جو ہم نے بتائے تو یہ مخالفین کے بھی خلاف ہے کیونکہ بعض علم غیب وہ بھی مانتے ہیں۔ اور اس میں علم غیب کی بالکل نفی ہے۔

نکتہ۔ بعض صاحبوں نے مجھ سے فرمایا کہ اعلیحضرت قدس سرہٗ نے اس جگہ ایک نکتہ لکھا ہے۔ وہ یہ کہ اس آیت میں ہے۔ عِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ۔ دوسری میں ہے لَهٗ مَقَالِیْدُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ۔ مفاتح اور مقالید دونوں کے معنے ہیں کنجیاں اور اگر مفاتح کا اول و آخر حرف یعنی م۔ ح لو۔ اور مقالید کا اول و آخر حرف یعنی م، د لو۔ تو بنتا ہے مُحَمَّدٌ (صلی اللہ علیہ وسلم) جس سے سمجھ میں آتا ہے کہ ذات رسول اللہ ہی ظہور عالم کی کنجی ہے لَا یَعْلَمُهَا اِلَّا هُوَ میں اس طرف اشارہ ہے کہ حضور علیہ السلام جیسے ہیں ویسا کوئی نہیں جانتا۔ حقیقت محمدیہ کو رب ہی جانے مَفَاتِح جمع اس لیئے بولا کہ آپ کی سرا را رحمت الٰہی کی کنجی ہے آپ کا نور عالم کی کنجی کُلُّ الْخَلْقِ مِنْ نُوْرِیْ قیامت میں آپ کا سجدہ شفاعت کی کنجی ہے جنت میں آپ کا نام ہر نعمت کی کنجی اور جنت میں آپ کا جانا سب کے لیئے جنت کے کھلنے کی کنجی ہے۔ دیکھو ہماری کتاب شان حبیب الرحمٰن۔

نکتہ:۔ اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں اب یہ سوال ہے کہ اس کنجی سے کسی کے لیئے دروازہ غیب کھولا بھی گیا یا نہیں؟ یا کسی کو کوئی کنجی دی گئی یا نہیں؟ اس کا جواب قرآن و حدیث سے پوچھو قرآن فرماتا ہے۔ اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِیْنًا ہم نے آپ کے لیئے ظاہر طور پر کھول دیا۔ کیا کھول دیا؟ اس کی نفیس توجیہیں ہماری کتاب شان حبیب الرحمٰن من آیات القرآن میں دیکھو۔ قفل اور کنجی میں وہ ہی چیز رکھی جاتی ہے جو کھول کر نکالنی ہو اور جسے نکالنا نہ ہو وہ زمین میں دفن کر دی جاتی ہے۔ پتہ لگا کہ غیب کسی کو دینا تھا اس لیئے کنجی بھی بھیجی۔

حدیث میں ہے۔ اُوْتِیْتُ مَفَاتِیْحَ خَزَائِنِ الْاَرْضِ مجھ کو زمین کے خزانوں کی کنجیاں دے دی گئیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو کنجی دی بھی گئی آپ کے لیئے فتح باب بھی ہوا۔

(۴) قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰهُ۔	تم فرماؤ خود غیب نہیں جانتے وہ جو آسمانوں اور زمین میں ہیں مگر اللہ۔

اس آیت کے بھی مفسرین نے دو مطلب بیان فرمائے غیب ذاتی کوئی نہیں جانتا۔ کل غیب کوئی نہیں جانتا۔

تفسیر المتوج جلیل میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

مَعْنَاہُ لَا یَعْلَمُ الْغَیْبَ بِلَا دَلِیْلٍ اِلَّا اللّٰہُ اَوْ بِلَا تَعْلِیْمٍ اَوْ جَمِیْعَ الْغَیْبِ۔

اس آیت کے معنے یہ ہیں کہ بغیر دلیل یا بغیر بتائے یا سارے غیب خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

تفسیر مدارک یہی آیت وَالْغَیْبُ مَا لَمْ یَقُمْ عَلَیْہِ دَلِیْلٌ وَّلَا اُطْلِعَ عَلَیْہِ مَخْلُوْقٌ

غیب وہ ہے جس پر کوئی دلیل نہ ہو اور کسی مخلوق کو اس پر مطلع نہ کیا گیا ہو۔

مدارک کی اس توجیہ سے معلوم ہوا کہ ان کی اصطلاح میں جو علم عطائی ہو وہ غیب ہی نہیں کہا جاتا غیب صرف ذاتی کو کہتے ہیں۔ اب کوئی اشکال ہی نہیں رہا۔ جن آیات میں غیب کی نفی ہے وہ علم ذاتی کی ہے، اس آیت کے کچھ آگے ہے۔ مَا مِنْ غَائِبٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَاءِ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ جس سے معلوم ہوا کہ ہر غیب لوح محفوظ یا قرآن میں محفوظ ہے۔

فتاویٰ امام نووی مَا مَعْنٰی قَوْلِ اللّٰہِ لَا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَاَشْبَاہِ ذٰلِکَ مَعَ اَنَّہٗ قَدْ عَلِمَ مَا فِیْ غَدٍ وَالْجَوَابُ مَعْنَاہُ لَا یَعْلَمُ ذٰلِکَ اِسْتِقْلَالًا وَاَمَّا الْمُعْجِزَاتُ وَالْکَرَامَاتُ فَحَصَلَتْ بِاِعْلَامِ اللّٰہِ لَا اِسْتِقْلَالًا۔

آیت لَا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وغیرہ کے کیا معنیٰ ہیں۔ حالانکہ حضور علیہ السلام آئندہ کی باتیں جانتے ہیں جواب اس کے معنے یہ ہیں کہ غیب کو مستقل طور پر ذاتی کوئی نہیں جانتا لیکن معجزات اور کرامات پس یہ رب کے بتانے سے حاصل ہوئے نہ کہ بالاستقلال۔

امام ابن حجر کی فتاویٰ حدیثیہ میں فرماتے ہیں۔

مَا ذَکَرْنَاہُ فِی الْاٰیَۃِ صَرَّحَ بِہِ النَّوَوِیُّ فِیْ فَتَاوَاہُ فَقَالَ لَا یَعْلَمُ ذٰلِکَ اِسْتِقْلَالًا وَعِلْمَ اِحَاطَۃٍ بِکُلِّ الْمَعْلُوْمَاتِ۔

ہم نے اس آیت کے بارے میں جو کچھ کہا اسکی امام نووی نے اپنے فتاویٰ میں تصریح کی ہے انہوں نے کہا کہ غیب مستقل طور پر سارے معلومات الٰہیہ کو کوئی نہیں جانتا

شرح شفاء خفاجی میں ہے ھٰذَا لَا یُنَافِیْ الْاٰیَاتِ الدَّالَّۃِ عَلٰی اَنَّہٗ لَا یَعْلَمُ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہُ فَاِنَّ النَّفْیَ عِلْمًا مِّنْ غَیْرِ وَاسِطَۃٍ اَمَّا اِطِّلَاعُہٗ عَلَیْہِ بِاِعْلَامِ اللّٰہِ فَاَمْرٌ مُّتَحَقِّقٌ۔

یہ کلام ان آیات کے خلاف نہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ غیب خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا کیونکہ نفی بے واسطہ علم کی ہے لیکن اللہ کی تعلیم سے جاننا یہ ثابت ہے۔

اگر اس آیت کے یہ مطلب نہ مانے جاویں تو مخالفین کے بھی خلاف ہے کیونکہ وہ بھی بعض غیبوں کا علم

حضور علیہ السلام کو مانتے ہیں۔ اور اس میں بالکل کی نفی ہے۔ نیز انہوں نے شیطان وملک الموت کو علم غیب مانا ہے دیکھو براہین قاطعہ صفحہ ۵۰۔ پھر اس آیت کا کیا مطلب بتائیں گے قرآن کریم میں ہے اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ حکم خدا کے سوا کسی کا نہیں لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ خدا کی ہی وہ تمام چیزیں ہیں جو آسمان وزمین میں ہیں۔ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا اللہ کافی گواہ ہے۔ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا اللہ کافی وکیل ہے۔ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا اللہ کافی حساب لینے والا ہے۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ حکومت، ملکیت، گواہی، وکالت، حساب لینا سب اللہ تعالےٰ کے ساتھ خاص ہے۔ اب بادشاہ اسلام کو حاکم، ہر شخص کو اپنی چیزوں کا مالک، مشرکین کو وکیل محاسب اور عام لوگوں کو مقدمات کا گواہ مانا جاتا ہے۔ یہ کیوں؟ صرف اس لئے کہ ان آیات میں حکومت ملکیت وغیرہ سے حقیقی اور ذاتی مراد ہے اور دوسروں کے لیئے یہ اوصاف بہ عطائے الٰہی مانے گئے اسی طرح آیات غیب میں بھی توجیہ کرنا لازم ہے کہ حقیقی کی غیر سے نفی ہے اور عطائی کا ثبوت۔

(۵) وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ ۝	اور ہم نے ان کو شعر کہنا نہ سکھایا اور نہ وہ انکی شان کے لائق ہے وہ تو نہیں مگر نصیحت اور روشن قرآن۔

مفسرین نے اس آیت کے تین مطلب بتائے ہیں اولاً یہ کہ علم کے چند معنیٰ ہیں۔ جاننا بلکہ دمشق وتجربہ وغیرہ) اس جگہ علم کے دوسرے معنیٰ مراد ہیں یعنی ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو شعر گوئی کا ملکہ نہ دیا نہ یہ کہ ان کو اچھا برا صحیح غلط شعر پہچاننے کا شعور نہ دیا۔ دوسرے یہ کہ شعر کے دو معنیٰ ہیں ایک تو وزن وقافیہ والا کلام (غزل) دوسرے جھوٹی اور وہمی وخیالی باتیں چاہے نظم ہوں یا نثر اس آیت میں یہ دوسرے معنیٰ ہی مراد ہیں یعنی ہم نے ان کو جھوٹی اور وہمی باتیں نہ سکھائیں وہ جو کچھ فرماتے ہیں حق ہے۔ تیسرے یہ کہ شعر سے مراد اس جگہ اجمالی کلام ہے یعنی ہم نے ان کو ہر چیز کی تفصیل بتائی ہے نہ کہ معمے اور اجمالی باتیں وَتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ علم معنیٰ ملکہ قرآن کریم فرماتا ہے۔ وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ اور ہم نے ان کو تمہارا ایک پہناوا بنانا سکھایا۔

دیلمی نے حضرت جابر سے روایت کیا۔ عَلِّمُوْا اَبْنَاءَكُمُ الرَّمْيَ یعنی اپنی اولاد کو تیر اندازی سکھاؤ۔ روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

وَالْاَصَحُّ اَنَّهٗ كَانَ لَا يُحْسِنُهٗ وَلٰكِنْ كَانَ	زیادہ صحیح یہ ہے کہ آپ شعر بخوبی پڑھتے نہ تھے۔

يُمَيِّزُ جَيِّدَ الشِّعْرِ وَرَدِيَّهٗ | لیکن اچھے اور ردی شعر میں فرق فرمالیتے تھے۔

روح البیان یہ ہی آیت اِنَّ الْمُحَرَّمَ عَلَيْهِ اِنَّمَا هُوَ اِنْشَاءُ الشِّعْرِ آپ کے لیئے شعر بنانا منع تھا۔ شعر کے معنے ہیں جھوٹا کلام کفار مکہ کہا کرتے تھے کہ قرآن کریم شعر ہے اور حضور علیہ السلام شاعر ہیں۔ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ اس شعر سے ان کی مراد تھی جھوٹا کلام تو ان کے اس مکواس کی تردید اسی آیت نے کر دی کیونکہ فرمایا گیا ہے۔ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ وہ تو نہیں مگر نصیحت اور روشن قرآن یہاں اگر شعر سے مراد منظوم کلام ہو تو اس عبارت سے آیت کا کیا تعلق ہوگا۔

مدارک یہ ہی آیت اَیْ مَا عَلَّمْنَا النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَوْلَ الشِّعْرِ اَوْ مَا عَلَّمْنَاهُ بِتَعْلِيْمِ الْقُرْاٰنِ الشِّعْرَ عَلٰى مَعْنٰى اَنَّ الْقُرْاٰنَ لَيْسَ بِشِعْرٍ

یعنی ہم نے نبی علیہ السلام کو شعر کہنا نہ سکھایا یا ہم نے ان کو قرآن کی تعلیم سے شعر نہ سکھایا۔ مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم شعر نہیں۔

خازن یہ ہی آیت وَلَمَّا نَفٰى اَنْ يَّكُوْنَ الْقُرْاٰنُ مِنْ جِنْسِ الشِّعْرِ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ۔

جبکہ اس کی تردید فرمادی کہ قرآن کریم شعر کی جنس سے ہو تو رب تعالیٰ نے فرمادیا کہ نہیں ہے وہ مگر نصیحت اور روشن قرآن۔

خازن قِيْلَ اِنَّ كُفَّارَ قُرَيْشٍ قَالُوْا اِنَّ مُحَمَّدًا شَاعِرٌ وَمَا يَقُوْلُهٗ شِعْرٌ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَكْذِيْبًا لَّهُمْ وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ۔

کہا گیا ہے کہ کفار قریش نے کہا تھا کہ حضور علیہ السلام شاعر ہیں اور جو کچھ وہ کہتے ہیں (قرآن) وہ شعر ہے اس کی تکذیب کیلئے رب تعالیٰ نے یہ آیت اتاری۔

تنبیہ اس جگہ مخالفین یہ سوال کرتے ہیں کہ روایات میں آیا ہے کہ نبی علیہ السلام کی زبان پاک شعر کے موافق نہ تھی یعنی آپ کوئی شعر پڑھتے تھے تو وزن بگڑ جاتا۔ دیکھو اسی خازن میں ہے۔

اَیْ مَا يَتَسَهَّلُ لَهٗ ذٰلِكَ وَمَا يَصْلُحُ مِنْهُ بِحَيْثُ لَوْ اَرَادَ نَظْمَ شِعْرٍ لَمْ يَتَاَتَّ لِذٰلِكَ۔

یعنی آپ کو شعر پڑھنا آسان نہ تھا اور آپ سے درست ادا ہوتا تھا اگر کسی شعر کو نظم فرمانیکا ارادہ فرماتے تو نہ ہو سکتا تھا

مدارک اَیْ جَعَلْنَاهُ بِحَيْثُ لَوْ اَرَادَ قِرَاءَةَ شِعْرٍ لَمْ يَتَسَهَّلْ۔

یعنی ہم نے آپ کو اس طرح کیا ہے کہ اگر آپ شعر پڑھنے کا ارادہ فرمادیں تو آسان نہ ہو۔

تفسیر کبیر وَمَا يَتَسَهَّلُ لَهٗ حَتّٰى اَنَّهٗ اِنْ تَمَثَّلَ لَهٗ بَيْتُ شِعْرٍ سُمِعَ مِنْهُ مُزَاحَفًا۔

آپ کو شعر آسان نہیں یہاں تک کہ اگر کسی کو ادا فرمانے کا ارادہ فرمادیں تو آپ سے ٹوٹا ہوا سنا جاتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ شعر کا علم اور ہے شعر کا پڑھنا اور بڑے بڑے شعراء اور علماء گا کر پڑھ نہیں سکتے بہت سے نعت خواں اور قوال علم شعر نہیں رکھتے۔ مگر شعر پڑھنے پر پورے قادر ہوتے ہیں۔ آپ روٹی پکانا جانتے نہیں مگر اچھی بری، موٹی باریک خوب جان لیتے ہیں۔

آپ کی ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو شعر پڑھنے کا ملکہ اور مشق نہ تھی۔ نہ کہ شعر کی پہچان نہ تھی۔ یہ ہی ہم نے کہا تھا۔ حضور علیہ السلام کو بعض شعر پسند تھے اور بعض ناپسند۔ روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

كَانَ اَحَبَّ الْحَدِيْثِ عَلَيْهِ السَّلَامُ الشِّعْرُ وَاَيْضًا كَانَ اَبْغَضُ الْحَدِيْثِ اِلَيْهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ الشِّعْرُ۔	حضور علیہ السلام کو شعر بہت پسند بھی تھا۔ اور نہایت ناپسند بھی۔

نیز احادیث سے ثابت ہے کہ آپ نے بعض شعراء کے شعر پڑھے ہیں اور ان کی تعریف فرمائی ہے۔ جیسے کہ اَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللّٰهَ بَاطِلٌ اگر اچھے برے شعر کی پہچان نہیں تو یہ تعریف فرمانا کیسا۔ شعر سے مراد اجمالی یعنی غیر مفصل کلام اور معمے ہیں۔ روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

قَالَ الشَّيْخُ الْاَكْبَرُ اِعْلَمْ اَنَّ الشِّعْرَ مَحَلٌّ لِلْاِجْمَالِ وَاللُّغْزِ وَالتَّوْرِيَةِ اَىْ مَا رَمَزْنَا مُحَمَّدًا عَلَيْهِ السَّلَامُ شَيْئًا وَلَا اَلْغَزْنَا وَلَا خَاطَبْنَاهُ بِشَيْءٍ وَنَحْنُ نُرِيْدُ شَيْئًا وَلَا اَجْمَلْنَا لَهُ الْخِطَابَ حَيْثُ لَمْ يَفْهَمْ۔	جاننا چاہیئے کہ شعر اجمالی اور پہیلے اور اشاروں کا مقام ہے یعنی ہم نے حضور علیہ السلام کے لئے کسی چیز کے اشارے نہ کئے اور نہ یہ کیا کہ ہم ارادہ کچھ فرمائیں اور خطاب کچھ کریں اور ان سے اس طرح اجمالی کلام نہ فرمایا کہ سمجھ میں نہ آوے۔
(۶) مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ۔	ان نبیوں میں سے کسی کا احوال تم سے بیان فرمایا اور کسی کا احوال نہ بیان فرمایا۔

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین نے چند توجیہیں فرمائی ہیں۔ ایک یہ کہ اس میں تمام انبیاء کے حالات کا علم دینے کی نفی نہیں۔ بلکہ قرآن کریم میں صراحۃً ذکر کی نفی ہے۔ یعنی بعض انبیاء کے واقعات صراحتًا بیان نہ فرمائے۔ دوسرے یہ کہ ذکر تفصیلی کی نفی ہے۔ اور اجمالی ذکر سب کا فرمایا گیا ہے۔ تیسرے یہ کہ وحی ظاہر میں سب کا بیان نہ ہوا۔ وحی خفی میں سب کا ذکر فرمایا گیا۔ تفسیر صاوی میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

اِنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمْ يَخْرُجْ مِنَ	حضور علیہ السلام دنیا سے تشریف نہ لے گئے۔

الدُّنْیَا حَتّٰی عَلِمَ جَمِیْعَ الْاَنْبِیَآءِ تَفْصِیْلًا کَیْفَ لَا وَھُمْ مَخْلُوْقُوْنَ مِنْہُ وَخَلْفَھُمْ لَیْلَۃَ الْاِسْرَاءِ فِیْ بَیْتِ الْمَقْدَسِ وَلٰکِنَّہٗ الْعِلْمُ الْمَکْنُوْنُ وَاِنَّمَا تَرَکَ بَیَانَ قَصَصِھِمْ لِاُمَّتِہٖ رَحْمَۃً بِھِمْ فَلَمْ یُکَلِّفْھُمْ اِلَّا بِمَا کَانُوْا یُطِیْقُوْنَ۔

یہاں تک کہ تمام انبیاء کو تفصیلاً جان لیا۔ کیونکر نہ جانیں وہ سب پیغمبر آپ ہی سے پیدا ہوئے اور شب معراج بیت المقدس میں آپ کے مقتدی بنے لیکن یہ علم مکنون ہے اور ان پیغمبروں کے قصے چھوڑ دیئے امت کے لیے ان پر رحمت فرماتے ہوئے پس انکو طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے۔

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد اول صفحہ ۵۰ میں ہے۔

ھٰذَا لَا یُنَافِیْ قَوْلَہٗ تَعَالٰی مِنْھُمْ مَنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَیْکَ لِاَنَّ الْمَنْفِیَّ ھُوَ التَّفْصِیْلُ وَالثَّابِتُ ھُوَ الْاِجْمَالُ اَوِ النَّفْیُ مُقَیَّدٌ بِالْوَحْیِ الْجَلِیِّ وَالثُّبُوْتُ مُتَحَقِّقٌ بِالْوَحْیِ الْخَفِیِّ۔

یہ کلام اس آیت کے خلاف نہیں کہ مِنْھُمْ مَنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَیْکَ کیونکہ نفی تو علم تفصیلی کی ہے اور ثبوت علم اجمالی کا ہے یا نفی وحی ظاہر (قرآن) کی ہے اور ثبوت وحی خفی (حدیث) کا ہے۔

قرآن فرماتا ہے کُلًّا نَّقُصُّ عَلَیْکَ مِنْ اَنْبَاءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِہٖ فُؤَادَکَ

اور سب کچھ ہم تم کو رسولوں کی خبریں سناتے ہیں۔ جس سے تمہارا دل ٹھہرائیں۔

(۷) یَوْمَ یَجْمَعُ اللّٰہُ الرُّسُلَ فَیَقُوْلُ مَاذَا اُجِبْتُمْ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا اِنَّکَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ۔

جس دن اللہ جمع فرمائیگا رسولوں کو۔ پھر فرمائیگا کہ تم کو کیا جواب ملا۔ عرض کرینگے ہمیں کچھ علم نہیں بے شک تو ہی غیبوں کا خوب جاننے والا ہے۔

مفسرین نے اس آیت کریمہ کی دو توجیہیں فرمائی ہیں اولاً یہ کہ خدایا تیرے علم کے مقابلہ میں ہم کو علم نہیں۔ دوسرے یہ کہ ادباً یہ عرض کیا گیا۔ تیسرے یہ کہ قیامت میں جس وقت نفی نفسی فرمانے کا وقت ہوگا اس وقت انبیائے کرام یہ فرمائیں گے۔ بعد میں پھر عرض کریں گے کہ ہم نے اپنی قوم کو تبلیغ احکام کی مگر انہوں نے نہ مانا۔ وہ کفار کہیں گے کہ ہم کو احکام نہ پہنچے۔ جب پر امت مصطفےٰ علیہ السلام انبیائے کرام کی گواہی دے گی۔ تفسیر خازن میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

فَعَلٰی ھٰذَا الْقَوْلِ اِنَّمَا نَفَوا الْعِلْمَ عَنْ اَنْفُسِھِمْ وَاِنْ کَانُوْا عُلَمَآءَ لِاَنَّ عِلْمَھُمْ

پس اس قول کی بناء پر پیغمبروں نے اپنی ذات سے علم کی نفی کی اگرچہ وہ جانتے تھے کیونکہ علم اللہ کے

صار كلا علم عند علم الله
مدارک قالوا ذلک تادبا ای علمنا ساقط مع علمک فکانه لا علم لنا
تفسیر کبیر یہ ہی آیت ان الرسل علیهم السلام لما علموا ان الله عالم لا یجهل حلیم لا یسفه عادل لا یظلم علموا ان قولهم لا یفید خیرا ولا یدفع شرا فالادب فی السکوت وتفویض الامر الی الله وعدله فقالوا لا علم لنا۔
بیضاوی یہ ہی آیت وقیل المعنی لا علم لنا الی جنب علمک۔
روح البیان یہ ہی آیت ان هذا الجواب یکون فی بعض مواطن القیامة وترجع عقولهم الیهم فیشهدون علی قومهم انهم بلغوا الرسالة وان قومهم کیف ردوا علیهم

علم کے سامنے مثل نہ ہونے کے ہو گیا۔
ان انبیاء نے یہ عرض کیا ادبا یعنی ہمارا علم تیرے علم کے ساتھ ساقط ہے پس گویا ہم کو علم ہی نہیں (از خازن) انبیائے کرام نے جب جان لیا کہ اللہ عالم ہے بے علم نہیں۔ حلیم ہے سفیہ نہیں۔ انصاف والا ہے ظالم نہیں تو وہ سمجھ گئے کہ ان کی بات نہ تو بھلائی کا فائدہ دیگی اور نہ مصیبت کو دفع کریگی۔ پس ادب خاموشی میں ہے اور معاملہ کو اللہ کے عدل کیطرف سپرد کر دینے میں ہے لہٰذا انہوں نے عرض کر دیا کہ ہم کو علم نہیں
کہا گیا ہے کہ آیت کے معنی یہ ہیں کہ ہم کو تیرے علم کے مقابل علم نہیں۔
یہ جواب قیامت کے بعض موقعوں میں ہوگا۔ اور اس کے بعد حواس قائم ہوں گے تو اپنی قوم پر گواہی دیں گے کہ ہم نے رسالت کی تبلیغ فرمادی اور ہماری قوم نے کیا جواب دیا (ملخصًا)

(۸) وما ادری ما یفعل بی ولا بکم۔ اور میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا کیا جاویگا اور تمہارے ساتھ کیا۔

اس سے مخالفین دلیل پکڑتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کو نہ تو اپنی خبر تھی۔ نہ کسی اور کی کہ قیامت میں ہم سے کیا معاملہ کیا جاوے گا۔ لیکن اس کی تفسیر میں مفسرین کے دو قول ہیں۔ اولاً یہ کہ اس آیت میں درایت کی نفی ہے۔ نہ کہ علم کی۔ درایت اٹکل اور قیاس سے جاننے کو کہتے ہیں۔ یعنی میں بغیر وحی اپنے قیاس سے یہ امور نہیں جانتا۔ وحی سے جانتا ہوں۔ دوسرے یہ کہ یہ آیت حضور علیہ السلام کو یہ باتیں بتانے سے پہلے کی ہے۔ لہٰذا یہ منسوخ ہے۔

تفسیر صاوی میں ہے یہ ہی آیت ماخرج علیه السلام من الدنیا حتی علمه الله

کہ ان سے اور مومنین سے اور کافروں سے دنیا اور آخرت میں کیا کیا جاویگا۔

فِی الْقُرْاٰنِ مَا یُفْعَلُ بِہٖ وَبِالْمُؤْمِنِیْنَ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ اِجْمَالاً وَّتَفْصِیْلاً ۔	کہ قرآن سے اور مومنین سے اور کافروں سے دنیا اور آخرت میں کیا کیا جاوے گا ۔

ملا عبدالرحمان ابن محمد دمشقی رسالہ ناسخ ومنسوخ میں فرماتے ہیں ۔ وَمَا اَدْرِیْ مَا یُفْعَلُ بِیْ وَلَا بِکُمْ نُسِخَ بِقَوْلِہٖ اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ آیت مَا اَدْرِیْ منسوخ ہے اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ سے ۔

تفسیر خازن میں اسی آیت کے ماتحت ہے لَمَّا نَزَلَتْ ھٰذِہِ الْاٰیَۃُ فَرِحَ الْمُشْرِکُوْنَ فَقَالُوْا وَاللَّاتِ وَالْعُزّٰی مَا اَمْرُنَا وَاَمْرُ مُحَمَّدٍ اِلَّا وَاحِدٌ وَمَا لَہٗ عَلَیْنَا مِنْ مَّزِیَّۃٍ وَفَضْلٍ وَلَوْلَا اَنَّہٗ مَا ابْتَدَعَ مَا یَقُوْلُہٗ لَاَخْبَرَہُ الَّذِیْ بَعَثَہٗ بِمَا یُفْعَلُ بِہٖ فَاَنْزَلَ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ لِیَغْفِرَ لَکَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ (اَلْاٰیَۃ) فَقَالَتِ الصَّحَابَۃُ ھَنِیْئًا لَکَ یَا نَبِیَّ اللّٰہِ قَدْ عَلِمْتَ مَا یُفْعَلُ بِکَ فَمَا ذَا یُفْعَلُ بِنَا فَاَنْزَلَ اللّٰہُ لِیُدْخِلَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنّٰتٍ (الْاٰیَۃ) وَاَنْزَلَ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ بِاَنَّ لَھُمْ مِّنَ اللّٰہِ فَضْلًا کَبِیْرًا وَھٰذَا قَوْلُ اَنَسٍ وَّقَتَادَۃَ وَعِکْرِمَۃَ قَالُوْا اِنَّمَا ھٰذَا قَبْلَ اَنْ یُّخْبَرَ بِغُفْرَانِ ذَنْبِہٖ وَاِنَّمَا اُخْبِرَ بِغُفْرَانِ ذَنْبِہٖ عَامَ الْحُدَیْبِیَۃِ فَنُسِخَ ذٰلِکَ ۔	جب یہ آیت نازل ہوئی تو مشرک خوش ہوئے اور کہنے لگے کہ لات وعزیٰ کی قسم ہمارا اور حضور علیہ السلام کا تو یکساں حال ہے انکو ہم پر کوئی زیادتی اور بزرگی نہیں اگر وہ قرآن کو اپنی طرف سے گھڑ کر نہ کہتے ہوتے تو ان کو بھیجنے والا انہیں بتا دیتا کہ ان سے کیا معاملہ کریگا۔ تو رب نے یہ آیت اتاری لِیَغْفِرَ لَکَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ پس صحابہ کرام نے عرض کیا کہ یارسول اللہ آپ کو مبارک ہو آپ نے تو جان لیا جو آپ کے ساتھ ہوگا ہم سے کیا معاملہ کیا جاوے گا تو یہ آیت اتری کہ داخل فرمائیگا ۔ اللہ مسلمان مرد اور عورتوں کو جنتوں میں الآیۃ اور یہ آیت اتری کہ مسلمانوں کو خوشخبری دیجئے کہ ان کے لیے اللہ کی طرف سے بڑا فضل ہے یہ حضرت انس اور قتادہ وعکرمہ کا قول ہے ۔ یہ حضرات فرماتے ہیں کہ یہ آیت اس آیت سے پہلے کی ہے جبکہ حضور علیہ السلام کو ان کی مغفرت کی خبر دی گئی مغفرت کی خبر آپکو حدیبیہ کے سال دی گئی تو یہ آیت منسوخ ہوگئی۔

اگر کوئی کہے کہ آیت مَا اَدْرِیْ خبر ہے اور منسوخ نہیں ہوسکتی تو اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ بہت سے علماء نسخ خبر جائز کہتے ہیں ۔ جیسے وَاِنْ تُبْدُوْا (الآیۃ) کو لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا سے منسوخ ہے ایسے ہی لَا اَدْرِیْ کو ابن عباس وانس وابن مالک رضی اللہ تعالےٰ عنہم نے اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ سے منسوخ مانا تفسیر کبیر

در منثور وابو السعود) دوسرے یہ کہ یہاں گویا فرمایا گیا۔ قُلْ لَآاَدْرِیْ اور قل امر ہے۔ نسخ کا تعلق اسی سے ہے۔ تیسرے یہ کہ بعض آیات صورت میں خبر اور معنیٰ میں حکم ہیں جیسے کُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ ۔ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ وغیرہ ان جیسی خبروں کا نسخ جائز ہے چوتھے یہ کہ اعتراض ہم پر نہیں بلکہ ان تفاسیر واحادیث پر ہے جن سے نسخ ثابت ہے۔

اگر اس آیت کے مذکور بالا مطلب نہ بیان کیے جاویں تو صدہا احادیث کی مخالفت ہوگی حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ قیامت کے دن لِوَاءُ الْحَمْدِ ہمارے ہاتھ میں ہوگا آدم و آدمیان ہمارے جھنڈے کے پیچھے ہوں گے۔ شفاعت کبریٰ ہم فرمائیں گے۔ ہمارا حوض ایسا ہوگا۔ اس کے برتن اس طرح کے ہوں گے وغیرہ وغیرہ ابوبکر جنتی ہیں۔ حسن وحسین جوانان جنت کے سردار ہیں۔ فاطمہ زہرا خواتین جنت کی سردار ہیں کسی کو فرمایا کہ تو جہنمی ہے۔ ایک آدمی بہت اچھی طرح جہاد کر رہا ہے صحابہ کرام نے اس کی تعریف کی فرمایا کہ وہ جہنمی ہے۔ آخر کار اس نے خودکشی کی۔ اگر معاذ اللہ حضور علیہ السلام کو اپنی بھی خبر نہ ہو تو اپنی اور دیگر حضرات کی یہ خبریں کس طرح سنا رہے ہیں وہ تو سب کے ایمان کی رجسٹری فرمادیں۔ وہ کامل مومن ہے اس جگہ بہت سی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ مگر اختصاراً اسی پر کفایت کرتا ہوں، خدا درست سمجھ عطا فرماوے۔ آمین۔

(۹) لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ۔ | تم ان کو نہیں جانتے ہم انکو جانتے ہیں۔

اس آیت سے مخالفین دلیل پکڑتے ہیں کہ حضور علیہ السلام دربار میں آنے والے منافقوں کو نہ پہچانتے تھے پھر علم غیب کیسا، مگر مفسرین نے اس آیت کی یہ توجیہ کی ہے کہ اس آیت کے بعد یہ آیت نازل ہوئی۔ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِيْ لَحْنِ الْقَوْلِ اور ضرور تم ان کو بات کے طریقہ سے پہچان لوگے لہذا یہ آیت منسوخ ہے۔ یا یہ توجیہ ہے کہ بغیر ہمارے بتائے انکو نہیں پہچانتے۔ جمل میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

فَاِنْ قُلْتَ كَيْفَ نَفَى عَنْهُ عِلْمَ بِحَالِ الْمُنَافِقِيْنَ وَاَثْبَتَهٗ فِيْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِيْ لَحْنِ الْقَوْلِ فَالْجَوَابُ اَنَّ اٰيَةَ النَّفْىِ نَزَلَتْ قَبْلَ اٰيَةِ الْاِثْبَاتِ۔

اگر تم کہو کہ حضور علیہ السلام کے منافقین کا حال جاننے کی نفی کیوں کی گئی حالانکہ آیت وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِيْ لَحْنِ الْقَوْلِ میں اس کے جاننے کا ثبوت ہے تو اسکا جواب یہ ہے کہ نفی کی آیت ثبوت کی آیت سے پہلے اتری ہے

اسی جمل میں زیر آیت وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِيْ لَحْنِ

اس آیت کے بعد کوئی بھی منافق حضور علیہ السلام

اَلْقَوْلُ الثَّانِيْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَا يَتَكَلَّمُ مُنَافِقٌ عِنْدَ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ اِلَّا عَرَفَهٗ وَيَسْتَدِلُّ مُنَافِقٌ عَلٰى فَسَادِ بَاطِنِهٖ وَنِفَاقِهٖ۔

کی طرف میں کلام نہ کرتا تھا۔ مگر حضور علیہ السلام ان کو پہچان لیتے تھے اور اس کے فساد باطن اور نفاق پر دلیل پکڑتے تھے۔

تفسیر بیضاوی یہ ہی آیت۔

خَفِيَ عَلَيْكَ حَالُهُمْ مَعَ كَمَالِ فِطْنَتِكَ وَصِدْقِ فِرَاسَتِكَ۔

آپ پر ان کا حال باوجود آپ کی کمال سمجھ اور سچی مردم شناسی کے مخفی رہ گیا۔

اس تفسیر سے معلوم ہوا کہ اس آیت میں اندازے سے پتہ لگا لینے کی نفی ہے۔ اگر اس آیت کی یہ توجیہیں نہ کی جاویں تو ان احادیث کی مخالفت ہوگی جن سے ثابت ہے کہ حضور علیہ السلام منافقوں کو پہچانتے تھے۔ مگر پردہ پوشی سے کام لیتے تھے۔

عینی شرح بخاری جلد ۴ صفحہ ۲۲۱ میں ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔

خَطَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَقَالَ اُخْرُجْ يَا فُلَانُ فَاِنَّكَ مُنَافِقٌ فَاَخْرَجَ مِنْهُمْ نَاسًا فَفَضَحَهُمْ۔

حضور علیہ السلام نے جمعہ کے دن خطبہ پڑھا۔ پس فرمایا کہ اے فلاں نکل جا کیونکہ تو منافق ہے۔ ان میں سے بہت سے آدمیوں کو رسوا کرکے نکال دیا۔

شرح شفا ملا علی قاری جلد اول صفحہ ۲۴۱ میں فرماتے ہیں۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ كَانَ الْمُنَافِقُوْنَ مِنَ الرِّجَالِ ثَلٰثَةَ مِائَةٍ وَّمِنَ النِّسَاءِ مِائَةً وَّسَبْعِيْنَ

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ منافقین مرد تین سو تھے اور عورتیں ایک سو ستر۔

ہم اثبات علم غیب میں ایک حدیث پیش کر چکے ہیں۔ جس میں حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ ہم پر ہماری امت پیش کی گئی۔ لہذا ہم نے منافقوں اور کفار اور مومنین کو پہچان لیا۔ اس پر منافقین نے اعتراض کیا اور قرآن کی آیت ان کے جواب کے لیے آئی۔ ان سب دلائل میں مطابقت کرنے کے لیے یہ توجیہ کرنا ضروری ہے۔ نیز یہ کلام اظہار غضب کے لیے ہوتا ہے اگر بچہ کو باپ مارنے لگے اور کوئی باپ سے بچاتے تو وہ کہتا ہے کہ اس خبیث کو تم نہیں جانتے میں جانتا ہوں۔ اس سے علم کی نفی نہیں (۱۰) رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَلَا تُصَلِّ عَلٰى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا حضور علیہ السلام نے عبداللہ ابن ابی منافق کی نماز جنازہ یا تو پڑھ لی یا پڑھنا چاہی فاروق اعظم نے منع کیا۔ مگر ان کی عرض نہ سنی تب یہ

آیت اتری جس میں آپ کو منافقین کی نماز جنازہ سے روکا گیا۔ اگر علم غیب تھا تو منافق کا جنازہ کیوں پڑھا؟

جواب اس منافق کا حضرت عباس پر کچھ احسان تھا اور اس کا فرزند مخلص مومن تھا اور خود اس منافق نے وصیت کی تھی کہ میرا جنازہ حضور پڑھائیں۔ اس وقت تک اس کی ممانعت نہ تھی۔ لہذا دینی مصلحت سے اجازت پر عمل فرمایا۔ تفسیر کبیر و روح البیان نے فرمایا کہ اس کی وصیت علامت توبہ تھی اور شریعت کا حکم ظاہر پر ہے۔ جس پر حضور نے عمل فرمایا۔ رب کو منظور نہ تھا کہ حبیب کا دشمن ظاہری عزت بھی پاوے۔ لہذا قرآن کریم نے حضرت فاروق کی تائید فرما دی غرضکہ اس مسئلہ کو علم غیب سے کوئی تعلق نہیں۔ اس کا منافق ہونا ظاہر تھا۔ مگر اس نماز میں بہت سی مصلحتیں تھیں۔ کریم کا کرم غیر اختیاری ہوتا ہے۔ اور پھر کیسے ہو سکتا ہے کہ فاروق اعظم کو پتہ لگ جائے مگر حضور کو پتہ نہ لگے۔

(۱۱) وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَا اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا

اور تم سے روح کو پوچھتے ہیں۔ تم فرماؤ کہ روح میرے رب کے حکم سے ایک چیز ہے اور تم کو علم نہ ملا مگر تھوڑا۔

مخالفین اس آیت سے دلیل لاتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کو روح کا علم نہ تھا کہ روح کیا چیز ہے۔ لہذا آپ کو علم غیب کلی نہ ہوا اس میں تین امور قابل غور ہیں۔ اولاً یہ کہ اس آیت میں یہ کہاں ہے کہ ہم نے حضور علیہ السلام کو یہ علم نہیں دیا۔ یا حضور علیہ السلام نے کہاں فرمایا کہ مجھے روح کا علم نہیں ملا۔ لہذا اس آیت کو نفی علم روح کی دلیل بنانا محض غلط ہے۔ اس میں تو پوچھنے والے کافروں سے فرمایا گیا کہ تم کو علم بہت تھوڑا سا دیا گیا ہے تم کو روح کی حقیقت کا علم نہیں دوسرے یہ کہ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ کے معنی حضرت قبلہ عالم شیخ مہر علی شاہ صاحب فاضل گولڑوی علیہ الرحمۃ نے سیف چشتیائی میں حضرت محی الدین ابن عربی سے یہ نقل فرمایا کہ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ فرماؤ کہ روح امر رب سے ہے۔ یعنی عالم بہت سے ہیں عالم عناصر، عالم ارواح، عالم امر، عالم امکان وغیرہ تو روح عالم امر کی چیز ہے اور تم لوگ عالم عناصر کے تم اس کی حقیقت کو نہیں جان سکتے کیونکہ اسے کافرو تم کو تھوڑا علم دیا گیا ہے۔ روح البیان میں زیر آیت۔ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ہے۔

لِاَنَّهٗ تَجَاوَزَ فِيْ تِلْكَ اللَّيْلَةِ عَنْ عَالَمِ الْعَنَاصِرِ ثُمَّ عَنْ عَالَمِ الطَّبِيْعَةِ ثُمَّ عَنْ عَالَمِ الْاَرْوَاحِ

حضور علیہ السلام معراج کی رات عالم عناصر سے آگے بڑھے پھر عالم طبیعت سے پھر عالم ارواح سے یہاں،

حَتّٰی وَصَلَ اِلٰی عَالَمِ الْاَمْرِ وَعَیْنُ الرَّاسِ مِنْ عَالَمِ الْاَجْسَامِ فَانْسَلَخَ عَنِ الْکُلِّ وَرَاٰی رَبَّهٗ بِالْکُلِّ۔	تک کہ عالم امر تک پہنچے اور سر کی آنکھ عالم اجسام سے ہے پس آپ ان تمام چیزوں سے علیحدہ ہو گئے اور رب تعالیٰ کو کل ذات سے دیکھا۔

اس سے معلوم ہوا کہ شب معراج میں حضور علیہ السلام نے عالم امر کی سیر ہی نہیں فرمائی۔ بلکہ خود بھی عالم امر میں سے بن گئے۔ اور اپنے رب کو دیکھا۔ اور اسی عالم امر کی روح بھی ہے۔ پھر آپ پر روح کیونکر مخفی رہ سکتی ہے۔ جس طرح ہم حضور کو مانتے پہچانتے ہیں عیسےٰ علیہ السلام آدھے بشر اور آدھے روح تھے کیونکہ حضرت مریم تو بشر تھیں اور حضرت جبریل روح فَاَرْسَلْنَا اِلَیْهَا رُوْحَنَا ہم نے حضرت مریم کے پاس اپنی روح یعنی جبریل کو بھیجا۔ اور آپ کی پیدائش حضرت جبریل کی پھونک سے ہوئی۔ اس لئے دونوں امور آپ میں موجود ہیں۔ فتوحات کلیہ باب ۵۰۷ میں شیخ اکبر فرماتے ہیں۔

فَکَانَ نِصْفُهٗ بَشَرًا وَنِصْفُهُ الْاٰخَرُ رُوْحًا مُطَهَّرًا مَلَکًا لِاَنَّ جِبْرِیْلَ وَهَبَهٗ لِمَرْیَمَ	حضرت مسیح نصف بشر اور نصف دوم پاک روح ہیں کیونکہ جبریل نے حضرت مریم کو انہیں بخشا۔

اور ان کی پیدائش بھی حضور علیہ السلام کے نور سے ہے۔ تو گویا حضور علیہ السلام از سر تا پا روح ہیں روح البیان نے اسی آیت وَاِذْ قُلْ کے ماتحت لکھا۔

اَلْحَقِیْقَةُ الْمُحَمَّدِیَّةُ هِیَ حَقِیْقَةُ الْحَقَائِقِ وَهُوَ الْمَوْجُوْدُ الْعَامُّ الشَّامِلُ۔	حقیقت محمدیہ تمام حقیقتوں کی حقیقت ہے اور وہ ہی وجود عام ہے۔

لہٰذا آیت کے معنی یہ ہوئے کہ روح وہ جو امر یعنی کن سے بلا واسطہ پیدا ہو۔ اور وہ تو حقیقت محمدیہ ہے۔ کہ بلا واسطہ ان کی پیدائش ہے اور سب کی پیدائش ان کے نور سے ہے مطلب یہ ہوا کہ عالم کی روح حقیقی ہیں ہوں۔ تفسیر کبیر نے اس جگہ فرمایا کہ یہاں روح سے قرآن یا جبریل مراد ہیں۔ کفار نے سوال کیا تھا کہ قرآن کیا ہے شعر ہے یا کہانت؟ جبریل کون ہیں؟ اور کیسے آتے ہیں۔ تو جواب دیا گیا کہ قرآن امر الٰہی ہے نہ شعر ہے نہ جادو۔ جبریل امر الٰہی سے آتے ہیں وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّکَ اسی کبیر میں ہے۔

فَاِذَا کَانَ مَعْرِفَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی مُمْکِنَةً بَلْ حَاصِلَةً فَاَیُّ مَانِعٍ یَمْنَعُ مِنْ مَعْرِفَةِ الرُّوْحِ	جب حضور علیہ السلام خدا کو پہچانیں تو روح کو کیوں نہ پہچانیں۔

تیسرے یہ کہ مفسرین و محدثین نے تصریح فرمائی ہے کہ حضور علیہ السلام کو روح کا علم تھا۔ تفسیر خازن نے اسی آیت کے ماتحت لکھا۔

قِیْلَ اِنَّ النَّبِیَّ عَلَیْہِ السَّلَامُ عَلِمَ مَعْنَی الرُّوْحِ لٰکِنْ لَّمْ یُخْبِرْ بِہٖ لِاَنَّ تَرْکَ الْاِخْبَارِ کَانَ عَلَمًا لِنُبُوَّتِہٖ وَالْقَوْلُ الْاَصَحُّ اَنَّ اللّٰہَ اِسْتَاْثَرَ بِعِلْمِ الرُّوْحِ۔

کہا گیا ہے کہ نبی علیہ السلام کو حقیقت روح معلوم تھی لیکن اسکی خبر نہ دی کیونکہ یہ خبر نہ دینا آپکی نبوت کی علامت اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ علم روح سے خاص ہے۔

اس عبارت میں علم روح ماننے والوں کو مشرک نہ کہا گیا اور نہ ان کے قول کو غلط بتایا۔

تفسیر روح البیان اسی آیت کی تفسیر میں ہے۔

جَلَّ مَنْصَبُ حَبِیْبِ اللّٰہِ اَنْ یَّکُوْنَ جَاہِلًا بِالرُّوْحِ مَعَ اَنَّہٗ عَالِمٌ بِاللّٰہِ وَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَیْہِ بِقَوْلِہٖ وَعَلَّمَکَ مَالَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ۔

حضور علیہ السلام کی شان اس سے بلند ہے کہ آپ روح سے ناواقف ہوں حالانکہ آپ اللہ سے واقف ہیں رب نے آپ پر احسان جتایا کہ فرمایا جو کچھ آپ نہ جانتے تھے وہ آپ کو بتا دیا۔

تفسیر مدارک یہ ہی آیت وَقِیْلَ کَانَ السُّوَالُ عَنْ خَلْقِ الرُّوْحِ یَعْنِیْ مَخْلُوْقٌ اَمْ لَا لِقَوْلِہٖ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ دَلِیْلُ خَلْقِ الرُّوْحِ فَکَانَ جَوَابًا

کہا گیا ہے کہ سوال روح کی پیدائش کے متعلق تھا کہ روح مخلوق بھی ہے یا نہیں اور رب کا فرمان مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ روح کے مخلوق ہونے کی دلیل ہے لہذا یہ جواب ہو گیا

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ اس آیت میں روح کا علم ہونے نہ ہونے سے بحث ہی نہیں ہو رہی ہے یہاں تو ذکر مخلوقیت روح کا ہے، مدارج النبوت جلد دوم صفحہ ۴۰ وصل ایذارسانی کفار فقراء صحابہ را میں شیخ فرماتے ہیں۔ "چہ گونہ جرأت کند مومن عارف کہ نفی علم بحقیقت روح از سید المرسلین و امام العارفین کند و دادہ است او راحق سبحانہ علم ذات و صفات خود و فتح کردہ برائے او فتح مبین از علوم اولین و آخرین روح انسانی چہ باشد کہ در جنب جامعیت وے قطرہ ایست از دریا و ذرہ ایست از بیدا۔"

مومن عارف یہ ہمت کس طرح کر سکتا ہے کہ حضور علیہ السلام سے حقیقت روح کے علم کی نفی کرے حالانکہ رب نے ان کو اپنی ذات و صفات کا علم دیا ہے اور ان پر علوم اولین و آخرین کھول دیئے حضور علیہ السلام کے علم کے مقابل روح انسانی کی کیا حقیقت ہے وہ تو اس دریا کا ایک قطرہ اور جنگل کا ایک ذرہ ہے۔

احیاء العلوم میں امام غزالی فرماتے ہیں ۔ وَلَا تَظُنَّ اَنَّ ذٰلِكَ لَمْ يَكُنْ مَكْشُوْفًا لِرَسُوْلِ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَاِنَّ مَنْ لَّمْ يَعْرِفْ نَفْسَهٗ فَكَيْفَ يَعْرِفُ اللّٰهَ سُبْحَانَهٗ فَلَا يَبْعُدُ اَنْ يَّكُوْنَ ذٰلِكَ مَكْشُوْفًا لِبَعْضِ الْاَوْلِيَآءِ وَالْعُلَمَآءِ ۔

تم یہ گمان نہ کرنا کہ روح حضور علیہ السلام کو ظاہر نہ تھی ۔ کیونکہ جو اپنے کو نہ پہچانے گا ۔ وہ اللہ کو کس طرح پہچان سکتا ہے یہ بھی بعید نہیں کہ روح بعض اولیاء و علماء کو ظاہر ہو ۔

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو علم روح عطا ہوا بلکہ حضور کے صدقے سے بعض علماء و اولیاء کو بھی ملا ۔ بعض لوگوں نے اس کا انکار بھی کیا ۔ مگر وہ بلا دلیل ہے ۔ نیز جب ثبوت و نفی کے دلائل ہوں تو ثبوت کو اختیار کرنا چاہیئے ۔ جیسا کہ ہم قاعدہ اصول کا بیان کر چکے ہیں ۔

(۲) عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ غزوہ تبوک میں بعض منافقین نے غلط بہانہ کر کے شرکت نہ کی ۔ حضور علیہ السلام کو ان کی حیلہ سازی کا پتہ نہ لگا اور انہیں جہاد میں نہ جانے کی اجازت دے دی اس آیت میں آپ پر عتاب فرمایا گیا کہ کیوں اجازت دی ۔ اگر آپ کو علم غیب ہوتا ۔ تو اصل حال آپ پر ظاہر ہوتا ۔

جواب ۔ نہ اس آیت میں آپ پر عتاب ہے اور نہ حضور ان کے فریب سے بے خبر تھے ۔ بلکہ حضور علیہ السلام نے انکی پردہ پوشی فرماتے ہوئے اجازت دی ۔ رب نے فرمایا کہ اے مجرموں کے پردہ پوش ! آپ نے ان کو رسوا کیوں نہ کیا ؟ عتاب غلطی پر ہوتا ہے یہاں غلطی کون سی ہوئی تھی ؟ عَفَا اللّٰهُ کلمہ دعائیہ ہے نہ کہ عتاب ۔

(۳) يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰهَا فِيْمَ اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰهَا ۔

تم سے قیامت کو پوچھتے ہیں کہ وہ کب کے لیئے ٹھہری ہوئی ہے تم کو اس بیان سے کیا تعلق ؟

اس آیت سے مخالفین دلیل لاتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کو قیامت کا علم نہ تھا کہ کب ہوگی ۔ لہذا آپ کو علم غیب کلی نہ ہوا ۔ جواب صحیح یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو یہ علم بھی عطا فرمایا ۔ مفسرین نے اس آیت کی چند توجیہیں کی ہیں ۔ ایک تو یہ کہ یہ آیت علم قیامت عطا کرنے سے پہلے کی ہے دوم یہ کہ اس سے مقصود سائلین کو جواب دینے سے روکنا ہے نہ کہ آپ کے علم کی نفی ۔ تیسرے یہ کہ اس آیت میں فرمایا گیا ۔ اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰهَا آپ اس قیامت کی نشانیوں میں سے ایک ہیں آپ کو دیکھ کر ہی جان لینا چاہیئے کہ قیامت قریب ہے ۔ چوتھے یہ کہ اس میں فرمایا گیا ہے کہ دنیا میں آپ یہ باتیں بتانے نہیں بھیجے گئے ۔

تفسیر صاوی یہ ہی آیت۔

وَهٰذَا قِيْلَ اِعْلَامِهٖ بِوَقْتِهَا فَلَا يُنَافِيْ اَنَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمْ يَخْرُجْ مِنَ الدُّنْيَا حَتّٰى اَعْلَمَهُ اللّٰهُ بِجَمِيْعِ مُغَيَّبَاتِ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ۔

یہ آیت حضور علیہ السلام کو قیامت کے وقت کی خبر دینے سے پہلے کی ہے لہذا یہ اس قول کے خلاف نہیں کہ حضور علیہ السلام دنیا سے نہ گئے یہاں تک کہ اللہ نے آپ کو دنیا و آخرت کے سارے علوم دے دیئے۔

روح البیان یہ ہی آیت۔

قَدْ ذَهَبَ بَعْضُ الْمَشَايِخِ اِلٰى اَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ يَعْرِفُ وَقْتَ السَّاعَةِ بِاِعْلَامِ اللّٰهِ وَهُوَ لَا يُنَافِي الْحَصْرَ فِي الْاٰيَةِ

بعض مشائخ ادھر گئے ہیں کہ نبی علیہ السلام قیامت کے وقت جانتے تھے اللہ کے بتانے سے اور یہ قول اس آیت کے حصر کے خلاف نہیں۔

روح البیان میں یہ ہی آیت پارہ ۹ زیر آیت يَسْئَلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا میں بھی ہے اور وہاں یہ بھی ہے کہ دنیا کی کل عمر ۷ ہزار سال ہے۔ یہ روایت صحیح ثابت ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو قیامت کا علم ہے۔

تفسیر خازن یہ ہی آیت وَقِيْلَ مَعْنَاهُ فِيْمَا اِنْكَارٌ بِسُؤَالِهِمْ اَيْ فِيْمَا هٰذَا السُّؤَالُ ثُمَّ قَالَ اَنْتَ يَا مُحَمَّدُ مِنْ ذِكْرَاهَا اَيْ مِنْ عَلَامَتِهَا لِاَنَّكَ اٰخِرُ الرُّسُلِ فَكَفَاهُمْ ذٰلِكَ دَلِيْلًا عَلٰى دُنُوِّهَا۔

کہا گیا ہے کہ فِيْمَا کفار کے سوال کا انکار ہے یعنی ان کا سوال کس شمار میں ہے پھر فرمایا کہ آپ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس قیامت کی نشانیوں میں سے ہیں۔ کیونکہ آپ آخری نبی ہیں پس ان کو یہ دلیل کافی ہے قیامت قریب ہونے پر۔

تفسیر مدارک یہ ہی آیت اَوْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمْ يَزَلْ يَذْكُرُ السَّاعَةَ وَيُسْئَلُ عَنْهَا حَتّٰى نَزَلَتْ فَهُوَ تَعَجُّبٌ مِنْ كَثْرَةِ ذِكْرِهَا۔

یا حضور علیہ السلام قیامت کا بہت ہی ذکر فرماتے تھے اور اسکے بارے میں سوال کیے جاتے تھے یہاں تک کہ آیت اتری پس آیت تعجب ہے آپ کے زیادہ ذکر قیامت فرمانے پر۔

اب اس آیت کا مطلب یہ ہوا کہ آپ کس قدر ذکر قیامت فرماتے ہیں۔

مدارک یہ ہی آیت اَوْ فِيْمَا اِنْكَارٌ لِسُؤَالِهِمْ عَنْهَا اَيْ فِيْمَا هٰذَا السُّؤَالُ ثُمَّ قَالَ اَنْتَ

یا فیما کفار کے سوال کا انکار ہے یعنی یہ سوال کس شمار میں ہے پھر فرمایا کہ آپ اس قیامت کی نشانیوں میں

مِنْ ذِكْرٰهَا وَاَنْتَ اٰخِرُ الْاَنْبِيَاءِ عَلَامَةٌ مِنْ عَلَامَاتِهَا فَلَا مَعْنٰی لِسُوَالِهِمْ عَنْهَا۔ | سے ہیں کیونکہ آپ آخری نبی ہیں قیامت کی علامات میں سے ایک علامت ہیں اب انکے قیامت کے پوچھنے کے کوئی معنی ہی نہیں

اب اس آیت کا مطلب یہ ہوا کہ ان کا قیامت کے متعلق پوچھنا لغو ہے آپ خود اس کی علامت ہیں وہ کیوں پوچھتے ہیں۔ مدارک یہ ہی آیت۔

قِيْلَ فِيْمَا اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰهَا مُتَّصِلٌ بِالسُّوَالِ اَیْ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰهَا وَيَقُوْلُوْنَ اَيْنَ اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰهَا ثُمَّ اسْتَانَفَ فَقَالَ اِلٰی رَبِّكَ۔ | اور کہا گیا ہے کہ فیما انت سوال سے ملا ہوا ہے یعنی کفار آپ سے پوچھتے ہیں کہ قیامت کا قیام کب ہوگا؟ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ آپ کو اس کا علم کہاں سے آیا پھر رب تعالےٰ نے اپنی بات شروع کی الی ربک

اب اس آیت کا مطلب یہ ہوا کہ کفار نے پوچھا کہ آپ کو یہ علم کہاں سے ہے۔ رب نے فرمایا کہ اللہ کی طرف سے تو یہ آیت علم قیامت کا ثبوت ہے۔ مدارک یہ ہی آیت۔

اِنَّمَا اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ يَّخْشٰهَا اَیْ لَمْ تُبْعَثْ لِتُعَلِّمَهُمْ بِوَقْتِ السَّاعَةِ اِنَّمَا اَنْتَ الخ۔ | یعنی آپ اس لئے نہیں بھیجے گئے کہ ان کو قیامت کے وقت کی خبر دیں۔

اب آیت کا مطلب یہ ہوا کہ کفار کا یہ کہنا کہ اگر آپ قیامت کی خبر دے دیں تو آپ نبی ہیں ورنہ نہیں محض بیہودہ ہے کیونکہ قیامت کی خبر دینا نبوت کے فرائض میں سے نہیں۔ نبی کے لئے تبلیغ احکام ضروری ہے، مدارج النبوۃ جلد دوم صفحہ ۴۰ وصل ایذا رسانی کفار نقراء صحابہ را میں ہے۔

"وبعضے علماء علم ساعت نیز مثل ایں معنی گفتہ اند" | یعنی بعض علماء نے روح کی طرح حضور کو قیامت کا علم بھی مانا

(۱۴) يَسْئَلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِیٌّ عَنْهَا قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ۔ | تم سے ایسا پوچھتے ہیں گویا تم نے اسکو خوب تحقیق کر رکھا ہے تم فرماؤ کہ اس کا علم تو اللہ ہی کے پاس ہے

مخالفین اس آیت کو پیش کر کے کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کو قیامت کا علم نہیں۔ اس کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ اس آیت میں یہ کہاں ہے کہ آپ کو قیامت کا علم نہیں دیا۔ اس میں تو یہ ہے کہ اس کا علم اللہ ہی کو ہے۔ دینے کی نفی نہیں۔ دوم یہ کہ یہ علم قیامت دینے سے قبل کی آیت ہے۔

تفسیر صاوی یہ ہی آیت وَالَّذِیْ يَجِبُ الْاِيْمَانُ بِهٖ اَنَّ النَّبِیَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمْ يَنْتَقِلْ | جس پر ایمان لانا ضروری ہے یہ ہے کہ نبی علیہ السلام دنیا سے منتقل نہ ہوئے یہاں تک کہ رب نے

مِنَ الدُّنْيَا حَتّٰى اَعْلَمَهُ اللّٰهُ بِجَمِيْعِ الْمُغَيَّبَاتِ الَّتِىْ تَحْصُلُ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ فَهُوَ يَعْلَمُهَا كَمَا هِىَ عَيْنَ يَقِيْنٍ لِمَا وَرَدَ رُفِعَتْ لِىَ الدُّنْيَا فَاَنَا اَنْظُرُ فِيْهَا كَمَا اَنْظُرُ اِلٰى كَفِّىْ هٰذِهٖ وَوَرَدَ اَنَّهٗ اُطْلِعَ اِلَى الْجَنَّةِ وَمَا فِيْهَا وَالنَّارِ وَمَا فِيْهَا وَغَيْرُ ذٰلِكَ مِمَّا تَوَاتَرَتِ الْاَخْبَارُ وَلٰكِنْ اُمِرَ بِكِتْمَانِ بَعْضِهَا

آپ کو تمام وہ غائب چیزیں بتادیں جو دنیا اور آخرت میں آیا کہ ہمارے سامنے دنیا پیش کی گئی۔ پس ہم اس میں اسطرح نظر کر رہے ہیں جیسے اپنے اس ہاتھ میں یہ بھی آیا ہے کہ ہم کو جنت اور وہاں کی نعمتوں اور دوزخ اور وہاں کے عذابوں پر اطلاع دی گئی علاوہ ازیں اور متواتر خبریں ہیں لیکن بعض کے چھپانیکا حکم دیا گیا

تفسیر خازن میں اس آیت میں ہے کہ اس کی اصل عبارت یہ ہے۔ یَسْئَلُوْنَكَ عَنْهَا كَاَنَّكَ حَفِىٌّ یعنی یہ لوگ آپ سے اس طرح پوچھتے ہیں گویا آپ ان پر بڑے مہربان ہیں۔ اور آپ ان کو بتا ہی دیں گے حالانکہ یہ اسرار الٰہی میں سے ہے اغیار سے چھپانا ہے۔ معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو قیامت کا علم ہے۔ مگر اظہار کی اجازت نہیں۔

اعتراض ۱۳ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ۔

لوگ تم سے قیامت کو پوچھتے ہیں تم فرماؤ کہ اس کا علم تو اللہ ہی کے پاس ہے۔

جواب تفسیر صاوی یہ ہی آیت اِنَّمَا وَقَعَتِ السُّؤَالُ وَاِلَّا فَلَمْ يَخْرُجْ نَبِيُّنَا عَلَيْهِ السَّلَامُ حَتّٰى اَطْلَعَهُ اللّٰهُ عَلٰى جَمِيْعِ الْمُغَيَّبَاتِ وَمِنْ جُمْلَتِهَا السَّاعَةُ۔

یعنی اس قیامت پر کوئی مطلع نہیں اور یہ سوال کے وقت تھا ورنہ نبی علیہ السلام تشریف نہ لے گئے یہاں تک کہ آپ کو اللہ نے تمام غیبوں پر مطلع فرمادیا۔ جن میں سے قیامت بھی ہے۔

روح البیان یہ ہی آیت۔

وَلَيْسَ مِنْ شَرْطِ النَّبِىِّ اَنْ يَعْلَمَ الْغَيْبَ بِغَيْرِ تَعْلِيْمٍ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى۔

اور نبی کی شرائط میں سے یہ نہیں ہے کہ اللہ کے بغیر بتائے غیب جانے

اس آیت میں کسی کو علم قیامت دینے کی نفی نہیں لہٰذا اس سے حضور علیہ السلام کے نہ جاننے پر دلیل پکڑنا غلط ہے۔ تفسیر صاوی میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

اَلْمَعْنٰى لَا يُفِيْدُ عِلْمَهٗ غَيْرُهٗ تَعَالٰى فَلَا يُنَافِىْ

معنی یہ ہیں کہ قیامت کا علم خدا کے سوا کوئی نہیں

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمْ يَخْرُجْ مِنَ الدُّنْيَا حَتّٰى اُطْلِعَ عَلٰى مَا كَانَ وَمَا يَكُوْنُ وَمَا هُوَ كَائِنٌ وَمِنْ جُمْلَتِهٖ عِلْمُ السَّاعَةِ ۔	دے سکتا۔ پس یہ آیت اس کے خلاف نہیں کہ نبی علیہ السلام دنیا سے تشریف نہ لے گئے یہاں تک کہ رب تعالیٰ نے ان کو سارے اگلے پچھلے واقعات پر مطلع فرما دیا۔ ان میں سے قیامت کا علم بھی ہے۔

مخالفین علم قیامت کی نفی کی دلیل میں شرح مشکوٰۃ کی وہ روایت پیش کرتے ہیں کہ حضرت جبریل نے حضور علیہ السلام سے عرض کیا اَخْبِرْنِیْ عَنِ السَّاعَةِ مجھے قیامت کے متعلق خبر دیجئے تو فرمایا۔ مَا الْمَسْئُوْلُ عَنْهَا بِاَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ یعنی اس بارے میں ہم سائل سے زیادہ جاننے والے نہیں جس سے معلوم ہوا کہ آپ کو قیامت کا علم نہیں۔

مگر یہ دلیل بھی محض لغو ہے دو وجہ سے ایک یہ کہ اس میں حضور علیہ السلام نے اپنے جاننے کی نفی نہیں کی بلکہ زیادتی علم کی نفی کی۔ ورنہ فرماتے لَا اَعْلَمُ میں نہیں جانتا۔ اتنی دراز عبارت کیوں ارشاد فرمائی؟ اس کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ اے جبریل اس مسئلہ میں میرا اور تمہارا علم برابر ہے کہ مجھ کو بھی خبر ہے اور تم کو بھی اس مجمع میں یہ پوچھ کر راز ظاہر کرانا مناسب نہیں۔ دوسرے یہ کہ جواب سن کر حضرت جبریل نے عرض کیا۔ فَاَخْبِرْ عَنْ اَمَارَاتِهَا تو قیامت کی نشانیاں ہی بتا دیجئے اس پر حضور علیہ السلام نے چند نشانیاں بیان فرمائیں کہ اولاد نافرمان ہوگی اور کمین لوگ عزت پائیں گے وغیرہ وغیرہ جس کو قیامت کا بالکل علم ہی نہ ہو۔ ان سے اس کے نشان پوچھنا کیا معنیٰ؟ نشان اور پتہ تو جاننے والے سے پوچھا جاتا ہے۔

حضور علیہ السلام نے قیامت قائم ہونے کا دن بتایا۔ مشکوٰۃ باب الجمعہ میں ہے۔

لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ اِلَّا فِیْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ ۔	قیامت قائم نہ ہوگی مگر جمعہ کے دن۔

کلمہ کی اور بیچ کی انگلی ملا کر فرمایا۔

بُعِثْتُ اَنَا وَالسَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ	ہم اور قیامت اس طرح ملے ہوئے بھیجے گئے ہیں۔ (مشکوٰۃ باب خطبہ یوم الجمعہ)

یعنی ہمارے زمانہ کے بعد بس قیامت ہی ہے اور اس قدر علامات قیامت ارشاد فرمائیں۔ کہ ایک بات بھی نہ چھوڑی۔ آج میں قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ ابھی قیامت نہیں آسکتی کیونکہ نہ ابھی دجال آیا نہ حضرت

مسیح و مہدی نہ آفتاب مغرب سے نکلا۔ ان علامات نے قیامت کو بالکل ظاہر فرما دیا پھر قیامت کا علم نہ ہونے کے کیا معنے؟ پس زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ سنہ نہ بتایا کہ فلاں سنہ میں قیامت ہوگی۔ لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ پاک میں سنہ مقرر ہی نہ ہوئی تھی۔ سنہ ہجری عہد فاروقی میں مقرر ہوئی کہ ہجرت تو ربیع الاول میں ہوئی مگر سنہ ہجری کا آغاز محرم سے ہوتا ہے۔ بلکہ اس زمانہ میں قاعدہ یہ تھا کہ سال میں جو کوئی بھی اہم واقعہ ہوا اس سے سال منسوب کر دیا۔ سال فیل، سال فتح، سال حدیبیہ وغیرہ۔ تو سنہ ہجری کس طرح بتایا جا سکتا تھا۔ اس دن کے علامات وغیرہ سب بتا دیئے اور جو ذات اس قدر تفصیلی علامتیں بیان کرے وہ بے علم کس طرح ہو سکتی ہے؟ نیز ہم ثبوت علم غیب میں وہ حدیث پیش کر چکے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے قیامت تک کے من و عن واقعات بیان کر دیئے۔ اب کیسے ممکن ہے کہ قیامت کا علم نہ ہو۔ کیونکہ دنیا ختم ہوتے ہی قیامت ہے اور حضور علیہ السلام کو یہ علم ہے کہ کونسا واقعہ کس کے بعد ہوگا تو جو آخری واقعہ ارشاد فرمایا وہ ہی دنیا کی انتہا ہے اور قیامت کی ابتداء۔ دو ملی ہوئی چیزوں میں سے ایک کی انتہاء کا علم دوسری کے ابتداء کا علم ہوتا ہے۔ اس پر خوب غور کر لیا جاوے۔ نہایت نفیس تحقیق ہے جو حضرت صدر الافاضل مرشدی استاذی مولانا سید نعیم الدین صاحب مرادآبادی نے ایک تقریر کے دوران میں ارشاد فرمائی۔

اعتراض ۱۶ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴿﴾	بیشک اللہ کے پاس ہے قیامت کا علم اور اتارتا ہے مینہ اور جانتا ہے جو کچھ ماؤں کے پیٹ میں ہے اور کوئی جان نہیں جانتی کہ کل کیا کمائے گی اور کوئی جان نہیں جانتی کہ کس زمین میں مرے گی بیشک اللہ جاننے والا بتانے والا ہے۔

اس آیت سے مخالفین کہتے ہیں کہ پانچ چیزوں کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں یہ اللہ کی صفت ہے جو کسی غیر کیلئے ثابت کرے وہ مشرک ہے اسی کو علوم خمسہ کہتے ہیں قیامت کب ہوگی، بارش کب ہوگی، عورت کے پیٹ میں لڑکا ہے یا لڑکی اور کل کیا ہوگا اور کون کہاں مرے گا؟ اس آیت کی تائید میں شروح مشکوٰۃ کی روایت پیش کرتے ہیں کہ حضرت جبریل نے حضور علیہ السلام سے قیامت کے متعلق دریافت کیا۔ تو فرمایا۔ فِيْ خَمْسٍ لَا يَعْلَمُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ ثُمَّ قَرَءَ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ یعنی

پانچ چیزیں وہ ہیں جن کو سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا۔ پھر یہی آیت تلاوت فرمائی۔ ہم علوم خمسہ کے بارے میں نہایت منصفانہ تحقیق کرتے ہیں اور ناظرین سے انصاف کی توقع اور اپنے رب سے تمنائے قبول رکھتے ہیں اولاً اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کے اقوال پھر اس حدیث کے متعلق محدثین کے اقوال پھر اپنی تحقیق پیش کرتے ہیں۔

تفسیرات احمدیہ زیر آیت مذکورہ۔

وَلَكَ اَنْ تَقُوْلَ اِنَّ عِلْمَ هٰذِهِ الْخَمْسَةِ وَاِنْ لَّا يَعْلَمُهَا اَحَدٌ اِلَّا اللّٰهُ لٰكِنْ يَجُوْزُ اَنْ يُّعَلِّمَهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ مُحِبِّيْهِ وَاَوْلِيَآءِهٖ بِقَرِيْنَةِ قَوْلِهٖ تَعَالٰى اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ بِمَعْنَى الْمُخْبِرِ۔

اور تم یہ بھی کہہ سکتے ہو کہ ان پانچوں باتوں کو اگرچہ خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ لیکن جائز ہے۔ کہ خدا پاک اپنے ولیوں اور محبوبوں میں سے جس کو چاہے سکھائے اس قول کے قرینہ سے کہ اللہ جاننے والا بتانے والا ہے خبیر بمعنی مخبر۔

تفسیر صاوی آیت مَاذَا تَكْسِبُ غَدًا کے ماتحت فرماتے ہیں۔

اَیْ مِنْ حَيْثُ ذَاتِهَا وَاَمَّا بِاِعْلَامِ اللّٰهِ لِلْعَبْدِ فَلَا مَانِعَ مِنْهُ كَالْاَنْبِيَآءِ وَبَعْضِ الْاَوْلِيَآءِ قَالَ تَعَالٰى وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖ اِلَّا بِمَا شَآءَ قَالَ تَعَالٰى فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ فَلَا مَانِعَ مِنْ كَوْنِ اللّٰهِ يُطْلِعُ بَعْضَ عِبَادِهِ الصّٰلِحِيْنَ عَلٰى بَعْضِ الْمُغَيَّبَاتِ فَتَكُوْنُ مُعْجِزَةً لِّلنَّبِيِّ وَكَرَامَةً لِّلْوَلِيِّ وَلِذٰلِكَ قَالَ الْعُلَمَآءُ الْحَقُّ اَنَّهٗ لَمْ يَخْرُجْ نَبِيُّنَا مِنَ الدُّنْيَا حَتّٰى اَطْلَعَهٗ عَلٰى تِلْكَ الْخَمْسِ۔

یعنی ان باتوں کو کوئی اپنے آپ نہیں جانتا لیکن کسی بندے کا اللہ کے بتانے سے جاننا اس سے کوئی مانع نہیں جیسے انبیاء اور بعض اولیاء رب نے فرمایا کہ یہ لوگ خدا کے علم کو نہیں گھیر سکتے مگر جس قدر رب چاہے اور فرمایا کہ اپنے غیب پر کسی کو ظاہر نہیں فرماتا سوائے برگزیدہ رسولوں کے پس اگر خدا تعالیٰ اپنے بعض نیک بندوں کو بعض غیبوں پر مطلع فرما دے تو کوئی مانع نہیں پس یہ علم نبی کا معجزہ اور ولی کی کرامت ہوگا اسی لیے علماء نے فرمایا کہ حق یہ ہے کہ حضور علیہ السلام دنیا سے تشریف نہیں لے گئے یہانتک کہ ان کو ان پانچوں باتوں پر رب نے مطلع فرما دیا۔

تفسیر عرائس البیان زیر آیت یَعْلَمُ مَافِی الْاَرْحَامِ ہے۔

سَمِعْتُ اَیْضًا مِنْ بَعْضِ الْاَوْلِیَآءِ اَنَّـهٗ اَخْبَرَ مَافِی الرَّحِمِ مِنْ ذَکَرٍ وَّ اُنْثٰی وَ رَءَیْتُ بِعَیْنِیْ مَا اَخْبَرَ۔

ہم نے بعض اولیاء کو سنا کہ انہوں نے پیٹ کے بچہ لڑکی یا لڑکے کی خبر دی اور ہم نے اپنی آنکھوں سے وہی دیکھا جس کی انہوں نے خبر دی تھی۔

تفسیر روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

وَمَارُوِیَ عَنِ الْاَنْبِیَآءِ وَالْاَوْلِیَآءِ مِنَ الْاَخْبَارِ عَنِ الْغُیُوْبِ فَبِتَعْلِیْمِ اللّٰهِ تَعَالٰی اِمَّا بِطَرِیْقِ الْوَحْیِ اَوْ بِطَرِیْقِ الْاِلْهَامِ وَالْکَشْفِ وَکَذَا اَخْبَرَ بَعْضُ الْاَوْلِیَآءِ عَنْ نُزُوْلِ الْمَطَرِ وَاَخْبَرَ عَمَّا فِی الرَّحِمِ مِنْ ذَکَرٍ وَّ اُنْثٰی فَوَقَعَ کَمَا اَخْبَرَ

اور جو غیب کی خبریں انبیاء و اولیاء سے مروی ہیں۔ پس یہ اللہ کی تعلیم سے ہے یا وحی یا الہام کے طریقے سے۔ اور اسی طرح بعض اولیاء نے بارش آنے کی خبر دی اور بعض نے رحم کے بچہ لڑکے یا لڑکی کی خبر دی تو وہ ہی ہوا جو انہوں نے کہا تھا۔

قیامت کے علم کی تحقیق ہم اس سے پہلے کر چکے ہیں۔ جو علوم خمسہ میں سے ہے۔

ان تفاسیر کی عبارتوں سے معلوم ہوا کہ رب تعالٰی نے علوم خمسہ اپنے حبیب علیہ السلام کو دیئے اور اس آیت میں خبیر بمعنی مخبر ہے۔ اس کے متعلق اور بھی تفاسیر کی عبارتیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ مگر اس پر اختصار کرتا ہوں۔ اب رہی مشکوٰۃ شریف کتاب الایمان کی حدیث کہ یہ پانچ چیزیں کوئی نہیں جانتا اس کی شرحیں ملاحظہ ہوں امام قرطبی، امام عینی، امام قسطلانی شرح بخاری میں اور ملا علی قاری مرقاۃ شرح مشکوٰۃ کتاب الایمان فصل اول میں اسی حدیث کے ماتحت فرماتے ہیں۔

فَمَنِ ادَّعٰی عِلْمَ شَیْءٍ مِّنْهَا غَیْرَ مُسْنَدٍ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ کَاذِبًا فِیْ دَعْوَاہُ۔

پس جو شخص ان پانچوں میں سے کسی چیز کے علم کا دعوٰی کرے حضور علیہ السلام کی طرف بغیر نسبت کیئے ہوئے وہ اپنے دعوے میں جھوٹا ہے۔

لمعات میں شیخ عبدالحق علیہ الرحمۃ اسی حدیث کے ماتحت فرماتے ہیں۔

اَلْمُرَادُ لَایَعْلَمُ بِدُوْنِ تَعْلِیْمِ اللّٰهِ تَعَالٰی۔

مراد یہ ہے کہ ان پانچوں باتوں کو بغیر اللہ کے بتائے کوئی نہیں جانتا

اشعۃ اللمعات میں شیخ عبدالحق اسی حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں "مراد آنست کہ بے تعلیم الہٰی بحساب عقل ایں ہارا نداند امور الغیب اند کہ جز خدائے تعالٰی کسے آں را نداند مگر آنکہ وے تعالٰی از نزد خود کسے را

بوحی والہام بدناند" مراد یہ ہے کہ ان امور غیب کو بغیر اللہ کے بتائے ہوئے عقل کے اندازے سے کوئی نہیں جان سکتا۔ کیونکہ ان کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ مگر وہ جس کو اللہ اپنی طرف سے بتادے۔ وحی یا الہام سے۔ امام قسطلانی شرح بخاری کتاب التفسیر سورہ رعد میں فرماتے ہیں۔

لَا يَعْلَمُ مَتٰى تَقُوْمُ السَّاعَةُ اِلَّا اللّٰهُ وَاِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ يُطْلِعُهٗ عَلٰى غَيْبِهٖ وَالْوَلِيُّ التَّابِعُ لَهٗ يَاْخُذُهٗ عَنْهُ۔

کوئی نہیں جانتا کہ قیامت کب ہوگی سوائے اللہ کے اور پسندیدہ رسول کے کیونکہ رب تعالےٰ اس کو اپنے غیب پر مطلع فرماتا ہے اور ان کا تابع ولی ان سے وہ غیب لیتا ہے۔

انجاح الحاجہ حاشیہ ابن ماجہ باب اشراط الساعۃ زیر حدیث خَمْسٌ لَا يَعْلَمُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ ہے۔

اَخْبَرَ الصِّدِّيْقُ زَوْجَتَهٗ بِنْتَ خَارِجَةَ اَنَّهَا حَامِلَةٌ بِنْتٍ فَوَلَدَتْ بَعْدَ وَفَاتِهٖ اُمَّ كُلْثُوْمٍ بِنْتَ اَبِيْ بَكْرٍ فَهٰذَا مِنَ الْفِرَاسَةِ وَالظَّنِّ وَيُصَدِّقُ اللّٰهُ فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی بنت خارجہ کو خبر دی کہ وہ بیٹی سے حاملہ ہیں۔ لہذا صدیق کی وفات کے بعد ام کلثوم بنت صدیق پیدا ہوئیں پس یہ فراست اور ظن ہے خدا تعالےٰ مومن کی فراست کو سچا کر دیتا ہے۔

سید شریف عبدالعزیز مسعود تاب الابریز میں فرماتے ہیں۔

هُوَ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ مِنْ شَيْئٍ مِنَ الْخَمْسِ الْمَذْكُوْرَةِ فِي الْاٰيَةِ وَكَيْفَ يَخْفٰى ذٰلِكَ وَالْاَقْطَابُ السَّبْعَةُ مِنْ اُمَّتِهِ الشَّرِيْفَةِ يَعْلَمُوْنَهَا وَهُمْ دُوْنَ الْغَوْثِ فَكَيْفَ بِالْغَوْثِ فَكَيْفَ بِسَيِّدِ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ الَّذِيْ هُوَ سَبَبُ كُلِّ شَيْئٍ وَمِنْهُ كُلُّ شَيْئٍ۔

حضور علیہ السلام پر ان پانچ مذکورہ میں سے کچھ بھی چھپا ہوا نہیں اور حضور پر یہ امور مخفی کیونکر ہو سکتے ہیں حالانکہ آپ کی امت کے ساتھ قطب ان کو جانتے ہیں پس غوث کا کیا پوچھنا اور پھر سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا کہنا جو ہر چیز کے سبب ہیں اور جن سے ہر چیز ہے۔

علامہ جلال الدین سیوطی روض النظیر شرح جامع صغیر میں اسی حدیث کے متعلق فرماتے ہیں۔

قَوْلُهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ اِلَّا هُوَ مَعْنَاهُ بِاَنَّهٗ لَا يَعْلَمُهَا اَحَدٌ بِذَاتِهٖ اِلَّا هُوَ لٰكِنْ قَدْ يَعْلَمُ بِهٖ

حضور علیہ السلام کا فرمانا اِلَّا هُوَ اس کے معنی یہ ہیں کہ انکو اپنے آپ خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا لیکن کبھی اللہ

بِاَعْلَامِ اللّٰہِ فَاِنَّ ثَمَّ مَنْ يَعْلَمُهَا وَ قَدْ وَجَدْ نَا ذٰلِكَ بِغَيْرِ وَاحِدٍ كَمَا رَءَيْنَا جَمَاعَةً عَلِمُوْا مَتٰى يَمُوْتُوْنَ وَعَلِمُوْا مَافِى الْاَرْحَامِ۔	کے بتانے سے جان لیتے ہیں کیونکہ یہاں وہ لوگ ہیں جو جانتے ہیں ہم نے متعدد کو ایسا پایا جیسے ہم نے ایک جماعت کو دیکھا کہ وہ جان لیتے ہیں کہ کب مرینگے اور جانتے ہیں شکم کے بچہ کو

یہی علامہ جلال الدین سیوطی خصائص شریف میں فرماتے ہیں۔

عُرِضَ عَلَيْهِ مَاهُوَ كَائِنٌ فِىْ اُمَّتِهٖ حَتّٰى تَقُوْمُ السَّاعَةُ۔	حضور علیہ السلام پر تمام وہ چیزیں پیش کر دی گئیں جو آپ کی امت میں قیامت تک ہونیوالی ہیں۔

علامہ بیجوری شرح قصیدہ بردہ صفحہ ۷۴ میں فرماتے ہیں۔

لَمْ يَخْرُجِ النَّبِىُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ مِنَ الدُّنْيَا اِلَّا بَعْدَ اَنْ اَعْلَمَهُ اللّٰهُ بِهٰذِهِ الْاُمُوْرِ الْخَمْسَةِ	حضور علیہ السلام دنیا سے تشریف نہ لیگئے مگر اسکے بعد کہ اللہ نے آپکو ان پانچوں چیزوں کا علم بتا دیا۔

جمع النہایہ میں علامہ شنوانی فرماتے ہیں۔

قَدْ وَرَدَ اَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى لَمْ يُخْرِجِ النَّبِىَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ حَتّٰى اَطْلَعَهُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْئٍ	یہ ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ السلام کو دنیا سے خارج نہ کیا یہاں تک کہ ہر چیز پر مطلع کر دیا۔

یہ ہی علامہ شنوانی اسی جمع النہایہ میں فرماتے ہیں۔

قَالَ بَعْضُ الْمُفَسِّرِيْنَ لَايَعْلَمُ هٰذَا الْخَمْسَ عِلْمًا لَدُنِّيًا ذَاتِيًا بِلَاوَاسِطَةٍ اِلَّا اللّٰهُ فَالْعِلْمُ بِهٰذِهِ الصِّفَةِ مِمَّا اخْتَصَّ اللّٰهُ بِهٖ وَاَمَّا بِوَاسِطَةٍ فَلَايَخْتَصُّ بِهٖ۔	بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ ان پانچ باتوں کو ذاتی طور پر بلاواسطہ تو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا پس اسطرح کا علم خدا سے خاص ہے لیکن علم بالواسطہ وہ خدا سے خاص نہیں۔

فتوحات وہبیہ شرح اربعین نووی میں فاضل ابن عطیہ فرماتے ہیں۔

اَلْحَقُّ كَمَا قَالَ جَمْعٌ اَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَقْبِضْ نَبِيَّنَا عَلَيْهِ السَّلَامُ حَتّٰى اَطْلَعَهُ عَلٰى كُلِّ مَا اَبْهَمَ عَنْهُ اِلَّا اَنَّهُ اُمِرَ بِكَتْمِ بَعْضٍ وَالْاِعْلَامِ بِبَعْضٍ	حق وہ ہی ہے جو ایک جماعت نے کہا ہے کہ اللہ نے حضور علیہ السلام کو وفات نہ دی یہانتک کہ پوشیدہ چیزوں پر خبردار کر دیا لیکن بعض کے چھپانے اور بعض کے بتانیکا حکم دیا۔

شاہ عبدالعزیز صاحب بستان محدثین صفحہ ۱۱۴ میں فرماتے ہیں "نقل می کند کہ والد شیخ ابن حجر را فرزند نمی زیستہ کبیدہ خاطر بحضور شیخ رسید۔ شیخ فرمود کہ از پشت تو فرزندے خواہد آمد کہ بعلم خود دنیا را پر کند"۔

نقل ہے کہ شیخ ابن حجر کے والد کا کوئی بچہ نہ جیتا تھا۔ ملول دل ہو کر شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے شیخ نے فرمایا کہ تمہاری پشت سے ایسا فرزند ہو گا کہ اپنے علم سے دنیا کو بھر دے گا۔

یہاں تک تو علوم خمسہ کے نقلی دلائل تھے۔ اسکی عقلی دلیل یہ ہے کہ مخالفین بھی مانتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کا علم تمام مخلوق سے زیادہ ہے۔ جس کا حوالہ ہم تحذیر الناس سے پیش کر چکے ہیں اب دیکھنا یہ ہے کہ مخلوق میں سے کسی کو ان پانچ چیزوں کا علم دیا گیا یا نہیں۔ مشکوٰۃ کتاب الایمان بالقدر میں ہے کہ شکم مادر میں بچہ بننے کا ذکر فرماتے ہوئے حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

ثُمَّ يَبْعَثُ اللّٰهُ اِلَيْهِ مَلَكًا بِاَرْبَعِ كَلِمٰتٍ فَيَكْتُبُ عَمَلَهٗ وَاَجَلَهٗ وَرِزْقَهٗ وَشَقِيٌّ اَوْسَعِيْدٌ ثُمَّ يُنْفَخُ فِيْهِ الرُّوْحُ

یعنی پھر رب تعالیٰ ایک فرشتہ کو چار باتیں بتا کر بھیجتا ہے وہ فرشتہ لکھ جاتا ہے اسکا عمل اسکی موت اس کا رزق اور یہ کہ نیک بخت ہے یا بد بخت پھر روح پھونکی جاتی ہے

یہ ہی علوم خمسہ ہیں اور تمام موجودہ اور گذشتہ لوگوں کی یہ پانچ باتیں وہ فرشتہ کاتب تقدیر جانتا ہے مشکوٰۃ اسی باب میں ہے۔

كَتَبَ اللّٰهُ مَقَادِيْرَ الْخَلَائِقِ قَبْلَ اَنْ يَّخْلُقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِخَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ

اللہ نے زمین و آسمان کی پیدائش سے پچاس ہزار برس پہلے مخلوقات کی تقدیریں لکھ دیں۔

معلوم ہوا کہ لوح محفوظ میں علوم خمسہ ہیں۔ تو وہ ملائکہ جو لوح محفوظ پر مقرر ہیں اسی طرح انبیاء و اولیاء جن کی نظر لوح محفوظ پر رہتی ہے ان کو یہ علوم خمسہ حاصل ہوئے۔ مشکوٰۃ کتاب الایمان بالقدر میں ہے کہ میثاق کے دن حضرت آدم علیہ السلام کو تمام اولاد آدم کی روحیں سیاہ و سفید رنگ میں دکھا دی گئیں کہ سیاہ روحیں تو کافروں کی ہیں اور سفید مسلمانوں کی۔ معراج میں حضور علیہ السلام نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس طرح دیکھا کہ ان کے داہنے جانب سفید اور بائیں جانب سیاہ رنگ کی ارواح ہیں یعنی جنتی دوزخی لوگ مومنوں کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں اور کفار کو ملاحظہ فرما کر غمگین۔ اسی مشکوٰۃ کتاب الایمان بالقدر میں ہے۔ کہ ایک دن حضور علیہ السلام اپنے دونوں ہاتھوں میں دو کتابیں لیئے ہوئے مجمع صحابہ میں تشریف لائے۔ اور داہنے ہاتھ کی کتاب کے بارے میں فرمایا کہ اس میں تمام جنتی لوگوں کے نام مع ان کے قبیلے کے ناموں کے ہیں۔ اور دوسری کتاب میں تمام دوزخیوں کے نام مع ان کے قبائل کے ہیں۔ اور آخر میں ان ناموں کا ٹوٹل بھی لگا دیا گیا ہے کہ کل کتنے۔ اس حدیث کی شرح میں ملا علی قاری نے مرقات

میں فرمایا۔ اَلظَّاهِرُ مِنَ الْاِشَارَاتِ اَنَّهُمَا حِسِّيَّانِ وَقِيْلَ تَمْثِيْلٌ۔ اشارہ سے یہ ہی ظاہر ہو رہا ہے کہ وہ کتابیں دیکھنے میں آرہی تھیں۔ اسی مشکوٰۃ باب عذاب القبر میں ہے کہ جب مردہ نکیرین کے امتحان میں کامیاب یا ناکام ہوتا ہے تو نکیرین کہتے ہیں۔ قَدْ كُنَّا نَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْلُ هٰذَا ہم تو پہلے ہی سے جانتے تھے کہ تو یہ کہے گا۔ معلوم ہوا کہ نکیرین کو امتحان میت سے پہلے ہی سعادت اور شقاوت کا علم ہوتا ہے۔ امتحان تو فقط پابندی قانون یا معترض کا منہ بند کرنے کو ہوتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ جب کسی صالح آدمی کی بیوی اس سے لڑتی ہے تو جنت سے حور پکارتی ہے کہ یہ تیرے پاس چند دن کا مہمان ہے۔ پھر ہمارے پاس آنیوالا ہے اس سے جھگڑا نہ کر۔ مشکوٰۃ کتاب النکاح فی عشرۃ النساء معلوم ہوا کہ حور کو بھی خبر ہوتی ہے کہ اس کا خاتمہ بالخیر ہوگا۔ حضور علیہ السلام نے جنگ بدر میں ایک دن پہلے زمین پر نشان لگا کر فرمایا کہ یہاں فلاں کافر مرے گا اور یہاں فلاں۔ موت کی زمین کا علم ہوا۔ مشکوٰۃ کتاب الجہاد

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ علوم خمسہ کا علم اللہ نے بعض بندوں کو بھی دیا ہے۔ پھر حضور علیہ السلام کا علم ان سب کے علموں کو محیط تو کس طرح ممکن ہے کہ حضور علیہ السلام کو علوم خمسہ حاصل نہ ہوں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ پانچ علوم عطائی حادث ہو کر خدا کی صفت نہیں۔ ورنہ کسی کو ان میں سے ایک بات کا بھی علم نہ ہوتا۔ صفت الٰہی میں شرکت نہ تو کلاً جائز نہ بعضاً۔ ان دلائل کے جواب انشاء اللہ مخالف سے نہ بن سکیں گے۔

اعتراض ۱۲: وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ۔ متشابہات آیات کی تاویل رب تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو متشابہات آیات کا علم نہ تھا۔

جواب: اس آیت میں یہ کہاں فرمایا گیا کہ ہم نے متشابہات کا علم کسی کو دیا بھی نہیں۔ رب تعالےٰ فرماتا ہے۔ اَلرَّحْمٰنُ۔ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ۔ اپنے حبیب کو رحمان نے قرآن سکھایا۔ جب رب نے سارا قرآن حضور کو سکھا دیا تو متشابہات بھی سکھا دیئے۔ اسی لئے حنفی مذہب کا متفقہ عقیدہ ہے کہ حضور علیہ السلام متشابہات کو جانتے ہیں ورنہ ان کا نازل کرنا بیکار ہوگا۔ شافعیوں کے نزدیک علماء بھی جانتے ہیں وہ وَالرَّاسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ پر وقف کرتے ہیں۔ شوافع کے ہاں اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ متشابہات کا علم اللہ تعالےٰ اور مضبوط علماء کے سوا کسی کو نہیں۔

دوسری فصل

نفی غیب کی احادیث کے بیان میں

مخالفین نفی غیب کے لیئے بہت سی احادیث پیش کرتے ہیں ان سب کا اجمالی جواب تو یہ ہے کہ ان احادیث میں حضور علیہ السلام نے یہ نہ فرمایا کہ مجھے رب نے فلاں چیز کا علم نہ دیا بلکہ کسی میں تو ہے۔ اَللّٰہُ اَعْلَمُ کسی میں ہے مجھے کیا خبر کسی میں ہے کہ فلاں بات حضور علیہ السلام نے نہ بتائی۔ کسی میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فلاں سے یہ بات پوچھی۔ اور یہ تمام باتیں علم کی نفی ثابت نہیں کرتیں۔ نہ بتانا یا پوچھنا یا اَللّٰہُ اَعْلَمُ فرمانا اور بہت سی مصلحتوں کی وجہ سے بھی ہو سکتا ہے بہت سی باتیں خدا نے بندوں کو نہ بتائیں۔ سوال کے باوجود مخفی رکھا۔ بہت سی چیزوں کے متعلق پروردگار عالم فرشتوں سے پوچھتا ہے کیا اس کو بھی علم نہیں۔ ایک حدیث صحیح قطعی الدلالت ایسی لاؤ جس میں عطائے علم غیب کی نفی ہو۔ مگر انشاء اللہ نہ لا سکیں گے۔ یہ جواب نہایت کافی تھا۔ مگر پھر بھی ان کی مشہور احادیث عرض کر کے جواب عرض کرتا ہوں۔ وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْقِ؁

اعتراض (۱) مشکوٰۃ باب اعلان النکاح کی پہلی حدیث ہے کہ حضور علیہ السلام ایک نکاح میں تشریف لے گئے جہاں انصار کی کچھ بچیاں دف بجا کر جنگ بدر کے مقتولین کے مرثیہ کے گیت گانے لگیں ان میں سے کسی نے یہ مصرع پڑھا۔

وَفِیْنَا نَبِیٌّ یَعْلَمُ مَا فِیْ غَدٍ ؁ ہم میں ایسے نبی ہیں جو کل کی بات جانتے ہیں۔

تو حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ چھوڑ دو۔ وہ ہی گائے جاؤ جو پہلے گا رہی تھیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو علم غیب نہیں تھا اگر ہوتا تو آپ ان کو یہ کہنے سے نہ روکتے۔ سچی بات سے کیوں روکا۔

جواب:۔ اولاً تو غور کرنا چاہیئے کہ یہ مصرع خود ان بچیوں نے تو بنایا ہی نہیں۔ کیونکہ بچیوں کو شعر بنانا نہیں آتا۔ اور نہ کسی کافر و مشرک نے بنایا۔ کیوں کہ وہ حضور علیہ السلام کو نبی نہیں مانتے تھے لامحالہ یہ کسی صحابی کا شعر ہے۔ بتاؤ وہ شعر بنانے والے صحابی معاذ اللہ مشرک ہیں یا نہیں؟ پھر حضور علیہ السلام نے نہ تو اس شعر بنانے والے کو برا کہا نہ شعر کی مذمت کی۔ بلکہ ان کو گانے سے روکا۔ کیوں روکا؟ چار وجہ سے اولاً تو یہ کہ اگر کوئی ہمارے سامنے ہماری تعریف کرے۔ تو بطور انکسار کہتے ہیں۔ ارے میاں! یہ باتیں چھوڑو

وہ ہی) باتیں کرو۔ یہ بھی انکسار اً فرمایا۔ دوم یہ کہ کھیل کود، گانے بجانے کے درمیان نعت کے اشعار پڑھنے سے ممانعت فرمائی اس کے لیئے ادب چاہیئے۔ تیسرے یہ کہ غیب کی نسبت اپنی طرف کرنے کو ناپسند فرمایا۔ چوتھے یہ کہ مرثیہ کے درمیان نعت ہونا ناپسند فرمایا۔ جیسا کہ آج کل نعت خواں کرتے ہیں کہ نعت و مرثیہ کو ملا ملا کر پڑھتے ہیں۔ مرقاۃ میں اسی حدیث کے ماتحت ہے۔

لِكَرَاهَةِ نِسْبَةِ عِلْمِ الْغَيْبِ اِلَيْهِ لِاَنَّهٗ لَا يَعْلَمُ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ وَاِنَّمَا يَعْلَمُ الرَّسُوْلُ مِنَ الْغَيْبِ مَا اَعْلَمَهٗ اَوْ لِكَرَاهَةِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْ اَثْنَاءِ ضَرْبِ الدَّفِّ وَاَثْنَاءِ مَرْثِيَةِ الْقَتْلٰى لِعُلُوِّ مَنْصَبِهٖ عَنْ ذَالِكَ۔

منع فرمایا علم کی نسبت اپنی طرف کرنے کو۔ کیونکہ علم غیب خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا اور رسول وہ ہی غیب جانتے ہیں جو اللہ بتائے یا یہ ناپسند کیا کہ آپ کا ذکر دف بجانے میں یا مقتولین کے مرثیے کے درمیان کیا جاوے۔ کہ آپ کا درجہ اس سے اعلیٰ ہے۔

اشعۃ اللمعات میں اسی حدیث کے ماتحت ہے"

"گفتہ اند کہ منع آنحضرت ازیں قول بجہت آں است کہ درو سے اسناد علم غیب است بہ آنحضرت را ناخوش آمد و بعضے گویند کہ بجہت آں است کہ ذکر شریف وے در اثنا لہو مناسب نہ باشد۔"

شارحین نے کہا ہے حضور علیہ السلام کا اس کو منع فرمانا اسلیئے ہے کہ اس میں علم غیب کی نسبت حضور کی طرف ہے لہذا آپکو ناپسند آئی اور بعض نے فرمایا کہ آپ کا ذکر شریف کھیل کود میں مناسب نہیں۔

اعتراض (۲) مدینہ پاک میں انصار باغوں میں نر درخت کی شاخ مادہ درخت میں لگاتے تھے تاکہ پھل زیادہ دے اس فعل سے انصار کو حضور علیہ السلام نے منع فرمایا (اس کام کو عربی میں تلقیح کہتے ہیں) انصار نے تلقیح چھوڑ دی۔ خدا کی شان پھل گھٹ گئے اس کی شکایت سرکار عالم کی خدمت میں پیش ہوئی تو فرمایا۔

اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِاُمُوْرِ دُنْيَاكُمْ | اپنے دنیاوی معاملات تم جانتے ہو۔

معلوم ہوا کہ آپکو یہ علم نہ تھا کہ تلقیح روکنے سے پھل گھٹ جاوینگے اور انصار کا علم آپ سے زیادہ ثابت ہوا۔

جواب: حضور علیہ السلام کا فرمانا اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِاُمُوْرِ دُنْيَاكُمْ اظہار ناراضی ہے کہ جب تم صبر نہیں کرتے تو دنیاوی معاملات تم جانو۔ جیسے ہم کسی سے کوئی بات کہیں اور وہ اس میں کچھ تامل کرے تو کہتے ہیں بھائی تو جانے۔ اس سے نفی علم مقصود نہیں۔ شرح شفاء ملا علی قاری بحث معجزات میں فرماتے ہیں۔

وَخَصَّهُ اللّٰهُ مِنَ الْاِطِّلَاعِ عَلٰى جَمِيْعِ مَصَالِحِ | اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو تمام دینی و دنیاوی

الدُّنْیَا وَالدِّیْنِ وَاسْتُشْکِلَ بِاَنَّہٗ عَلَیْہِ السَّلَامُ وَجَدَ الْاَنْصَارَ یُلَقِّحُوْنَ النَّخْلَ فَقَالَ لَوْ تَرَکْتُمُوْہُ فَتَرَکُوْہُ فَلَمْ یَخْرُجْ شَیْئًا اَوْ خَرَجَ شِیْصًا فَقَالَ اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِاُمُوْرِ دُنْیَاکُمْ قَالَ الشَّیْخُ السَّنُوْسِیُّ اَرَادَ اَنْ یَحْمِلَھُمْ عَلٰی خَرْقِ الْعَوَائِدِ فِیْ ذٰلِکَ اِلٰی بَابِ التَّوَکُّلِ وَاَمَّا ھُنَاکَ فَلَمْ یَمْتَثِلُوْا فَقَالَ اَنْتُمْ اَعْرَفُ بِدُنْیَاکُمْ وَلَوِ امْتَثَلُوْا وَتَحَمَّلُوْا فِیْ سَنَۃٍ اَوْ سَنَتَیْنِ لَکُفُوْا اَمْرَ ھٰذِہِ الْمِحْنَۃِ۔

مصلحتوں پر مطلع فرمانے سے خاص فرمایا اس پر یہ اعتراض ہے کہ حضور نے انصار کو درختوں کی تلقیح کرتے ہوئے پایا تو فرمایا کہ تم اس کو چھوڑ دیتے تو اچھا تھا انہوں نے چھوڑ دیا تو کچھ پھل ہی نہ آیا یا ناقص آیا تو فرمایا کہ اپنے دنیاوی معاملات تم جانو۔ شیخ سنوسی نے فرمایا کہ آپ نے چاہا تھا کہ ان کو خلاف عادت کام کر کے باب توکل تک پہنچا دیں۔ انہوں نے نہ مانا تو فرمادیا کہ تم جانو۔ اگر وہ مان جاتے اور دو ایک سال نقصان برداشت کر لیتے تو اس محنت سے بچ جاتے۔

ملا علی قاری اسی شرح شفا جلد دوم صفحہ ۲۲۸ میں فرماتے ہیں۔

وَلَوْ ثَبَتُوْا عَلٰی کَلَامِہٖ اَفَاقُوْا فِی الْفَنِّ تَقَعُ عَنْھُمْ کُلْفَۃُ الْمُعَالَجَۃِ۔

اگر وہ حضرات حضور کے فرمان پر ثابت رہتے تو اس فن میں فوقیت لیجاتے اور ان سے اس تلقیح کی محنت دور ہو جاتی۔

فصل الخطاب میں علامہ قیصری سے نقل فرمایا۔

وَلَا یَعْزُبُ عَنْ عِلْمِہٖ عَلَیْہِ السَّلَامُ مِثْقَالُ ذَرَّۃٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَاءِ مِنْ حَیْثُ مَرْتَبَتِہٖ وَاِنْ کَانَ یَقُوْلُ اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِاُمُوْرِ دُنْیَاکُمْ

حضور علیہ السلام کے علم سے زمین و آسمان میں ذرہ بھر چیز بھی پوشیدہ نہیں اگرچہ آپ فرماتے تھے کہ دنیاوی کام تم جانو۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے کبھی کاشتکاری نہ کی تھی اور نہ کاشتکاروں کی صحبت حاصل کی۔ مگر زمانہ قحط آنے سے پہلے حکم دیا کہ غلہ خوب کاشت کرو۔ اور فرمایا۔

فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْہُ فِیْ سُنْبُلِہٖ

کہ جو کچھ کاٹو اس کو بالی ہی میں رہنے دو۔

یعنی گیہوں کی حفاظت کا طریقہ سکھایا۔ آج بھی غلہ کو بھوسے میں رکھ کر اس کی حفاظت کرتے ہیں ان کو کاشتکاری کا خفیہ راز کس طرح معلوم ہوا؟ اور فرمایا۔

اجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَائِنِ الْاَرْضِ اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ۔

مجھ کو زمین کے خزانوں پر مقرر کر دو میں اس کا محافظ اور ہر کام جاننے والا ہوں۔

یہ ملکی انتظامات وغیرہ کس سے سیکھے؟ تو کیا حضور علیہ السلام کی دانائی اور حضور کا علم حضرت یوسف علیہ السلام سے بھی کم ہے۔ معاذ اللہ۔

اعتراض (۳) ترمذی کتاب التفسیر سورہ انعام میں ہے کہ حضرت مسروق عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت فرماتے ہیں کہ جو شخص کہے کہ حضور علیہ السلام نے اپنے رب کو دیکھا یا کسی شئ کو چھپایا وہ جھوٹا ہے۔

وَمَنْ زَعَمَ اَنَّہٗ یَعْلَمُ مَا فِیْ غَدٍ فَقَدْ اَعْظَمَ الْفِرْیَۃَ عَلَی اللّٰہِ۔ | اور جو کہے کہ حضور علیہ السلام کل کی بات جانتے ہیں اس نے اللہ پر جھوٹ باندھا۔

جواب: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کی یہ تینوں باتیں اپنے ظاہری معنی پر نہیں ہیں آپ کے یہ قول اپنی رائے سے ہیں۔ اس پر کوئی حدیث مرفوع پیش نہیں فرمائیں بلکہ آیات سے استدلال فرماتی ہیں رب تعالٰی کو دیکھنے کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے روایت پیش فرمائی۔ اور اب تک جمہور اہل اسلام اس کو مانتے چلے آتے ہیں۔ دیکھو اس کی تحقیق مدارج اور نسیم الریاض وغیرہ میں ہماری کتاب شان حبیب الرحمٰن سورۂ والنجم میں۔ اسی طرح صدیقہ کا فرمانا کہ حضور علیہ السلام نے کوئی چیز نہ چھپائی۔ اس سے مراد احکام شرعیہ تبلیغیہ ہیں۔ ورنہ بہت سے اسرار الہیہ پر لوگوں کو مطلع نہ فرمایا۔ مشکوٰۃ کتاب العلم فصل دوم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھ کو حضور علیہ السلام سے دو قسم کے علوم ملے۔ ایک وہ جس کی تبلیغ کر دی۔ دوسرے وہ کہ اگر تم کو بتاؤں تو تم میرا گلا کاٹ دو۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسرار الہیہ نامحرم سے چھپائے گئے۔ اسی طرح صدیقہ کا یہ فرمان کہ کل کی بات حضور علیہ السلام نہیں جانتے تھے۔ اس سے مراد ہے بالذات نہ جاننا ورنہ صدہا احادیث اور قرآنی آیات کی مخالفت لازم آوے گی۔ حضور علیہ السلام نے قیامت کی، دجال کی، امام مہدی کی اور حوض کوثر کی شفاعت بلکہ امام حسین کی شہادت کی۔ جنگ بدر ہونے سے پیشتر کفار کے قتل کی۔ اور جگہ قتل کی خبر دی۔ نیز اگر صدیقہ رضی اللہ عنہا کے فرمان کے ظاہری معنے بھی کیے جاویں تو مخالفین کے بھی تو خلاف ہے کہ وہ بھی بعض غیوب کا علم مانتے ہیں اور اس میں بالکل نفی ہے۔ مجھے آج یقین ہے کہ کل پنجشنبہ ہوگا سورج نکلے گا رات آوے گی۔ یہ بھی تو کل کی بات کا علم ہوا۔ حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالٰے عنہا نے معراج جسمانی کا بھی انکار فرمایا مگر یہ ہی کہا جاتا ہے کہ واقعہ معراج انکے نکاح میں آنے سے پیشتر کا ہے جو اب تک انکے علم میں نہ آیا تھا۔

اعتراض (۴) صدیقۃ الکبریٰ کا ہار گم ہو گیا۔ جگہ جگہ تلاش کرایا گیا نہ ملا پھر اونٹ کے نیچے سے برآمد ہوا اگر حضور علیہ السلام کو علم تھا تو لوگوں کو اسی وقت کیوں نہ بتا دیا کہ ہار وہاں ہے۔ معلوم ہوا کہ علم نہ تھا۔

جواب: اس حدیث سے نہ بتانا معلوم ہوا نہ کہ نہ جاننا اور نہ بتانے میں صدہا حکمتیں ہوتی ہیں حضرت صحابہ نے چاند کے گھٹنے بڑھنے کا سبب دریافت کیا۔ رب تعالیٰ نے نہ بتایا تو کیا خدائے پاک کو بھی علم نہیں؟ مرضی الٰہی یہ تھی، کہ صدیقہ کا ہار گم ہو، مسلمان اس کی تلاش میں یہاں رک جاویں ظہر کا وقت آ جاوے پانی نہ ملے۔ تب حضور علیہ السلام سے عرض کیا جاوے کہ اب کیا کریں تب آیت تیمم نازل ہو جس سے حضرت صدیقہ کی عظمت قیامت تک کے مسلمان معلوم کر لیں کہ ان کی طفیل ہم کو تیمم کا حکم ملا۔ اگر اسی وقت ہار بتا دیا جاتا۔ تو آیت تیمم کیوں نازل ہوتی۔ رب کے کام اسباب سے ہوتے ہیں۔ تعجب ہوتا ہے کہ جو آنکھ قیامت تک کے حالات کو مشاہدہ کرے۔ اس سے اونٹ کے نیچے کی چیز کس طرح مخفی رہے۔ شان محبوب علیہ السلام پہچاننے کی خدا توفیق دے۔

اعتراض (۵) مشکوٰۃ باب الحوض والشفاعۃ میں ہے۔

لَيَرِدَنَّ عَلَيَّ اَقْوَامٌ اَعْرِفُهُمْ وَيَعْرِفُوْنَنِيْ ثُمَّ يُحَالُ بَيْنِيْ وَبَيْنَهُمْ فَاَقُوْلُ اِنَّهُمْ مِنِّيْ فَيُقَالُ اِنَّكَ لَا تَدْرِيْ مَا اَحْدَثُوْا بَعْدَكَ فَاَقُوْلُ سُحْقًا سُحْقًا لِمَنْ غَيَّرَ بَعْدِيْ

حوض پر ہمارے پاس کچھ قومیں آئنگی جنکو ہم پہچانتے ہیں اور وہ ہم کو پہچانتے ہیں پھر ہمارے اور ان کے درمیان آڑ کر دی جاوے گی ہم کہیں گے کہ یہ تو ہمارے لوگ ہیں تو کہا جاویگا کہ آپ نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا نئے کام کیئے پس ہم فرمائیں گے دوری ہو دوری ہو اس کو جو میرے بعد دین بدلے۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو قیامت میں بھی اپنے پرائے اور مومن و کافر کی پہچان نہ ہو گی کیونکہ آپ مرتدین کو فرمائیں گے کہ یہ میرے صحابہ ہیں اور ملائکہ عرض کریں گے کہ آپ نہیں جانتے۔

جواب: حضور علیہ السلام کا ان کو صحابی کہنا طعن کے طور پر ہوگا کہ ان کو آنے دو یہ تو ہمارے بڑے مخلص صحابہ ہیں اور ملائکہ کا یہ عرض کرنا ان کو سنا کر غمگین کرنے کے لیئے ہوگا۔ ورنہ ملائکہ نے ان کو یہاں تک آنے ہی کیوں دیا۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ہے کہ جہنمی کافر سے کہا جاوے گا۔

ذُقْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ۔　　عذاب چکھ۔ تو تو عزت کرم والا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سورج کو دیکھ کر فرمایا تھا۔ ھٰذَا رَبِّیْ یہ میرا رب ہے۔
پھر غور کی بات تو یہ ہے کہ آج تو حضور علیہ السلام اس سارے واقعہ کو جانتے ہیں اور فرماتے ہیں اَعْرِفُهُمْ ہم ان کو پہچانتے ہیں، کیا اس دن بھول جائیں گے؟ نیز قیامت کے دن مسلمانوں کی چند علامات ہوں گی۔ اعضاء وضو کا چمکنا، چہرہ انورانی ہونا یَوْمَ تَبْیَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ داہنے ہاتھ میں نامۂ اعمال کا ہونا۔ پیشانی پر سجدہ کا داغ ہونا۔ (دیکھو مشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ) اور کفار کی علامت ہوگی ان کے خلاف ہونا۔ اور ان لوگوں کو ملائکہ کا رد کرنا۔ ان کا ارتداد کی خاص علامت ہوگی جو آج بیان ہو رہی ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ اتنی علامات کے ہوتے ہوئے حضور ان کو نہ پہچانیں۔ نیز آج تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جنتی وجہنمی لوگوں کی خبر دے دی۔ عشرہ مبشرہ کو بشارت دی۔ وہ کتابیں صحابہ کرام کو دکھائیں جن میں جنتی اور جہنمی لوگوں کے نام ہیں۔ وہاں نہ پہچاننے کے کیا معنی؟ حضور علیہ السلام کو خبر نہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ یُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِیْمَاهُمْ نیز فرماتا ہے سِیْمَاهُمْ فِیْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ معلوم ہوا کہ قیامت میں نیک وبد لوگوں کی علامات چہروں پر ہوں گی۔
مشکوٰۃ باب الحوض والشفاعہ میں ہے کہ جنتی مسلمان جہنمی مسلمانوں کو نکالنے کے لیے جہنم میں جائیں گے اور ان کی پیشانی کے داغ سجدہ دیکھ کر ان کو جل چکنے کے بعد نکالیں گے اور ان سے فرمایا جاوے گا۔

فَمَنْ وَجَدْتُّمْ فِیْ قَلْبِهٖ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ مِّنْ خَیْرٍ فَاَخْرِجُوْهُ۔	جس کے دل میں رائی کے برابر ایمان پاؤ۔ اس کو نکال لے جاؤ۔

دیکھو جنتی مسلمان دوزخی مسلمانوں کے دل کے ایمان کو پہچانتے ہیں۔ بلکہ یہ بھی جانتے ہیں کہ کس کے دل میں کس درجہ کا ایمان ہے۔ دینار کے برابر یا ذرہ کے برابر۔ لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو چہرہ دیکھ کر علامات دیکھ کر بھی خبر نہیں ہوتی کہ یہ مسلمان ہیں یا کافر۔ اللہ تعالیٰ سمجھ نصیب کرے۔

اعتراض (۳) بخاری جلد اول کتاب الجنائز میں حضرت ام العلاء کی روایت ہے۔

وَاللّٰهِ مَا اَدْرِیْ وَاَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ مَا یُفْعَلُ بِیْ۔	خدا کی قسم میں نہیں جانتا حالانکہ میں اللہ کا رسول ہوں کہ میرے ساتھ کیا کیا جاوے گا۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی بھی خبر نہ تھی کہ قیامت میں مجھ سے کیا معاملہ ہوگا۔
جواب:۔ اس جگہ علم کی نفی نہیں۔ بلکہ درایۃ کی نفی ہے۔ یعنی میں اپنے اٹکل وقیاس سے نہیں جانتا

کہ میرے ساتھ کیا معاملہ ہوگا۔ بلکہ اس کا تعلق وحی الٰہی سے ہے تو اے ام العلاء تم جو عثمان ابن مظعون کے جنتی ہونے کی گواہی محض قیاس سے دے رہی ہو یہ معتبر نہیں۔ اس غیب کی خبروں میں تو انبیاء کرام بھی قیاس نہیں فرماتے۔ ورنہ مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین میں ہے کہ ہم اولاد آدم کے سردار ہیں اس روز لواء الحمد ہمارے ہاتھ میں ہوگا۔ آدم و آدمیان ہمارے جھنڈے کے نیچے ہونگے ان کی مطابقت کس طرح کی جاوے گی۔

اعتراض (۷) بخاری جلد دوم کتاب المغازی باب حدیث افک میں ہے کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کو تہمت لگی۔ آپ اس میں پریشان رہے مگر بغیر وحی آئے ہوئے کچھ نہ فرما سکے کہ یہ تہمت صحیح ہے یا غلط اگر علم غیب ہوتا تو پریشانی کیسی؟ اور اتنے روز تک خاموشی کیوں فرمائی۔

جواب: اس میں بھی نہ بتانا ثابت ہے نہ کہ نہ جاننا۔ نہ بتانے سے نہ جاننا لازم نہیں آتا۔ خود رب نے بھی بہت روز تک ان کی عصمت کی آیات نہ اتاریں تو کیا رب کو بھی خبر نہ تھی نیز بخاری کی اسی حدیث میں ہے۔

مَا عَلِمْتُ عَلٰی اَھْلِیْ اِلَّا خَیْرًا میں اپنی بیوی کی پاکدامنی ہی جانتا ہوں۔

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ علم ہے، وقت سے پہلے اظہار نہیں اور یہ تو ہو سکتا ہی نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہ پر بدگمانی ہوئی ہو۔ کیونکہ رب تعالیٰ نے مسلمانوں کو عتاباً فرمایا۔

لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَیْرًا وَّقَالُوْا ھٰذَآ اِفْكٌ مُّبِیْنٌ۔	یعنی مسلمان مردوں و عورتوں نے اپنے دلوں میں نیک گمانی کیوں نہ کی اور فوراً کیوں نہ کہا کہ یہ کھلا ہوا بہتان ہے

پتہ لگا کہ نزول برأت سے پہلے ہی مسلمانوں پر نیک گمانی واجب اور بدگمانی حرام تھی اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام حرام سے معصوم ہیں۔ تو آپ بدگمانی ہرگز نہیں فرما سکتے۔ ہاں آپ کا فوراً یہ فرمانا ھٰذَآ اِفْكٌ مُّبِیْنٌ آپ پر واجب نہ تھا کیونکہ آپ کے گھر کا معاملہ تھا۔ رہی پریشانی اور اتنا سکوت، یہ کیوں ہوا؟ پریشانی کی وجہ معاذ اللہ لاعلمی نہیں ہے۔ اگر کسی عزت و عظمت والے کو غلط الزام لگا دیا جاوے اور وہ خود جانتا بھی ہو کہ یہ الزام غلط ہے۔ پھر بھی اپنی بدنامی کے اندیشہ پر پریشان ہوتا ہے لوگوں میں اس افواہ کا پھیلنا ہی پریشانی کا باعث ہوا۔ اگر آیات کے نزول کا انتظار نہ فرمایا جاتا۔ اور پہلے ہی سے عصمت کا اظہار فرمایا جاتا تو منافقین کہتے کہ اپنی اہل خانہ کی حمایت کی۔ اور مسلمانوں کو تہمت کے مسائل نہ معلوم ہوتے اور پھر مقدمات کی تحقیقات کرنے کا طریقہ نہ آتا اور صدیقہ اکبر نے کو صبر کا وہ ثواب نہ ملتا جو اب ملا۔ اس تاخیر میں صدہا حکمتیں،

ہیں - اور یہ تو مسئلہ عقائد کا ہے کہ نبی کی بیوی بدکار نہیں ہو سکتیں - رب تعالیٰ فرماتا ہے -

اَلْخَبِيْثَاتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثَاتِ -	گندی عورتیں گندے مردوں کے لیے ہیں اور گندے مرد گندی عورتوں کے لیے -

اس گندگی سے مراد گندگی زنا ہے - یعنی نبی کی بیوی زانیہ نہیں ہو سکتی - ہاں کافرہ ہو سکتی ہے کہ کفر سخت جرم ہے - مگر گھنونی چیز نہیں - ہر شخص اس سے عار نہیں کرتا اور زنا سے ہر طبیعت نفرت اور عار کرتی ہے اسی لیے انبیاء کی بیوی کو کبھی خواب میں احتلام نہیں ہوتا - دیکھو مشکوٰۃ کتاب الغسل کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس پر تعجب فرمایا کہ عورت کو بھی احتلام ہوتا ہے - اور اس کی تحقیق ہماری کتاب شان حبیب الرحمان میں بھی ہے - تو کیا حضور علیہ السلام کو عقیدے کا یہ مسئلہ بھی معلوم نہیں تھا کہ صدیقہ سید الانبیاء کی زوجہ پاک ہیں ان سے یہ قصور ہو سکتا ہی نہیں - نیز مرضی الٰہی یہ تھی کہ محبوبہ محبوب علیہ السلام کی عصمت کی گواہی ہم براہ راست دیں اور قرآن میں یہ آیات اتار کر قیامت تک کے مسلمانوں سے تمام دنیا میں ان کی پاکدامنی کے خطبے پڑھوالیں کہ نمازی نمازوں میں ان کی عفت کے گیت گایا کریں اب اگر حضور علیہ السلام خود ہی بیان فرما دیتے تو یہ خوبیاں حاصل نہ ہوتیں غرضیکہ علم تو تھا اظہار نہ تھا -

لطف یہ ہے کہ یوسف علیہ السلام کو زلیخا نے تہمت لگائی - تو رب تعالیٰ نے ان کی صفائی خود بیان نہ فرمائی بلکہ ایک شیر خوار بچہ کے ذریعہ پاکدامنی سے پاکدامنی ظاہر فرما دی - حضرت مریم کو تہمت لگی - تو شیر خوار روح اللہ سے ان کی عصمت ظاہر کی - مگر محبوب علیہ السلام کی محبوبہ زوجہ کو الزام لگا تو کسی بچہ یا فرشتہ سے عصمت کی گواہی نہ دلائی گئی - بلکہ یہ گواہی خود خالق نے دی اور اس گواہی کو قرآن کا جزو بنایا - تاکہ یہ گواہی ایمان کا رکن بنے اور مخلوق کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبوبیت کا پتہ چلے -

تنبیہ :- ایک جہل ہے ایک نسیان ایک ذہول - جہل نہ جاننا ہے - نسیان جان کر حافظہ سے نکل جانا - ذہول یہ ہے کہ کوئی چیز حافظہ میں ہو مگر ادھر توجہ نہ رہے - ایک شخص نے قرآن نہ پڑھا دوسرے نے حفظ کر کے بھلا دیا - تیسرا شخص حافظ کامل ہے - اگر کسی وقت کوئی آیت اس سے پوچھی بتا نہ سکا - توجہ نہ رہی - پہلا تو قرآن سے جاہل - دوسرا ناسی، تیسرا ذاہل ہوا، انبیائے کرام کو بعض وقت

کسی خاص چیز کا نسیان ہو سکتا ہے۔ مگر بعد میں اس پر قائم نہیں رہتے۔ قرآن کریم سیدنا آدم علیہ السلام کے لیئے فرماتا ہے۔ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا وہ بھول گئے ہم نے ان کا قصد نہ پایا۔ حضرت آدم علیہ السلام کی نظر لوح محفوظ پر تھی۔ یہ تمام واقعات پیش نظر تھے۔ مگر ارادۂ الٰہی کہ کچھ مدت کے لئے نسیان ہو گیا۔ قیامت میں شفیع کی تلاش میں سارے مسلمان جن میں محدثین و مفسرین و فقہاء سب ہی ہیں۔ انبیاء کرام کے پاس جائیں گے کہ آپ شفاعت فرمادیں۔ وہ شفاعت نہ تو کریں گے اور نہ شفیع المذنبین کا صحیح پتہ دیں گے۔ خیال سے فرمادیں گے کہ حضرت نوح کے پاس جاؤ۔ وہاں جاؤ، وہاں جاؤ شاید وہ تمہاری شفاعت کریں۔ حالانکہ دنیا میں سب کا عقیدہ تھا اور ہے کہ قیامت میں شفیع المذنبین حضور علیہ السلام ہی ہیں۔ یہ ہوا دھول کہ ان باتوں کی طرف توجہ نہ رہی۔ اگر حضور علیہ السلام کسی وقت کوئی بات نہ بتائیں تو اس کی وجہ ذہول (ادھر توجہ کا نہ ہونا) ہو سکتی ہے۔ بے علمی ثابت نہ ہوگی رب تعالیٰ فرماتا ہے وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ اگرچہ آپ اس سے پہلے واقعہ حضرت یوسف علیہ السلام سے بے پرواہ تھے غافل فرمایا جاہل نہ فرمایا۔ غافل وہ کہ واقعہ علم میں ہے۔ مگر ادھر دھیان نہیں۔ گلستان میں فرماتے ہیں کسی نے حضرت یعقوب علیہ السلام سے پوچھا ؎

زمصرش بوئے پیراہن شمیدی ٭ چرا در چاہ کنعانش ندیدی!

کہ آپ نے حضرت یوسف کے کرتہ کی خوشبو مصر سے تو پائی۔ مگر کنعان کے کنوئیں میں رہے۔ تو آپ معلوم نہ کر سکے۔ جواب دیا ؎

بگفت احوال ما برق جہان است | دمے پیدا و دیگر دم نہان است
گہے بر طارم اعلےٰ نشینیم!! | گہے بر پشت پائے خود نہ بینیم

فرمایا کہ ہمارا حال بجلی کی تڑپ کی طرح ہے کبھی ظاہر کبھی چھپا ہوا۔ قرآنی آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو علم تھا کہ ماہ کنعان مصر میں تجلی دے رہا ہے۔ فرماتے ہیں۔

وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ | مجھے خدا کی طرف سے وہ باتیں معلوم ہیں جو تم کو نہیں معلوم

روح البیان پارہ بارہ ۱۲ زیر آیت وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ میں ہے کہ رب تعالیٰ کو اپنے پیاروں کا رونا بہت پسند ہے حضرت نوح اتنا روئے کہ نام ہی نوح ہوا۔ یعنی نوحہ اور گریہ زاری کرنے والے۔ حضرت یعقوب کے رونے کے لیئے فراق یوسف سبب ظاہری تھا ورنہ ان کا رونا بلندی

درجات کا سبب تھا۔ لہٰذا اِن کا یہ رونا حضرت یوسف سے بے خبری کی وجہ سے نہ تھا بلکہ الْمَجَازُ قَنْطَرَةُ الْحَقِيقَةِ مثنوی میں ہے ؎

عشق لیلیٰ نیست ایں کار منست ❊ حسن لیلیٰ عکس رخسار منست

خوش بیاید نالۂ شب ہائے تو ❊ ذوقہا دارم بیار بہائے تو

بنیامین کو مصر میں حضرت یوسف علیہ السلام نے ایک حیلہ سے روک لیا۔ بھائیوں نے اگر قسم کھائی اور قافلے والوں کی گواہی پیش کی کہ بنیامین مصر میں شاہی قیدی بنا لیے گئے مگر فرمایا۔ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا کہ تمہارے نفس نے تمہیں حیلہ سکھا دیا۔

یعنی یوسف کو بھی مجھ سے میری اولاد نے ہی جدا کیا اور بنیامین کو بھی، میری اولاد یعنی حضرت یوسف نے حیلہ ہی سے روکا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل واقعہ کی خبر ہے۔ پھر بظاہر مصر میں یعقوب علیہ السلام کے دو فرزند رہ گئے تھے ایک تو بنیامین دوسرے یہودا۔ مگر فرماتے ہیں۔

عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَنِيْ بِهِمْ جَمِيْعًا قریب ہے کہ اللہ ان تینوں کو مجھ سے ملائے۔

تین کون تھے؟ تیسرے حضرت یوسف علیہ السلام ہی تو تھے۔ جب زلیخا نے حضرت یوسف علیہ السلام کو گھر میں بند کر کے بری خواہش ظاہر کرنا چاہی تو اس بند مکان میں یعقوب علیہ السلام حضرت یوسف کے پاس پہنچے اور دانت تلے انگلی دبا کر اشارہ کیا کہ ہرگز نہیں۔ اے فرزند یہ کام تمہارا نہیں ہے کہ تم نبی کے بیٹے ہو جس کو قرآن فرماتا ہے وَهَمَّ بِهَا لَوْلَا اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ۔ وہ بھی زلیخا کا قصد کر لیتے اگر رب کی دلیل نہ دیکھ لیتے۔

یہ بھی خیال رہے کہ برادران یوسف علیہ السلام نے خبر دی کہ ان کو بھیڑیا کھا گیا اور آپ کو قمیص اور بھیڑیئے کی خبر سے ان کا جھوٹا ہونا معلوم ہو گیا تھا کہ بھیڑیئے نے عرض کیا تھا کہ ہم پر انبیاء کا گوشت حرام ہے، دیکھو تفسیر خازن، روح البیان سورۂ یوسف۔ پھر آپ اپنے فرزند کی تلاش میں جنگل کیوں نہ گئے؟ معلوم ہوا کہ باخبر تھے مگر راز دار تھے، جانتے تھے کہ فرزند سے مصر میں ملاقات ہوگی۔ اسی طرح یوسف علیہ السلام کو بہت سے موقعے ملے، مگر والد کو اپنی خبر نہ دی۔ معلوم ہوا کہ حکم کا انتظار تھا کنعان سے بیٹھے ہوئے یعقوب علیہ السلام اپنے فرزندوں کی ایک ایک بات کو دیکھ لیں۔ مگر حضور علیہ السلام اپنی جلیلہ طاہرہ صدیق کی بیٹی حضرت صدیقہ کے حالات سے بے خبر ہوں۔ مگر جو رب کہ انکو اتنا علم دیتا ہے طاقت

ضبط بھی دیتا ہے کہ دیکھتے ہیں مگر بے رضی الٰہی راز فاش نہیں کرتے ہیں اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ہماری یہ تقریر اگر خیال میں رہی تو بہت مفید ہوگی۔ انشاءاللہ

اعتراض (۸) حدیث شریف میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے بعض ازواج کے گھر شہد ملاحظہ فرمایا۔ اس پر حضرت عائشہ نے عرض کیا کہ یا حبیب اللہ آپ کے دہن پاک سے مغافیر کی بو آرہی ہے۔ تو فرمایا کہ ہم نے مغافیر نہیں استعمال فرمایا۔ شہد پیا ہے۔ پھر حضور نے اپنے پر شہد حرام کرلیا جس پر یہ آیت اتری لِمَ تُحَرِّمُ مَا اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ معلوم ہوا کہ اپنے دہن پاک کی بو کا بھی علم نہ تھا کہ اس سے بو آرہی ہے یا نہیں۔

جواب:۔ اس کا جواب اسی آیت میں ہے۔ تَبْتَغِىْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ اے حبیب یہ حرام فرمانا آپ کی بے خبری سے نہیں بلکہ ان معترض ازواج کی رضا کے لیے ہے نیز اپنے منہ کی بو غیب نہیں محسوس چیز ہے ہر صحیح الدماغ محسوس کرلیتا ہے کیا دیوبندی انبیاء کے حواس کو بھی ناقص ماننے لگے ان کے حواس کی قوت کو مولانا نے بیان فرمایا ہے

نطق آب و نطق خاک و نطق گل ❊ ہست محسوس از حواسِ اہل دل

فلسفی گو منکر حنانہ است ❊ از حواسِ اولیاء بیگانہ است!

اعتراض (۹) اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب تھا تو خیبر میں زہر آلود گوشت کیوں کھا لیا۔ اگر جانتے ہوئے کھایا تو یہ خود کشی کی کوشش ہے۔ جس سے نبی معصوم ہیں۔

جواب:۔ اس وقت حضور علیہ السلام کو یہ بھی علم تھا کہ اس میں زہر ہے اور یہ بھی خبر تھی کہ زہر ہم پر بحکم الٰہی اثر نہ کرے گا۔ اور یہ بھی خبر تھی کہ رب تعالیٰ کی مرضی یہ ہی تھی کہ ہم اسے کھالیں تاکہ بوقت وفات اس کا اثر لوٹے اور ہم کو شہادت کی وفات عطا فرمائی جاوے راضی برضا تھے۔

اعتراض (۱۰) اگر حضور علیہ السلام کو علم غیب تھا تو بیر معونہ کے منافقین دھوکے سے آپ سے ستر (۷۰) صحابہ کرام کیوں لے گئے جنہیں وہاں لے جاکر شہید کردیا۔ اس آفت میں انہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کیوں پھنسایا۔

جواب:۔ جی ہاں حضور علیہ السلام کو یہ بھی خبر تھی کہ بیر معونہ والے منافقین ہیں اور یہ بھی خبر تھی کہ یہ لوگ ان ستر صحابہ کو شہید کردیں گے۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی خبر تھی کہ مرضی الٰہی یہ ہی ہے اور ان ستر کی شہادت

کا وقت آگیا ہے۔ یہ بھی جانتے تھے کہ رب تعالیٰ کی رضا پر راضی رہنا بندے کی شان ہے ابراہیم علیہ السلام تو مرضی الٰہی پاکر فرزند پر چھری لے کر تیار ہو گئے کیا یہ بے گناہ پر ظلم تھا؟ نہیں بلکہ رضائے مولیٰ پر رضا تھی۔ اچھا بتاؤ رب تعالیٰ کو تو خبر تھی کہ گوشت میں زہر ہے۔ اور بیر معونہ والے ان ستر کو شہید کر دیں گے۔ اس نے وحی بھیج کر کیوں نہ روک دیا۔ اللہ تعالیٰ سمجھ دے۔

تیسری فصل

علم غیب کے خلاف عبارات فقہاء کے بیان میں

اعتراض (۱) فتاویٰ قاضی خاں میں ہے۔

رَجُلٌ تَزَوَّجَ بِغَيْرِ شُهُوْدٍ فَقَالَ الرَّجُلُ وَالْمَرْءَةُ خدا اور رسول را گواہ کردیم قَالُوْا یَكُوْنُ كُفْرًا لِاَنَّهٗ اِعْتَقَدَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَعْلَمُ الْغَيْبَ وَهُوَ مَا كَانَ يَعْلَمُ الْغَيْبَ حِيْنَ كَانَ فِي الْحَيٰوةِ فَكَيْفَ بَعْدَ الْمَوْتِ

کسی نے بغیر گواہوں کے نکاح کیا تو مرد اور عورت نے کہا کہ ہم نے خدا اور رسول کو گواہ کیا تو لوگوں نے کہا ہے کہ یہ قول کفر ہے کیونکہ اس نے اعتقاد کیا کہ رسول اللہ علیہ السلام غیب جانتے ہیں حالانکہ آپ تو غیب زندگی میں نہ جانتے تھے چہ جائیکہ موت کے بعد

اعتراض (۲) شرح فقہ اکبر میں ملا علی قاری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

وَذَكَرَ الْحَنَفِيَّةُ تَصْرِيْحًا بِالتَّكْفِيْرِ بِاعْتِقَادِ اَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَعْلَمُ الْغَيْبَ لِمُعَارَضَةِ قَوْلِهٖ تَعَالٰى قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ۔

حنفیوں نے صراحۃً ذکر کیا ہے کہ یہ اعتقاد کہ نبی علیہ السلام غیب جانتے تھے کفر ہے کیونکہ یہ عقیدہ خدائے پاک کے اس فرمان کے خلاف ہے کہ فرمادو آسمان اور زمین کا غیب خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

ان دونوں عبارتوں سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو علم غیب ماننا کفر ہے۔

جواب:۔ ان دونوں عبارتوں کا اجمالی اور الزامی جواب تو یہ ہے کہ مخالفین بھی حضور علیہ السلام کو بعض علم غیب مانتے ہیں۔ لہٰذا وہ بھی کافر ہوئے کیونکہ ان عبارتوں میں کل یا بعض کا تو ذکر نہیں بلکہ یہ ہے کہ جو بھی حضور کو علم غیب مانے وہ کافر ہے۔ خواہ ایک کا مانے یا زیادہ کا۔ تو وہ بھی خیر منائیں مولوی

اشرف علی صاحب تھانوی نے حفظ الایمان میں بچوں، پاگلوں اور جانوروں کو بعض علم غیب مانا ہے۔ مولوی خلیل احمد صاحب نے براہین قاطعہ میں شیطان اور ملک الموت کو وسیع علم غیب مانا۔ مولوی قاسم صاحب نے تحذیر الناس میں کمال ہی کر دیا کہ ساری مخلوقات سے حضور علیہ السلام کا علم زیادہ مانا اب ان تینوں صاحبوں پر کیا حکم لگایا جاوے گا؟ تفصیلی جواب یہ ہے کہ قاضی خان کی عبارت میں ہے قَالُوْا لوگوں نے کہا اور قاضی خان وغیرہ فقہاء کی عادت یہ ہے کہ وہ قَالُوْا اس جگہ بولتے ہیں جہاں ان کو یہ قول پسند نہ ہو۔ شامی جلد پنجم صفحہ ۴۴ میں ہے۔

لَفْظَۃُ قَالُوْا تُذْکَرُ فِیْمَا فِیْہِ خِلَافٌ

لفظ قَالُوْا وہاں بولا جاتا ہے جہاں اختلاف ہو

غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی بحث قنوت میں ہے۔

کَلَامُ قَاضِیْ خَانْ یُشِیْرُ اِلٰی عَدَمِ اِخْتِیَارِہٖ لَہٗ حَیْثُ قَالَ قَالُوْا لَا یُصَلِّیْ عَلَیْہِ فِی الْقَعْدَۃِ الْاَخِیْرَۃِ فَفِیْ قَوْلِہٖ قَالُوْا اِشَارَۃٌ اِلٰی عَدَمِ اِسْتِحْسَانِہٖ لَہٗ وَاِلٰی اَنَّہٗ غَیْرُ مَرْوِیٍّ عَنِ الْاَئِمَّۃِ کَمَا قُلْنَاہُ وَاِنَّ ذٰلِکَ مُتَعَارَفٌ فِیْ عِبَارَاتِہِمْ لِمَنِ اسْتَقْرَاَھَا۔

قاضی خان کا کلام ان کی ناپسندیدگی کی طرف اشارہ کرتا ہے کیونکہ انہوں نے کہا قَالُوْا الخ ان کے قَالُوْا کہنے میں اشارہ ادھر ہے کہ یہ قول پسندیدہ نہیں اور یہ اماموں سے مروی نہیں جیسا کہ ہم نے بیان کیا کیونکہ یہ فقہاء کی عبارات میں شائع ہے اس کو معلوم ہے جو ان کی تلاش کرے۔

در مختار کتاب النکاح میں ہے۔

تَزَوَّجَ رَجُلٌ بِشَہَادَۃِ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ لَمْ یَجُزْ بَلْ قِیْلَ یَکْفُرُ۔

ایک شخص نے نکاح کیا اللہ اور رسول کی گواہی سے تو نہیں جائز ہے بلکہ کہا گیا ہے کہ وہ کافر ہو جاوے گا۔

اس عبارت کے ماتحت شامی نے تاتار خانیہ سے نقل کیا۔

وَفِی الْحُجَّۃِ ذُکِرَ فِی الْمُلْتَقَطِ لَا یَکْفُرُ لِاَنَّ الْاَشْیَاءَ تُعْرَضُ عَلٰی رُوْحِ النَّبِیِّ عَلَیْہِ السَّلَامُ وَاَنَّ الرُّسُلَ یَعْرِفُوْنَ بَعْضَ الْغَیْبِ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی فَلَا یُظْہِرُ عَلٰی غَیْبِہٖ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ قُلْتُ بَلْ ذَکَرُوْا

ملتقط میں ہے کہ وہ کافر نہ ہوگا کیونکہ تمام چیزیں حضور علیہ السلام کی روح پر پیش کی جاتی ہیں اور رسول بعض غیب جانتے ہیں رب نے فرمایا ہے کہ پس نہیں ظاہر فرماتا اپنے غیب پر کسی کو سوائے پسندیدہ رسول کے میں کہتا ہوں کہ کتب عقائد میں

فِیْ کُتُبِ الْعَقَائِدِ اَنَّ مِنْ جُمْلَةِ کَرَامَاتِ الْاَوْلِیَاءِ الْاِطِّلَاعُ عَلٰی بَعْضِ الْمُغَیَّبَاتِ

ہے کہ اولیاء اللہ کی کرامات میں سے، بعض غیبوں پر مطلع ہونا بھی ہے۔

شامی باب المرتدین میں مسائل بزازیہ ذکر فرماکر فرمایا۔

حَاصِلُهٗ اَنَّ دَعْوَی الْغَیْبِ مُعَارِضَةٌ لِنَصِّ الْقُرْاٰنِ یَکْفُرُ بِهَا اِلَّا اِذَا اَسْنَدَ ذٰلِكَ صَرِیْحًا اَوْ دَلَالَةً اِلٰی سَبَبٍ کَوَحْیٍ اَوْ اِلْهَامٍ۔

اس کا خلاصہ یہ ہے دعویٰ علم غیب نص قرآنی کے خلاف ہے کہ اس سے کافر ہوگا مگر جبکہ اس کو صراحۃً یا دلالۃً کسی سبب کی طرف نسبت کردے جیسے کہ وحی یا الہام

معدن الحقائق شرح کنز الدقائق۔ اور خزانۃ الروایات میں ہے۔

وَفِی الْمُضْمَرَاتِ وَالصَّحِیْحُ اَنَّهٗ لَا یَکْفُرُ لِاَنَّ الْاَنْبِیَاءَ یَعْلَمُوْنَ الْغَیْبَ وَیُعْرَضُ عَلَیْهِمُ الْاَشْیَاءُ فَلَا یَکُوْنُ کُفْرًا۔

مضمرات میں ہے صحیح یہ ہے کہ وہ شخص کافر نہ ہوگا کیونکہ انبیائے کرام غیب جانتے ہیں اور ان پر چیزیں پیش کی جاتی ہیں۔ پس یہ کفر نہ ہوگا۔

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ عقیدہ علم غیب پر فتوئے کفر لگانا غلط ہے۔ بلکہ فقہاء کا بھی عقیدہ ہے کہ حضور علیہ السلام کو علم غیب دیا گیا۔

ملا علی قاری کی عبارت پوری نقل نہیں کی۔ اصل عبارت یہ ہے جو مطلب واضح کرتی ہے۔

ثُمَّ اعْلَمْ اَنَّ الْاَنْبِیَاءَ لَمْ یَعْلَمُوا الْمُغَیَّبَاتِ مِنَ الْاَشْیَاءِ اِلَّا مَا اَعْلَمَهُمُ اللّٰهُ وَذَکَرَ الْحَنَفِیَّةُ تَصْرِیْحًا بِالتَّکْفِیْرِ الخ

پھر جانو کہ انبیائے کرام غیب چیزوں کو نہیں جانتے سوائے اس کے جو انکو اللہ نے بتادیں اور حنفیوں نے کفر کی تصریح کی جو نبی علیہ السلام کو علم غیب جانے الخ

اب پورا مطلب معلوم ہوا کہ نبی علیہ السلام کو علم غیب ذاتی ماننے کو ملا علی قاری کفر فرمارہے ہیں نہ کہ عطائی۔ کیونکہ عطائی کو تو مان رہے ہیں اور پھر ان کی عبارتیں ہم ثبوت علم غیب میں پیش کرچکے ہیں کہ ملا علی قاری حضور علیہ السلام کو تمام ماکان و مایکون کا عالم مانتے ہیں۔

چوتھی فصل

علم غیب پر عقلی اعتراضات کے بیان میں

اعتراض (۱) علم غیب خدا کی صفت ہے اس میں کسی کو شریک کرنا شرک فی الصفت ہے۔

لہذا حضور علیہ السلام کو علم غیب ماننا شرک ہے۔

جواب: غیب جاننا بھی خدا کی صفت ہے حاضر چیزوں کا جاننا بھی خدا کی صفت ہے۔ عَالِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ اسی طرح سننا دیکھنا زندہ ہونا سب خدا کی صفات ہیں۔ تو اگر کسی کو حاضر چیز کا علم ماننا یا کسی کو سمیع یا بصیر یا حی ماننا ہر طرح شرک ہوا۔ فرق یہ ہی کیا جاتا ہے کہ ہمارا سننا دیکھنا زندہ رہنا خدا کے دینے سے ہے اور حادث ہے۔ خدا کی یہ صفات ذاتی اور قدیم پھر شرک کیسا؟ اسی طرح علم غیب نبی عطائی اور حادث اور متناہی ہے۔ رب کا علم ذاتی قدیم اور کل معلومات غیر متناہیہ کا ہے نیز یہ شرک تو تم پر بھی لازم ہے۔ کیونکہ تم حضور علیہ السلام کے لیے علم غیب مانتے ہو بعض ہی کا سہی۔ اور خدا کی صفت میں کلاً و بعضاً ہر طرح شریک کرنا شرک ہے۔ نیز مولوی حسین علی صاحب واں بھچر والے جو مولوی رشید احمد صاحب کے خاص شاگرد ہیں۔ اپنی کتاب بلغۃ الحیران زیر آیت یَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا كُلٌّ فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ میں لکھتے ہیں کہ خدا کو ہر وقت مخلوقات کے اعمال کا علم نہیں ہوتا۔ بلکہ بندے جب اعمال کر لیتے ہیں۔ تب علم ہوتا ہے۔ اب تو علم غیب خدا کی صفت رہی ہی نہیں۔ پھر کسی کو علم غیب ماننا شرک کیوں ہوگا۔

اعتراض (۳) حضور علیہ السلام کو علم غیب کب حاصل ہوا۔ تم کبھی تو کہتے ہو کہ شب معراج منہ میں قطرہ ٹپکایا گیا اس سے علم غیب ملا اور کبھی کہتے ہو کہ خواب میں رب کو دیکھا کہ اس نے اپنا دست قدرت حضور علیہ السلام کے شانہ پر رکھا۔ جس سے تمام علوم حاصل ہوتے۔ کبھی کہتے ہو کہ قرآن تمام چیزوں کا بیان ہے۔ اس کے نزول ختم ہونے سے علم غیب ملا۔ اس میں کونسی بات درست ہے۔ اگر نزول قرآن سے پہلے علم مل چکا تھا تو قرآن سے کیا ملا۔ تحصیل حاصل محال ہے۔

جواب: حضور علیہ السلام کو نفس علم غیب تو ولادت سے پہلے ہی عطا ہو چکا تھا کیونکہ آپ ولادت سے قبل عالم ارواح میں نبی تھے۔ كُنْتُ نَبِیًّا وَّاٰدَمُ بَیْنَ الطِّیْنِ وَالْمَآءِ اور نبی کہتے ہی اس کو ہیں جو غیب کی خبر دے مگر ماکان وما یکون کی تکمیل شب معراج میں ہوئی۔ لیکن یہ تمام علوم شہودی تھے کہ تمام اشیاء کو نظر سے مشاہدہ فرمایا۔ پھر قرآن نے ان ہی دیکھی ہوئی چیزوں کا بیان فرمایا اسی لیے قرآن میں ہے۔ تِبْیَانًا لِّكُلِّ شَیْءٍ ہر چیز کا بیان۔ اور معراج میں ہوا فَتَجَلّٰی لِیْ كُلُّ شَیْءٍ وَعَرَفْتُ دیکھنا اور ہے بیان کچھ اور۔ جیسے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرما کر ان کو تمام چیزیں دکھا دیں۔ بعد میں

ان کے نام بتائیے۔ وہ مشاہدہ تھا اور یہ بیان۔ اگر چیزیں دکھائی نہ گئی تھیں تو ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ کے کیا معنے ہوں گے۔ یعنی پھر ان چیزوں کو ملائکہ پر پیش فرمایا لہذا دونوں قول صحیح ہیں کہ معراج میں بھی علم ہوا۔ اور قرآن سے بھی۔ اگر کہا جاوے کہ پھر نزول قرآن سے فائدہ کیا سب باتیں تو پہلے ہی سے حضور کو معلوم تھیں۔ بتائی جاتی ہے نامعلوم چیز۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ نزولِ قرآن صرف حضور علیہ السلام کے علم کے لیئے نہیں ہوتا۔ بلکہ اس سے ہزارہا دیگر فائدے ہوتے ہیں مثلاً یہ کہ کسی آیت کے نزول سے پہلے اس کے احکام جاری نہ ہوں گے۔ اس کی تلاوت وغیرہ نہ ہوگی اگر نزولِ قرآن حضور علیہ السلام کے علم کے لیئے ہے تو بعض سورتیں دو بار کیوں نازل ہوئیں۔

تفسیر مدارک میں ہے۔ فَاتِحَةُ الْكِتَابِ مَكِّيَّةٌ وَّقِيْلَ مَدَنِيَّةٌ وَالْاَصَحُّ اَنَّهَا مَكِّيَّةٌ وَّمَدَنِيَّةٌ نَزَلَتْ بِمَكَّةَ ثُمَّ نَزَلَتْ بِالْمَدِيْنَةِ۔

سورۃ فاتحہ کی ہے اور کہا گیا ہے کہ مدنی ہے۔ اور صحیح تر یہ ہے کہ یہ کی بھی ہے اور مدنی بھی اولاً مکہ میں نازل ہوئی پھر مدینہ میں۔

مشکوٰۃ حدیث معراج میں ہے کہ حضور علیہ السلام کو شب معراج میں پانچ نمازیں اور سورہ بقر کی آخری آیات عطا ہوئیں۔ اس حدیث کی شرح میں ملا علی قاری نے سوال کیا کہ معراج تو مکہ معظمہ میں ہوئی اور سورۃ بقر مدنی ہے۔ پھر اس کی آخری آیات معراج میں کیسے عطا ہوئیں؟ تو جواب دیتے ہیں۔

حَاصِلُهٗ اَنَّهٗ مَا وَقَعَ تَكْرَارُ الْوَحْيِ فِيْهِ تَعْظِيْمًا لَّهٗ وَاهْتِمَامًا لِّشَانِهٖ فَاَوْحَى اللّٰهُ اِلَيْهِ فِيْ تِلْكَ اللَّيْلَةِ بِلَا وَاسِطَةِ جِبْرِيْلَ۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس میں وحی مکرر ہوئی حضور علیہ السلام کی تعظیم اور آپکے اہتمام شان کیلئے۔ پس اللہ نے اس رات بغیر واسطہ جبریل وحی فرمادی۔

اسی حدیث کے ماتحت لمعات میں ہے۔

نَزَلَتْ عَلَيْهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةَ الْمِعْرَاجِ بِلَا وَاسِطَةٍ ثُمَّ نَزَلَ بِهَا جِبْرِيْلُ فَاُثْبِتَتْ فِي الْمُصْحَفِ

شب معراج میں یہ آیات بغیر واسطہ کے اتریں پھران کو جبریل نے اتارا تو قرآن میں رکھی گئیں۔

بتاؤ کہ دوبار نزول کس لیئے ہوا؟ حضور علیہ السلام کو تو پہلے نزول سے علم حاصل ہوچکا تھا۔ نیز ہر سال ماہ رمضان میں جبریل امین حضور علیہ السلام کو سارا قرآن سناتے تھے۔ مقدمہ نور الانوار تعریف کتاب میں ہے۔
لِاَنَّهٗ كَانَ يَنْزِلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ دَفْعَةً وَّاحِدَةً فِيْ كُلِّ شَهْرِ رَمَضَانَ جُمْلَةً بتاؤ یہ نزول کیوں تھا؟
بلکہ قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور کو تمام آسمانی کتابوں کا پورا علم تھا رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيرًا مِمَّا كُنْتُمْ تُخْفُونَ مِنَ الْكِتَابِ وَيَعْفُو عَنْ كَثِيرٍ۔	یعنی اے اہل کتاب تمہارے پاس ہمارے وہ رسول آگئے جو تمہاری بہت سی چھپائی ہوئی کتاب کو ظاہر فرماتے ہیں اور بہت سے درگزر فرماتے ہیں۔

اگر حضور علیہ السلام کے علم میں ساری کتب آسمانی نہیں تو ان کا ظاہر فرمانا یا نہ فرمانا کیا معنے حقیقت یہ ہے کہ حضور علیہ السلام اول ہی سے قرآن کے عارف تھے۔ مگر قرآنی احکام نزول سے قبل جاری نہ فرمائے اسی لیئے بخاری کی پہلی حدیث میں ہے کہ حضرت جبریل نے غار حرا میں پہلی بار آکر عرض کیا اِقْرَءْ آپ پڑھیئے یہ نہ عرض کیا کہ فلاں آیت پڑھیئے اور پڑھو اسی سے کہتے ہیں جو جانتا ہو۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا مَا اَنَا بِقَارِئٍ میں نہیں پڑھنے والا میں تو پڑھانے والا ہوں۔ پڑھ تو پہلے ہی لیا ہے لوح محفوظ میں قرآن ہے اور حضور علیہ السلام کے علم میں پہلے ہی سے ہے۔ آپ ولادت سے پہلے نبی صاحب قرآن ہیں۔ بغیر وحی کے نبوت کیسی؟ لہذا ماننا ہوگا کہ قبل ولادت ہی قرآن کے عارف ہیں۔ آج بھی بعض بچے حافظ پیدا ہوتے ہیں حضرت عیسے نے پیدا ہوتے ہی فرمایا اٰتَانِيَ الْكِتٰبَ رب نے مجھے کتاب دی۔ معلوم ہوا کہ ابھی سے کتاب کو جانتے ہیں۔ بعض پیغمبروں کے لیئے فرمایا اٰتَيْنَاهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ہم نے انہیں بچپن ہی سے علم و حکمت دی۔ حضور نے پیدا ہوتے ہی سجدہ کرکے امت کی شفاعت کی۔ حالانکہ سجدہ اور شفاعت حکم قرآنی ہے۔ حضور غوث پاک نے ماہ رمضان میں ماں کا دودھ نہ پیا۔ یہ بھی حکم قرآنی ہے۔ نور الانوار کے خطبہ میں خلق کی بحث میں ہے یعنی اِنَّ الْعَمَلَ بِالْقُرْاٰنِ كَانَ جِبِلَّةً لَهٗ مِنْ غَيْرِ تَكَلُّفٍ معلوم ہوا کہ قرآن پر عمل کرنا حضور علیہ السلام کی پیدائشی عادت ہے ہمیشہ حلیمہ دائی کا ایک پستان پاک چوسا۔ دوسرا بھائی کے لیئے چھوڑا۔ یہ عدل و انصاف بھی قرآنی حکم ہے۔ اگر ابتداء سے قرآن کے عارف نہیں تو یہ عمل کیسے فرمارہے ہیں۔ دیوبندیوں کا ایک مشہور اعتراض یہ بھی ہے کہ تمہاری پیش کردہ آیتوں کے عموم سے لازم آتا ہے کہ حضور کا علم رب کے برابر ہو۔ مگر تم ان آیتوں میں قیامت تک کی قید لگاتے ہو مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ میں نہ تو قیامت کی قید ہے نہ ماکان و مایکون کا ذکر۔ اور ایک دفعہ خاص ہونے سے آیندہ خصوص کا دروازہ کھل جاتا ہے دیکھو کتب اصول۔ لہذا ہم ان آیتوں میں احکام شرعیہ کی قید لگاتے ہیں یعنی اس سے صرف شرعی احکام مراد ہیں۔ جواب اس کا یہ ہے کہ یہاں آیت میں تخصیص نہیں۔ بلکہ عقلی استثنا ہے کیونکہ رب کا علم غیر متناہی ہے مخلوق کا

دارغیر متناہی علوم نہیں رہ سکتا۔ برہان تسلسل وغیرہ سے لہذا متناہی ہوگا۔ احادیث سے پتہ لگا کہ قیامت وغیرہ کی حضور نے خبر دی اسی لیئے یہ دعویٰ کیا گیا استثنا کا اور حکم ہے تخصیص کا حکم دوسرا دیکھو اقیموا الصلٰوۃ لوٰ تــ سے بچے دیوانے حائضہ خارج ہیں یہ تخصیص نہیں بلکہ استثنا ہے۔

فقیر نے یہ مختصر سی تقریر علم غیب کے متعلق کردی۔ اس کی زیادہ تحقیق کرنا ہو تو رسالہ مبارکہ الکلمۃ العلیا کا مطالعہ کرو۔ جو کچھ میں نے کہا یہ اس بحر کی ایک لہر ہے چونکہ مجھے اور مسائل پر بھی گفتگو کرنا ہے۔ لہذا اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ بِرَحْمَتِهٖ وَهُوَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ ۝

حاضر و ناظر کی بحث

اس بحث میں ایک مقدمہ اور دو باب ہیں

مقدمہ حاضر و ناظر کی لغوی اور شرعی معنی کی تحقیق میں

حاضر کے لغوی معنیٰ ہیں سامنے موجود ہونا یعنی غائب نہ ہونا المصباح المنیر میں ہے۔ حَاضِرٌ حَضَرَةُ مَجْلِسِ الْقَاضِيْ وَحَضَرَ الْغَائِبُ حُضُوْرًا قَدِمَ مِنْ غَيْبَتِهٖ منتہی الارب میں ہے حاضر حاضر شونده۔ ناظر کے چند معنے ہیں۔ دیکھنے والا، آنکھ کا تل۔ نظر، ناک کی رگ، آنکھ کا پانی۔ المصباح المنیر میں ہے۔ وَالنَّاظِرُ السَّوَادُ الْاَصْغَرُ مِنَ الْعَيْنِ الَّذِيْ يُبْصِرُ بِهِ الْاِنْسَانُ شَخْصَهٗ۔ قاموس اللغات میں ہے۔۔ وَالنَّاظِرُ السَّوَادُ فِى الْعَيْنِ اَوِ الْبَصَرُ بِنَفْسِهٖ وَعِرْقٌ فِى الْاَنْفِ وَفِيْهِ مَاءُ الْبَصَرِ۔ مختار الصحاح میں ابن ابی بکر رازی کہتے ہیں۔ اَلنَّاظِرُ فِى الْمُقْلَةِ السَّوَادُ الْاَصْغَرُ الَّذِيْ فِيْهِ اِنْسَانُ الْعَيْنِ۔ جہاں تک ہماری نظر کام کرے وہاں تک ہم ناظر ہیں اور جس جگہ تک ہماری دسترس ہو کہ تصرف کرلیں وہاں تک ہم حاضر ہیں۔ آسمان تک نظر کام کرتی ہے وہاں تک ہم ناظر یعنی دیکھنے والے ہیں مگر وہاں ہم حاضر نہیں۔ کیونکہ وہاں دسترس نہیں۔ اور جس حجرے یا گھر میں ہم موجود ہیں، وہاں حاضر ہیں کہ اس جگہ ہماری پہنچ ہے۔ عالم میں حاضر و ناظر کے شرعی معنیٰ یہ ہیں کہ قوت قدسیہ والا ایک ہی جگہ رہ کر تمام عالم کو اپنے کف دست کی طرح دیکھے اور دور و قریب کی آوازیں سنے یا ایک آن میں تمام عالم کی سیر کرے اور صدہا کوس پر حاجتمندوں کی حاجت روائی کرے۔

یہ رفتار خواہ صرف روحانی ہو یا جسم مثالی کے ساتھ ہو یا اُسی جسم سے ہو جو قبر میں مدفون یا کسی جگہ موجود ہے ان سب معنیٰ کا ثبوت بزرگانِ دین کے لیئے قرآن و حدیث و اقوال علماء سے ہے۔

پہلا باب

حاضر و ناظر کے ثبوت میں

اس میں پانچ فصلیں ھیں

پہلی فصل۔ آیات قرآنیہ سے ثبوت

(۱) یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا وَّ دَاعِیًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِیْرًا۔

اے غیب کی خبریں بتانے والے بیشک ہم نے تم کو بھیجا حاضر و ناظر اور خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا اور اللہ کی طرف اسکے حکم سے بلاتا اور چمکا دینے والا آفتاب۔

شاہد کے معنیٰ گواہ بھی ہو سکتے ہیں اور حاضر و ناظر بھی، گواہ کو شاہد اس لیے کہتے ہیں کہ وہ موقعہ پر حاضر تھا۔ حضور علیہ السلام کو شاہد یا تو اس لیئے فرمایا گیا کہ آپ دنیا میں عالم غیب کی دیکھ کر گواہی دے رہے ہیں ورنہ سارے انبیاء گواہ تھے یا اس لیئے کہ قیامت میں تمام انبیاء کی علینی گواہی دیں گے یہ گواہی بغیر دیکھے ہوئے نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح آپ کا مبشر اور نذیر اور داعی الی اللہ ہونا ہے کہ سارے پیغمبروں نے یہ کام کیئے مگر سن کر، حضور علیہ السلام نے دیکھ کر۔ اسی لیئے معراج صرف حضور کو ہوئی۔ سراج منیر آفتاب کو کہتے ہیں وہ بھی عالم میں ہر جگہ ہوتا ہے گھر گھر میں موجود۔ آپ بھی ہر جگہ موجود ہیں۔ اس آیت کے ہر کلمہ سے حضور علیہ السلام کا حاضر و ناظر ہونا ثابت ہے۔

(۲) وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَ یَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْكُمْ شَهِیْدًا ؕ

اور بات یونہی ہے کہ ہم نے تم کو سب امتوں میں افضل کیا کہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور یہ رسول تمہارے نگہبان اور گواہ۔

(۳) فَكَیْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِیْدٍ وَّ جِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰۤؤُلَآءِ شَهِیْدًا۔

تو کیسی ہوگی جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں اور اے محبوب تم کو ان سب گواہ و نگہبان بنا کر لائیں۔

ان آیتوں میں ایک واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ قیامت کے دن دیگر انبیاء کرام کی امتیں عرض کریں گی کہ ہم تک تیرے پیغمبروں نے تیرے احکام نہ پہنچائے تھے۔ انبیائے کرام عرض کریں گے کہ ہم نے احکام پہنچا دیئے تھے اور اپنی گواہی کے لیئے امت مصطفٰے علیہ السلام کو پیش کریں گے ان کی گواہی پر اعتراض ہوگا کہ تم نے ان پیغمبروں کا زمانہ نہ پایا۔ تم بغیر دیکھے کیسے گواہی دے رہے ہو؟ یہ عرض کریں گے کہ ہم سے حضور علیہ السلام نے فرمایا تھا تب حضور علیہ السلام کی گواہی لی جاوے گی۔ آپ دو گواہیاں دیں گے ایک تو یہ کہ نبیوں نے تبلیغ کی۔ دوسری یہ کہ یہ میری امت والے قابل گواہی ہیں۔ بس مقدمہ ختم۔ انبیاء کرام کے حق میں ڈگری۔ اگر حضور علیہ السلام نے گذشتہ انبیاء کی تبلیغ اور آئندہ اپنی امت کے حالات کو خود چشم حق بین سے ملاحظہ نہ فرمایا تھا تو آپ کی گواہی پر جرح کیوں نہ ہوئی؟ جیسی کہ امت کی گواہی پر جرح ہوئی تھی معلوم ہوا کہ یہ گواہی دیکھی ہوئی تھی اور پہلی سنی ہوئی۔ اس سے آپ کا حاضر و ناظر ہونا ثابت ہوا۔ اس آیت کی تحقیق ہم بحث علم غیب میں کر چکے ہیں۔

(۴) لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ — بے شک تمہارے پاس تشریف لائے تم میں سے
عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ — وہ رسول جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے۔

اس آیت سے تین طرح حضور علیہ السلام کا حاضر ناظر ہونا ثابت ہے ایک یہ کہ جَآءَكُمْ میں قیامت تک کے مسلمانوں سے خطاب ہے کہ تم سب کے پاس حضور علیہ السلام تشریف لائے جس سے معلوم ہوا کہ نبی علیہ السلام ہر مسلمان کے پاس ہیں اور مسلمان تو عالم میں ہر جگہ ہیں تو حضور علیہ السلام بھی ہر جگہ موجود ہیں۔ دوم یہ فرمایا گیا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ تمہاری نفسوں میں سے ہیں یعنی ان کا آنا تم میں ایسا ہے جیسے جان کا قالب میں آنا کہ قالب کی رگ رگ اور رونگٹے رونگٹے میں موجود اور ہر ایک سے خبردار رہتی ہے۔ ایسے ہی حضور علیہ السلام ہر مسلمان کے ہر فعل سے خبردار ہیں۔

آنکھوں میں ہیں لیکن مثل نظر یوں دل میں ہیں جیسے جسم میں جاں
ہیں مجھ میں و لیکن مجھ سے نہاں اس شان کی جلوہ نمائی ہے!

اگر آیت کے صرف یہ معنیٰ ہوتے کہ وہ تم میں سے ایک انسان ہیں تو مِنْكُمْ کافی تھا مِنْ اَنْفُسِكُمْ کیوں ارشاد ہوا؟ تیسرے یہ کہ فرمایا گیا عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ ان پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے جس سے معلوم ہوا کہ ہماری راحت و تکلیف کی ہر وقت حضور کو خبر ہے تب ہی تو ہماری تکلیف سے

قلب مبارک کو تکلیف ہوتی ہے ورنہ اگر ہماری خبر ہی نہ ہو تو تکلیف کیسی ؟ یہ کلمہ بھی حقیقت میں اَنْفُسِکُمْ کا بیان ہے کہ جس طرح جسم کے کسی عضو کو دکھ ہو تو روح کو تکلیف اسی طرح تم کو دکھ درد ہو تو آقا کو گرانی اس کرم کے قربان۔ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔

(۵) وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا۔ | اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب تمہارے حضور حاضر ہوں پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول اُن کی شفاعت فرماویں تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ گنہگاروں کی بخشش کی سبیل صرف یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضر ہو کر شفاعت مانگیں۔ اور حضور کرم کریمانہ سے شفاعت فرماویں۔ اور یہ تو مطلب ہو سکتا نہیں کہ مدینہ پاک میں حاضر ہوں۔ ورنہ پھر ہم فقیر پردیسی گنہگاروں کی مغفرت کی کیا سبیل ہو گی۔ اور مالدار بھی عمر میں ایک دو بار ہی پہنچتے ہیں اور گناہ دن رات کرتے ہیں۔ لہٰذا تکلیف مَافَوْقُ الطَّاقَت ہو گی لہٰذا مطلب یہ ہوا کہ وہ تو تمہارے پاس موجود ہیں تم غائب ہو تم بھی حاضر ہو جاؤ کہ اِدھر متوجہ ہو جاؤ سے

یار نزدیک تراز من بمن است ٭ دیں عجب بیں کہ من از وے دورم

معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام ہر جگہ حاضر ہیں۔

(۶) وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ | اور ہم نے تم کو نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہان کیلئے

پھر فرماتا ہے وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ | اور میری رحمت ہر چیز کو گھیرے ہے۔

معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام جہانوں کے لیے رحمت ہیں اور رحمت جہانوں کو محیط۔ لہٰذا حضور علیہ السلام جہانوں کو محیط۔ خیال رہے کہ رب کی شان ہے رب العٰلمین۔ حبیب کی شان ہے رحمۃ للعٰلمین معلوم ہوا کہ اللہ جس کا رب ہے۔ حضور علیہ السلام اس کے لیے رحمت۔

(۷) مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ۔ | اور اللہ کا کام نہیں کہ انہیں عذاب کرے جب تک اے محبوب تم اُن میں تشریف فرما ہو۔

یعنی عذاب الٰہی اس لیے نہیں آتا کہ اُن میں آپ موجود ہیں اور عام عذاب تو قیامت تک کسی جگہ بھی نہ آوے گا۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام قیامت تک ہر جگہ موجود ہیں بلکہ روح البیان میں فرمایا ہے کہ حضور علیہ السلام ہر سعید و شقی کے ساتھ رہتے ہیں۔ اس کا ذکر تیسری فصل میں آتا ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِیْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ	جان لو کہ تم سب میں رسول اللہ تشریف فرما ہیں

یہ تمام صحابہ کرام سے خطاب ہے، اور صحابہ کرام تو مختلف جگہ رہتے تھے معلوم ہوا کہ حضور سب جگہ انکے پاس ہیں۔

(۸) وَكَذٰلِكَ نُرِیْٓ اِبْرٰهِیْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔	اور اسی طرح ہم ابراہیم کو دکھاتے ہیں۔ ساری بادشاہی آسمانوں اور زمین کی۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو رب نے تمام عالم بچشم سر ملاحظہ کرا دیا۔ حضور علیہ السلام کا درجہ ان سے اعلیٰ ہے لہٰذا ضروری ہے کہ آپ نے بھی عالم کو مشاہدہ فرمایا ہو۔ اس آیت کی تحقیق بحث علم غیب میں گذر گئی۔

(۹) اَلَمْ تَرَ كَیْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِیْلِ ؕ	اے محبوب کیا تم نے نہ دیکھا کہ تمہارے رب نے ان ہاتھی والوں کا کیا حال کیا۔
(۱۰) اَلَمْ تَرَ كَیْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ	کیا تم نے نہ دیکھا کہ تمہارے رب نے قوم عاد کیساتھ کیا کیا۔

قوم عاد اور اصحاب فیل کا واقعہ ولادت پاک سے پہلے کا ہے مگر فرمایا جاتا ہے اَلَمْ تَرَ کیا آپ نے نہ دیکھا یعنی دیکھا ہے اگر کوئی کہے کہ قرآن کریم کفار کے بارے میں فرماتا ہے۔

اَلَمْ یَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ۔	کیا انہوں نے یہ نہ دیکھا کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی قومیں ہلاک کر دیں۔

کفار نے اپنے سے پہلے کفار کو ہلاک ہوتے نہ دیکھا تھا۔ مگر فرمایا گیا کہ کیا نہ دیکھا انہوں نے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں ان کفار کے اجڑے ہوئے ملک اور تباہ شدہ مکانات کا دیکھنا مراد ہے اور چونکہ کفار مکہ اپنے سفروں میں ان مقامات سے گزرتے تھے اس لیئے فرمایا گیا کہ یہ لوگ ان چیزوں کو دیکھ کر عبرت کیوں نہیں پکڑتے۔ حضور علیہ السلام نے نہ تو ظاہر میں دنیا کی سیاحت فرمائی اور نہ قوم عاد وغیرہ کے اجڑے ہوئے ملکوں کو بظاہر دیکھا۔ اس لیئے ماننا ہوگا کہ یہاں نور نبوت سے دیکھنا مراد ہے۔

(۱۱) قرآن کریم جگہ جگہ وَاِذْ اور اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ جبکہ آپ کے رب نے فرشتوں سے کہا۔ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ جبکہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا وغیرہ۔ اس جگہ مفسرین محذوف نکالتے ہیں اُذْكُرْ یعنی اس واقعہ کو یاد کرو۔ اور یاد وہ چیز دلائی جاتی ہے جو پہلے سے دیکھی بھالی ہو ادھر توجہ نہ ہو جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمام گزشتہ واقعات حضور کے دیکھے ہوئے ہیں روح البیان نے لکھا ہے کہ حضرت آدم کے سارے واقعات حضور علیہ السلام مشاہدہ فرما رہے تھے اس کا ذکر آگے آتا ہے۔ اگر کوئی کہے کہ بنی اسرائیل سے بھی خطاب ہے وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ اس وقت کو یاد کرو جبکہ ہم نے تم کو آل فرعون سے نجات دی تھی۔ حضور علیہ السلام کے زمانہ کے یہودی اس زمانہ میں کہاں تھے مگر مفسرین یہاں بھی اُذْكُرُوْا محذوف نکالتے ہیں۔ جواب دیا جاویگا کہ ان بنی اسرائیل کو تاریخی واقعات معلوم تھے۔ کتب تواریخ پڑھی تھیں۔ اس طرف ان کو متوجہ کیا گیا۔ حضور علیہ السلام نے نہ کسی سے پڑھا نہ کتب تاریخ کا مطالعہ فرمایا اور نہ کسی مورخ کی صحبت میں رہے، نہ تعلیم یافتہ قوم میں پرورش پائی اب آپ کو بجز نور نبوت علم کا ذریعہ کیا تھا۔

(۱۲) اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ | نبی مسلمانوں سے اُن کی جانوں سے زیادہ قریب ہیں

مولوی قاسم صاحب بانی مدرسہ دیوبند تحذیر الناس صفحہ ۱۰ میں لکھتے ہیں کہ اس آیت میں اَوْلٰی کے معنی قریب تر ہیں۔ تو آیت کے معنی ہوئے نبی مسلمانوں سے اُن کی جان سے بھی زیادہ قریب ہیں سب سے زیادہ قریب ہم سے ہماری جان اور جان سے بھی قریب نبی علیہ السلام ہیں اور زیادہ قریب چیز بھی چھپی رہتی ہے۔ اسی زیادتی قرب کی وجہ سے آنکھ سے نظر نہیں آتے۔

تنبیہ:۔ اس جگہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ تم مقلد ہو اور مقلد کو آیات یا احادیث سے دلیل لینا جائز نہیں وہ تو قول امام پیش کرے۔ لہٰذا تم صرف امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول ہی پیش کر سکتے ہو اس کا جواب چند طرح سے ہے۔ ایک یہ کہ آپ خود حاضر و ناظر نہ ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں اس بارے میں امام صاحب کا قول پیش کریں۔ دوسرے یہ کہ ہم تقلید کی بحث میں عرض کر چکے ہیں کہ مسئلہ عقائد میں تقلید نہیں ہوتی۔ بلکہ مسائل فقہیہ اجتہادیہ میں ہوتی ہے۔ یہ مسئلہ عقیدہ کا ہے۔ تیسرے یہ کہ صریح آیات واحادیث سے مقلد بھی استدلال کر سکتا ہے۔ ہاں ان سے مسائل کا استنباط نہیں کر سکتا۔ طحاوی میں ہے۔

وَمَا فَهِمُوا الْاَحْكَامُ مِنْ نَحْوِ الظَّاهِرِ وَالنَّصِّ وَالْمُفَسَّرِ فَلَيْسَ مُخْتَصًّا بِهِ (اَیْ بِالْمُجْتَهِدِ) بَلْ يَقْدِرُ عَلَيْهِ الْعُلَمَاءُ الْاَعَمُّ۔	جو احکام ظاہر نص و مفسر سے سمجھے جاویں۔ وہ مجتہد سے خاص نہیں۔ بلکہ اس پر عام علماء قادر ہیں ۔

مسلم الثبوت میں ہے ۔

وَاَيْضًا شَاعَ وَذَاعَ اِحْتِجَاجُهُمْ سَلَفًا وَّ خَلَفًا بِالْعُمُوْمَاتِ مِنْ غَيْرِ نَكِيْرٍ۔	نیز عام آیات سے دلیل پکڑنا خلف و سلف میں بغیر کسی انکار کے شائع ہے ۔

قرآن بھی فرماتا ہے فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ اگر تم نہ جانتے ہو تو ذکر والوں سے پوچھو۔ اجتہادی مسائل ہم نہیں جانتے ان میں آئمہ کی تقلید کرتے ہیں اور صریح آیات کا ترجمہ جانتے ہیں اس میں تقلید نہیں ۔ چوتھے یہ کہ مسئلہ حاضر و ناظر پر فقہاء محدثین اور مفسرین کے اقوال بھی آئندہ فصلوں میں آرہے ہیں دیکھو اور غور کرو کہ حاضر و ناظر کا عقیدہ سارے مسلمانوں کا عقیدہ ہے ۔

دوسری فصل حاضر و ناظر کی احادیث کے بیان میں

اس میں تمام وہ احادیث پیش کی جاویں گی جو مسئلہ علم غیب میں گزر چکی ہیں۔ خصوصاً حدیث نمبر ۱۶ و ۱۷ و ۱۸ او ۱۹ جن کا مضمون یہ ہے کہ ہم تمام عالم کو مثل کفِ دست دیکھ رہے ہیں ۔ ہم پر ہماری امت اپنی صورتوں میں پیش ہوئی اور ہم ان کے نام، ان کے باپ دادوں کے نام، ان کے گھوڑوں کے رنگ جانتے ہیں وغیرہ وغیرہ اسی طرح ان کی شرح میں محدثین کے اقوال گزر چکے ہیں وہ پیش کئے جائیں گے خصوصاً مرقاۃ، زرقانی وغیرہ کی عبارتیں ان کے علاوہ حسب ذیل احادیث اور بھی پیش کی جاویں گی ۔

مشکوٰۃ باب اثبات عذاب القبر میں ہے ۔

(۱) فَيَقُوْلَانِ مَا كُنْتَ تَقُوْلُ فِيْ هٰذَا الرَّجُلِ لِمُحَمَّدٍ	نکیرین میت سے پوچھتے ہیں کہ تم انکے (محمد رسول اللہ) کے بارے میں کیا کہتے تھے

اشعۃ اللمعات میں اسی حدیث کے ماتحت ہے یعنی ہذا الرجل کہ می گویند آنحضرت را می خواہند۔ ہذا الرجل سے مراد حضور علیہ السلام کی ذات ستودہ صفات ہے۔ اشعۃ اللمعات میں یہی حدیث ہے یا با حضار ذات شریف دے در عیاں بدیں طریق کہ در قبر مثالے دے علیہ السلام حاضر ساختہ باشد و دریں جا بشارتے است عظیم مرمشتاں غمزدہ را کہ اگر برامید ایں شادی جاں دہندہ و زندہ در گور روند جا دارد یا قبر میں ظاہر ظہورا آپ کی ذات شریف کو حاضر کرتے ہیں اس طرح کہ قبر میں حضور علیہ السلام کا وجود مثالی موجود کر دیتے ہیں اور (۳)

جاگو مشتاقانِ عزہ کو بڑی خوشخبری ہے کہ اگر اس شادی کی امید پر جان دے دیں اور زندہ قبروں میں چلے جائیں تو اس کا موقعہ ہے۔ حاشیہ مشکوٰۃ میں یہ ہی حدیث ہے۔

قِيْلَ يُكْشَفُ لِلْمَيِّتِ حَتّٰى يَرٰى النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَهِيَ بُشْرٰى عَظِيْمَةٌ۔

کہا گیا ہے کہ میت سے حجاب اٹھا دیئے جاتے ہیں یہاں تک کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتا ہے اور یہ بڑی ہی خوشخبری ہے۔

قسطلانی شرح بخاری جلد ۳ صفحہ ۳۹۰ کتاب الجنائز میں ہے۔

فَقِيْلَ يُكْشَفُ لِلْمَيِّتِ حَتّٰى يَرٰى النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَهِيَ بُشْرٰى عَظِيْمَةٌ لِلْمُؤْمِنِ اِنْ صَحَّ۔

کہا گیا ہے کہ میت سے حجاب اٹھا دیئے جاتے ہیں یہاں تک کہ وہ نبی علیہ السلام کو دیکھتا ہے اور یہ مسلمان کیلئے بڑی خوشخبری ہے اگر ٹھیک رہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہذا الرجل معہود ذہنی کی طرف اشارہ ہے کہ فرشتے مردہ سے پوچھتے ہیں کہ وہ جو تیرے ذہن میں موجود ہیں انہیں تو کیا کہتا تھا؟ مگر یہ درست نہیں کیونکہ ایسا ہوتا تو کافر میت سے سوال نہ ہوتا کیونکہ وہ تو حضور علیہ السلام کے تصور سے خالی الذہن ہے۔ نیز کافر اس کے جواب میں یہ نہ کہتا۔ میں نہیں جانتا بلکہ پوچھتا تم کس کے بارے میں سوال کرتے ہو؟ اس کے لَا اَدْرِیْ کہنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضور کو آنکھوں سے دیکھ تو رہا ہے مگر پہچانتا نہیں اور یہ اشارہ خارجی ہے۔

اس حدیث اور عبارتوں سے معلوم ہوا کہ قبر میں میت کو حضور علیہ السلام کا دیدار کرا کر سوال ہوتا ہے کہ تو اس شمس الضحیٰ بدر الدجیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو تیرے سامنے جلوہ گر ہیں۔ کیا کہتا تھا ہذا اشارہ قریب ہے معلوم ہوا کہ دکھا کر قریب کر کے پھر پوچھتے ہیں۔ اسی لئے حضرات صوفیائے کرام اور عشاق موت کی تمنا کرتے ہیں اور قبر کی پہلی رات کو دولہا کے دیدار کی رات کہتے ہیں۔ اعلیٰحضرت فرماتے ہیں ؎

جان تو جاتے ہی جائیگی قیامت یہ ہے ✿ کہ یہاں مرنے پہ ٹھہرا ہے نظارہ تیرا

مولانا آسی فرماتے ہیں:۔

آج پھولے نہ سمائیں گے کفن میں آسی ✿ جس کے جویاں تھے ہے اُس گل کی ملاقات کی رات

ہم نے اپنے دیوان میں عرض کیا ہے ؎

مرقد کی پہلی شب ہے دولہا کی دید کی شب ✿ اس شب پہ عید صدقے اس کا جواب کیسا

اسی لیئے بزرگانِ دین کے وصال کے دن کو روزِ عرس کہتے ہیں، عرس کے معنی ہیں شادی کیونکہ عروس یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دولہا کے دیدار کا دن ہے۔

اور ایک وقت میں ہزار ہا جگہ ہزاروں مردے دفن ہوتے ہیں۔ تو اگر حضور علیہ السلام حاضر ناظر نہیں ہیں تو ہر جگہ جلوہ گری کیسی؟ ثابت ہوا کہ حجاب ہماری نگاہوں پر ہے۔ ملائکہ اس حجاب کو اٹھا دیتے ہیں جیسے کہ دن میں کوئی خیمہ میں بیٹھا ہو اور آفتاب اس کی نگاہ سے غائب ہو کسی نے اس خیمہ کو اوپر سے ہٹا کر سورج دکھا دیا۔

(۲) مشکوٰۃ باب التحریض علی قیام اللیل میں ہے۔

اِسْتَيْقَظَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةً فَزِعًا يَقُوْلُ سُبْحٰنَ اللّٰهِ مَاذَا اُنْزِلَ اللَّيْلَةَ مِنَ الْخَزَائِنِ وَمَاذَا اُنْزِلَ مِنَ الْفِتَنِ

ایک شب حضور علیہ السلام گھبرائے ہوئے بیدار ہوتے فرماتے تھے کہ سبحان اللہ اس رات میں کس قدر خزانے اور کس قدر فتنے اتارے گئے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ آئندہ ہونے والے فتنوں کو بچشم ملاحظہ فرما رہے ہیں۔

(۳) مشکوٰۃ باب المعجزات میں انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

نَعَى النَّبِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ زَيْدًا وَّجَعْفَرًا وَّابْنَ رَوَاحَةَ لِلنَّاسِ قَبْلَ اَنْ يَّاْتِيَهُمْ خَبَرُهُمْ فَقَالَ اَخَذَ الرَّايَةَ زَيْدٌ فَاُصِيْبَ اِلٰى حَتّٰى اَخَذَ الرَّايَةَ سَيْفٌ مِّنْ سُيُوْفِ اللّٰهِ يَعْنِيْ خَالِدَ ابْنَ الْوَلِيْدِ حَتّٰى فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ

حضور علیہ السلام نے زید اور جعفر اور ابن رواحہ کی ان کی خبر موت آنے سے پہلے لوگوں کو خبر موت دے دی۔ فرمایا کہ اب جھنڈا زید نے لے لیا اور وہ شہید ہو گئے۔ یہاں تک کہ جھنڈا اللہ کی تلوار خالد ابن ولید نے لیا تا آنکہ اللہ نے ان کو فتح دے دی۔

اس سے معلوم ہوا کہ موتہ جو مدینہ منورہ سے بہت دور ہے وہاں جو کچھ ہو رہا ہے اس کو حضور مدینہ سے دیکھ رہے ہیں

(۴) مشکوٰۃ جلد دوم باب الکرامات کے بعد باب وفاۃ النبی علیہ السلام میں ہے۔

(۴) وَاِنَّ مَوْعِدَكُمُ الْحَوْضُ وَاِنِّيْ لَاَنْظُرُ اِلَيْهِ وَاَنَا فِيْ مَقَامِيْ۔

تمہاری ملاقات کی جگہ حوض کوثر ہے۔ میں اس کو اسی جگہ سے دیکھ رہا ہوں۔

(۵) مشکوٰۃ باب تسویۃ الصف میں ہے اَقِيْمُوْا صُفُوْفَكُمْ فَاِنِّيْ اَرَاكُمْ مِّنْ وَّرَائِيْ۔

اپنی صفیں سیدھی رکھو کیونکہ ہم تم کو اپنے پیچھے بھی دیکھتے ہیں۔

(۶) ترمذی جلد دوم باب العلم باب ماجآء فی ذہاب العلم میں ہے ۔

كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَشَخَصَ بِبَصَرِهٖ إِلَى السَّمَآءِ ثُمَّ قَالَ هٰذَا أَوَانُ يُخْتَلَسُ الْعِلْمُ مِنَ النَّاسِ حَتّٰى لَا يَقْدِرُوْا مِنْهُ عَلٰى شَيْءٍ ۔	ہم حضور علیہ السلام کے ساتھ تھے کہ آپ نے اپنی نظر آسمان کیطرف اٹھائی اور فرمایا کہ یہ وہ وقت ہے جبکہ علم لوگوں سے چھین لیا جاویگا حتیٰ کہ اس پر بالکل قابو نہ پائیں گے ۔

اس حدیث کی شرح میں ملا علی قاری مرقاۃ کتاب العلم میں فرماتے ہیں ۔

فَكَأَنَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمَّا نَظَرَ إِلَى السَّمَآءِ كُوْشِفَ بِاقْتِرَابِ أَجَلِهٖ فَأَخْبَرَ بِذٰلِكَ ۔	جب حضور علیہ السلام نے آسمان کی طرف دیکھا تو آپ کو آپکی موت کا قرب ظاہر ہو گیا تو اسکی خبر دے دی ۔

(۷) مشکوٰۃ شروع باب الفتن فصل اول میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے مدینہ پاک کی ایک پہاڑی پر کھڑے ہو کر صحابہ کرام سے پوچھا کہ میں جو کچھ دیکھ رہا ہوں کیا تم بھی دیکھتے ہو؟ عرض کیا کہ نہیں فرمایا۔

فَإِنِّیْ أَرٰی الْفِتَنَ تَقَعُ خِلَالَ بُيُوْتِكُمْ كَوَقْعِ الْمَطَرِ ۔ میں تمہارے گھروں میں بارش کیطرح فتنے گرتے دیکھتا ہوں

معلوم ہوا کہ یزیدی و حجاج کے فتنے جو عرصہ کے بعد ہونے والے تھے انہیں بھی ملاحظہ فرما رہے تھے ۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کی چشم حق بین آیندہ کے واقعات اور دور و قریب کے حالات اور حوض کوثر جنت و دوزخ وغیرہ کو ملاحظہ فرماتے ہیں ۔ حضور علیہ السلام کے طفیل حضور کے خدام کو بھی خدائے قدوس یہ قدرت و علم عطا فرماتا ہے ۔

(۸) مشکوٰۃ جلد دوم باب الکرامات میں ہے کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک لشکر کا سردار ساریہ کو بنا کر نہاوند بھیجا

فَبَيْنَمَا عُمَرُ يَخْطُبُ فَجَعَلَ يَصِيْحُ يَا سَارِيَةُ الْجَبَلَ ۔	عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ منورہ میں خطبہ پڑھتے ہوئے پکارنے لگے کہ اے ساریہ پہاڑ کو لو ۔

کچھ عرصہ کے بعد اس لشکر سے قاصد آئے اور انہوں نے بیان کیا کہ ہم کو دشمن نے شکست دے دی تھی کہ ہم نے کسی پکارنے والے کی آواز سنی جو کہہ رہا تھا کہ ساریہ پہاڑ کو لو ۔ تو ہم نے پہاڑ کو اپنی پشت کے پیچھے لیا خدا نے انکو شکست دے دی ۔

(۹) امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے فقہ[1] اکبر اور علامہ جلال الدین سیوطی نے جامع کبیر میں حارث ابن نعمان اور حارثہ ابن نعمان رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ ایک بار میں حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو سرکار نے مجھ سے سوال فرمایا

[1] مولانا وکیل احمد سکندر پوری علیہ الرحمۃ نے حیدر آباد سے فقہ اکبر کا نسخہ حاصل کیا ۔ اسکی شرح الدرالازہر شرح فقہ اکبر لکھی ۔ جس میں وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اصل فقہ اکبر یہ ہے ۔ اس سے یہ واقعہ لیا گیا ۔ ان تمام نسخوں میں نہیں ہے ۔ یہ مطبوعہ فقہ اکبر مراد آباد میں موجود ہے ۔

کہ اے حارث تم نے کس حال میں دن پایا میں نے عرض کیا کہ سچا مومن ہو کر فرمایا کہ تمہارے ایمان کی کیا حقیقت ہے میں نے عرض کیا

وَكَاَنِّىْ اَنْظُرُ اِلٰى عَرْشِ رَبِّىْ بَارِزًا وَكَاَنِّىْ اَنْظُرُ اِلٰى اَهْلِ الْجَنَّةِ يَتَزَاوَرُوْنَ فِيْهَا وَكَاَنِّىْ اَنْظُرُ اِلٰى اَهْلِ النَّارِ يَتَضَاغَوْنَ فِيْهَا۔	میں گویا عرش الٰہی کو ظاہر ادیکھ رہا ہوں۔ اور گویا جنتیوں کو ایک دوسرے سے جنت میں ملتے ہوئے اور دوزخیوں کو دوزخ میں شور مچاتے دیکھتا ہوں۔

اسی قصہ کو مثنوی شریف میں نقل کیا ہے ؎

ہشت جنت ہفت دوزخ پیش من ٭ ہست پیدا ہم چوں بُت ایں پیش ہود
یک بیک وا می شناسم خلق را ٭ ہمچو گندم من ز جو در آسیا
کہ بہشتی کہ دزیگانہ کی است ٭ پیش من پیدا چو مور و ماہی است
من بگویم یا فرو بندم نفس ٭ لب گزیدش مصطفٰے یعنی کہ بس

میرے سامنے ۸ بہشت اور ۷ دوزخ ایسے ظاہر ہیں۔ جیسے ہندو کے سامنے بت ہیں ہر ایک مخلوق کو ایسا پہچانتا ہوں جیسے چکی میں جو اور گیہوں۔ کہ جنتی کون ہے اور دوزخی کون۔ میرے سامنے یہ سب مچھلی اور چیونٹی کی طرح ہیں۔ چپ رہوں یا کچھ اور کہوں۔ حضور نے ان کا منہ پکڑ لیا کہ بس۔

جب اس آفتاب کے ذرّوں کی نظر کا یہ حال کہ جنت و دوزخ، عرش و فرش، جنتی و دوزخی کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں تو اس آفتاب کونین کی نظر کا کیا پوچھنا ہے۔

(۱۰) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کسوف جماعت صحابہ کو پڑھائی بحالت نماز ہاتھ اٹھایا جیسے کچھ لینا چاہتے ہیں بعد نماز صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ نماز میں یہ جنبش کیسی تھی۔ فرمایا ہم پر جنت پیش کی گئی چاہا کہ ہم اس کا ایک خوشہ توڑ لیں۔ مگر چھوڑ دیا تاکہ لوگوں کا علم بالغیب قائم رہے۔ اگر یہ توڑ لیتے تو لوگ تا قیامت اس سے کھاتے رہتے اس سے پتہ لگا کہ حضور مدینہ میں کھڑے ہیں ہاتھ اٹھایا تو جنت میں پہنچا جسم مدینہ میں ہے ہاتھ جنت الفردوس کے باغ کے خوشہ پر یہ ہے حاضر و ناظر کے معنی۔ اسی طرح حضور کا ہاتھ مدینہ منورہ سے ہماری ڈوبتی کشتی پر پہنچ کر بیڑا پار کر سکتا ہے۔

تیسری فصل حاضر و ناظر کا ثبوت فقہاء اور علماء امت کے اقوال سے

(۱) درمختار جلد سوم باب المرتدین بحث کرامات اولیاء میں ہے۔

يَا حَاضِرُ يَا نَاظِرُ لَيْسَ بِكُفْرٍ ۔

اے حاضر اے ناظر کہنا کفر نہیں ہے ۔

شامی میں اسی کے ماتحت ہے ۔

فَاِنَّ الْحُضُوْرَ بِمَعْنَى الْعِلْمِ شَائِعٌ مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَالنَّاظِرُ بِمَعْنَى الرُّؤْيَةِ اَلَمْ يَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى فَالْمَعْنٰى يَا عَالِمُ مَنْ يَّرٰى ۔

(بزازیہ) کیونکہ حضور بمعنی علم مشہور ہے قرآن میں ہے کہ نہیں ہوتا تین کا مشورہ مگر رب ان کا چوتھا ہوتا ہے اور ناظر بمعنی دیکھنا ہے رب فرماتا ہے کیا نہیں جانتا کہ اللہ دیکھتا ہے پس اسکے معنی یہ ہوئے کہ اے عالم اے دیکھنے والے ۔

(۲) درمختار جلد اول باب کیفیۃ الصلوٰۃ میں ہے ۔

وَيَقْصِدُ بِاَلْفَاظِ التَّشَهُّدِ الْاِنْشَاءَ كَاَنَّهُ يُحَيِّيْ عَلَى اللّٰهِ وَيُسَلِّمُ عَلٰى نَبِيِّهٖ نَفْسِهٖ

التحیات کے لفظوں میں خود کہنے کی نیت کرے گویا نمازی رب کو تحیۃ اور خود نبی علیہ السلام کو سلام عرض کر رہا ہے

شامی میں اسی عبارت کے ماتحت فرماتے ہیں ۔

اَیْ لَا يَقْصِدُ الْاِخْبَارَ وَالْحِكَايَةَ عَمَّا وَقَعَ فِي الْمِعْرَاجِ مِنْهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَمِنْ رَّبِّهٖ وَمِنَ الْمَلٰئِكَةِ ۔

یعنی التحیات میں معراج کے اس کلام کے قصہ کی نیت نہ کرے جو حضور علیہ السلام اور رب تعالیٰ اور ملائکہ کے درمیان ہوا ۔

فقہاء کی ان عبارات سے معلوم ہوا کہ غیر اللہ کو حاضر ناظر کہنا کفر نہیں ہے اور التحیات میں حضور علیہ السلام کو حاضر جان کر سلام عرض کرے التحیات کے متعلق اور بھی عبارات آتی ہیں مجمع البرکات میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں "وے علیہ السلام بر احوال و اعمال امت مطلع است بر مقربان و خاصان درگاہ خود مفیض و حاضر و ناظر است" حضور علیہ السلام امت کے حالات و اعمال پر مطلع ہیں اور حاضرین بارگاہ کو فیض پہنچانے والے اور حاضر و ناظر ہیں ۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی اپنے رسالہ ہر دم مسمٰی بہ سلوک اقرب السبل بالتوجہ الی سید الرسل میں فرماتے ہیں ۔ باچندیں اختلاف و کثرت مذاہب کہ در علماء امت ہست یک کس را دریں مسئلہ خلافی نیست کہ آنحضرت علیہ السلام بحقیقت حیات بے شائبہ مجاز و توہم تاویل دائم و باقی است و بر اعمال امت حاضر و ناظر است و مر طالبان حقیقت را و متوجہان آنحضرت را مفیض و مربی (اخبار الاخیار) اس اختلاف و مذاہب کے باوجود جو علمائے امت میں ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں کہ حضور علیہ السلام حقیقی زندگی سے بغیر تاویل و مجاز کے احتمال کے باقی اور دائم ہیں اور امت

کے اعمال پر حاضر و ناظر ہیں اور حقیقت کے طلبگار اور حاضرین بارگاہ کو فیض رساں اور مربی ۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی شرح فتوح الغیب صفحہ ۳۳۳ میں فرماتے ہیں "واما انبیاء علیہم السلام بحیات حقیقی و دنیاوی حی و باقی و متصرف اندرین جا سخن نیست" انبیاء علیہم السلام دنیاوی حقیقی زندگی سے زندہ اور باقی و عمل درآمد فرمانے والے ہیں اس میں کوئی کلام نہیں ۔

مرقات باب مَا يُقَالُ عِنْدَ مَنْ حَضَرَةُ الْمَوْتُ کے آخر میں ہے ۔

وَلَا تُبَاعِدْ عَنِ الْاَوْلِيَاءِ حَيْثُ طُوِيَتْ لَهُمُ الْاَرْضُ وَحَصَلَ لَهُمْ اَبْدَانٌ مُكْتَسَبَةٌ مُتَعَدِّدَةٌ وَجَدُوْهَا فِي اَمَاكِنَ مُخْتَلِفَةٍ فِي آنٍ وَّاحِدٍ	یعنی اولیاء اللہ ایک آن میں چند جگہ ہو سکتے ہیں اور ان کے بیک وقت چند اجسام ہو سکتے ہیں ۔
شفا میں ہے اِنْ لَّمْ يَكُنْ فِي الْبَيْتِ اَحَدٌ فَقُلِ السَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ	جب گھر میں کوئی نہ ہو تو تم کہو کہ اے نبی تم پر سلام اور اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہوں ۔

اس کے ماتحت ملا علی قاری شرح شفا میں فرماتے ہیں ۔

لِاَنَّ رُوْحَ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ حَاضِرٌ فِيْ بُيُوْتِ اَهْلِ الْاِسْلَامِ	کیونکہ نبی علیہ السلام کی روح مبارک مسلمانوں کے گھروں میں حاضر ہے ۔

شیخ عبدالحق دہلوی علیہ الرحمۃ مدارج النبوۃ میں فرماتے ہیں "ذکر کن اورا و درود بفرست بر وے علیہ السلام و باش در حال ذکر گویا حاضر است پیش تو در حالت حیات و می بینی تو اورا متادب با جلال و تعظیم و ہیبت و حیا و بدانکہ وے علیہ السلام می بیند و می شنود کلام ترا زیرا کہ وے علیہ السلام متصف است بصفات الہیہ و یکے از صفات الہٰی آں است کہ اَنَا جَلِيْسُ مَنْ ذَكَرَنِيْ" حضور علیہ السلام کو یاد کرو اور درود بھیجو اور حالت ذکر میں ایسے رہو کہ حضور حالت حیات میں تمہارے سامنے ہیں اور تم ان کو دیکھتے ہو ادب اور جلال اور تعظیم اور ہیبت و حیا سے رہو اور جانو کہ حضور علیہ السلام دیکھتے اور سنتے ہیں تمہارے کلام کو کیونکہ حضور علیہ السلام صفات الٰہی سے موصوف ہیں اور اللہ کی ایک صفت یہ ہے کہ میں اپنے ذاکر کا ہم نشین ہوں ۔ امام ابن الحاج مدخل میں اور امام قسطلانی مواہب جلد دوم صفحہ ۳۸۷ فصل ثانی زیارۃ قبرہ الشریف میں فرماتے ہیں ۔

وَقَدْ قَالَ عُلَمَآءُنَا لَا فَرْقَ بَيْنَ	ہمارے علماء نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام

مَوْتِهٖ وَحَيٰوتِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِيْ مُشَاهَدَتِهٖ لِاُمَّتِهٖ وَمَعْرِفَتِهٖ بِاَحْوَالِهِمْ وَنِيَّاتِهِمْ وَعَزَائِمِهِمْ وَخَوَاطِرِهِمْ وَذَالِكَ جَلِيٌّ عِنْدَهٗ لَاخَفَاءَ بِهٖ۔

کی زندگی اور وفات میں کوئی فرق نہیں اپنی امت کو دیکھتے ہیں اور ان کے حالات دنیا اور ارادے اور دل کی باتوں کو جانتے ہیں یہ آپ کو بالکل ظاہر ہیں۔ اس میں پوشیدگی نہیں۔

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ملا علی قاری فرماتے ہیں۔

وَقَالَ الْغَزَالِيُّ سَلِّمْ عَلَيْهِ اِذَا دَخَلْتَ فِي الْمَسْجِدِ فَاِنَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَحْضُرُ فِي الْمَسَاجِدِ

امام غزالی نے فرمایا کہ جب تم مسجدوں میں جاؤ تم حضور علیہ السلام کو سلام عرض کرو کیونکہ آپ مسجدوں میں موجود ہیں

نسیم الریاض شرح شفاء قاضی عیاض جلد سوم کے آخر میں ہے۔

اَلْاَنْبِيَاءُ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ مِنْ جِهَةِ الْاَجْسَامِ وَالظَّوَاهِرِ مَعَ الْبَشَرِ وَبَوَاطِنُهُمْ وَقُوَاهُمُ الرُّوْحَانِيَّةُ مَلَكِيَّةٌ وَلِذَا تَرٰى مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا تَسْمَعُ اَطِيْطَ السَّمَآءِ وَتَشُمُّ رَائِحَةَ جِبْرِيْلَ اِذَا اَرَادَ التَّنَزُّلَ اِلَيْهِمْ۔

انبیائے کرام جسمانی اور ظاہری طور پر بشر کے ساتھ ہیں اور ان کے باطن اور روحانی قوتیں ملکی ہیں اسی لیئے وہ زمین کے مشرقوں اور مغربوں کو دیکھتے ہیں اور آسمانوں کی چرچراہٹ سنتے ہیں اور جبریل کی خوشبو پا لیتے ہیں جب وہ ان پر اترتے ہیں۔

دلائل الخیرات کے خطبہ میں ہے۔

وَقِيْلَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ اَرَءَيْتَ صَلٰوةَ الْمُصَلِّيْنَ عَلَيْكَ مِمَّنْ غَابَ عَنْكَ وَمَنْ يَاتِيْ بَعْدَكَ مَا حَالُهُمَا عِنْدَكَ فَقَالَ اَسْمَعُ صَلٰوةَ اَهْلِ مُحَبَّتِيْ وَاَعْرِفُهُمْ وَتُعْرَضُ عَلَيَّ صَلٰوةُ غَيْرِهِمْ عَرْضًا۔

حضور علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ آپ سے دور رہنے والوں اور بعد میں آنے والوں کے درودوں کا آپ کے نزدیک کیا حال ہے تو فرمایا کہ ہم محبت والوں کے درود تو خود سنتے ہیں اور انکو پہچانتے ہیں اور غیر محبین کا درود ہم پر پیش کر دیا جاتا ہے۔

شفاء قاضی عیاض جلد دوم میں ہے۔

عَنْ عَلْقَمَةَ قَالَ اِذَا دَخَلْتُ الْمَسْجِدَ اَقُوْلُ السَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ۔

علقمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب میں مسجد میں داخل ہوتا ہوں تو کہتا ہوں کہ سلام ہو آپ پر اے نبی اور اللہ کی رحمت اور برکات۔

اسکی تائید ابو داؤد و ابن ماجہ باب الدعاء عند دخول المسجد کی حدیث سے بھی ہوتی ہے۔
مدارج النبوۃ صفحہ ۴۵۰ جلد دوم قسم چہارم وصل حیات انبیاء میں ہے "اگر بعد ازاں گویند کہ حق تعالے جسد شریف را حالتے وقدرتے بخشیدہ است کہ در ہر مکانے کہ خواہد تشریف بخشد خواہ بعینہ خواہ بمثال خواہ بر آسمان خواہ بر زمین خواہ در قبر یا غیر وے صورتے دارد باوجود ثبوت نسبت خاص بقبر در ہمہ حال" اس کے بعد اگر کہیں کہ رب تعالیٰ نے حضور کے جسم پاک کو ایسی حالت وقدرت بخشی ہے کہ جس مکان میں چاہیں تشریف لے جائیں خواہ بعینہ اس جسم سے خواہ جسم مثالی سے خواہ آسمان پر خواہ قبر میں تو درست ہے۔ قبر سے ہر حال میں خاص نسبت رہتی ہے۔ مصباح الہدایت ترجمہ عوارف المعارف مصنفہ شیخ شہاب الدین سہروردی صفحہ ۱۶۵ میں ہے "پس باید کہ بندہ ہمچناں کہ حق سبحانہ را پیوستہ بر جمیع احوال خود ظاہراً و باطناً واقف و مطلع بیند رسول اللہ علیہ السلام را نیز ظاہر و باطن حاضر داند۔ تا مطالعہ صورت تعظیم ووقار او ہموارہ بہ محافظت آداب حضرتش دلیل بود واز مخالفت وے سراً و علانیۃً شرم دارد و ہیچ دقیقہ از دقائق آداب صحبت او فرونہ گزارد" پس چاہیئے کہ بندہ جس طرح حق تعالے کو ہر حال میں ظاہر و باطن طور پر واقف جانتا ہے۔ اسی طرح حضور علیہ السلام کو بھی ظاہر و باطن حاضر جانے تاکہ آپ کی صورت کا دیکھنا آپ کی ہمیشہ تعظیم ووقار کرتے اور اس بارگاہ کے ادب کی دلیل ہو جاوے اور آپ کی ظاہر و باطن میں مخالفت سے شرم کرے اور حضور علیہ السلام کی صحبت پاک کے ادب کا کوئی دقیقہ نہ چھوڑے۔

فقہاء و علماء امت کے ان اقوال سے حضور علیہ السلام کا حاضر و ناظر ہونا بخوبی واضح ہوا اب ہم آپکو یہ دکھاتے ہیں کہ نمازی نماز میں حضور علیہ السلام کے متعلق کیا خیال رکھے اس کے متعلق ہم درمختار اور شامی کی عبارتیں تو شروع فصل میں پیش کر چکے ہیں۔ دیگر بزرگان دین کی اور عبارتیں سنیئے اور اپنے ایمان کو تازہ کیجیئے۔ اشعۃ اللمعات کتاب الصلوٰۃ باب التشہد اور مدارج النبوۃ جلد اول صفحہ ۱۳۵ باب پنجم ذکر فضائل آنحضرت میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں "وبعضے عرفا گفتہ اند کہ ایں خطاب بجہت سریان حقیقت محمدیہ است در ذرائر موجودات وافراد ممکنات پس آنحضرت در ذوات مصلیان موجود و حاضر است پس مصلی را باید کہ ازیں معنی آگاہ باشد وازیں شہود غافل نہ بود تا انوار قرب واسرار معرفت منور وفائز گردد" بعض عارفین نے کہا ہے کہ التحیات میں یہ خطاب اس لیئے ہے کہ حقیقت محمدیہ موجودات کے

ذرہ ذرہ میں اور ممکنات کی ہر فرد میں سرایت کیئے ہے۔ پس حضور علیہ السلام نمازوں کی ذات میں موجود و حاضر ہیں نمازی کو چاہیئے کہ اس معنے سے آگاہ رہے اور اس شہود سے غافل نہ ہو تا کہ قرب کے نور اور معرفت کے بھیدوں سے کامیاب ہو جاوے۔ احیاء العلوم جلد اوّل باب چہارم فصل سوم نماز کی باطنی شرطوں میں امام غزالی فرماتے ہیں۔ وَاَحْضِرْ فِیْ قَلْبِكَ النَّبِیَّ عَلَیْهِ السَّلَامُ وَشَخْصَهُ الْكَرِیْمَ وَقُلْ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ اور اپنے دل میں نبی علیہ السلام کو اور آپ کی ذات پاک کو حاضر جانو اور کہو اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ اسی طرح مرقاۃ باب التشہد میں ہے۔ مسک الختام میں نواب صدیق حسن خاں بھوپالی وہابی صفحہ ۲۴۴ پر وہ ہی عبارت لکھتے ہیں جو ہم نے ابھی اشعۃ اللمعات کی التحیات کے بارے میں لکھی کہ نمازی کو چاہیئے کہ حضور کو حاضر و ناظر جان کر التحیات میں سلام کرے پھر یہ شعر لکھتے ہیں ؎

در راہِ عشق مرحلۂ قرب و بعد نیست ❊ می بینمت عیاں و دعا می فرستمت

عشق کی راہ میں دور و قریب کی منزل نہیں ہے ❊ میں تم کو دیکھتا ہوں اور دعا کرتا ہوں!

علامہ شیخ محمد فرماتے ہیں۔ وَخُوْطِبَ عَلَیْهِ السَّلَامُ كَاَنَّهُ اِشَارَةٌ اِلٰی اَنَّهُ تَعَالٰی یَكْشِفُ لَهُ عَنِ الْمُصَلِّیْنَ مِنْ اُمَّتِهٖ حَتّٰی یَكُوْنَ كَالْحَاضِرِ یَشْهَدُ لَهُمْ بِاَفْضَلِ اَعْمَالِهِمْ وَلِیَكُوْنَ تَذَكُّرُ حُضُوْرِهٖ سَبَبًا لِمَزِیْدِ الْخُشُوْعِ وَالْخُضُوْعِ۔

حضور علیہ السلام کو نماز میں خطاب کیا گیا شاید کہ یہ اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی امت میں سے نمازیوں کا حال آپ پر ظاہر فرما دیتا ہے۔ حتیٰ کہ آپ مثل حاضر کے ہوتے ہیں اس کے اعمال کو سمجھنے میں اور اس لیئے کہ آپ کی حاضری کا خیال زیادتی خشوع و خضوع کا سبب ہو جاوے۔

مسئلہ حاضر و ناظر پر بعض فقہی مسائل بھی موقوف ہیں۔ فقہاء فرماتے ہیں کہ زوج مشرق میں ہو اور زوجہ مغرب میں اور بچہ پیدا ہو۔ اور زوج کہتا ہے کہ بچہ میرا ہے تو بچہ اسی کا ہے کہ شاید یہ ولی اللہ ہو اور کرامت سے اپنی بیوی کے پاس پہنچا ہو۔ دیکھو شامی جلد دوم باب ثبوت النسب۔ شامی جلد سوم باب المرتدین مطلب کرامات اولیاء میں ہے۔

وَطَیُّ الْمَسَافَةِ مِنْهُ لِقَوْلِهٖ عَلَیْهِ السَّلَامُ زُوِیَتْ لِیَ الْاَرْضُ وَیَدُلُّ عَلَیْهِ مَا

اور راستہ طے کرنا بھی اسی کرامت میں سے ہے حضور کے فرمانے کی وجہ سے کہ میرے لیئے زمین سمیٹ دی گئی۔

قَالُوْا فِيْمَنْ كَانَ فِي الْمَشْرِقِ وَتَزَوَّجَ امْرَأَةً بِالْمَغْرِبِ فَاَتَتْ بِوَلَدٍ يَلْحَقُهُ وَفِي التَّتَارْخَانِيَةِ اِنَّ هٰذِهِ الْمَسْئَلَةَ تُؤَيِّدُ الْجَوَازَ۔

اس پر وہ مسئلہ دلالت کرتا ہے جو فقہاء نے کہا کہ کوئی شخص مشرق میں ہو اور مغرب میں رہنے والی عورت سے نکاح کرے پھر وہ عورت بچہ جنے تو بچہ اس مرد سے ملحق ہوگا اور تتارخانیہ میں ہے کہ یہ مسئلہ اس کرامت کے جائز ہونے کی تائید کرتا ہے۔

شامی میں ہے وَالْاِنْصَافُ مَاذَكَرَهُ الْاِمَامُ النَّسَفِيُّ حِيْنَ سُئِلَ عَمَّا يُحْكٰى اَنَّ الْكَعْبَةَ كَانَتْ تَزُوْرُ وَاحِدًا مِنَ الْاَوْلِيَاءِ هَلْ يَجُوْزُ الْقَوْلُ بِهٖ فَقَالَ نَقْضُ الْعَادَةِ عَلٰى سَبِيْلِ الْكَرَامَةِ لِاَهْلِ الْوِلَايَةِ جَائِزٌ عِنْدَ اَهْلِ السُّنَّةِ۔

انصاف کی بات وہ ہے جو امام نسفی نے اس وقت کہی جبکہ ان سے سوال کیا گیا کہ کہا جاتا ہے کہ کعبہ ایک ولی کی زیارت کرنے جاتا ہے کیا یہ کہنا جائز ہے تو انہوں نے فرمایا کہ اولیاء اللہ کے لیے خلاف عادت کام کرامت کے طریقہ پر اہل سنت کے نزدیک جائز ہے۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ کعبہ معظمہ بھی اولیاء اللہ کی زیارت کرنے کے لیے عالم میں چکر لگاتا ہے۔
تفسیر روح البیان سورہ ملک کے آخر میں ہے۔

قَالَ الْاِمَامُ الْغَزَالِيُّ وَالرَّسُوْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَهُ الْخِيَارُ فِي طَوَافِ الْعَالَمِ مَعَ اَرْوَاحِ الصَّحَابَةِ لَقَدْ رَاٰهُ كَثِيْرٌ مِنَ الْاَوْلِيَاءِ

امام غزالی نے فرمایا ہے کہ حضور علیہ السلام کو دنیا میں سیر فرمانے کا اپنے صحابہ کرام کی روحوں کے ساتھ اختیار ہے آپ کو بہت سے اولیاء اللہ نے دیکھا ہے۔

انتباہ الاذکیاء فی حیات الاولیاء میں علامہ جلال الدین سیوطی صفحہ ۷ پر فرماتے ہیں۔

اَلنَّظْرُ فِي اَعْمَالِ اُمَّتِهٖ وَالْاِسْتِغْفَارُ لَهُمْ مِنَ السَّيِّئَاتِ وَالدُّعَاءُ بِكَشْفِ الْبَلَاءِ عَنْهُمْ وَالتَّرَدُّدُ فِي اَقْطَارِ الْاَرْضِ وَالْبَرَكَةُ فِيْهَا وَحُضُوْرُ جَنَازَةِ مَنْ صَالِحِيْ اُمَّتِهٖ فَاِنَّ هٰذِهِ الْاُمُوْرَ مِنْ اَشْغَالِهٖ كَمَا وَرَدَتْ بِذٰلِكَ الْحَدِيْثُ وَالْاٰثَارُ۔

اپنی امت کے اعمال میں نگاہ رکھنا ان کے لیے گناہوں سے استغفار کرنا ان سے دفع بلا کی دعا فرمانا اطراف زمین میں آنا جانا اس میں برکت دینا اور اپنی امت میں کوئی صالح آدمی مر جاوے تو اس کے جنازے میں جانا یہ چیزیں حضور علیہ السلام کا مشغلہ ہیں جیسے کہ اس پر احادیث اور آثار آئے ہیں۔

امام غزالی المنقذ من الضلال میں فرماتے ہیں ہم ارباب قلوب مشاہدہ می کنند در بیداری انبیاء و ملائکہ را

وہمکلام می شوند بایشاں" صاحب دل حضرات جاگتے ہوئے انبیاء و ملائکہ کو دیکھتے ہیں۔ اور ان سے بات چیت کرتے ہیں۔ امام جلال الدین سیوطی شرح صدور میں فرماتے ہیں۔

اِنِ اعْتَقَدَ النَّاسُ اَنَّ رُوْحَهٗ وَمِثَالَهٗ فِیْ وَقْتِ قِرَاءَةِ الْمَوْلِدِ وَخَتْمِ رَمَضَانَ وَقِرَاءَةِ الْقَصَائِدِ يَحْضُرُ جَازَ۔

اگر لوگ یہ عقیدہ رکھیں کہ حضور علیہ السلام کی روح اور آپکی مثال مولود شریف پڑھنے اور ختم رمضان اور نعت خوانی کرتے وقت آتی ہے تو جائز ہے۔

مولوی عبدالحی صاحب۔ رسالہ ترویح الجنان تشریح حکم شرب الدخان میں فرماتے ہیں کہ ایک شخص نعت خواں تھا اور حقہ بھی پیتا تھا۔ اس نے خواب میں دیکھا کہ نبی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جب تم مولود شریف پڑھتے ہو تو ہم رونق افروز مجلس ہوتے ہیں۔ مگر جب حقہ آجاتا ہے۔ تو ہم فوراً مجلس سے واپس ہو جاتے ہیں۔

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کی نگاہ پاک ہر وقت عالم کے ذرہ ذرہ پر ہے اور نماز تلاوت قرآن، محفل میلاد شریف اور نعت خوانی کی مجالس میں اسی طرح صالحین کی نماز جنازہ میں خاص طور پر اپنے جسم پاک سے تشریف فرما ہوتے ہیں۔ تفسیر روح البیان پارہ ۲۶ سورہ فتح زیر آیت اِنَّا اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا ہے۔

فَاِنَّهٗ لَمَّا كَانَ اَوَّلَ مَخْلُوْقٍ خَلَقَهُ اللّٰهُ كَانَ شَاهِدًا بِوَحْدَانِيَّةِ الْحَقِّ وَشَاهِدًا بِمَا اُخْرِجَ مِنَ الْعَدَمِ اِلَى الْوُجُوْدِ مِنَ الْاَرْوَاحِ وَالنُّفُوْسِ وَالْاَجْرَامِ وَالْاَرْكَانِ وَالْاَجْسَادِ وَالْمَعَادِنِ وَالنَّبَاتِ وَالْحَيْوَانِ وَالْمَلَكِ وَالْجِنِّ وَالشَّيْطٰنِ وَالْاِنْسَانِ غَيْرِ ذٰلِكَ لِئَلَّا يَشِذَّ عَنْهُ مَا يُمْكِنُ لِلْمَخْلُوْقِ وَاَسْرَارُ اَفْعَالِهٖ وَعَجَائِبِهٖ

چونکہ حضور علیہ السلام اللہ کی پہلی مخلوق ہیں اس لیے اس کی وحدانیت کے گواہ ہیں اور ان چیزوں کو مشاہدہ کرنے والے ہیں جو عدم سے وجود میں آئے ارواح، نفوس اجسام معدنیات نباتات حیوانات فرشتے اور انسان وغیرہ تاکہ آپ پر رب کے وہ اسرار اور عجائب مخفی نہ رہیں جو کسی مخلوق کے لیے ممکن ہے۔

اسی جگہ کچھ آگے چل کر فرماتے ہیں۔

فَشَاهَدَ خَلْقَهٗ وَمَاجَرٰى عَلَيْهِ مِنَ الْاِكْرَامِ وَالْاِخْرَاجِ مِنَ الْجَنَّةِ بِسَبَبِ الْمُخَالَفَةِ وَمَاتَابَ

حضور علیہ السلام نے حضرت آدم کا پیدا ہونا انکی تعظیم ہونا اور خطا پر جنت سے علیحدہ ہونا اور پھر توبہ قبول ہونا آخر

اللّٰہُ عَلَیْہِ اِلٰی اٰخِرِ مَاجَرٰی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَشَاھَدَ خَلْقَ اِبْلِیْسَ وَمَاجَرٰی عَلَیْہِ۔

تک کے انکے سارے معاملات جو ان پر گزرے سب کو دیکھا اور ابلیس کی پیدائش اور جو کچھ اس پر گذرا اس کو بھی دیکھا۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضور نے عالم ظہور میں جلوہ گری سے پہلے ہر ایک کے ایک ایک حالات کا مشاہدہ فرمایا۔

یہ ہی صاحب روح البیان کچھ آگے چل کر اسی مقام پر فرماتے ہیں۔

قَالَ بَعْضُ الْکِبَارِ اِنَّ مَعَ کُلِّ سَعِیْدٍ رَقِیْقَۃً مِنْ رُوْحِ النَّبِیِّ عَلَیْہِ السَّلَامُ ھِیَ الرَّقِیْبُ الْعَتِیْدُ عَلَیْہِ وَلَمَّا قُبِضَ الرُّوْحُ الْمُحَمَّدِیُّ عَنْ اٰدَمَ الَّذِیْ کَانَ بِہٖ دَائِمًا لَا یَضِلُّ وَلَا یَنْسٰی جَرٰی عَلَیْہِ مَاجَرٰی مِنَ النِّسْیَانِ وَمَا یَتْبَعُہٗ۔

بعض اکابر نے فرمایا کہ ہر سعید کے ساتھ حضور علیہ السلام کی روح رہتی ہے اور یہ ہی رقیب عتید سے مراد ہے اور جس وقت روح محمدی کی توجہ دائمی حضرت آدم سے ہٹ گئی تب ان سے نسیان اور اس کے نتائج ہوئے۔

ایک حدیث میں ہے کہ جب زانی زنا کرتا ہے تو اس سے ایمان نکل جاتا ہے۔

روح البیان میں اسی جگہ ہے کہ ایمان سے مراد توجہ مصطفےٰ ہے یعنی جو مومن کوئی اچھا کام کرتا ہے تو حضور کی توجہ کی برکت سے کرتا ہے اور جو گناہ کرتا ہے وہ ان کی بے توجہی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اس سے حضور علیہ السلام کا حاضر وناظر ہونا بخوبی ثابت ہوا۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ قصیدہ نعمان میں فرماتے ہیں

وَاِذَا سَمِعْتُ فَعَنْکَ قَوْلًا طَیِّبًا ۔۔۔ وَاِذَا نَظَرْتُ فَلَا اَرٰی اِلَّاکَ!

جب میں سنتا ہوں تو آپ ہی کا ذکر سنتا ہوں ۔۔۔ اور جب دیکھتا ہوں تو آپکے سوا کچھ نظر نہیں آتا

چوتھی فصل حاضر وناظر کا ثبوت مخالفین کی کتابوں سے

تحذیر الناس صفحہ ۱۰ میں مولوی قاسم صاحب بانی مدرسہ دیوبند کہتے ہیں کہ اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِہِمْ کو بعد لحاظ صلہ مِنْ اَنْفُسِہِمْ کے دیکھئے تو یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ رسول اللہ علیہ السلام کو اپنی امت کے ساتھ وہ قرب ہے کہ ان کی جانوں کو بھی ان کے ساتھ حاصل نہیں کیونکہ اولیٰ بمعنی اقرب ہے۔ ترجمہ صراط مستقیم مصنفہ مولوی اسمٰعیل دہلوی صفحہ ۱۳ میں چوتھی ہدایت حب عشقی کے بیان میں کوئلے اور آگ کی مثال دے کر کہتے ہیں "اسی طرح جب اس طالب کے نفس کامل کو رحمانی کشش اور جذب کی موجیں احدیت کے دریاؤں کی تہ میں کھینچکر لے جاتی ہے تو اَنَا الْحَقُّ اور لَیْسَ فِیْ جُبَّتِیْ

سوی اللہ کا آوازہ اس سے صادر ہونے لگتا ہے اور یہ حدیث قدسی کُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِهٖ وَبَصَرَهُ الَّذِیْ یُبْصِرُ بِهٖ وَیَدَهُ الَّتِیْ یَبْطِشُ بِهَا اور ایک اور روایت کی رُو سے لِسَانَهُ الَّذِیْ یَتَکَلَّمُ بِهٖ اسی حالت کی حکایت ہے۔ اس عبارت میں صاف اقرار ہے کہ جب انسان فنافی اللہ ہو جاتا ہے۔ تو خدائی طاقت سے دیکھتا سنتا اور چھوتا اور بولتا ہے۔ یعنی عالم کی ہر چیز کو دیکھتا ہے ہر دور و نزدیک کی چیزوں کو پکڑتا ہے یہ ہی حاضر و ناظر کے معنے ہیں اور جب معمولی انسان فنا فی اللہ ہو کر اس درجہ میں پہنچ جاویں تو سید الانس والجان علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بڑھ کر فنافی اللہ کون ہو سکتا ہے تو بدرجہ اولیٰ حضور علیہ السّلام حاضر و ناظر ہوئے۔ امداد السلوک صفحہ ۱۰ میں مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی لکھتے ہیں۔

"ہم مرید بیقین داند کہ روح شیخ مقید بیک مکان نیست پس ہر جا کہ مرید باشد قریب یا بعید اگرچہ از شیخ دور است اما روحانیت او دور نیست چوں ایں امر محکم دارد ہر وقت شیخ را بیاد دارد و ربطِ قلب پیدا آید و ہر دم مستفید بود۔ مرید در حالِ واقعہ محتاجِ شیخ بود۔ شیخ را بقلب حاضر آوردہ بلسانِ حال سوال کند البتہ روح شیخ باذن اللہ تعالیٰ القاء خواہد کرد مگر ربط تام شرط است و بسبب ربط قلب شیخ زبانِ قلب ناطق می شود و بسوئے حق تعالےٰ راہے کشاید و حق تعالےٰ اورا محدث می کند۔"

مرید یہ بھی یقین سے جانے کہ شیخ کی روح ایک جگہ میں قید نہیں ہے مرید جہاں بھی ہو دور ہو یا نزدیک اگرچہ پیر کے جسم سے دور ہے لیکن پیر کی روحانیت دور نہیں جب یہ بات پختہ ہو گئی تو ہر وقت پیر کی یاد رکھے اور دلی تعلق اس سے ظاہر ہو اور ہر وقت اس سے فائدہ لیتا رہے مرید واقعہ جات میں پیر کا محتاج ہوتا ہے شیخ کو اپنے دل میں حاضر کر کے زبان حال سے اس سے مانگے پیر کی روح اللہ کے حکم سے ضرور القا کرے گی۔ مگر پورا تعلق شرط ہے اور شیخ سے اسی تعلق کی وجہ سے دل کی زبان گویا ہو جاتی ہے اور حق تعالیٰ کی طرف راہ کھل جاتی ہے اور حق تعالیٰ اسکو صاحب الہام کر دیتا ہے۔

اس عبارت میں حسب ذیل فائدے ہیں :۔ (۱) پیر کا مریدوں کے پاس حاضر و ناظر ہونا (۲) مرید کا تصور شیخ میں رہنا (۳) پیر کا حاجت روا ہونا (۴) مرید خدا کو چھوڑ کر اپنے پیر سے مانگے (۵) پیر مرید کو القا کرتا ہے۔ (۶) پیر مرید کا دل جاری کر دیتا ہے۔ جب پیر میں یہ طاقتیں ہیں تو جو ملائکہ اور انسانوں کے شیخ الشیوخ ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔ ان میں یہ چھ صفات ماننا کیوں شرک ہے؟ اس عبارت نے تو مخالفین کے سارے مذہب پر پانی ہی پھیر دیا وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ سب تقویۃ الایمان ختم۔ حفظ الایمان صفحہ ۷ میں مولوی

اشرف علی صاحب تھانوی لکھتے ہیں کہ ابویزید سے پوچھا گیا طئے زمین کی نسبت۔ تو آپ نے فرمایا یہ کوئی چیز کمال کی نہیں دیکھو ابلیس مشرق سے مغرب تک ایک لحظہ میں قطع کر جاتا ہے۔

اس عبارت میں صاف اقرار ہے کہ آناً فاناً مشرق سے مغرب تک پہنچ جانا اہل اللہ کو تو کیا کفار و شیاطین سے بھی ممکن ہے بلکہ ہوتا رہتا ہے اور یہ حاضر و ناظر کے معنی ہیں۔ تقویۃ الایمان کے لحاظ سے شرک ہے۔ مسک الختام مصنفہ نواب صدیق حسن خاں بھوپالی وہابی کی عبارت ہم بحث ثبوت میں پیش کر چکے ہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ التحیات میں السلام علیک سے خطاب اس لیے ہے کہ حضور علیہ السلام عالم کے ذرہ ذرہ میں موجود ہیں۔ لہٰذا نمازی کی ذات میں موجود و حاضر ہیں۔

ان عبارات سے حضور علیہ السلام کا حاضر و ناظر ہونا بخوبی واضح ہے۔

پانچویں فصل حاضر و ناظر ہونے کا ثبوت دلائل عقلیہ سے

اہل اسلام کا اس پر اتفاق ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات جامع کمالات ہے یعنی جس قدر کمالات کہ دیگر انبیائے کرام یا آیندہ اولیائے عظام یا کسی مخلوق کو مل چکے یا ملیں گے وہ سب بلکہ اُن سے بھی زیادہ حضور علیہ السلام کو عطا فرما دیئے بلکہ حضور ہی کے ذریعہ سے اُن کو ملے۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ آپ اُن سب کی راہ چلو۔ اس کی تفسیر روح البیان میں ہے۔

فَجَمَعَ اللّٰهُ كُلَّ خَصْلَةٍ فِيْ حَبِيْبِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ۔	اللہ نے ہر نبی کی خصلت حضور علیہ السلام کو عطا فرمائی۔

مولانا جامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ؎

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری * آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

نیز مولوی محمد قاسم صاحب تحذیر الناس صفحہ ۲۹ میں لکھتے ہیں اور انبیاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر اُمتوں کو پہنچاتے ہیں۔ غرض اور انبیاء میں جو کچھ ہے وہ ظل اور عکس محمدی ہے اس قاعدے پر بہت سے دلائل قرآن و احادیث و اقوال علماء سے پیش کیے جا سکتے ہیں۔ مگر چونکہ مخالفین اس کو مانتے ہیں۔ اس لیے اس پر زیادہ زور دینے کی ضرورت نہیں۔ تو پہلا قاعدہ یہ مسلم ہے کہ جو صفت کمال کسی مخلوق کو ملی وہ بدرجہ اکمل حضور علیہ السلام کو عطا ہوئی۔ اب ہم بتاتے ہیں کہ حاضر و ناظر

ہوتا عطا کیا گیا ماننا پڑے گا کہ یہ صفت بھی حضور علیہ السلام کو عطا ہوئی۔ اب ہم بتاتے ہیں کہ حاضر و ناظر ہونا کس کس مخلوق کو عطا ہوا۔ ہم نے اس بحث حاضر و ناظر کے مقدمہ میں عرض کر دیا ہے کہ حاضر و ناظر ہونے کی یہی معنیٰ ہیں ایک جگہ رہ کر تمام عالم کو مثل کفِ دست کے دیکھنا۔ ایک آن میں (۱) عالم کی سیر کر لینا اور صدہا کوس پر کسی کی مدد کر دینا اس جسم یا جسم مثالی کا متعدد جگہ موجود ہو جانا۔ یہ صفات بہت سی مخلوقات کو ملی ہیں

(۱) روح البیان اور خازن و تفسیر کبیر وغیرہ تفاسیر میں پارہ، سورہ انعام۔

حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا	یعنی ملک الموت کے لیئے ساری زمین طشت

سیر کر لیتا ہے۔ بجلی تار ٹیلیفون اور لاؤڈ سپیکر کی قوت کا یہ عالم ہے کہ آدھے سیکنڈ میں زمین کے قطر کو طے کر لیتے ہیں حضرت جبریل کی رفتار کا یہ عالم ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام جب آدھے کنویں سے نیچے چلے اور حضرت جبریل سدرہ سے چلے یوسف علیہ السلام ابھی کنویں کی تہ کو نہ پہنچے تھے کہ جبریل سدرہ سے وہاں پہنچ گئے۔ دیکھو تفسیر روح البیان زیر آیت اَنْ یَّجْعَلُوْہُ فِیْ غَیٰبَتِ الْجُبِّ حضرت خلیل نے حلق اسمٰعیل پر چھری چلائی۔ ابھی چھری روانہ نہ ہوئی تھی کہ جبریل سدرہ سے مع دُنبہ خلیل اللہ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ حضرت سلیمان کے وزیر آصف ابن برخیا نے ایک پلک جھپکنے سے پہلے بلقیس کا تخت یمن سے لاکر شام میں حضرت سلیمان کی خدمت میں حاضر کر دیا جس کا ثبوت قرآن میں ہے کہ اَنَا اٰتِیْکَ بِہٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْکَ طَرْفُکَ معلوم ہوا کہ آصف کو یہ بھی خبر تھی کہ تخت کہاں ہے۔ خیال کرنا چاہیئے کہ پلک جھپکنے سے پہلے یمن گئے بھی اور لوٹ بھی آئے اور اتنا وزنی تخت بھی لے آئے۔ رہی یہ بحث کہ حضرت سلیمان میں تخت لانے کی طاقت تھی یا کہ نہیں وہ ہم اسی بحث کے دوسرے باب میں بیان کریں گے انشاء اللہ۔

معراج میں سارے انبیاء نے بیت المقدس میں حضور علیہ السلام کے پیچھے نماز ادا کی۔ حضور براق پر تشریف لے گئے۔ اور براق کی رفتار کا یہ عالم کہ حد نظر اس کا ایک قدم پڑتا تھا۔ مگر رفتار انبیاء کا یہ عالم کہ ابھی بیت المقدس میں مقتدی تھے اور ابھی مختلف آسمانوں پر پہنچ گئے حضور فرماتے ہیں کہ ہم نے فلاں آسمان پر فلاں پیغمبر سے ملاقات کی جس سے معلوم ہوا کہ براق کی یہ برق رفتاری خراماں تھی کہ دولہا گھوڑے پر سوار ہو کر خراماں ہی جایا کرتے ہیں اور انبیاء کی خدمت گذاری کا وقت تھا۔ ابھی بیت المقدس میں اور ابھی افلاک پر شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اشعۃ اللمعات آخر باب زیارۃ القبور میں فرمایا کہ ہر پنجشنبہ کے دن مُردوں کی روحیں اپنے خویش واقارب کے یہاں جا کر ان سے ایصال ثواب کی تمنا کرتی ہیں اب اگر کسی میت کے خویش واقربا دوسرے ممالک میں بھی رہتے ہوں تو وہاں ہی پہنچیں گی۔

ہماری اس گفتگو سے بخوبی معلوم ہو گیا کہ سارے عالم پر نگاہ رکھنا ہر جگہ کی آناً فاناً سیر کر لینا ایک وقت میں چند جگہ پایا جانا یہ وہ صفات ہیں کہ رب نے اپنے بندوں کو عطا فرمائی ہیں۔ اس سے دو باتیں لازم آئیں ایک تو یہ کہ کسی بندے کو ہر جگہ حاضر و ناظر ماننا شرک نہیں کہ شرک کہتے ہیں۔ خدا کی ذات وصفات میں کسی اور کو شریک ماننا۔ یہاں یہ نہیں دوسرے یہ کہ حضور علیہ السلام کے خدام میں ہر جگہ

رہنے کی طاقت ہے تو حضور علیہ السلام میں بدرجہ اولیٰ یہ صفت ہے۔

(۲) دنیا میں پانی اور دانہ ہر جگہ موجود نہیں۔ بلکہ خاص خاص جگہ ہے۔ پانی تو کنویں اور نالاب و دریا وغیرہ میں ہے دانہ کھیت یا گھروں وغیرہ میں۔ مگر ہوا اور دھوپ عالم کے گوشہ گوشہ میں ہے کہ فلاسفہ کے نزدیک خلا محال ہے ہر جگہ ہوا ہے۔ اس لئے کہ ہوا اور روشنی کی ہر وقت ہر چیز کو ضرورت ہے اور حبیب خدا علیہ السلام کی بھی ہر مخلوق الہٰی کو ہر وقت ضرورت ہے جیسا کہ ہم روح البیان وغیرہ کے حوالے سے ثابت کر چکے تو لازم ہے کہ حضور علیہ السلام کی ہر جگہ جلوہ گری ہے۔

(۳) حضور علیہ السلام تمام عالم کی اصل ہیں۔ وَكُلُّ الْخَلْقِ مِنْ نُّوْرِهٖ اور اصل کا اپنی فرع میں مادہ کا سارے مشتقات میں ایک کا سارے عددوں میں رہنا ضروری ہے ؎

ہر ایک ان سے ہے وہ ہر اک میں ہیں وہ ہیں ایک علم حساب کے

بنے دو جہاں کی وہ ہی بنا وہ نہیں جو ان سے بنا نہیں!

دوسرا باب (۲)

مسئلہ حاضر و ناظر پر اعتراضات کے بیان میں

اعتراض (۱) ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا خدا کی صفت ہے عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ اِبِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ لہٰذا غیر میں یہ صفت ماننا شرک فی الصفت ہے۔

جواب: ہر جگہ میں حاضر و ناظر ہونا خدا کی صفت ہر گز نہیں۔ خدائے تعالیٰ جگہ اور مکان سے پاک ہے کتب عقائد میں ہے۔ لَا يَجْرِيْ عَلَيْهِ زَمَانٌ وَّلَا يَشْتَمِلُ عَلَيْهِ مَكَانٌ۔ خدا پر نہ زمانہ گزرے کیونکہ زمانہ سفلی اجسام پر زمین میں رہ کر گزرتا ہے انہیں کی عمر ہوتی ہے۔ چاند سورج تارے حور و غلمان فرشتے بلکہ آسمان پر عیسیٰ علیہ السلام معراج میں حضور علیہ السلام زمانہ سے علیحدہ ہیں اور نہ کوئی جگہ خدا کو گھیرے خدا تعالیٰ حاضر ہے مگر بغیر جگہ کے اسی لئے ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ کو متشابہات سے مانا گیا ہے اور بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ وغیرہ آیات میں مفسرین فرماتے ہیں عِلْمًا وَّقُدْرَةً یعنی اللہ کا علم اور اس کی قدرت عالم کو گھیرے ہوئے ہے ؎

وہی لامکاں کے مکیں ہوئے سر عرش تخت نشیں ہوئے
وہ نبی ہیں جن کے ہیں یہ مکان وہ خدا ہے جس کا مکان نہیں

خدا کو ہر جگہ میں ماننا بے دینی ہے۔ ہر جگہ میں ہونا تو رسول خدا ہی کی شان ہو سکتی ہے اور اگر مان بھی لیا جائے بفرض محال تو بھی حضور علیہ السلام کی یہ صفت عطائی۔ حادث مخلوق قبضہ الہی میں ہے اور خدا کی یہ صفت ذاتی قدیم غیر مخلوق ہے کسی کے قبضے میں نہیں اتنے فرق ہوتے ہوئے شرک کیسا؟ جیسے کہ حیوٰۃ سمع بصر وغیرہ فتاوے رشیدیہ جلد اول کتاب البدعات صفحہ ۹۱ میں ہے "فخر دو عالم علیہ السلام کو مولود میں حاضر جاننا بھی غیر ثابت ہے اگر باعلام اللہ تعالے جانتا ہے تو شرک نہیں ورنہ شرک ہے" یہ ہی مضمون براہین قاطعہ صفحہ ۲۳ میں ہے مولوی رشید احمد صاحب نے تصریح فرمادی کہ غیر خدا کو ہر جگہ حاضر و ناظر جاننا بہ عطاء الہی شرک نہیں اگر کوئی کہے کہ اس سے لازم آتا ہے کہ خالقیت وجوب قدم وغیرہ دیگر صفات الہیہ بھی پیغمبروں کو عطائی مان لو اور حضور کو خالق واجب قدیم کہا کرو تو اس کا جواب یہ ہے کہ چار صفات قابل عطا نہیں کہ ان پر الوہیت کا مدار ہے، وجوب، قدیم، خلق، نہ مرنا دیگر صفات کی تجلی مخلوقات میں بھی ہو سکتی ہے۔ جیسے سمع بصر حیات وغیرہ مگر ان میں بھی بڑا فرق ہو گا رب کی یہ صفات ذاتی، واجب، نہ مٹنے والی اور مخلوق کی عطائی، ممکن، فانی ؎

جو ہوتی خدائی بھی دینے کے قابل　　خدا ان کے آتا وہ بندہ خدا

اعتراض (۲) قرآن کریم نے فرمایا۔ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ۔ — آپ ان کے پاس نہ تھے جبکہ وہ لوگ اپنے قلم پانی میں ڈال رہے تھے۔

حضرت مریم کے حاصل کرنے کے لیے۔

وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْا اَمْرَهُمْ۔ — آپ اُنکے پاس نہ تھے جبکہ انہوں نے اپنے معاملہ پر اتفاق کیا۔

وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ اِذْ قَضَيْنَا اِلٰى مُوْسٰى۔ — آپ مغربی کنارہ میں نہ تھے جبکہ ہم نے حضرت موسیٰ کی طرف حکم بھیجا۔

وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَا۔ — آپ طور کی طرف نہ تھے جبکہ ہم نے حضرت موسیٰ کو آواز دی

ان آیات سے معلوم ہوا کہ گذشتہ زمانہ میں جو یہ مذکورہ واقعات ہوئے اس وقت آپ وہاں موجود نہ تھے صاف ظاہر ہوا کہ حضور علیہ السلام ہر جگہ حاضر و ناظر نہیں۔

جواب: یہ سوال اس وجہ سے ہے کہ معترض کو حاضر وناظر کے معنی کی خبر نہیں ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ حاضر وناظر کی تین صورتیں ہیں ایک جگہ رہ کر سارے عالم کو دیکھنا۔ آن کی آن میں سارے عالم کی سیر کر لینا۔ ایک وقت میں چند جگہ ہونا۔ ان آیات میں فرمایا گیا کہ آپ باین جسم پاک وہاں موجود نہ تھے ان میں یہ کہاں ہے کہ آپ ان واقعات کو ملاحظہ بھی نہیں فرما رہے تھے اس جسد عنصری سے وہاں نہ ہونا اور ہے اور ان واقعات کو مشاہدہ فرمانا کچھ اور بلکہ آیات مذکورہ بالا کا مطلب ہی یہ ہے کہ اے محبوب علیہ السلام آپ وہاں باین جسم موجود نہ تھے لیکن پھر آپ کو ان واقعات کا علم اور مشاہدہ ہے جس سے معلوم ہوا کہ آپ سچے نبی ہیں یہ آیات تو حضور کا حاضر وناظر ہونا ثابت کر رہی ہیں۔ تفسیر صاوی میں وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ الآیۃ کی تفسیر میں ہے۔

وَهٰذَا بِالنَّظَرِ اِلَى الْعَالَمِ الْجِسْمَانِيِّ لِاِقَامَةِ الْحُجَّةِ عَلَى الْخَصْمِ وَاَمَّا بِالنَّظَرِ اِلَى الْعَالَمِ الرُّوْحَانِيِّ فَهُوَ حَاضِرٌ رِسَالَةَ كُلِّ رَسُوْلٍ وَمَا وَقَعَ مِنْ لَدُنْ اٰدَمَ اِلٰى اَنْ ظَهَرَ بِجِسْمِهِ الشَّرِيْفِ (تفسیر صاوی سورہ قصص)

یعنی یہ فرمانا کہ موسی علیہ السلام کے اس واقعہ کی جگہ نہ تھے جسمانی لحاظ سے ہے عالم روحانی کی حیثیت سے حضور علیہ السلام ہر رسول کی رسالت اور آدم علیہ السلام سے لے کر آپ کے جسمانی ظہور تک کے تمام واقعات پر حاضر ہیں۔

نیز ہجرت کے دن غار ثور میں صدیق صدق کو لیے ہوئے جلوہ گر ہیں کہ کفار مکہ دروازہ غار پر آپہنچے حضرت صدیق پریشان ہوئے تو حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا۔ | غم نہ کر اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ ہمارے ساتھ تو ہے مگر ان کفار کے ساتھ نہیں لہذا خدا ہر جگہ نہیں کیونکہ کفار بھی تو عالم ہی میں تھے نیز غزوہ احد سے فارغ ہو کر کفار سے خطاب فرمایا۔

اَللّٰهُ مَوْلٰنَا وَلَا مَوْلٰى لَكُمْ۔ | اللہ ہمارا مولی ہے تمہارا مولی کوئی نہیں۔

جس سے معلوم ہوا کہ اللہ کی سلطنت وحکومت فقط مسلمانوں پر تو ہے کفار پر نہیں۔ مولی بمعنی والی۔ تو جس طرح ان دونوں کلاموں میں توجیہ کرو گے کہ پہلے کلام سے مراد ہے کہ اللہ رحم وکرم سے ہمارے ساتھ ہے اور جبر وقہر سے کفار کے ساتھ اور دوسرے کلام میں مراد ہے کہ مددگار والی ہمارا ہے تمہارا والی تو ہے مگر ناصر اور مہربان نہیں اسی طرح ان آیات میں بھی کہا جائے گا کہ بطریق ظاہر باین جسد عنصری آپ اس وقت انکے پاس نہ تھے۔

اعتراض (۳) قرآن کریم فرماتا ہے وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ۔ اور کچھ مدینہ والے ان کی خو ہو گئی ہے۔ نفاق ان کو تم نہیں جانتے ہم جانتے ہیں ۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام ہر جگہ حاضر نہیں ورنہ آپ کو منافقین کے اندرونی رازوں کی بھی خبر ہوتی حالانکہ آپ ان سے بے خبر تھے ۔

جواب:۔ اس کا تفصیلی جواب ہم بحث علم غیب میں اسی آیت کے ماتحت دے چکے ہیں ۔

اعتراض (۴) بخاری کتاب التفسیر میں ہے کہ زید ابن ارقم نے عبداللہ ابن ابی کی شکایت کی کہ وہ لوگوں سے کہتا ہے لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ مسلمانوں کو کچھ خرچ نہ دو۔ عبداللہ ابن ابی نے بارگاہ الٰہی میں آکر جھوٹی قسم کھالی کہ میں نے یہ نہ کہا تھا فَصَدَّقَهُمْ وَكَذَّبَنِيْ حضور علیہ السلام نے ان کو سچا مان لیا اور مجھ کو جھوٹا۔ اگر حضور علیہ السلام ہر جگہ حاضر ناظر ہیں ۔ تو ابن ابی کی غلط تصدیق کیوں کرتے ، جب آیت کریمہ نے نازل ہو کر زید ابن ارقم کی تصدیق کی تو یہ سچے ہوئے ۔

جواب:۔ عبداللہ ابن ابی کی تصدیق فرمادینے سے لازم نہیں کہ آپ کو اصل واقعہ کا علم بھی نہ ہو شرعاً مقدمہ میں ضروری ہے کہ یا تو مدعی گواہ پیش کرے ۔ ورنہ مدعی علیہ قسم کھا کر مقدمہ جیت لیگا کیونکہ قاضی کا فیصلہ مدعی کی گواہی یا مدعا علیہ کی قسم پر ہوتا ہے نہ کہ قاضی کے ذاتی علم پر زید ابن ارقم رضی اللہ عنہ مدعی تھے کہ ابن ابی نے توہین کی اور ابن ابی منکر چونکہ حضرت زید کے پاس گواہی نہ تھی عبداللہ کی قسم پر فیصلہ کر دیا گیا۔ پھر جب قرآن نے زید کی گواہی دی تب اس گواہی سے انکی تصدیق ہوئی ۔ قیامت میں گذشتہ کفار انبیاء کی تبلیغ کا انکار کریں گے اور انبیاء دعوی کریں گے رب العلیٰ امت مصطفےٰ علیہ السلام سے انبیاء کرام کے حق میں گواہی لیکر انبیاء کرام کی تصدیق فرمائیگا۔ اسی طرح کفار عرض کریں گے وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ خدا کی قسم ہم مشرک نہ تھے تب انکے نامہ اعمال اور ملائکہ اور ان کے اعضاء سے گواہی لیکر ان کے خلاف فیصلہ ہوگا۔ تو کیا رب کو بھی اصل واقعہ کا پتہ نہ تھا۔ ضرور تھا مگر یہ قانون کی پابندی ہے كَذَّبَنِيْ کے معنی ہیں کہ میری بات نہ مانی ۔ یہ معنی نہیں کہ مجھ کو جھوٹا فرمایا۔ کیونکہ جھوٹا فاسق ہوتا ہے اور تمام صحابہ عادل ہیں اور کسی مسلمان کو بلا دلیل فاسق نہیں کہا جا سکتا۔ کبھی دیوبندی کہتے ہیں کہ کیا نبی علیہ السلام گندی جگہ اور دوزخ میں بھی حاضر ہیں۔ ان کو وہاں ماننا بے ادبی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کا ہر جگہ حاضر ہونا ایسا ہے جیسے سورج کی شعاع یا نور نظر یا فرشتوں کا ہر جگہ ہونا کہ یہ چیزیں ہر جگہ موجود ہیں ۔ مگر گندگی سے گندی نہیں ہوتیں

بتاؤ تم رب کو ان سب جگہ حاضر مانتے ہو یا نہیں ؟ اگر مانتے ہو تو اس کی بے ادبی ہوئی یا نہیں۔ نور آفتاب گندی جگہ پڑنے سے ناپاک نہیں تو حقیقت محمدیہ جسے رب نور فرمائے اس پر ناپاکی کے احکام کیوں جاری ہونگے۔

اعتراض (۵) ترمذی میں ابن مسعود سے روایت ہے۔

لَا يُبَلِّغُنِي اَحَدٌ عَنْ اَحَدٍ مِنْ اَصْحَابِي شَيْئًا　　کوئی شخص ہم سے کسی صحابی کی باتیں نہ لگائے ہم

فَاِنِّي اُحِبُّ اَنْ اَخْرُجَ اِلَيْكُمْ وَاَنَا سَلِيْمُ الصَّدْرِ　　چاہتے ہیں کہ تمہارے پاس صاف دل آیا کریں۔

اگر حضور علیہ السلام ہر جگہ حاضر ہوتے تو خبر پہنچانے کی کیا ضرورت تھی۔ آپ کو ویسے ہی خبر رہتی۔

جواب:۔ انبیائے کرام کے علم شہودی میں ہر وقت ہر چیز رہتی ہے مگر ہر چیز پر ہر وقت توجہ رہنا ضروری نہیں۔ اس کے متعلق ہم بحث علم غیب میں حاجی امداد اللہ صاحب کی عبارت پیش کر چکے ہیں۔ اب حدیث کا مطلب بالکل واضح ہے کہ ہم کو لوگوں کی باتوں کی طرف توجہ دلا کر کسی کی طرف سے ناراض نہ بناؤ۔ ایک جگہ ارشاد ہوا ہے۔ ذَرُوْنِي مَا تَرَكْتُكُمْ جب تک ہم تم کو چھوڑے رہیں تم بھی چھوڑے رہو۔

اعتراض (۶) بیہقی میں ہے مَنْ صَلَّى عَلَيَّ عِنْدَ قَبْرِيْ سَمِعْتُهٗ وَمَنْ صَلَّى عَلَيَّ نَائِيًا اُبْلِغْتُهٗ۔　　جو شخص ہماری قبر کے پاس درود بھیجتا ہے تو ہم خود سنتے ہیں اور جو دور سے درود بھیجتا ہے تو ہم تک پہنچایا جاتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ دور کی آواز آپ تک نہیں پہنچتی ورنہ پہنچائے جانے کی کیا ضرورت ہے۔

جواب:۔ اس حدیث میں یہ کہاں ہے کہ دور والے کا درود ہم نہیں سنتے۔ مطلب بالکل ظاہر ہے کہ قریب والے کا درود تو صرف خود سنتے ہیں۔ اور دور والے کا درود سنتے بھی ہیں اور پہنچایا بھی جاتا ہے ہم حاضر و ناظر کے ثبوت میں دلائل الخیرات کی وہ روایت پیش کر چکے ہیں کہ اہل محبت کا درود تو ہم بنفس نفیس خود سن لیتے ہیں۔ اور غیر محبت والوں کا درود پہنچایا جاتا ہے۔ تو دور و قریب سے مراد دلی دوری قربی ہے نہ کہ مسافت کے لحاظ سے۔

گر بے منی و پیش منی در یمنی　　گر با منی و در یمنی پیش منی

پہنچائے جانے سے لازم نہیں آتا کہ آپ اس کو سنتے ہی نہیں۔ ورنہ ملائکہ بندوں کے اعمال بارگاہ الٰہی میں پیش کرتے ہیں تو کیا رب کو خبر نہیں۔ درود کی پیشی میں بندوں کی عزت ہے کہ درود پاک کی

برکت سے ان کا یہ رتبہ ہوا کہ غلاموں کا نام شہنشاہ انام کی بارگاہ میں آگیا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔
فقہاء فرماتے ہیں کہ نبی کی توہین کرنے والے کی توبہ قبول نہیں۔ دیکھو شامی باب المرتدین کیونکہ یہ توہین حق العباد ہے جو توبہ سے معاف نہیں ہوتا اگر توہین کی حضور کو خبر نہیں ہوتی تو یہ حق العبد کیونکر بنی۔ غیبت اسی وقت حق العبد بنتی ہے جب اس کی خبر اس کو ہو جاوے جس کی غیبت کی گئی ورنہ حق اللہ رہتی ہے۔ دیکھو شرح فقہ اکبر مصنفہ ملا علی قاری۔
کتاب جلاء الافہام مصنفہ ابن قیم شاگرد ابن تیمیہ صفحہ ۶۳ حدیث نمبر ۱۰۸ میں ہے۔

لَیْسَ مِنْ عَبْدٍ یُصَلِّیْ عَلَیَّ اِلَّا بَلَغَنِیْ صَوْتُہٗ حَیْثُ کَانَ قُلْنَا بَعْدَ وَفَاتِکَ قَالَ وَبَعْدَ وَفَاتِیْ۔	یعنی کوئی کہیں سے درود شریف پڑھے مجھے اسکی آواز پہنچتی ہے۔ یہ دستور بعد وفات بھی رہیگا۔

جلاء الافہام مطبوعہ ادارہ الطباعۃ المنیریہ صفحہ ۶۳، انیس الجلیس مصنفہ مولانا جلال الدین سیوطی صفحہ ۲۲۲ میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

اَصْحَابِیْ اَخْوَانِیْ صَلُّوْا عَلَیَّ فِیْ کُلِّ یَوْمِ الْاِثْنَیْنِ وَ الْجُمُعَۃِ بَعْدَ وَفَاتِیْ فَاِنِّیْ اَسْمَعُ صَلٰوتَکُمْ بِلَا وَاسِطَۃٍ	یعنی ہر جمعہ و پیر کو مجھ پر درود زیادہ پڑھو میری وفات کے بعد کیونکہ میں تمہارا درود بلا واسطہ سنتا ہوں۔

اعتراض (۷) فتاوی بزازیہ میں ہے۔

مَنْ قَالَ اِنَّ اَرْوَاحَ الْمَشَائِخِ حَاضِرَۃٌ تَعْلَمُ یَکْفُرُ۔	جو کہے کہ مشائخ کی روحیں حاضر ہیں جانتی ہیں وہ کافر ہیں۔

شاہ عبدالعزیز صاحب تفسیر فتح العزیز صفحہ ۵۵ میں فرماتے ہیں کہ انبیاء و مرسلین را لوازم الوہیت از علم غیب و شنیدن فریاد ہرکس در ہر جا و قدرت بر جمیع مقدورات ثابت کنند یعنی نبی اور پیغمبروں کے لیے خدائی صفات جیسے علم غیب اور ہر جگہ سے ہر شخص کی فریاد سننا اور تمام ممکنات پر قدرت ثابت کرتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ علم غیب اور ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا خدا کی صفت ہے۔ کسی اور میں ماننا صریح کفر ہے۔ بزازیہ فقہ کی معتبر کتاب ہے وہ حکم کفر دے رہی ہے۔
جواب ۱۔ فتاوی بزازیہ کی ظاہر عبارت کے زد میں تو مخالفین بھی آتے ہیں۔ اولاً تو اس لیئے کہ ہم امداد السلوک مصنفہ مولوی رشید احمد صاحب کی عبارت پیش کر چکے ہیں۔ جس میں انہوں نے نہایت صفائی سے شیخ کی روح کو مریدین کے پاس حاضر جاننے کی تعلیم دی ہے۔ دوسرے اس لیئے کہ بزازیہ کی عبارت

میں یہ تصریح نہیں ہے کہ کس جگہ روح مشائخ کو حاضر جاننے ہر جگہ یا بعض جگہ اس اطلاق سے تو معلوم ہوا ہے کہ اگر کوئی مشائخ کی روح کو ایک جگہ بھی حاضر جانے یا ایک بات کا بھی علم مانے تو کافر ہے اب مخالفین بھی ارواحِ مشائخ کو ان کی قبر یا مقام علیین برزخ وغیرہ جہاں وہ رہتی ہیں۔ وہاں تو حاضر مانیں گے ہی پس بس کہیں بھی ماننا کفر ہوا۔ تیسرے اس لیے کہ ہم اس بحث حاضر و ناظر میں شامی کی عبارت پیش کر چکے ہیں کہ یہ حاضر یا ناظر کہنا کفر نہیں ہے۔ چوتھے یہ کہ ہم اشعۃ اللمعات اور احیاء العلوم بلکہ نواب صدیق حسن خان بھوپالی وہابی کی عبارت بیان کر چکے ہیں۔ جس میں وہ فرماتے ہیں کہ نمازی اپنے قلب میں حضور علیہ السلام کو حاضر جان کر اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ کہے۔ اب ان اکابر فقہاء پر بزازیہ کا فتویٰ جاری ہوگا یا نہیں لہٰذا ماننا ہوگا کہ بزازیہ میں جس حاضر و ناظر ماننے کو کفر فرمایا جا رہا ہے وہ حاضر و ناظر ہونا ہے جو صفت الٰہیہ ہے یعنی ذاتی، قدیم، واجب بغیر کسی جگہ میں ہوئے کہ ایسا حاضر ہونا رب کی صفت ہے وہ ہر جگہ ہے مگر کسی جگہ میں نہیں۔ پہلے سوال کے جواب میں ہم فتاویٰ رشیدیہ جلد اول کتاب البدعات صفحہ ۹۱ کی عبارت اور براہین قاطعہ صفحہ ۲۳ کی عبارت نقل کر چکے۔ جس سے ثابت ہوا کہ مولوی رشید احمد و خلیل احمد صاحبان بھی اس فتویٰ میں ہم سے متفق ہیں۔ شاہ عبد العزیز صاحب کی عبارت بالکل واضح ہے کہ مشائخ و انبیاء کی قدرت تمام مقدورات الٰہیہ پر اللہ کی طرف ماننا کفر ہے ورنہ خود شاہ عبد العزیز صاحب وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا کے ماتحت حضور علیہ السلام کو حاضر ناظر مانتے ہیں۔ ان کی بحث علم غیب میں اسی آیت مذکورہ کے ماتحت لکھ چکے ہیں۔

اعتراض (۸) اگر حضور حاضر بھی ہیں اور نور بھی تو چاہیے کہ رات میں کبھی اندھیرا نہ ہو مگر ہر جگہ اندھیرا ہوتا ہے لہٰذا یا تو حضور نور نہیں یا نور ہیں مگر ہر جگہ حاضر نہیں۔

جواب اس کے دو ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ قرآن مجید نور ہے اور ہر گھر میں بھی نیز فرشتے نور بھی ہیں اور ہر انسان کے ساتھ بھی نیز رب تعالیٰ نور بھی ہے اور ہر ایک کے ساتھ بھی مگر پھر بھی رات کو اندھیرا ہوتا ہے لہٰذا یا تو فرشتے۔ قرآن۔ خدا تعالیٰ نور نہیں یا حاضر نہیں۔ تحقیقی جواب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم۔ قرآن۔ فرشتوں کی نورانیت ایمانی ہے اور نور کو دیکھنے کے لیے دیکھنے والے میں بصیرت کا نور چاہیے بعض مقبول لوگ وہ نور اب بھی مشاہدہ کرتے ہیں۔

اعتراض (۹) بعض مخالفین جب کوئی راستہ نہیں پاتے تو کہہ دیتے ہیں کہ ہم ابلیس ہیں ہر جگہ پہنچ جانے کی طاقت مانتے ہیں۔ اسی طرح آصف ابن برخیا اور ملک الموت اور ملائکہ میں یہ طاقت تسلیم کرتے ہیں مگر یہ نہیں مانتے کہ دیگر مخلوق کے

کمالات پیغمبروں میں یا حضور علیہ السلام میں جمع ہیں۔ مولوی قاسم صاحب تحذیرالناس میں لکھتے ہیں کہ بظاہر عمل امتی بسا اوقات غیر نبی نبی سے بڑھ جاتے ہیں۔ رجوم المذنبین میں مولوی حسین احمد صاحب نے لکھا کہ دیکھو تخت بلقیس لانے کی طاقت حضرت سلیمان میں نہ تھی اور آصف میں تھی ورنہ آپ خود ہی کیوں نہ لے آتے اسی طرح ہدہد نے کہا کہ اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خَبَرًا اے سلیمان میں وہ بات معلوم کر کے آیا ہوں جس کی خبر آپکو نہیں نیز ہدہد کی آنکھ زمین کے اندر کا پانی دیکھ لیتی ہے اسی لیے وہ حضرت سلیمان کی خدمت میں رہتا تھا کہ جنگل میں زمین کے اندر کا پانی بتائے اور حضرت سلیمان کو اس کی خبر نہ تھی معلوم ہوا کہ انبیاء کے علم و طاقت سے غیر نبی بلکہ جانور کا علم و طاقت زیادہ ہو سکتا ہے۔

جواب:۔ غیر نبی میں نبی سے زیادہ یا کسی اور نبی میں حضور علیہ السلام سے زیادہ کمال ماننا صریح آیت قرآنی اور احادیث صحیحہ اور اجماع امت کے خلاف ہے خود مخالفین بھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں جن کی عبارات ہم پیش کر چکے۔ یہ آٹھواں اعتراض تو اپنے مذہب کو چھوڑنا ہے۔ شفا شریف میں ہے کہ اگر کوئی کہے کہ فلاں کا علم حضور علیہ السلام سے زیادہ ہے۔ وہ کافر ہے۔ کسی بھی کمال میں کسی کو حضور علیہ السلام سے زیادہ ماننا کفر ہے کوئی غیر نبی نبی سے نہ تو علم میں بڑھ سکتا ہے نہ عمل میں۔ اگر کسی کی عمر ۹ سو سال ہو اور وہ اس تمام مدت میں عبادت ہی کرے اور کہے کہ میری عبادت تو ۹ سو سال کی ہے اور حضور علیہ السلام کی عبادت کل پچیس برس کی۔ لہذا عبادت میں حضور سے میں بڑھ گیا وہ بے دین ہے۔ ان کے ایک سجدے کا جو ثواب ہے وہ ہماری لاکھوں برس کی عبادات سے کہیں بڑھ کر ہے صرف یہ ہوا کہ اس کی محنت زیادہ ہوئی مگر قرب الہی، درجہ اور ثواب میں نبی سے اس کو کوئی نسبت ہی نہیں۔ شان نبی تو بہت بلند و بالا ہے۔ مشکوٰۃ باب فضائل الصحابہ میں ہے کہ میرے صحابی کا تھوڑے سے جو خیرات کرنا تمہارے پہاڑ بھر سونا خیرات کرنے سے افضل ہے۔ شمعون بنی اسرائیل نے ایک ہزار ماہ یعنی ۸۳ سال چار ماہ مسلسل عبادت کی۔ مسلمانوں کو اس پر رشک ہوا کہ ہم اس کا درجہ ثواب کیسے پائیں تو آیت کریمہ اتری لَیْلَةُ الْقَدْرِ خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ۔ شب قدر تو ہزار ماہ سے بھی بہتر ہے۔ یعنی اے مسلمانو تم کو ہم ایک شب قدر دیتے ہیں کہ اس شب میں عبادت بنی اسرائیل کی ہزار ماہ کی عبادت سے بہتر ہے تو حضور علیہ السلام کی ایک ایک ساعت لاکھوں شب قدر سے افضل ہے۔ جس مسجد پاک کے ایک گوشہ میں سیدالانبیاء آرام فرما ہیں یعنی مسجد نبوی وہاں کی ایک رکعت پچاس ہزار کے برابر ثواب رکھتی ہے۔ جن کے قرب میں ہماری عبادت ایسی پھولتی پھلتی ہے تو ان کی عبادت کا کیا پوچھنا ہے۔

اسی طرح یہ کہنا کہ آصف ابن برخیا میں تخت لانے کی طاقت تھی نہ کہ حضرت سلیمان میں محض بیہودہ بکواس ہے

قرآن کریم فرماتا ہے۔
وَقَالَ الَّذِیْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْكَ طَرْفُكَ اس نے کہا جس کو کتاب کا علم تھا کہ میں اس تخت بلقیس کو آپکے پلک جھپکنے سے پہلے حاضر خدمت کردونگا
معلوم ہوا کہ آصف کی یہ قدرت علم کتاب کی وجہ سے تھی۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ ان کو اسم اعظم یاد تھا جس سے وہ یہ تخت لائے۔ ان کو یہ علم حضرت سلیمان کی برکت سے ملا۔ پھر یہ کیونکر ہوسکتا ہے کہ ان میں یہ قدرت ہو اور ان کے استاذ سیدنا سلیمان علیہ السلام میں نہ ہو رہا یہ کہ پھر آپ خود کیوں نہ لائے وجہ بالکل ظاہر ہے کہ کام کرنا خدا کا کام ہے نہ کہ سلاطین کا دبدبہ سلطنت چاہتا ہے کہ خدام سے کام لیا جاوے۔ بادشاہ اپنے نوکروں سے پانی منگوا کر پیتا ہے تو کیا خود اس میں پانی لینے کی طاقت نہیں۔ رب العلمین دنیا کے سارے کام فرشتوں سے کراتا ہے کہ بارش برسانا جان نکالنا۔ پیٹ میں بچہ بنانا سب ملائکہ کے سپرد ہے تو کیا خدا میں یہ طاقت نہیں ہے۔ کیا فرشتے خدا سے زیادہ طاقت رکھتے ہیں۔

تفسیر روح البیان نے زیر آیت فَصِیَامُ شَهْرَیْنِ مُتَتَابِعَیْنِ پارہ پنجم سورہ نساء بیان فرمایا ہے کہ حضرت سلیمان کا آصف کو بلقیسی تخت لانے کا حکم دینا اس لیے تھا کہ آپ نے اپنے درجہ سے اترنا نہ چاہا یعنی یہ کام خدام کا ہے۔ اسی طرح ہُدہُد کا قول قرآن نے نقل کیا کہ اس نے کہا کہ میں وہ چیز دیکھ کر آیا ہوں جس کی آپ کو خبر نہیں۔ قرآن نے کہاں فرمایا کہ واقعی آپ کو خبر نہ تھی ہُدہُد سمجھا کہ شاید اس کی خبر حضرت کو نہ ہوگی یہ کہدیا لہٰذا اس سے سند نہیں پکڑی جاسکتی۔

نیز ہُدہُد نے عرض کیا کہ اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ میں وہ بات دیکھ کر آیا جو آپ نے نہ دیکھی یعنی اس ملک میں آپ بہ این جسم شریف مشاہدہ فرمانے نہ گئے خبر کی نفی نہیں حضرت سلیمان علیہ السلام کو سب کچھ خبر تھی مگر منشاء الٰہی یہ تھا کہ اتنا بڑا کام ایک ہُدہُد چڑیا کے ذریعہ ہو تا کہ معلوم ہو جائے کہ پیغمبر کے پاس بیٹھنے والے جانور وہ کام کر دکھاتے ہیں جو دوسرے انسانوں سے نہیں ہوسکتے اگر حضرت سلیمان کو خبر نہ تھی تو آصف ابن برخیا بغیر کسی سے پتہ پوچھے یمن کے شہر سبا میں بلقیس کے گھر کیسے پہنچے اور آن کی آن میں تخت کیسے لے آئے؟ معلوم ہوا کہ سارا ملک یمن حضرت آصف کے سامنے تھا تو پھر حضرت سلیمان سے کیسے مخفی رہ سکتا ہے۔ یوسف علیہ السلام کو باپ کا پتہ معلوم تھا۔ مگر وقت سے پہلے اپنی خبر نہ دی تا کہ قحط سالی پڑے اور آپ کی شان دنیا کو معلوم ہو۔ پھر باپ سے ملاقات ہو۔ نیز زمین کے نیچے کا پانی معلوم کرنا ہُدہُد کی یہ خدمت

بھی سلاطین ان کاموں کو آپ نہیں کرتے۔ مثنوی شریف میں ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک بار حضور علیہ السلام وضو فرما رہے تھے موزے اتار کر رکھ دیئے کہ ایک چیل نے جھپٹ کر ایک موزہ اٹھالیا اور اوپر لے جاکر الٹا کرکے پھینک دیا۔ جس میں سے سانپ نکلا۔ حضور علیہ السلام نے چیل سے دریافت فرمایا کہ تو نے میرا موزہ کیوں اٹھایا؟ عرض کیا کہ جب میں اڑتی ہوئی آپ کے سر مبارک کے مقابل آئی تو آپ کے سر سے آسمان تک وہ نور تھا کہ اس میں آکر مجھ پر زمین کے ساتوں طبقے روشن ہوگئے۔ اس سے میں نے آپ کے موزے کے اندر کا سانپ دیکھ لیا تو اس خیال سے اٹھالیا کہ شاید آپ بے توجہی میں اس کو پہن لیں اور آپ کو تکلیف پہنچ جاوے مولانا فرماتے ہیں ؎

مار در موزہ بہ بینم از ہوا ! ❊ نیست از من عکس تست اے مصطفےٰ

پھر حضور نے فرمایا ؎

گرچہ ہر غیبے خدا مارا نمود ❊ دل دریں لحظہ بحق مشغول بود

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک بار عرض کیا کہ یا حبیب اللہ آج بہت تیز بارش آئی اور آپ قبرستان میں تھے آپکے کپڑے کیوں تر نہ ہوئے؟ فرمایا کہ عائشہ تم نے کیا اوڑھا ہوا ہے؟ عرض کیا کہ آپ کا تہبند شریف فرمایا ؎

گفت بہر آں نمود اے پاک جیب ❊ چشم پاکت را خدا باران غیب!

نیست ایں باراں ازیں ابر شما ❊ ہست باراں دیگر و دیگر سما!

اے محبوبہ اس تہبند شریف کی برکت سے تمہاری آنکھوں سے غیب کے پردے کھل گئے۔ یہ بارش نور کی تھی نہ کہ پانی کی بارش۔ اس کا بادل اور آسمان ہی دوسرا ہے۔ اے عائشہ یہ کسی کو نظر نہیں آیا کرتی۔ تم نے ہمارے تہبند کی برکت سے اس کو دیکھ لیا۔ ہُدہُد کی آنکھ کو یہ طاقت ابراہیم علیہ السلام کی آگ پر پانی ڈالنے کی برکت سے ملی اور حضرت سلیمان کی صحبت سے۔

اعتراض (۹) اگر حضور علیہ السلام ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں تو مدینہ پاک حاضر ہونے کی کیا ضرورت ہے۔

جواب: جب خدا ہر جگہ ہے تو کعبہ جانے کی کیا ضرورت ہے؟ اور پھر معراج میں حضور علیہ السلام کے عرش پر جانے کا کیا فائدہ تھا؟ جناب مدینہ منورہ دار السلطنت ہے۔ اور خاص تجلی گاہ جیسے کہ برقی طاقت کے لیئے پاور ہاؤس بلکہ اولیاء اللہ کی قبور مختلف پاوروں کے قمقمے ہیں۔ ان کی بھی زیارت ضروری ہے۔

اعتراض (۱۰) اگر حضور حاضر ناظر ہیں تو تم لوگ نماز کی امامت کیوں کرتے ہو ہر جگہ حضور ہی امام ہونے چاہیئیں

جواب: کسی آیت یا حدیث میں یہ نہیں کہ حضور کی موجودگی میں کوئی امامت نہیں کر سکتا حضرت صدیق اکبر نے حضور کی حیات شریف میں ۱۷ نمازیں پڑھائیں حضرت عبدالرحمن ابن عوف نے حضور کی موجودگی میں نماز فجر پڑھائی خود حضور انور نے اُن کے پیچھے ایک رکعت پڑھی۔ جناب! امامت کے لئے ضروری ہے کہ امام حاضر بھی ہو نظر بھی آئے نماز بھی پڑھائے حضور حاضر ہیں اور تمام جہان کو ملاحظہ فرما رہے ہیں مگر وہ تو نظر نہیں آتے ناظر ہیں مگر منظور نہیں نیز اب آپ یہ نماز کسی کو نہیں پڑھاتے کہ یہ نماز اسی عالم کی چیز ہے حضور دوسرے عالم سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور حضور پر اب نماز فرض نہیں ہم پر فرض ہے فرض والا نفل والے کے پیچھے نہیں پڑھ سکتا۔

حضور علیہ السلام کو بشر یا بھائی کہنے کی بحث

اس میں ایک مقدمہ اور دو باب ہیں

مقدمہ: نبی کی تعریف اور ان کے درجات کے بیان میں

عقیدہ: نبی وہ انسان مرد ہیں جن کو اللہ نے احکام شرعیہ کی تبلیغ کے لیئے بھیجا (شرح عقائد) لہذا نبی نہ تو غیر انسان ہو اور نہ عورت۔ قرآن فرماتا ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ۔ اور ہم نے آپ سے پہلے نہ بھیجا مگر ان مردوں کو جن کی طرف ہم وحی کرتے تھے۔

معلوم ہوا کہ جن، فرشتہ، عورت وغیرہ نبی نہیں ہو سکتے۔ **عقیدہ:** نبی ہمیشہ اعلیٰ خاندان اور عالی نسب میں سے ہوتے ہیں اور نہایت عمدہ اخلاق ان کو عطا ہوتے ہیں۔ ذلیل قوم اور ادنیٰ حرکات سے محفوظ (بہار شریعت) بخاری جلد اول کے شروع میں ہے کہ جب ہرقل بادشاہ روم کے پاس حضور علیہ السلام کا فرمان عالی پہنچا کہ اَسْلِمْ تَسْلَمْ اسلام لے آ سلامت رہے گا۔ تو ہرقل نے ابو سفیان کو بلا کر حضور علیہ السلام کے متعلق کچھ سوالات کیئے۔ پہلا سوال یہ تھا کہ کَیْفَ نَسَبُهٗ فِیْکُمْ تم میں ان کا خاندان و نسب کیسا ہے؟ ابو سفیان نے کہا هُوَ فِیْنَا ذُوْ نَسَبٍ وہ ہم میں نہایت اعلیٰ خاندان والے ہیں یعنی قریشی

ہاشمی و مُطلبی ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس کے جواب میں ہرقل نے کہا وَكَذَالِكَ الرُّسُلُ تُبْعَثُ فِي قَوْمِهَا ہمیشہ انبیائے کرام عالی قوم واعلیٰ خاندان میں بھیجے جاتے ہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ انبیائے کرام عالی خاندان میں تشریف لاتے ہیں۔

تنبیہ۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہر قوم میں نبی آئے یعنی معاذ اللہ بھنگیوں، چماروں، ہندوؤں بدھ اور حبشی وغیرہ میں ان ہی کی قوم سے آئے۔ لہٰذا لال گرو، کرشن، گوتم بدھ وغیرہ چونکہ نبی تھے اس لیے ان کو برا نہ کہو۔ قرآن فرماتا ہے۔ لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ہر قوم میں ہادی ہیں۔ نیز عورتیں بھی نبی ہوئی ہیں کیونکہ حضرت موسیٰ کی والدہ اور حضرت مریم کو وحی ہوئی اور جس کو وحی ہو وہ نبی ہے۔ وَاَوْحَيْنَا اِلٰى اُمِّ مُوْسٰى وغیرہ لہٰذا یہ عورتیں نبی ہیں۔ مگر یہ دونوں قول غلط ہیں اول تو اس لیئے کہ وہ آیت پوری نہیں بیان کی اور ترجمہ بھی درست نہیں کیا۔ آیت یہ ہے۔ اِنَّمَا اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ تم ڈر سنانے والے اور ہر قوم کے ہادی ہو۔ یعنی ہر قوم کا ہادی ہونا حضور علیہ السلام کی صفت ہے۔ دیگر انبیاء خاص خاص قوموں کے نبی ہوتے تھے اور اے محبوب تم ہر قوم کے نبی ہو۔ اگر مان بھی لیا جاوے کہ اس آیت کے یہ ہی معنیٰ ہیں کہ ہر قوم میں ہادی ہوئے تو یہ کہاں ہے کہ ہر قوم میں اس ہی قوم سے ہادی ہوئے۔ ہو سکتا ہے کہ اشرف قوم میں نبی آئے۔ دیگر قومیں بھی ان کے ماتحت رہیں۔ حضور علیہ السلام قریشی ہیں۔ مگر پٹھان، شیخ سید غرضیکہ ساری قوموں بلکہ ساری مخلوق کے نبی ہیں نیز لفظ هَادٍ عام ہے کہ نبی ہو یا غیر نبی۔ تو یہ معنیٰ بھی ہو سکتے ہیں کہ ہر قوم میں اس قوم میں سے بعض بعض کے لیئے رہبر ہوئے۔ بلکہ مہادیو، کرشن وغیرہ کی ہستی کا بھی شرعی ثبوت نہیں قرآن وحدیث نے ان کی خبر نہ دی۔ صرف بت پرستوں کے ذریعہ ان کا پتہ لگا وہ بھی اس طرح کہ کسی کے چار ہاتھ کسی کے چھ پاؤں کسی کے منہ پر ہاتھی کی سی سونڈ۔ کسی کے چوتڑ پر لنگور کی سی دُم۔ ان کے نام بھی گھڑے ہوئے اور ان کی صورتیں بھی۔ رب نے عرب کے بت پرستوں کو فرمایا۔

اِنْ هِيَ اِلَّآ اَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ | یہ تمہارے اور تمہارے باپ دادوں کے گھڑے ہوئے نام ہیں

جب ان کے ہونے کا ہی یقین نہیں تو انہیں نبی مان لینا کون سی عقلمندی ہے۔

دوسرا قول اس لیئے غلط ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ کے دل میں القاء یا الہام کیا گیا تھا جسے قرآن نے اَوْحَيْنَا سے تعبیر کیا وحی بمعنی الہام بھی آتی ہے۔ جیسے قرآن میں ہے

وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ آپ کے رب نے شہد کی مکھی کے دل میں یہ بات ڈالی یہاں وحی بمعنی دل میں ڈالنا ہے حضرت مریم کو وہ وحی تبلیغی نہ تھی اور نہ وہ تبلیغ احکام کے لئے بھیجی گئیں۔ نیز فرشتے کا ہر کلام وحی نہیں اور ہر وحی تبلیغی نہیں بعض صحابہ نے ملائکہ کے کلام سنے ہیں اور بوقت موت اور قبر و حشر میں سب ہی ملائکہ سے کلام کریں گے حالانکہ سب نبی نہیں۔ اس کی پوری تحقیق ہماری کتاب شانِ حبیب الرحمٰن میں دیکھو۔

عقیدہ: کوئی شخص اپنی عبادات و اعمال سے نبوت نہیں پا سکتا۔ نبوت محض عطاء الٰہی ہے۔ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ اللہ خوب جانتا ہے کہ جہاں اپنی رسالت رکھے اور غیر نبی خواہ غوث ہو یا قطب ابدال یا کچھ اور نہ تو نبی کے برابر ہو سکتا ہے نہ اس سے بڑھ سکے یہ چند امور خیال میں رہیں۔

پہلا باب

اس بیان میں کہ نبی علیہ السلام کو بشر یا بھائی وغیرہ کہنا حرام ہے

نبی جنس بشر میں آتے ہیں اور انسان ہی ہوتے ہیں۔ جن یا فرشتہ نہیں ہوتے یہ دنیاوی احکام ہیں۔ ورنہ بشریت کی ابتداء آدم علیہ السلام سے ہوئی۔ کیونکہ وہ ہی ابو البشر ہیں اور حضور علیہ السلام اس وقت نبی ہیں جبکہ آدم علیہ السلام آب و گل میں ہیں خود فرماتے ہیں كُنْتُ نَبِيًّا وَّاٰدَمُ بَيْنَ الْمَآءِ وَالطِّيْنِ اس وقت حضور نبی ہیں بشر نہیں سب کچھ صحیح لیکن ان کو بشر یا انسان کہہ کر پکارنا یا حضور علیہ السلام کو یا محمد یا کہ اے ابراہیم کے باپ یا اے بھائی باوا وغیرہ برابری کے الفاظ سے یاد کرنا حرام ہے اور اگر اہانت کی نیت سے پکارا تو کافر ہے۔ عالمگیری وغیرہ کتب فقہ میں ہے کہ جو شخص حضور علیہ السلام کو هٰذَا الرَّجُلُ یہ مرد اہانت کی نیت سے کہے تو کافر ہے بلکہ یا رسول اللہ یا حبیب اللہ یا شفیع المذنبین وغیرہ عظمت کے کلمات سے یاد کرنا لازم ہے۔ شعراء جو اشعار میں یا محمد لکھ دیتے ہیں وہ تنگی موقعہ کی وجہ سے ہے پڑھنے والے کو لازم ہے کہ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ لے۔ اسی طرح جو کہتے ہیں کہ ع

واہ کیا جود و کرم ہے شہ بطحٰی تیرا

یہ تیرا انتہائی ناز کا کلمہ ہے جیسے اے آقا میں تیرے قربان۔ اے ماں تو کہاں ہے؟ اے اللہ تو ہم پر

رحم فرما! اس تو اور نیرے کی حیثیت اور ہے۔

(۱) قرآن کریم فرماتا ہے لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَکُمْ کَدُعَآءِ بَعْضِکُمْ بَعْضًا وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ کَجَهْرِ بَعْضِکُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُکُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝

رسول کے پکارنے کو ایسا نہ ٹھہرالو جیسا کہ تم ایک دوسرے کو پکارتے ہو اور ان کے حضور بات چلا کر نہ کہو جیسے ایک دوسرے کے سامنے چلاتے ہو کہ کہیں تمہارے اعمال برباد نہ ہو جاویں اور تم کو خبر نہ ہو۔

ضبطی اعمال کفر کی وجہ سے ہوتی ہے مدارج جلد اول وصل از جملہ رعایت حقوق ادیست ہیں ہے مخوانید اورا بنام مبارک او چنانکہ می خوانید بعضے از شما بعض را بلکہ بگوئید یا رسول اللہ یا نبی اللہ با توقیر و توضیح ؛ نبی علیہ السلام کو ان کا نام پاک لے کر نہ بلاؤ جیسے بعض بعض کو بلاتے ہیں۔ بلکہ یوں کہو یا رسول اللہ یا نبی اللہ توقیر و عزت کے ساتھ۔ تفسیر روح البیان زیر آیت لَا تَجْعَلُوْا ہے۔

وَالْمَعْنٰی لَا تَجْعَلُوْا نِدَآءَ کُمْ اِیَّاهُ وَتَسْمِیَتَکُمْ لَهٗ کَنِدَآءِ بَعْضِکُمْ بَعْضًا بِاِسْمِهٖ مِثْلُ یَا مُحَمَّدُ وَیَا ابْنَ عَبْدِ اللّٰهِ وَلٰکِنْ بِلَقَبِهِ الْمُعَظَّمِ مِثْلُ یَا نَبِیَّ اللّٰهِ وَیَا رَسُوْلَ اللّٰهِ کَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ وَیٰاَیُّهَا الرَّسُوْلُ ۔

معنی یہ ہیں کہ حضور علیہ السلام کو پکارنا یا نام لینا ایسا نہ بناؤ جیسا کہ بعض لوگ بعض کو نام سے پکارتے ہیں جیسے یا محمد اور یا ابن عبد اللہ وغیرہ لیکن ان کے عظمت والے القاب سے پکارو جیسے یا نبی اللہ یا رسول اللہ جیسا کہ خود رب تعالیٰ فرماتا ہے یا ایہا النبی یا ایہا الرسول

ان آیات قرآنیہ اور اقوال مفسرین و محدثین سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کا ادب ہر حال میں ملحوظ رکھا جاوے ندا میں، کلام میں، ہر ادا میں۔

(۲) دنیاوی عظمت والوں کو بھی ان کا نام لے کر نہیں پکارا جاتا۔ ماں کو والدہ صاحبہ، باپ کو والد ماجد، بھائی کو بھائی صاحب جیسے الفاظ سے یاد کرتے ہیں اگر کوئی اپنی ماں کو باپ کی بیوی یا باپ کو ماں کا شوہر کہے یا اس کا نام لے کر پکارے یا اس کو بھیا وغیرہ کہے۔ تو اگرچہ بات تو سچی ہے مگر بے ادب گستاخ کہا جائیگا کہ برابری کے کلمات سے کیوں یاد کیا۔ حضور علیہ السلام تو خلیفۃ اللہ الاعظم ہیں ان کو نام سے پکارنا یا بھائی وغیرہ کہنا یقیناً حرام ہے۔ گھر میں بہن ماں بیوی بیٹی سب ہی عورتیں ہیں مگر ان کے نام و کام و احکام جداگانہ جو ماں کو بیوی یا بیوی کو ماں کہہ کر پکارے وہ بے ایمان ہی ہے اور جو ان سب کو ایک نگاہ سے دیکھے وہ مردود ہے ایسے ہی جو نبی کو امتی یا امتی کو نبی کی طرح سمجھے وہ ملعون ہے دیوبندیوں نے نبی کو امتی کا درجہ دیا یا ان کے

پیشوا مولوی اسمٰعیل نے سید احمد بریلوی کو نبی کے برابر کرسی دی دیکھو صراط مستقیم کا خاتمہ معاذ اللہ۔

(۳) رب تعالیٰ جس کو کوئی خاص درجہ عطا فرماتا ہے۔ اس کو عام القاب سے پکارنا اس کے ان مراتب عالیہ کا انکار کرنا ہے اگر دنیاوی سلطنت کی طرف سے کسی کو نواب یا خان بہادر کا خطاب ملے تو اس کو آدمی یا آدمی کا بچہ یا بھائی وغیرہ کہنا اور ان القاب سے یاد نہ کرنا جرم ہے کیونکہ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ حکومت کے عطا کئے ہوئے ان خطابات سے ناراض ہو تو جس ذات عالی کو رب کی طرف سے نبی رسول کا خطاب ملے اس کو ان القاب کے علاوہ بھائی وغیرہ کہنا جرم ہے۔

(۴) خود پروردگار عالم نے قرآن کریم میں حضور علیہ السلام کو یا محمد یا اخا مومنین کہہ کر نہ پکارا بلکہ یا ایہا النبی یا ایہا الرسول یا ایہا المزمل یا ایہا المدثر وغیرہ وغیرہ پیارے القاب سے پکارا حالانکہ وہ رب ہے تو ہم غلاموں کو کیا حق ہے کہ ان کو بشر یا بھائی کہہ کر پکاریں۔

(۵) قرآن کریم نے کفار مکہ کا یہ طریقہ بنایا ہے کہ وہ انبیاء کو بشر کہتے تھے۔

قَالُوۡا مَاۤ اَنۡتُمۡ اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُنَا لَئِنۡ اَطَعۡتُمۡ بَشَرًا مِّثۡلَكُمۡ اِنَّكُمۡ اِذًا لَّخٰسِرُوۡنَ ۝ | کافر بولے نہیں ہو تم مگر ہم جیسے بشر اگر تم نے اپنے جیسے بشر کی پیروی کی تو تم نقصان والے ہو وغیرہ۔

اس قسم کی بہت سی آیات ہیں اسی طرح مساوات بنانا یا انبیاء کرام کی شان گھٹانا طریقہ ابلیس ہے کہ اس نے کہا خَلَقۡتَنِیۡ مِنۡ نَّارٍ وَّ خَلَقۡتَهٗ مِنۡ طِیۡنٍ خدایا تو نے مجھے آگ سے اور انکو مٹی سے پیدا فرمایا مطلب یہ کہ میں ان سے افضل ہوں۔ اسی طرح اب یہ کہنا کہ ہم میں اور پیغمبروں میں کیا فرق ہے۔ ہم بھی بشر وہ بھی بشر بلکہ ہم زندہ وہ مرے یہ سب ابلیسی کلام ہے۔

دوسرا باب

مسئلہ بشریت پر اعتراضات کے بیان میں

(۱) قرآن فرماتا ہے قُلۡ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثۡلُكُمۡ | اے محبوب فرمادو کہ میں تم جیسا بشر ہوں۔

اس آیت قرآنیہ سے معلوم ہوا کہ حضور بھی ہماری طرح بشر ہیں اگر نہیں ہیں تو آیت معاذ اللہ جھوٹی ہوجاوے گی۔ **جواب:** اس آیت میں چند طرح غور کرنا لازم ہے ایک یہ کہ فرمایا گیا ہے قُلۡ اے محبوب آپ فرمادو۔ تو یہ کلمہ فرمانے کی صرف حضور علیہ السلام کو اجازت ہے کہ آپ بطور انکسار و تواضع فرمادیں یہ نہیں کہ

قُوْلُوْا اِنَّمَا هُوَ بَشَرٌ مِثْلُنَا اے لوگو تم کہا کرو کہ حضور علیہ السلام ہم جیسے بشر ہیں۔ بلکہ قُل میں اس جانب اشارہ ہے کہ بشر وغیرہ کلمات تم کہو دو ہم تو نہ کہیں گے۔ ہم تو فرمائیں گے۔ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ہم تو فرمائیں گے یٰاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ یٰاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ وغیرہ ہم تو آپ کی شان بڑھائیں گے آپ انکساراً یہ فرما سکتے ہیں۔ نیز اس آیت میں کفار سے خطاب ہے۔ چونکہ ہر چیز اپنی غیر جنس سے نفرت کرتی ہے لہٰذا فرمایا گیا کہ اے کفار تم مجھ سے گھبراؤ نہیں میں تمہاری جنس سے ہوں یعنی بشر ہوں۔ شکاری جانوروں کی سی آواز نکال کر شکار کرتا ہے۔ اس سے کفار کو اپنی طرف مائل کرنا مقصود ہے اگر دیوبندی بھی کفار میں سے ہی ہیں تو ان سے بھی یہ خطاب ہو سکتا ہے ہم مسلمانوں سے فرمایا گیا اَیُّکُمْ مِثْلِیْ۔ طوطے کے سامنے آئینہ رکھ کر اور خود آئینہ کے پیچھے کھڑے ہو کر بولتے ہیں تاکہ طوطا اپنا عکس آئینہ میں دیکھ کر سمجھے کہ یہ میرے جنس کی آواز ہے انبیائے کرام رب کا آئینہ ہیں آواز و زبان ان کی ہوتی ہے اور کلام رب کا۔ گفت من آئینہ مشقول دوست۔ یہ عکس کا لحاظ ہے دوسرے اس طرح کہ مِثْلُکُمْ پر آیت ختم نہ ہوئی بلکہ آگے آرہا ہے یُوْحٰی اِلَیَّ + یُوْحٰی اِلَیَّ کی قید ایسی ہے جیسے ہم کہیں کہ زید دیگر حیوانات کی طرح حیوان ہے مگر ناطق ہے تو ناطق کی قید نے زید اور دیگر حیوانات میں ذاتی فرق پیدا کر دیا کہ اس قید سے زید تو اشرف المخلوقات انسان ہوا۔ اور دوسرے حیوانات اور شئے اسی طرح وحی کی صفت نے نبی اور امتی میں بہت بڑا فرق بنا دیا۔ حیوان اور انسان میں صرف ایک درجہ کا فرق ہے مگر بشریت اور شان مصطفوی میں ۲۷ درجہ فرق ہے اولاً بشر پھر شہید پھر متقی پھر ولی پھر ابدال پھر اوتاد پھر قطب پھر غوث پھر غوث الاعظم پھر تابعی پھر صحابی پھر مہاجر پھر صدیق پھر نبی پھر رحمۃ للعالمین وغیرہ یہ ۲۷ مراتب کا اجمالی ذکر ہے۔ تفصیل دیکھنا ہو تو ہماری کتاب شانِ حبیب الرحمان میں ملاحظہ کرو۔ تو عام بشر اور مصطفیٰ علیہ السلام میں شرکت کیسی؟ یہ شرکت تو ایسی بھی نہیں جیسی کہ جنس عالی یا کسی عرض عام کے افراد کو انسان سے ہے یہ تو ایسا ہوا کہ کوئی کہے اللہ ہماری طرح موجود ہے۔ اللہ ہماری طرح سمیع و بصیر ہے کیونکہ کلمہ موجود و علیم ہر جگہ بولا جاتا ہے جس طرح ہماری موجودیت اور رب کی موجودیت میں کوئی نسبت ہی نہیں۔ ایسے ہی ہماری بشریت اور محبوب علیہ السلام کی بشریت میں کوئی نسبت نہیں ؎ مولانا مثنوی میں فرماتے ہیں۔

اے ہزاراں جبرئیل اندر بشر　　بہر حق سوئے غریباں یک نظر

حضور علیہ السلام کی بشریت ہزار ہا جبریلی حیثیت سے اعلیٰ ہے۔

تیسرے اس طرح کہ قرآن کریم میں ہے۔ مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ فِیْھَا مِصْبَاحٌ رب کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق کہ اس میں ایک چراغ ہے۔ اس آیت میں بھی کلمہ مثل ہے تو کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ نور خدا چراغ کی طرح روشنی ہے اسی طرح قرآن میں ہے۔

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ یَّطِیْرُ بِجَنَاحَیْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ۔ نہیں ہے کوئی جانور زمین میں نہ کوئی پرندہ جو اپنے بازوؤں سے اڑتا ہو مگر وہ تمہاری طرح امتیں ہیں۔

یہاں بھی کلمہ امثال موجود ہے تو کیا یہ کہنا درست ہوگا کہ ہر انسان گدھے اُلّو جیسا ہے ہرگز نہیں نیز انما کا حصر اضافی ہے نہ کہ حقیقی یعنی میں نہ خدا ہوں نہ خدا کا بیٹا بلکہ تمہاری طرح خالص بندہ ہوں جیسے ہاروت و ماروت کا کہنا اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ؛

چوتھے اس طرح کہ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام ایمان عبادات، معاملات غرضیکہ کسی شئی میں ہم جیسے نہیں ہر بات میں فرق عظیم ہے۔ حضور علیہ السلام کا کلمہ ہے اَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ میں اللہ کا رسول ہوں۔ اگر ہم یہ کہیں تو کافر ہو جاویں۔ حضور علیہ السلام کا ایمان دیکھی ہوئی چیزوں پر کہ رب کو جنت و دوزخ کو ملاحظہ فرما لیا۔ ہمارا ایمان سنا ہوا ہے ہمارے لیئے ارکان اسلام پانچ حضور علیہ السلام کے لیئے چار یعنی آپ پر زکوٰۃ فرض نہیں۔ دیکھو شامی شروع کتاب الزکوٰۃ۔ ہم پر پانچ نمازیں فرض حضور علیہ السلام پر چھ یعنی تہجد بھی فرض وَمِنَ الَّیْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ۔ ہم کو چار بیویوں کی اجازت حضور علیہ السلام کے لیئے کوئی پابندی نہیں جس قدر چاہیں۔ ہماری بیویاں ہمارے مرنے کے بعد دوسرے سے نکاح کر سکتی ہیں۔ مگر حضور علیہ السلام کی ازواج پاک سب مسلمانوں کی مائیں وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ کسی کے نکاح میں نہیں آ سکتیں وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا ہمارے بعد ہماری میراث تقسیم ہو حضور کی میراث نہ بٹے ہمارا پیشاب پاخانہ ناپاک۔ حضور علیہ السلام کے فضلات شریفہ امت کے لیئے پاک دیکھو شامی باب الانجاس، مرقات باب احکام المیاہ فصل اول میں ہے۔ وَمِنْ ثَمَّ اَخْتَارَ كَثِیْرُوْنَ مِنْ اَصْحَابِنَا طَهَارَةَ فَضَلَاتِهٖ اسی مرقاۃ باب الستر کے شروع میں ہے۔ وَلِذَا حَجَمَهٗ اَبُوْطَیْبَةَ فَشَرِبَ دَمَهٗ اسی طرح مدارج النبوۃ میں جلد اول وصل عرق شریف صفحہ ۲۵ میں بھی ہے۔ یہ تو شرعی احکام میں فرق بتائے گئے ورنہ لاکھوں امور میں فرق عظیم ہے۔ ہم کو اس ذات کریم سے کوئی نسبت ہی نہیں یوں سمجھو کہ بے مثل خالق کے بے مثل بندے ہیں۔

بے مثل حق کے مظہر ہو پھر مثل تمہارا کیونکر ہو ٭ نہیں کوئی تمہارا ہم رتبہ نہ کوئی تمہارا ہم پایا
اس قدر فرق عظیم ہوتے ہوئے مثلیت کے کیا معنے۔

پانچویں اس طرح کہ اس آیت میں ہے بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ یہ نہیں ہے کہ اِنْسَانٌ مِّثْلُكُمْ بشر کے معنے ہیں ذو بشرہ۔ یعنی ظاہری چہرے مہرے والا۔ بشرہ کہتے ہیں ظاہر کھال کو۔ تو معنے یہ ہوئے کہ میں ظاہر رنگ وروپ میں تم جیسا معلوم ہوتا ہوں کہ اعضائے بدن دیکھنے میں یکساں معلوم ہوتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے یُوْحٰی اِلَیَّ ہم صاحب وحی ہیں۔ یہ گفتگو بھی فقط ظاہری طور پر ہے۔ ورنہ ہمارے ظاہری اعضاء کو حضور علیہ السلام کے اعضاء مبارکہ سے کوئی نسبت نہیں۔ قدرت الہٰی تو دیکھو کہ منہ کا لعاب شریف کھاری کنویں میں پڑے پانی کو میٹھا کر دے۔ حدیبیہ کے خشک کویں میں پڑ جاوے تو پانی پیدا کر دے۔ حضرت جابر کی ہانڈی میں پڑ کر شوربا اور بوٹیاں بڑھا دے۔ آٹے میں پڑے تو آٹے میں برکت دے۔ صدیق کے پاؤں میں پہنچ کر سانپ کے زہر کو دفع کرے۔ عبداللہ ابن عتیک کے ٹوٹے ہوئے پاؤں میں پہنچ کر ہڈی کو جوڑ دے۔ حضرت علی کی دکھتی ہوئی آنکھ میں لگے تو کحل الجواہر کا کام دے۔ آج ہزار روپیہ کی دوا بھی اس قدر اثر نہیں رکھتی۔ اگر سر پاک سے قدم پاک تک ہر عضو شریف کی برکات دیکھنا ہیں تو ہماری کتاب شان حبیب الرحمٰن کا مطالعہ کرو۔ ہمارے ہر عضو کا سایہ۔ حضور کے کسی عضو کا سایہ نہیں۔ پسینہ پاک میں مشک و عنبر سے بہتر خوشبو۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

چھٹے اس طرح کہ شیخ عبدالحق مدارج النبوۃ جلد اول باب سوم وصل ازالہ شبہات میں فرماتے ہیں و در حقیقت متشابہات اند علماء آں را معانی لائقہ تاویلات رائقہ کردہ راجع بحق ساختہ اند ٭ یہ آیات حقیقت میں متشابہات ہیں کہ علماء نے ان کے مناسب معانی اور بہتر تاویلیں کر کے حق کی طرف پھیرا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ یا مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ وغیرہ آیات جو بظاہر شان خداوندی کے خلاف معلوم ہوتی ہیں وہ متشابہات ہیں۔ اسی طرح اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ وغیرہ وہ آیات جو بظاہر شان مصطفوی کے خلاف ہیں تو متشابہات ہیں لہٰذا ان کے ظاہر سے دلیل پکڑنا غلط ہے۔

ساتویں اس طرح کہ روزۂ وصال کے بارے میں حضور نے فرمایا اَيُّكُمْ مِثْلِيْ تم میں ہم جیسا کون ہے؟ بیٹھ کر نفل پڑھنے کے بارے میں فرمایا لٰكِنِّيْ لَسْتُ كَاَحَدٍ مِّنْكُمْ لیکن ہم تمہاری طرح نہیں صحابہ کرام نے بہت موقعوں پر فرمایا اَيُّنَا مِثْلُهٗ ہم میں حضور علیہ السلام کی طرح کون ہے۔ احادیث تو فرما رہی ہیں

کہ حضور علیہ السلام ہم جیسے نہیں اور اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہم جیسے ہی ہیں ان میں مطابقت کرنا ضروری ہے وہ اسی طرح ہو سکتی ہے کہ آیت میں تاویل کی جاوے۔

آٹھویں اس طرح کہ تفسیر روح البیان سورہ مریم میں کٓھٰیٰعٓصٓ کے ماتحت ہے کہ حضور علیہ السلام کی تین صورتیں ہیں۔ صورت بشری۔ صورت حقی۔ صورت ملکی بشریت کا ذکر اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ حقی کا ذکر ہوا مَنْ رَاٰنِیْ فَقَدْ رَاَ الْحَقَّ جس نے ہم کو دیکھا حق کو دیکھا صورت ملکی کا ذکر فرمایا لِیْ مَعَ اللّٰهِ وَقْتٌ لَا یَسَعُنِیْ فِیْهِ مَلَكٌ مُّقَرَّبٌ وَّلَا نَبِیٌّ مُّرْسَلٌ بعض وقت ہم کو اللہ سے وہ قرب ہوتا ہے کہ نہ اس میں مقرب فرشتہ کی گنجائش ہے نہ مرسل نبی کی۔ معراج میں سدرہ پہنچ کر طاقت جبریلی ختم ہو گئی۔ مگر حضور علیہ السلام کی بشری طاقت کی ابھی ابتدا نہ تھی اس آیت میں محض ایک صورت کا ذکر ہے۔

نویں اس طرح کہ بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ میں یہ تو فرمایا کہ ہم تم جیسے بشر ہیں یہ نہ فرمایا کہ کس وصف میں تم جیسے ہیں یعنی جس طرح تم محض بندے ہو۔ نہ خدا نہ خدا کے بیٹے نہ خدا کی صفات سے موصوف اسی طرح میں عبداللہ ہوں نہ اللہ ہوں نہ ابن اللہ ہوں۔ عیسائیوں نے چند معجزات دیکھ کر عیسیٰ علیہ السلام کو ابن اللہ کہہ دیا۔ تم ہمارے صدہا معجزات دیکھ کر یہ نہ کہہ دینا بلکہ کہنا عبداللہ ورسولہ۔

تفسیر کبیر شروع پارہ ۱۲ زیر آیت فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا تفسیرون میں ہے۔ کہ نبی بشر اس لیے ہوتے ہیں کہ اگر فرشتہ ہوتے تو لوگ ان کے معجزات کو ان کی طاقت پر محمول کر لیتے۔ آپ جب بشر ہو کر یہ معجزات دکھاتے ہیں تو ان کا کمال معلوم ہوتا ہے غرضکہ انبیاء کی بشریت ان کا کمال ہے لہٰذا آیت کا مقصود یہ ہوا کہ ہم تم جیسے بشر ہو کر ایسے کمالات دکھاتے ہیں۔ تم تو دکھا دو۔

دسویں اس طرح کہ بہت سے الفاظ وہ ہیں جو پیغمبر اپنے لیے استعمال فرما سکتے ہیں اور وہ ان کا کمال ہے۔ مگر دوسرا کوئی ان کی شان میں یہ کہے تو گستاخی ہے دیکھو آدم علیہ السلام نے عرض کیا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا یونس علیہ السلام نے رب سے عرض کیا اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے فرمایا فَعَلْتُهَآ اِذًا وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّیْنَ۔ لیکن کوئی دوسرا اگر ان حضرات کو ظالم یا ضال کہے تو ایمان سے خارج ہوگا۔ اسی طرح بشر کا لفظ بھی ہے۔

اعتراض (۲) حضور علیہ السلام نے اپنے متعلق فرمایا وَاَكْرِمُوْا اَخَاكُمْ تم اپنے بھائی کا (ہمارا) احترام کرو جس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام ہمارے بھائی ہیں۔ مگر بڑے بھائی ہیں نہ کہ چھوٹے۔

(۳) قرآن فرماتا ہے وَاِلٰی مَدْیَنَ اَخَاهُمْ شُعَیْبًا وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا وَاِلٰی عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا۔ ان آیات میں رب نے انبیائے کرام کو مدین ثمود اور عاد کا بھائی فرمایا معلوم ہوا کہ انبیاء امتیوں کے بھائی ہوتے ہیں۔

جواب: حضور علیہ السلام نے اپنے کرم کریمانہ سے بطور تواضع وانکسار فرمایا اَخَاکُمْ اس فرمانے سے ہم کو بھائی کہنے کی اجازت کیسے ملی؟ ایک بادشاہ اپنی رعایا سے کہتا ہے کہ میں آپ لوگوں کا خادم ہوں تو رعایا کو حق نہیں کہ بادشاہ کو خادم کہہ کر پکارے۔ اسی طرح رب نے ارشاد فرمایا کہ حضرت شعیب وصالح وہود علیہم السلام مدین اور ثمود اور عاد قوموں میں سے تھے۔ کسی اور قوم کے نہ تھے یہ بتانے کے لیے اَخَاهُمْ فرمایا۔ یہ کہاں فرمایا ہے کہ ان کی قوم والوں کو بھائی کہنے کی اجازت دی گئی ہے۔ اور ہم پہلے باب میں ثابت کر چکے ہیں کہ انبیائے کرام کو برابری کے القاب سے پکارنا حرام ہے اور لفظ بھائی برابری کا لفظ ہے۔ باپ بھی گوارہ نہیں کرتا کہ اس کا بیٹا اس کو بھائی کہے۔

اعتراض (۴) قرآن کہتا ہے اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ مسلمان آپس میں بھائی ہیں اور حضور علیہ السلام بھی مومن ہیں لہٰذا آپ بھی ہم مسلمانوں کے بھائی ہوئے تو حضور علیہ السلام کو کیوں نہ بھائی کہا جاوے۔

جواب: پھر تو خدا کو بھی اپنا بھائی کہو کیونکہ وہ بھی مومن ہے قرآن میں ہے اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ اور ہر مومن آپس میں بھائی۔ لہٰذا خدا بھی مسلمانوں کا بھائی معاذ اللہ۔ نیز بھائی کی بیوی بھابی ہوتی ہے اور اس سے نکاح حلال اور نبی کی بیویاں مسلمانوں کی مائیں ہیں ان سے نکاح کرنا حرام ہے (قرآن کریم) لہٰذا نبی ہمارے لیے مثل والد ہوئے والد کی بیوی ماں ہے نہ کہ بھائی کی۔ جناب ہم تو مومن ہیں اور حضور علیہ السلام عین ایمان۔ قصیدہ بردہ شریف میں ہے۔

فَالصِّدْقُ فِی الْغَارِ وَالصِّدِّیْقُ لَمْ یُرِیَا — یعنی غار ثور میں صدق بھی تھا صدیق بھی تھے۔

حضور علیہ السلام اور عام مومنین میں صرف لفظ مومن کا اشتراک ہے جیسے رب اور عام مومنین میں نہ کہ حقیقت مومن میں ہم اور طرح مومن ہیں اسکی تفصیل ہم جواب نمبر ا میں بیان کر چکے ہیں۔

اعتراض (۵) حضور علیہ السلام اولاد آدم ہیں ہماری طرح کھاتے پیتے سوتے جاگتے اور زندگی گذارتے ہیں بیمار ہوتے ہیں، موت آتی ہے اتنی باتوں میں شرکت ہوتے ہوئے انکو بشر یا اپنا بھائی کیوں کہا جاوے۔

جواب: اس کا فیصلہ مثنوی میں خوب فرمایا ہے ؎

گفت اینک مابشر ایشاں بشر ما و ایشاں بستۂ خوابیم و خور را
ایں نہ دانستند ایشاں از عمےٰ ہست فرقے درمیاں بے انتہا
ہر دو یک گل خورد زنبور و نحل زاں یکے شد نیش زاں دیگر عسل
ہر دو گوں آہو گیا خوردند و آب زیں یکے سرگیں شد و زاں مشک ناب
ایں خورد گردد پلیدی زیں جُدا واں خورد گردد ہمہ نورِ خدا

کفار نے کہا کہ ہم اور پیغمبر بشر ہیں کیونکہ ہم اور وہ دونوں کھانے سونے میں وابستہ ہیں اندھوں نے یہ نہ جانا کہ انجام میں بہت بڑا فرق ہے۔ بھڑ اور شہد کی مکھی ایک ہی پھول چوستی ہے مگر اس سے زہر اور اس سے شہد بنتا ہے۔ دونوں ہرن ایک ہی دانہ پانی کھاتے پیتے ہیں۔ مگر ایک سے پاخانہ دوسرے سے مشک بنتا ہے۔ یہ جو کھاتا ہے اس سے پلیدی بنتی ہے نبی کے کھانے سے نورِ خدا ہوتا ہے۔

یہ سوال تو ایسا ہے جیسے کوئی کہے کہ میری کتاب اور قرآن یکساں ہیں۔ کیونکہ یہ دونوں ایک ہی روشنائی سے ایک کاغذ پر ایک ہی قلم سے لکھی گئیں۔ ایک ہی قسم کے حروفِ تہجی سے دونوں بنیں ایک ہی پریس میں چھپیں۔ ایک ہی جلد ساز نے جلد باندھی۔ ایک ہی الماری میں رکھی گئیں پھر ان میں فرق ہی کیا ہے۔ مگر کوئی بیوقوف بھی نہیں کہے گا کہ ان ظاہری باتوں سے ہماری کتاب قرآن کی طرح ہو گئی۔ تو ہم صاحبِ قرآن کی مثل کس طرح ہو سکتے ہیں؟ یہ نہ دیکھا کہ حضور کا کلمہ پڑھا جاتا ہے ان کو معراج ہوئی ان کو نماز میں سلام کرتے ہیں ان پر درود بھیجتے ہیں۔ تمام انبیاء و اولیاء ان کے خدامِ بارگاہ ہیں۔ یہ اوصاف ما و شما تو کیا ملائکہ کو بھی نہ ملے ؎

مُحَمَّدٌ بَشَرٌ لَا كَالْبَشَرِ ٭ يَاقُوْتٌ حَجَرٌ لَا كَالْحَجَرِ

حضور علیہ السلام بشر ہیں عام بشر نہیں یاقوت پتھر ہے مگر عام پتھر نہیں

بعض دیوبندی کہتے ہیں کہ اگر حضور کو بشر کہنا حرام ہے تو چاہیے کہ انسان یا عبد کہنا بھی حرام ہو کہ ان سب کے معنیٰ قریب قریب ہیں پھر تم کلمہ میں عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ کیوں کہتے ہو؟

جواب۔ یہ ہے کہ لفظ بشر کفار بہ نیت اہانت کہتے تھے اور نبی کو رب نے انسان یا عبد بطور تعظیم فرمایا خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ اور اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا لہٰذا یہ الفاظ تعظیماً کہنا جائز ہے اور بشر کہنا حرام ہے جیسے رَاعِنَا اور اُنْظُرْنَا ہم معنیٰ ہیں۔ مگر رَاعِنَا کہنا حرام ہے کہ طریقہ کفار ہے۔

ڈاکٹر اقبال نے کیا خوب فرمایا ہے

عبد دیگر عبدہٗ چیزے دگر　　٭　　او سراپا انتظار او منتظر

حضور کی عبدیت سے رب کی شان ظاہر ہوتی ہے اور رب کی عظمت سے ہماری عبدیت چمکی وزیر بھی شاہی خادم ہے اور سپاہی بھی مگر وزیر سے بادشاہ کی شان کا ظہور اور شاہی نوکری سے سپاہی کی عزت

اعتراض (۶) شمائل ترمذی میں حضرت صدیقہ کی روایت ہے کہ فرماتی ہیں کَانَ بَشَرٌ مِّنَ الْبَشَرِ حضور علیہ السلام بشروں میں سے ایک بشر تھے۔ اسی طرح جب حضور علیہ السلام نے عائشہ صدیقہ کو اپنی زوجیت سے مشرف فرمانا چاہا۔ تو صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا میں آپ کا بھائی ہوں کیا میری دختر آپ کو حلال ہے۔ دیکھو حضرت عائشہ نے حضور علیہ السلام کو بشر کہا اور صدیق نے اپنے کو حضور کا بھائی بتایا۔

جواب: بشر یا بھائی کہہ کر پکارنا یا محاورہ میں نبی علیہ السلام کو یہ کہنا حرام ہے عقیدہ کے بیان یا دریافت مسائل کے اور احکام ہیں۔ حضرت صدیقہ یا صدیق رضی اللہ عنہما عام گفتگو میں حضور علیہ السلام کو بھائی یا بشر نہ کہتے تھے یہاں ضرورۃً اس کلمہ کو استعمال فرمایا ہے صدیقۃ الکبریٰ تو یہ فرما رہی ہیں کہ حضور علیہ السلام کی زندگی پاک نہایت بے تکلفی اور سادگی سے عام مسلمانوں کی طرح گذری کہ اپنا ہر کام اپنے ہاتھ ہی سے انجام دیتے تھے۔ اسی طرح حضرت صدیق اکبر نے مسئلہ دریافت کیا کہ حضور نے مجھے خطاب اخوت سے نوازا ہے کیا اس خطاب پر حقیقی بھائی کے احکام جاری ہونگے یا نہیں؟ اور میری اولاد حضور کو حلال ہوگی یا نہیں؟ ہم بھی عقیدے کے ذکر میں کہتے ہیں کہ نبی بشر ہوتے ہیں۔ حضرت خلیل نے ایک ضرورت پر حضرت سارہ کو فرمایا هٰذَا اُخْتِیْ یہ میری بہن ہیں حالانکہ وہ آپکی بیوی تھیں۔ اس سے لازم نہیں آتا کہ حضرت سارہ اب آپکو بھائی کہہ کر پکارتیں۔

ہم ان حضرات کا عام محاورہ دکھاتے ہیں۔ سب کو معلوم ہے کہ حضور علیہ السلام رشتہ میں صدیقہ کے زوج اور سیدنا علی کے بھائی حضرت عباس کے بھائی کی اولاد ہیں۔ مگر یہ حضرات جب بھی روایت حدیث کرتے ہیں تو صدیقہ یہ نہیں فرماتیں کہ میرے زوج نے فرمایا، یا حضرت عباس یا حضرت علی رضی اللہ عنہما یہ نہیں کہتے کہ ہمارے بھتیجے یا ہمارے بھائی نے یہ فرمایا۔ سب یہی فرماتے ہیں قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تو جو حضرات رشتہ کے لحاظ سے بھائی ہیں وہ بھی بھائی نہیں کہتے۔ تو ہم کمینوں غلاموں کو کیا حق ہے کہ بھائی کہیں ہے

نسبتِ خود بسگت کردم وبس منفعلم　　زانکہ نسبت بسگ کوئے تو شد بے ادبی است

ہزار بار بشویم دہن بمشک وگلاب　　ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی است

جناب شرع اسلام میں تو یہ حکم تھا کہ حضور علیہ السلام سے کچھ عرض کرنا چاہے۔ وہ پہلے کچھ صدقہ دے دے بعد میں عرض کرے۔ قرآن فرماتا ہے۔

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ؕ	یعنی اے ایمان والو جب تم رسول سے کوئی بات آہستہ عرض کرنا چاہو تو اپنی عرض سے پہلے کچھ صدقہ دے لو۔

سیدنا علی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اس پر عمل بھی کیا کہ ایک دینار خیرات کر کے دس مسائل دریافت کیے (تفسیر خازن یہ ہی آیت) پھر یہ حکم اگرچہ منسوخ ہوگیا۔ مگر محبوب علیہ السلام کی عظمت شان کا پتہ لگ گیا کہ نماز میں رب سے ہمکلام ہو تو صرف وضو کرو۔ لیکن حضور علیہ السلام سے عرض معروض کرنا ہو تو صدقہ کرو پھر بھائی کہنا کہاں رہا؟

بحث نداء یارسول اللہ یا نعرہ یارسول اللہ

حضور علیہ السلام کو دور یا نزدیک سے پکارنا جائز ہے۔ اُن کی ظاہری زندگی پاک میں بھی اور بعد وفات شریف بھی خواہ ایک ہی شخص عرض کرے یارسول اللہ یا ایک جماعت مل کر نعرہ رسالت لگائے۔ یارسول اللہ ہر طرح جائز ہے۔ اس بحث کو ہم دو باب میں تقسیم کرتے ہیں۔

پہلا باب

نداء یارسول اللہ کے ثبوت میں

حضور علیہ السلام کو نداء کرنا قرآن کریم فعل ملائکہ فعل صحابہ اور عمل امت سے ثابت ہے قرآن کریم نے بہت مقامات میں حضور علیہ السلام کو نداء فرمائی يَآ اَيُّهَا النَّبِيُّ، يَآ اَيُّهَا الرَّسُوْلُ، يَآ اَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ، يَآ اَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ وغیرہ ان تمام آیات میں حضور علیہ السلام کو پکارا گیا ہے۔ ہاں دیگر انبیاء کرام کو ان کے نام سے پکارا یا موسیٰ، یا عیسیٰ، یا یحییٰ، یا ابراہیم یا آدم وغیرہ مگر محبوب علیہ السلام کو پیارے پیارے القاب سے نداء فرمائی ہے

یا آدم است با پدر انبیاء خطاب ✽ یا ایہا النبی خطاب محمد است

بلکہ قرآن کریم نے عام مسلمانوں کو بھی پکارا يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اور مسلمانوں کو حکم دیا کہ ہمارے محبوب علیہ السلام کو پکارو مگر اچھے القاب سے لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا۔

اس میں حضور علیہ السلام کو پکارنے سے نہیں روکا گیا بلکہ فرمایا گیا ہے کہ اوروں کی طرح نہ پکارو۔ قرآن نے فرمایا اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ ان کو ان کے باپ کی طرف نسبت کرکے پکارو۔ اس آیت میں اجازت ہے کہ زید ابن حارثہ رضی اللہ عنہ کو پکارو۔ مگر ان کو ابن حارثہ کہو ابن رسول اللہ نہ کہو۔ اسی طرح کفار کو اجازت دی گئی کہ وہ اپنے مددگاروں کو اپنی امداد کیلئے بلالیں وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ مشکوٰۃ کی پہلی حدیث میں ہے کہ حضرت جبریل نے عرض کیا یَا مُحَمَّدُ اَخْبِرْنِیْ عَنِ الْاِسْلَامِ ندا پائی گئی مشکوٰۃ باب وفات النبی میں ہے کہ بوقت وفات ملک الموت نے عرض کیا۔ یَا مُحَمَّدُ اِنَّ اللّٰهَ اَرْسَلَنِیْ اِلَیْكَ ندا پائی گئی۔ ابن ماجہ باب صلوٰۃ الحاجہ میں حضرت عثمان ابن حنیف سے روایت ہے کہ ایک نابینا بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر طالب دعا ہوئے ان کو یہ دعا ارشاد ہوئی۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ وَاَتَوَجَّهُ اِلَیْكَ بِمُحَمَّدٍ نَّبِیِّ الرَّحْمَةِ یَا مُحَمَّدُ اِنِّیْ قَدْ تَوَجَّهْتُ بِكَ اِلٰی رَبِّیْ فِیْ حَاجَتِیْ هٰذِهٖ لِتَقْضٰی اَللّٰهُمَّ فَشَفِّعْهُ فِیَّ ۔ قَالَ اَبُوْ اِسْحٰقَ هٰذَا حَدِیْثٌ صَحِیْحٌ ۔

اے اللہ میں تجھ سے مدد مانگتا ہوں اور تیری طرف حضور علیہ السلام نبی الرحمۃ کے ساتھ متوجہ ہوتا ہوں یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں نے آپکے ذریعہ سے اپنے رب کی طرف اپنی اس حاجت میں توجہ کی تاکہ حاجت پوری ہو اے اللہ میرے لئے حضور کی شفاعت قبول فرما ابو اسحٰق نے کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

یہ دعا قیامت تک کے مسلمانوں کو سکھائی گئی ہے اس میں ندا بھی ہے اور حضور علیہ السلام سے مدد بھی مانگی ہے عالمگیری جلد اول کتاب الحج آداب زیارت قبر نبی علیہ السلام میں ہے ثُمَّ یَقُوْلُ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا نَبِیَّ اللّٰهِ اَشْهَدُ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ اے نبی آپ پر سلام ہو میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے نبی ہیں پھر فرماتے ہیں وَیَقُوْلُ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا خَلِیْفَةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ، اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا صَاحِبَ رَسُوْلِ اللّٰهِ فِی الْغَارِ پھر فرماتے ہیں۔ فَیَقُوْلُ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ ، اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا مُظْهِرَ الْاِسْلَامِ ، اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا مُكَسِّرَ الْاَصْنَامِ یعنی صدیق اکبر کو یوں سلام پیش کرے کہ آپ پر سلام ہو اے رسول اللہ کے سچے جانشین۔ آپ پر سلام ہو اے رسول اللہ کے غار کے ساتھی۔ اور حضرت فاروق کو یوں سلام کرے آپ پر سلام ہو اے مسلمانوں کے امیر آپ پر سلام ہو۔ اے اسلام کو چمکانے والے آپ پر سلام ہو اے بتوں کے توڑنے والے رضی اللہ تعالٰے عنہما۔ اس میں حضور علیہ السلام کو بھی ندا ہے اور حضور کے پہلو میں آرام فرمانے والے حضرت صدیق و فاروق کو بھی۔ اکابر امت اولیاء ملت

مشائخ و بزرگان دین اپنی دعاؤں اور وظائف میں یارسول اللہ کہتے ہیں قصیدہ بردہ میں ہے ؎

یَا اَکْرَمَ الْخَلْقِ مَالِیْ مَنْ اَلُوْذُ بِہٖ　　سِوَاکَ عِنْدَ حُلُوْلِ الْحَادِثِ الْعَمَمِ

اے بہترین مخلوق آپکے سوا میرا کوئی نہیں　　کہ مصیبت عامہ کے وقت جس کی پناہ لوں

امام زین العابدین فرماتے ہیں اپنے قصیدہ میں ؎

یَا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ اَدْرِکْ لِزَیْنِ الْعَابِدِیْنَ　　مَحْبُوْسُ اَیْدِی الظّٰلِمِیْنَ فِیْ مَوْکَبِ الْمُزْدَھِمٖ

اے رحمۃ للعالمین زین العابدین کی مدد کو پہنچو!　　وہ اس اژدہام میں ظالموں کے ہاتھوں میں قید ہے

مولانا جامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ؎

زمہجوری برآمد جانِ عالم　　ترحم یا نبی اللہ ترحم

نہ آخر رحمۃ للعالمینی　　زمحروماں چرا فارغ نشینی!

جدائی سے عالم کی جان نکل رہی ہے۔ یا نبی اللہ رحم فرماؤ رحم فرماؤ۔ کیا آخر آپ رحمۃ للعالمین نہیں ہیں پھر ہم مجرموں سے فارغ کیوں ہو بیٹھے۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے قصیدہ نعمان میں فرماتے ہیں ؎

یَا سَیِّدَ السَّادَاتِ جِئْتُکَ قَاصِدًا　　اَرْجُوْ رِضَاکَ وَاَحْتَمِیْ بِحِمَاکَ

اے پیشواؤں کے پیشوا میں دلی قصد سے آپ کے حضور آیا ہوں آپ کے رضا کا امیدوار ہوں اور اپنے کو آپ کی پناہ میں دیتا ہوں۔ ان اشعار میں حضور کو ندا بھی ہے اور حضور علیہ السلام سے استعانت بھی اور یہ ندا دور سے بعد وفات شریف ہے۔ تمام مسلمان نماز میں کہتے ہیں اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ یہاں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پکارنا واجب ہے۔ التحیات کے متعلق ہم شامی اور اشعۃ اللمعات کی عبارتیں حاضر و ناظر کی بحث میں پیش کر چکے ہیں وہاں دیکھو یہ گفتگو بھی تنہا۔ یارسول اللہ کہنے کی۔ اگر بہت لوگ مل کر نعرہ رسالت لگائیں تو بھی جائز ہے کیونکہ جب ہر شخص کو یارسول اللہ کہنا جائز ہوا تو ایک ساتھ مل کر بھی کہنا جائز ہے چند مباح چیزوں کو ملانے سے مجموعہ مباح ہی ہوگا جیسے بریانی حلال ہے۔ اس لیے کہ حلال چیزوں کا مجموعہ ہے نیز اس کا ثبوت صراحتہً بھی ہے۔

مسلم آخر جلد دوم باب حدیث الہجرۃ میں حضرت براء رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جب حضور علیہ السلام ہجرت فرماکر مدینہ پاک داخل ہوئے۔

فَصَعِدَ الرِّجَالُ وَالنِّسَآءُ فَوْقَ الْبُيُوْتِ وَ تَفَرَّقَ الْغِلْمَانُ وَالْخَدَمُ فِي الطُّرُقِ يُنَادُوْنَ يَا مُحَمَّدُ يَا رَسُوْلَ اللهِ يَا مُحَمَّدُ يَا رَسُوْلَ اللهِ

تو عورتیں اور مرد گھروں کی چھتوں پر چڑھ گئے اور بچے اور غلام گلی کوچوں میں متفرق ہو گئے نعرے لگاتے پھرتے تھے یا محمد یا رسول اللہ یا محمد یا رسول اللہ۔

اس حدیث مسلم سے نعرہ رسالت کا صراحتہً ثبوت ہوا اور معلوم ہوا کہ تمام صحابہ کرام نعرہ لگایا کرتے تھے۔ اسی حدیث ہجرت میں ہے کہ صحابہ کرام نے جلوس بھی نکالا ہے۔ اور جب بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سفر سے واپس مدینہ پاک تشریف لاتے تو اہل مدینہ حضور علیہ السلام کا استقبال کرتے اور جلوس نکالتے (دیکھو مشکوٰۃ و بخاری وغیرہ) جلسہ کے معنی ہیں بیٹھک یا نشست، جلوس اس کی جمع ہے۔ جیسے جلدہ کی جمع جلود۔ معنی کوڑہ۔ نماز ذکر الہٰی کا جلسہ ہے کہ ایک ہی جگہ ادا ہوتی ہے اور حج ذکر کا جلوس کہ اس میں گھوم پھر کر ذکر ہوتا ہے قرآن سے ثابت ہے کہ تابوت سکینہ کو ملائکہ بشکل جلوس لائے۔ بوقت ولادت پاک اور معراج میں فرشتوں نے حضور کا جلوس نکالا۔ اور اچھوں کی نقل کرنا بھی باعث ثواب ہے۔ لہٰذا یہ مروج جلوس اس اصل کی نقل ہے اور باعث ثواب ہے۔

دوسرا باب

نداء یارسول اللہ پر اعتراضات کے بیان میں

(۱) قرآن کریم فرماتا ہے وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ۔

اللہ کے سوا ان کو نہ پکارو جو تم کو نفع و نقصان نہ پہنچا سکیں۔

معلوم ہوا کہ غیر خدا کا پکارنا منع ہے۔

وَيَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْ۔

خدا کے سوا ان کو پکارتے ہیں جو ان کے لئے نافع و مضر نہیں۔

ثابت ہوا کہ غیر خدا کو پکارنا بت پرستوں کا کام ہے۔

جواب:۔ ان جیسی آیتوں میں جہاں بھی لفظ دعا ہے اس سے مراد بلانا نہیں بلکہ پوجنا دیکھو جلالین اور دیگر تفاسیر۔ معنی یہ ہیں کہ اللہ کے سوا کسی کو مت پوجو۔ دوسری آیات اس معنی کی تائید کرتی ہیں رب فرماتا ہے وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللهِ اِلٰهًا اٰخَرَ جو خدا کے ساتھ دوسرے معبود کو پکارے (عبادت کرے) معلوم ہوا کہ

غیر خدا کو خدا سمجھ کر پکارنا شرک ہے کیونکہ یہ غیر خدا کی عبادت ہے اگر ان آیات کے یہ معنے نہ کیے جاویں تو ہم نے جو آیات و احادیث اور علماء دین کے اقوال پیش کیے جن میں غیر خدا کو پکارا گیا ہے سب شرک ہوگا۔ پھر زندہ کو پکارو یا مردہ کو، سامنے والے کو پکارو یا دور والے کو سب ہی شرک ہوگا روزانہ ہم لوگ بھائی بہن دوست آشنا کو پکارتے ہی ہیں۔ تو عالم میں کوئی بھی شرک سے نہ بچا۔ نیز شرک کہتے ہیں غیر خدا کو خدا کی ذات یا صفات میں شامل کرنا کسی کو آواز دینا پکارنا اس میں کون سی صفت الٰہی میں داخل کرنا ہے پھر یہ شرک کیوں ہوا؟

(۲) فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ | پس اللہ کو کھڑے بیٹھے اور اپنی کروٹوں پر یاد کرو۔

اس سے معلوم ہوا کہ اٹھتے بیٹھتے غیر خدا کا نام جپنا شرک ہے صرف خدا ہی کا ذکر چاہیئے۔

جواب: اس آیت سے ذکر رسول اللہ کو حرام یا شرک سمجھنا نادانی ہے۔ آیت تو یہ فرما رہی ہے کہ جب تم نماز سے فارغ ہو جاؤ تو ہر حال میں ہر طرح خدا کا ذکر کر سکتے ہو۔ یعنی نماز میں تو پابندی تھی کہ بغیر وضو نہ ہو، سجدہ رکوع اور قعدہ میں تلاوت قرآن کریم نہ ہو بلا عذر بیٹھ کر یا لیٹ کر نہ ہو مگر جب نماز سے فارغ ہو چکے تو یہ پابندیاں اٹھ گئیں۔ اب کھڑے بیٹھے لیٹے ہر طرح خدا کو یاد کر سکتے ہو۔

اس آیت میں چند امور قابل غور ہیں ایک یہ کہ یہ امر فَاذْكُرُوا اللّٰهَ وجوب کے لیے نہیں صرف جواز کے لیے ہے کہ نماز کے علاوہ چاہے خدا کو یاد کرو خواہ غیر خدا کو خواہ بالکل خاموش رہو ہر بات کی اجازت ہے۔ دوسرے یہ کہ اگر یہ امر وجوب کے لیے بھی ہو تو بھی ذکر غیر اللہ ذکر اللہ کی نقیض نہیں تاکہ ذکر اللہ کے واجب ہونے سے یہ حرام ہو جاوے بلکہ ذکر اللہ کی نقیض عدم ذکر اللہ ہے۔ تیسرے یہ کہ اگر ذکر اللہ کی نقیض ذکر غیر اللہ مان بھی لی جاوے تب بھی ایک نقیض کے واجب ہونے سے دوسری نقیض زیادہ سے زیادہ حرام ہوگی نہ کہ شرک۔ مگر خیال رہے کہ حرام یا فرض ہونا فعل کی صفت ہے نہ کہ عدم فعل کی۔ چوتھے یہ کہ حضور علیہ السلام کا ذکر بالواسطہ خدا ہی کا ذکر ہے مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ۔ { جس نے رسول اللہ کی فرمانبرداری کی اس نے اللہ کی فرمانبرداری کی۔ }

جب کلمہ، نماز، حج، درود، خطبہ، اذان غرض کہ سارے عبادات میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر داخل اور ضروری ہے تو نماز سے خارج ان کا ذکر اٹھتے بیٹھتے کیوں حرام ہوگا جو شخص ہر حال میں اٹھتے بیٹھتے درود شریف یا کلمہ پڑھے تو حضور کا ذکر کر رہا ہے ثواب کا مستحق ہے۔ پانچویں اس طرح کہ تَبَّتْ يَدَا اَبِيْ لَهَبٍ۔ اور سورہ

منافقون اور وہ آیات جن میں کفار یا بتوں کا ذکر ہے ان کا پڑھنا ذکر اللہ ہے یا نہیں ضرور ہے کیونکہ یہ قرآنی آیات ہیں۔ ہر کلمہ پہ ثواب ہے اگرچہ ان آیات میں مذکور کفار یا بت ہیں مگر کلام تو اللہ کا ہے۔ کلام الہٰی کا ذکر تو ذکر اللہ ہو۔ مگر رحمت الہٰی یا نور الہٰی محمد رسول اللہ کا ذکر ذکر اللہ نہ ہو یہ کیا انصاف ہے؟ قرآن میں ہے قَالَ فِرْعَوْنُ فرعون نے کہا قَالَ پڑھنے پر تیس ثواب اور لفظ فِرْعَوْنُ پڑھنے پر پچاس ثواب کیونکہ ہر حرف کے دس ثواب ہیں تو فرعون کا نام قرآن میں پڑھا گیا پچاس نیکیاں ملیں۔ اور محمد رسول اللہ کا نام لیا۔ تو مشرک ہو گیا یہ کیا عقل ہے؟ ساتویں اس طرح کہ حضرت یعقوب علیہ السلام فراق حضرت یوسف میں اٹھتے بیٹھتے حضرت یوسف کے نام کی رٹ فرماتے تھے اور ان کی یاد میں اس قدر روئے کہ آنکھیں سفید ہو گئیں اسی طرح حضرت آدم فراق حضرت حوا میں، حضرت امام زین العابدین فراق امام حسین میں اٹھتے بیٹھتے اُن کے نام جپا کرتے تھے اور بزبان حال یہ کہتے تھے ؎

حال من در ہجرت والد کم از یعقوب نیست او پسر گم کردہ بود و من پدر گم کردہ ایم

بتاؤ ان پر یہ حکم شرک جاری ہوگا یا نہیں اگر نہیں تو آج جو عاشق ہر حال میں اپنے نبی کی یاد کرے وہ کیوں مشرک ہوگا؟ ایک تاجر دن رات تجارت کا ذکر کرتا رہتا ہے طالب علم دن رات ہر حال میں سبق یاد کرتا ہے وہ بھی غیر خدا کا نام جپ رہا ہے وہ کیوں مشرک نہیں۔

نوٹ: اوینا گر پنجاب میں ہمارا اور مولوی ثناء اللہ امرتسری کا اسی مسئلہ ندار یارسول اللہ پر مناظرہ ہوا۔ ثناء اللہ صاحب نے یہ ہی آیت پیش کی۔ ہم نے صرف تین سوال کیے ایک یہ کہ قرآن میں امر کتنے معنے میں آیا ہے اور یہاں کون سے معنی میں استعمال ہوا؟ دوسرے یہ کہ ایک نقیض کے واجب ہونے سے دوسری نقیض حرام ہوگی یا نہیں؟ تیسرے یہ کہ ذکر اللہ کی نقیض کیا ہے؟ ذکر غیر اللہ یا عدم ذکر اللہ؟ جس کا جواب یہ دیا کہ آپ نے ان سوالات میں اصول فقہ اور منطق کو دخل دیا ہے یہ دونوں علم بدعت ہیں گویا کہ جاہل رہنا سنت ہے پھر ان سے سوال کیا کہ بدعت کی صحیح تعریف ایسی کرو جس سے محفل میلاد تو حرام رہے اور اخبار اہلحدیث نکالنا سنت ہو؟ یہ سوالات اب تک ان تمام پر قائم ہیں۔ ابھی وہ زندہ ہیں کوئی صاحب اُن سے جوابات دلوادیں ہم مشکور ہوں گے مگر اب افسوس کہ ثناء اللہ صاحب تو بغیر جواب دیئے دنیا سے چلے گئے کاش کوئی اُن کے معتقد صاحب جواب دے کر اُن کی روح کو خوش کریں۔

اعتراض (۱) بخاری جلد دوم کتاب الاستیذان بحث مصافحہ باب الاخذ بالیدین میں حضرت ابن مسعود

رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم کو حضور علیہ السلام نے التحیات میں اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ سکھایا فَلَمَّا قُبِضَ قُلْنَا اَلسَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ جب حضور علیہ السلام کی وفات ہوگئی تو ہم نے التحیات میں یوں پڑھا اَلسَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ ۔

عینی شرح بخاری میں اس حدیث کے ماتحت فرماتے ہیں ۔

فَظَاهِرُهَا اَنَّهُمْ كَانُوْا يَقُوْلُوْنَ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ بِكَافِ الْخِطَابِ فِىْ حَيَاةِ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَلَمَّا مَاتَ تَرَكُوا الْخِطَابَ وَذَكَرُوْهُ بِلَفْظِ الْغَيْبَةِ فَصَارُوْا يَقُوْلُوْنَ اَلسَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ ۔

حدیث کے ظاہری معنی یہ ہیں کہ صحابہ کرام حضور کی زندگی پاک میں السلام علیک کاف خطاب سے کہتے تھے لیکن جبکہ حضور علیہ السلام کی وفات ہوگئی تو خطاب چھوڑ دیا اور لفظ غائب سے ذکر کیا اور کہنے لگے اَلسَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ ۔

اس حدیث اور شرح کی عبارت سے معلوم ہوا کہ التحیات میں السلام علیک کہنا زندگی پاک مصطفےٰ علیہ السلام میں تھا۔ حضور علیہ السلام کی وفات کے بعد التحیات میں بھی ندا کو چھوڑ دیا گیا تو جب صحابہ کرام نے التحیات میں سے ندا کو نکال دیا تو جو شخص نماز کے خارج میں یارسول اللہ وغیرہ کہے تو بالکل ہی شرک ہے

جواب:۔ بخاری اور عینی کی یہ عبارات تو آپ کے بھی خلاف ہیں کیونکہ آج تک کسی امام مجتہد نے التحیات کے بدلنے کا حکم نہ دیا ۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابن مسعود کی ۔ اور امام شافعی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کی التحیات اختیار فرمائیں ۔ مگر دونوں التحیات میں اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ ہے غیر مقلد بھی خواہ شافعی ہوں یا غزنوی یہ ہی خطاب والی التحیات پڑھتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض صحابہ کرام نے اپنے اجتہاد سے التحیات کو بدلا اور حدیث مرفوع کے مقابل اجتہاد صحابی قبول نہیں ۔ اور ان صحابہ کرام نے بھی اس لیئے تبدیل نہ کیا کہ ندائے غائب حرام ہے ۔ ورنہ زندگی پاک میں دور رہنے والے صحابہ خطاب والی التحیات نہ پڑھتے ۔ آخر یمن، خیبر، مکہ مکرمہ، نجد ۔ عراق تمام جگہ نماز ہوتی تھی ۔ تو اُس میں وہ ہی التحیات پڑھی جاتی تھی ۔ ندائے غائب برابر ہوتی تھی ۔ کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تو حجاز میں تشریف فرما تھے اور ندا والی التحیات ہر جگہ پڑھی جارہی تھی نہ حضور علیہ السلام نے منع فرمایا نہ صحابہ کرام نے کچھ شبہ کیا ۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے التحیات سکھاتے وقت یہ نہ فرمایا تھا کہ یہ التحیات صرف ہماری زندگی پاک میں ہے اور ہماری وفات شریف کے

بعد دوسری پڑھنا۔

فتاوٰے رشیدیہ جلد اول کتاب العقائد صفحہ ۱۰ میں ہے "لہذا صیغہ خطاب کو بدلنا ضروری نہیں اور اس میں تقلید بعض صحابہ کی ضروری نہیں۔ ورنہ خود حضور علیہ السلام فرماتے کہ بعد میرے انتقال کے خطاب نہ کرنا۔ بہرحال صیغہ خطاب رکھنا اولٰے ہے۔ اصل تعلیم اسی طرح ہے۔ خلاصہ جواب یہ ہوا کہ بعض صحابہ کا یہ فعل حجت نہیں ورنہ لازم آوے گا کہ حضور علیہ السلام کے زمانہ پاک میں شرک ہوتا رہا۔ اور منع نہ فرمایا گیا۔ بعد میں بھی بعض نے بدلا نہ کہ کل نے۔ بلکہ مرقات باب التشہد اخیر فصل میں ہے۔ وَاَمَّا قَوْلُ اِبْنِ مَسْعُوْدٍ كُنَّا نَقُوْلُ الخ فَهُوَ رِوَايَةُ اَبِيْ عَوَانَةَ وَرِوَايَةُ الْبُخَارِيِّ اَصَحُّ فِيْهَا بَيَّنْتُ اَنَّ ذٰلِكَ لَيْسَ مِنْ قَوْلِ اِبْنِ مَسْعُوْدٍ بَلْ مِنْ فَهْمِ الرَّاوِيْ عَنْهُ وَلَفْظُهَا فَلَمَّا قُبِضَ قُلْنَا سَلَامٌ يَعْنِيْ عَلَى النَّبِيِّ نَقُوْلُهُ قُلْنَا سَلَامٌ يَحْتَمِلُ اَنَّهٗ اَرَادَ بِهٖ اِسْتَمْرَرْنَا عَلٰى مَا كُنَّا عَلَيْهِ فِيْ حَيَاتِهٖ

اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام نے التحیات ہرگز نہ بدلی یہ صرف راوی کی فہم ہے نہ کہ اصل واقعہ (۴)

بعض وہابی کہتے ہیں کہ کسی نبی یا ولی کو دور سے یہ سمجھ کر پکارنا کہ وہ ہماری آواز سنتے ہیں شرک ہے کیونکہ دور کی آواز سننا تو خدا ہی کی صفت ہے غیر خدا میں یہ طاقت ماننا شرک ہے۔ اگر یہ عقیدہ نہ ہو تو یارسول اللہ یا غوث وغیرہ کہنا جائز ہے۔ جیسے ہوا کو نداء دیا کرتے ہیں "سن اے بادِ صبا" وغیرہ کہ وہاں یہ خیال نہیں ہوتا کہ ہوا سنتی ہے آج کل عام وہابی یہ ہی عذر پیش کرتے ہیں فتاوٰے رشیدیہ وغیرہ میں بھی اسی پہ زور دیا ہے۔

جواب: دور سے آواز سننا ہرگز خدا کی صفت نہیں۔ کیونکہ دور سے آواز تو وہ سنے جو پکارنے والے سے دور ہو۔ رب تعالٰے تو شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے خود فرماتا ہے۔

نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ۔ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ

ہم تو شاہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں پوچھیں تو فرما دو کہ قریب ہیں ہم اس بیمار سے بمقابلہ تمہارے زیادہ قریب ہیں مگر تم دیکھتے نہیں

لہذا پروردگار تو قریب ہی کی آواز سنتا ہے ہر آواز اس سے قریب ہی ہوتی ہے کہ وہ خود قریب ہے اور اگر مان لیا جاوے کہ دور کی آواز سننا اس کی صفت ہے تو قریب کی آواز سننا بھی تو اس کی صفت ہے لہذا چاہیئے کہ قریب والے کو بھی سامع سمجھ کر نہ پکارو۔ ورنہ مشرک ہو جاؤ گے سب کو بہرا جانو۔ نیز جس طرح دور کی

آواز سننا خدا کی صفت ہے۔ اسی طرح دور کی چیز دیکھنا۔ دور کی خوشبو پالینا بھی تو صفت الٰہی ہے اور ہم علم غیب اور حاضر وناظر کی بحث میں ثابت کر چکے ہیں کہ اولیاء اللہ کے لیے دور ونزدیک یکساں ہیں جب ان کی نظر دور و قریب کو یکساں دیکھ سکتی ہے تو اگر ان کے کان دور ونزدیک کی آواز سن لیں تو کیوں شرک ہوا؟ یہ وصف ان کو بہ عطاء الٰہی حاصل ہوا۔ اب ہم دکھلاتے ہیں کہ دور کی آواز انبیاء و اولیاء سنتے ہیں۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے کنعان میں بیٹھے ہوئے حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص کی خوشبو پالی اور فرمایا اِنِّیْ لَاَجِدُ رِیْحَ یُوْسُفَ بتاؤ یہ شرک ہوا یا نہیں؟ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مدینہ پاک سے حضرت ساریہ کو آواز دی جو مقام نہاوند میں جنگ کر رہے تھے۔ اور حضرت ساریہ نے وہ آواز سن لی (دیکھو مشکوٰۃ باب الکرامات فصل ثالث) حضرت فاروق کی آنکھ نے دور سے دیکھا حضرت ساریہ کے کان نے دور سے سنا۔ تفسیر روح البیان وجلالین ومدارک وغیرہ تفاسیر میں زیر آیت وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خانہ کعبہ بنا کر پہاڑ پر کھڑے ہو کر تمام روحوں کو آواز دی کہ اے اللہ کے بندو چلو قیامت تک جو بھی پیدا ہونے والے ہیں۔ سب نے وہ آواز سن لی۔ جس نے لبیک کہدیا وہ ضرور حج کرے گا اور جو روح خاموش رہی وہ کبھی حج نہیں کر سکتی کہئے یہاں تو دور کے علاوہ پیدائش سے پہلے سب نے حضرت خلیل کی آواز سن لی یہ شرک ہوا یا نہیں؟ اسی طرح حضرت خلیل نے بارگاہ رب جلیل میں عرض کیا کہ مولیٰ مجھے دکھا دے کہ تو مردے کس طرح زندہ فرمائے گا تو حکم ہوا کہ چار پرندوں کو ذبح کر کے ان کے گوشت چار پہاڑوں میں رکھو ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَاْتِيْنَكَ سَعْيًا پھر انہیں پکارو دوڑتے ہوئے آئیں گے۔ دیکھو مردہ جانوروں کو پکارا گیا اور وہ دوڑتے ہوئے آئے تو کیا اولیاء اللہ ان جانوروں سے بھی کم ہیں؟ آج ایک شخص لندن میں بیٹھ کر بذریعہ ٹیلیفون ہندوستان کے آدمی سے بات کرتا ہے اور یہ سمجھ کر اس کو پکارتا ہے کہ ہندوستان کا آدمی اس آلہ کے ذریعہ میری بات سنتا ہے یہ پکارنا شرک ہے کہ نہیں؟ تو اگر کسی مسلمان کا عقیدہ یہ ہو کہ قوت نبوت ٹیلیفون کی قوت سے زیادہ ہے اور حضرات انبیاء قوت خداداد سے ہر ایک کی آواز سنتے ہیں۔ پھر پکارے یارسول اللہ الغیاث تو کیوں شرک ہوا حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک سفر میں جاتے ہوئے ایک جنگل میں چیونٹی کی آواز دور سے سنی۔ وہ کہتی ہے۔

يَاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ	اے چیونٹیو اپنے گھروں میں چلی جاؤ تمہیں کچل نہ ڈالیں

سُلَیْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ وَهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ○ سلیمان اور انکا لشکر بے خبری میں۔ (پارہ ۱۹ سورہ نمل)
تفسیر روح البیان وغیرہ میں اسی آیت کے ماتحت ہے کہ آپ نے تین میل سے چیونٹی کی یہ آواز سنی خیال کرو کہ چیونٹی کی آواز اور تین میل کا فاصلہ کہیے یہ شرک ہوا کہ نہیں ؟ مشکوٰۃ باب اثبات عذاب القبر میں ہے کہ دفن کے بعد میت قبر میں سے باہر والوں کے پاؤں کی آواز سنتی ہے اور زائرین کو دیکھتی اور پہچانتی ہے اسی لیئے قبرستان میں جا کر اہل قبور کو سلام کرنا چاہیئے اس قدر مٹی کے نیچے ہو کر اتنی آہستہ آواز کو سننا کس قدر دور کی آواز سننا ہے۔ کہو شرک ہوا یا کہ نہیں ؟ ہم بحث علم غیب اولیاء اللہ میں مشکوٰۃ کتاب الدعوات کی حدیث نقل کر چکے ہیں کہ اللہ کا ولی خدائی طاقت سے دیکھتا، سنتا اور چھوتا ہے جس کو خدا تعالیٰ اپنی قوت عطا فرما دے۔ وہ اگر دور سے سن لے تو کیوں شرک ہے ؟ مخالفین کے معتمد اور معتبر عالم مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی فتاویٰ عبدالحی کتاب العقائد صفحہ ۴۴ میں اس سوال کے جواب میں کہ ایک شخص کہتا ہے کہ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان ہے اور قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ حضور علیہ السلام کی صفت ہے ایک حدیث نقل فرماتے ہیں۔
حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ چاند آپ کے ساتھ کیا معاملہ کرتا تھا۔ جبکہ آپ چہل روزہ تھے آپ نے فرمایا کہ مادر مشفقہ نے میرا ہاتھ مضبوط باندھ دیا تھا۔ اس کی اذیت سے مجھ کو رونا آتا تھا۔ اور چاند منع کرتا تھا۔ حضرت عباس نے عرض کیا کہ ان دنوں آپ چہل روزہ (چالیس دن) کے تھے یہ حال کیونکر معلوم ہوا ؟ فرمایا لوح محفوظ پر قلم چلتا تھا اور میں سنتا تھا۔ حالانکہ شکم مادر میں تھا اور فرشتے عرش کے نیچے تسبیح کرتے تھے اور میں ان کی تسبیح کی آواز سنتا تھا۔ حالانکہ شکم مادر میں تھا۔ اس روایت سے تو ثابت ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام والدہ ماجدہ کے شکم میں ہی عرش وفرش کی تمام آوازیں سنتے تھے۔ حدیث میں ہے کہ جب کوئی عورت اپنے نیک شوہر سے لڑے تو جنت سے حور پکار کر اُسے ملامت کرتی ہے (مشکوٰۃ باب معاشرۃ النساء) معلوم ہوا کہ گھر کی کوٹھڑی کی جنگ کو حور اتنی دور سے دیکھتی اور سنتی ہے اور پھر اُسے علم غیب بھی ہے کہ اس آدمی کا انجام بخیر ہوگا۔ دوربین سے دور کی چیزیں دیکھتے ہیں ریڈیو ٹیلیفون سے دور کی آواز سنتے ہیں۔ تو کیا نبوت ولایت کی طاقت بجلی کی طاقت سے بھی کم ہے معراج میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جنت میں حضرت بلال کے قدم کی آہٹ سنی۔ حالانکہ بلال کو معراج نہ ہوئی تھی اور اپنے گھر ہی میں تھے۔ یہاں نماز تہجد

کے لئے چل پھر رہے ہوں گے وہاں آہٹ سنی جارہی تھی اور اگر حضرت بلال بھی بجسم مثالی جنت میں پہنچے تو حاضر و ناظر کا ثبوت ہوا۔

ان سب باتوں کے متعلق مخالف یہ ہی کہے گا کہ وہ تو خدا نے سنایا تو ان حضرات نے سن لیا۔ پس ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ انبیاء و اولیاء کو خدا دور کی آوازیں سناتا ہے تو یہ سنتے ہیں خدا تعالیٰ کی یہ صفت ذاتی ان کی عطائی۔ خدا کی یہ صفت قدیم۔ ان حضرات کی حادث۔ خدا کی یہ صفت کسی کے قبضہ میں نہیں ان کی یہ صفت خدا کے قبضہ میں۔ خدا کا سننا بغیر کان وغیرہ عضو کے۔ ان کا سننا کان سے اتنے فرق ہوتے ہوئے شرک کیسا؟ اس مذاد کے متعلق اور بہت کچھ کہا جا سکتا ہے۔ مگر اسی قدر پر ہی کفایت ہے

بڑے علماں تے عقلاں والے انھے پل نہ اڑدے نے ، میں سُنیا دیکھ کے اُس نوں پتھر بھی کلمہ پڑھدے نے

بحث اولیاء اللہ و انبیاء سے مدد مانگنا

اولیاء اللہ اور انبیائے کرام سے مدد مانگنا جائز ہے جبکہ اس کا عقیدہ یہ ہو کہ حقیقی امداد تو رب تعالیٰ ہی کی ہے یہ حضرات اس کے مظہر ہیں اور مسلمان کا یہ ہی عقیدہ ہوتا ہے کوئی جاہل بھی کسی ولی کو خدا نہیں سمجھتا۔ اس بحث میں دو باب ہیں۔

پہلا باب

غیر اللہ سے مدد مانگنے کے ثبوت میں

غیر اللہ سے مدد مانگنے کا ثبوت قرآنی آیات احادیث صحیحہ اور اقوال فقہاء و محدثین اور خود مخالفین کے اقوال سے ہے ہم ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ بیان کرتے ہیں، قرآن کریم فرماتا ہے۔

وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ	اور اللہ کے سوا اپنے سارے حمائتیوں کو بلالو۔

اس میں کفار کو دعوت دی گئی ہے کہ قرآن کی مثل ایک سورہ بنا کر لے آؤ اور اپنی امداد کے لئے اپنے حمائتیوں کو بلالو۔ غیر اللہ سے مدد لینے کی اجازت دی گئی۔

قَالَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ۔	کہا مسیح نے کون ہے جو مدد کرے میری طرف اللہ کی کہا حواریوں نے ہم مدد کریں گے اللہ کے دین کی۔

اس میں فرمایا گیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں سے خطاب کر کے فرمایا کہ میرا مددگار کون ہے۔ حضرت مسیح نے غیر اللہ سے مدد طلب کی۔

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ۔ | مدد کرو ایک دوسرے کی اوپر نیک کاموں کے اور تقویٰ کے اور نہ مدد کرو ایک دوسرے کی اوپر گناہ اور زیادتی کے

اس آیت میں ایک دوسرے کی مدد کرنے کا حکم دیا گیا۔

اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ۔ | اگر مدد کرو گے تم اللہ کے دین کی مدد کریگا وہ تمہاری

اس میں خود رب تعالےٰ نے جو کہ غنی ہے اپنے بندوں سے مدد طلب فرمائی۔ رب تعالےٰ نے میثاق کے دن ارواح انبیاء سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں عہد لیا۔

لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ۔ | کہ تم ان پر ایمان لانا اور ان کی مدد کرنا۔

معلوم ہوا کہ اللہ کے بندوں کی مدد کا میثاق کے دن سے حکم ہے۔

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ | مدد طلب کرو ساتھ صبر اور نماز کے۔

اس میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ نماز اور صبر سے مدد حاصل کرو اور نماز و صبر بھی تو غیر اللہ ہیں۔

وَاَعِيْنُوْنِيْ بِقُوَّةٍ۔ | مدد کرو میری ساتھ قوت کے۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ذوالقرنین نے دیوار آہنی بناتے وقت لوگوں سے مدد طلب فرمائی۔ رب تعالےٰ فرماتا ہے۔

اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ۔ | اے نبی رب نے آپ کو اپنی مدد اور مسلمانوں کے ذریعہ قوت بخشی

فرماتا ہے يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ | اے نبی آپ کو اللہ اور آپ کے مطیع مسلمان کافی ہیں۔

فرماتا ہے فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرًا۔ | یعنی رسول کے مددگار اللہ اور جبریل اور متقی مسلمان ہیں بعد میں فرشتے ان کے مددگار ہیں۔

فرماتا ہے۔ اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ۔ | یعنی اے مسلمانو تمہارا مددگار اللہ اور رسول اور وہ مسلمان ہیں جو زکوٰۃ دیتے ہیں نماز پڑھتے ہیں۔

فرماتا ہے وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ط دوسری جگہ فرماتا ہے نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ

كُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ - معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ بھی مددگار ہے اور مسلمان بھی آپس میں ایک دوسرے کے مگر رب تعالیٰ بالذات مددگار اور یہ بالعرض ۔

موسیٰ علیہ السلام کو جب تبلیغ کے لئے فرعون کے پاس جانے کا حکم ہوا تو عرض کیا ۔

وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ هٰرُوْنَ اَخِي اشْدُدْ بِهٖٓ اَزْرِيْ ۔	خدایا میرے بھائی کو نبی بنا کر میرا وزیر کر دے میری پشت کو ان کی مدد سے مضبوط کر دے ۔

رب تعالیٰ نے یہ نہ فرمایا کہ تم نے میرے سوا کا سہارا کیوں لیا میں کیا کافی نہیں ہوں ۔ بلکہ ان کی درخواست منظور فرمائی ۔ معلوم ہوا کہ بندوں کا سہارا لینا سنت انبیاء ہے ۔

مشکوٰۃ باب السجود و فضلہ میں ربیعہ ابن کعب اسلمی سے بروایت مسلم ہے کہ حضور علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا

سَلْ فَقُلْتُ اَسْئَلُكَ مُرَافَقَتَكَ فِي الْجَنَّةِ قَالَ اَوَغَيْرَ ذٰلِكَ فَقُلْتُ هُوَ ذَالِكَ قَالَ فَاَعِنِّيْ عَلٰى نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُوْدِ ۔	کچھ مانگ تو میں نے کہا کہ میں آپ سے جنت میں آپ کی ہمراہی مانگتا ہوں ۔ فرمایا کچھ اور مانگنا ہے میں نے کہا صرف یہی فرمایا کہ اپنے نفس پر زیادہ نوافل سے میری مدد کرو ۔

اس سے ثابت ہوا کہ حضرت ربیعہ نے حضور سے جنت مانگی ۔ تو یہ نہ فرمایا کہ تم نے خدا کے سوا مجھ سے جنت مانگی تم مشرک ہو گئے بلکہ فرمایا وہ تو منظور ہے کچھ اور بھی مانگو ۔ یہ غیر خدا سے مدد مانگنا ہے ۔ پھر لطف یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ السلام بھی فرماتے ہیں اَعِنِّيْ اے ربیعہ تم بھی اس کام میں میری اتنی مدد کرو کہ زیادہ نوافل پڑھا کرو یہ بھی غیر اللہ سے طلب مدد ہے ۔ اسی حدیث پاک کے ماتحت اشعۃ اللمعات میں ہے ۔ "واز اطلاق سوال کہ فرمود سَلْ و تخصیص نہ کرد بمطلوبے خاص معلوم مے شود کہ کار ہمہ بدست ہمت وکرامت اوست ہر چہ خواہد ہر کرا خواہد باذن پروردگار خود بدہد ۔

فَاِنَّ مِنْ جُوْدِكَ الدُّنْيَا وَضَرَّتَهَا ✽ وَمِنْ عُلُوْمِكَ عِلْمُ اللَّوْحِ وَالْقَلَمِ

اگر خیریت دنیا و عقبےٰ آرزو داری ✽ بدرگاہش بیا و ہر چہ می خواہی تمنا کن !

سوال کو مطلق فرمانے سے کہ فرمایا کچھ مانگ لو ۔ کسی خاص چیز سے مقید نہ فرمایا ۔ معلوم ہوتا ہے کہ سارا معاملہ حضور ہی کے ہاتھ کریمانہ میں ہے ۔ جو چاہیں جس کو چاہیں اپنے رب کے حکم سے دیدیں ۔ کیونکہ دنیا و آخرت آپ ہی کی سخاوت سے ہے اور لوح و قلم کا علم آپ کے علوم کا ایک حصہ ہے اگر دنیا و آخرت کی خیر چاہتے ہو تو ان کے آستانے پر آؤ اور جو چاہو مانگ لو ۔

خانہ کعبہ میں ۳۶۰ بت رہے اور تین سو سال تک رہے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ کعبہ پاک ہوا رب تعالیٰ نے بتا دیا کہ جب میرا گھر کعبہ بغیر میرے محبوب کے مداوا کے پاک نہیں ہو سکتا۔ تو تمہارا دل ان کی نظر کرم کے بغیر پاک نہیں ہو سکتا۔

نور الانوار کے خطبہ میں خلق کی بحث میں ہے۔ هُوَ الْجُوْدُ بِالْكَوْنَيْنِ وَالتَّوَجُّهُ اِلٰى خَالِقِهِمَا یعنی دونوں جہان اوروں کو بخش دینا اور خود خالق کی طرف متوجہ ہو جانا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خلق ہے اور ظاہر ہے کہ دونوں دوسروں کو وہ ہی بخشے گا جو خود ان کا مالک ہو گا۔ ملکیت ثابت ہوئی۔

شیخ عبدالحق کی ان عبارات نے فیصلہ کر دیا کہ دنیا و آخرت کی تمام نعمتیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مانگو، مال مانگو، جنت مانگو، جہنم سے پناہ مانگو، بلکہ اللہ کو مانگو۔ ایک صوفی شاعر خوب فرماتے ہیں۔

محمد از تو مے خواہم خدا را ! ⁂ خدایا از تو عشق مصطفےٰ را

یا رسول اللہ میں آپ سے اللہ کو مانگتا ہوں ⁂ اور اے اللہ میں تجھ سے رسول اللہ کو مانگتا ہوں

حضرت قبلہ عالم محدث علی پوری دام ظلہم نے فرمایا کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا۔ اس کا ترجمہ ہے کہ اگر یہ لوگ اپنی جانوں پر ظلم کر کے آپ کی بارگاہ میں آجاتے پھر خدا سے اپنی مغفرت مانگتے اور یہ رسول بھی ان کے لیے دعائے مغفرت کرتے تو یہ لوگ آپ کے پاس اللہ کو پا لیتے۔ مگر کس شان میں تَوَّابًا رَّحِيْمًا توبہ قبول فرمانے والا مہربان یعنی آپ کے پاس آنے سے ان کو خدا مل جانا۔ ؎ اللہ کو بھی پایا مولیٰ تیری گلی میں

اشعۃ اللمعات کی طرح مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں اسی حدیث کے ماتحت فرمایا ہے کہ فَيُعْطِيْ لِمَنْ شَآءَ مَا شَآءَ حضور علیہ السلام جس کو جو چاہیں دے دیں۔ تفسیر کبیر جلد سوم پارہ ۷ سورۃ انعام زیر آیت وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ہے۔

وَثَالِثُهَا الْاَنْبِيَآءُ وَهُمُ الَّذِيْنَ اَعْطَاهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى مِنَ الْعُلُوْمِ وَالْمَعَارِفِ مَا لِاَجْلِهِ يَقْدِرُوْنَ عَلَى التَّصَرُّفِ فِيْ بَوَاطِنِ الْخَلْقِ وَاَرْوَاحِهِمْ وَ اَيْضًا اَعْطَاهُمْ مِنَ الْقُدْرَةِ وَالْمُكْنَةِ مَا لِاَجْلِهِ

تیسرے ان میں انبیاء ہیں یہ وہ حضرات ہیں جن کو رب نے علوم اور معارف اس قدر دیئے ہیں جن سے وہ مخلوق کی اندرونی حالت اور ان کی ارواح پر تصرف کر سکتے ہیں اور ان کو اس قدر قدرت و قوت

يَقْدِرُوْنَ عَلَى التَّصَرُّفِ فِيْ ظَوَاهِرِ الْخَلْقِ | وہ ہے جس سے مخلوق کے ظاہر پر تصرف کر سکتے ہیں۔

اسی تفسیر کبیر پارہ الٓمّٓ وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ کی تفسیر میں ہے کہ عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جو کوئی جنگل میں پھنس جائے تو کہے۔

اَعِيْنُوْنِيْ عِبَادَ اللّٰهِ يَرْحَمُكُمُ اللّٰهُ۔ | اے اللہ کے بندو میری مدد کرو رب تم پر رحم فرمائے۔

تفسیر روح البیان سورۂ مائدہ پارہ ۶ زیر آیت وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا ہے کہ شیخ صلاح الدین فرماتے ہیں۔ مجھ کو رب نے قدرت دی ہے کہ میں آسمان کو زمین پر گرادوں اگر میں چاہوں تو تمام دنیا والوں کو ہلاک کر دوں اللہ کی قدرت سے لیکن ہم اصلاح کی دعا کرتے ہیں مثنوی شریف میں ہے ؎

اولیا را ہست قدرت از الٰہ ٭ تیر جستہ باز گرداند ز راہ!

اولیاء کو اللہ سے یہ قدرت ملی ہے ٭ کہ چھوٹا ہوا تیر واپس کر لیں

اشعۃ اللمعات شرح باب زیارت القبور میں ہے امام غزالی گفتہ ہر کہ استمداد کردہ شود بوے در حیات استمداد کردہ مے شود بوے بعد از وفات یکے از مشائخ گفتہ دیدم چہار کس را از مشائخ کہ تصرف می کنند در قبور خود مانند تصرفہا ایشاں در حیات خود یا بیشتر۔ قومے مے گویند کہ امداد حی قوی تر است و من مے گویم کہ امداد میت قوی تر و اولیاء را تصرف در اکوان حاصل است و آں نیست مگر ارواح ایشاں را وارواح باقی است ۔ امام غزالی نے فرمایا کہ جس سے زندگی میں مدد مانگی جاتی ہے اس سے اُن کی وفات کے بعد بھی مدد مانگی جاوے ایک بزرگ نے فرمایا کہ چار شخصوں کو ہم نے دیکھا کہ وہ قبروں میں بھی وہ ہی عمل در آمد کرتے ہیں جو زندگی میں کرتے تھے یا زیادہ، ایک جماعت کہتی ہے کہ زندہ کی مدد زیادہ قوی ہے اور میں کہتا ہوں کہ مردہ کی امداد زیادہ قوی۔ اولیاء کی حکومت جہانوں میں ہے اور یہ نہیں ہے مگر انکی روحوں کو کیونکہ ارواح باقی ہیں۔ حاشیہ مشکوٰۃ باب زیارۃ القبور میں ہے:-

وَاَمَّا الْاِسْتِمْدَادُ بِاَهْلِ الْقُبُوْرِ فِيْ غَيْرِ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَوِ الْاَنْبِيَآءِ فَقَدْ اَنْكَرَهٗ كَثِيْرٌ مِّنَ الْفُقَهَآءِ وَاَثْبَتَهُ الْمَشَائِخُ الصُّوْفِيَّةُ وَبَعْضُ الْفُقَهَآءِ قَالَ الْاِمَامُ الشَّافِعِيُّ قَبْرُ مُوْسَى الْكَاظِمِ تِرْيَاقٌ مُّجَرَّبٌ لِّاِجَابَةِ الدُّعَآءِ وَقَالَ الْاِمَامُ	نبی علیہ السلام و دیگر انبیائے کرام کے علاوہ اور اہل قبور سے دعا مانگنے کا بہت سے فقہاء نے انکار کیا اور مشائخ صوفیہ اور بعض فقہاء نے اسکو ثابت کیا ہے امام شافعی فرماتے ہیں کہ موسیٰ کاظم کی قبر قبولیت دعا کیلئے آزمودہ تریاق ہے اور امام محمد غزالی نے فرمایا کہ جس سے زندگی میں مدد مانگی

اَلْغَزَالِیُّ مَنْ یُّسْتَمَدُّ فِیْ حَیَاتِهٖ یُسْتَمَدُّ بَعْدَ وَفَاتِهٖ | جا سکتی ہے اس سے بعد وفات بھی مدد مانگی جا سکتی ہے۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا دیگر انبیائے کرام سے مدد مانگنے میں تو کسی کا اختلاف نہیں۔ قبور اولیاء اللہ سے مدد مانگنے میں اختلاف ہے، علمائے ظاہرین نے انکار کیا صوفیائے کرام و فقہاء اہل کشف نے جائز فرمایا۔

حصن حصین صفحہ ۲۰۲ میں ہے وَاِنْ اَرَادَ عَوْنًا فَلْیَقُلْ یَا عِبَادَ اللّٰهِ اَعِیْنُوْنِیْ یَا عِبَادَ اللّٰهِ اَعِیْنُوْنِیْ یَا عِبَادَ اللّٰهِ اَعِیْنُوْنِیْ۔ | جب مدد لینا چاہے تو کہے اے اللہ کے بندو میری مدد کرو اے اللہ کے بندو میری مدد کرو اے اللہ کے بندو میری مدد کرو۔

اس کی شرح الحرز الثمین میں ملا علی قاری اسی جگہ فرماتے ہیں۔

اِذَا انْفَلَتَتْ دَابَّةُ اَحَدِکُمْ بِاَرْضِ فَلَاةٍ فَلْیُنَادِ یَا عِبَادَ اللّٰهِ اِحْبِسُوْا۔ | یعنی جب جنگل میں کسی کا جانور بھاگ جائے تو آواز دو کہ اے اللہ کے بندو اسے روک دو۔

عباد اللہ کے ماتحت فرماتے ہیں۔

اَلْمُرَادُ بِهِمُ الْمَلٰٓئِکَةُ اَوِ الْمُسْلِمُوْنَ مِنَ الْجِنِّ اَوْ رِجَالُ الْغَیْبِ الْمُسَمُّوْنَ بِاَبْدَالٍ | یعنی بندوں سے یا تو فرشتے یا مسلمان یا جن یا رجال الغیب یعنی ابدال مراد ہیں۔

پھر فرماتے ہیں هٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ یَحْتَاجُ اِلَیْهِ الْمُسَافِرُوْنَ وَاَنَّهٗ مُجَرَّبٌ۔ | یہ حدیث حسن ہے مسافروں کو اس حدیث کی سخت ضرورت ہے اور یہ عمل مجرب ہے۔

شاہ عبد العزیز صاحب تفسیر فتح العزیز صفحہ ۲۰ پر فرماتے ہیں "باید فہمید کہ استعانت از غیر بوجہے کہ اعتماد باشد و اور اعوانِ الٰہی نداند حرام است و اگر التفات محض بجانب حق است و اور ایکے از مظاہر عونِ الٰہی دانستہ و بکارخانہ اسبابی و حکمتِ او تعالیٰ درآں نمودہ بغیر استعانت ظاہر نماید و دور از عرفان نخواہد بود و در شرع نیز جائز و رواست و در انبیاء و اولیاء ایں نوع استعانت تعبیر کردہ اند و در حقیقت ایں نوع استعانت بغیر نیست بلکہ استعانت بحضرت حق است لا غیر۔" سمجھنا چاہیئے کہ کسی غیر سے مدد مانگنا بھروسے کے طریقہ پر کہ اس کو مدد الٰہی نہ سمجھے حرام ہے۔ اور اگر توجہ حق تعالیٰ کی طرف ہے اس کو اللہ کی مدد کا ایک مظہر جان کر اور اللہ کی حکمت اور کارخانۂ اسباب جان کر اس سے ظاہری مدد مانگی تو عرفان سے دور نہیں ہے اور شریعت میں جائز ہے اور اس کو انبیاء و اولیاء کی مدد کہتے ہیں لیکن حقیقت میں یہ حق تعالیٰ کے غیر سے مانگنا نہیں ہے لیکن اسکی مدد سے ہے تفسیر عزیزی سورہ بقر صفحہ ۴۶۰ میں شاہ عبد العزیز صاحب فرماتے ہیں "افعال عادی

الٰہی را مثل بخشیدن فرزند و توسیع رزق و شفاء مریض و امثال ذالک را مشرکان نسبت بہ ارواح خبیثہ اصنام می نمایند و کافر می شوند۔ از تاثیر الٰہی یا خواص مخلوقات او می دانند از ادویہ و مغافیر یا دعائے صلحاء بندگان او کہ ہمہ از جناب او۔ درخواستہ انجاح مطلب می کنا ندمی فہمند در ایمان ایشاں خلل نمی افتد" اللہ کے کام جیسے لڑکا دینا رزق بڑھانا بیمار کو اچھا کرنا اور اس کی مثل کو مشرکین خبیث روحوں اور بتوں کی طرف نسبت کرتے ہیں اور کافر ہوجاتے ہیں اور مسلمان ان امور کو حکم الٰہی یا اس کی مخلوق کی خاصیت سے جانتے ہیں جیسے کہ دوائیں یا مغافیر یا اس کے نیک بندوں کی دعائیں کہ وہ بندے رب کی بارگاہ سے مانگ کر لوگوں کی حاجت روائی کرتے ہیں اور ان مومنین کے ایمان میں اس سے خلل نہیں آتا۔

بستان المحدثین میں شاہ عبدالعزیز صاحب شیخ ابوالعباس احمد زروقی کے یہ اشعار نقل کرتے ہیں۔

أَنَا لِمُرِيْدِيْ جَامِعٌ لِشَتَاتِهٖ * إِذَا مَا سَطٰى جَوْرُ الزَّمَانِ بِنَكْبَةٍ !

وَإِنْ كُنْتَ فِيْ ضِيْقٍ وَكَرْبٍ وَحْشَةٍ * فَنَادِ بِيَا زَرُّوْقُ آتِ بِسُرْعَةٍ !

میں اپنے مرید کی پراگندگیوں کو جمع کرنے والا ہوں جبکہ زمانہ کی مصیبتیں اس کو تکلیف دیں۔ اگر تو تنگی یا مصیبت یا وحشت میں ہو تو پکار کہ اے زروق! میں فوراً آؤنگا۔

تفسیر کبیر و روح البیان و خازن میں سورۂ یوسف زیر آیت فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِيْنَ ہے اَلْاِسْتِعَانَةُ بِالنَّاسِ فِيْ دَفْعِ الضَّرَرِ وَالظُّلْمِ جَائِزَةٌ اور خازن زیر آیت فَاَنْسٰهُ الشَّيْطٰنُ ہے اَلْاِسْتِعَانَةُ بِالْمَخْلُوْقِ فِيْ دَفْعِ الضَّرَرِ جَائِزٌ مصیبت دور کرنے کے لیے مخلوق سے مدد لینا جائز ہے

درمختار جلد سوم باب اللقطہ کے آخر میں گمی ہوئی چیز تلاش کرنے کے لیے ایک عمل لکھا۔

اِنَّ الْاِنْسَانَ اِذَا ضَاعَ لَهٗ شَيْءٌ وَاَرَادَ اَنْ يَّرُدَّهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ فَلْيَقِفْ عَلٰى مَكَانٍ عَالٍ مُّسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ وَيَقْرَءُ الْفَاتِحَةَ وَيُهْدِيْ ثَوَابَهَا لِلنَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ ثُمَّ يُهْدِيْ ثَوَابَهَا لِسَيِّدِيْ اَحْمَدَ ابْنِ عُلْوَانَ يَقُوْلُ يَا سَيِّدِيْ يَا اَحْمَدُ ابْنَ عُلْوَانَ اِنْ لَّمْ تَرُدَّ عَلَيَّ ضَالَّتِيْ وَاِلَّا نَزَعْتُكَ مِنْ دِيْوَانِ الْاَوْلِيَاءِ فَاِنَّ اللّٰهَ يَرُدُّ ضَالَّتَهٗ بِبَرَكَتِهٖ۔

جس کسی کی کوئی چیز گم ہوجاوے اور وہ چاہے کہ خدا وہ چیز واپس ملا دے تو کسی اونچی جگہ پر قبلہ کو منہ کرکے کھڑا ہو اور سورۂ فاتحہ پڑھ کر اس کا ثواب نبی علیہ السلام کو ہدیہ کرے پھر سیدی احمد ابن علوان کو ہدیہ و دعا پڑھے اے میرے آقا اے احمد ابن علوان اگر آپ نے میری چیز نہ دی تو میں آپ کو دفتر اولیاء سے نکال دونگا۔ پس خدا تعالیٰ اس کی گمی ہوئی چیز ان کی برکت سے ملا دے گا۔

اس دعا میں سید احمد ابن علوان کو پکارا بھی ان سے مدد مانگی اُن سے گئی ہوئی چیز بھی طلب کی اور یہ دعا کس نے بتائی حنفیوں کے فقیہ اعظم صاحب درمختار نے حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قصیدہ نعمان میں فرماتے ہیں

يَا اَكْرَمَ الثَّقَلَيْنِ يَا كَنْزَ الْوَرٰى ٭ جُدْلِيْ بِجُوْدِكَ وَاَرْضِنِيْ بِرِضَاكَ
اَنَا طَامِعٌ بِالْجُوْدِ مِنْكَ لَمْ يَكُنْ ٭ لِاَبِيْ حَنِيْفَةَ فِي الْاَنَامِ سِوَاكَ!

اے موجودات سے اکرم اور نعمت الٰہی کے خزانے جو اللہ نے آپ کو دیا ہے مجھے بھی دیجئے اور اللہ نے آپ کو راضی کیا ہے مجھے بھی آپ راضی فرمائیے۔ میں آپ کی سخاوت کا امیدوار ہوں آپ کے سوا ابوحنیفہ کا خلقت میں کوئی نہیں۔ اس میں حضور علیہ السّلام سے صریح مدد لی گئی ہے۔ قصیدہ بردہ میں ہے ؎

يَا اَكْرَمَ الْخَلْقِ مَالِيْ مَنْ اَلُوْذُ بِهٖ ٭ سِوَاكَ عِنْدَ حُلُوْلِ الْحَادِثِ الْعَمَمِ
اے تمام مخلوق سے بہتر میرا آپ کے سوا کوئی نہیں ٭ جس کی میں پناہ لوں مصیبت کے وقت

اگر ہم ان علماء و فقہاء و مشائخ کا کلام جمع کریں۔ جس میں انہوں نے حضور علیہ السلام سے مدد مانگی ہے۔ تو اس کے لیئے دفتر درکار ہیں صرف اتنے پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔ نیز ہم سفر برائے زیارت قبور میں شامی کی عبارت نقل کریں گے۔ جس میں امام شافعی فرماتے ہیں کہ جب مجھے کوئی حاجت پیش ہوتی ہے تو امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے مزار پر آتا ہوں ان کی برکت سے کام ہو جاتا ہے۔ نزہۃ الخاطر الفاتر فی ترجمہ سیدی الشریف عبدالقادر مصنفہ ملا علی قاری صفحہ ۶۱ میں حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول نقل فرمایا۔

مَنِ اسْتَغَاثَ بِيْ فِيْ كُرْبَةٍ كُشِفَتْ عَنْهُ وَمَنْ نَادَانِيْ بِاِسْمِيْ فِيْ شِدَّةٍ فُرِجَتْ عَنْهُ وَمَنْ تَوَسَّلَ بِيْ اِلَى اللّٰهِ فِيْ حَاجَةٍ قُضِيَتْ۔

یعنی جو کوئی رنج و غم میں مجھ سے مدد مانگے تو اسکا رنج و غم دور ہوگا اور جو سختی کے وقت میرا نام لے کر مجھے پکارے تو وہ شدت دفع ہوگی اور جو کسی حاجت میں رب کی طرف مجھے وسیلہ بنائے تو اسکی حاجت پوری ہوگی

پھر اسی جگہ ہے کہ حضور غوث پاک نماز غوثیہ کی ترکیب بتاتے ہیں کہ دو رکعت نفل پڑھے۔ ہر رکعت میں ۱۱-۱۱ بار سورہ اخلاص پڑھے۔ سلام پھیر کر ۱۱ بار صلوٰۃ و سلام پڑھے پھر بغداد کی طرف (جانب شمال) ۱۱ قدم چلے ہر قدم پر میرا نام لے کر اپنی حاجت عرض کرے اور دو شعر پڑھے ؎

اَيُدْرِكُنِيْ ضَيْمٌ وَّاَنْتَ ذَخِيْرَتِيْ ٭ وَاُظْلَمُ فِي الدُّنْيَا وَاَنْتَ نَصِيْرِيْ
وَعَارٌ عَلٰى حَامِي الْحِمٰى وَهُوَ مُنْجِدِيْ ٭ اِذَا ضَاعَ فِي الْبَيْدَاءِ عِقَالُ بَعِيْرِيْ

یہ کہہ کر ملا علی قاری فرماتے ہیں وَقَدْ جُرِّبَ ذَالِكَ مِرَارًا فَصَحَّ یعنی بارہا اس نماز غوثیہ کا تجربہ کیا گیا۔ درست نکلا کیسے حضور غوث پاک مسلمانوں کو تعلیم دیتے ہیں کہ مصیبت کے وقت مجھ سے مدد مانگو اور حنفیوں کے بڑے معتبر عالم ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اسے بغیر تردید نقل فرما کر فرماتے ہیں کہ اس کا تجربہ کیا گیا بالکل صحیح ہے۔ معلوم ہوا کہ بزرگوں سے بعد وفات مدد مانگنا جائز اور فائدہ مند ہے۔

یہاں تک تو ہم نے قرآنی آیات اور احادیث اور اقوالِ فقہاء و علماء و مشائخ سے ثبوت دیا اب خود منع کرنے والوں کے اقوال سے ثبوت ملاحظہ ہوں۔

مولوی محمود حسن صاحب دیوبندیوں کے شیخ الہند اپنے ترجمہ قرآن میں جس کے چار پارو نکا حاشیہ انہوں نے لکھا باقی کا مولوی شبیر احمد صاحب نے۔ اس میں اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کے ماتحت فرماتے ہیں "ہاں اگر کسی مقبول بندے کو واسطہ رحمت الہٰی اور غیر مستقل سمجھ کر استعانت ظاہری اس سے کرے تو یہ جائز ہے۔ کہ یہ استعانت در حقیقت حق تعالیٰ ہی سے استعانت ہے" بس فیصلہ ہی کر دیا۔ یہ ہی ہمارا دعویٰ ہے کوئی مسلمان بھی کسی نبی یا ولی کو خدا نہیں جانتا نہ خدا کا فرزند محض وسیلہ مانتا ہے۔

فتاویٰ رشیدیہ جلد اول کتاب الحظر والاباحۃ صفحہ ۶۴ پر ایک سوال و جواب ہے۔

سوال:۔ اشعار اس مضمون کے پڑھنے "یا رسولِ کبریا فریاد ہے۔ یا محمد مصطفےٰ فریاد ہے۔ مدد کر بہرِ خدا حضرت محمد مصطفےٰ۔ میری تم سے ہر گھڑی فریاد ہے۔ کیسے ہیں۔

الجواب: ایسے الفاظ پڑھنے محبت میں اور خلوت میں بایں خیال کہ حق تعالیٰ آپ کی ذات کو مطلع فرمادیوے یا محض محبت سے بلا کسی خیال کے جائز ہیں۔ فتاویٰ رشیدیہ جلد سوم صفحہ ۵ پر ہے کہ مولوی رشید احمد صاحب سے کسی نے سوال کیا کہ ان اشعار کو بطور وظیفہ یا ورد پڑھنا کیسا ہے ؎

يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اُنْظُرْ حَالَنَا ٭ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِسْمَعْ قَالَنَا!
اِنَّنِيْ فِيْ بَحْرِ هَمٍّ مُّغْرَقٌ ٭ خُذْ يَدِيْ سَهِّلْ لَنَا اَشْكَالَنَا

یا قصیدہ بردہ کا یہ شعر وظیفہ کرنا ؎

يَا اَكْرَمَ الْخَلْقِ مَا لِيْ مَنْ اَلُوْذُ بِهٖ ٭ سِوَاكَ عِنْدَ حُلُوْلِ الْحَادِثِ الْعَمَمِ

جواب دیا کہ ایسے کلمات کو نظم ہوں یا نثر ورد کرنا مکروہ تنزیہی ہے کفر و فسق نہیں۔

ان دونوں عبارتوں میں حضور علیہ السلام سے مدد مانگنے کو کفر و شرک نہیں بلکہ جائز، زیادہ سے

زیادہ مکروہ تنزیہی کہا۔ قصائد قاسمی میں مولوی قاسم صاحب فرماتے ہیں ؎

مدد کر اے کرم احمدی کہ تیرے سوا ٭ نہیں ہے قاسم بیکس کا کوئی حامی کار

اس میں حضور علیہ السلام سے مدد مانگی ہے اور عرض کیا ہے آپ کے سوا میرا کوئی بھی حامی نہیں یعنی خدا کو بھی بھول گئے۔ ترجمہ صراط مستقیم اردو خاتمہ تیسرا افادہ صفحہ ۱۴۳ پر مولوی اسمٰعیل صاحب فرماتے ہیں۔ اسی طرح ان مراتب عالیہ اور مناصب رفیعہ صاحبان عالم مثال اور عالم شہادت میں تصرف کرنے کے ماذون مطلق اور مجاز ہوتے ہیں۔ حاجی امداد اللہ صاحب فرماتے ہیں ؎

جہاز امت کا حق نے کر دیا ہے آپ کے ہاتھوں ٭ تم اب چاہے ڈبا دو یا ترا دو یا رسول اللہ

فتاویٰ رشیدیہ جلد اول کتاب البدعات صفحہ ۹۹ میں ہے۔ اور بعض روایات میں جو آیا ہے۔ اَعِیْنُوْنِیْ یَا عِبَادَ اللّٰہِ یعنی اے اللہ کے بندو میری مدد کرو۔ تو وہ فی الواقع کسی میت سے استعانت نہیں ہے بلکہ عباد اللہ جو صحرا میں موجود ہوتے ہیں ان سے طلب اعانت ہے کہ حق تعالیٰ نے ان کو اسی کام کے واسطے وہاں مقرر کیا ہے۔

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ جنگلوں میں کچھ اللہ کے بندے اللہ کی طرف سے اسی لئے رہتے ہیں کہ لوگوں کی مدد کریں ان سے مدد مانگنا جائز ہے۔ مدعی ہمارا بھی یہ ہے کہ اللہ کے بندوں سے استمداد جائز ہے۔ رہا یہ فیصلہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدد فرما سکتے ہیں یا کہ نہیں ہم اس کے متعلق بہت کچھ عرض کر چکے اور آئندہ عقلی دلائل میں بھی بیان کریں گے۔

مولوی محمود حسن صاحب ادلہ کاملہ میں صفحہ ۱۲ پر فرماتے ہیں "آپ اصل میں بعد خدا مالک عالم ہیں جمادات ہوں یا حیوانات، بنی آدم ہوں یا غیر بنی آدم۔ القصہ آپ اصل میں مالک ہیں اور یہی وجہ ہے کہ عدل مہر آپ کے ذمہ واجب الاداء تھا۔" صراط مستقیم دوسری ہدایت کا پہلا افادہ صفحہ ۶ میں مولوی اسمٰعیل صاحب فرماتے ہیں۔ "اور حضرت مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیلئے شیخین پر بھی ایک گونہ فضیلت ثابت ہے اور وہ فضیلت آپ کے فرماں برداروں کا زیادہ ہونا اور مقامات ولایت بلکہ قطبیت و غوثیت اور ابدالیت اور انہی جیسے باقی خدمات آپ کے زمانہ سے لے کر دنیا کے ختم ہونے تک آپ ہی کی وساطت سے ہونا ہے اور بادشاہوں کی بادشاہت اور امیروں کی امارت میں آپ کو وہ دخل ہے جو عالم ملکوت کی سیر کرنے والوں پر مخفی نہیں۔

اس عبارت سے صاف معلوم ہوا کہ سلطنت امیری ولایت غوثیت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لوگوں کو ملتی ہے دیوبندیوں کے پیر و مرشد حاجی امداد اللہ صاحب اپنی کتاب ضیاء القلوب میں فرماتے ہیں اس مرتبہ میں پہنچ کر بندہ

خدا کا خلیفہ ہو کر لوگوں کو اس تک پہنچاتا ہے اور ظاہر میں بندہ باطن میں خدا ہو جاتا ہے اس کو برزخ کہتے ہیں، اور اس میں وجوب وامکان مساوی ہیں۔ کسی کسی پر غلبہ نہیں اس مرتبہ پر پہنچ کر عارف عالم پر متصرف ہو جاتا ہے۔ (ضیاء القلوب مطبوعہ کتب خانہ اشرفیہ راشد کمپنی دیوبند صفحہ ۲۹ کے مراتب کا بیان) غور کرو پیر صاحب نے بندہ کو باطن میں خدا مان لیا عالم میں متصرف۔

یکشنبہ ۹ جولائی ۱۹۶۱ء کے جنگ راولپنڈی میں خبر شائع ہوئی کہ صدر پاکستان، محمد ایوب خان صاحب جب امریکہ کے دورے پر کراچی سے روانہ ہوئے تو مولانا احتشام الحق صاحب دیوبندی نے صدر کے بازو پر امام ضامن باندھا اور ۱۰ جولائی ۱۹۶۱ء دوشنبہ کے جنگ میں مولانا کا فوٹو شائع ہوا ہے جس میں آپ صدر کے بازو پر امام ضامن باندھ رہے ہیں۔ امام ضامن کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ ہم امام حسین کے نام کا روپیہ مسافر کے بازو پہ باندھتے ہیں امام حسین تمہارے ضامن ہیں۔ ان کے سپرد کرتے ہیں جب مسافر بخیریت واپس آ دے تب اس روپیہ کی فاتحہ امام حسین کے نام کی کی جاوے جن کے سپرد مسافر کیا گیا تھا۔ دیکھو اس میں امام حسین کی مدد بھی لی گئی۔ ان کی فاتحہ بھی کی گئی ان کی نذر بھی مانی گئی جناب صدر کو ان کے سپرد بھی کیا سبحان اللہ کیسا ایمان افروز کام ہے خدا کا شکر ہے کہ دیوبندی بھی اس کے قائل ہو گئے۔

امداد الفتاویٰ مصنفہ مولوی اشرف علی صاحب جلد ۴ کتاب العقائد والکلام صفحہ ۹۹ میں ہے جو استعانت واستمداد باعتقاد علم وقدرت مستقل ہو وہ شرک ہے اور جو باعتقاد علم وقدرت غیر مستقل ہو اور وہ علم قدرت کسی دلیل سے ثابت ہو جائے تو جائز ہے خواہ مستمد منہ حی ہو یا میت۔ بس فیصلہ ہی فرما دیا کہ مخلوق کو غیر مستقل قدرت مان کر ان سے استمداد جائز ہے۔ اگرچہ میت ہی سے مانگی جائے یہ ہی ہم کہتے ہیں۔ مولوی اشرف علی صاحب نے اپنی کتاب نشر الطیب کے آخر میں شیم الحبیب کے عربی اشعار کا ترجمہ کیا جس کا نام شیم الطیب رکھا جس میں حضور علیہ السلام سے بے دریغ امداد مانگی اشعار حسب ذیل ہیں۔

شیم الطیب ترجمہ شیم الحبیب مصنفہ مولوی اشرف علی صاحب تھانوی صفحہ ۱۴۵ ۔

يَا شَفِيعَ الْعِبَادِ خُذْ بِيَدِيْ ✦ اَنْتَ فِي الْاِضْطِرَارِ مُعْتَمَدِيْ

دستگیری کیجئے میری نبی ✦ کشمکش میں تم ہی ہو میرے ولی

لَيْسَ لِيْ مَلْجَاءٌ سِوَاكَ اَغِثْ ✦ مَسَّنِيَ الضُّرُّ سَيِّدِيْ سَنَدِيْ

جز تمہارے ہے کہاں میری پناہ ٭ فوج کلفت مجھ پہ آ غالب ہوئی!
غَشِنِی الدَّھْرُ ابْنَ عَبْدِ اللّٰہِ ٭ کُنْ مُغِیْثًا فَاَنْتَ لِیْ مَدَدِیْ
ابن عبداللہ زمانہ ہے خلاف ٭ اے مرے مولیٰ خبر لیجیے مری
نام احمد چوں حصینے شد حصین ٭ پس چہ باشد ذات آں روح الامین
نشر الطیب فی ذکر ابن الحبیب

اولیاء اللہ سے مدد مانگنے کا عقلی ثبوت

دنیا آخرت کا نمونہ ہے اور یہاں کے کاروبار اس عالم کے کاروبار کا پتہ دیتے ہیں اسی لیے قرآن کریم نے حشر نشر اور رب کی الوہیت کو دنیاوی مثالوں سے ثابت فرمایا ہے۔ مثلاً فرمایا کہ خشک زمین پر بارش پڑتی ہے تو پھر سبزہ زار بن جاتی ہے۔ اسی طرح بے جان جسموں کو دوبارہ حیات دی جاوے گی نیز فرمایا کہ تم گوارا نہیں کرتے کہ تمہارے غلاموں میں کوئی اور شریک ہو تو ہماری ملکیت میں بتوں وغیرہ کو کیوں شریک مانتے ہو، (غرض) دنیا آخرت کا نمونہ ہے اور دنیا میں تو یہ دیکھا گیا ہے کہ یہاں کے بادشاہ ہر کام خود اپنے ہاتھ سے نہیں کرتے۔ بلکہ سلطنت کے کاموں کے لیے محکمہ بنا دیتے ہیں اور ہر محکمہ میں مختلف حیثیت کے لوگ رکھتے ہیں کوئی افسر اور کوئی ماتحت۔ پھر ان تمام محکموں کا مختار یا حاکم اعلیٰ وزیر اعظم کو منتخب کرتے ہیں۔ یعنی ہر کام بادشاہ کی مرضی اس کے منشاء سے ہوتا ہے۔ لیکن بلا واسطہ اس کے ہاتھ سے نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ بادشاہ مجبوری کی وجہ سے اپنا عملہ رکھتا ہے کیونکہ بادشاہ خود پانی پی سکتا ہے۔ اپنی اکثر ضروریات زندگی خود انجام دے سکتا ہے لیکن رعب کا تقاضا ہے کہ ہر کام خدام سے لیا جاوے اور رعایا کو ہدایت ہوتی ہے کہ اپنی ضروریات کے وقت ان مقرر کردہ حکام کی طرف رجوع کرو۔ بیماری میں شفاخانہ جا کر ڈاکٹر سے کہو۔ مقدمات میں کچہری جا کر جج سے وکلاء کے ذریعہ سے کہو وغیرہ وغیرہ ان مصائب میں رعایا کا ان حکام کی طرف جانا بادشاہ کی بغاوت نہیں ہے بلکہ یہ عین اس کی منشاء کے مطابق ہے کہ اس نے ان کو حکام اسی لیے مقرر کیا ہے۔ ہاں اگر یہ رعایا دوسرے کو اپنا بادشاہ بنا کر اس سے مدد کے طالب ہوں تو اب باغی ہے کیونکہ شاہی انتخاب والوں کو چھوڑا اور غیر کو اپنا حاکم مانا۔ جب یہ بات سمجھ میں آگئی تو سمجھو کہ یہی طریقہ سلطنت الٰہیہ کا ہے کہ وہ قادر ہے کہ دنیا کا بڑا چھوٹا ہر کام اپنی قدرت سے

خود ہی پورا فرمادے مگر ایسا نہیں کرتا بلکہ انتظام عالم کے لیے ملائکہ وغیرہم کو مقرر فرمایا اور ان کے علیحدہ علیحدہ محکمے کر دیئے۔ جان نکالنے والوں کا ایک محکمہ جس کے افسر اعلیٰ حضرت عزرائیل ہیں۔ اسی طرح انسان کی حفاظت رزق پہنچانا، بارش برسانا، ماؤں کے پیٹ میں بچے بنانا۔ ان کی تقدیر لکھنا۔ مدفون میتوں سے سوالات کرنا۔ صور پھونک کر مردوں کو زندہ کرنا۔ اور قیامت قائم کرنا۔ پھر قیامت میں جنت و دوزخ کا انتظام کرنا۔ غرضکہ دنیا و آخرت کے سارے کام ملائکہ میں تقسیم فرمادیئے۔

اسی طرح اپنے مقبول انسانوں کے سپرد بھی عالم کا انتظام کیا اور ان کو اختیارات خصوصی عطا فرمائے۔ کتب تصوف دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ اولیاء اللہ کے کتنے طبقے ہیں اور کس کے ذمہ کون کون سے کام ہیں اس کی وجہ یہ نہیں کہ رب تعالیٰ اُن کا محتاج ہے۔ نہیں بلکہ آئین سلطنت کا یہ ہی تقاضا ہے پھر ان حضرات کو خصوصی اختیارات بھی دیئے جاتے ہیں۔ جس کی وجہ سے وہ فرماتے ہیں کہ ہم یہ کر سکتے ہیں یہ محض ہمارا قیاس نہیں ہے۔ بلکہ قرآن و حدیث اس پر شاہد ہیں۔ حضرت جبریل نے حضرت مریم سے کہا قَالَ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِیًّا۔ | اے مریم میں تمہارے رب کا قاصد ہوں۔ آیا ہوں تاکہ تم کو پاک فرزند دوں۔

معلوم ہوا کہ حضرت جبریل بیٹا دیتے ہیں۔ حضرت مسیح علیہ السلام فرماتے ہیں۔

وَاَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّیْنِ كَهَیْئَةِ الطَّیْرِ فَاَنْفُخُ فِیْهِ فَیَكُوْنُ طَیْرًا بِاِذْنِ اللّٰهِ۔ | میں تمہارے لیے مٹی سے پرندے کی شکل بنا کر اس میں پھونکتا ہوں تو وہ خدا کے حکم سے پرندہ بن جاتا ہے۔

معلوم ہوا کہ حضرت مسیح باذن الٰہی بے جان کو جان بخشتے ہیں۔

قُلْ یَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِیْ وُكِّلَ بِكُمْ | فرمادو کہ تم کو ملک الموت وفات دینگے جو تم پر مقرر کیے گئے ہیں۔

معلوم ہوا کہ حضرت عزرائیل جاندار کو بے جان کرتے ہیں۔ اور بھی اس قسم کی بہت سی آیات ملیں گی جس میں خدائی کاموں کو بندوں کی طرف نسبت کیا گیا ہے۔ رب تعالیٰ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان میں فرماتا ہے وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ۔ | ہمارے محبوب انکو پاک فرماتے ہیں اور ان کو کتاب و حکمت سکھاتے ہیں۔

اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ۔ | انکو اللہ اور رسول نے اپنے فضل سے غنی کر دیا۔

معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہر گندگی سے پاک بھی فرماتے ہیں اور فقیروں کو غنی بھی کرتے ہیں۔

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا۔ | آپ ان کے مالوں سے صدقے وصول فرمایئے اور اس سے اُن کو پاک فرمادیجئے۔

معلوم ہوا کہ وہ ہی عمل خدا کے یہاں قبول ہے جو بارگاہ رسالت میں منظور ہو جائے۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَا اٰتٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗ۔ | اور کیا اچھا ہوتا۔ اگر وہ اس پر راضی ہوتے جو اللہ رسول نے انکو دیا اور کہتے کہ اللہ ہم کو کافی ہے اب ہم کو اللہ اپنے فضل سے اور رسول دیں گے۔

معلوم ہوا کہ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام دیتے ہیں۔ ان آیات سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی کہے کہ ہم کو رسول اللہ عزت دیتے ہیں مال و اولاد دیتے ہیں تو صحیح ہے کیونکہ آیات نے یہ بتایا لیکن مقصد وہ ہی ہوگا کہ یہ حضرات حکومت الٰہیہ کے حکام ہیں رب تعالیٰ نے ان کو دیا یہ ہم کو دیتے ہیں۔ اسی طرح مصیبت کے وقت اولیاء اللہ یا انبیائے کرام سے مدد مانگنا بھی اسی طرح ہوا۔ جس طرح کہ بیماری اور مقدمہ میں بادشاہ کی رعایا ڈاکٹر یا حاکم سے مدد مانگتی ہے۔ قرآن نے فرمایا۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ۝ | اگر یہ گنہگار اپنی جانوں پر ظلم کر کے اے محبوب تمہارے پاس آجاتے اور پھر اللہ سے مغفرت مانگتے اور اے محبوب آپ بھی ان کیلئے دعائے مغفرت فرماتے تو یہ اللہ کو توبہ قبول کرنے والا مہربان پاتے۔

عالمگیری کتاب الحج باب آداب زیارۃ قبر النبی میں فرماتے ہیں کہ اب بھی جب زائر روضۂ پاک پر حاضر ہو تو یہ آیت پڑھے۔ یہ تو دنیا میں تھا قبر میں تین سوال نکیرین کرتے ہیں۔ اول تو مَنْ رَّبُّكَ تیرا رب کون ہے؟ بندہ کہتا ہے کہ اللہ۔ پھر پوچھتے ہیں کہ تیرا دین کیا؟ بندہ کہتا ہے کہ اسلام۔ ان سوالوں میں اسلام کی ساری باتیں آگئیں۔ مگر ابھی پاس نہیں ہوا۔ بلکہ آخری سوال ہوتا ہے کہ اس سبز گنبد والے آقا کو تو کیا کہتا ہے؟ جب یہ صراحۃً کہلوا لیا کہ ہاں میں ان کو پہچانتا ہوں۔ یہ میرے نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تب سوالات ختم ہوتے ہیں تو قبر میں اُن کے نام کی امداد سے نجات ہوئی۔ قیامت میں لوگ تنگ آکر شفیع کو ہی ڈھونڈیں گے جب حضور علیہ السلام کے دروازے تک پہنچ جائیں گے تب حساب وکتاب شروع ہوگا۔ وہ بھی حضور کی شفاعت سے معلوم ہوا کہ رب کو یہ منظور ہے کہ سارا عالم حضور

علیہ السلام کا ہی محتاج رہے یہاں بھی قبر میں بھی اور حشر میں بھی۔ اسی لیے فرمایا وَابْتَغُوْا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ تم رب کی طرف وسیلہ تلاش کرو۔ یعنی ہر جگہ وسیلہ مصطفےٰ علیہ السلام کی ضرورت ہے۔

اگر یہاں وسیلہ سے مراد نیک اعمال ہی کا وسیلہ مراد ہو تو ہم جیسے گنہگار بد عمل اور مسلمانوں کے لیے دیوانے اور وہ جو ایمان لاتے ہی مرجاویں وہ سب بے وسیلہ ہی رہ جاویں۔ نیز نیک اعمال بھی تو حضور ہی کے طفیل سے حاصل ہوں گے۔ پھر بھی بالواسطہ حضور ہی کا وسیلہ ضروری ہوا۔ یہی کہ دنیا کے کفار بھی قائل تھے۔ وَکَانُوْا یَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَی الَّذِیْنَ کَفَرُوْا کعبہ معظمہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وسیلہ سے بتوں سے پاک ہوا اور حضور ہی کے وسیلہ سے قبلہ بنا فَلَنُوَلِّیَنَّکَ قِبْلَۃً تَرْضٰھَا۔ بلکہ حضور ہی کے وسیلہ سے قرآن قرآن کہلایا۔ اور قرآن کی آیات حضور کے مکی مدنی ہونے سے مکی مدنی ہیں ورنہ وہ تو عرشی ہیں شیطان بلاواسطہ انبیاء رب تک پہنچنا چاہتا ہے تو شہاب سے مار دیا جاتا ہے۔ اگر مدینہ کے راستہ سے جاتا تو ہرگز نہ مارا جاتا۔ یہی نتیجہ ان کا بھی ہوگا جو کہتے ہیں خدا کو مان خدا کے سوا کسی کو نہ مان۔

ہماری اس تقریر سے اتنا معلوم ہوا کہ انبیاء و اولیاء سے مدد مانگنا یا ان کو حاجت روا جاننا نہ شرک ہے اور نہ خدا کی بغاوت بلکہ عین قانون اسلامی اور منشاء الٰہی کے بالکل مطابق ہے جناب معراج میں نماز اولاً پچاس وقت کی فرض فرمائی۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عرض پر کم کرتے کرتے پانچ رکھیں آخر یہ کیوں؟ اسی لیے کہ مخلوق جانے کہ نماز پچاس کی پانچ رہیں۔ اس میں موسیٰ علیہ السلام کی مدد شامل ہے۔ یعنی اللہ کے مقبول بعد وفات بھی مدد فرماتے ہیں۔ رہا مشرکین کا اپنے بتوں سے مدد مانگنا یہ بالکل شرک ہے دو وجہ سے۔ اولاً تو اس لیے کہ وہ ان بتوں میں خدائی اثر اور ان کو جھوٹا خدا مان کر مدد مانگتے ہیں۔ اس لیے ان کو الٰہ یا شرکار کہتے ہیں یعنی ان بتوں کو اللہ کا بندہ اور پھر الوہیت کا حصہ دار مانتے ہیں جیسے عیسےٰ علیہ السلام کو عیسائی اللہ کا بندہ ہونے کے ساتھ ابن اللہ یا ثالث ثلثہ یا عین اللہ مانتے ہیں مومن ان اولیاء و انبیاء کو محض بندہ ہی مان کر ان کو اس طرح کا حاجت روا مانتے ہیں۔ جیسے اہل دیوبند مالداروں کو مدرسہ کا معاون و مددگار یا طبیب و حاکم کو مختار حکومت تسلیم کرتے ہیں۔ دوسرے اس لیے کہ بتوں کو رب تعالےٰ نے یہ اختیارات نہ دیئے وہ اپنی طرف سے ان کو اپنا مختار مان کر ان سے مدد وغیرہ طلب کرتے ہیں لہٰذا وہ مجرم بھی ہیں اور اللہ کے باغی بندے بھی۔ جس کی بہترین مثال ابھی ہم دے چکے ہیں اس فرق کو شاہ عبدالعزیز صاحب نے ملحوظ رکھ کر فیصلہ فرمایا ہے بلا تشبیہ ایک بت پرست پتھر کی طرف سجدہ کرتا ہے مشرک ہے کہ اس کا

فعل اپنی ایجاد سے ہے اور مسلمان کعبہ کی طرف سجدہ کرتا ہے وہاں بھی پتھر ہی کی عمارت ہے مگر مشرک نہیں کیونکہ اس کا سجدہ حقیقت میں خدا کو ہے نہ کہ کعبہ کو اور حکم الٰہی سے ہے مشرک کا سجدہ خلاف حکم الٰہی پتھر کو ہے یہ فرق ضروری ہے۔ گنگا کے پانی کی تعظیم کرنا کفر ہے مگر آب زمزم کی تعظیم ایمان، مندر کے پتھر کی تعظیم شرک ہے مگر مقام ابراہیم کی تعظیم ایمان حالانکہ وہ بھی پتھر ہی ہے۔

دوسرا باب

استمداد اولیاء اللہ پر اعتراضات کے بیان میں

اس مسئلہ پر مخالفین کے چند مشہور اعتراضات ہیں وہ ہی ہر جگہ بیان کرتے ہیں۔

اعتراض (۱) مشکوٰۃ باب الانذار والتحذیر میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا سے فرمایا۔

لَا اُغْنِیْ عَنْكِ مِنَ اللّٰهِ شَیْئًا | میں تمہاری مدد نہیں کر سکتا۔

جب آپ سے فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی مدد نہ ہو سکی تو دوسروں کی کیا ہو گی؟

جواب: یہ اول تبلیغ کا واقعہ ہے مقصد یہ ہے کہ اے فاطمہ رضی اللہ عنہا اگر تم نے ایمان قبول نہ کیا تو میں خدا کے مقابل ہو کر تم سے عذاب دور نہیں کر سکتا۔ دیکھو پسر نوح یہاں اسی لیے من اللہ فرمایا مسلمانوں کی حضور ہر جگہ امداد فرمائیں گے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَلْاَخِلَّآءُ یَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِیْنَ پرہیزگاروں کے سوا سارے دوست قیامت میں ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام گناہ کبیرہ والوں کی بھی شفاعت فرمائیں گے گرتوں کو سنبھالیں گے۔ شامی باب غسل المیت میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ قیامت میں سارے رشتے ٹوٹ جائیں گے سوا میرے نسب اور رشتہ کے۔ واقعی دیوبندیوں کی حضور مدد نہ فرمائیں گے ہم چونکہ بحمدہ تعالیٰ مسلمان ہیں ہماری مدد ضرور فرمائیں گے۔

اعتراض (۲) اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ ○ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں معلوم ہوا کہ عبادت کی طرح مدد مانگنا بھی خدا سے ہی خاص ہے جب غیر خدا کی عبادت شرک۔ تو غیر خدا کی استمداد بھی شرک۔

جواب: اس جگہ مدد سے مراد حقیقی مدد ہے یعنی حقیقی کارساز سمجھ کر تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں۔ رہا اللہ کے بندوں سے مدد مانگنا وہ محض واسطۂ فیض الٰہی سمجھ کر ہے جیسے کہ قرآن میں ہے اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ

نہیں ہے حکم مگر اللہ کا۔ یا فرمایا گیا لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ اللہ ہی کی ہیں تمام آسمان و زمین کی چیزیں۔ پھر ہم حکام کو حکم بھی مانتے ہیں اور اپنی چیزوں پر دعویٰ ملکیت بھی کرتے ہیں۔ یعنی آیت سے مراد ہے حقیقی حکم اور حقیقی ملکیت، مگر بندوں کے لیئے یہ عطاء الٰہی۔

نیز یہ بتاؤ کہ عبادت اور مدد مانگنے میں تعلق کیا ہے؟ کہ اس آیت میں ان دونوں کو جمع کیا گیا۔ تعلق یہ ہی ہے کہ حقیقی معاون سمجھ کر مدد مانگنا یہ بھی عبادت ہی کی ایک شاخ ہے۔ بت پرست بتوں کی پرستش کرتے وقت مدد کے الفاظ بھی کہا کرتے ہیں کہ "کالی ماتی تیری دہائی" وغیرہ اس لیئے ان دونوں کو جمع کیا گیا۔ اگر آیت کا مطلب یہ ہے کہ کسی غیر خدا سے کسی قسم کی مدد مانگنا بھی شرک ہے تو دنیا میں کوئی مسلمان نہیں رہ سکتا۔ نہ تو صحابہ کرام اور نہ قرآن کے ماننے والے اور نہ خود مخالفین۔ ہم اس کا ثبوت اچھی طرح پہلے دے چکے ہیں۔ اب بھی مدرسہ کے چندہ کے لیئے مالداروں سے مدد طلب کی جاتی ہے۔ انسان اپنی پیدائش سے لے کر دفن قبر بلکہ قیامت تک بندوں کی مدد کا محتاج ہے۔ دائی کی مدد سے پیدا ہوئے ماں باپ کی مدد سے پرورش پائی۔ استاد کی مدد سے علم سیکھا۔ مالداروں کی مدد سے زندگی گزاری اہل قرابت کی تلقین کی مدد سے دنیا سے ایمان سلامت لے گئے۔ پھر غسال اور درزی کی مدد سے غسل ملا اور کفن پہنا۔ گورکن کی مدد سے قبر کھُدی۔ مسلمانوں کی مدد سے زیر خاک دفن ہوئے پھر اہل قرابت کی مدد سے بعد میں ایصال ثواب ہوا۔ پھر ہم کس منہ سے کہہ سکتے ہیں کہ ہم کسی سے مدد نہیں مانگتے اس آیت میں کوئی قید نہیں ہے کہ کس سے مدد اور کس وقت۔

اعتراض (۳) رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ معلوم ہوا کہ رب کے سوا نہ کوئی ولی ہے نہ مددگار۔

جواب: یہاں ولی اللہ کی نفی نہیں۔ بلکہ ولی من دون اللہ کی نفی ہے جنہیں کفار نے اپنا ناصر و مددگار مان رکھا تھا یعنی بت و شیاطین، ولی اللہ وہ جسے رب نے اپنے بندوں کا ناصر بنایا۔ جیسے انبیاء و اولیاء۔ وائسرائے لندن سے حکومت کرنے کے لیئے منتخب ہو کر آتا ہے۔ اگر کوئی شخص کسی کو خود ساختہ حاکم مان لے وہ مجرم ہے۔ سلطانی حکام کو مانو، خود ساختہ حاکموں سے بچو۔ ایسے ہی ربانی حکام سے مدد لو مگر بلو ناصرین سے بچو۔ موسیٰ علیہ السلام کو رب تعالیٰ نے حکم دیا کہ۔

اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى	فرعون کے پاس جاؤ وہ سرکش ہو گیا۔

آپ نے عرض کیا وَاجْعَلْ لِّیْ وَزِیْرًا مِّنْ اَهْلِیْ هٰرُوْنَ اَخِی اشْدُدْ بِهٖ اَزْرِیْ۔	مولیٰ حضرت ہارون کو میرا وزیر بنادے جس سے میرے بازو کو قوت ہو۔

رب تعالیٰ نے بھی نہ فرمایا کہ تم نے میرے سوا کسی اور کا سہارا کیوں لیا؟ بلکہ منظور فرمایا معلوم ہوا کہ اللہ والوں کا سہارا لینا طریقہ انبیاء ہے۔

اعتراض (۴) درمختار باب المرتدین بحث کرامات اولیاء میں ہے کہ قول شَیْئًا لِلّٰهِ قِیْلَ یَکْفُرُ معلوم ہوا کہ یا عَبْدَ الْقَادِرِ جِیْلَانِیْ شَیْئًا لِلّٰهِ کہنا کفر ہے۔

جواب: یہاں شیئاً للہ کے یہ معنیٰ ہیں کہ خدا کی حاجت روائی کے لیئے کچھ دو۔ رب تمہارا محتاج ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ یتیم کے لیئے کچھ دو۔ یہ معنی واقعی کفر ہیں۔ اس کی شرح میں شامی نے فرمایا۔ اَمَّا اِنْ قَصَدَ الْمَعْنَی الصَّحِیْحَ فَالظَّاهِرُ اَنَّهٗ لَا بَاْسَ بِهٖ یعنی اگر اس سے صحیح معنیٰ کی نیت کی کہ اللہ کے لیئے مجھے کچھ دو یہ جائز ہے اور ہمارے نزدیک شیئاً للہ کا یہی مطلب ہے۔

اعتراض (۵) وہ کیا ہے جو نہیں ملتا خدا سے ٭ جسے تم مانگتے ہو اولیاء سے ؟

جواب۔ وہ چندہ ہے جو نہیں ملتا خدا سے ٭ جسے تم مانگتے ہو اغنیاء سے
توسل کر نہیں سکتے خدا سے ٭ اسے ہم مانگتے ہیں اولیاء سے

اعتراض (۶) خدا کے بندے ہو کر غیر کے پاس کیوں جائیں؟ ہم اس کے بندے ہیں چاہیئے کہ اسی سے حاجتیں مانگیں (تقویۃ الایمان)

جواب: ہم خدا کے بندے خدا کے حکم سے خدا کے بندوں کے پاس جاتے ہیں۔ قرآن بھیج رہا ہے دیکھو گذشتہ تقریر۔ اور خدا نے ان بندوں کو اسی لیئے دنیا میں بھیجا ہے ؎

حاکم حکیم داد و دوا دیں یہ کچھ نہ دیں ٭ مردود یہ مراد کس آیت خبر کی ہے!

اعتراض (۷) قرآن کریم نے کفار کا کفر یہ بھی بیان کیا ہے کہ وہ بتوں سے مدد مانگتے ہیں۔ وہ بتوں سے مدد مانگ کر مشرک ہوئے اور تم اولیاء سے۔

جواب: اور تم بھی مشرک ہوئے اغنیاء، پولیس اور حاکم سے مدد مانگ کر۔ یہ فرق ہم اپنی عقلی تقریر میں بیان کر چکے ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَمَنْ یَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِیْرًا۔	جس پر خدا کی لعنت ہوتی ہے اسکا مددگار کوئی نہیں ہوتا

مومن پر خدا تعالیٰ کی رحمت ہے اس کے لیئے رب تعالیٰ نے بہت مددگار بنائے۔

اعتراض (۸) شرح فقہ اکبر میں ملا علی قاری نے لکھا ہے کہ حضرت خلیل نے آگ میں پہنچ کر حضرت جبریل کے پوچھنے پر بھی ان سے مدد نہ مانگی۔ بلکہ فرمایا کہ اے جبریل تم سے کوئی حاجت نہیں اگر غیر خدا سے حاجت مانگنا جائز ہوتا تو ایسی شدت میں خلیل اللہ جبریل سے کیوں مدد نہ طلب کرتے۔

جواب: یہ وقت امتحان تھا، اندیشہ تھا کہ حرفِ شکایت منہ سے نکالنا رب کو ناپسند ہوگا۔ اسی لیئے خلیل اللہ نے اُس وقت خدا سے بھی دعا نہ کی بلکہ فرمایا کہ اے جبریل تم سے کچھ حاجت نہیں اور جس سے ہے وہ خود جانتا ہے جیسے کہ حضور علیہ السلام نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کی خبر دی۔ مگر اس مصیبت کے دفع ہونے کی کسی نے بھی دعا نہ کی نہ مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نہ حضرت مرتضےٰ نے نہ حضرت فاطمہ زہراؓ نے رضی اللہ تعالےٰ عنہما۔

اعتراض (۹) زندوں سے مدد مانگنا جائز ہے مگر مردوں سے نہیں۔ کیونکہ زندہ میں مدد کی طاقت ہے مردہ میں نہیں۔ لہٰذا یہ شرک ہے۔

جواب: قرآن میں ہے وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ ہم تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں۔ اس میں زندہ اور مُردے کا فرق کہاں ہے۔ کیا زندہ کی عبادت جائز ہے مردے کی نہیں؟ جس طرح غیر خدا کی عبادت مطلقاً شرک ہے زندہ کی ہو یا مردے کی استمداد بھی مطلقاً شرک ہونی چاہیئے۔

موسیٰ علیہ السلام نے اپنی وفات کے ڈھائی ہزار برس بعد امتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ مدد فرمائی کہ شب معراج میں پچاس نمازوں کی بجائے پانچ کرادیں۔ رب تعالیٰ جانتا تھا کہ نمازیں پانچ رہیں گی مگر بزرگانِ دین کی مدد کے لیئے پچاس مقرر فرما کر پھر دو پیاروں کی دعا سے پانچ مقرر فرمائیں۔ استمداد کے منکرین کو چاہیئے کہ نمازیں پچاس پڑھا کریں۔ کیونکہ پانچ میں غیر اللہ کی مدد شامل ہے۔

نیز قرآن کریم تو فرماتا ہے کہ اولیاء اللہ زندہ ہیں اُن کو مُردہ نہ کہو اور نہ جانو۔

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْیَآءٌ وَّلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ؕ	جو اللہ کی راہ میں قتل کیئے گئے ان کو مردہ نہ کہو بلکہ وہ تو زندہ ہیں لیکن تم احساس نہیں کرتے۔

جب یہ زندہ ہوئے تو اُن سے مدد حاصل کرنا جائز ہوا بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ تو شہداء کے بارے میں ہے جو کہ تلوار سے راہ خدا میں مارے جاویں گے مگر یہ بلا وجہ کی زیادتی ہے اس لیئے کہ آیت میں لوہے کی تلوار کا

ذکر نہیں ہے جو حضرات عشق الٰہی کی تلوار سے مقتول ہوئے وہ بھی اس میں داخل ہیں (روح البیان) اسی لئے حدیث پاک میں آیا کہ جو ڈوب کر مرے، جل جاوے، طاعون میں مرے، عورت زچگی کی حالت میں مرے۔ طالب علم مسافر وغیرہ وغیرہ سب شہید ہیں۔ نیز اگر صرف تلوار سے مقتول تو زندہ ہوں، باقی سب مردے، تو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو معاذ اللہ مردہ ماننا لازم آوے گا۔ حالانکہ سب کا متفقہ عقیدہ ہے کہ حضرات بحیات کامل زندہ ہیں۔ نیز زندہ اور مردے سے مدد مانگنے کی تحقیق بہ ہم ثبوت استمداد میں کر چکے ہیں کہ امام غزالی فرماتے ہیں کہ جس سے زندگی میں مدد لی جاسکتی ہے بعد موت بھی اس سے مدد مانگی جاوے اور اس کی کچھ تحقیق بوسہ تبرکات اور سفر زیارت قبور میں بھی ہوگی۔ انشاء اللہ تعالیٰ

تفسیر صاوی آخر سورۂ قصص وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ کی تفسیر میں ہے۔

فَحِيْنَئِذٍ فَلَيْسَ فِي الْاٰيَةِ دَلِيْلٌ عَلٰى مَا زَعَمَهُ الْخَوَارِجُ مِنْ اَنَّ الطَّلَبَ مِنَ الْغَيْرِ حَيًّا وَّمَيِّتًا شِرْكٌ فَاِنَّهٗ جَهْلٌ مُّرَكَّبٌ لِاَنَّ سُؤَالَ الْغَيْرِ مِنْ اِجْرَاءِ اللّٰهِ النَّفْعَ اَوِ الضُّرَّ عَلٰى يَدِهٖ قَدْ يَكُوْنُ وَاجِبًا لِاَنَّهٗ مِنَ التَّمَسُّكِ بِالْاَسْبَابِ وَلَا يُنْكِرُ الْاَسْبَابَ اِلَّا جُحُوْدًا اَوْ جُهُوْلًا۔

یعنی یہاں لاتدع کے معنی ہیں نہ پوجو لہٰذا اس آیت میں ان خارجیوں کی دلیل نہیں جو کہتے ہیں کہ غیر خدا سے خواہ زندہ ہو یا مردہ کچھ مانگنا شرک ہے۔ خارجیوں کی یہ بکواس جہالت ہے کیونکہ غیر خدا سے مانگنا اس طرح کہ رب ان کے ذریعہ سے نفع نقصان دے کبھی واجب ہوتا ہے کہ یہ طلب اسباب کا حاصل کرنا ہے اور اسباب کا انکار نہ کرے گا مگر منکر یا جاہل۔

اس عبارت سے تین باتیں معلوم ہوئیں ۱ غیر خدا سے مانگنا صرف جائز ہی نہیں بلکہ واجب بھی ہوتا ہے ۲ اس طلب کا انکار خارجی کرتے ہیں ۳ لاتدع میں پوجنے کی نفی ہے نہ کہ پکارنے یا مدد مانگنے کی۔

اعتراض (۲) بزرگان دین کو دیکھا گیا ہے کہ بڑھاپے میں چل پھر نہیں سکتے اور بعد وفات بالکل بے دست و پا ہیں پھر ایسے کمزوروں سے مدد لینا بتوں سے مدد لینے کی طرح لغو ہے۔ اس کی برائی رب تعالیٰ نے بیان کی کہ وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ یہ اولیاء اپنی قبر (۱) سے مکھی بھی دفع نہیں کر سکتے۔ ہمارے کیا مدد کریں گے؟

جواب: یہ تمام کمزوریاں اس جسم خاکی پر اس لیے طاری ہوتی ہیں کہ اس کا تعلق روح سے کمزور ہو گیا روح میں کوئی کمزوری نہیں، بلکہ بعد موت اور زیادہ قوی ہو جاتی ہے کہ قبر کے اندر سے باہر والوں کو دیکھتی

اور قدموں کی آواز سنتی ہے۔ خصوصاً ارواحِ انبیاء۔ رب تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ وَلَلْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰی ہر پچھلی گھڑی گذشتہ گھڑی سے آپ کے لئے بہتر ہے اور استمداد ولی کی روح سے ہے۔ نہ جسم عنصری سے کفار جن سے مدد مانگتے ہیں وہ روحانی طاقت سے خالی ہیں نیز وہ پتھروں کو اپنا مددگار جانتے ہیں جن میں روح بالکل نہیں۔

تفسیر روح البیان پارہ ۱ آیت یُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّ یُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا کی تفسیر میں ہے کہ حضرت خالد و عمر نے زہر پیا رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ حضور علیہ السلام نے خیبر میں زہر کھایا۔ مگر بوقت وفات اثر ظاہر ہوا کہ انہوں نے مقامِ حقیقت میں رہ کر زہر پیا تھا۔ اور زہر کا اثر حقیقت پر نہیں ہوتا۔ بوقت وفات بشریت کا ظہور تھا کہ موت بشریت پر طاری ہوتی ہے۔ لہٰذا اب اثر ظاہر ہوا۔ ان حضرات کو قبر کی مکھی تو کیا عالم کو پلٹ دینے کی طاقت ہے۔ مگر اس جانب توجہ نہیں۔ خانہ کعبہ میں تین سو برس بت رہے رب نے دور نہ کیے تو کیا خدا اکبر در ہے اپنے گھر سے نجاست دور نہ کر سکا؟ رب سمجھ دے۔

اعتراض (۱۱) حضرت علی اور امام حسین میں اگر کچھ طاقت ہوتی۔ تو خود دشمنوں سے کیوں شہید ہوتے جب وہ اپنی مصیبت دفع نہ کر سکے۔ تو تمہاری مصیبت کیا دفع کریں گے؟ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَاِنْ یَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَیْئًا لَّا یَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ۔

جواب: ان میں دفع مصیبت کی طاقت تو تھی۔ مگر طاقت کا استعمال نہ کیا۔ کیونکہ رب تعالےٰ کی مرضی ایسی ہی تھی۔ موسےٰ علیہ السلام کا عصاء فرعون کو بھی کھا سکتا تھا۔ مگر وہاں استعمال نہ کیا امام حسین رضی اللہ عنہ میں طاقت تھی کہ کربلا میں حوض کوثر منگا لیتے فرات کی کیا حقیقت تھی مگر راضی برضاء الٰہی تھے۔ دیکھو رمضان میں پانی ہمارے پاس ہوتا ہے۔ مگر حکم الٰہی کی وجہ سے استعمال نہیں کرتے بخلاف بتوں کے کہ ان میں طاقت ہی نہیں۔ لہٰذا یہ آیت انبیاء و اولیاء کے لئے پڑھنا بے دینی ہے یہ بتوں کے لئے ہے۔ حضرت حسین کے نانا نے بار بار اپنی انگلیوں سے پانی کے چشمے بہا دئے یہ پانی جنت سے آتا تھا۔

بحث بدعت کے معنیٰ اور اس کے اقسام و احکام

اس میں دو باب ہیں۔ پہلا باب بدعت کے معنے اور اس کے اقسام و احکام میں۔ دوسرا باب اس پر اعتراضات و جوابات میں۔

پہلا باب

بدعت کے معنیٰ اور اس کے اقسام و احکام میں

بدعت کے لغوی معنی ہیں نئی چیز۔ قرآن کریم فرماتا ہے:۔

قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ فرمادو کہ میں نیا رسول نہیں ہوں۔

نیز فرماتا ہے بَدِيعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ آسمانوں اور زمینوں کا ایجاد کرنے والا ہے۔

نیز فرماتا ہے وَرَهْبَانِيَّةَ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ۔

ان آیات میں بدعت لغوی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ یعنی ایجاد کرنا، نیا بنانا وغیرہ۔ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ میں ہے قَالَ النَّوَوِيُّ اَلْبِدْعَةُ كُلُّ شَيْءٍ عُمِلَ عَلٰى غَيْرِ مِثَالٍ سَبَقَ بدعت وہ کام ہے جو بغیر گذری مثال کے کیا جاوے۔

اب بدعت تین معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے۔ نیا کام جو حضور انور کے بعد ایجاد ہوا۔ خلاف سنت کام جو دافع سنت ہو۔ بُرے عقائد جو بعد میں پیدا ہوئے پہلے معنیٰ سے بدعت دو قسم کی ہے حسنہ، سیئہ دوسرے دو معنی سے ہر بدعت سیئہ ہی ہے جن بزرگوں نے فرمایا کہ ہر بدعت سیئہ ہوتی ہے وہاں دوسرے معنی مراد ہیں وہ جو حدیث میں ہے کہ ہر بدعت گمراہی ہے وہاں تیسرے معنی مراد ہیں لہذا احادیث واقوال علماء آپس میں متعارض نہیں۔

بدعت کے شرعی معنیٰ ہیں وہ اعتقاد یا وہ اعمال جو کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ حیات ظاہری میں نہ ہوں بعد میں ایجاد ہوئے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ بدعت شرعی دو طرح کی ہوئی۔ بدعت اعتقادی اور بدعت عملی۔ بدعت اعتقادی ان بُرے عقائد کو کہتے ہیں جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد اسلام میں ایجاد ہوئے، عیسائی یہودی، مجوسی اور مشرکین کے عقائد بدعت اعتقادی نہیں۔ کیونکہ یہ حضور علیہ السلام کے زمانہ پاک میں موجود تھے۔ نیز ان عقائد کو عیسائی وغیرہ بھی اسلامی عقائد نہیں کہتے اور جبریہ، قدریہ، مرجیہ، چکڑالوی، غیر مقلد، دیوبندی عقائد بدعت اعتقادیہ ہیں۔ کیونکہ یہ سب بعد کو بنے۔ اور یہ لوگ اُن کو اسلامی عقائد سمجھتے ہیں۔ مثلاً دیوبندی کہتے ہیں کہ خدا جھوٹ پر قادر ہے۔ حضور علیہ السلام غیب سے جاہل یا حضور علیہ السلام کا خیال نماز میں بیل گدھے کے خیال سے بدتر ہے۔ یہ ناپاک عقیدے بارھویں صدی کی پیداوار ہیں۔ جیسا کہ ہم شامی سے اس کا ثبوت

مقدمہ کتاب میں دے چکے ہیں۔ بدعت حسنہ کے ثبوت ملاحظہ ہوں۔

رب تعالیٰ فرماتا ہے وَجَعَلْنَا فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّرَحْمَةً وَّرَهْبَانِيَّةَ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ پھر فرماتا ہے فَاٰتَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ اس آیت سے معلوم ہوا کہ عیسائیوں نے بدعت حسنہ یعنی تارک الدنیا ہو جانا ایجاد کیا رب نے اس کی تعریف کی بلکہ اس پر اجر بھی دیا۔ ہاں جو اسے نبھا نہ سکے ان پر عتاب آیا۔ فرمایا گیا۔ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا دیکھو ایجاد بدعت پر عتاب نہیں ہوا بلکہ نہ نبھانے پر۔ معلوم ہوا کہ بدعت حسنہ اچھی چیز ہے اور باعث ثواب۔ مگر اس پر پابندی نہ کرنا برا۔ خَيْرُ الْاُمُوْرِ اَدْوَمُهَا لہٰذا چاہیئے کہ مسلمان محفل میلاد شریف وغیرہ پر پابندی کریں۔ مشکوٰۃ باب الاعتصام کی پہلی حدیث ہے کہ مَنْ اَحْدَثَ فِيْ اَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ جو شخص ہمارے اس دین میں وہ عقیدے ایجاد کرے جو دین کے خلاف ہوں وہ مردود ہے۔ ہم نے مَا کے معنی عقیدے اس لیئے کیئے کہ دین عقائد ہی کا نام ہے اعمال فروع ہیں بے نمازی گنہگار ہے بے دین یا کافر نہیں۔ بد اعتقاد یا تو گمراہ ہے یا کافر۔ اس کے ماتحت مرقات میں ہے۔

وَالْمَعْنٰى اَنَّ مَنْ اَحْدَثَ فِي الْاِسْلَامِ رَاْيًا فَهُوَ مَرْدُوْدٌ عَلَيْهِ اَقُوْلُ فِيْ وَصْفِ هٰذَا الْاَمْرِ اِشَارَةٌ اِلٰى اَنَّ اَمْرَ الْاِسْلَامِ كَمَلَ۔

معنی یہ ہیں کہ جو اسلام میں ایسا عقیدہ نکالے کہ دین سے نہیں ہے وہ اس پر رد ہے میں کہتا ہوں کہ ہذا الامر کے وصف میں اس طرف اشارہ ہے کہ اسلام کا معاملہ مکمل ہو چکا

ثابت ہوا کہ بدعت عقیدے کو فرمایا گیا۔ اسی مشکوٰۃ باب الایمان بالقدر میں ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی نے کہا کہ فلاں شخص نے آپ کو سلام کہا ہے تو فرمایا بَلَغَنِيْ اَنَّهٗ قَدْ اَحْدَثَ فَاِنْ كَانَ اَحْدَثَ فَلَا تُقْرِئْهُ مِنِّي السَّلَامَ مجھے خبر ملی ہے کہ وہ بدعتی ہو گیا ہے اگر ایسا ہو تو اس کو میرا سلام نہ کہنا۔ بدعتی کیسے ہوا؟ فرماتے ہیں:۔

يَقُوْلُ يَكُوْنُ فِيْ اُمَّتِيْ خَسْفٌ وَّمَسْخٌ اَوْ قَذْفٌ فِيْ اَهْلِ الْقَدْرِ۔

حضور علیہ السلام فرماتے تھے کہ میری امت میں زمین میں دھنسنا صورت بدلنا یا پتھر برسنا ہوگا قدریہ لوگوں میں۔

معلوم ہوا کہ وہ قدریہ یعنی تقدیر کا منکر ہو گیا تھا۔ اس کو بدعتی فرمایا۔ درمختار کتاب الصلوٰۃ باب الامت میں ہے وَمُبْتَدِعٍ اَيْ صَاحِبِ بِدْعَةٍ وَهِيَ اِعْتِقَادُ خِلَافِ الْمَعْرُوْفِ

بدعتی امام کے پیچھے نماز مکروہ ہے بدعت اس عقیدے کے خلاف اعتقاد رکھنا ہے جو حضور علیہ السلام سے

عَنِ الرَّسُوْلِ ۔ معروف ہیں ۔

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ بدعت سئیے اور بُرے عقائد کو بھی کہتے ہیں اور بدعت اور بدعتی پر جو سخت وعیدیں احادیث میں آئی ہیں ان سے مراد بدعت اعتقادیہ ہے حدیث میں ہے کہ جس نے بدعتی کی تعظیم کی اُس نے اسلام کے ڈھانے پر مدد دی ۔ یعنی بدعت اعتقادیہ والے کی ۔ فتاویٰ رشیدیہ جلد اوّل کتاب البدعات صفحہ ۹۰ میں ہے "جس بدعت میں ایسی شدید وعید ہے وہ بدعت فی العقائد ہے ۔ جیسا کہ روافض خوارج کی بدعت ہے ۔

بدعت عملی ہر وہ کام ہے جو حضور علیہ السلام کے زمانہ پاک کے بعد ایجاد ہوا خواہ وہ دنیاوی ہو یا دینی خواہ صحابہ کرام کے زمانہ میں ہو یا اس کے بھی بعد ۔ مرقات باب الاعتصام میں ہے ۔

وَفِي الشَّرْعِ اِحْدَاثُ مَالَمْ يَكُنْ فِيْ عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ ۔ | بدعت شریعت میں اس کام کا ایجاد کرنا ہے جو کہ حضور علیہ السّلام کے زمانہ میں نہ ہو ۔

اشعۃ اللمعات یہی باب "بدانکہ ہر چیز پیدا شدہ بعد از پیغمبر علیہ السلام بدعت است" جو کام حضور علیہ السلام کے بعد پیدا ہو وہ بدعت ہے ۔

ان دونوں عبارتوں میں نہ تو دینی کام کی قید ہے نہ زمانہ صحابہ کا لحاظ جو کام بھی ہو دینی ہو یا دنیاوی حضور علیہ السلام کے بعد جب بھی ہو خواہ زمانہ صحابہ میں یا اس کے بعد وہ بدعت ہے ہاں عرف عام میں ایجادات صحابہ کرام کو سنّت صحابہ کہتے ہیں بدعت نہیں بولتے یہ عرف ہے ورنہ خود فاروق اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے تراویح کی باقاعدہ جماعت مقرر فرما کر فرمایا نِعْمَتِ الْبِدْعَةُ هٰذِهٖ یہ تو بہت ہی اچھی بدعت ہے ۔

بدعت عملی دو قسم کی ہے ۔ بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ ۔ بدعت حسنہ وہ نیا کام جو کہ کسی سنّت کے خلاف نہ ہو جیسے محفل میلاد اور دینی مدارس اور نئے نئے عمدہ کھانے اور پریس میں قرآن و دینی کتب کا چھپوانا اور بدعت سیئہ وہ جو کہ کسی سنّت کے خلاف ہو یا سنّت کو مٹانے والی ہو ۔ جیسے کہ غیر عربی میں خطبہ جمعہ وعیدین پڑھنا یا کہ لاؤڈ سپیکر پر نماز پڑھنا پڑھانا کہ اس میں سنّت خطبہ یعنی عربی میں نہ ہونا اور تبلیغ تکبیر کی سنّت اُٹھ جاتی ہے ۔ یعنی بذریعہ مکبرین کے آواز پہنچانا بدعت حسنہ جائز بلکہ بعض وقت مستحب اور واجب بھی ہے اور بدعت سیئہ مکروہ تنزیہی یا مکروہ تحریمی یا حرام ہے ۔ اس تقسیم کو ہم آئندہ بیان کریں گے ۔

بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ کی دلیل سنو۔ اشعۃ اللمعات جلد اوّل باب الاعتصام زیر حدیث وکُلُّ بِدْعَۃٍ ضَلَالَۃٌ ہے۔ وآنچہ موافق اصول وقواعد سنّت اوست وقیاس کردہ شدہ است آں را بدعت حسنہ گویند وآنچہ مخالف آں باشد باعث ضلالت گویند۔ جو بدعت کہ اصول اور قوانین اور سنّت کے موافق ہے اور اس سے قیاس کی ہوئی ہے۔ اس کو بدعت حسنہ کہتے ہیں اور جو اس کے خلاف ہے اس کو بدعت گمراہی کہتے ہیں۔

مشکوٰۃ باب العلم میں ہے۔ مَنْ سَنَّ فِی الْاِسْلَامِ سُنَّۃً حَسَنَۃً فَلَہٗ اَجْرُھَا وَاَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِھَا مِنْ بَعْدِہٖ مِنْ غَیْرِ اَنْ یَّنْقُصَ مِنْ اُجُوْرِھِمْ شَیْءٌ وَمَنْ سَنَّ فِی الْاِسْلَامِ سُنَّۃً سَیِّئَۃً فَعَلَیْہِ وِزْرُھَا وَوِزْرُ مَنْ عَمِلَ بِھَا مِنْ غَیْرِ اَنْ یَّنْقُصَ مِنْ اَوْزَارِھِمْ شَیْءٌ۔

جو کوئی اسلام میں اچھا طریقہ جاری کرے اس کو اُس کا ثواب ملے گا۔ اور اُس کا بھی جو اس پر عمل کریں گے اور ان کے ثواب سے کچھ کم نہ ہوگا اور جو شخص اسلام میں بُرا طریقہ جاری کرے اس پر اس کا گناہ بھی ہے اور اُن کا بھی جو اس پر عمل کریں اور اُن کے گناہ میں بھی کچھ کمی نہ ہوگی معلوم ہوا کہ اسلام میں کار خیر ایجاد کرنا ثواب کا باعث ہے اور بُرے کام نکالنا گناہ کا موجب۔

شامی کے مقدمہ میں فضائل امام ابوحنیفہ بیان فرماتے ہوئے کہتے ہیں۔

قَالَ الْعُلَمَاءُ ھٰذِہٖ اَحَادِیْثُ مِنْ قَوَاعِدِ الْاِسْلَامِ وَھُوَ اَنَّ کُلَّ مَنِ ابْتَدَعَ شَیْئًا مِّنَ الشَّرِّ کَانَ عَلَیْہِ مِثْلُ وِزْرِ مَنِ اقْتَدٰی بِہٖ فِیْ ذٰلِکَ وَکُلُّ مَنِ ابْتَدَعَ شَیْئًا مِّنَ الْخَیْرِ کَانَ لَہٗ مِثْلُ اَجْرِ کُلِّ مَنْ یَّعْمَلُ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ۔

علماء فرماتے ہیں کہ یہ حدیثیں اسلام کے قانون ہیں کہ جو شخص کوئی بُری بدعت ایجاد کرے اس پر اس کام میں ساری پیروی کرنیوالوں کا گناہ ہے اور جو شخص اچھی بدعت نکالے اسکو قیامت تک کے سارے پیروی کرنے والوں کا ثواب ہے۔

اس سے بھی معلوم ہوا کہ اچھی بدعت ثواب ہے۔ اور بُری بدعت گناہ۔

بُری بدعت وہ ہے جو سنّت کے خلاف ہو۔ اسکی بھی دلیل ملاحظہ ہو۔ مشکوٰۃ باب الاعتصام میں ہے۔

مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا ھٰذَا مَا لَیْسَ مِنْہُ فَھُوَ رَدٌّ۔

جو شخص ہمارے اس دین میں کوئی ایسی رائے نکالے جو کہ دین سے نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔

دین سے نہیں ہے کے معنی یہ ہیں کہ دین کے خلاف ہے ۔چنانچہ اشعۃ اللمعات میں اسی حدیث کی شرح میں ہے " ومراد چیزے است کہ مخالف ومغیر آن باشد" اس سے مراد وہ چیز ہے جو کہ دین کے خلاف یا دین کو بدلنے والی ہو ۔ اسی مشکوٰۃ باب الاعتصام تیسری فصل میں ہے ۔

مَا اَحْدَثَ قَوْمٌ بِدْعَةً اِلَّا رُفِعَ مِثْلُهَا مِنَ السُّنَّةِ فَتَمَسُّكٌ بِسُنَّةٍ خَيْرٌ مِنْ اِحْدَاثِ بِدْعَةٍ

کوئی قوم بدعت نہیں ایجاد کرتی مگر اتنی سنت اٹھ جاتی ہے ۔لہذا سنت کو لینا بدعت کے ایجاد کرنے سے بہتر ہے

اس کی شرح میں اشعۃ اللمعات میں ہے " چوں احداث بدعت رافع سنت است ہمیں قیاس اقامت سنت قاطع بدعت خواہد بود " اور جب بدعت نکالنا سنت کو مٹانے والا ہے ۔ تو سنت کو قائم کرنا بدعت کو مٹانے والا ہوگا ۔

اس حدیث اور اسکی شرح سے یہ معلوم ہوا کہ بدعت سیئہ یعنی بری بدعت وہ ہے کہ جس سے سنت مٹ جاوے ۔ اسکی مثالیں ہم پہلے دے چکے ہیں ۔ بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ کی پہچان خوب یاد رکھنا چاہیئے کہ اسی جگہ دھوکا ہوتا ہے ۔

بدعت کی قسمیں اور ان کے اقسام

یہ تو معلوم ہو چکا کہ بدعت دو طرح کی ہے ۔ بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ ۔ اب یاد رکھنا چاہیئے کہ بدعت حسنہ تین طرح کی ہے ۔ بدعت جائزہ ۔ بدعت مستحب ، بدعت واجب ۔ اور بدعت سیئہ دو طرح کی ہے ۔ بدعت مکروہ اور بدعت حرام ۔ اس تقسیم کی دلیل ملاحظہ ہو ۔ مرقات باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ میں ہے ۔

اَلْبِدْعَةُ اِمَّا وَاجِبَةٌ كَتَعَلُّمِ النَّحْوِ وَتَدْوِيْنِ اُصُوْلِ الْفِقْهِ وَاِمَّا مُحَرَّمَةٌ كَمَذْهَبِ الْجَبْرِيَّةِ وَاِمَّا مَنْدُوْبَةٌ كَاِحْدَاثِ الرَّوَابِطِ وَالْمَدَارِسِ وَكُلِّ اِحْسَانٍ لَمْ يُعْهَدْ فِي الصَّدْرِ الْاَوَّلِ وَكَالتَّرَاوِيْحِ اَيْ بِالْجَمَاعَةِ الْعَامَّةِ وَاِمَّا مَكْرُوْهَةٌ كَزَخْرَفَةِ الْمَسَاجِدِ وَاِمَّا مُبَاحَةٌ كَالْمُصَافَحَةِ عَقِيْبَ الصُّبْحِ وَالتَّوَسُّعِ بِلَذِيْذِ الْمَاٰكِلِ وَالْمَشَارِبِ ۔

بدعت یا تو واجب ہے جیسے علم نحو کا سیکھنا اور اصول فقہ کا جمع کرنا اور یا حرام ہے جیسے جبریہ مذہب اور یا مستحب ہے ۔ جیسے مسافر خانوں اور مدرسوں کا ایجاد کرنا اور ہر وہ اچھی بات جو پہلے زمانہ میں نہ تھی اور جیسے عام جماعت سے تراویح پڑھنا اور یا مکروہ ہے جیسے مسجدوں کو فخریہ زینت دینا اور یا جائز ہے جیسے فجر کی نماز کے بعد مصافحہ کرنا اور عمدہ عمدہ کھانوں اور شربتوں میں وسعت کرنا ۔

شامی جلد اول کتاب الصلوٰۃ باب الامامت میں ہے ۔

اَیْ صَاحِبِ بِدْعَةٍ مُحَرَّمَةٍ وَ اِلَّا فَقَدْ تَكُوْنُ وَاجِبَةً كَنَصَبِ الْاَدِلَّةِ وَ تَعَلُّمِ النَّحْوِ وَمَنْدُوْبَةً كَاِحْدَاثِ نَحْوِرُبَاطٍ وَّمَدْرَسَةٍ وَّكُلُّ اِحْسَانٍ لَّمْ يَكُنْ فِي الصَّدْرِ الْاَوَّلِ مَكْرُوْهَةً كَزَخْرَفَةِ الْمَسَاجِدِ وَمُبَاحَةً كَالتَّوَسُّعِ بِلَذِيْذِ الْمَاٰكِلِ وَالْمَشَارِبِ وَالثِّيَابِ كَمَافِي شَرْحِ الْجَامِعِ الصَّغِيْرِ۔

یعنی حرام بدعت والے کے پیچھے نماز مکروہ ہے ورنہ بدعت تو کبھی واجب ہوتی ہے جیسے کہ دلائل قائم کرنا اور علم نحو سیکھنا اور کبھی مستحب جیسے مسافر خانہ اور مدرسے اور ہر وہ اچھی چیز جو کہ پہلے زمانہ میں نہ تھی ان کا ایجاد کرنا اور کبھی مکروہ جیسے کہ مسجدوں کی فخریہ زینت اور کبھی مباح جیسے عمدہ کھانے شربتوں اور کپڑوں میں وسعت کرنا اسی طرح جامع صغیر کی شرح میں ہے۔

ان عبارات سے بدعت کی پانچ قسمیں بخوبی واضح ہوئیں۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ ہر بدعت حرام نہیں بلکہ بعض بدعتیں کبھی ضروری بھی ہوتی ہیں جیسے کہ علم فقہ و اصول فقہ یا قرآن کریم کا جمع کرنا یا قرآن کریم میں اعراب لگانا یا آج کل قرآن کریم کا چھاپنا اور دینی مدرسوں میں تعلیم کے درس وغیرہ بنانا۔

بدعت کی قسموں کی پہچانیں اور علامتیں

بدعت حسنہ اور سیئہ کی پہچان تو بتادی گئی کہ جو بدعت اسلام کے خلاف ہو یا کسی سنت کو مٹانے والی ہو۔ وہ بدعت سیئہ۔ اور جو ایسی نہ ہو۔ وہ بدعت حسنہ ہے۔ اب ان پانچ قسموں کی علامتیں معلوم کرو۔

بدعت جائزہ:- ہر وہ نیا کام جو شریعت میں منع نہ ہو اور بغیر کسی نیت خیر کے کیا جاوے۔ جیسے چند کھانے کھانا وغیرہ۔ اس کا حوالہ مرقاۃ اور شامی سے گذر گیا۔ ان کاموں پر نہ ثواب نہ عذاب۔

بدعت مستحبہ:- وہ نیا کام جو شریعت میں منع نہ ہو۔ اور اس کو عام مسلمان کار ثواب جانتے ہوں یا کوئی شخص اس کو نیت خیر سے کرے جیسے محفل میلاد شریف اور فاتحہ بزرگان کہ عام مسلمان اس کو کار ثواب جانتے ہیں۔ اس کو کرنے والا ثواب پاویگا۔ اور نہ کرنے والا گنہگار نہیں ہوگا۔ دلائل ملاحظہ ہوں۔

مرقات باب الاعتصام میں ہے وَرُوِيَ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ مَارَاٰهُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ حَسَنٌ وَفِيْ حَدِيْثٍ مَرْفُوْعٍ وَلَا تَجْتَمِعُ اُمَّتِيْ عَلَى الضَّلَالَةِ مشکوٰۃ کے شروع میں ہے اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَاِنَّمَا لِامْرِءٍ مَّا نَوٰى۔

حضرت ابن مسعود سے مروی ہے کہ جس کام کو مسلمان اچھا جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے اور حدیث مرفوع میں ہے کہ میری امت گمراہی پر متفق نہ ہوگی۔ اعمال کا مدار نیت سے ہے اور انسان کے لیئے وہی ہے جو نیت کرے۔

در مختار جلد اوّل بحث مستحبات وضو میں ہے ۔

وَمُسْتَحَبُّهٗ وَهُوَ مَا فَعَلَهُ النَّبِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَرَّةً وَتَرَكَهٗ اُخْرٰى وَمَا اَحَبَّهُ السَّلَفُ	مستحب وہ کام ہے جو حضور علیہ السلام نے کبھی کیا ہو اور کبھی چھوڑا ہو اور وہ کام جسے گذشتہ مسلمان اچھا جانتے ہوں ۔

شامی جلد پنجم بحث قربانی میں ہے ۔

فَاِنَّ النِّيَّاتِ تَجْعَلُ الْعَادَاتِ عِبَادَاتٍ	کیونکہ نیت خیر عادات کو عبادت بنا دیتی ہے ۔

اسی طرح مرقاۃ بحث نیت میں بھی ہے ۔

ان احادیث وفقہی عبارتوں سے معلوم ہوا کہ جو جائز کام نیت ثواب سے کیا جاوے یا مسلمان اس کو ثواب کا کام جانیں ۔ وہ عند اللہ بھی کار ثواب ہے ۔ مسلمان اللہ کے گواہ ہیں جس کے اچھے ہونے کی گواہی دیں وہ اچھا ہے اور جس کو برا کہیں وہ برا ۔ گواہی کی نفیس بحث ہماری کتاب شان حبیب الرحمٰن میں دیکھو اور اس کتاب میں بھی عرس بزرگان کی بحث میں کچھ اس کا ذکر آویگا ۔ انشاء اللہ ۔

بدعت واجبہ :۔ وہ نیا کام جو شرعاً منع نہ ہو اور اس کے چھوڑنے سے دین میں حرج واقع ہو ۔ جیسے کہ قرآن کے اعراب اور دینی مدارس اور علم نحو وغیرہ پڑھنا اس کے حوالے گذر چکے ۔

بدعت مکروہہ ۔ وہ نیا کام جس سے کوئی سنت چھوٹ جاوے ۔ اگر سنت غیر مؤکدہ چھوٹی تو یہ بدعت مکروہ تنزیہی ہے اور اگر سنت مؤکدہ چھوٹی تو یہ بدعت مکروہ تحریمی ۔ اسکی مثالیں اور حوالے گذر گئے

بدعت حرام :۔ وہ نیا کام جس سے کوئی واجب چھوٹ جاوے یعنی واجب کو مٹانیوالی ہو ۔

در مختار باب الاذان میں ہے کہ اذان کے بعد سلام کرنا ۷۸۱ھ میں ایجاد ہوا ۔ لیکن وہ بدعت حسنہ ہے ۔ اس کے ماتحت شامی میں ہے کہ اذان جوق کے بارے میں فرماتے ہیں ۔ فَفِيْهِ دَلِيْلٌ عَلٰى اَنَّهٗ غَيْرُ مَكْرُوْهٍ لِاَنَّ الْمُتَوَارِثَ لَا يَكُوْنُ مَكْرُوْهًا وَكَذٰلِكَ تَقُوْلُ فِى الْاَذَانِ بَيْنَ يَدَىِ الْخَطِيْبِ فَيَكُوْنُ بِدْعَةً حَسَنَةً اِذْ مَا رَاٰهُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ حَسَنٌ اس سے معلوم ہوا کہ جو جائز کام مسلمانوں میں مروج ہو جائے باعث ثواب ہے ۔

آؤ ہم آپ کو دکھائیں کہ اسلام کی کوئی عبادت بدعت حسنہ سے خالی نہیں ۔ فہرست ملاحظہ ہو ۔

ایمان :۔ مسلمان کے بچہ بچہ کو ایمان مجمل اور ایمان مفصل یاد کرایا جاتا ہے ۔ ایمان کی یہ دو قسمیں اور ان کے یہ دونوں نام بدعت ہیں قرون ثلثہ میں اس کا پتہ نہیں ۔

کلمہ:- ہر مسلمان چھ کلمہ یاد کرتا ہے۔ یہ چھ کلمے ان کی تعداد ان کی ترکیب کہ یہ پہلا کلمہ ہے۔ یہ دوسرا اور ان کے یہ نام ہیں۔ سب بدعت ہیں۔ جن کا قرون ثلثہ میں پتہ بھی نہیں تھا۔

قرآن:- قرآن شریف کے تیس پارہ بنانا۔ ان میں رکوع قائم کرنا۔ اس پر اعراب لگانا۔ اس کی سنہری روپہلی جلدیں تیار کرنا۔ قرآن کو بلاک وغیرہ بنا کر چھاپنا سب بدعت ہیں۔ جن کا قرون ثلثہ میں ذکر بھی نہ تھا۔

حدیث:- حدیث کو کتابی شکل میں جمع کرنا۔ حدیث کی اسناد بیان کرنا۔ اسناد پر جرح کرنا اور حدیث کی قسمیں بنانا کہ یہ صحیح ہے، یہ حسن، یہ ضعیف، یہ معضل، یہ مدلس ان قسموں میں ترتیب دینا کہ اول نمبر صحیح ہے۔ دوم نمبر حسن، سوم نمبر ضعیف۔ پھر ان کے احکام مقرر کرنا کہ حرام و حلال چیزیں حدیث صحیح سے ثابت ہوں گی۔ اور فضائل میں حدیث ضعیف بھی معتبر ہوگی۔ غرضکہ سارا فن حدیث ایسی بدعت ہے۔ جس کا قرون ثلثہ میں ذکر بھی نہ تھا۔

اصول حدیث:- یہ فن بالکل بدعت ہے بلکہ اس کا تو نام بھی بدعت ہے۔ اس کے سارے قاعدے قانون بدعت۔

فقہ:- اس پر آج کل دین کا دار و مدار ہے۔ مگر یہ بھی از اول تا آخر بدعت ہے۔ جس کا قرون ثلثہ میں ذکر نہیں۔

اصول فقہ و علم کلام:- یہ علم بھی بالکل بدعت ہیں۔ ان کے قواعد و ضوابط سب بدعت۔

نماز:- نماز میں زبان سے نیت کرنا۔ بدعت۔ جس کا ثبوت قرون ثلثہ میں نہیں۔ رمضان میں بیس تراویح پر ہمیشگی کرنا بدعت ہے۔ خود امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ نِعْمَتِ الْبِدْعَةُ هٰذِهٖ یہ بڑی اچھی بدعت ہے۔

روزہ:- روزہ افطار تے وقت زبان سے دعا کرنا۔ اَللّٰهُمَّ لَكَ صُمْتُ الخ اور سحری کے وقت دعا مانگنا کہ اَللّٰهُمَّ بِالصَّوْمِ لَكَ غَدًا نَوَيْتُ بدعت ہے۔

زکوۃ:- زکوۃ میں موجودہ سکہ رائج الوقت ادا کرنا بدعت ہے۔ قرون ثلثہ میں یہ تصویر والے سکے نہ تھے نہ ان سے زکوۃ جیسی عبادت ادا ہوتی تھی۔ موجودہ سکے سے غلوں سے فطرانہ نکالنا یہ سب بدعت ہیں۔

حج:۔ ریل گاڑیوں، لاریوں، موٹروں، ہوائی جہازوں کے ذریعہ حج کرنا۔ موٹروں میں عرفات شریف جانا بدعت ہے اس زمانہ پاک میں نہ یہ سواریاں تھیں نہ ان کے ذریعہ حج ہوتا تھا۔

طریقت:۔ طریقت کے قریباً سارے مشاغل اور تصوف کے قریباً سارے مسائل بدعت ہیں مراقبے، چلے، پاس انفاس، تصور شیخ، ذکر کے اقسام سب بدعت ہیں۔ جن کا قرون ثلٰثہ میں کہیں پتہ نہیں چلتا۔

چار سلسلے:۔ شریعت وطریقت دونوں کے چار چار سلسلے یعنی حنفی، شافعی، مالکی حنبلی اسی طرح قادری، چشتی، نقشبندی، سہروردی یہ سب سلسلے بالکل بدعت ہیں۔ ان میں سے بعض کے تو نام تک بھی عربی نہیں۔ جیسے چشتی یا نقشبندی، کوئی صحابی، تابعی، حنفی، قادری نہ ہوئے۔

اب دیوبندی بتائیں کہ بدعت سے بچکر وہ دینی حیثیت سے زندہ بھی رہ سکتے ہیں؟ جب ایمان اور کلمہ میں بدعات داخل ہیں۔ تو بدعت سے چھٹکارا کیسا؟

دنیاوی چیزیں:۔ آج کل دنیا میں وہ وہ چیزیں ایجاد ہو گئی ہیں۔ جن کا خیر القرون میں نام ونشان بھی نہ تھا اور جن کے بغیر اب دنیاوی زندگی مشکل ہے۔ ہر شخص ان کے استعمال پر مجبور ہے۔ ریل، موٹر، ہوائی جہاز، سمندری جہاز، تانگہ، گھوڑا گاڑی، پھر خط، لفافہ، تار، ٹیلیفون، ریڈیو، لاؤڈ سپیکر وغیرہ یہ تمام چیزیں اور ان کا استعمال بدعت ہے۔ اور انہیں ہر جماعت کے لوگ بلا تکلف استعمال کرتے ہیں۔

بولو، دیوبندی، وہابی، بغیر بدعات حسنہ کے دنیاوی زندگی گزار سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔

لطیفہ:۔ ایک مولوی صاحب کسی شخص کا نکاح پڑھانے گئے۔ دولہا کے پھولوں کا سہرا بندھا ہوا تھا۔ جاتے ہی بولے یہ سہرا بدعت ہے شرک ہے حرام ہے نہ حضور نے باندھا نہ صحابہ کرام نے نہ تابعین نے نہ تبع تابعین نے بتاؤ کونسی کتاب میں لکھا ہے کہ سہرا باندھو لوگوں نے سہرا کھول دیا جب نکاح پڑھا چکے تو دولہا کے باپ نے دس روپیہ کا نوٹ دیا۔ مولوی صاحب نوٹ جیب میں ڈال رہے تھے کہ دولہا نے ہاتھ پکڑ لیا اور کہا کہ مولوی صاحب نکاح پڑھا کر روپیہ لینا بدعت ہے۔ حرام ہے۔ شرک ہے۔ نہ حضور نے لیئے نہ صحابہ نے نہ تابعین نے نہ تبع تابعین نے۔ بتاؤ کہاں لکھا ہے کہ نکاح کی فیس لو مولوی صاحب بولے یہ تو خوشی کے پیسے ہیں۔ دولہا نے کہا کہ سہرا بھی خوشی کا تھا۔ غم کا نہ تھا۔ مولوی صاحب شرم سے ڈوب گئے۔ یہ ہے ان بزرگوں کی بدعت۔

دُوسرا باب

اس تعریف اور تقسیم پر اعتراضات وجوابات میں

ہم نے بدعت عملی کی یہ تعریف کی ہے کہ جو کام دینی یا دنیاوی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ کے بعد ایجاد ہو وہ بدعت ہے خواہ زمانہ صحابہ کرام میں ہو یا اس کے بعد۔ اس پر دو مشہور اعتراض ہیں۔

اعتراض (۱) بدعت صرف اس دینی کام کو کہیں گے کہ جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد ایجاد ہو۔ دنیاوی نئے کام بدعت نہیں۔ لہذا محفل میلاد وغیرہ تو بدعت ہیں اور تار ٹیلیفون، ریل گاڑی کی سواری بدعت نہیں کیونکہ حدیث میں آیا ہے۔ مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا هٰذَا مَا لَیْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ جو شخص ہمارے دین میں کوئی بات نکالے وہ مردود ہے امرنا سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیاوی ایجادات بدعت نہیں اور دینی بدعت کوئی بھی حسنہ نہیں سب حرام ہیں۔ کیونکہ حدیث میں ان سب کو کہا گیا کہ وہ مردود ہے۔

جواب: دینی کام کی قید لگانا محض اپنی طرف سے ہے احادیث صحیحہ اور اقوال علماء و فقہاء اور محدثین کے خلاف ہے۔ حدیث میں ہے کُلُّ مُحْدَثٍ بِدْعَةٌ (مشکوٰۃ باب الاعتصام) ہر نیا کام بدعت ہے اس میں دینی یا دنیاوی کی قید نہیں۔ نیز ہم اشعۃ اللمعات اور مرقاۃ کی عبارتیں نقل کر چکے ہیں اس میں دینی کام کی قید نہیں لگائی۔ نیز ہم پہلے باب میں مرقاۃ اور شامی کی عبارتیں دکھا چکے کہ انہوں نے عمدہ کھانے، اچھے کپڑے، بدعت جائزہ میں داخل کیے ہیں۔ یہ کام دنیاوی ہیں۔ مگر بدعت میں ان کو شمار کیا لہذا یہ قید لگانا غلط ہے۔ اگر مان بھی لیا جاوے کہ بدعت میں دینی کام کی قید ہے تو دینی کام اسی کو تو کہتے ہیں جس پر ثواب ملے۔ مستحبات، نوافل، واجبات، فرائض سب دینی کام ہیں کہ اس کو آدمی ثواب کے لیے کرتا ہے اور دنیا کا کوئی بھی کام نیت خیر سے کیا جاوے اس پر ثواب ملتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ مسلمان سے خندہ پیشانی سے ملنا صدقہ کا ثواب رکھتا ہے۔ اپنے بچوں کو پالنا نیت خیر سے ہو تو ثواب ہے۔ حَتّٰی اللُّقْمَةَ تَرْفَعُهَا فِیْ فِیْ اِمْرَاَتِكَ یہاں تک کہ جو لقمہ اپنی زوجہ کے منہ میں دے وہ بھی ثواب۔ لہذا مسلمان کا ہر دنیاوی کام دینی ہے۔ اب بتاؤ کہ نیت خیر سے پلاؤ کھلانا بدعت ہے یا نہیں؟ نیز دینی کام کی قید لگانا آپ کے لیے کوئی مفید نہیں۔ کیونکہ دیوبند کا مدرسہ، وہاں کا نصاب دورۂ حدیث،

تنخواہ لے کر مدرسین کا پڑھانا، امتحان اور تعطیلات کا ہونا، آج قرآن پاک میں اعراب لگانا، قرآن و بخاری چھاپنا، مصیبت کے وقت ختم بخاری کرنا جیسا کہ دیوبند میں پندرہ روپیہ لے کر کرایا جاتا ہے۔ بلکہ سارا فنِ حدیث بلکہ خود احادیث کو کتابی شکل میں جمع کرنا بلکہ خود قرآن کو کاغذ پر جمع کرنا۔ اس میں رکوع بنانا اس کے تیس سیپارے کرنا وغیرہ وغیرہ سب ہی دینی کام ہیں اور بدعت ہیں۔ کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں ان میں سے کوئی کام نہ ہوا تھا۔ بولو یہ حرام ہیں یا حلال؟ بچارے محفل میلاد شریف اور فاتحہ نے ہی کیا قصور کیا ہے جو صرف وہ تو اس لیئے حرام ہوں کہ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں نہ تھا اور اوپر ذکر کیئے ہوئے سب کام حلال۔

ہم نے مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری کو اپنے مناظرہ میں کہا تھا کہ آپ حضرات چار چیزوں کی صحیح تعریف کر دیں۔ جس پر کوئی اعتراض نہ ہو جامع مانع ہو۔ تو جس قدر چاہئیں ہم سے انعام لیں بدعت شرک دین، عبادت اور اب بھی اپنے رب کے بھروسہ پر کہتے ہیں کہ دنیا کا کوئی دیوبندی کوئی غیر مقلد اور کوئی شرک و بدعت کی رٹ لگانے والا ان چار چیزوں کی تعریف ایسی نہیں کر سکتا جس سے اس کا مذہب بچ جاوے۔ آج بھی ہر دیوبندی اور ہر غیر مقلد کو اعلان عام ہے کہ ان کی ایسی صحیح تعریف کرو۔ جس سے محفل میلاد حرام ہو۔ اور رسالہ قاسم اور پرچہ اہل حدیث حلال۔ اور اولیاء اللہ سے مدد مانگنا شرک ہو اور پولیس وغیرہ سے استمداد عین اسلام اور کہے دیتے ہیں کہ انشاء اللہ یہ تعریفیں نہ ہو سکی ہیں اور نہ ہو سکیں گی۔ لہٰذا چاہیئے کہ اپنے اس بے اصولے مذہب سے توبہ کریں اور اہل سنت والجماعت میں داخل ہوں اللہ الموفق۔ وہ حدیث جو آپ نے پیش کی۔ اس کے متعلق ہم عرض کر چکے ہیں یا تو مَا سے مراد عقائد ہیں کہ دین کا عام اطلاق عقائد پر ہوتا ہے اور اگر مراد اعمال بھی ہوں تو لَيْسَ مِنْهُ سے مراد وہ اعمال ہیں۔ جو خلاف سنت یا خلاف دین ہوں ہم اس کے حوالہ بھی پیش کر چکے۔

یہ کہنا کہ ہر بدعت حرام ہوتی ہے بدعت حسنہ کوئی چیز ہی نہیں یہ اس حدیث کے خلاف ہے جو پیش کی جا چکی کہ اسلام میں جو نیک کام ایجاد کرے وہ ثواب کا مستحق ہے اور جو برا کام ایجاد کرے وہ عذاب کا نیز شامی، اشعۃ اللمعات اور مرقاۃ کی عبارات پیش کی جا چکی ہیں کہ بدعت پانچ قسم کی ہے جائز، واجب، مستحب مکروہ اور حرام۔ اور اگر مان بھی لیا جاوے کہ ہر بدعت حرام ہے تو مدارس وغیرہ کو ختم کر دو کہ یہ بھی حرام ہیں نیز مسائل فقہیہ اور اشغال صوفیہ جو خیر القرون کے بعد ایجاد ہوئے تمام حرام ہو جائیں گے۔ شریعت کے

چار سلسلے حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی اور طریقت کے چار سلسلے قادری، چشتی، نقشبندی، سہروردی یہ تمام ہی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بلکہ صحابہ کرام کے بعد ایجاد ہوئے پھر ان کے مسائل اجتہادیہ اور اعمال، وظیفے، مراقبے، چلے وغیرہ سب بعد کی ایجاد ہیں اور سب لوگ ان کو دین کا کام سمجھ کر ہی کرتے ہیں، چھ کلمے ایمان مجمل و مفصل، قرآن کے تیس پارے، حدیث کی قسمیں اور ان کے احکام کہ یہ حدیث صحیح ہے یا ضعیف یہ حسن ہے یا معضل وغیرہ عربی مدارس کے نصاب، جلسۂ دستار بندی، سند لینا، پگڑی بندھوانا، ان چیزوں کا کہیں قرآن وحدیث میں نام بھی نہیں۔ کوئی دیوبندی وہابی ان چیزوں کو تو کیا ان کے نام بھی کسی حدیث سے نہیں دکھا سکتا۔ پھر حدیث کی اسناد اور راویوں پر مروجہ جرح خیر القرون سے ثابت نہیں کر سکتا، غرضکہ شریعت و طریقت کا کوئی عمل ایسا نہیں۔ جس میں بدعت شامل نہ ہو۔

مولوی اسمٰعیل صاحب صراطِ مستقیم صفحہ ۷ پر فرماتے ہیں "نیز اکابر طریقت نے اگرچہ اذکار و مراقبات در یاضات و مجاہدات کی تعیین میں جو راہ ولایت کے مبادی ہیں کوشش کی ہے لیکن بحکم ہر سخن وقتی و ہر نکتہ مقامی دارد" ہر ہر وقت کے مناسب اشغال اور ہر ہر قرن کے مطابق حال ریاضات جدا جدا ہیں" اس عبارت سے معلوم ہوا کہ تصوف کے اشغال صوفیاء کی ایجاد ہے اور ہر زمانہ میں نئے نئے ہوتے رہتے ہیں اور جائز ہیں۔ بلکہ راہ سلوک ان ہی سے طے ہوتی ہے۔ کہیئے کہ اب وہ قاعدہ کہاں گیا کہ ہر نئی چیز حرام ہے ہمانا پڑے گا کہ جو کام خلاف سنت ہو وہ برا ہے باقی عمدہ اور اچھا۔

اعتراض (۲) مخالفین یہ بھی کہتے ہیں کہ جو کام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام یا صحابہ کرام یا تابعین یا تبع تابعین کے زمانہ میں سے کسی زمانہ میں ایجاد ہو جاوے وہ بدعت نہیں۔ ان زمانوں کے بعد جو کام ایجاد ہو گا وہ بدعت ہے اور وہ کوئی بھی جائز نہیں۔ سب حرام ہیں یعنی صحابہ کرام اور تابعین و تبع تابعین کی ایجادات سنت ہیں۔ اس لئے کہ مشکوٰۃ باب الاعتصام میں ہے۔

(۱) فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ تَمَسَّكُوْا بِهَا وَعَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ — تم پر لازم ہے میری سنت اور ہدایت والے خلفائے راشدین کی سنت کہ اس کو دانت سے مضبوط پکڑ لو۔

اس حدیث میں خلفائے راشدین کے کاموں کو سنت کہا گیا۔ اس کو پکڑنے کی تاکید فرمائی گئی۔ جس سے معلوم ہوا کہ ان کی ایجادات بدعت نہیں۔

(۲) مشکوٰۃ باب فضائل الصحابہ میں ہے خَيْرُ اُمَّتِيْ قَرْنِيْ ثُمَّ — میری امت میں بہتر گروہ میرا گروہ ہے پھر وہ جو ان کے متصل ہیں پھر

الَّذِیْنَ یَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَهُمْ ثُمَّ اِنَّ بَعْدَ ذٰلِكَ قَوْمًا یَشْهَدُوْنَ وَلَا یُسْتَشْهَدُوْنَ وَیَخُوْنُوْنَ وَلَا یُؤْتَمَنُوْنَ ۔	وہ جو ان کے متصل ہیں پھر اس کے بعد ایک قوم ہوگی جو بغیر گواہ بنائے ہوئے گواہی دیتی پھرے گی اور جو خیانت کریں گے ۔ امین نہ ہوں گے ۔

اس سے معلوم ہوا کہ تین زمانہ خیر ہیں صحابہ کرام کا تابعین کا، تبع تابعین کا اور پھر شر اور خیر زمانہ میں جو پیدا ہو وہ خیر یعنی سنت ہے اور شر زمانہ میں جو پیدا ہو وہ شر یعنی بدعت ہے ۔ نیز مشکوٰۃ باب الاعتصام میں ہے ۔

(۳) تَفْتَرِقُ اُمَّتِیْ عَلٰی ثَلٰثٍ وَّسَبْعِیْنَ مِلَّةً كُلُّهُمْ فِی النَّارِ اِلَّا وَاحِدَةً قَالُوْا مَنْ هِیَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ مَا اَنَا عَلَیْهِ وَاَصْحَابِیْ	میری امت کے تہتر فرقے ہو جائیں گے ایک کے سوا سب جہنمی ہیں ۔ عرض کیا کہ یا رسول اللہ وہ ایک کون ہے؟ فرمایا جس پر ہم اور ہمارے صحابہ ہیں ۔

معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کی پیروی جنت کا راستہ ہے اس لیے ان کے ایجادات کو بدعت نہیں کہہ سکتے ۔ مشکوٰۃ باب فضائل الصحابہ میں ہے ۔

(۴) اَصْحَابِیْ كَالنُّجُوْمِ فَبِاَیِّهِمُ اقْتَدَیْتُمْ اهْتَدَیْتُمْ	میرے صحابہ تاروں کی طرح ہیں تم جس کے پیچھے ہو گے ہدایت پالو گے

اس سے بھی یہ ہی معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کی پیروی باعث نجات ہے لہٰذا ان کے ایجاد کردہ کام بدعت نہیں کیونکہ بدعت تو گمراہ کن ہے ۔

جواب: یہ سوال بھی محض دھوکا ہے اس لیے کہ ہم نے مرقاۃ اور اشعۃ اللمعات کے حوالہ سے ثابت کیا ہے کہ بدعت وہ کام ہے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد پیدا ہو ۔ اس میں صحابہ کرام و تابعین کا ذکر نہیں ۔ نیز اس لیے کہ مشکوٰۃ باب قیام شہر رمضان میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں تراویح کی باقاعدہ جماعت کا حکم دیا پھر تراویح کی جماعت کو دیکھ کر فرمایا ۔

نِعْمَتِ الْبِدْعَةُ هٰذِهٖ ۔ یہ تو بڑی اچھی بدعت ہے ۔

خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے مبارک فعل کو بدعت حسنہ فرمایا ۔ اور ترمذی ۔ ابن ماجہ ۔ نسائی ۔ مشکوٰۃ شریف باب القنوت میں حضرت ابو مالک اشجعی سے روایت فرماتے ہیں میں نے اپنے والد سے نماز فجر میں قنوت نازلہ کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا اے بنی محدث ۔ بیٹے یہ بدعت ہے دیکھو زمانہ صحابہ کی چیز کو آپ بدعت سیئہ کہہ رہے ہیں ۔ اگر زمانہ صحابہ کی ایجادات بدعت نہیں ہوتیں تو تراویح بدعت حسنہ کیوں ہوتی اور قنوت نازلہ بدعت سیئہ کیوں ٹھہری ۔ وہ زمانہ تو بدعت کا ہے ہی نہیں ۔ تیسرے اس لیے کہ پہلے باب میں بحوالہ

مرقات گزر چکا کہ تراویح کی جماعت بدعت مستحبہ ہے یعنی تراویح سنت اور اس کی باقاعدہ پابندی سے جماعت بدعت حسنہ انہوں نے حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کے فعل کو بدعت میں داخل کیا۔ چوتھے اس لیئے کہ بخاری جلد دوم کتاب فضائل القرآن باب جمع القرآن میں ہے کہ حضرت صدیق نے حضرت زید ابن ثابت رضی اللہ عنہما کو قرآن پاک جمع کرنے کا حکم دیا تو انہوں نے عرض کیا کہ کَیْفَ تَفْعَلُوْنَ شَیْئًا لَمْ یَفْعَلْهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ هُوَ خَیْرٌ آپ وہ کام کیوں کرتے ہیں۔ جو حضور علیہ السلام نے نہ کیا۔ صدیق نے فرمایا کہ یہ کام اچھا ہے حضرت زید ابن ثابت نے بارگاہِ صدیقی رضی اللہ عنہما میں یہ ہی عرض کیا کہ قرآن کا جمع کرنا بدعت ہے آپ بدعت کیوں ایجاد کرتے ہیں۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ بدعت تو ہے مگر حسنہ ہے یعنی اچھی ہے جس سے پتہ لگا کہ فعل صحابہ کرام بدعت حسنہ ہے مخالفین کے دلائل کے جوابات حسب ذیل ہیں۔

(۱) فَعَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ۔ | خلفاء راشدین کے اقوال و افعال کو لغوی معنیٰ سے سنت فرمایا گیا۔

یعنی اے مسلمانو تم میرے اور میرے خلفاء کے طریقوں کو اختیار کرو جیسے کہ ہم پہلے باب میں حدیث نقل کر چکے ہیں۔ مَنْ سَنَّ فِی الْاِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهٗ اَجْرُهَا اور مَنْ سَنَّ فِی الْاِسْلَامِ سُنَّةً سَیِّئَةً اس حدیث میں سنت بمعنی طریقہ ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَکَ مِنْ رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِیْلًا نیز فرماتا ہے سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِیْ قَدْ خَلَتْ ان آیات اور حدیث میں سنت سے مراد سنت شرعیہ بدعت کے مقابل نہیں۔ بلکہ بمعنی طریقہ ہے سنت الٰہیہ اللہ کا طریقہ۔ سنت انبیاء نبیوں کا طریقہ وغیرہ۔

اسی حدیث فَعَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ کے ماتحت اشعۃ اللمعات میں ہے "دحقیقت سنت خلفائے راشدین ہماں سنت پیغمبر است کہ در زمان آنحضرت علیہ السلام شہرت نیافتہ بود و در زمان ایشاں مشہور و مضاف بہ ایشاں شدہ" خلفائے راشدین کی سنت حقیقۃً سنت نبوی ہے جو حضور علیہ السلام کے زمانہ میں مشہور نہ ہوئی۔ ان حضرات کے زمانہ میں مشہور ہو گئی اور انکی طرف منسوب ہو گئی اس سے معلوم ہوا کہ سنت خلفاء اس کو کہتے ہیں اصل میں سنت رسول اللہ ہو مگر اس کو مسلمانوں میں رائج کرنے والے خلفاء راشدین ہوں پانچویں اسلیئے کہ محدثین اور فقہاء فرماتے ہیں کہ خلفائے راشدین کے حکم سنت سے ملحق ہیں یعنی سنت تو نہیں۔ سنت سے الحاق کیئے ہوئے ہیں اگر ان حضرات کے ایجاد فرمودہ کام سنت ہی ہوتے تو الحاق کے کیا معنیٰ۔ نور الانوار کے شروع میں ہے وَقَوْلُ الصَّحَابِیِّ فِیْمَا

یُعْقَلُ مُلْحَقٌ بِالْقِیَاسِ وَفِیْمَا لَا یُعْقَلُ فَمُلْحَقٌ بِالسُّنَّۃِ صحابی کا فرمان عقلی باتوں سے تو قیاس سے ملحق ہے اور غیر عقلی باتوں میں سنّت سے ملحق ہے۔ اگر صحابی کا ہر قول و فعل سنّت ہے تو قیاس اور سنّت سے الحاق کے کیا معنی؟ اشعۃ اللمعات زیر حدیث فَعَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ ہے۔ پس ہر چہ خلفائے راشدین بداں حکم کردہ باشند اگرچہ باجتہاد و قیاس ایشاں بود موافق سنّت نبوی است اطلاق بدعت برآں نتواں کرد ۔ جس چیز کا خلفائے راشدین نے حکم فرمایا ہو اگرچہ اپنے قیاس اور اجتہاد سے ہو سنّت نبوی کے موافق ہے اس پر لفظ بدعت نہیں بول سکتے ان عبارات سے بالکل واضح ہو گیا کہ سنّت خلفاء راشدین بمعنی لغوی سنّت ہے اور سنّت شرعی سے ملحق ہے ان کو ادباً بدعت نہ کہا جاوے۔ کیونکہ بدعت اکثر بدعت سیئہ کو بولتے ہیں۔

(۲) خَیْرُ اُمَّتِیْ قَرْنِیْ الخ سے تو معلوم ہوا کہ ان تین زمانوں تک خیر زیادہ ہوگی اور ان کے بعد خیر کم شر زیادہ۔ یہ مطلب نہیں کہ ان تین زمانوں میں جو بھی کام ایجاد ہوا اور کوئی بھی ایجاد کرے وہ سنّت ہو جائے یہاں سنّت ہونے کا ذکر ہی کہاں ہے ورنہ مذہب جبریہ اور قدریہ زمانہ تابعین ہی میں ایجاد ہوا اور امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قتل اور حجاج کے مظالم ان ہی زمانوں میں ہوئے کیا معاذ اللہ ان کو بھی سنّت کہا جاویگا۔

(۳ و ۴) مَا اَنَا عَلَیْہِ وَ اَصْحَابِیْ اور اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ سے یہ معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کی غلامی ان کی پیروی کرنا باعث ہدایت ہے اور ان کی مخالفت باعث گمراہی۔ یہ بالکل درست اور اس پر ہر مسلمان کا ایمان ہے لیکن اس سے یہ کب لازم آیا کہ ان کا ہر فعل سنّت شرعی ہو۔ بدعت حسنہ بھی واجب الاتباع ہوتی ہے مشکوٰۃ باب الاعتصام میں ہے۔

اِتَّبِعُوا السَّوَادَ الْاَعْظَمَ فَاِنَّہٗ مَنْ شَذَّ شُذَّ فِی النَّارِ۔

بڑی جماعت کی پیروی کرو جو جماعت سے علیحدہ رہا وہ جہنم میں علیحدہ کیا گیا۔

نیز وارد ہوا۔ مَا رَاٰہُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَسَنًا فَھُوَ عِنْدَ اللّٰہِ حَسَنٌ وَمَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَۃَ شِبْرًا فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَۃَ الْاِسْلَامِ مِنْ عُنُقِہٖ

جس کو مسلمان اچھا جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے جو مسلمانوں کی جماعت سے، بالشت بھر علیحدہ رہا اس نے اسلام کی رسی اپنے گلے سے اتار دی

قرآن کریم میں ہے۔ وَیَتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ نُوَلِّہٖ مَا تَوَلّٰی وَنُصْلِہٖ جَھَنَّمَ

اور مسلمانوں کی راہ سے جدا راہ چلے ہم اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیں گے اور دوزخ میں داخل کریں گے۔

اس آیت و حدیث سے معلوم ہوا کہ ہر شخص کو لازم ہے کہ عقائد و اعمال میں جماعت مسلمین کے ساتھ

رہے ان کی مخالفت جہنم کا راستہ ہے لیکن اس سے یہ تو لازم نہیں کہ جماعت مسلمین کا ایجاد کیا ہوا کوئی بھی کام بدعت نہ ہو سب سنت ہی ہو۔ بدعت ہی ہوگا مگر بدعت حسنہ۔ جس طرح کہ ایجادات صحابہ کرام کو سنت صحابہ کہتے ہیں۔ اسی طرح سلف الصالحین کے ایجادات کو بھی سنت سلف کہتے ہیں۔ بمعنی لغوی یعنی پسندیدہ دینی طریقہ۔

ہدایت ضروریہ:۔ جو حضرات ہر بدعت یعنی نئے کام کو حرام جانتے ہیں وہ اس قاعدہ کلیہ کے کیا معنی کریں گے کہ اَلْاَصْلُ فِی الْاَشْیَآءِ الْاِبَاحَۃُ تمام چیزوں کی اصل یہ ہے کہ وہ مباح ہے۔ یعنی ہر چیز مباح اور حلال ہے ہاں اگر کسی چیز کو شریعت منع کر دے تو وہ حرام یا منع ہے یعنی ممانعت سے حرمت ثابت ہوگی نہ کرنے ہونے سے۔ یہ قاعدہ قرآن پاک اور احادیث صحیحہ و اقوال فقہاء سے ثابت ہے اور غالباً کوئی مقلد کہلانیوالا تو اس کا انکار نہیں کر سکتا۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْیَآءَ اِنْ تُبْدَ لَکُمْ تَسُؤْکُمْ اِنْ تَسْئَلُوْا عَنْھَا حِیْنَ یُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَکُمْ عَفَا اللّٰہُ عَنْھَا	اے ایمان والو ایسی باتیں نہ پوچھو کہ جو تم پر ظاہر کی جاویں تو تم کو بری لگیں اور اگر انکو اس وقت پوچھو گے کہ قرآن اتر رہا ہے تو ظاہر کر دی جاویں گی اللہ انکو معاف کر چکا۔

اس سے معلوم ہوا کہ جس کا کچھ بیان نہ ہوا ہو نہ حلال ہونے کا نہ حرام تو معافی ہیں جب ہی اسی لئے قرآن کریم نے حرام عورتوں کا ذکر فرما کر فرمایا وَاُحِلَّ لَکُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِکُمْ ان کے سوا باقی عورتیں تمہارے لیئے حلال ہیں نیز فرمایا۔ وَقَدْ فَصَّلَ لَکُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَیْکُمْ تم سے تفصیل وار بیان کر دی گئیں وہ چیزیں جو تم پر حرام ہیں یعنی حلال چیزوں کی تفصیل کی ضرورت نہیں تمام چیزیں ہی حلال ہیں ہاں چند محرمات ہیں جن کی تفصیل بنادی ان کے سوا سب حلال۔ مشکوٰۃ کتاب الاطعمہ باب آداب الطعام فصل دوم میں ہے۔

اَلْحَلَالُ مَا اَحَلَّ اللّٰہُ فِیْ کِتٰبِہٖ وَالْحَرَامُ مَا حَرَّمَ اللّٰہُ فِیْ کِتَابِہٖ وَمَا سَکَتَ عَنْہُ فَھُوَ مِمَّا عَفٰی عَنْہُ۔	حلال وہ جس کو اللہ نے اپنی کتاب میں حلال کیا اور حرام وہ جس کو اللہ نے اپنی کتاب میں حرام کیا اور جس سے خاموشی فرمائی وہ معاف۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ چیزیں تین طرح کی ہیں ایک وہ جن کا حلال ہونا صراحۃً قرآن میں مذکور ہے دوسرے وہ جنکی حرمت صراحۃً آگئی۔ تیسرے وہ جن سے خاموشی فرمائی یہ معاف ہے۔ شامی جلد اول کتاب الطہارہ بحث تعریف سنت میں ہے۔ اَلْمُخْتَارُ اَنَّ الْاَصْلَ الْاِبَاحَۃُ عِنْدَ الْجُمْھُوْرِ مِنَ الْحَنَفِیَّۃِ

وَالشَّافِعِیَّۃِ - جمہور حنفی و شافعی کے نزدیک یہ ہی مسئلہ ہے کہ اصل مباح ہونا ہے - اس کی تفسیر خازن وروح البیان اور تفسیر خزائن العرفان وغیرہ نے بھی تصریح کی ہے کہ ہر چیز میں اصل یہ ہی ہے کہ وہ مباح ہے ممانعت سے ناجائز ہوگی - اب جو بعض لوگ اہل سنت سے پوچھتے ہیں کہ اچھا بتاؤ کہاں لکھا ہے کہ میلاد شریف کرنا جائز ہے یا حضور علیہ السلام یا صحابہ کرام یا تابعین یا تبع تابعین نے کب کیا تھا یہ محض دھوکا ہے - اہل سنت کو چاہیئے کہ ان سے پوچھیں کہ بتاؤ کہاں لکھا ہے کہ میلاد شریف کرنا حرام ہے جب خدا حرام نہ کرے رسول علیہ السلام منع نہ فرمائیں اور کسی دلیل سے ممانعت ثابت نہ ہو تو تم کس دلیل سے حرام کہتے ہو بلکہ میلاد شریف وغیرہ کا ثبوت نہ ہونا جائز ہونے کی علامت ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے قُلْ لَّآ اَجِدُ فِیْمَآ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُہٗٓ اِلَّآ اَنْ یَّکُوْنَ مَیْتَۃً الآیہ نیز فرماتا ہے قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِیْنَۃَ اللّٰہِ الَّتِیْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِہٖ وَالطَّیِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ الآیہ ان آیات سے معلوم ہوا کہ حرمت کی دلیل نہ ملنا حلال ہونے کی دلیل ہے نہ کہ حرام ہونے کی یہ حضرات اس سے حرمت ثابت کرتے ہیں عجیب الٹی منطق ہے اچھا بتاؤ کہ ریلوے سفر مدارس کا قیام کہاں لکھا ہے ؟ کہ حلال ہے یا کسی صحابی یا تابعی نے کیا۔ جیسے وہ حلال ایسے ہی یہ بھی جائز اور حلال ہے۔

بحث محفل میلاد شریف کے بیان میں

اس بحث میں دو باب ہیں۔ پہلا باب تو میلاد شریف کے ثبوت میں۔ دوسرا باب اس پر اعتراضات وجوابات میں۔

پہلا باب

میلاد شریف کے ثبوت میں

اولاً تو معلوم ہونا چاہیئے کہ میلاد شریف کی حقیقت کیا ہے ؟ اور اس کا حکم کیا ؟ پھر یہ جاننا ضروری ہے کہ اس کے دلائل کیا ہیں ؟ میلاد شریف کی حقیقت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت پاک کا واقعہ بیان کرنا۔ حمل شریف کے واقعات۔ نور محمدی کے کرامات۔ نسب نامہ یا شیر خوارگی اور حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کے یہاں پرورش حاصل کرنے کے واقعات بیان کرنا اور حضور علیہ السلام کی نعت پاک نظم یا نثر میں پڑھنا سب اسکے

تابع ہیں۔ اب واقعہ ولادت خواہ تنہائی میں پڑھو یا مجلس جمع کرکے اور نظم میں پڑھو یا نثر میں کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر جس طرح بھی ہو اس کو میلاد شریف کہا جاوے گا۔ محفل میلاد شریف منعقد کرنا اور ولادت پاک کی خوشی منانا اس کے ذکر کے موقعہ پر خوشبو لگانا۔ گلاب چھڑکنا۔ شیرینی تقسیم کرنا غرضکہ خوشی کا اظہار جس جائز طریقہ سے ہو وہ مستحب اور بہت ہی باعث برکت اور رحمت الٰہی کے نزول کا سبب ہے۔

(۱) عیسیٰ علیہ السلام نے دعا کی تھی۔ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا معلوم ہوا کہ مائدہ آنے کے دن کو حضرت مسیح علیہ السلام نے عید کا دن بنایا۔ آج بھی اتوار کو عیسائی اسی لیئے عید مناتے ہیں کہ اس دن دسترخوان اترا تھا اور حضور علیہ السلام کی تشریف آوری اس مائدہ سے کہیں بڑھ کر نعمت ہے لہذا ان کی ولادت کا دن بھی یوم العید ہے۔ ہاں اس مجلس پاک میں حرام کام کرنا سخت جرم اور گناہ ہے جیسے عورتوں کا اس قدر بلند آواز سے نعت شریف پڑھنا کہ اجنبی مرد سنیں سخت منع ہے عورت کی آواز اجنبی مرد کو سننا جائز نہیں۔ اگر کوئی مرد نماز کی حالت میں کسی کو سامنے نکلنے سے روکے تو آواز سے سبحان اللہ کہدے۔ لیکن اگر عورت کسی کو روکے تو سبحان نہ کہے بلکہ بائیں ہاتھ کی پشت پر داہنا ہاتھ مارے جس سے معلوم ہوا کہ عورت نماز میں ضرورت کے وقت بھی کسی کو اپنی آواز نہ سنائے اسی طرح میلاد شریف میں باجے کے ساتھ نعت خوانی کرنا بہت ہی گناہ ہے کہ باجہ کھیل کود اور لغویات میں سے ہے ویسے ہی باجہ سے کھیلنا حرام ہے اور خاص نعت خوانی جو کہ عبادت ہے۔ اس کو باجے پر استعمال کرنا اور بھی جرم ہے اگر کسی جگہ میلاد شریف میں یہ خرابیاں پیدا کر دی گئی ہوں تو ان خرابیوں کو دور کیا جاوے لیکن اصل میلاد شریف کو بند نہ کیا جاوے اگر عورت بلند آواز سے قرآن کی تلاوت کرے یا لوگ قرآن کریم باجے سے پڑھنے لگیں تو ان بیہودگیوں کو مٹادو۔ قرآن پڑھنا نہ روکو کیونکہ یہ عبادت ہے۔

میلاد شریف قرآن و احادیث و اقوال علماء اور ملائکہ اور پیغمبروں کے فعل سے ثابت ہے قرآن کریم میں ارشاد ہوا (۱) رب تعالیٰ فرماتا ہے وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اور حضور کی تشریف آوری اللہ کی بڑی نعمت ہے میلاد پاک میں اسی کا ذکر ہے لہذا محفل میلاد کرنا اس آیت پر عمل ہے۔

(۲) وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ اپنے رب کی نعمتوں کا خوب چرچا کرو۔ اور حضور علیہ السلام کی دنیا میں تشریف آوری تمام نعمتوں سے بڑھ کر نعمت ہے کہ رب تعالیٰ نے اس پر احسان جتایا ہے اس کا چرچا کرنا اسی آیت پر عمل ہے۔ آج کسی کے فرزند پیدا ہو تو ہر سال تاریخ پیدائش پر سالگرہ کا جشن کرتا ہے۔

کسی کو سلطنت ملے تو ہر سال اس تاریخ پر جشن جلوس مناتا ہے تو جس تاریخ کو دنیا میں سب سے بڑی نعمت آئی اس پر خوشی منانا کیوں منع ہوگا؟ خود قرآن کریم نے حضور علیہ السلام کا میلاد جگہ جگہ ارشاد فرمایا فرماتا ہے لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُوْلٌ الآیۃ اے مسلمانوں تمہارے پاس عظمت والے رسول تشریف لائے اس میں تو ولادت کا ذکر ہوا پھر فرمایا مِنْ اَنْفُسِكُمْ حضور علیہ السلام کا نسب نامہ بیان ہوا کہ وہ تم میں سے یا تمہاری بہترین جماعت میں سے ہیں۔ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ سے آخر تک حضور علیہ السلام کی نعت بیان ہوئی آج میلاد شریف میں یہ ہی تین باتیں بیان ہوتی ہیں۔

(۳) لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا۔	اللہ نے مسلمانوں پر بڑا ہی احسان کیا کہ ان میں اپنے رسول علیہ السلام کو بھیجدیا۔
هُوَ الَّذِيْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ۔	رب العالمین وہ قدرت والا ہے جس نے اپنے پیغمبر علیہ السلام کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا۔

غرضکہ بہت سی آیات ہیں جن میں حضور علیہ السلام کی ولادت پاک کا ذکر فرمایا گیا۔ معلوم ہوا کہ میلاد کا ذکر سنت الٰہیہ ہے۔ اب اگر جماعت کی نماز میں امام یہ ہی آیات ولادت پڑھے تو عین نماز میں میرے آقا کا میلاد ہوتا ہے۔ دیکھو امام صاحب کے پیچھے مجمع بھی ہے اور قیام بھی ہو رہا ہے۔ پھر ولادت پاک کا ذکر بھی ہے بلکہ خود کلمہ طیبہ میں میلاد شریف ہے کیونکہ اس میں ہے مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ محمد اللہ کے رسول ہیں۔ رسول کے معنے ہیں بھیجے ہوئے اور بھیجنے کے لیے آنا ضروری ہے حضور علیہ السلام کی تشریف آوری کا ذکر ہوگیا۔ اصل میلاد پایا گیا قرآن کریم نے تو انبیاء علیہم السلام کا بھی میلاد بیان فرمایا ہے۔ سورۂ مریم میں حضرت مریم کا حاملہ ہونا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت پاک کا ذکر۔ حتیٰ کہ حضرت مریم کا دردزہ۔ اس تکلیف میں جو کلمات فرمائے کہ يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا پھر ان کی ملائکہ کی طرف سے تسلی پانا۔ پھر یہ کہ حضرت مریم نے اسوقت کیا غذا کھائی۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قوم سے کلام فرمانا غرضکہ سب ہی بیان فرمایا۔ یہ ہی میلاد خواں بھی پڑھتا ہے کہ حضرت آمنہ خاتون نے ولادت پاک کے وقت فلاں فلاں معجزات دیکھے۔ پھر یہ فرمایا پھر اس طرح حوران بہشتی آپ کی امداد کو آئیں۔ پھر کعبہ معظمہ نے آمنہ خاتون کے گھر کو سجدہ کیا۔ وغیرہ وغیرہ وہ ہی قرآنی سنت ہے اسی طرح قرآن نے حضرت موسےٰ علیہ السلام کی پیدائش، اُن کی شیر خوارگی، اُن کی پرورش ان کا چلنا پھرنا، مدین میں جانا، حضرت شعیب کی خدمت میں جانا، وہاں رہنا اور اُن کی

بیان فرمائے جس سے معلوم ہوا کہ میلاد پڑھنا سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہے۔
چنانچہ مشکوٰۃ جلد دوم باب فضائل سید المرسلین فصل ثانی میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ شاید حضور علیہ السلام تک خبر پہنچی تھی کہ بعض لوگ ہمارے نسب پاک میں طعن کرتے ہیں۔ فَقَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْمِنْبَرِ فَقَالَ مَنْ أَنَا پس منبر پر قیام فرما کر پوچھا بتاؤ میں کون ہوں؟ سب نے عرض کیا کہ آپ رسول اللہ ہیں فرمایا میں محمد ابن عبداللہ ابن عبدالمطلب ہوں۔ اللہ نے مخلوق کو پیدا فرمایا تو ہم کو بہتر مخلوق میں سے کیا۔ پھر انکے دو حصے کئے عرب و عجم۔ ہم کو ان میں سے بہتر یعنی عرب میں سے کیا۔ پھر عرب کے چند قبیلے فرمائے ہم کو ان کے بہتر یعنی قریش میں سے کیا۔ پھر قریش کے چند خاندان بنائے ہم کو ان میں سے سب سے بہتر خاندان یعنی بنی ہاشم میں سے کیا۔ اسی مشکوٰۃ اسی فصل میں ہے کہ ہم خاتم النبیین ہیں اور ہم حضرت ابراہیم کی دعا حضرت عیسیٰ کی بشارت اور اپنی والدہ کا دیدار ہیں جو انہوں نے ہماری ولادت کے وقت دیکھا کہ ان سے ایک نور چمکا جس سے شام کی عمارتیں ان کو نظر آئیں اس مجمع میں حضور علیہ السلام نے اپنا نسب نامہ اپنی نعت شریف، اپنی ولادت پاک کا واقعہ بیان فرمایا یہ ہی میلاد شریف میں ہوتا ہے۔ ایسی صدہا احادیث پیش کی جاسکتی ہیں۔

(۶) صحابہ کرام ایک دوسرے کے پاس جا کر فرمائش کرتے تھے کہ ہم کو حضور علیہ السلام کی نعت شریف سناؤ معلوم ہوا کہ میلاد سنت صحابہ بھی ہے۔ چنانچہ مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین فصل اول میں ہے کہ حضرت عطا ابن یسار فرماتے ہیں کہ میں عبداللہ ابن عمرو ابن عاص رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور عرض کیا کہ مجھے حضور علیہ السلام کی وہ نعت سناؤ جو کہ توریت شریف میں ہے۔ انہوں نے پڑھ کر سنائی۔ اسی طرح حضرت کعب احبار فرماتے ہیں کہ ہم حضور علیہ السلام کی نعت پاک توریت میں یوں پاتے ہیں محمد اللہ کے رسول ہیں۔ میرے پسندیدہ بندے ہیں۔ نہ سخت خلق، نہ سخت طبیعت، ان کی ولادت مکہ مکرمہ میں اور ان کی ہجرت طیبہ میں۔ ان کا ملک شام میں ہوگا۔ ان کی امت خدا کی بہت حمد کرے گی کہ رنج و خوشی ہر حال میں خدا کی حمد کرے گی (مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین)

(۷) یہ تو مقبول بندوں کا ذکر تھا۔ کفار نے بھی ولادت پاک کی خوشی منائی۔ تو کچھ نہ کچھ فائدہ حاصل ہی کر لیا۔ چنانچہ بخاری جلد دوم کتاب النکاح باب وَاُمَّهَاتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَمَا يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ میں ہے،

فَلَمَّا مَاتَ اَبُوْ لَهَبٍ اُرِيَهٗ بَعْضُ اَهْلِهٖ بِشَرِّ حِيْبَةٍ قَالَ لَهٗ مَاذَا لَقِيْتَ قَالَ اَبُوْ لَهَبٍ لَمْ اَلْقَ بَعْدَ كُمْ خَيْرًا اِنِّيْ سُقِيْتُ فِيْ هٰذِهٖ بِعَتَاقَتِيْ ثُوَيْبَةَ ۔

جب ابولہب مرگیا تو اسکو اسکے بعض گھر والوں نے خواب میں برے حال میں دیکھا پوچھا کیا گزری ابولہب بولا کہ تم سے علیحدہ ہوکر مجھے کوئی خیر نصیب نہ ہوئی۔ ہاں مجھے اس کلمے کی انگلی سے پانی ملتا ہے کیونکہ میں نے ثویبہ لونڈی کو آزاد کیا تھا

بات یہ تھی کہ ابولہب حضرت عبداللہ کا بھائی تھا۔ اس کی لونڈی ثویبہ نے آکر اس کو خبر دی کہ آج تیرے بھائی عبداللہ کے گھر فرزند (محمد رسول اللہ) پیدا ہوئے ۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس نے خوشی میں اس لونڈی کو انگلی کے اشارے سے کہا کہ جا تو آزاد ہے ۔ یہ سخت کافر تھا۔ جس کی برائی قرآن میں آرہی ہے۔ مگر اس خوشی کی برکت سے اللہ نے اس پر یہ کرم کیا کہ جب دوزخ میں وہ پیاسا ہوتا ہے تو اپنی اس انگلی کو چوستا ہے۔ پیاس بجھ جاتی ہے حالانکہ وہ کافر تھا ہم مومن۔ وہ دشمن تھا۔ ہم ان کے بندے بے دام۔ اس نے بھتیجے کے پیدا ہونے کی خوشی کی تھی۔ نہ کہ رسول اللہ کی۔ ہم رسول اللہ کی ولادت کی خوشی کرتے ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔ تو وہ کریم ہیں ہم ان کے بھکاری وہ کیا کچھ نہ دیں گے ؎

دوستاں را کجا کنی محروم ٭ تو کہ با دشمناں نظر داری

مدارج النبوۃ جلد دوم حضور علیہ السلام کی رضاعت کے وصل میں اسی ابولہب کے واقعہ کو بیان فرما کر فرماتے ہیں۔

"ودریں جا سند است مر اہل موالید را کہ در شب میلاد آں سرور سرور کنند و بذل اموال نمایند یعنی ابولہب کہ کافر بود چوں بسرور میلاد آں حضرت و بذل شیر جاریہ وے بجہت آں حضرت جزا دادہ شد تا حال مسلماں کہ مملو است بمحبت و سرور و بذل مال در وے چہ باشد لیکن باید کہ از بدعت ہا کہ عوام احداث کردہ از تغنی و آلات محرمہ و منکرات خالی باشد"

اس واقعہ میں مولود والوں کی بڑی دلیل ہے جو حضور علیہ السلام کی شب ولادت میں خوشیاں مناتے اور مال خرچ کرتے ہیں یعنی ابولہب جو کافر تھا جب حضور کی ولادت کی خوشی اور لونڈی کے دودھ پلانے کی وجہ سے انعام دیا گیا تو اس مسلمان کا کیا ہوگا جو محبت خوشی سے بھرا ہوا ہے اور مال خرچ کرتا ہے لیکن چاہیئے کہ محفل میلاد شریف عوام کی بدعتوں یعنی گانے اور حرام باجوں وغیرہ سے خالی ہو

(۸) ہر زمانہ اور ہر جگہ میں علماء و اولیاء مشائخ اور عامۃ المسلمین اس میلاد شریف کو مستحب جان کر کرتے رہے اور کرتے ہیں۔ حرمین شریفین میں بھی نہایت اہتمام سے یہ مجلس پاک منعقد کی جاتی ہے۔ جس ملک میں بھی

جاوے مسلمانوں میں یہ عمل پاوے گے۔ اولیاء اللہ و علماء امت نے اس کے بڑے بڑے فائدے اور برکات بیان فرمائی ہیں۔ ہم حدیث نقل کر چکے ہیں کہ جس کام کو مسلمان اچھا جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے قرآن فرماتا ہے۔ لِتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ تاکہ تم اے مسلمانو گواہ ہو۔ حدیث پاک میں بھی ہے اَنْتُمْ شُهَدَآءُ اللّٰهِ فِي الْاَرْضِ تم زمین میں اللہ کے گواہ ہو۔ لہذا محفلِ میلاد پاک مستحب ہے۔

آخر مجمع البحار صفحہ ۵۵۰ میں ہے کہ شیخ محمد طاہر محدث ربیع الاول کے متعلق فرماتے ہیں۔ فَاِنَّهٗ شَهْرٌ اُمِرْنَا بِاِظْهَارِ الْحُبُوْرِ فِيْهِ كُلَّ عَامٍ معلوم ہوا کہ ربیع الاول میں ہر سال خوشی منانے کا حکم ہے۔

تفسیر روح البیان پارہ ۲۶ سورہ فتح زیر آیت مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ہے۔

وَمِنْ تَعْظِيْمِهٖ عَمَلُ الْمَوْلِدِ اِذَا لَمْ يَكُنْ فِيْهِ مُنْكَرٌ قَالَ الْاِمَامُ السُّيُوْطِيُّ يُسْتَحَبُّ لَنَا اِظْهَارُ الشُّكْرِ لِمَوْلِدِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ

پھر فرماتے ہیں۔ فَقَدْ قَالَ ابْنُ الْحَجَرِ الْهَيْتَمِيُّ اِنَّ الْبِدْعَةَ الْحَسَنَةَ مُتَّفَقٌ عَلٰى نَدْبِهَا وَعَمَلُ الْمَوْلِدِ وَاجْتِمَاعُ النَّاسِ لَهٗ كَذٰلِكَ بِدْعَةٌ حَسَنَةٌ قَالَ السَّخَاوِيُّ لَمْ يَفْعَلْهُ اَحَدٌ مِّنَ الْقُرُوْنِ الثَّلٰثَةِ وَ اِنَّمَا حَدَثَ بَعْدُ ثُمَّ لَا زَالَ اَهْلُ الْاِسْلَامِ مِنْ سَائِرِ الْاَقْطَارِ وَالْمُدُنِ الْكِبَارِ يَعْمَلُوْنَ الْمَوْلِدَ وَيَتَصَدَّقُوْنَ بِاَنْوَاعِ الصَّدَقٰتِ وَيَعْتَنُوْنَ بِقِرَاءَةِ مَوْلِدِهِ الْكَرِيْمِ وَيَظْهَرُ مِنْ بَرَكَاتِهٖ عَلَيْهِمْ كُلُّ فَضْلٍ عَظِيْمٍ قَالَ ابْنُ الْجَوْزِيِّ مِنْ خَوَاصِّهٖ اَنَّهٗ اَمَانٌ فِيْ ذٰلِكَ الْعَامِ وَبُشْرٰى عَاجِلَةٌ بِنَيْلِ الْبُغْيَةِ وَالْمَرَامِ وَاَوَّلُ مَنْ اَحْدَثَهٗ مِنَ الْمُلُوْكِ صَاحِبُ

میلاد شریف کرنا حضور علیہ السلام کی تعظیم ہے جبکہ وہ بری باتوں سے خالی ہو امام سیوطی فرماتے ہیں کہ ہم کو حضور علیہ السلام کی ولادت پر شکر کا اظہار کرنا مستحب ہے ابن حجر ہیتمی نے فرمایا کہ بدعت حسنہ کے مستحب ہونے پر سب کا اتفاق ہے اور میلاد شریف کرنا اور اس میں لوگوں کا جمع ہونا بھی اسی طرح بدعت حسنہ ہے امام سخاوی نے فرمایا کہ میلاد شریف تینوں زمانوں میں کسی نے نہ کیا بعد میں ایجاد ہوا پھر ہر طرف کے اور ہر شہر کے مسلمان ہمیشہ مولود شریف کرتے رہے اور کرتے ہیں اور طرح طرح کے صدقہ و خیرات کرتے ہیں اور حضور علیہ السلام کے میلاد پڑھنے کا بڑا اہتمام کرتے ہیں اس مجلس پاک کی برکتوں سے ان پر اللہ کا بڑا ہی فضل ہوتا ہے امام ابن جوزی فرماتے ہیں کہ میلاد شریف کی تاثیر یہ ہے کہ سال بھر اس کی برکت سے امن رہتی ہے اور اس میں مرادیں پوری ہونیکی خوشخبری ہے جس بادشاہ نے پہلے اس کو ایجاد کیا وہ

اَرْبِلِ وَصَنَّفَ لَهُ ابْنُ دَحْيَةَ كِتَابًا فِي الْمَوْلِدِ فَاَجَازَهُ بِاَلْفِ دِيْنَارٍ وَقَدِ اسْتَخْرَجَ لَهُ الْحَافِظُ ابْنُ حَجَرٍ اَصْلًا مِنَ السُّنَّةِ وَ كَذَا الْحَافِظُ السُّيُوْطِيُّ وَرَدَّ عَلٰى اِنْكَارِ الْفَاكِهَانِيِّ قَوْلَهُ اِنَّ عَمَلَ الْمَوْلِدِ بِدْعَةٌ مَذْمُوْمَةٌ

شاہ اربل ہے اور ابن دحیہ نے اسکے لیے میلاد شریف کی ایک کتاب لکھی جس پر بادشاہ نے اسکو ہزار اشرفیاں نذر کیں اور حافظ ابن حجر اور حافظ سیوطی نے اس کی اصل سنت سے ثابت کی ہے اور انکار کیا ہے جو اس کو بدعت سیئہ کہہ کر منع کرتے ہیں۔

ملا علی قاری مورد الروی میں دیباچہ کے متصل فرماتے ہیں لَازَالَ اَهْلُ الْاِسْلَامِ يَحْتَفِلُوْنَ فِيْ كُلِّ سَنَةٍ جَدِيْدَةٍ وَيَعْتَنُوْنَ بِقِرَاءَةِ مَوْلِدِهِ الْكَرِيْمِ وَيَظْهَرُ عَلَيْهِمْ مِنْ بَرَكَاتِهٖ كُلُّ فَضْلٍ عَظِيْمٍ اور اسی کتاب کے دیباچہ میں یہ اشعار فرماتے ہیں ؎

لِهٰذَا الشَّهْرِ فِي الْاِسْلَامِ فَضْلٌ ٭ وَمَنْقَبَةٌ تَفُوْقُ عَلَى الشُّهُوْرِ

رَبِيْعٌ فِيْ رَبِيْعٍ فِيْ رَبِيْعٍ ٭ وَنُوْرٌ فَوْقَ نُوْرٍ فَوْقَ نُوْرٍ (انوار ساطعہ)

ان عبارات سے تین باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک یہ کہ مشرق و مغرب کے مسلمان اس کو اچھا جان کر کرتے ہیں دوسرے یہ کہ بڑے بڑے علماء فقہاء، محدثین مفسرین وصوفیاء نے اس کو اچھا جانا ہے جیسے امام سیوطی۔ علامہ ابن حجر ہیتمی، امام سخاوی، ابن جوزی۔ حافظ ابن حجر وغیرہم۔ تیسرے یہ کہ میلاد پاک کی برکت سے سال بھر تک گھر میں امن۔ مراد پوری ہونا، مقاصد برآنا حاصل ہوتا ہے۔

(۹) عقل کا بھی تقاضا ہے کہ میلاد شریف بہت مفید محفل ہے۔ اس میں چند فائدے ہیں۔ مسلمانوں کے دل میں حضور علیہ السلام کے فضائل سن کر حضور علیہ السلام کی محبت بڑھتی ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور دیگر صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کی محبت بڑھانے کے لیئے زیادتی درود شریف اور حضور علیہ السلام کے احوال زندگی کا مطالعہ ضروری ہے پڑھے لکھے لوگ تو کتابوں میں حالات دیکھ سکتے ہیں۔ مگر ناخواندہ لوگ نہیں پڑھ سکتے۔ ان کو اس طرح سننے کا موقعہ مل جاتا ہے یہ مجلس پاک غیر مسلموں میں تبلیغ احکام کا ذریعہ ہے کہ وہ بھی اس میں شریک ہوں۔ حضور علیہ السلام کے حالات طیبہ سنیں اسلام کی خوبیاں دیکھیں۔ خدا توفیق دے تو اسلام لے آویں۔ تیسرے یہ کہ اس مجلس کے ذریعہ سے مسلمانوں کو مسائل دینیہ بتانے کا موقعہ ملتا ہے۔ بعض دیہات کے لوگ جمعہ میں آتے نہیں اور اس طرح سے بلاؤ تو جمع نہیں ہوتے۔ ہاں محفل میلاد شریف کا نام لو تو فوراً بڑے شوق سے جمع ہو جاتے ہیں۔ خود میں نے

بھی اس کا بہت تجربہ کیا۔ اب اسی مجلس میں مسائل وغیرہ بتاؤ ان کو ہدایت کرو اچھا موقعہ ملتا ہے۔
چوتھے یہ کہ میلاد شریف میں ایسی نظمیں بنا کر پڑھی جاویں جن میں مسائل وغیرہ ہوں اور مسلمانوں کو ہدایت کی جاوے کیونکہ بمقابلہ نثر کے نظم دل میں زیادہ اثر کرتی ہے۔ اور جلد یاد ہوتی ہے۔ پانچویں یہ کہ اس مجلس میں سنتے سنتے مسلمانوں کو حضور علیہ السلام کا نسب شریف اولاد پاک، ازواج مطہرات اور ولادت پاک و پرورش کے حالات یاد ہو جائیں گے۔ آج مرزائی۔ رافضی وغیرہم کو اپنے مذاہب کی پوری پوری معلومات ہوتی ہیں۔ رافضی کے بچوں کو بھی بارہ اماموں کے نام اور خلفائے راشدین کے اسماء تبرا کرنے کو یاد ہوں گے مگر اہل سنت کے بچے تو کیا بوڑھے بھی اس سے غافل ہیں۔ میں نے بہت سے بوڑھوں کو پوچھا کہ حضور علیہ السلام کی اولاد کتنی ہے؟ داماد کتنے ہیں! بے خبر پایا۔ اگر ان مجلسوں میں ان کا چرچا رہے تو بہت مفید ہو۔ بنی ہوئی چیز کو نہ بگاڑو۔ بلکہ بگڑی ہوئی چیز کو بنانے کی کوشش کرو۔
(۱۰) مخالفین کے پیرومرشد حاجی امداد اللہ صاحب نے فیصلہ ہفت مسئلہ میں محفل میلاد شریف کو جائز اور باعث برکت فرمایا چنانچہ وہ اس کے صفحہ ۸ پر فرماتے ہیں "کہ مشرب فقیر کا یہ ہے کہ محفل مولود شریف میں شریک ہوتا ہوں۔ بلکہ ذریعہ برکات سمجھ کر ہر سال منعقد کرتا ہوں اور قیام میں لطف ولذت پاتا ہوں" عجیب بات ہے کہ پیر صاحب تو مولود شریف کو ذریعہ برکات سمجھ کر خود ہر سال کریں اور مریدین مخلصین کا عقیدہ ہو کہ شرک و کفر کی محفل ہے (محفل میلاد) نہ معلوم کہ اب پیر صاحب پر کیا فتوے لگے گا؟
(۱۱) ہم عرس کی بحث میں عرض کریں گے کہ فقہاء کے نزدیک بغیر دلیل کراہت تنزیہی کا بھی ثبوت نہیں ہو سکتا۔ حرمت تو بہت بڑی چیز ہے اور استحباب کے لئے صرف اتنا کافی ہے کہ مسلمان اس کو اچھا جانیں تو جو کام شریعت میں منع نہیں اور مسلمان اس کو نیت خیر سے کرے یا کہ عام مسلمان اس کو اچھا جانتے ہوں وہ مستحب ہے اس کا ثبوت بدعت کی بحث میں بھی ہو چکا۔ تو محفل میلاد شریف کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ شرعاً یہ منع نہیں اور مسلمان اس کو کار ثواب سمجھتے ہیں، بنیت خیر سے کرتے ہیں لہذا یہ مستحب ہے مگر حرام کہنے والے اس کی حرمت پر کوئی قطعی الثبوت قطعی الدلالت حدیث یا آیت لائیں گے صرف بدعت کہہ دینے سے کام نہیں چلتا۔

دوسرا باب

میلاد شریف پر اعتراضات وجوابات میں

مخالفین کے اس پر حسب ذیل اعتراضات ہیں اور ان کے حسب ذیل جوابات ہیں۔

اعتراض (۱) محفل میلاد بدعت ہے کہ نہ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں ہوئی اور نہ صحابہ کرام و تابعین کے زمانہ میں۔ اور ہر بدعت حرام ہے۔ لہٰذا مولود حرام۔

جواب: میلاد شریف کو بدعت کہنا نادانی ہے۔ ہم پہلے باب میں بتا چکے کہ اصل میلاد سنت الٰہیہ، سنت انبیاء۔ سنت ملائکہ، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، سنت صحابہ کرام، سنت سلف صالحین اور عام مسلمانوں کا معمول ہے۔ پھر بدعت کیسی؟ اور اگر بدعت ہو بھی۔ تو ہر بدعت حرام نہیں۔ ہم بدعت کی بحث میں عرض کر چکے ہیں کہ بدعت واجب بھی ہوتی ہے اور مستحب بھی جائز بھی ہوتی ہے اور مکروہ و حرام بھی۔ نیز پہلے باب میں تفسیر روح البیان کے حوالہ سے بتا چکے کہ یہ محفل بدعت حسنہ مستحبہ ہے۔ حضور علیہ السلام کا ذکر کیونکر حرام ہو سکتا ہے۔

اعتراض (۲) اس مجلس میں بہت سی حرام باتیں ہوتی ہیں مثلاً عورتوں مردوں کا خلط ملط۔ داڑھی منڈوں کا نعت خوانی کرنا۔ غلط روایات پڑھنا گویا کہ یہ مجلس حرام باتوں کا مجموعہ ہے۔ لہٰذا حرام ہے۔

جواب: اولاً یہ حرام چیزیں ہر مجلس میلاد میں ہوتی نہیں۔ بلکہ اکثر نہیں ہوتیں۔ عورتیں پردوں میں علیحدہ بیٹھتی ہیں۔ اور مرد علیحدہ۔ پڑھنے والے پابند شریعت ہوتے ہیں۔ روایات بھی صحیح بلکہ ہم نے تو یہ دیکھا ہے کہ پڑھنے والے سننے والے باوضو بیٹھتے ہیں۔ سب درود شریف پڑھتے رہتے ہیں۔ اور رقت طاری ہوتی ہے بسا اوقات آنسو جاری ہوتے ہیں اور محبوب علیہ السلام کا ذکر پاک ہوتا ہے ؎

لذت بادہ عشق از من مست مپرس ✽ ذوق ایں مے نہ شناسی بخدا تا نہ چشی

ع ہائے کمبخت تو نے پی ہی نہیں

اور اگر کسی جگہ یہ باتیں ہوتی بھی ہوں۔ تو یہ باتیں حرام ہوں گی اصل میلاد شریف یعنی ذکر ولادت مصطفےٰ علیہ السلام کیوں حرام ہوگا۔ بحث عرس میں ہم عرض کریں گے کہ حرام چیز کے شامل ہو جانے سے کوئی سنت یا جائز کام حرام نہیں ہو جاتا۔ ورنہ سب سے پہلے دینی مدرسے حرام ہونے چاہئیں کیونکہ

وہاں مرد بے داڑھی والے بچے جوانوں کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ ان کا آپس میں اختلاط بھی ہوتا ہے کبھی کبھی اس کے بُرے نتیجے بھی برآمد ہوتے ہیں۔ اور ترمذی و بخاری ابن ماجہ وغیرہ کتب حدیث و تفسیر پڑھتے ہیں۔ ان میں تمام روایات صحیح ہی نہیں ہوتیں بعض ضعیف بلکہ موضوع بھی ہوتی ہیں۔ بعض طلبار بلکہ بعض مدرسین داڑھی منڈے بھی ہوتے ہیں۔ تو کیا ان کی وجہ سے مدرسے بند کیے جائیں گے؟ نہیں بلکہ ان محرمات کو روکنے کی کوشش کی جاوے گی۔ بتاؤ اگر داڑھی منڈا قرآن پڑھے تو کیسا؟ قرآن پڑھنا بند کر دگے؟ ہرگز نہیں۔ تو اگر داڑھی منڈا میلاد شریف پڑھے تو کیوں بند کرتے ہو؟

اعتراض (۳) محفل میلاد کی وجہ سے رات کو دیر میں سونا ہوتا ہے۔ جسکی وجہ سے فجر کی نماز قضا ہوتی ہے اور جس سے فرض چھوٹے وہ حرام لہذا میلاد حرام۔

جواب: اولاً تو میلاد شریف ہمیشہ رات کو نہیں ہوتا۔ بہت دفعہ دن میں بھی ہوتا ہے۔ جہاں رات کو ہو۔ وہاں بہت دیر تک نہیں ہوتا۔ دس گیارہ بجے تک ختم ہو جاتا ہے اتنی دیر تک لوگ عموماً ویسے بھی جاگتے ہی ہیں۔ اگر دیر لگ بھی جاوے۔ تو نماز جماعت کے پابند لوگ صبح کو نماز کے وقت جاگ جاتے ہیں۔ جیسا کہ بارہا کا تجربہ ہے لہذا یا اعتراض محض ذکر رسول علیہ السلام کو روکنے کا بہانہ ہے اور اگر کبھی میلاد شریف دیر میں ختم ہوا اور اس کی وجہ سے کسی کی نماز کے وقت آنکھ نہ کھلی تو اس سے میلاد شریف کیوں حرام ہو گیا؟ دینی مدارس کے سالانہ جلسے دیگر مذہبی و قومی جلسے رات کو دیر تک ہوتے ہیں۔ اور بعض جگہ نکاح کی مجلس آخر رات میں ہوتی ہے۔ رات کی ریل سے سفر کرنا ہوتا ہے تو بہت رات تک جاگنا ہوتا ہے۔ کہو کہ یہ جلسے، یہ نکاح۔ یہ ریل کا سفر حرام ہے یا حلال؟ جب یہ تمام چیزیں حلال ہیں تو محفل میلاد پاک کیوں حرام ہو گی؟ ورنہ وجہ فرق بیان کرنا ضروری ہے۔

اعتراض (۴) علامہ شامی نے شامی جلد دوم کتاب الصوم بحث نذر اموات میں کہا کہ میلاد شریف سب سے بدتر چیز ہے۔ اسی طرح تفسیرات احمدیہ شریف میں محفل میلاد شریف کو حرام بتایا اور اس کے حلال جاننے والوں کو کافر کہا۔ جس سے معلوم ہوا کہ محفل میلاد سخت بُری چیز ہے۔

جواب: شامی نے مجلس میلاد شریف کو حرام نہ کہا بلکہ جس محفل میں گانے باجے اور لغویات ہوں اور اس کو لوگ میلاد کہیں۔ کار ثواب سمجھیں اس کو منع فرمایا ہے چنانچہ وہ اسی بحث میں فرماتے ہیں۔

وَاَقْبَحُ مِنْهُ النَّذْرُ بِقِرَاءَةِ الْمَوْلِدِ | اس سے بھی بُری میناروں میں مولود پڑھنے کی نذر ماننا

فِی الْمَنَابِرِ مَعَ اِشْتِمَالِہٖ عَلَی الْغِنَاءِ وَاللَّعْبِ وَاِیْهَابِ ثَوَابِ ذٰلِکَ اِلٰی حَضْرَتِ الْمُصْطَفٰی | ہے۔ باوجودیکہ اس مولود میں گانے اور کھیل کود ہوتے ہیں اس کا ثواب حضور علیہ السلام کو ہدیہ کرنا

اسی طرح تفسیرات احمدیہ نے ان گانے کی مجالس کو منع کیا کہ جن میں کھیل تماشے بلکہ شراب نوشی بھی ہو۔ اور لوگ اس کو سماع کہہ کر کار ثواب جانیں تفسیرات احمدیہ نے ان لغویات کی تصریح بھی کر دی ہے دیکھو تفسیرات احمدیہ سورہ لقمان زیر آیت وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّشْتَرِیْ لَهْوَ الْحَدِیْثِ۔ ہم نے بھی پہلے عرض کیا کہ محفل میلاد میں لغویات نہ ہوں۔ میں نے خود کراچی میں دیکھا کہ بعض جگہ باجے پر نعت پڑھتے ہیں اور اس کو میلاد شریف کہتے ہیں۔ ایک بار سہسوان ضلع بدایوں کے قریب کسی گاؤں میں ایک شخص نے اپنے باپ کی فاتحہ کرائی۔ بجائے قرآن کی تلاوت کے گراموفون ریکارڈ میں سورہ یاسین بجا کر اس کا ثواب باپ کی روح کو بخشا۔ ایسی بیہودہ اور حرام باتوں کو کون جائز کہتا ہے؟ اسی طرح ان حضرات کے زمانہ میں بھی ایسی لغو اور بیہودہ مجلسیں ہوتی ہوں گی۔ اس کو یہ منع فرما رہے ہیں۔ اگر مطلقاً میلاد شریف کو جائز ماننا کفر ہے تو حاجی امداد اللہ صاحب پیرو مرشد بھی اسی میں شامل ہوئے جاتے ہیں۔

اعتراض (۵) نعت خوانی حرام ہے کیونکہ یہ بھی ایک قسم کا گانا ہے اور گانے کی احادیث میں برائی آئی ہے۔ اسی طرح تقسیم شیرینی کرنا اسراف ہے۔

جواب: نعت کہنا اور نعت پڑھنا بہترین عبادت ہے سارا قرآن حضور علیہ السلام کی نعت ہے۔ دیکھو اس کی تحقیق ہماری کتاب شان حبیب الرحمٰن میں۔ گذشتہ انبیائے کرام نے حضور علیہ السلام کی نعت خوانی کی۔ صحابہ کرام اور سارے مسلمان نعت شریف کو مستحب جانتے رہے خود حضور علیہ السلام نے اپنی نعت پاک سنی اور نعت خوانوں کو دعائیں دیں۔ حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نعتیہ اشعار اور کفار کی مذمت منظوم کر کے حضور علیہ السلام کی خدمت میں لاتے تھے تو حضور علیہ السلام ان کے لئے مسجد میں منبر بچھوا دیتے تھے۔ حضرت حسان اس پر کھڑے ہو کر نعت شریف سنایا کرتے تھے اور حضور علیہ السلام دعا یہ دیتے تھے کہ اَللّٰهُمَّ اَیِّدْهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ اے اللہ حسان کی روح القدس سے امداد کر (دیکھو مشکوٰۃ شریف جلد دوم باب الشعر) اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ نعت گوئی اور نعت خوانی ایسی اعلیٰ عبادت ہے کہ اس کی وجہ سے حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مجلس مصطفیٰ علیہ السلام میں منبر دیا گیا۔ ابو طالب نے نعت لکھی۔ خرپوتی شرح قصیدہ بردہ میں ہے کہ صاحب قصیدہ بردہ کو فالج ہو گیا تھا۔ کوئی علاج مفید نہ ہوتا تھا۔ آخر کار قصیدہ

بردہ شریف لکھا۔ رات کو خواب میں حضور علیہ السلام کی خدمت میں کھڑے ہو کر سنایا۔ شفا بھی پائی اور انعام میں چادر مبارک بھی ملی۔ نعت شریف سے دین و دنیا کی نعمتیں ملتی ہیں۔ مولانا جامی، امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہما۔ حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ غرضیکہ سارے اولیاء و علماء نے نعتیں لکھیں اور پڑھی ہیں۔ ان حضرات کے قصائد نعتیہ مشہور ہیں۔ حدیث و فقہ میں گانے بجانے کی برائیاں ہیں نہ کہ نعت کی۔ جن گیتوں میں مخرب اخلاق مضامین ہوں۔ عورتوں یا شراب کی تعریفیں ہوں واقعی وہ گانے ناجائز ہیں اس کی پوری تحقیق کے لئے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب مَايُقَالُ بَعْدَ التَّكْبِيْرِ كِتَابُ الصَّلٰوةِ اور باب الشعر میں دیکھو۔

فقہاء فرماتے ہیں کہ فصیح و بلیغ اشعار کا سیکھنا فرض کفایہ ہے اگرچہ ان کے مضامین خراب ہوں۔ مگر ان کے الفاظ سے علوم میں مدد ملتی ہے۔ دیوان متنبی وغیرہ مدارس اسلامیہ میں داخل ہیں۔ حالانکہ ان کے مضامین گندے ہیں۔ تو نعتیہ اشعار سیکھنا، یاد کرنا، پڑھنا جن کے مضامین بھی اعلیٰ الفاظ بھی پاکیزہ کس طرح ناجائز ہو سکتے ہیں؟ شامی کے مقدمہ میں شعر کی بحث میں ہے۔

وَمَعْرِفَةُ شِعْرِهِمْ رِوَايَةً وَدِرَايَةً عِنْدَ فُقَهَاءِ الْاِسْلَامِ فَرْضُ كِفَايَةٍ لِاَنَّهٗ تَثْبُتُ بِهٖ قَوَاعِدُ الْعَرَبِيَّةِ وَكَلَامُهُمْ وَاِنْ جَازَ فِيْهِ الْخَطَاءُ فِي الْمَعَانِيْ فَلَا يَجُوْزُ فِيْهِ الْخَطَاءُ فِي الْاَلْفَاظِ

شعراء جاہلیت کے شعروں کو جاننا سمجھنا روایت کرنا فقہاء اسلام کے نزدیک فرض کفایہ ہے کیونکہ اس سے عربی قواعد ثابت کیے جاتے ہیں اور ان کے کلام میں اگرچہ معنوی خطا ممکن ہے مگر لفظی غلطی نہیں ہو سکتی۔

گانے کی پوری تحقیق بحث عرس میں قوالی کے ماتحت آوے گی۔ ان شاء اللہ۔

تقسیم شیرینی بہت اچھا کام ہے، خوشی کے موقعہ پر کھانا کھلانا۔ مٹھائی تقسیم کرنا احادیث سے ثابت ہے، عقیقہ، ولیمہ وغیرہ میں کھانے کی دعوت سنت ہے کیوں؟ اس لیے کہ یہ خوشی کا موقعہ ہے خاص نکاح کے وقت خرمے تقسیم کرنا بلکہ اس کا لٹانا سنت ہے۔ اظہار خوشی کے لیے مسلمان کو ذکر محبوب پاک پر خوشی ہوتی ہے۔ دعوت کرتا ہے۔ صدقہ و خیرات کرتا ہے۔ شیرینی تقسیم کرتا ہے۔ اسی طرح اساتذہ کرام کا طریقہ ہے کہ دینی کتاب شروع ہونے اور ختم ہونے پڑھنے والے سے شیرینی تقسیم کراتے ہیں۔ میں نے مینڈو ضلع علیگڑھ میں کچھ عرصہ تعلیم پائی ہے وہاں دیوبندیوں کا مدرسہ تھا۔ مگر کتاب شروع ہونے پر شیرینی تقسیم کی جاتی تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ دینی اہم کام کرنے سے پہلے اور ختم کرکے تقسیم شیرینی سنت سلف صالحین ہے اور محفل میلاد بھی اہم دینی کام ہے اس سے پہلے اہل قرابت کو میلاد خوانوں اور مہمانوں کو کھانا کھلانا بعد میں حاضرین میں تقسیم شیرینی

کرنا اسی میں داخل ہے اس تقسیم کی اصل قرآن وحدیث سے ملتی ہے۔ قرآن فرماتا ہے۔

يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاَطْهَرُ پارہ ۲۸۔ سورۃ مجادلہ۔

اے ایمان والو جب تم رسول سے کچھ آہستہ عرض کرنا چاہو تو اس سے پہلے کچھ صدقہ دے لو یہ تمہارے لیے بہتر اور بہت ستھرا ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ شروع اسلام میں مالداروں پر ضروری تھا کہ جب حضور علیہ السلام سے کوئی ضروری مشورہ کریں تو پہلے خیرات کریں۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک دینار خیرات کر کے حضور علیہ السلام سے دس مسئلے پوچھے بعد میں اس کا وجوب منسوخ ہو گیا (دیکھو تفسیر خزائن العرفان وخازن و مدارک) اگرچہ وجوب منسوخ ہو گیا۔ مگر اباحت اصلیہ اور استحباب تو باقی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مزارات اولیاء اللہ پر کچھ شیرینی لے کر جانا۔ مرشدین اور صلحاء کے پاس کچھ لے کر حاضر ہونا مستحب ہے۔ اسی طرح احادیث و قرآن یا دینی کتب کے شروع کرتے وقت کچھ صدقہ کرنا بہتر ہے میلاد شریف پڑھنے سے پہلے کچھ خیرات کرنا کار ثواب ہے کہ اس میں بھی درحقیقت حضورؐ ہی سے کلام کرنا ہے۔ تفسیر فتح العزیز صفحہ ۸۶ میں شاہ عبد العزیز صاحب نے ایک حدیث نقل کی "وبیہقی در شعب الایمان از ابن عمر روایت کردہ کہ عمر ابن الخطاب سورۂ بقر را با حقائق آں در مدت دوازدہ سال خواندہ فارغ شد و روزے ختم شترے را کشتہ طعام وافر پختہ یاران حضرت پیغمبر را خورانید" بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابن عمر سے روایت کیا کہ حضرت فاروق نے سورہ بقر بارہ سال کی مدت میں اس کے رموز اسرار کے ساتھ پڑھی۔ جب فارغ ہوئے تو ختم کے دن ایک اونٹ ذبح کر کے بہت سا کھانا پکا کر صحابہ کرام کو کھلایا۔ اہم کار خیر سے فارغ ہو کر تقسیم شیرینی و طعام ثابت ہوا۔ میلاد پاک بھی اہم کام ہے بزرگان دین تو فرماتے ہیں کہ کسی اہل قرابت کے یہاں جاؤ تو خالی نہ جاؤ کچھ لے کر جاؤ۔ تَهَادَوْا وَتَحَابُّوْا ایک دوسرے کو ہدیہ دو محبت بڑھے گی۔ فقہا فرماتے ہیں کہ جب دیار محبوب یعنی مدینہ پاک میں جاوے تو وہاں کے فقراء کو صدقہ دے کر دہ اجیہ الیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ رب تعالیٰ کے یہاں بھی پہلا سوال یہ ہی ہوگا کہ کیا اعمال لائے؟ ؎

حق تعالیٰ باید چہ آوردی مرا! ٭ اندران مہلت کہ من دادم ترا

یہ تقسیم اسراف نہیں۔ کسی نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ لَا خَيْرَ فِي السَّرَفِ اسراف میں بھلائی نہیں۔ فوراً جواب دیا لَا سَرَفَ فِي الْخَيْرِ بھلائی میں خرچ کرنا اسراف نہیں۔

اعتراض (۶) محفلِ میلاد کے لیئے ایک دوسرے کو بلانا حرام ہے۔ دیکھو لوگوں کو بلا کر نفل کی جماعت بھی منع ہے تو کیا میلاد اس سے بڑھ کر ہے؟ (براہین)

جواب: مجلسِ وعظ، دعوت ولیمہ، مجالس امتحان و محفل نکاح و عقیقہ وغیرہ میں لوگوں کو بلایا ہی جاتا ہے تو کیا یہ امور حرام ہو گئے یا حلال رہے؟ اگر کہو کہ نکاح و وعظ وغیرہ فرائض اسلامی ہیں لہذا ان کے لیئے مجمع کرنا حلال۔ تو جناب تعظیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اہم فرائض سے ہے۔ لہذا اس کے لیئے بھی مجمع کرنا حلال ہے۔ نماز پر دیگر حالات کو قیاس کرنا سخت جہالت ہے اگر کوئی کہے کہ نماز بے وضو منع ہے۔ لہذا تلاوت قرآن بھی بے وضو منع ہونی چاہیئے وہ احمق ہے یہ قیاس مع الفارق ہے۔

اعتراض (۷) کسی کی یادگار منانا اور دن تاریخ وقت مقرر کرنا شرک ہے اور میلاد شریف میں یہ دونوں ہیں لہذا یہ بھی شرک ہے۔

جواب: خوشی کی یادگار منانا بھی سنت ہے۔ اور دن و تاریخ مقرر کرنا مسنون۔ اس کو شرک کہنا انتہا درجہ کی جہالت و بے دینی ہے۔ رب تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا وَذَكِّرْهُمْ بِأَيَّامِ اللهِ یعنی بنی اسرائیل کو وہ دن بھی یاد دلاؤ جن میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر نعمتیں اتاریں۔ جیسے غرق فرعون من و سلویٰ کا نزول وغیرہ (خزائن عرفان) معلوم ہوا کہ جن دنوں میں رب تعالیٰ اپنے بندوں کو نعمت دے۔ ان کی یادگار منانے کا حکم ہے۔ مشکوٰۃ کتاب الصوم باب صوم التطوع فصل اول میں ہے:

سُئِلَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ صَوْمِ يَوْمِ الْاِثْنَيْنِ فَقَالَ فِيْهِ وُلِدْتُّ وَفِيْهِ اُنْزِلَ عَلَيَّ وَحْيٌ	حضور علیہ السلام سے دوشنبہ کے روزے کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا کہ اسی دن ہم پیدا ہوتے اور اسی دن ہم پر وحی کی ابتدا ہوئی۔

ثابت ہوا کہ دوشنبہ کا روزہ اس لیئے سنت ہے کہ یہ دن حضور علیہ السلام کی ولادت کا ہے۔ اس سے تین باتیں معلوم ہوئیں۔ یادگار منانا سنت ہے اس کے لیئے دن مقرر کرنا سنت ہے۔ حضور علیہ السلام کی ولادت کی خوشی میں عبادت کرنا سنت ہے۔ عبادت خواہ بدنی ہو جیسے روزہ اور نوافل یا مالی جیسے صدقہ اور خیرات تقسیم شیرینی وغیرہ۔ مشکوٰۃ یہ ہی باب فصل ثالث میں ہے کہ جب حضور علیہ السلام مدینہ پاک میں تشریف لائے تو وہاں یہودیوں کو دیکھا کہ عاشورہ کے دن روزے رکھتے ہیں۔ سبب پوچھا۔ تو انھوں نے عرض کیا کہ اس دن حضرت موسیٰ علیہ السلام کو رب نے فرعون سے نجات دی تھی ہم اس کے شکریہ میں روزہ رکھتے

ہیں تو حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ فَنَحْنُ اَحَقُّ وَاَوْلٰی بِمُوْسٰی مِنْکُمْ ہم موسیٰ علیہ السلام سے تم سے زیادہ قریب ہیں فَصَامَهٗ وَاَمَرَ بِصِیَامِهٖ خود بھی اس دن روزہ رکھا اور لوگوں کو عاشورہ کے روزہ کا حکم دیا۔ چنانچہ اول اسلام میں یہ روزہ فرض تھا۔ اب فرضیت تو منسوخ ہو چکی مگر استحباب باقی ہے۔ اسی مشکوٰۃ کے اسی باب میں ہے کہ عاشورہ کے روزے کے متعلق کسی نے حضور علیہ السلام سے عرض کیا کہ اس میں یہود سے مشابہت ہے تو فرمایا کہ اچھا سال آئندہ اگر زندگی رہی تو ہم دو روزے رکھیں گے یعنی چھوڑا نہیں۔ بلکہ زیادتی فرما کر مشابہت اہل کتاب سے بچ گئے۔ ہم نے شان حبیب الرحمٰن میں حوالہ کتب سے بیان کیا کہ پنجگانہ نمازوں کی رکعتیں مختلف کیوں ہیں۔ فجر میں دو مغرب میں تین عصر میں چار۔ وہاں جواب دیا ہے کہ یہ نمازیں گذشتہ انبیاء کی یادگاریں ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام نے دنیا میں آکر رات دیکھی تو پریشان ہوئے۔ صبح کے وقت دو رکعت شکریہ ادا کیں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے فرزند حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا فدیہ دنبہ پایا۔ لخت جگر کی جان بچی۔ قربانی منظور ہوئی۔ چار رکعت شکریہ ادا کیں۔ یہ ظہر ہوئی وغیرہ وغیرہ معلوم ہوا کہ نماز کی رکعات بھی دیگر انبیاء کی یادگار ہیں۔ حج تو از اول تا آخر ہاجرہ و اسمٰعیل و ابراہیم علیہم السلام کی یادگار ہے اب نہ تو وہاں پانی کی تلاش ہے اور نہ شیطان کا قربانی سے روکنا۔ مگر صفا و مروہ کے درمیان چلنا، بھاگنا۔ منیٰ میں شیطان کو کنکر مارنا بدستور ویسے ہی موجود ہے۔ محض یادگار کے لیے۔ اس کی نفیس بحث کا مطالعہ کرو۔ شان حبیب الرحمٰن میں۔

ماہ رمضان خصوصاً شب قدر اس لیے افضل ہوئے کہ ان میں قرآن کریم کا نزول ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ اور فرماتا ہے اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ جب قرآن کے نزول کی وجہ سے یہ مہینہ رات تا قیامت اعلیٰ ہو گئے تو صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت پاک سے تا قیامت ربیع الاول اور اسکی بارھویں تاریخ اعلیٰ و افضل کیوں نہ ہوں۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی قربانی کے دن کو روز عید قرار دیدیا گیا۔ معلوم ہوا کہ جس دن، جس تاریخ میں کسی اللہ والے پر اللہ کی رحمت آئی ہو وہ دن، وہ تاریخ تا قیامت رحمت کا دن بن جاتا ہے دیکھو جمعہ کا دن اس لیے افضل ہے کہ اس دن میں گذشتہ انبیاء علیہم السلام پر ربانی انعام ہوئے کہ آدم علیہ السلام کی پیدائش، انہیں سجدہ کرنا۔ ان کا دنیا میں آنا، نوح علیہ السلام کی کشتی پار لگنا، یونس علیہ السلام کا مچھلی کے پیٹ سے باہر آنا، یعقوب علیہ السلام کا اپنے فرزند سے ملنا۔ موسیٰ علیہ السلام کا فرعون سے نجات پانا۔ پھر آئندہ قیامت کا آنا یہ سب جمعہ کے

دن ہے لہذا جمعہ سید الایام ہو گیا۔

اسی طرح برعکس کا حال ہے کہ جن مقامات اور جن تاریخوں میں قوموں پر عذاب آیا ان سے ڈرو۔ منگل کے دن فصد نہ لو کہ یہ خون کا دن ہے۔ اسی دن ہابیل کا قتل ہوا۔ اسی دن حضرت حوا کو حیض شروع ہوا۔ دیکھو ان دنوں میں یہ واقعات کبھی ایک بار ہو چکے۔ مگر ان واقعات کی وجہ سے دن میں عظمت یا حقارت ہمیشہ کے لیئے ہو گئی۔

معلوم ہوا کہ بزرگوں کی خوشی یا عبادت کی یادگاریں منانا عبادت ہے آج بھی یادگار اسمٰعیل شہید، یادگار مولانا قاسم خود مخالفین مناتے ہیں۔ اگر کسی چیز کا مقرر کرنا شرک ہو جاوے، تو مدرسہ دیوبند کی تاریخ امتحان مقرر تعطیل کے لیئے ماہ رمضان مقرر، دستار بندی کے لیئے دورہ حدیث مقرر، مدرسین کی تنخواہ مقرر، کھانے اور سونے کے لیئے وقت مقرر، جماعت کے لیئے گھنٹہ اور منٹ مقرر، نکاح ولیمہ اور عقیقہ کے لیئے تاریخیں مقرر۔ میلاد شریف کو شرک کرنے کے شوق میں اپنے گھر کو تو آگ نہ لگاؤ۔ یہ تاریخیں محض عادت کے طور پر مقرر کی جاتی ہیں۔ یہ کوئی بھی نہیں سمجھتا کہ اس تاریخ کے علاوہ اور تاریخ میں محفل میلاد جائز ہی نہیں۔ اسی لیئے ہمارے یوپی میں ہر مصیبت کے وقت کسی کے انتقال کے بعد میلاد شریف کرتے ہیں۔ کاٹھیاواڑ میں خاص شادی کے دن بیتت کے نیجہ۔ دسویں، چالیسویں کے دن میلاد شریف کرتے ہیں۔ پھر ماہ ربیع الاول میں ہر جگہ پورے ماہ میلاد شریف ہوتے رہتے ہیں۔ سوائے دیوبند کے ہر جگہ دستور ہے بلکہ سنا گیا ہے۔ کہ وہاں بھی عام باشندے میلاد شریف برابر کرتے ہیں۔

خیال رہے کہ دن یا جگہ مقرر کرنا چند وجہ سے منع ہے۔ ایک یہ کہ وہ دن یا جگہ کسی بت سے نسبت رکھتی ہو۔ جیسے ہولی۔ دیوالی کے دن اسکی تعظیم کے لیئے دیگ پکائے۔ یا مندر میں جا کر صدقہ کرے۔ اسی لیئے مشکوٰۃ باب النذر میں ہے کہ کسی نے بوانہ میں اونٹ ذبح کرنے کی منت مانی تو فرمایا۔ کیا وہاں کوئی بت یا کفار کا میلہ تھا، عرض کیا نہیں۔ فرمایا جا اپنی نذر پوری کر۔ یا اس تعین میں کفار سے مشابہت ہو۔ یا اس تعین کو واجب جانے۔ اسی لیئے مشکوٰۃ باب صوم النفل میں ہے کہ صرف جمعہ کے روزے سے منع فرمایا۔ کیونکہ اس میں یہود سے مشابہت ہے۔ یا اسے واجب جاننا منع ہے یا جمعہ عید کا دن ہے اُسے روزے کا دن نہ بناؤ۔

ان اعتراضات سے معلوم ہوا کہ مانعین کے پاس کوئی دلیل حرمت موجود نہیں۔ یوں ہی ایک چھیڑ ا

ہوگئی ہے اس لیئے محض قیاسات باطلہ سے حرام کہتے ہیں مگر یاد رہے سے

مٹ گئے مٹتے ہیں مٹ جائینگے اعدا تیرے ✦ نہ مٹا ہے نہ مٹے گا کبھی چرچا تیرا!

بحث قیام میلاد کے بیان میں

اس بحث میں ایک مقدمہ اور دو باب ہیں۔ مقدمہ میں قیام کے متعلق ضروری باتیں ہیں۔ نماز میں دو طرح کی عبادتیں ہیں۔ قولی اور فعلی۔ قولی تو قرآن کریم کی تلاوت۔ رکوع سجود کی تسبیح التحیات وغیرہ کا پڑھنا۔ اور فعلی عبادات چار ہیں۔ قیام، رکوع، سجدہ، بیٹھنا۔ قیام کے معنیٰ ہیں اس طرح سیدھا ہونا کہ ہاتھ گھٹنوں تک نہ پہنچ سکیں۔ رکوع کے معنیٰ ہیں اس قدر جھکنا کہ گھٹنوں تک ہاتھ پہنچ جاویں اسی لیئے زیادہ کبڑے کے پیچھے تندرست کی نماز جائز نہیں۔ کیونکہ وہ قیام نہیں کر سکتا۔ ہر وقت رکوع میں ہی رہتا ہے۔ سجدہ کے معنیٰ ہیں سات اعضاء کا زمین پر لگنا۔ دونوں پاؤں کے نیچے دونوں گھٹنے، دونوں ہتھیلیاں، ناک و پیشانی۔ اسلام سے پہلے دیگر انبیائے کرام کی امتوں میں کسی کی تعظیم کے لیئے کھڑا ہونا۔ رکوع کرنا۔ سجدہ کرنا اور بیٹھنا ہر کام جائز تھا۔ مگر عبادت کی نیت سے نہیں بلکہ تحیۃ و تعظیم کے لیئے خدائے پاک نے حضرت آدم علیہ السلام کو ملائکہ سے سجدہ تعظیمی کرایا۔ اور یعقوب علیہ السلام اور ان کے فرزندوں نے یوسف علیہ السلام کو سجدہ تعظیمی کیا (قرآن کریم) مگر اسلام نے تعظیمی قیام اور تعظیماً بیٹھنے کو تو جائز رکھا۔ مگر تعظیمی رکوع اور تعظیمی سجدہ حرام کر دیا۔ معلوم ہوا کہ قرآن حدیث سے منسوخ ہوتا ہے کیونکہ غیر اللہ کے لیئے سجدہ تعظیمی کا ثبوت تو قرآن سے ہے۔ اور اس کا نسخ حدیث پاک سے ہے۔ یہ بھی خیال رہے کہ کسی کے سامنے جھکنا یا زمین پر سر رکھنا جب حرام ہوگا جبکہ رکوع و سجدہ کی نیت سے یہ کام کرے۔ لیکن اگر کسی بزرگ کا جوتا سیدھا کرنے یا ہاتھ پاؤں چومنے کے لیئے جھکا تو اگرچہ جھکنا تو پایا گیا۔ مگر چونکہ اس میں رکوع کی نیت نہیں ہے لہٰذا یہ رکوع نہیں ہاں ناحدِ رکوع جھک کر سلام کرنا حرام ہے یعنی تعظیماً تاحدِ رکوع جھکنا حرام اور جھکنا کسی اور کام کے لیئے تھا۔ اور کام تعظیم کے لیئے تو جائز جیسے کہ کسی کے جوتے سیدھے کرنا وغیرہ۔ یہ فرق ضرور خیال میں رہے بہت ہی باریک ہے شامی جلد پنجم کتاب الکراہیۃ باب الاستبراء کے آخر میں ہے۔

اَلْاِیْمَاءُ فِی السَّلَامِ اِلٰی قَرِیْبِ الرُّکُوْعِ | اسلام میں رکوع کے قریب جھک کر اشارہ کرنا سجدہ

كَالسُّجُوْدِ وَفِي الْمُحِيْطِ اَنَّهُ يُكْرَهُ الْاِنْحِنَاءُ لِلسُّلْطٰنِ وَغَيْرِهٖ	کی طرح ہے (حرام ہے) محیط میں ہے کہ بادشاہ کے سامنے جھکنا مکروہ تحریمی ہے۔

پہلا باب

قیام میلاد کے ثبوت میں

قیام یعنی کھڑا ہونا چھ طرح کا ہے۔ قیام جائز، قیام فرض، قیام سنت، قیام مستحب۔ قیام مکروہ قیام حرام۔ ہم ہر ایک کے پہچاننے کا قاعدہ عرض کیئے دیتے ہیں۔ جس سے قیام میلاد کا حال خود بخود معلوم ہو جاوے گا کہ یہ قیام کیسا ہے۔

(۱) دنیاوی ضروریات کے لیئے کھڑا ہونا جائز ہے۔ اس کی سینکڑوں مثالیں ہیں۔ کھڑے ہو کر عمارت بنانا اور دیگر دنیاوی کاروبار کرنا وغیرہ۔

فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ	جب نماز جمعہ ہو جاوے تو تم زمین میں پھیل جاؤ۔

پھیلنا بغیر کھڑے ہوئے ناممکن ہے۔

(۲) پنج وقتہ نماز اور واجب نماز میں قیام فرض ہے وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ اللہ کے سامنے اطاعت کرتے ہوئے کھڑے ہو یعنی اگر کوئی شخص قدرت رکھتے ہوئے بیٹھ کر ادا کرے تو یہ نماز نہ ہوگی۔

(۳) نوافل میں کھڑا ہونا مستحب ہے اور بیٹھ کر بھی جائز۔ یعنی کھڑے ہو کر پڑھنے میں ثواب زیادہ ہے۔

(۴) چند موقعوں پر کھڑا ہونا سنت ہے اولاً تو کسی دینی عظمت والی چیز کی تعظیم کے لیئے کھڑا ہونا اسی لیئے آب زمزم اور وضو کے بچے ہوئے پانی کو کھڑے ہو کر پینا مسنون ہے۔ حضور علیہ السلام کے روضہ پاک پر اللہ حاضری نصیب فرمادے تو نماز کی طرح ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونا سنت ہے۔ عالمگیری جلد اول آخر کتاب الحج آداب زیارت قبر النبی علیہ السلام میں ہے۔

وَيَقِفُ كَمَا يَقِفُ فِي الصَّلٰوةِ وَيُمَثِّلُ صُوْرَتَهُ الْكَرِيْمَةَ كَاَنَّهُ نَائِمٌ فِيْ لَحْدِهٖ عَالِمٌ بِهٖ يَسْمَعُ كَلَامَهٗ۔	روضہ مطہرہ کے سامنے ایسے کھڑا ہو جیسے کہ نماز میں کھڑا ہوتا ہے اور اس جمال پاک کا نقشہ ذہن میں جمائے گویا کہ وہ سرکار اپنی قبر انور میں آرام فرما ہیں۔ اس کو جانتے ہیں اور اسکی بات سنتے ہیں۔

اسی طرح مومنین کی قبروں پر فاتحہ پڑھے تو قبلہ کو پشت اور قبر کی طرف منہ کرکے کھڑا ہونا سنت ہے عالمگیری کتاب الکراہیۃ باب زیارت القبور میں ہے۔

يَخْلَعُ نَعْلَيْهِ ثُمَّ يَقِفُ مُسْتَدْبِرَ الْقِبْلَةِ مُسْتَقْبِلًا لِوَجْهِ الْمَيِّتِ۔

اپنے جوتے اتار دے اور کعبہ کی طرف پشت اور میت کی طرف منہ کرکے کھڑا ہو۔

روضۂ پاک، آب زمزم، وضو کا پانی، قبر مومن سب متبرک چیزیں ہیں۔ ان کی تعظیم قیام سے کرائی گئی دوسرے جب کوئی دینی پیشوا آئے تو اس کی تعظیم کے لیئے کھڑا ہو جانا سنت ہے۔ اسی طرح جب دینی پیشوا سامنے کھڑا ہو تو اس کے لیئے کھڑا رہنا سنت اور بیٹھا رہنا بے ادبی ہے۔ مشکوٰۃ جلد اول کتاب الجہاد باب حکم الاسرار اور باب القیام میں ہے کہ جب سعد ابن معاذ رضی اللہ عنہ مسجد نبوی میں حاضر ہوئے تو حضور علیہ السلام نے انصار کو حکم دیا۔ قُوْمُوْا اِلٰی سَیِّدِکُمْ اپنے سردار کے لیئے کھڑے ہو جاؤ۔ یہ قیام تعظیمی تھا۔ نہ یہ کہ ان کو محض مجبوری کی وجہ سے قیام کرایا گیا۔ نیز گھوڑے سے اتارنے کے لیئے ایک دو صاحب ہی کافی تھے سب کو کیوں فرمایا کہ کھڑے ہو جاؤ۔ نیز گھوڑے سے اتارنے کے لیئے تو حاضرین مجلس پاک میں سے کوئی بھی چلا جاتا۔ خاص انصار کو کیوں حکم فرمایا۔ ماننا پڑے گا کہ یہ قیام تعظیمی ہی تھا۔ اور حضرت سعد انصار کے سردار تھے۔ ان سے تعظیم کرائی گئی۔ جن لوگوں نے اس سے دھوکا کھا کر کہا ہے کہ یہ قیام بیماری کے لیئے تھا۔ وہ اس آیت میں کیا کہیں گے وَاِذَا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ کیا نماز بھی بیمار ہے کہ اس کی امداد کے لیئے کھڑا ہونا ہے۔ اشعۃ اللمعات میں اسی حدیث کے ماتحت ہے۔

حکمت در مراعات توقیر و اکرام سعد دریں مقام وامر تعظیم و تکریم او دریں جا آں باشد کہ او برائے حکم کردن طلبیدہ بود پس اعلان شان او دریں مقام اولیٰ و انسب باشد"

اس موقعہ پر سعد کی تعظیم و تکریم کرانے میں یہ حکمت ہوگی کہ ان کو بنی قریظہ پر حکم فرمانے کے لیئے بلایا تھا۔ اس جگہ ان کی شان کا اظہار بہتر اور مناسب تھا۔ مشکوٰۃ باب القیام میں بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے

فَاِذَا قَامَ قُمْنَا قِيَامًا حَتّٰى نَرَاهُ قَدْ دَخَلَ بَعْضَ بُيُوْتِ اَزْوَاجِهٖ۔

جب حضور علیہ السلام مجلس سے اٹھتے تو ہم بھی کھڑے ہو جاتے تھے یہاں تک کہ ہم دیکھ لیتے تھے کہ آپ اپنی کسی بیوی پاک کے گھر میں داخل ہو گئے۔

اشعۃ اللمعات کتاب الادب باب القیام میں زیر آیت حدیث قُوْمُوْا اِلٰی سَیِّدِکُمْ ہے۔ اجماع

کردہ اند جماہیر علماء باین حدیث بر اکرام اہل فضل از علم یا صلاح یا شرف و نووی گفتہ کہ این قیام بر اہل فضل را وقت قدوم آوردن ایشان مستحب است و احادیث دریں باب ورود یافتہ و در نہی ازاں صریحا چیزے صحیح نہ شدہ از قنیہ نقل کردہ کہ مکروہ نیست قیام جالس از برائے کسی کہ در آمدہ است بروئے بجہت تعظیم" اس حدیث کی وجہ سے جمہور علماء نے علمائے صالحین کی تعظیم کرنے پر اتفاق کیا ہے نووی نے فرمایا کہ بزرگوں کی تشریف آوری کے وقت کھڑا ہونا مستحب ہے اس بارے میں احادیث آئی ہیں اور اس کی ممانعت میں صراحۃً کوئی حدیث نہیں آئی۔ قنیہ سے نقل کیا کہ بیٹھے ہوئے آدمی کا کسی آنیوالے کی تعظیم کے لیئے کھڑا ہو جانا مکروہ نہیں۔ عالمگیری کتاب الکراہیۃ باب ملاقات الملوک میں ہے۔

تَجُوْزُ الْخِدْمَةُ بِغَيْرِ اللّٰهِ تَعَالٰى بِالْقِيَامِ وَاَخْذِ الْيَدَيْنِ وَالْاِنْحِنَاءِ۔ | غیر خدا کی عظمت کرنا کھڑے ہو کر معافحہ کر کے جھک کر ہر طرح جائز ہے۔

اس جگہ جھکنے سے مراد حد رکوع سے کم جھکنا ہے۔ تا حد رکوع جھکنا تو ناجائز ہے جیسا کہ ہم مقدمہ میں عرض کر چکے۔ در مختار جلد پنجم کتاب الکراہیۃ باب الاستبراء کے آخر میں ہے۔

يَجُوْزُ بَلْ يُنْدَبُ الْقِيَامُ تَعْظِيْمًا لِلْقَادِمِ يَجُوْزُ الْقِيَامُ وَلَوْ لِلْقَارِئِ بَيْنَ يَدَيِ الْعَالِمِ | آنیوالے کی تعظیم کے لیئے کھڑا ہو جانا جائز بلکہ مستحب ہے جیسے کہ قرآن پڑھنے والے کو عالم کے سامنے کھڑا ہو جانا جائز ہے

اس سے معلوم ہوا کہ تلاوت قرآن کی حالت میں بھی کوئی عالم دین آجاوے تو اس کے لیئے کھڑا ہو جانا مستحب ہے اس کے ماتحت شامی میں ہے۔

وَقِيَامُ قَارِئِ الْقُرْآنِ لِمَنْ يَجِيْئُ تَعْظِيْمًا لَايُكْرَهُ اِذَا كَانَ مِمَّنْ يَسْتَحِقُّ التَّعْظِيْمَ۔ | قرآن پڑھنے والے کا آنیوالے کی تعظیم کے لیئے کھڑا ہو جانا مکروہ نہیں جبکہ وہ تعظیم کے لائق ہو۔

شامی جلد اول باب الامامت میں ہے کہ اگر کوئی شخص مسجد میں صف اول میں جماعت کے انتظار میں بیٹھا ہے۔ اور کوئی عالم آدمی آگیا اس کے لیئے جگہ چھوڑ دینا خود پیچھے ہٹ جانا مستحب ہے بلکہ اس کے لیئے پہلی صف میں نماز پڑھنے سے یہ افضل ہے۔ یہ تعظیم تو علماء امت کی ہے۔ لیکن صدیق اکبر نے تو عین نماز پڑھاتے ہوئے جب حضور علیہ السلام کو تشریف لاتے دیکھا تو خود مقتدی بن گئے۔ اور بیچ نماز میں حضور علیہ السلام امام ہوئے (مشکوٰۃ باب مرض النبی) ان امور سے معلوم ہوا کہ بزرگان دین کی تعظیم عبادت کی حالت میں بھی کی جاوے۔ مسلم جلد دوم باب حدیث توبہ ابن مالک کتاب التوبہ میں ہے۔

فَقَامَ طَلْحَةُ ابْنُ عُبَيْدِ اللّٰهِ يُهَرْوِلُ حَتّٰى صَافَحَنِيْ وَهَنَّانِيْ۔	پس طلحہ ابن عبید اللہ کھڑے ہو گئے اور دوڑتے ہوئے آئے مجھ سے مصافحہ کیا اور مبارک باد دی۔

اس جگہ نووی میں ہے۔ فِيْهِ اِسْتِحْبَابُ مُصَافَحَةِ الْقَادِمِ وَالْقِيَامِ لَهٗ اِكْرَامًا وَالْهَرْوَلَةِ اِلٰى لِقَاءِهٖ۔ اس سے ثابت ہوا کہ آنے والے سے مصافحہ کرنا۔ اس کی تعظیم کو کھڑا ہونا۔ اس کے ملنے کے لیئے دوڑنا مستحب ہے۔

تیسرے جبکہ کوئی اپنا پیارا آجاوے تو اس کی خوشی میں کھڑا ہو جانا۔ ہاتھ پاؤں چومنا سنت ہے مشکوٰۃ کتاب الادب باب المصافحہ میں ہے کہ زید ابن حارثہ دروازہ پاک مصطفےٰ علیہ السلام پر حاضر ہوئے اور دروازہ کھٹکھٹایا۔

فَقَامَ اِلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عُرْيَانًا فَاعْتَنَقَهٗ وَقَبَّلَهٗ۔	ان کی طرف حضور علیہ السلام بغیر چادر شریف کے کھڑے ہو گئے پھر ان کو گلے سے لگا لیا اور بوسہ دیا۔

مشکوٰۃ اسی باب میں ہے کہ جب حضرت خاتون جنت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوتیں۔ قَامَ اِلَيْهَا فَاَخَذَ بِيَدِهَا فَقَبَّلَهَا وَاَجْلَسَهَا فِيْ مَجْلِسِهٖ ان کے لیئے کھڑے ہو جاتے اور ان کا ہاتھ پکڑتے ان کو چومتے اور اپنی جگہ ان کو بٹھاتے۔ اسی طرح جب حضور علیہ السلام فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تشریف لے جاتے۔ تو آپ بھی کھڑی ہو جاتیں اور ہاتھ مبارک دیتیں اور اپنی جگہ حضور علیہ السلام کو بٹھا لیتیں۔ مرقات باب المشی بالجنازۃ فصل دوم میں ہے۔ فِيْهِ اِيْمَاءٌ اِلٰى نَدْبِ الْقِيَامِ لِتَعْظِيْمِ الْفُضَلَاءِ وَالْكُبَرَاءِ معلوم ہوا کہ فضلاء کے لیئے قیام تعظیمی جائز ہے۔ چوتھے جبکہ کوئی پیارے کا ذکر سنے یا کوئی اور خوشی کی خبر سنے تو اسی وقت کھڑا ہو جانا مستحب اور سنت صحابہ و سنت سلف ہے مشکوٰۃ کتاب الایمان فصل ثالث میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ مجھ کو صدیق اکبر نے ایک خوشخبری سنائی۔

فَقُمْتُ اِلَيْهِ وَقُلْتُ بِاَبِيْ اَنْتَ وَاُمِّيْ اَنْتَ اَحَقُّ بِهَا۔	تو میں کھڑا ہو گیا اور میں نے کہا کہ آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں آپ ہی اس لائق ہیں۔

تفسیر روح البیان پارہ ۲۶ سورہ فتح زیر آیت مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ہے کہ امام تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس مجمع علماء موجود تھا کہ ایک نعت خواں نے نعت کے دو شعر پڑھے۔

فَعِنْدَ ذٰلِكَ قَامَ الْاِمَامُ السُّبْكِيُّ وَجَمِيْعُ مَنْ فِي الْمَجْلِسِ فَحَصَلَ اُنْسٌ عَظِيْمٌ بِذٰلِكَ الْمَجْلِسِ۔	تو فوراً امام سبکی اور تمام حاضرین مجلس کھڑے ہو گئے اور اس مجلس میں بہت ہی لطف آیا۔

پانچویں کوئی کافر اپنی قوم کا پیشوا ہو۔ اور اس کے اسلام لانے کی امید ہو تو اس کے آنے پر اس کی تعظیم کے لیے کھڑا ہونا سنت ہے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰے عنہ اسلام لانے کے لئے حاضر خدمت ہوئے تو حضور علیہ السلام نے کھڑے ہو کر ان کو اپنے سینہ پاک سے لگایا (کتب تواریخ)

عالمگیری کتاب الکراہیۃ باب اہل الذمہ میں ہے۔

اِذَا دَخَلَ ذِمِّيٌّ عَلٰى مُسْلِمٍ فَقَامَ لَهٗ طَمْعًا فِيْ اِسْلَامِهٖ فَلَا بَأْسَ۔	کوئی ذمی کافر مسلمان کے پاس آیا مسلمان اس کے اسلام کی امید پر اسکے لیئے کھڑا ہو گیا تو جائز ہے۔

رہا چند جگہ قیام مکروہ ہے۔ اولاً آب زمزم اور وضو کے سوا اور پانی کو پیتے وقت کھڑا ہونا بلا عذر مکروہ ہے۔ دوسرے دنیا دار کی تعظیم کے لیئے کھڑا ہونا دنیاوی لالچ سے بلا عذر مکروہ ہے تیسرے کافر کی تعظیم کے لیئے کھڑا ہونا اس کی مالداری کی وجہ سے مکروہ ہے۔ عالمگیری کتاب الکراہیۃ باب اہل الذمہ میں ہے۔

وَاِنْ قَامَ لَهٗ مِنْ غَيْرِ اَنْ يَّنْوِيَ شَيْئًا مِمَّا ذَكَرْنَا اَوْ قَامَ طَمْعًا لِغِنَاهُ كُرِهَ لَهٗ ذٰلِكَ۔	اگر اس کے لیئے سوائے مذکورہ صورتوں کے کھڑا ہو یا اسکی مالداری کے طمع میں کھڑا ہوا تو مکروہ ہے۔

چوتھے جو شخص اپنی تعظیم کرانا چاہتا ہو اسکی تعظیم کے لیئے کھڑا ہونا منع ہے۔ پانچویں اگر کوئی بڑا آدمی درمیان میں بیٹھا ہو اور لوگ اس کے آس پاس دست بستہ کھڑے ہوں۔ تو اس طرح کھڑا ہونا سخت منع ہے اپنے لیئے قیام پسند کرنا بھی منع ہے اس کے حوالہ دوسرے باب میں آویں گے انشاء اللہ۔ یہ تقسیم خیال میں رہے۔

جب یہ تحقیق ہو چکی تو اب پتہ لگ گیا کہ میلاد پاک میں ذکر ولادت کے وقت قیام کرنا سنت صحابہ اور سنت سلف صالحین سے ثابت ہے کیونکہ ہم قیام سنت میں چوتھا قیام وہ بتا چکے کہ جو خوشی کی خبر پا کر یا کسی پیارے کے ذکر پر ہو۔ اور پہلا قیام وہ بتایا جو کسی دینی عظمت والی چیز کی تعظیم کے لیئے ہو۔ لہٰذا قیام میلاد چند وجہ سے سنت میں داخل ہوا۔ ایک تو اس لیئے کہ یہ ذکر ولادت کی تعظیم کے لیئے ہے دوسرے اس لیئے کہ ذکر ولادت سے بڑھ کر مسلمان کے لیئے کونسی خوشی ہو سکتی ہے اور خوشی کی خبر پر قیام مسنون ہے۔ تیسرے نبی کریم سے بڑھ کر مسلمان کے نزدیک کون محبوب ہے، وہ جان اولاد ماں باپ مال متاع سب سے زیادہ محبوب ہیں صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ذکر پر کھڑا ہونا سنت سلف الصالحین ہے۔ چوتھے اس لیئے کہ ولادت پاک

کے وقت ملائکہ در دولت پر کھڑے ہوئے تھے۔ اس لیئے ولادت کے ذکر پر کھڑا ہونا فعل ملائکہ سے مشابہ ہے۔ پانچویں اس لیئے کہ ہم بحث میلاد میں حدیث سے ثابت کر چکے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے اپنے اوصاف اور اپنا نسب شریف منبر پر کھڑے ہو کر بیان فرمایا۔ تو اس قیام کی اصل مل گئی۔ چھٹے اس لیئے کہ شریعت نے اس کو منع نہ کیا۔ اور ہر ملک کے عام مسلمان اس کو ثواب سمجھ کر کرتے ہیں۔ اور جس کام کو مسلمان اچھا جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔ ہم اس کی تحقیق بحث میلاد اور بحث بدعت میں کر چکے ہیں۔ نیز پہلے عرض کر چکے ہیں کہ مسلمان جس کام کو مستحب جانیں۔ وہ شریعت میں مستحب ہے شامی جلد سوم کتاب الوقف۔ وقف منقولات کی بحث میں فرماتے ہیں۔ لِاَنَّ التَّعَامُلَ یُتْرَكُ بِهِ الْقِیَاسُ لِحَدِیْثِ مَارَاٰهُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ حَسَنٌ یعنی دیگچی وجنازہ وغیرہ کا وقف قیاساً ناجائز ہونا چاہیئے مگر چونکہ عام مسلمان اس کے عامل ہیں لہذا قیاس چھوڑ دیا گیا اور اسے جائز مانا گیا۔ دیکھو عامۃ المسلمین جس کام کو اچھا سمجھنے لگیں۔ اور اس کی حرمت کی نص نہ ہو تو قیاس کو چھوڑنا لازم ہے۔ درمختار جلد پنجم کتاب الاجارات باب اجارت الفاسدہ میں ہے۔

وَجَازَ اِجَارَةُ الْحَمَّامِ لِاَنَّهٗ عَلَیْهِ السَّلَامُ دَخَلَ حَمَّامَ الْجُحْفَةِ وَلِلْعُرْفِ وَقَالَ النَّبِیُّ عَلَیْهِ السَّلَامُ مَارَاٰهُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ حَسَنٌ۔

حمام کا کرایہ جائز ہے کیونکہ حضور علیہ السلام شہر جحفہ کے حمام میں تشریف لے گئے اور اس لیئے کہ عرف جاری ہو گیا۔ اور حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جسکو مسلمان اچھا سمجھیں وہ عند اللہ اچھا ہے۔

اس کے ماتحت شامی میں ہے کہ حضور علیہ السلام کے جحفہ کے حمام میں داخل ہونے کی روایت سخت ضعیف ہے۔ بعض نے کہا کہ موضوع ہے۔ لہذا اب حمام کے جائز ہونیکی دلیل صرف ایک رہ گئی یعنی عرف عام تو ثابت ہوا کہ جو کام مسلمان عام طور پر جائز سمجھ کر کریں وہ جائز ہے۔ شامی میں اسی جگہ ہے۔

لِاَنَّ النَّاسَ فِیْ سَائِرِ الْاَمْصَارِ یَدْفَعُوْنَ اُجْرَتَ الْحَمَّامِ فَدَلَّ اِجْمَاعُهُمْ عَلٰی جَوَازِ ذٰلِكَ وَاِنْ کَانَ الْقِیَاسُ یَاْبَاهُ۔

کیونکہ تمام شہروں میں مسلمان لوگ حمام کی اجرت دیتے ہیں پس ان کے اجماع سے اس کا جائز ہونا معلوم ہوا اگرچہ یہ خلاف قیاس ہے۔

ثابت ہوا کہ حمام کا کرایہ قیاساً جائز نہ ہونا چاہیئے۔ کیونکہ خبر نہیں ہوتی کہ کتنا پانی خرچ ہوگا۔ اور کرایہ میں نفع و اجرت معلوم ہونا ضروری ہے۔ لیکن چونکہ مسلمان عام طور پر اس کو جائز سمجھتے ہیں۔ لہذا یہ جائز

ہے۔ قیام میلاد کو بھی عام مسلمان مستحب سمجھتے ہیں۔ لہذا مستحب ہے۔ ساتویں اسلیئے کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے
وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ۔ | اے مسلمانو ہمارے نبی کی مدد کرو اور انکی تعظیم کرو۔
تعظیم میں کوئی پابندی نہیں بلکہ جس زمانہ میں اور جس جگہ جو طریقہ بھی تعظیم کا ہو اس طرح کرو بشرطیکہ شریعت نے اس کو حرام نہ کیا ہو جیسے کہ تعظیمی سجدہ ورکوع۔ اور ہمارے زمانہ میں شاہی احکام کھڑے ہو کر بھی پڑھے جاتے ہیں لہذا محبوب کا ذکر بھی کھڑے ہو کر ہونا چاہیئے۔ دیکھو کُلُوْا وَاشْرَبُوْا میں مطلقاً کھانے پینے کی اجازت ہے کہ ہر حلال غذا کھاؤ پیو۔ تو بریانی، زردہ، قورما سب ہی حلال ہوا خواہ خیر القرون میں ہو یا نہ ہو۔ ایسے ہی تُوَقِّرُوْهُ کا امر مطلق ہے کہ ہر قسم کی جائز تعظیم کرو۔ خیر القرون سے ثابت ہو یا نہ ہو۔ آٹھویں اس لیے کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ۔ | اور جو شخص اللہ کی نشانیوں کی تعظیم کرے تو یہ دل کے تقوے سے ہے۔

روح البیان نے زیر آیت وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ لکھا کہ جس چیز کو دینی عظمت حاصل ہو وہ شعائر اللہ ہیں۔ انکی تعظیم کرنا ضروری ہے جیسے کہ بعض مہینے بعض دن مقامات۔ بعض اوقات وغیرہ اسی لیئے صفا و مروہ، کعبہ معظمہ، ماہ رمضان، شب قدر کی تعظیم کی جاتی ہے۔ اور ذکر ولادت بھی شعائر اللہ ہے لہذا اسکی تعظیم بھی بہتر ہے وہ قیام سے حاصل ہے۔
ہم نے آٹھ دلائل سے اس قیام کا مستحب ہونا ثابت کیا۔ مگر مخالفین کے پاس خدا کا چاہیے۔ تو ایک بھی دلیل حرمت نہیں۔ محض اپنی رائے سے حرام کہتے ہیں۔

دوسرا باب

قیام میلاد پر اعتراض وجواب میں

اعتراض (۱) چونکہ میلاد کا قیام اول تین زمانوں میں نہیں تھا۔ لہذا بدعت ہے اور ہر بدعت حرام ہے حضور کی وہ ہی تعظیم کی جاوے جو کہ سنت سے ثابت ہو۔ اپنی ایجادات کو اس میں دخل نہ ہو کیا ہم کو مقابلہ صحابہ کرام حضور سے زیادہ محبت نہیں ہے جب انہوں نے یہ قیام نہ کیا تو ہم کیوں کریں۔

جواب: بدعت کا جواب تو بارہا دیا جا چکا ہے کہ ہر بدعت حرام نہیں۔ رہا یہ کہنا کہ حضور علیہ السلام

کی وہ ہی تعظیم کی جاوے جو سنت سے ثابت ہو کیا یہ قاعدہ صرف حضور علیہ السلام کی تعظیم کے لیئے ہے یا دیگر علماء تے دیوبند وغیرہ کے لیئے بھی یعنی عالم کتاب مدرسہ تمام چیزوں کی وہ ہی تعظیم ہونی چاہیئے جو سنت سے ثابت ہے تو علماء دیوبند کی آمد پر سٹیشن پر جانا۔ ان کے گلوں میں ہار پھول ڈالنا۔ ان کے لیئے جلوس نکالنا۔ جھنڈیوں سے راستہ اور جلسہ گاہ کو سجانا۔ کرسیاں لگانا۔ وعظ کے وقت زندہ باد کے نعرے لگانا۔ مسند اور قالین بچھانا وغیرہ اس طرح کی تعظیم کا آپ کوئی ثبوت پیش کر سکتے ہیں کہ صحابہ کرام نے حضور علیہ السلام کی ایسی تعظیم کی ہو۔ نہیں پیش کر سکتے۔ تو فرمایئے کہ یہ تعظیم حرام ہے یا حلال۔ لہذا آپ کا یہ قاعدہ ہی غلط ہے۔ بلکہ رکوع و سجدہ محرمات کے علاوہ جس تعظیم کا جس ملک میں رواج ہو وہ جائز ہے اور جذبہ دل جس طرف راہبری کرے وہ عبادت ہے۔ لکھنؤ میں مہتر بھنگی کو کہتے ہیں۔ اور فارسی اور بعض جگہ اردو میں بھی مہتر بمعنی سردار بولا جاتا ہے جیسے کہ چترال کے نواب کو مہتر چترال کہتے ہیں۔ لکھنؤ میں جو شخص یہ کلمہ مہتر کسی نبی کے لیئے استعمال کرے کافر ہے۔ اور چترال میں اور فارسی میں نہیں۔ ہر ملکے ہر رسمے ؎

ہندیاں را اصطلاح ہند مدح ✤ سندھیاں را اصطلاح سندھ فدح

مرقاۃ و اشعۃ اللمعات کے مقدمہ میں امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے احوال میں لکھتے ہیں کہ آپ مدینہ پاک کی زمین پاک پر کبھی گھوڑے پر سوار نہ ہوئے اور جب حدیث بیان فرماتے تو غسل کرتے عمدہ لباس پہنتے۔ خوشبو لگاتے اور ہیبت و وقار سے بیٹھتے تھے۔ کہیئے مدینہ پاک یا حدیث شریف کی یہ تعظیم کسی صحابی نے کی تھی؟ نہیں۔ مگر امام مالک کا جذبہ دل ہے عین ثواب ہے۔ تفسیر روح البیان زیر آیت مَاكَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ ہے کہ ایاز کے فرزند کا نام تھا۔ محمد سلطان۔ اس کا نام لے کر پکارتے تھے۔ ایک روز غسل خانہ میں جا کر فرمایا کہ اے ایاز کے بیٹے پانی لا۔ ایاز نے عرض کیا کہ حضور کیا قصور ہوا کہ غلام زادے کا نام نہ لیا۔ فرمایا کہ ہم اس وقت بے وضو تھے اس مبارک نام کو بے وضو نہیں لیا کرتے ؎

ہزار بار بشویم دہن بمشک وگلاب ✤ ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی است

کہیئے یہ تعظیم کہاں ثابت ہے؟ کہیئے کیا سلطان محمود اور امام مالک رحمہما اللہ کو صحابہ کرام سے زیادہ عشق رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام تھا۔

اعتراض (۲) اگر ذکر رسول علیہ السلام کی تعظیم منظور ہے تو ہر ذکر پر کھڑے ہو جایا کرو۔ اور میلاد شریف میں

اوّل سے ہی کھڑے رہا کرو۔ یہ کیا کہ پہلے بیٹھے اور بعد کو بیٹھے درمیان میں کھڑے ہو گئے۔

جواب:۔ یہ تو کوئی اعتراض نہیں ہے۔ اگر کسی کو اللہ توفیق دے اور ہر ذکر کھڑے ہو کر کیا کرے اور میلاد شریف از اوّل تا آخر کھڑے کھڑے پڑھا کرے تو ہم منع نہیں کریں گے۔ خواہ ہر وقت کھڑے ہو۔ یا بعض وقت ہر طرح جائز ہے۔ اعلیٰحضرت قدس سرہٗ کتب حدیث کھڑے ہو کر پڑھایا کرتے تھے دیکھنے والوں نے ہم کو بتایا کہ خود بھی کھڑے ہوتے پڑھنے والے بھی کھڑے ہوتے تھے الغرض یہ فعل بہت ہی مبارک تھا مگر چونکہ از اوّل تا آخر کھڑا ہونا عوام کو دشوار ہوگا۔ اس لیئے صرف ولادت کے ذکر کے وقت کھڑے ہو جاتے ہیں۔ نیز بیٹھے بیٹھے بعض لوگ کبھی اونگھ جاتے ہیں کھڑا کر کے صلوٰۃ و سلام پڑھ لو۔ تاکہ نیند جاتی رہے اسی لیئے اس وقت عرق گلاب وغیرہ چھڑکتے ہیں۔ تاکہ پانی سے نیند اڑ جاوے کیوں صاحب! نماز میں بعض ذکر تو آپ کھڑے ہو کر کرتے ہو۔ اور بعض رکوع میں اور بعض سجدے میں اور بیٹھ کر۔ ہر ذکر کھڑے ہو کر ہی کیوں نہ کیا؟ نیز جب التحیات میں اشھدان لَّا اِلٰہ اِلَّا اللہ پڑھتے ہیں تو حکم ہے کہ انگلی کا اشارہ کرے۔ اور ہزار ہا موقعوں پر آپ یہ ہی کلمہ پڑھتے ہو۔ انگلی کیوں نہیں ہلاتے؟ صوفیائے کرام بعض وظائف میں کچھ اشاروں کی قیدیں لگاتے ہیں۔ مثلاً جب مقدمہ میں حاکم کے سامنے جاوے تو کٓھٰیٰعٓصٓ اس طرح پڑھے کہ اس کے ہر حرف پر ایک انگلی بند کرے کاف پڑھے پھر وغیرہ۔ پھر حٰمٓعٓسٓقٓ پڑھ کر ہر ایک ایک انگلی کھولے پھر حاکم کی طرف دم کر دے تسبیح تلاوت قرآن کے دوران میں یہ کلمے آتے ہیں تو یہ اشارہ کیوں نہیں لہذا یہ صحابہ کرام سے کہاں ثابت ہیں حزب البحر وغیرہ پڑھنے والے حضرات بعض مقامات پر خاص اشارے کرتے ہیں اور موقعوں پر کیوں نہیں کرتے۔ نیز طواف خانہ کعبہ میں پہلے طواف کے چار چکروں میں اضطباع بھی کرتے ہیں اور رمل بھی بعد میں کیوں نہیں کرتے؟ اس قسم کے صدہا سوالات کیئے جا سکتے ہیں۔ امام بخاری نے بعض احادیث کو اسناداً بیان کیا۔ بعض کو تعلیقاً۔ سب کو یکساں کیوں نہ بیان کیا۔ بھلا ان جیسی باتوں سے حرمت ثابت ہو سکتی ہے۔

اعتراض (۳) لوگوں نے قیام میلاد کو ضروری سمجھ لیا ہے کہ نہ کرنے والوں پر طعن کرتے ہیں اور غیر ضروری کو ضروری سمجھنا ناجائز ہے لہذا قیام ناجائز ہے۔

جواب:۔ یہ مسلمانوں پر محض بہتان ہے کہ وہ قیام میلاد کو واجب سمجھتے ہیں۔ نہ کسی عالم دین نے لکھا کہ قیام واجب ہے۔ اور نہ تقریروں میں کہا۔ عوام بھی یہ ہی کہتے ہیں کہ قیام اور میلاد شریف کار ثواب ہے۔

پھر آپ ان پر واجب سمجھنے کا کس طرح الزام لگاتے ہیں! اگر کوئی واجب سمجھے بھی تو اس کا یہ سمجھنا برا ہوگا نہ کہ اصل قیام حرام ہوجاوے۔ نماز میں درود شریف پڑھنا امام شافعی صاحب ضروری سمجھتے ہیں احناف غیر واجب۔ تو ہمارے نزدیک ان کا یہ قول صحیح نہ ہوگا۔ نہ یہ کہ درود نماز ہی منع ہوجاوے اس کی تحقیق حاجی امداد اللہ صاحب نے "ہفت مسئلہ" میں خوب کی ہے۔ رہا یہ کہ مسلمان اس کو پابندی سے کرتے ہیں اور نہ کرنے والے کو وہابی کہتے ہیں۔ یہ بالکل درست ہے۔ مشکوٰۃ باب القصد فی العمل میں ہے۔ اَحَبُّ الْاَعْمَالِ اِلَی اللّٰہِ اَدْوَمُھَا وَاِنْ قَلَّ اللہ کے نزدیک اچھا کام وہ ہے جو کہ ہمیشہ ہو۔ اگرچہ تھوڑا ہو۔ ہر کار خیر کو پابندی سے کرنا مستحب ہے مسلمان ہر عید کو اچھے کپڑے پہنتے ہیں۔ ہر جمعہ کو غسل کرتے ہیں۔ خوشبو لگاتے ہیں۔ مدارس میں ہر رمضان و جمعہ میں چھٹی کرتے ہیں۔ ہر سال امتحان لیتے ہیں مسلمان ہر رات کو سوتے ہیں۔ ہر دوپہر کو کھانا کھاتے ہیں۔ تو کیا ان کو واجب سمجھتے ہیں یا پابندی وجوب کی علامت ہے رہا قیام نہ کرنیوالوں کو وہابی سمجھنا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ فی زمانہ ہندوستان میں یہ وہابیوں کی علامت ہوگئی ہے اہل ایمان کے ہر زمانہ میں علامات مختلف رہی ہیں اور حسب زمانہ علامات کفار سے بچنا علامات اہل ایمان اختیار کرنا ضروری ہے۔ اول اسلام میں فرمایا گیا کہ جس نے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کہہ لیا جنتی ہوگیا (مشکوٰۃ کتاب الایمان) کیونکہ اس وقت کلمہ پڑھنا ہی اہل ایمان کی علامت تھی۔ پھر جب کلمہ گویوں میں منافق پیدا ہوئے تو قرآن پاک نے فرمایا کہ آپ کے سامنے منافق آکر کہتے ہیں کہ ہم گواہ ہیں کہ آپ رسول اللہ ہیں۔ اللہ بھی جانتا ہے کہ آپ رسول اللہ ہیں لیکن خدا گواہ ہے کہ منافق جھوٹے ہیں کہیئے بات تو سچی کہہ رہے ہیں۔ مگر ہیں جھوٹے پھر حدیث میں آیا کہ ایک قوم نہایت ہی عبادت گزار ہوگی۔ مگر دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے۔ نیز حدیث میں آیا کہ خارجی کی پہچان سر منڈانا ہے (دیکھو دونوں حدیثیں مشکوٰۃ کتاب القصاص باب قتل اہل الردہ) یہ تین امور تین زمانوں کے اعتبار سے ہیں شرح فقہ اکبر میں ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ کسی نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ سنی کی علامت کیا ہے؟ فرمایا حُبُّ الْخَتَنَیْنِ تَفْضِیْلُ الشَّیْخَیْنِ وَالْمَسْحُ عَلَی الْخُفَّیْنِ دو داماوں یعنی سیدنا علی و عثمان سے محبت رکھنا شیخین صدیق و فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو تمام پر افضل جاننا اور چمڑے کے موزے پر مسح کرنا۔ تفسیرات احمدیہ میں سورہ انعام زیر آیت وَاَنَّ ھٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا ہے کہ سیدنا عبداللہ ابن عباس نے فرمایا کہ جس میں دس[۱۰] عادات ہوں وہ سنی ہے تَفْضِیْلُ الشَّیْخَیْنِ[۱]، تَوْقِیْرُ الْخَتَنَیْنِ[۲]، تَعْظِیْمُ الْقِبْلَتَیْنِ[۳]۔ اَلصَّلٰوۃُ عَلَی الْجَنَازَتَیْنِ[۴]، اَلصَّلٰوۃُ[۵]

خَلْفَ الْاِمَامَیْنِ، تَرْكُ الْخُرُوْجِ عَلَى الْاِمَامَیْنِ۔ اَلْمَسْحُ عَلَى الْخُفَّیْنِ۔ وَالْقَوْلُ بِالتَّقْدِیْرَیْنِ وَالْاِمْسَاكُ عَنِ الشَّهَادَتَیْنِ۔ وَاَدَاءُ الْفَرِیْضَتَیْنِ۔ مرقات شروع باب المسح علی الخفین میں ہے۔ سُئِلَ اَنَسُ ابْنُ مَالِكٍ عَنْ عَلَامَةِ اَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ فَقَالَ اَنْ تُحِبَّ الشَّیْخَیْنِ وَلَا تَطْعَنَ الْخَتَنَیْنِ وَتَمْسَحَ عَلَى الْخُفَّیْنِ۔ درمختار باب المیاہ میں ہے وَالتَّوَضُّؤُ مِنَ الْحَوْضِ اَفْضَلُ رَغْمًا لِلْمُعْتَزِلَةِ حوض سے وضو کرنا افضل ہے معتزلہ کو جلانے کے لیے اسی جگہ شامی میں ہے لِاَنَّ الْمُعْتَزِلَةَ لَا یُجِیْزُوْنَهٗ مِنَ الْحِیَاضِ فَنُرْغِمُهُمْ بِالْوُضُوْءِ مِنْهَا یعنی معتزلہ حوض سے وضو کرنے کو ناجائز کہتے ہیں لہٰذا ہم ان کو حوض سے وضو کر کے جلائیں گے۔ دیکھو حوض سے وضو کرنا۔ چمڑے کے موزوں پر مسح کرنا وغیرہ واجبات میں سے نہیں لیکن چونکہ اس زمانہ میں اس کے منکر پیدا ہو گئے تھے۔ لہٰذا انکو سنی کی پہچان قرار دیا۔ اسی طرح قیام میلاد فاتحہ وغیرہ واجبات میں سے نہیں۔ مگر چونکہ اسکے منکر پیدا ہو گئے ہیں لہٰذا فی زمانہ یہ ہندوستان میں سنی ہونے کی علامت ہے۔ اور مجلس میلاد میں اکیلا بیٹھا رہنا علامت دیوبندی کی ہے۔ مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ لہٰذا اس سے بچنا چاہیے۔ نیز شامی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کسی جائز یا مستحب کام سے بلا وجہ لوگ روکیں تو اس کو ضرور کرے۔ آج ہندوستان میں ہندو قربانی گائے سے روکتے ہیں خاص گائے کی قربانی واجب نہیں۔ مگر مسلمانوں نے اپنا خون بہا کر اس کو جاری رکھا۔ اسی طرح محفل میلاد و قیام وغیرہ ہے۔ فقہاء کے نزدیک زنار باندھنا اور ہندوؤں کی سی چوٹی سر پر رکھنا۔ قرآن پاک نجاست میں ڈالنا کفر ہے کیونکہ یہ کفار کی مذہبی علامت ہے۔

ضروری نوٹ: یہ سوال ۱۳ اکثر دیوبندی کیا کرتے ہیں کہ فاتحہ عرس و میلاد وغیرہ سب کو اس وجہ سے حرام بتاتے ہیں۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ تم نے خود سنی ہونیکی علامات ایجاد کر لی ہیں حدیث و قرآن میں یہ علامات نہیں ہیں سب جگہ کے لیے یہ ہی جواب دیا جاوے بہت مفید ہوگا انشاءاللہ۔

اعتراض (۴) کسی کی تعظیم کے لیے کھڑا ہونا منع ہے مشکوٰۃ باب القیام میں ہے۔ وَكَانُوْا اِذَا رَاَوْهُ لَمْ یَقُوْمُوْا لِمَا یَعْلَمُوْنَ مِنْ كَرَاهِیَتِهٖ لِذٰلِكَ صحابہ کرام جب حضور علیہ السلام کو دیکھتے تو کھڑے ہوتے تھے کیونکہ جانتے تھے کہ حضور علیہ السلام کو یہ ناپسند ہے۔ مشکوٰۃ اسی باب میں ہے۔

مَنْ سَرَّهٗ اَنْ یَّتَمَثَّلَ لَهُ الرِّجَالُ قِیَامًا فَلْیَتَبَوَّاْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ

جس کو پسند ہو کہ لوگ اس کے سامنے کھڑے رہیں وہ اپنی جگہ دوزخ میں ڈھونڈے۔

مشکوٰۃ باب القیام میں ہے۔

لَا تَقُوْمُوْا کَمَا تَقُوْمُ الْاَعَاجِمُ | عجمی لوگوں کی طرح نہ کھڑے ہوا کرو۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ زندگی میں بھی اگر کوئی بڑا آدمی آوے تو اس کی تعظیم کے لیئے نہ کھڑا ہو۔ میلاد شریف میں تو حضور علیہ السلام آتے بھی نہیں۔ پھر تعظیمی قیام کیونکر جائز ہو سکتا ہے؟

جواب:۔ ان احادیث میں مطلق قیام سے منع نہیں فرمایا گیا۔ ورنہ پہلے باب میں ہم نے جو احادیث اور اقوالِ فقہاء نقل کیئے اس کے خلاف ہوگا بلکہ حسب ذیل امور سے ممانعت ہے اپنے لیئے قیام چاہنا لوگوں کا دست بستہ سامنے کھڑا رہنا اور پیشوا کا درمیان میں بیٹھا رہنا۔ ہم نے بھی لکھا ہے کہ اس قسم کے دونوں قیام منع ہیں۔ پہلی حدیث کے ماتحت اشعۃ اللمعات میں ہے۔ "وحاصل آنکہ قیام و ترک قیام بحسب زمان واحوال واشخاص مختلف گردد ازیں جا است کہ گاہے کردند گاہے نہ کردند" خلاصہ یہ ہے کہ قیام تعظیمی کرنا اور نہ کرنا زمانہ اور حالات اور اشخاص کے لحاظ سے مختلف ہوتا ہے اسی طرح صحابہ کرام نے کبھی تو حضور کے لیئے قیام کیا اور کبھی نہ کیا، معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کبھی تو حضور علیہ السلام کی تشریف آوری پر کھڑے ہو جاتے تھے اور کبھی نہیں۔ نہیں کا تو ذکر یہاں کیا اور کھڑے ہونیکا ذکر پہلے ہو چکا اور آپ کا قیام سے کراہت فرمانا تواضعاً وانکساراً تھا۔ لہٰذا اس جگہ ہمیشہ کھڑے ہونے کی نفی ہے مطلقاً کی۔ دوسری اور تیسری حدیث کے ماتحت اشعۃ اللمعات میں ہے "قیام مکروہ بعینہٖ نیست بلکہ مکروہ محبت قیام است اگر وے محبت قیام نہ دارد قیام برائے وے مکروہ نیست قاضی عیاض مالکی گفتہ کہ قیام منہی درحق کسی است کہ نشستہ باشد و ایستادہ باشند پیش وے و در قیام تعظیم برائے اہل دنیا بجہت دنیائے ایشاں وعید وارد شد و مکروہ است" خود قیام مکروہ نہیں بلکہ قیام چاہنا مکروہ ہے اگر وہ قیام نہ چاہتا ہو تو اسکے لیئے مکروہ نہیں ہے۔ قاضی عیاض نے فرمایا کہ قیام اس کے لیئے منع ہے جو کہ خود تو بیٹھا ہو اور لوگ کھڑے رہیں اور دنیا داروں کے لیئے قیام تعظیمی میں وعید آئی ہے اور وہ مکروہ ہے۔ اسی طرح حاشیہ مشکوٰۃ کتاب الجہاد۔ باب حکم الاسراء زیر حدیث قُوْمُوْا اِلٰی سَیِّدِکُمْ میں ہے۔

قَالَ النَّوَوِیُّ فِیْہِ اِکْرَامُ اَھْلِ الْفَضْلِ وَتَلَقِّیْھِمْ وَالْقِیَامُ اِلَیْھِمْ وَاحْتَجَّ بِہِ الْجُمْھُوْرُ وَقَالَ الْقَاضِیْ عِیَاضٌ لَیْسَ ھٰذَا | نووی نے فرمایا کہ اس سے بزرگوں کی تعظیم ان سے ملنا انکے لیئے کھڑا ہونا ثابت ہے۔ جمہور علماء نے اس سے دلیل پکڑی ہے یہ قیام ممنوع قیاموں میں سے

مِنَ الْقِيَامِ الْمَنْهِيِّ عَنْهُ وَاِنَّمَا ذٰلِكَ فِيْمَنْ يَقُوْمُوْنَ عَلَيْهِ وَهُوَ جَالِسٌ وَيَمْثُلُوْنَ لَهٗ قِيَامًا طُوْلَ جُلُوْسِهٖ

نہیں۔ ممانعت جب ہے کہ لوگ اس کے سامنے کھڑے ہوں۔ اور وہ بیٹھا ہو۔ اور لوگ اس کے بیٹھے رہنے تک کھڑے رہیں۔

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ ان دونوں حدیثوں میں خاص خاص قیام سے ممانعت ہے اور محفل میلاد کا قیام ان میں سے نہیں۔ نیز اگر تعظیمی قیام منع ہے تو علمائے دیوبند وغیرہ کے آنے پر لوگ سروقد کھڑے ہو جاتے ہیں۔ وہ کیوں جائز ہے؟

بحث فاتحہ تیجہ، دسواں، چالیسواں کا بیان

اس بحث میں ایک مقدمہ اور دو باب ہیں

مقدمہ

بدنی اور مالی عبادات کا ثواب دوسرے مسلمان کو بخشنا جائز ہے اور پہنچتا ہے۔ جس کا ثبوت قرآن و حدیث اور اقوالِ فقہاء سے ہے۔ قرآن کریم نے مسلمانوں کو ایک دوسرے کے لیے دعا کرنے کا حکم دیا۔ نماز جنازہ ادا کی جاتی ہے مشکوٰۃ باب فضل الصدقہ میں ہے کہ حضرت سعد نے کنواں کھدوا کر فرمایا هٰذِهٖ لِاُمِّ سَعْدٍ یہ ام سعد کا کنواں ہے فقہاء نے ایصالِ ثواب کا حکم دیا۔ ہاں بدنی عبادت میں نیابت جائز نہیں یعنی کوئی شخص کسی کی طرف سے نماز فرض پڑھ دے تو اس کی نماز ادا نہ ہوگی۔ ہاں نماز کا ثواب بخشا جا سکتا ہے۔ مشکوٰۃ باب الفتن باب الملاحم فصل دوم میں ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کسی سے فرمایا کہ مَنْ يَّضْمَنُ لِيْ مِنْكُمْ اَنْ يُّصَلِّيَ فِيْ مَسْجِدِ الْعَشَّارِ رَكْعَتَيْنِ وَيَقُوْلُ هٰذِهٖ لِاَبِيْ هُرَيْرَةَ اس سے تین مسئلے معلوم ہوئے۔ ایک یہ کہ عبادت بدنی یعنی نماز بھی کسی کی ایصال ثواب کی نیت سے ادا کرنا جائز ہے دوسرے یہ کہ زبان سے ایصال ثواب کرنا کہ خدایا اس کا ثواب فلاں کو دے بہت بہتر ہے تیسرے یہ کہ برکت کی نیت سے بزرگانِ دین کی مسجدوں میں نماز پڑھنا باعث ثواب ہے۔ رہی عبادت مالی یا مالی و بدنی کا مجموعہ جیسے زکوٰۃ اور حج اس میں اگر کوئی شخص کسی سے کہدے کہ تم میری طرف سے زکوٰۃ دے دو تو دے سکتا ہے۔ اور اگر صاحب مال میں حج کرنے کی قوت نہ رہے تو دوسرے سے حج بدل کرا سکتا

ہے لیکن ثواب ہر عبادت کا ضرور پہنچتا ہے اگر میں کسی کو اپنا مال دیدوں تو وہ مالک ہوجاویگا۔ اسی طرح یہ بھی۔ ہاں فرق یہ ہے کہ مال تو کسی کو دے دیا تو اپنے پاس نہ رہا۔ اور اگر چند کو دیا تو تقسیم ہو کر ملا لیکن ثواب اگر سب کو بخش دیا تو سب کو پورا پورا ملا۔ اور خود بھی محروم نہ رہا۔ جیسے کہ کسی کو قرآن پڑھایا تو سب کو پورا قرآن آ گیا اور پڑھانے والے کا جاتا نہ رہا۔

دیکھو شامی جلد اول بحث دفن میت۔ اسی لیئے نابالغ بچے سے ہدیہ لینا منع ہے مگر ثواب لینا جائز ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ثواب کسی کو نہیں پہنچتا۔ کیونکہ قرآن کریم میں ہے۔

لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ　　ہر نفس کے لیئے وہ ہی مفید و مضر ہے جو اس نے خود کر لیا

نیز قرآن میں ہے۔

لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعٰى۔　|　انسان کے لیئے نہیں ہے مگر وہ جو خود کرے۔

جس سے معلوم ہوا کہ غیر کا کام اپنے لیئے مفید نہیں لیکن یہ غلط ہے کیونکہ یہ لام ملکیت کا ہے یعنی انسان کے لیئے قابل بھروسہ اور اپنی ملکیت اپنے ہی اعمال ہیں۔ نہ معلوم کہ کوئی اور ایصال ثواب کرے یا نہ کرے اس بھروسہ پر اپنے عمل سے غافل نہ رہے (دیکھو تفسیر خزائن العرفان وغیرہ) یا یہ حکم ابراہیم و موسیٰ علیہ السلام کے صحیفوں کا تھا نہ کہ اسلام کا۔ یہاں اس کی نقل ہے۔ یا یہ آیت اس آیت سے منسوخ ہے وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيمَانٍ یہ ہی عبداللہ ابن عباس کا قول ہے اسی لیئے مسلمانوں کے بچے ماں باپ کی طفیل جنت میں جاویں گے۔ بغیر عمل درجات پائینگے۔ دیکھو جمل و خازن یا یہ آیت بدنی اعمال میں نیابت کی نفی کرتی ہے۔ اسی لیئے ان میں کسب و سعی کا ذکر ہے۔ نہ کہ ہبہ ثواب کا یا یہ ذکر عدل ہے اور وہ فضل غرضکہ اس کی بہت توجیہات ہیں۔

فاتحہ، تیجہ، دسواں، چالیسواں وغیرہ اسی ایصالِ ثواب کی شاخیں ہیں۔ فاتحہ میں صرف یہ ہوتا ہے کہ تلاوتِ قرآن جو کہ بدنی عبادت ہے۔ اور صدقہ یعنی مالی عبادت کا جمع کر کے ثواب پہنچایا جاتا ہے۔

پہلا باب
فاتحہ کے ثبوت میں

تفسیر روح البیان نے پارہ ۷ سورہ انعام زیر آیت وَهٰذَا كِتَابٌ اَنْزَلْنَاهُ مُبَارَكٌ میں ہے۔

وَعَنْ حُمَيْدِ الْاَعْرَجِ قَالَ مَنْ قَرَءَ الْقُرْاٰنَ وَخَتَمَهٗ ثُمَّ دَعَا اٰمَنَ عَلٰى دُعَائِهٖ اَرْبَعَةُ اٰلَافِ مَلَكٍ ثُمَّ لَا يَزَالُوْنَ يَدْعُوْنَ لَهٗ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ وَيُصَلُّوْنَ عَلَيْهِ اِلَى الْمَسَاءِ اَوْ اِلَى الصَّبَاحِ۔

حضرت اعرج سے مروی ہے کہ جو شخص قرآن ختم کرے پھر دعا مانگے تو اس کی دعا پر چار ہزار فرشتے آمین کہتے ہیں پھر اس کے لیئے دعا کرتے رہتے ہیں اور مغفرت مانگتے رہتے ہیں۔ شام یا صبح تک۔

یہ ہی مضمون نووی کی کتاب الاذکار کتاب تلاوت القرآن میں بھی ہے۔ معلوم ہوا کہ ختم قرآن کے وقت دعا قبول ہوتی ہے اور ایصال ثواب بھی دعا ہے لہذا اس وقت ختم پڑھنا بہتر ہے۔ اشعۃ اللمعات باب زیارت القبور میں ہے۔ "و تصدق کردہ شود از میت بعد رفتن او از عالم تا ہفت روز" میت کے مرنے کے بعد سات روز تک صدقہ کیا جاوے۔ اسی اشعۃ اللمعات میں اسی باب میں ہے" و بعض روایات آمدہ است کہ روح میت مے آید خانہ خود را شب جمعہ پس نظر می کند کہ تصدق کنند از وے یا نہ" جمعہ کی رات کو میت کی روح اپنے گھر آتی ہے اور دیکھتی ہے کہ اسکی طرف سے لوگ صدقہ کرتے ہیں یا نہیں"۔

اس سے معلوم ہوا کہ بعض جگہ جو رواج ہے کہ بعد موت سات روز تک برابر روٹیاں خیرات کرتے ہیں اور ہمیشہ جمعرات کو فاتحہ کرتے ہیں۔ اسکی یہ اصل ہے۔ انوار ساطعہ صفحہ ۱۴۵ اور حاشیہ خزانۃ الروایات میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیئے تیسرے اور ساتویں اور چالیسویں دن اور چھٹے ماہ اور سال بھر بعد صدقہ دیا۔ یہ تیجہ ششماہی اور برسی کی اصل ہے۔

نووی نے کتاب الاذکار باب تلاوت القرآن میں فرمایا کہ انس ابن مالک ختم قرآن کے وقت اپنے گھر والوں کو جمع کر کے دعا مانگتے۔ حکیم ابن عتبہ فرماتے ہیں کہ ایک مجمع کو مجاہد و عبدۃ ابن ابی لبابہ نے بلایا اور فرمایا کہ ہم نے تمہیں اس لیئے بلایا ہے کہ آج ہم قرآن پاک ختم کر رہے ہیں۔ اور ختم قرآن کے وقت دعا قبول ہوتی ہے۔ حضرت مجاہد سے بروایت صحیح منقول ہے کہ بزرگان دین ختم قرآن کے وقت جمع کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اس وقت رحمت نازل ہوتی ہے (نووی کتاب الاذکار) لہذا تیجہ و چہلم کا اجتماع سنت سلف ہے۔

درمختار بحث قرأت للمیت باب الدفن میں ہے۔ فِی الْحَدِیْثِ مَنْ قَرَءَ الْاِخْلَاصَ اَحَدَ عَشَرَ مَرَّۃً ثُمَّ وَھَبَ اَجْرَھَا لِلْاَمْوَاتِ اُعْطِیَ مِنَ الْاَجْرِ بِعَدَدِ الْاَمْوَاتِ حدیث میں ہے کہ جو شخص گیارہ بار سورۂ اخلاص پڑھے پھر اس کا ثواب مردوں کو بخشے تو اس کو تمام مردوں کے برابر ثواب ملے گا۔ شامی میں اسی جگہ ہے۔ وَیَقْرَءُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَاتَیَسَّرَ لَہٗ مِنَ الْفَاتِحَۃِ وَاَوَّلِ

الْبَقَرَۃِ وَیَقْرَءُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَاتَیَسَّرَ لَہٗ مِنَ الْفَاتِحَۃِ وَاَوَّلِ الْبَقَرَۃِ وَاٰیَۃِ الْکُرْسِیِّ وَ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ وَسُوْرَۃَ یٰسٓ وَتَبَارَکَ الْمُلْکُ وَسُوْرَۃَ التَّکَاثُرِ وَالْاِخْلَاصِ اِثْنَیْ عَشَرَ مَرَّۃً اَوْ اِحْدٰی عَشَرَ اَوْ سَبْعًا اَوْ ثَلٰثًا ثُمَّ یَقُوْلُ اَللّٰھُمَّ اَوْصِلْ ثَوَابَ مَاقَرَءْنَاہُ اِلٰی فُلَانٍ اَوْ اِلَیْھِمْ

جو ممکن ہو قرآن پڑھے سورہ فاتحہ بقر کی اول آیات اور آیۃ الکرسی اور امن الرسول اور سورۂ یٰسین اور ملک اور سورۂ تکاثر اور سورہ اخلاص بارہ یا گیارہ یا سات یا تین دفعہ پھر کہے کہ یا اللہ جو کچھ میں نے پڑھا اس کا ثواب فلاں کو یا فلاں لوگوں کو پہنچا دے۔

ان عبارات میں فاتحہ مروجہ کا پورا طریقہ بتایا گیا۔ یعنی مختلف جگہ سے قرآن پڑھنا۔ پھر ایصال ثواب کی دعا کرنا اور دعا میں ہاتھ اٹھانا سنت لہذا ہاتھ اٹھا دے۔ غرضیکہ فاتحہ مروجہ پوری پوری ثابت ہوئی۔ فتاویٰ عزیزیہ صفحہ ۷۵ میں ہے طعامیکہ ثواب آں نیاز حضرت امامین نمایند برآں قل و فاتحہ و درود خواندن متبرک می شود خوردن بسیار خوب است جس کھانے پر حضرات حسنین کی نیاز کریں اس پر قل اور فاتحہ اور درود پڑھنا باعث برکت ہے اور اس کا کھانا بہت اچھا ہے اسی فتاوہ عزیزیہ صفحہ ۴۱ میں ہے یہ اگر مالیدہ و شیر برائے فاتحہ بزرگے بقصد ایصال ثواب بروح ایشاں پختہ بخوراند جائز است مضائقہ نیست اگر دودھ مالیدہ کسی بزرگ کی فاتحہ کے لیئے ایصالِ ثواب کی نیت سے پکا کر کھلا دے تو جائز ہے۔ کوئی مضائقہ نہیں۔

مخالفین کے پیشوا شاہ ولی اللہ صاحب کا بھی تیجہ ہوا۔ چنانچہ اس کا تذکرہ عبدالعزیز صاحب نے اپنے ملفوظات صفحہ ۸۰ میں اس طرح فرمایا۔ "روز سوم کثرت ہجوم مردم آں قدر بود کہ بیروں از حساب است ہشتاد و یک کلام اللہ بشمار آمدہ و زیادہ ہم شدہ باشد و کلمہ را حصر نیست" تیسرے دن لوگوں کا اس قدر ہجوم تھا کہ شمار سے باہر ہے اکیاسی ختم کلام اللہ شمار میں آئے اور زیادہ بھی ہوئے ہوں گے کلمہ طیبہ کا تو اندازہ نہیں۔

اس سے تیجہ کا ہونا اور اس میں ختم کلام اللہ کرانا ثابت ہوا۔ مولوی محمد قاسم صاحب بانی مدرسہ دیوبند تحذیر الناس صفحہ ۲۴ پر فرماتے ہیں۔ حضرت جنید کے کسی مرید کا رنگ یکایک متغیر ہوگیا۔ آپ نے سبب پوچھا تو بروئے مکاشفہ اس نے یہ کہا کہ اپنی ماں کو دوزخ میں دیکھتا ہوں حضرت جنید نے ایک لاکھ پانچہزار بار کلمہ پڑھا تھا یوں سمجھ کر بعض روایات میں اس قدر کلمے کے ثواب پر وعدۂ مغفرت ہے آپ نے جی ہی جی میں اس مرید کی ماں کو بخش دیا اور اسکی اطلاع نہ دی۔ بخشتے ہی کیا دیکھتے ہیں کہ وہ جوان ہشاش بشاش ہے۔ آپ نے سبب پوچھا۔ اس نے عرض کیا کہ اپنی ماں کو جنت میں دیکھتا ہوں۔ آپ نے اس پر یہ فرمایا کہ اس جوان کے مکاشفہ کی صحت تو مجھ کو حدیث سے معلوم ہوئی۔ اور حدیث کی تصحیح اسکے مکاشفہ سے ہوگئی۔ اس عبارت سے معلوم ہوا کہ کلمہ طیبہ ایک لاکھ پانچہزار بخشنے سے مردے کی بخشش کی امید ہے اور تیجہ میں چنوں پر یہ ہی پڑھا جاتا ہے۔

ان تمام عبارات سے فاتحہ اور تیجہ وغیرہ کے تمام مراسم کا جواز معلوم ہوا۔ فاتحہ میں پنج آیت پڑھنا پھر ایصالِ ثواب کیلئے ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا۔ تیجہ کے دن قرآن خوانی۔ کلمہ شریف کا ختم۔ کھانا پکا کر بنیاز کرنا سب معلوم ہوگیا صرف ایک بات باقی ہے کھانا سامنے رکھ کر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا۔ اس کے متعلق مختلف رواج ہیں۔ کاٹھیاواڑ میں تو اولاً کھانا فقراء کو کھلادیتے ہیں۔ پھر بعد میں ایصالِ ثواب کرتے ہیں اور یو۔ پی و پنجاب اور عرب شریف میں کھانا سامنے رکھ کر ایصالِ ثواب کراتے ہیں۔ پھر کھلاتے ہیں۔ دونوں طرح جائز ہے اور احادیث سے ثابت ہے۔ مشکوٰۃ میں بھی بہت سی روایات موجود ہیں کہ حضور علیہ السلام نے کھانا ملاحظہ فرما کر صاحبِ طعام کے لیئے دعا فرمائی۔ بلکہ حکم دیا کہ دعوت کھا کر میزبان کو دعا دو اسی طرح مشکوٰۃ باب آدابِ طعام میں ہے کہ حضور علیہ السلام جب کھاتے سے فارغ ہوتے تو فرماتے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ حَمْدًا کَثِیْرًا طَیِّبًا مُّبَارَکًا فِیْہِ غَیْرَ مَکْفِیٍّ وَّلَا مُوَدَّعٍ وَّلَا مُسْتَغْنًا عَنْہُ رَبَّنَا۔ جس سے معلوم ہوا کہ کھانے کے بعد دو چیزیں مسنون ہیں۔ حمد الٰہی کرنا اور صاحب طعام کے لیئے دعا کرنا اور فاتحہ میں یہ دونوں باتیں موجود ہیں۔ اور غالباً اس قدر کا انکار مخالفین بھی نہیں کرتے ہوں گے۔ رہا کھانا سامنے رکھ کر ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا۔ اس کی بہت سی احادیث آئی ہیں۔ مشکوٰۃ باب المعجزات فصل دوم میں ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں کچھ خرمے حضور علیہ السلام کی خدمت میں لایا اور عرض کیا کہ اس کے لیئے دعائے برکت فرمادیں۔

فَضَمَّهُنَّ ثُمَّ دَعَالِیْ فِیْهِنَّ بِالْبَرَکَۃِ | آپ نے ان کو ملایا اور دعائے برکت کی۔

مشکوٰۃ باب المعجزات فصل اوّل میں ہے کہ غزوہ تبوک میں لشکر اسلام میں کھانے کی کمی ہوگئی حضور علیہ السلام نے تمام اہل لشکر کو حکم دیا کہ جو کچھ جس کے پاس ہو لاؤ۔ سب حضرات کچھ نہ کچھ لائے دستر خوان بچھایا گیا اس پر یہ سب رکھا گیا۔ فَدَعَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلَیْہِ بِالْبَرَکَۃِ ثُمَّ قَالَ خُذُوْا فِیْ اَوْعِیَتِکُمْ پس اس پر دعا فرمائی اور فرمایا کہ اب اس کو اپنے برتنوں میں رکھ لو۔ اسی مشکوٰۃ اسی باب میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کیا حضرت اُمّ سلیم نے کچھ کھانا بطور ولیمہ پکایا۔ لیکن بہت لوگوں کو بلایا گیا۔ فَرَاَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَضَعَ یَدَہٗ عَلٰی تِلْکَ الْحَرِیْسَۃِ وَتَکَلَّمَ بِمَا شَآءَ اللّٰہُ اس کھانے پر دست مبارک رکھ کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کچھ پڑھا۔

اسی مشکوٰۃ اسی باب میں ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غزوہ خندق کے دن کچھ تھوڑا کھانا پکا کر حضور علیہ السلام کی دعوت کی۔ حضور علیہ السلام ان کے مکان میں تشریف لائے فَاَخْرَجْتُ لَہٗ عَجِیْنًا فَبَصَقَ فِیْہِ وَبَارَکَ آپ کے سامنے گندھا ہوا آٹا پیش کیا گیا۔ تو اس میں لعاب شریف ڈالا اور دعائے برکت کی۔ اس قسم کی بہت سی روایات پیش کی جاسکتی ہیں۔ مگر اتنے پر کفایت کرتا ہوں اب فاتحہ کے تمام اجزاء بخوبی ثابت ہوگئے۔ والحمد للہ۔ عقلاً بھی فاتحہ میں کوئی حرج نہیں کیونکہ جیسا پہلے مقدمہ میں عرض کیا جاچکا کہ فاتحہ دو عبادتوں کے مجموعہ کا نام ہے۔ تلاوت قرآن اور صدقہ اور جب یہ دونوں کام علیحدہ علیحدہ جائز ہیں تو ان کو جمع کرنا کیوں حرام ہوگا۔ بریانی کھانا کہیں بھی ثابت نہیں مگر حلال ہے۔ کیوں اسلیئے کہ بریانی، چاول، گوشت، گھی وغیرہ کا مجموعہ ہے اور جب اس کے سارے اجزا حلال تو بریانی بھی حلال۔ ہاں جہاں چند حلال چیزوں کا جمع کرنا حرام ہو جیسے کہ دو ہمشیرہ ایک نکاح میں یا چند حلال چیزوں کے ملنے سے کوئی حرام چیز بن جاوے مثلاً مجموعہ میں نشہ پیدا ہوگیا۔ تو یہ مجموعہ اس عارضہ کی وجہ سے حرام ہوگا۔ یہاں قرآن کی تلاوت اور صدقہ جمع کرنا شریعت نے حرام نہ کیا اور ان کے اجتماع سے کوئی حرام چیز پیدا نہ ہوئی۔ پھر یہ کام حرام کیوں ہوگا۔ دیکھو بکری مر رہی ہے۔ اگر ویسے ہی مرجائے تو مردار ہے جہاں اللہ کا نام لے کر ذبح کیا حلال ہوگئی قرآن کریم تو مسلمانوں کے لیے رحمت اور شفاء ہے۔ شِفَآءٌ وَّرَحْمَۃٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ۔ پھر اگر اس کی تلاوت کر دینے سے کھانا حرام ہو جاوے تو قرآن رحمت کہاں رہا۔ زحمت ہوا۔ مگر ہاں مومنین کے لیے

رحمت ہے کفار کے لیئے زحمت۔ وَلَا يَزِيدُ الظّٰلِمِينَ اِلَّا خَسَارًا اس سے ظالم تو نقصان ہی پاتے ہیں کہ اس کے پڑھے جانے سے کھانے سے محروم ہو گئے۔ نیز جس کے لیئے دعا کرنا ہو اس کو سامنے رکھ کر دعا کرنا چاہیئے۔ جنازہ میں میت کو سامنے رکھ کر نماز جنازہ پڑھتے ہیں۔ کیونکہ اسی کے لیئے دعا ہے۔ اس کو سامنے رکھ لیا۔ اسی طرح سامنے کھانے کو رکھ کر دعا کی تو کون سی خرابی ہے۔ اسی طرح قبر کے سامنے کھڑے ہو کر دعا پڑھتے ہیں۔ حضور علیہ السلام نے اپنی امت کی طرف سے قربانی فرما کر مذبوحہ جانور سامنے رکھ کر پڑھا۔

اَللّٰهُمَّ هٰذَا مِنْ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ ۔ اے اللہ یہ قربانی میری امت کی طرف سے ہے حضرت خلیل اللہ نے کعبہ کی عمارت سامنے رکھ کر دعا کی رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا الآیۃ اب بھی عقیقہ کا جانور سامنے رکھ کر ہی دعا پڑھی جاتی ہے۔ لہٰذا اگر فاتحہ میں بھی کھانا سامنے رکھ کر ایصال ثواب ہو تو کیا حرج ہے۔

بسم اللہ سے کھانا شروع کرتے ہیں۔ اور بسم اللہ بھی قرآن شریف کی آیت ہے۔ اگر کھانا سامنے رکھ کر قرآن پڑھنا منع ہو۔ تو بسم اللہ پڑھنا بھی منع ہونا چاہیئے۔

مانعین کے پیشوا بھی فاتحہ مروجہ کو جائز سمجھتے ہیں۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب اپنی کتاب الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ میں فرماتے ہیں "پس دہ مرتبہ درود خوانند ختم تمام کنند و بر قدرے شیرینی فاتحہ بنام خواجگان چشت عموماً بخوانند وحاجت از خدا سوال نمایند" پھر دس بار درود پڑھیں اور پورا ختم کریں اور تھوڑی شیرینی پر نام خواجگان چشت کی فاتحہ دیں پھر خدا سے دعا کریں۔ شاہ ولی اللہ صاحب زبدۃ النصائح صفحہ ۱۳۲ پر ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں "وشیر برنج بنا بر فاتحہ بزرگے بقصد ایصال ثواب بروح ایشاں پزند و بخورند مضائقہ نیست واگر فاتحہ بنام بزرگے دادہ شود اغنیاء را ہم خوردن جائز است" دودھ چاول پر کسی بزرگ کی فاتحہ دی ان کی روح کو ثواب پہنچانے کی نیت سے پکائیں اور کھائیں اور اگر کسی بزرگ کی فاتحہ دی جاوے تو مالداروں کو بھی کھانا جائز ہے۔ مولانا اشرف علی ورشید احمد صاحبان کے مرشد حاجی امداد اللہ صاحب فیصلہ ہفت مسئلہ میں فرماتے ہیں۔ نفس ایصال ثواب ارواح اموات میں کسی کو کلام نہیں۔ اس میں بھی تخصیص وتعیین کو موقوف علیہ ثواب کا سمجھے یا واجب وفرض اعتقاد کرے تو ممنوع ہے اور اگر یہ اعتقاد نہیں بلکہ کوئی مصلحت باعث تقلید ہیئت کذائیہ ہے تو کچھ حرج نہیں جیسا

بمصلحت نماز میں سورہ خاص معین کرنے کو فقہاء محققین نے جائز رکھا ہے۔ جو تہجد میں اکثر مشائخ کا معمول ہے" پھر فرماتے ہیں۔ جیسے کہ نماز میں نیت ہر چند دل سے کافی ہے۔ مگر موافقت قلب و زبان کے لیئے عوام کو زبان سے کہنا بھی مستحسن ہے اگر یہاں بھی زبان سے کہہ لیا جاوے کہ یا اللہ اس کھانے کا ثواب فلاں شخص کو پہنچ جاوے تو بہتر ہے پھر کسی کو خیال ہؤا کہ لفظ اس کا مشارٌ الیہ اگر روبرو موجود ہو تو زیادہ استحضار قلب ہو کھانا روبرو لانے لگے۔ کسی کو یہ خیال ہؤا کہ یہ ایک دعا ہے اس کے ساتھ اگر کچھ کلام الہٰی بھی پڑھا جاوے تو قبولیت دعا کی بھی امید ہے اور اس کلام کا ثواب بھی پہنچ جاوے گا۔ تو جمع بین العبادتین ہے" پھر فرماتے ہیں۔ اور گیارہویں حضرت غوث پاک کی۔ دسویں بیسواں، چہلم، ششماہی، سالیانہ وغیرہ اور توشہ حضرت شیخ عبدالحق اور سہ منی حضرت شاہ بو علی قلندر اور حلوا شب برات ودیگر طریق ایصال ثواب کے اسی قاعدے پر مبنی ہیں۔

پیر صاحب کے اس کلام نے بالکل فیصلہ فرمادیا۔ الحمد للہ کہ مسئلہ فاتحہ دلائل عقلیہ نقلیہ اور اقوال مخالفین سے بخوبی واضح ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ قبول کی توفیق دے۔ آمین۔

دُوسرا باب

فاتحہ پر اعتراض وجوابات میں

اس مسئلہ فاتحہ پر مخالفین کے حسب ذیل اعتراضات مشہور ہیں:۔

اعتراض (۱) بہت سے فقہاء نے تیسرے اور ساتویں روز میت کے لیئے کھانا پکانا منع کیا ہے (دیکھو شامی عالمگیری) بلکہ بزازیہ نے تو لکھا ہے۔ وَبَعْدَ الْاُسْبُوْعِ یعنی ہفتہ کے بعد بھی پکانا منع ہے اس میں برسی ششماہی چہلم سب شامل ہیں۔ نیز قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی نے وصیت فرمائی تھی" کہ بعد مردن من رسوم دنیاوی دہم وبستم وچہلم وششماہی وبرسینی ہیچ نہ کنند کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ از سہ روز ماتم کردن جائز نہ داشتہ"۔ نیز حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میت کا کھانا دل کو مردہ کرتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

جواب:۔ فقہاء نے میت کے ایصال ثواب سے منع نہ کیا بلکہ حکم دیا جیسا کہ ہم پہلے باب میں عرض کر چکے ہیں جس کو فقہاء منع کرتے ہیں وہ چیز ہی اور ہے وہ ہے میت کے نام پر برادری کی روٹی لینا۔ یعنی

قوم کے طعنہ سے بچنے کے لیئے جو میت کے تیجے، دسویں وغیرہ میں برادری کی دعوت عام کی جاتی ہے وہ ناجائز ہے اس لیئے کہ یہ نام ونمود کے لیئے ہے اور موت نام ونمود کا وقت نہیں ہے اگر فقراء کو بغرض ایصال ثواب فاتحہ کر کے کھانا کھلایا تو سب کے نزدیک جائز ہے۔ شامی جلد اول کتاب الجنائز باب الدفن میں ہے۔

وَيُكْرَهُ اِتِّخَاذُ الضِّيَافَةِ مِنْ اَهْلِ الْمَيِّتِ لِاَنَّهٗ شُرِعَ فِي السُّرُوْرِ لَا فِي الشُّرُوْرِ۔ | یعنی میت والوں سے دعوت لینا مکروہ ہے کیونکہ یہ تو خوشی کے موقعہ پر ہوتی ہے نہ کہ غم پر۔

دعوت لینے کے وہ ہی معنیٰ کہ برادری مجبور کرے کہ روٹی کر۔ پھر فرماتے ہیں۔

وَهٰذِهِ الْاَفْعَالُ كُلُّهَا لِلسُّمْعَةِ وَالرِّيَاءِ فَيُحْتَرَزُ عَنْهَا لِاَنَّهُمْ لَا يُرِيْدُوْنَ بِهَا وَجْهَ اللّٰهِ | یہ سارے کام محض دکھاوے کے ہوتے ہیں لہذا ان سے بچے کیونکہ اس سے اللہ کی رضا نہیں چاہتے۔

صاف معلوم ہوا کہ فخر یہ طور پر برادری کی دعوت منع ہے۔ پھر فرماتے ہیں۔

وَاِنِ اتَّخَذَ طَعَامًا لِلْفُقَرَاءِ كَانَ حَسَنًا۔ | اگر اہل میت نے فقراء کے لیئے کھانا پکایا تو اچھا ہے۔ یہ فاتحہ کا جواز ہے۔

قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی کا اپنے تیجہ دسویں سے منع فرمانا بالکل درست ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔ رسوم دنیاوی جو تیجہ وغیرہ ہے وہ نہ کریں۔ رسوم دنیا کیا ہے عورتوں کا تیجہ وغیرہ کو جمع ہو کر رونا پیٹنا نوحہ کرنا وہ واقعی حرام ہے۔ اسی لیئے فرماتے ہیں کہ تین دن سے زیادہ تعزیت جائز نہیں۔ اس جگہ ایصال ثواب اور فاتحہ کا ذکر نہیں۔ جس کا مقصد یہ ہوا کہ تیجہ وغیرہ میں ماتم نہ کریں۔ تمہارا یہ کہنا کہ میت کا کھانا دل کو مردہ کرتا ہے ہم نے یہ حدیث کہیں نہ دیکھی۔ اگر یہ حدیث ہو تو ان احادیث کا کیا مطلب ہوگا جن میں مردوں کی طرف سے خیرات کرنے کی رغبت دی گئی ہے نیز تم بھی کہتے ہو کہ بغیر تاریخ مقرر کیئے ہوئے مردے کے نام پر خیرات جائز ہے۔ اس خیرات کو کون کھائے گا؟ جو آدمی کھائے اس کا دل مردہ ہو جائیگا تو کیا اس کو ملائکہ کھائیں گے۔

مسئلہ: میت کے فاتحہ کا کھانا صرف فقراء کو کھلایا جاوے۔ اعلیحضرت قدس سرہ نے اس پر مستقل رسالہ لکھا (جلی الصوت النہی الدعوت عن الموت۔ بلکہ دیکھنے والے تو کہتے ہیں۔ کہ خود اعلیحضرت قدس سرہ کسی اہل میت کے ہاں تعزیت کے لیئے تشریف لے جاتے تو وہاں پان

حقہ وغیرہ بھی نہ استعمال فرماتے تھے۔ اور خود ہمایا شریف میں وصیت موجود ہے کہ ہماری فاتحہ کا کھانا صرف فقراء کو کھلایا جاوے۔ نیز اگر میت کی فاتحہ میت کے ترکہ سے کی ہے۔ تو خیال رہے کہ غائب وارث یا نابالغ کے حصہ سے فاتحہ نہ کی جاوے یعنی اولاً مال میت تقسیم ہو جاوے پھر کوئی بالغ وارث اپنے حصہ سے یہ امور خیر کرے۔ ورنہ یہ کھانا کسی کو بھی جائز نہ ہوگا کہ بغیر مالک کی اجازت یا بچہ کا مال کھانا جائز نہیں۔ یہ ضرور خیال رہے۔

اعتراض (۲) فاتحہ کے لیئے تاریخ مقرر کرنا ناجائز ہے۔ گیارہویں تاریخ یا تیسرا، دسواں، بیسواں چہلم اور برسی وغیرہ یہ دن کی تعیین محض لغو ہے۔ قرآن فرماتا ہے۔ وَهُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ مسلمان لغو کاموں سے بچتے ہیں، بلکہ جس قدر جلد ممکن ہو ایصال ثواب کرو۔ تیسرے دن کا انتظار کیسا؟ نیز تیجہ کے لیئے چنے مقرر کرنا وہ بھی بھنے ہوئے یہ محض لغو اور بیہودہ ہے اس لیئے تیجہ وغیرہ کرنا منع ہے۔

جواب:۔ مقرر کرنیکا جواب تو ہم قیام میلاد کی بحث میں دے چکے ہیں کسی جائز کام کے لیئے دن تاریخ مقرر کرنیکا محض یہ مقصد ہوتا ہے کہ مقررہ دن پر سب لوگ جمع ہو جائیں گے اور مل کر یہ کام کریں گے۔ اگر کوئی وقت مقرر ہی نہ ہو تو بخوبی یہ کام نہیں ہوتے۔ اسی لیئے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے وعظ کے لیئے جمعرات کا دن مقرر فرمایا تھا۔ لوگوں نے عرض کیا کہ روزانہ وعظ فرمایا کیجیئے۔ فرمایا کہ تم کو تنگی میں ڈالنا مجھ کو پسند نہیں۔ (دیکھو مشکوٰۃ کتاب العلم) بخاری نے تو باری مقرر کرنے کا باب باندھا۔ یہ محض آسانی کے لیئے ہوتا ہے۔ آج بھی مدارس کے امتحان جلسے، تعطیلات کے مہینے اور تاریخیں مقرر ہوتی ہیں کہ لوگ ہر سال بغیر بلائے ان تاریخوں پہ پہنچ جاویں۔ صرف یہ ہی مقصد ان کا بھی ہے۔ اب رہا یہ سوال کہ یہ ہی تاریخیں مقرر کیوں کیں۔ تو سنیئے! گیارہویں کے مقرر ہونے کی وجہ یہ ہوئی کہ سلاطین اسلامیہ کے تمام محکموں میں چاند کی دسویں تاریخ کو تنخواہ تقسیم ہوتی تھی اور ملازمین کا خیال یہ تھا کہ ہماری تنخواہ کا پہلا پیسہ حضور غوث پاک کی فاتحہ پر خرچ ہو۔ لہٰذا جب وہ شام کو دفتر سے گھر آتے تو کچھ شیرینی لیتے آتے بعد نماز مغرب فاتحہ دیتے یہ شب گیارہویں شریف ہوتی تھی۔ یہ رواج ایسا پڑا کہ مسلمانوں میں اس فاتحہ کا نام گیارہویں شریف ہو گیا۔ اب جس تاریخ کو بھی حضور غوث پاک کی فاتحہ کریں یا کچھ پیسہ ان کے

نام پر خرچ کریں۔ اس کا نام گیارہویں ہی ہوتا ہے۔ یو۔ پی اور کاٹھیاواڑ میں ماہ ربیع الآخر میں سارے ماہ فاتحہ ہوتی ہے مگر نام گیارہویں ہی ہوتا ہے۔

نیز بزرگوں کے بڑے بڑے واقعات دسویں تاریخ کو ہوئے جن کے بعد گیارہویں رات آتی ہے۔ آدم علیہ السلام کا زمین پر آنا۔ ان کی توبہ قبول ہونا۔ نوح علیہ السلام کی کشتی کا پار لگنا اسمٰعیل علیہ السلام کا ذبح سے نجات پانا۔ یونس علیہ السلام کا مچھلی کے پیٹ سے باہر آنا۔ یعقوب علیہ السلام کا فرزند سے ملنا۔ موسیٰ علیہ السلام کا فرعون سے نجات پانا۔ ایوب علیہ السلام کا شفا پانا۔ امام حسین کا شہید ہونا اور سیدالشہداء کا درجہ پانا سب دسویں تاریخ کو واقع ہوئے۔ اس کے بعد جو پہلی رات آئی۔ وہ گیارہویں تھی۔ لہٰذا یہ رات متبرک ہے۔ اسی لیئے گیارہویں کی فاتحہ اکثر شب گیارہویں میں ہوتی ہے کیونکہ متبرک راتوں میں صدقہ وخیرات وغیرہ کرنا چاہیئے۔

اور یہ بات تجربہ سے ثابت ہے بلکہ خود میرا بھی تجربہ ہے کہ اگر گیارہویں تاریخ کو کچھ مقرر پیسوں کی فاتحہ پابندی سے کی جاوے تو گھر میں بہت برکت رہتی ہے۔ میں بحمدہٖ تعالیٰ اس کا بہت سختی سے پابند ہوں اور اس کی بہت برکت دیکھتا ہوں۔ کتاب "یازدہ مجلس" میں لکھا ہے کہ حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ حضور علیہ السلام کی بارہویں یعنی بارہ تاریخ کے میلاد کے بہت پابند تھے۔ ایک بار خواب میں سرکار نے فرمایا کہ عبدالقادر تم نے بارہویں سے ہم کو یاد کیا۔ ہم تم کو گیارہویں دیتے ہیں۔ یعنی لوگ گیارہویں سے تم کو یاد کیا کریں گے۔ اسی لیئے ربیع الاول میں عموماً میلاد مصطفےٰ علیہ السلام کی محفل ہوتی ہے۔ تو ربیع الثانی میں حضور غوث پاک کی گیارہویں چونکہ یہ سرکاری عطیہ تھا۔ اس لیئے تمام دنیا میں پھیل گیا۔ لوگ تو شرک وبدعت کہہ کر گھٹانے کی کوشش کرتے رہے مگر اس کی ترقی ہوتی گئی ؎

تو گھٹائے سے کسی کے نہ گھٹا ہے نہ گھٹے ؛ جب بڑھائے تجھے اللہ تعالےٰ تیرا

تیجہ کے لیئے تیسرا دن مقرر کرنے میں بھی مصلحت ہے۔ پہلے دن تو لوگ میت کی تجہیز وتکفین میں مشغول رہتے ہیں دوسرے دن آرام کرنے کے لیئے خالی چھوڑا گیا۔ تیسرے دن عام طور پر جمع ہو کر فاتحہ قل وغیرہ پڑھتے ہیں۔ یہ تیسرا دن تعزیت کا آخری دن ہے کہ اس کے بعد تعزیت کرنا منع ہے۔ الاللغائب عالمگیری کتاب الجنائز باب الدفن میں ہے۔

وَوَقْتُهَا مِنْ حِيْنِ يَمُوْتُ اِلٰى ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ وَيُكْرَهُ بَعْدَهَا اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ الْمُعَزِّيْ اَوِالْمُعَزّٰى اِلَيْهِ غَائِبًا۔ اور ماتم پرسی کا وقت مرنے کے وقت سے تین دن تک ہے اس کے بعد مکروہ ہے۔ مگر یہ کہ تعزیت دینے والا یا لینے والا غائب ہو۔

آج تک تو لوگ تعزیت کے لیے آتے رہے۔ اب سنائیں گے تو کچھ ایصال ثواب کر کے جاویں نیز باہر کے پردیسی خویش واقربا بھی اس فاتحہ میں شرکت کر لیتے ہیں کہ تین دن میں مسافر بھی اپنے گھر پہنچ سکتا ہے۔

چہلم برسی وغیرہ کی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کا منشاء ہے کہ سال بھر تک میت کو وقتاً فوقتاً ثواب پہنچاتے رہیں کیونکہ بعد مرنے کے اول اول مردے کا دل اپنے دوست اور احباب سے لگا رہتا ہے پھر آہستہ آہستہ بالکل ادھر سے بے تعلق ہو جاتا ہے۔ لڑکی کا نکاح کر کے سسرال بھیجتے ہیں۔ تو اولاً جلد از جلد اس کو بلانا چلانا ہدیہ وغیرہ بھیجنا جاری رہتا ہے۔ پھر جس قدر زیادہ مدت گزری یہ کام بھی کم ہوتے گئے۔ کیونکہ شروع میں وہاں دلجمعی اس کو حاصل نہیں ہوتی۔ اس کی اصل حدیث سے بھی ملتی ہے بعد دفن کچھ دیر قبر پر کھڑا ہو کر ایصال ثواب اور تلقین سے میت کی مدد کرنی چاہیئے۔ حضرت عمرو ابن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وصیت فرمائی تھی کہ بعد دفن تھوڑی دیر میری قبر پر کھڑا رہنا تاکہ تمہاری وجہ سے میرا دل لگ جاوے اور نکیرین کو جواب دے لوں چنانچہ مشکوٰۃ باب الدفن میں ان کے یہ الفاظ منقول ہیں۔

ثُمَّ اَقِيْمُوْا حَوْلَ قَبْرِيْ حَتّٰى اَسْتَانِسَ بِكُمْ اُجِيْبَ مَاذَا اُرَاجِعُ رُسُلَ رَبِّيْ۔

اسی لیے جلد از جلد اس کو ایصال ثواب کیا جاتا ہے۔ شاہ عبدالعزیز صاحب تفسیر عزیزی پارہ عَمَّ وَالْقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ اوّل حالتے کہ بمجرد جدا شدن روح از بدن خواہد شد فی الجملہ اثر حیات سابقہ والفت تعلق بدن و دیگر معروفاں از ابنائے جنس خود باقی است وآں وقت گویا برزخ است کہ چیزے ازاں طرف و چیزے ازیں طرف مدد زندگاں بمردگان دریں حالت زود تر می رسد و مردگان منتظر لحوق مدد ازیں طرف مے باشند صدقات وادعیہ و فاتحہ دریں وقت بسیار بکار ار می آید وازیں است کہ طوائف بنی آدم تا یک سال و علی الخصوص یک چلہ بعد موت دریں نوع امداد کوشش تمام می نمایند مردے کی پہلی حالت جو کہ فقط جسم سے روح نکلنے کا وقت ہے اس میں کچھ نہ کچھ پہلی زندگی کا اثر اور بدن اور اہل قرابت سے تعلق باقی ہوتا ہے۔ یہ وقت گویا برزخ ہے کچھ ادھر اُدھر تعلق اور کچھ اس طرف اس حالت میں

زندوں کی مدد مردوں کو بہت جلد پہنچتی ہے اور مردے اس مدد پہنچنے کے منتظر ہوتے ہیں اس زمانہ میں صدقہ دعائیں فاتحہ اس کے بہت ہی کام آتی ہیں۔ اسی وجہ سے تمام لوگ ایک سال تک خاص کر موت کے بعد چالیس روز تک اس قسم کی مدد پہنچانے میں بہت کوشش کرتے ہیں۔ یہ ہی حال زندوں کا بھی ہوتا ہے کہ اول اول بہت غم پھر جس قدر وقت گزرتا گیا رنج کم ہوتا گیا۔ تو منشاء یہ ہوتا ہے کہ سال بھر تک ہر آدھے پر صدقہ کریں سال پر برسی اس کے نصف پر ششماہی اس کے نصف پر سہ ماہی کی فاتحہ اس کے بعد نصف یعنی ۴۵ دن فاتحہ ہونی چاہیئے تھی۔ مگر چونکہ چالیس کا عدد روحانی اور جسمانی ترقی کا ہے اس لیئے چہلم مقرر کیا گیا۔ پھر اس کا آدھا بیسواں پھر اس کا آدھا دسواں۔ چالیس میں کیا ترقی ہے ملاحظہ ہو۔ حضرت آدم علیہ السلام کا خمیر چالیس سال تک ایک حالت میں رہا۔ پھر چالیس سال میں وہ خشک ہوا۔ ماں کے پیٹ میں بچہ چالیس روز تک نطفہ پھر چالیس روز تک جما ہوا خون، پھر چالیس روز تک گوشت کا لوتھڑا رہتا ہے (دیکھو مشکوٰۃ باب الایمان بالقدر) پیدا ہونے کے بعد چالیس روز تک ماں کو نفاس آسکتا ہے، پھر چالیس سال کی عمر میں پہنچکر عقل پختہ ہوتی ہے۔ اسی لیئے اکثر انبیائے کرام کو چالیس سال کی عمر میں تبلیغ نبوت دی گئی۔ صوفیائے کرام وظیفوں کے لیئے چلے یعنی چالیس چالیس روز مشقیں کرتے ہیں تو ان کو روحانی ترقی ہوتی ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کو بھی حکم ہوا کہ کوہ طور پر آکر چالیس روز اعتکاف کرو تب تورات دی گئی۔ وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰی اَرْبَعِیْنَ لَیْلَۃً۔ انوار ساطعہ نے بیہقی کی روایت سیدنا انس سے بیان کی۔ بحث چہلم کہ اِنَّ الْاَنْبِیَآءَ لَایُتْرَکُوْنَ فِیْ قُبُوْرِھِمْ اَرْبَعِیْنَ لَیْلَۃً وَّلٰکِنْ ھُمْ یُصَلُّوْنَ بَیْنَ یَدَیِ اللّٰہِ حَتّٰی یُنْفَخَ فِی الصُّوْرِ اس حدیث کے معنیٰ زرقانی شرح مواہب نے یوں بیان کیئے کہ انبیاء کرام کی روح کا تعلق اس جسم مدفون سے چالیس روز تک بہت زیادہ رہتا ہے۔ بعد ازاں وہ روح قرب الٰہی میں عبادت کرتی ہے اور جسم کی شکل میں ہو کر جہاں چاہتی ہے جاتی ہے عوام میں تو یہ بھی مشہور ہے کہ چالیس دن تک میت کی روح کو گھر سے علاقہ رہتا ہے۔ ممکن ہے کہ اس کی اصل کچھ ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ چالیس کے عدد میں تغیر و تبدل ہے لہٰذا مناسب ہوا کہ چالیس دن پر فاتحہ کی جاوے اور اس کی ممانعت ہے نہیں تیجہ کے متعلق مختلف رواج ہیں۔ کاٹھیاواڑ میں علی العموم تیسرے دن صرف قرآن پاک ہی پڑھتے ہیں۔ پنجاب میں عام طور پر تیسرے دن دودھ اور کچھ پھل پر فاتحہ کرتے ہیں۔ یوپی میں

تیسرے دن قرآن خوانی بھی کرتے ہیں اور بھنے ہوئے چنوں پر کلمہ طیبہ پڑھ کر ایصال ثواب کرتے ہیں۔ ہم پہلے باب میں مولوی محمد قاسم صاحب کے حوالے سے بیان کر چکے ہیں کہ میت کو ایک لاکھ پانچ ہزار بار کلمہ پڑھ کر بخشنے سے اس کی مغفرت ہوتی ہے اس میں مختلف روائتیں آئی ہیں۔ تو ایک لاکھ کلمہ طیبہ پڑھوانے کے لیئے ساڑھے بارہ سیر چنے منتخب کیے گیے ہیں کیونکہ اتنے چنے ایک لاکھ ہو جاتے ہیں یہ محض شمار کے لیئے ہے اگر اتنی تسبیحیں یا اس قدر گٹھلیاں یا کنکریاں جمع کی جائیں تو اس میں وقت ہوتی ہے کہ ہر شخص اپنے یہاں موت پر لاکھ کنکریاں جمع کرتا پھرے اس لیئے چنے اختیار کر لیئے کہ اس میں کلمہ کا شمار بھی ہے اور بعد میں صدقہ بھی بھنے ہوئے اس لیئے تجویز ہوئے کہ کچے چنے لوگ پھینک دیں گے یا گھوڑوں کا دانہ بنا دیں گے۔ اس میں بے حرمتی ہے۔ بھنے ہوئے چنے صرف کھانے ہی کے کام آجا دیں گے۔

اعتراض (۳) فاتحہ وغیرہ میں ہنود سے مشابہت ہے کہ وہ بھی مردوں کی تیرھویں کرتے ہیں اور حدیث میں ہے کہ مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ جو کسی قوم سے مشابہت کرے وہ ان میں سے ہے لہٰذا یہ فاتحہ منع ہے۔

جواب:۔ کفار سے ہر مشابہت منع نہیں بلکہ بری باتوں میں مشابہت منع ہے۔ پھر یہ بھی ضروری ہے کہ وہ کام ایسا ہو جو کہ کفار کی دینی یا قومی علامت بن چکا ہے جس کو دیکھ کر لوگ اس کو کافر قوم کا آدمی سمجھیں جیسے کہ دھوتی، چوٹی، زنار، ہیٹ وغیرہ ورنہ ہم بھی آب زمزم مکہ معظمہ سے لاتے ہیں ہندو بھی گنگا سے گنگا جل لاتے ہیں۔ ہم بھی منہ سے کھاتے اور پاؤں سے چلتے ہیں کفار بھی۔ حضور علیہ السلام نے عاشورہ کے روزہ کا حکم دیا تھا۔ حالانکہ اس میں مشابہت یہود تھی۔ پھر فرمایا کہ اچھا ہم دو روزے رکھیں گے۔ کچھ فرق کر دیا مگر اس کو بند نہ کیا۔ اسی طرح ہمارے یہاں کلمہ قرآن پڑھا جاتا ہے۔ مشرکین کے یہاں یہ نہیں ہوتا۔ پھر مشابہت کہاں رہی؟ اسکی بحث شامی باب مکروہات الصلوٰۃ میں دیکھو وہاں جو کام مشابہت کفار کی نیت سے کیے جاویں وہ منع ہیں۔ فاتحہ کی پوری بحث انوار ساطعہ میں دیکھو۔

اعتراض (۴) اگر فاتحہ میں بدنی و مالی عبادت کا اجتماع ہے تو چاہیئے نجس چیز خیرات کرتے وقت بھی فاتحہ پڑھ لیا کرو لہٰذا اوپلہ (گوبر) وغیرہ پر بھی فاتحہ پڑھ کر کسی کو دیا کرو۔ جب چوہڑا پاخانہ اٹھائے تو تم فاتحہ پڑھ کر اسے گھر سے باہر جانے دو۔ (دیوبندی تہذیب)

جواب:۔ نجس چیز پر اور نجس جگہ تلاوت قرآن حرام ہے لہٰذا ان کی خیرات پر تلاوت نہیں کر سکتے

ڈکار پر الحمد للہ پڑھتے ہیں۔ نہ کہ ریح نکلنے پر کہ وہ نجس اور ناقض وضو ہے۔ اسی طرح چھینک پر الحمد للہ کہتے ہیں نہ کہ نکسیر پر۔

بحث دُعا بعد نماز جنازہ کی تحقیق میں

اس بحث میں دو باب ہیں۔ پہلا باب اس دعا کے ثبوت میں اور دوسرا باب اس پر اعتراضات و جوابات میں

پہلا باب

دعا بعد نماز جنازہ کے ثبوت میں

مسلمان کے مرنے کے بعد تین حالتیں ہیں۔ نماز جنازہ سے پہلے، نماز جنازہ کے بعد، دفن سے پہلے، دفن کے بعد۔ ان تینوں حالتوں میں میت کے لیئے دعا کرنا۔ ایصال ثواب کرنا جائز بلکہ بہتر ہے۔ ہاں میت کے غسل سے پہلے اگر اس کے پاس بیٹھ کر قرآن پڑھنا ہو تو اس کو ڈھک دیں کیونکہ ابھی وہ ناپاک ہے۔ جب غسل دے دیا پھر ہر طرح قرآن وغیرہ پڑھیں۔ مخالفین نماز سے پہلے اور دفن کے بعد تو دُعا وغیرہ کرنا جائز مانتے ہیں۔ مگر بعد نماز دفن سے پہلے دعا کو ناجائز، حرام، بدعت، شرک نہ معلوم کیا کیا کہتے ہیں۔ اسی کی اس جگہ تحقیق ہے۔ اس کے ثبوت ملاحظہ ہوں۔ مشکوٰۃ باب صلوٰۃ الجنازہ فصل ثانی میں ہے۔

اِذَا صَلَّیْتُمْ عَلَی الْمَیِّتِ فَاَخْلِصُوْا لَہُ الدُّعَآءَ	جب تم میت پر نماز پڑھ لو۔ تو اس کیلئے خالص دعا مانگو۔

فَ سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز کے بعد فوراً دعا کی جاوے بلا تاخیر۔ جو لوگ اس کے معنے کرتے ہیں کہ نماز میں اس کے لیئے دعا مانگو وہ فَ کے معنیٰ سے غفلت کرتے ہیں۔ صلیتم شرط ہے۔ اور فَاَخْلِصُوْا اس کی جزا۔ شرط اور جزا میں تغایر چاہیئے نہ یہ کہ اس میں داخل ہو۔ پھر صلیتم ماضی ہے اور فاخلصوا ہے امر۔ جس سے معلوم ہؤا کہ دعا کا حکم نماز پڑھ چکنے کے بعد ہے۔ جیسے فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا میں کھا کر جانے کا حکم ہے نہ کہ کھانے کے درمیان۔ اور اِذَا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْھَکُمْ میں نماز کے لیئے اٹھنا مراد ہے نہ کہ نماز کا قیام جیسا کہ اِلٰی سے معلوم ہؤا۔ لہذا یہاں بھی وضو ارادہ نماز کے بعد ہی ہوا اور فَ سے تاخیر ہی معلوم ہوتی۔ حقیقی معنے کو چھوڑ کر بلا قرینہ مجازی معنیٰ مراد لینا جائز نہیں اسی مشکوٰۃ میں اسی جگہ ہے

قَرَءَ عَلَى الْجَنَازَةِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ | حضور علیہ السلام نے جنازہ پر سورہ فاتحہ پڑھی۔

اس کی شرح میں اشعۃ اللمعات میں ہے۔ "واحتمال دارد کہ بر جنازہ بعد از نماز یا پیش ازاں بقصد تبرک خواندہ باشد چنانکہ آلان متعارف است" ممکن ہے کہ حضور علیہ السلام نے سورہ فاتحہ نماز کے بعد یا نماز سے پہلے برکت کے لیئے پڑھی ہو جیساکہ آج کل رواج ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ شیخ عبدالحق علیہ الرحمۃ کے زمانہ میں بھی رواج تھا کہ نماز جنازہ کے آگے اور بعد سورہ فاتحہ وغیرہ برکت کے لیئے پڑھتے تھے اور اور حضرت شیخ نے اس کو منع نہ فرمایا بلکہ حدیث پر اس کو محمول کیا۔

فتح القدیر کتاب الجنائز فصل صلوٰۃ الجنازہ میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے منبر پر قیام فرما کر غزوہ موتہ کی خبر دی اور اسی اثنا میں جعفر ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کی خبر دی فَصَلَّى عَلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَدَعَالَهٗ وَقَالَ اِسْتَغْفِرُوْالَهٗ پس ان پر نماز جنازہ پڑھی اور ان کے لیئے دعا فرمائی اور لوگوں سے فرمایا کہ تم بھی ان کے لیئے دعائے مغفرت کرو۔ دعا کے واؤ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دعا نماز کے علاوہ تھی۔ مواہب اللدنیہ جلد دوم القسم الثانی فِيْمَا اَخْبَرَ مِنَ الْغُيُوْبِ میں یہی واقعہ نقل فرما کر کہا ثُمَّ قَالَ اِسْتَغْفِرُوْالَهٗ اسی طرح عبداللہ ابن رواحہ پر بعد نماز دعا فرمائی۔ اس سے معلوم ہوا کہ بعد نماز جنازہ دعائے مغفرت جائز ہے۔ منتخب کنز العمال کتاب الجنائز میں ابراہیم ہجری کی روایت ہے۔

قَالَ رَأَيْتُ ابْنَ اَبِيْ اَوْفٰى وَكَانَ مِنْ اَصْحٰبِ الشَّجَرَةِ مَاتَتْ اِبْنَتُهٗ اِلٰى اَنْ قَالَ ثُمَّ كَبَّرَ عَلَيْهَا اَرْبَعًا ثُمَّ قَامَ بَعْدَ ذٰلِكَ قَدْرَ مَا بَيْنَ التَّكْبِيْرَتَيْنِ وَقَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَصْنَعُ هٰكَذَا۔	میں نے ابن ابی اوفی کو دیکھا یہ بیعت الرضوان والے صحابی ہیں کہ ان کی دختر کا انتقال ہوا پھر ان پر چار تکبیریں کہیں پھر اس کے بعد دو تکبیروں کے فاصلہ کی بقدر کھڑے ہو کر دعا کی اور فرمایا کہ میں نے حضور علیہ السلام کو ایسے ہی کرتے ہوئے دیکھا۔
بیہقی میں ہے وَعَنِ الْمُسْتَظِلِّ ابْنِ حُصَيْنٍ اَنَّ عَلِيًّا صَلّٰى عَلٰى جَنَازَةٍ بَعْدَ مَا صَلّٰى عَلَيْهِ	مستظل ابن حصین سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک جنازے پر نماز کے بعد دعا مانگی
مدونۃ الکبریٰ میں ہے۔ يَقُوْلُ هٰكَذَا كُلَّمَا كَبَّرَ وَاِذَا كَانَ التَّكْبِيْرُ الْاٰخِرُ قَالَ	ہر تکبیر پر اسی طرح کہے کہ جب آخری تکبیر ہو تو اسی

مِثْلَ ذٰلِكَ ثُمَّ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ		طرح کہے پھر کہے اللھم صل علی محمد

اس سے معلوم ہوا کہ بعد نماز جنازہ درود شریف پڑھے ۔ کشف الغطا میں ہے "فاتحہ و دعا برائے میت پیش از دفن درست است و ہمیں است روایت معمولہ کذا فی خلاصۃ الفقہ" میت کے لئے فاتحہ اور دعا مانگنا دفن سے پہلے درست ہے اسی روایت پر عمل ہے ۔ اسی طرح خلاصۃ الفقہ میں ہے ۔

مبسوط شمس الائمہ سرخسی جلد دوم صفحہ ۶۷ باب غسل المیت میں روایت ہے کہ عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ ایک جنازے پر بعد نماز پہنچے اور فرمایا ۔

اِنْ سَبَقْتُمُوْنِيْ بِالصَّلٰوةِ عَلَيْهِ فَلَا تَسْبِقُوْنِيْ بِالدُّعَاءِ ۔	اگر تم نے مجھ سے پہلے نماز پڑھ لی تو دعا میں تو مجھ سے آگے نہ بڑھو یعنی آؤ میرے ساتھ مل کر دعا کر لو ۔

اسی مبسوط میں اسی جگہ یعنی باب غسل المیت میں ابن عمر و عبداللہ ابن عباس و عبداللہ ابن سلام رضی اللہ عنہم سے ثابت کیا کہ ان حضرات نے دعا بعد نماز جنازہ کی اور فلاتسبقوا سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دعا پر صحابہ کرام کا عمل تھا ۔ مفتاح الصلوٰۃ صفحہ ۱۱۲ مصنفہ مولانا فتح محمد صاحب برہان پوری میں ہے " چوں از نماز فارغ شوند مستحب است کہ امام یا صالح دیگر فاتحہ بقرتا مفلحون طرف سر جنازہ و خاتمہ بقر آمن الرسول طرف پائیں بخواند کہ در حدیث وارد است و در بعض حدیث بعد از دفن واقعہ شدہ ہر دو وقت کہ میسر شود مجوز است " جب نماز جنازہ سے فارغ ہوں تو مستحب ہے کہ امام یا کوئی اور صالح آدمی سورہ بقر کا شروع رکوع مفلحون تک جنازے کے سرہانے اور سورۃ بقر کی آخری آیات اٰمن الرسول میت کے پائیں طرف پڑھے کہ حدیث میں آیا ہے ۔ بعض احادیث میں دفن کے بعد واقعہ ہوا میسر ہو تو دونوں وقت پڑھے جائز ہے ۔ زاد الآخرت میں نہر فائق شرح کنز الدقائق اور بحر زخار سے نقل فرمایا

بعد از سلام بخواند اَللّٰهُمَّ لَا تَحْرِمْنَا اَجْرَهٗ وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَهٗ وَاغْفِرْ لَنَا وَلَهٗ ۔	سلام کے بعد پڑھے کہ اے اللہ ہم کو اس کے اجر سے محروم نہ کر اور اس کے بعد فتنہ میں مبتلا نہ کر اور ہماری اور اس کی مغفرت فرما ۔
طحطاوی میں ہے ۔ وَاِنَّ اَبَا حَنِيْفَةَ لَمَّا مَاتَ فَخُتِمَ عَلَيْهِ سَبْعُوْنَ اَلْفًا قَبْلَ الدَّفْنِ ۔	جب امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تو ان پر دفن سے پہلے ستر ہزار ختم قرآن ہوئے ۔

کشف الغمہ، فتاویٰ عالمگیری، شامی باب الدفن بحث تعزیت میں ہے ۔ وَهِيَ بَعْدَ الدَّفْنِ اَوْلٰى مِنْهَا قَبْلَهٗ تعزیت کرنا دفن کے بعد دفن سے پہلے تعزیت کرنے سے بہتر ہے اسی جگہ شامی اور عالمگیری نے

یہ بھی فرمایا وَهٰذَا اِذَا لَمْ يُرَ مِنْهُمْ جَزَعٌ شَدِيْدٌ وَّ اِلَّا قُدِّمَتْ یہ جب ہے جبکہ ان ورثا میں سخت گھبراہٹ نہ ہو ورنہ تعزیت دفن سے پہلے کی جاوے۔ حسن ظہیریہ میں ہے۔

وَهِيَ بَعْدَ الدَّفْنِ اَوْلٰى مِنْهَا قَبْلَهٗ۔ | دفن کے بعد تعزیت کرنا دفن سے پہلے تعزیت افضل ہے

میزان کبریٰ مصنفہ امام شعرانی میں ہے۔

قَالَ اَبُوْحَنِيْفَةَ وَالثَّوْرِيُّ اَنَّ التَّعْزِيَةَ سُنَّةٌ قَبْلَ الدَّفْنِ لَا بَعْدَهٗ لِاَنَّ شِدَّةَ الْحُزْنِ تَكُوْنُ قَبْلَ الدَّفْنِ فَيُعَزّٰى وَيُدْعٰى لَهٗ۔ | امام ابو حنیفہ اور امام ثوری رضی اللہ تعالےٰ عنہما نے فرمایا کہ تعزیت کرنا دفن سے پہلے سنت ہے نہ کہ بعد کیونکہ زیادتی رنج دفن سے پہلے ہوتی ہے پس تعزیت کرے اور اس کے لیئے دعا کرے۔

ان عبارات سے ثابت ہوا کہ دفن سے پہلے خواہ نماز سے بھی پہلے ہو یا نماز کے بعد تعزیت کرنا جائز بلکہ مسنون ہے اور تعزیت میں میت و پسماندگان کے لیئے دعائے اجر و صبر ہی تو ہوتی ہے۔ عقل کا بھی تقاضا ہے کہ بعد نماز جنازہ دعا جائز ہو۔ کیونکہ نماز جنازہ ایک حیثیت سے تو دعا ہے کہ میت کو سامنے رکھا گیا ہے اور اس میں رکوع سجدہ التحیات وغیرہ نہیں ہے اور ایک حیثیت سے نماز ہے۔ اسی لیئے اس میں غسل وضو ستر عورت قبلہ کو منہ ہونا جگہ اور کپڑوں کا پاک ہونا شرط ہے اور جماعت مسنون۔ اگر یہ محض دعا ہوتی تو نماز کی طرح یہ شرائط اس میں کیوں ہوتیں اور دعاؤں کی طرح یہ بھی ہر طرح ادا ہو جایا کرتی ماننا پڑے گا کہ ایک حیثیت سے یہ نماز بھی ہے اور ہر نماز کے بعد دعا مسنون ہے اور زیادہ قابل قبول۔ چنانچہ مشکوٰۃ باب الذکر بعد الصلوٰۃ میں ہے۔

قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَيُّ الدُّعَاءِ اَسْمَعُ قَالَ جَوْفَ اللَّيْلِ الْاٰخِرِ وَدُبُرَ الصَّلَوٰاتِ الْمَكْتُوْبَاتِ۔ | حضور علیہ السلام سے سوال کیا گیا کہ کون سی دعا زیادہ قبول ہوتی ہے؟ فرمایا کہ آخر رات کے درمیانی حصہ میں اور فرض نمازوں کے پیچھے اور نماز جنازہ بھی فرض

نماز ہے پھر اس کے بعد کیوں دعا نہ کی جاوے؟ نیز دعا مانگنے کی ہر وقت اجازت دی گئی ہے اور بہت تاکید فرمائی گئی۔ مشکوٰۃ کتاب الدعوات میں ہے کہ اَلدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ اسی جگہ یہ بھی ہے۔ اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ دعا عبادت بھی ہے یا دعا اصل عبادت ہے دعا مانگنے کے لیئے کوئی وقت وغیرہ کی پابندی نہیں تو اس کی کیا وجہ ہے کہ نماز جنازہ سے پہلے تو دعا جائز اور دفن کے بعد بھی جائز مگر نماز کے بعد اور دفن سے پہلے حرام؟ نماز جنازہ بھی کوئی جادو ہے کہ اس کے پڑھتے ہی دعا کرنا۔ ایصال ثواب

کرنا سب حرام اور دفن میت اس جادو کا اتار ہے کہ دفن ہوا اور سب جائز ہوگیا۔ لہذا ہر وقت دعا اور ایصال ثواب جائز ہے کسی وقت کی پابندی نہیں۔

دوسرا باب

اس دعا پر اعتراضات و جوابات میں

اس پر صرف چار اعتراض ہیں تین عقلی اور ایک نقلی۔ اس کے سوا اور کوئی اعتراض نہیں۔

اعتراض (۱) وہ ہی پرانا یاد کیا ہوا سبق کہ یہ دعا بدعت ہے اور ہر بدعت حرام ہے لہذا یہ دعا کرنا حرام ہے، شرک ہے، بے دینی ہے۔

جواب: یہ دعا بدعت نہیں اس کا ثبوت حضور علیہ السلام کے قول و فعل مبارک سے ہو چکا۔ نیز صحابہ کرام کا اس پر عمل رہا۔ فقہاء نے اس کی اجازت دی۔ جیسا کہ اس بحث کے پہلے باب میں گزر گیا۔ اور اگر مان بھی لیا جاوے کہ بدعت ہے تو ہر بدعت حرام نہیں ہوتی۔ بلکہ بدعت کی پانچ قسمیں ہیں۔ دیکھو ہماری بدعت کی بحث۔

اعتراض (۲) نماز جنازہ میں خود دعا ہے پھر دوبارہ دعا مانگنا جائز نہیں ہے پہلی دعا کافی ہو چکی۔

جواب: یہ اعتراض بالکل لغو ہے نماز پنجگانہ میں دعا ہے۔ نماز استخارہ۔ نماز کسوف اور نماز استسقاء سب دعا کے لیئے ہیں مگر ان سب کے بعد دعا مانگنا جائز بلکہ سنت ہے حدیث پاک میں ہے اَلْعَوْدُ اَحْمَدُ دعا زیادہ مانگو۔ دعاء کے بعد دعا مانگنا زیادہ دعا ہے تیسرے اس لیئے کہ یہ تو محض دعا ہے بعض صورتوں میں تو نماز جنازہ کے بعد نماز جنازہ دوبارہ ہوتی ہے اگر میت کے ولی نے نماز نہ پڑھی اور دوں نے پڑھ لی تو وہ دوبارہ پڑھ سکتا ہے۔ حضور سید عالم صلی اللہ تعالے علیہ وسلم کا وصال مبارک دوشنبہ کو ہوا اور دفن شریف چہار شنبہ کو (شامی کتاب الصلوٰۃ باب الامامت) اور ان دو روز میں لوگ جماعت جماعت آتے رہے نماز جنازہ ادا کرتے رہے کیونکہ اب تک صدیق اکبر نے جو کہ ولی تھے نہ پڑھی تھی۔ پھر جب آخر دن حضرت صدیق نے نماز پڑھ لی۔ اب تاقیامت کسی کو جائز نہ رہا کہ حضور علیہ السلام پر نماز جنازہ پڑھے (دیکھو شامی باب صلوٰۃ الجنازہ بحث دفن احق بالامامت) اب کہو کہ یہ نماز تو دعا تھی۔ وہ ادا ہو گئی۔ یہ

دوبارہ نمازیں کیسی ہو رہی ہیں؟ یہ سوال تو ایسا ہے کہ کوئی کہے کہ کھانے کے بعد پانی نہ پیو۔ کیونکہ کھانے میں پانی موجود ہے وہ پانی ہی سے پکا۔

اعتراض (۳) چونکہ دعا مانگنے کی وجہ سے دفن میں دیر ہوتی ہے اور یہ حرام ہے لہٰذا یہ دعا بھی حرام ہے۔

جواب:۔ یہ اعتراض بھی محض لغو ہے اولاً تو اس لیئے کہ آپ تو اس دعا کو بہر حال منع کرتے ہیں۔ اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر دفن میں دیر ہو تو منع ورنہ نہیں۔ تو بتاؤ کہ اگر ابھی قبر تیار ہونے میں دیر ہے اور نماز جنازہ ہو گئی۔ اب دعا وغیرہ پڑھیں یا کہ نہیں۔ کیونکہ یہاں تاخیر دفن دعا سے نہیں بلکہ تیاری قبر کی وجہ سے ہے دوسرے اس لیئے کہ دعا میں زیادہ دیر نہیں لگتی۔ صرف دو یا تین منٹ۔ مشکل سے خرچ ہوتے ہیں۔ اس قدر غیر محسوس دیر کا اعتبار نہیں اتنی بلکہ اس سے زیادہ دیر تو راستہ میں آہستہ لے جانے اور غسل کا کام آہستہ آہستہ انجام دینے اور قبر کو اطمینان سے کھودنے میں بھی لگ جاتی ہے اگر اس قدر دیر بھی حرام ہو تو لازم ہوگا کہ غسل و کفن دینے والے نہایت بدحواسی سے بہت جلد یہ کام کریں اور قبر کھودنے والے مشین کی طرح جھٹ پٹ قبر کھودیں اور میت کو لے جانے والے انجن کی رفتار بھاگتے ہوئے جاویں اور فوراً پھینک کر آجاویں۔ تیسرے اس لیئے کہ ہم پہلے باب میں حوالے دے چکے ہیں کہ دفن سے پہلے اہل میت کی تعزیت کرنا۔ انکو تسلی و تشفی دینا جائز بلکہ سنت ہے۔ خواہ بعد نماز کرے یا قبل نماز تو تعزیت کے الفاظ کہنے اور تسلی دینے میں بھی دیر لگے گی یا کہ نہیں؟ ضرور لگے گی مگر چونکہ یہ ایک دینی کام کے لیئے ہے جائز ہے۔ چوتھے اس لئے کہ ہم ابھی عرض کر چکے کہ حضور علیہ السلام کی وفات شریف دوشنبہ کو اور دفن چہار شنبہ کو ہوا۔ علامہ شامی اسی کتاب الصلوٰۃ باب الامامت میں یہ واقعہ بیان فرما کر فرماتے ہیں۔

وَهٰذِهِ السُّنَّةُ بَاقِيَةٌ اِلَى الْاٰنِ لَمْ يُدْفَنْ خَلِيْفَةٌ حَتّٰى يُوَلّٰى غَيْرُهٗ۔	یہ سنت اب تک باقی ہے کہ خلیفہ اس وقت تک دفن نہیں کیا جاتا جب تک کہ دوسرا خلیفہ نہ بن جائے۔

اس سے معلوم ہوا کہ دفن میں وہ تاخیر مکروہ ہے جو کہ دنیاوی وجہ سے ہو دینی وجہ سے قدرے جائز ہے کہ خلیفہ بنانا دینی کام ہے۔ اس کی وجہ سے دفن میں دیر کر دی اور دعا مانگنا بھی دینی کام ہے۔ اگر کوئی نمازی آخر میں ملے تو وہ دعا پڑھ کر سلام پھیر سکتا ہے۔ لیکن اگر نماز کے بعد فوراً نعش اٹھالی جائے تو یہ شخص دعا پوری نہ کر سکا کہ اٹھائے ہوئے جنازے پر نماز نہیں ہوتی۔ لہٰذا دعا بعد جنازہ میں مسبوق نمازیوں

کی بھی رعایت ہے۔ اگر اس کے لیئے ایک غیر محسوس سی تاخیر ہو تو جائز ہے۔ پانچویں اس لیئے کہ دفن میں مطلقاً تاخیر کرنا حرام کہاں لکھا ہے؟ فقہاء فرماتے ہیں کہ جمعہ کے دن میت کا انتقال ہوگیا تو نماز جمعہ کا انتظار نہ کرے بلکہ ممکن ہو قبل جمعہ ہی دفن کرے۔ یہ نہیں کہتے کہ یہ انتظار کرنا حرام ہے شرک ہے کفر ہے معاذاللہ۔

اعتراض (۴) نماز جنازے کے بعد دعا کو فقہاء منع فرماتے ہیں۔ چنانچہ جامع الرموز میں ہے۔

لَا یَقُوْمُ دَاعِیًا لَّہٗ۔	نماز کے بعد دعا کے لیئے نہ کھڑا رہے۔
ذخیرہ کبریٰ اور محیط میں ہے۔ لَا یَقُوْمُ بِالدُّعَآءِ بَعْدَ صَلٰوۃِ الْجَنَازَۃِ۔	نماز جنازے کے بعد دعا کے لیئے نہ کھڑا رہے۔
عالمگیری میں ہے لَا یَدْعُوْا بَعْدَہٗ فِیْ ظَاھِرِ الْمَذْھَبِ	اس کے بعد دعا نہ کرے ظاہر مذہب میں۔

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ہے۔

وَلَا یَدْعُوْا لِلْمَیِّتِ بَعْدَ صَلٰوۃِ الْجَنَازَۃِ لِاَنَّہٗ یُشْبِہُ الزِّیَادَۃَ فِیْ صَلٰوۃِ الْجَنَازَۃِ۔	نماز جنازہ کے بعد میت کے لیئے دعا نہ کرے کیونکہ یہ نماز جنازہ میں زیادتی کرنیکے مشابہ ہے۔

کشف الغطاء میں ہے کہ قائم نہ شود بعد از نماز برائے دعا" نماز کے بعد دعا کے لیئے کھڑا نہ رہے۔

جامع الرموز میں ہے وَلَا یَقُوْمُ بِالدُّعَاءِ بَعْدَ صَلٰوۃِ الْجَنَازَۃِ لِاَنَّہٗ یُشْبِہُ الزِّیَادَۃَ۔	نماز جنازہ کے بعد دعا کے لیئے نہ کھڑا رہے کیونکہ یہ زیادتی کے مشابہ ہے۔

ابن حامد سے مروی ہے۔

اِنَّ الدُّعَآءَ بَعْدَ صَلٰوۃِ الْجَنَازَۃِ مَکْرُوْہٌ۔	نماز جنازہ کے بعد دعا مکروہ ہے۔
جامع رموز میں ہے وَلَا یَقُوْمُ بِالدُّعَاءِ بَعْدَ صَلٰوۃِ الْجَنَازَۃِ لِاَنَّہٗ یُشْبِہُ الزِّیَادَۃَ۔	نماز جنازہ کے بعد دعا کے لیئے نہ کھڑا ہو کیونکہ یہ زیادتی کے مشابہ ہے۔

ان فقہی عبارات سے معلوم ہوا کہ نماز جنازہ کے بعد دعا وغیرہ ناجائز ہے۔

جواب:۔ اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک اجمالی دوسرا تفصیلی اجمالی جواب تو یہ ہے کہ اس دعا سے ممانعت کی تین وجہیں ہیں۔ اولاً یہ کہ چوتھی تکبیر کے بعد سلام سے پہلے ہو۔ دوم یہ کہ دعائیں زیادہ لمبی نہ ہوں۔ جس سے کہ دفن میں بہت تاخیر ہو۔ اسی لیئے نماز جمعہ کے انتظار میں دفن میں تاخیر کرنا منع ہے

تیسرے یہ کہ اسی طرح صف بستہ بحیثیت نماز دعا کی جاوے کہ دیکھنے والا سمجھے نماز ہو رہی ہے یہ زیادتی کے مشابہ ہے۔ لہٰذا اگر بعد سلام بیٹھ کر یا صفیں توڑ کر تھوڑی دیر دعا کی جاوے تو بلا کراہت جائز ہے یہ وجوہ اس لئے نکالے گئے کہ فقہاء کی عبارتیں آپس میں متعارض نہ ہوں اور یہ اقوال احادیث مذکورہ اور صحابہ کرام کے قول و عمل کے خلاف نہ ہوں۔

تفصیلی جواب یہ ہے کہ عبارات میں سے جامع الرموز، ذخیرہ، محیط، کشف الغطار کی عبارتوں میں تو دعا سے ممانعت ہے ہی نہیں بلکہ کھڑے ہو کر دعا کرنے سے منع فرمایا ہے۔ وہ ہم بھی منع کرتے ہیں مرقات اور جامع الرموز میں یہ بھی ہے لِاَنَّهٗ يُشْبِهُ الزِّيَادَةَ یہ زیادتی کے مشابہ ہے یعنی اس دعا سے دھوکا ہوتا ہے کہ نماز جنازہ زیادہ ہو گئی۔ اس سے معلوم ہؤا کہ اس طرح دعا مانگنا منع ہے جس میں زیادتی کا دھوکا ہو۔ وہ یہ ہی ہے کہ صف بستہ کھڑے دعا کریں۔ اگر صف توڑ دی یا بیٹھ گئے تو حرج نہیں دیکھو۔ جماعت فرض کے بعد حکم ہے کہ لوگ صفوف توڑ کر سنتیں پڑھیں تاکہ کسی کو یہ دھوکا نہ ہو کہ جماعت ہو رہی ہے (دیکھو شامی اور مشکوٰۃ شریف باب السنن) تو اس سے یہ لازم نہیں کہ فرض کے بعد سنتیں پڑھنا ہی منع ہیں بلکہ فرض سے ملا کر پڑھنا منع ہے۔ اسی طرح یہ بھی ہے۔ عالمگیری کی عبارت غلط نقل کی۔ اس کی اصل عبارت یہ ہے۔

وَلَيْسَ بَعْدَ التَّكْبِيْرِ الرَّابِعَةِ قَبْلَ السَّلَامِ دُعَاءٌ۔ | چوتھی تکبیر کے بعد سلام سے پہلے کوئی دعا نہیں۔

یعنی نماز جنازہ میں پہلی تین تکبیروں کے بعد کچھ نہ کچھ پڑھا جاتا ہے مگر اس چوتھی تکبیر کے بعد کچھ نہ پڑھا جاوے گا جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے۔ چنانچہ بدائع۔ کفایہ عنایہ میں ہے۔ لَيْسَ بَعْدَ التَّكْبِيْرِ الرَّابِعَةِ قَبْلَ السَّلَامِ دُعَاءٌ۔ ابو بکر ابن حامد کی جو عبارت پیش کی گئی یہ قنیہ کی عبارت ہے مگر قنیہ غیر معتبر کتاب ہے۔ اس پر فتویٰ نہیں دیا جاتا۔ مقدمہ شامی بحث رسم المفتی میں ہے کہ صاحب قنیہ ضعیف روایات بھی لیتا ہے۔ اس سے فتویٰ دینا جائز نہیں فرماتے ہیں۔ اَذْ لِنَقْلِ الْاَقْوَالِ الضَّعِيْفَةِ فِيْهَا كَالْقُنْيَةِ لِلزَّاهِدِيْ فَلَا يَجُوْزُ الْاِفْتَاءُ مِنْ هٰذِهٖ۔ اعلیحضرت قدس سرہٗ نے بذل الجوائز میں فرمایا کہ قنیہ والا معتزلی بدمذہب ہے اور اگر قنیہ کی یہ عبارت صحیح مان بھی لی جائے تو خود مخالفین کے بھی خلاف ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ نماز جنازہ کے بعد دعا کرنا منع ہے تو بعد دفن بھی دعا ناجائز ہونا چاہیئے کیونکہ یہ وقت بھی تو نماز کے بعد ہی ہے غرضکہ کوئی بھی عبارت آپکے موافق نہیں۔ دعا بعد نماز جنازہ جائز بلکہ سنت ہے۔

بحث مزارات اولیاء اللہ پر گنبد بنانا

مسلمان دو طرح کے ہیں ایک تو عام مومنین ۔ دوسرے علماء مشائخ اولیاء اللہ جن کی تعظیم و توقیر درحقیقت اسلام کی تعظیم ہے ۔ عامۃ المسلمین کی قبروں کو پختہ بنانا یا ان پر قبہ وغیرہ بنانا چونکہ بے فائدہ ہے اس لئے منع ہے ہاں اس پر مٹی وغیرہ ڈالتے رہنا تاکہ اس کا نشان نہ مٹ جائے فاتحہ وغیرہ پڑھی جا سکے جائز ہے ۔ اور علماء مشائخ عظام اولیاء اللہ جن کے مزارات پر خلقت کا ہجوم رہتا ہے لوگ وہاں بیٹھ کر قرآن خوانی و فاتحہ وغیرہ پڑھتے ہیں ان کے آسائش اور صاحب قبر کی اظہار عظمت کے لیئے اس کے آس پاس سایہ کے لیئے قبہ وغیرہ بنانا شرعاً جائز بلکہ سنت صحابہ سے ثابت ہے اور جن عوام مومنین کی قبریں پختہ بنانا یا ان پر قبہ بنانا منع ہے اگر ان کی قبریں پختہ بن گئی ہوں تو ان کو گرانا حرام ہے پہلے مسئلہ میں سب کا اتفاق ہے آخر کے دو مسئلوں میں اختلاف اس لیئے ہم اس بحث کے دو باب کرتے ہیں ۔ پہلے باب میں تو اس کا ثبوت ۔ دوسرے باب میں مخالفین کے اعتراضات اور ان کے جوابات ۔

پہلا باب

مزارات اولیاء اللہ پر عمارت کا ثبوت

اس جگہ تین امور ہیں ایک تو خود قبر کو پختہ کرنا ۔ دوسرے قبر ولی کو قدر سنت یعنی ایک ہاتھ سے زیادہ اونچا کرنا ۔ تیسرے قبر کے آس پاس عمارت بنا دینا ۔ پھر قبر کو پختہ کرنے کی دو صورتیں ہیں ایک تو قبر کا اندرونی حصہ جو کہ میت سے ملا ہوا ہے اس کو پختہ بنانا دوسرے قبر کا بیرونی حصہ جو کہ اوپر نظر آتا ہے اسکو پختہ کرنا ۔

(۱) قبر کے اندرونی حصہ کو پختہ اینٹ سے پختہ کرنا ۔ وہاں لکڑی لگانا منع ہے ہاں اگر وہاں پتھر یا سیمنٹ لگایا جاوے تو جائز ہے کیونکہ لکڑی اور اینٹ میں آگ کا اثر ہے ۔ قبر کا بیرونی حصہ پختہ بنانا عامۃ المسلمین کے لیئے منع ہے اور خاص علماء و مشائخ کے لیئے جائز ہے ۔

(۲) قبر کا تعویذ ایک ہاتھ سے زیادہ اونچا کرنا منع ہے اور اگر آس پاس چبوترہ اونچا کر کے اس پر تعویذ بقدر ایک ہاتھ کیا تو جائز ہے ۔

(۳) قبر کے آس پاس یا قبر کے قریب کوئی عمارت بنانا عامۃ المسلمین کی قبروں پر تو منع ہے ۔ اور فقہاء و

علماء کی قبروں پر جائز۔ دلائل حسب ذیل ہیں۔

(۱) مشکوٰۃ کتاب الجنائز باب الدفن میں بروایت ابوداؤد ہے کہ جب حضور علیہ السلام نے حضرت عثمان ابن مظعون کو دفن فرمایا تو ان کی قبر کے سرہانے ایک پتھر نصب فرمایا۔ اور فرمایا کہ اُعْلِمُ بِهَا قَبْرَ اَخِيْ وَاُدْفِنُ اِلَيْهِ مَنْ مَاتَ مِنْ اَهْلِيْ ہم اس سے اپنے بھائی کی قبر کا نشان لگائیں گے اور اسی جگہ اپنے اہل بیت کے مردوں کو دفن کریں گے۔

(۲) بخاری کتاب الجنائز باب الجرید علی القبر میں تعلیقاً ہے۔ حضرت خارجہ فرماتے ہیں۔ ہم زمانہ عثمان میں تھے

اَنَّ اَشَدَّنَا وَثْبَةً اَلَّذِيْ يَثِبُ قَبْرَ عُثْمَانَ ابْنِ مَظْعُوْنٍ حَتّٰى يُجَاوِزَهٗ۔ | ہم میں بڑا کودنے والا وہ تھا جو کہ عثمان ابن مظعون کی قبر کو پھلانگ جاتا۔

مشکوٰۃ کی روایت سے معلوم ہوا کہ عثمان ابن مظعون کی قبر کے سرہانے پتھر تھا اور بخاری کی اس روایت سے معلوم ہوا کہ خود قبر عثمان کا تعویذ اس پتھر کا تھا اور دونوں روایات اس طرح جمع ہو سکتی ہیں کہ مشکوٰۃ میں جو آیا کہ قبر کے سرہانے پر پتھر لگایا اس کے معنیٰ یہ نہیں کہ قبر سے علیحدہ سر کے قریب کھڑا کر دیا بلکہ یہ ہے کہ خود قبر میں ہی سر کی طرف اس کو لگایا یا مطلب یہ کہ قبر ساری اس پتھر کی تھی مگر سرہانے کا ذکر کیا۔ ان دونوں احادیث سے یہ ثابت ہوا کہ اگر کسی خاص قبر کا نشان قائم رکھنے کے لئے قبر کچھ اونچی کر دی جاوے یا پتھر وغیرہ سے پختہ کر دی جائے تو جائز ہے تاکہ معلوم ہو کہ یہ کسی بزرگ کی قبر ہے۔ اس سے پہلے دو مسئلے حل ہو گئے نیز فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر کوئی زمین نرم ہو اور لوہے یا لکڑی کے صندوق میں میت رکھ کر دفن کرنا پڑے تو اس کے اندرونی حصہ میں چاروں طرف مٹی سے کہگل کر دو (دیکھو شامی اور عالمگیری وغیرہ باب دفن المیت) اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قبر کو اندر سے کچا ہونا چاہیئے۔ دو مسائل ثابت ہوئے۔

(۳) مشائخ کرام اولیاء عظام علماء کرام کی مزارات کے اردگرد یا اس کے قریب میں کوئی عمارت بنانا جائز ہے۔ اس کا ثبوت قرآن کریم اور صحابہ کرام وعامۃ المسلمین کے عمل اور علماء کے اقوال سے ہے۔ قرآن کریم نے اصحاب کہف کا قصہ بیان فرماتے ہوئے کہا۔ قَالَ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰى اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا وہ بولے جو اس کام میں غالب رہے کہ ہم تو ان اصحاب کہف پر مسجد بنائیں گے۔ روح البیان میں اس آیت میں بُنْيَانًا کی تفسیر میں فرمایا۔ دیوارے کہ از چشم مردم پوشیدہ شوند یعنی لَا يَعْلَمُ اَحَدٌ تُرْبَتَهُمْ وَتَكُوْنُ مَحْفُوْظَةً مِنْ تَطَرُّقِ النَّاسِ كَمَا حُفِظَتْ تُرْبَةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ بِالْحَظِيْرَةِ یعنی

انہوں نے کہا کہ اصحاب کہف پر ایسی دیوار بناؤ جو ان کی قبر کو گھیرے اور ان کے مزارات لوگوں کے جانے سے محفوظ ہو جاویں جیسے کہ حضور علیہ السلام کی قبر شریف چار دیواری سے گھیر دی گئی ہے مگر یہ بات نامنظور ہوئی تب مسجد بنائی گئی۔ مسجداً کی تفسیر روح البیان میں ہے یُصَلِّیْ فِیْهِ الْمُسْلِمُوْنَ وَیَتَبَرَّکُوْنَ بِمَکَانِهِمْ۔ لوگ اس میں نماز پڑھیں اور ان سے برکت لیں۔ قرآن کریم نے ان لوگوں کی دو باتوں کا ذکر فرمایا ایک تو اصحاب کہف کے گرد قبہ اور مقبرہ بنانے کا مشورہ کرنا دوسرے ان کے قریب مسجد بنانا اور کسی بات کا انکار نہ فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ دونوں فعل جب بھی جائز تھے اور اب بھی جائز ہیں۔ جیسا کہ کتب اصول سے ثابت ہے کہ شرائعُ قَبْلَنَا یَلْزَمُنَا۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت صدیقہ کے حجرے میں دفن کیا گیا۔ اگر یہ ناجائز تھا تو پہلے صحابہ کرام اس کو گرا دیتے۔ پھر دفن کرتے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں اس کے گرد کچی اینٹوں کی گول دیوار کھچادی۔ پھر ولید ابن عبدالملک کے زمانہ میں سیدنا عبداللہ ابن زبیر نے تمام صحابہ کرام کی موجودگی میں اس عمارت کو نہایت مضبوط بنایا اور اس میں پتھر لگوائے چنانچہ خلاصۃ الوفا باخبار دار المصطفےٰ مصنفہ سید سمہودی، دسویں فصل فیما یتعلق بالحجرۃ المنیفہ صفحہ ۱۹۶ میں ہے عَنْ عَمْرِو ابْنِ دِیْنَارٍ وَعُبَیْدِ اللّٰهِ ابْنِ اَبِیْ یَزِیْدَ قَالَا لَمْ یَکُنْ عَلٰی عَهْدِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ حَائِطٌ فَکَانَ اَوَّلَ مَنْ بَنٰی عَلَیْهِ جِدَارًا عُمَرُ ابْنُ الْخَطَّابِ۔ قَالَ عُبَیْدُ اللّٰهِ ابْنِ اَبِیْ یَزِیْدَ کَانَ جِدَارُهٗ قَصِیْرًا ثُمَّ بَنَاهُ عَبْدُ اللّٰهِ ابْنُ الزُّبَیْرِ الخ وَقَالَ الْحَسَنُ الْبَصْرِیُّ کُنْتُ اَدْخُلُ بُیُوْتَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا غُلَامٌ مُرَاهِقٌ وَاَنَالُ السَّقْفَ بِیَدِیْ وَکَانَ لِکُلِّ بَیْتٍ حُجْرَةٌ وَکَانَتْ حُجَرُهٗ مِنَ الْکِسْوَةِ مِنْ سَعْرٍ مَرْبُوْطَةٍ فِیْ خُشُبٍ عَرْعَرَةٍ۔ ترجمہ وہ ہی جو کہ اوپر بیان ہو چکا۔ بخاری جلد اول کتاب الجنائز باب مَاجَآءَ فِیْ قَبْرِ النَّبِیِّ وَاَبِیْ بَکْرٍ وَّعُمَرَ میں ہے کہ حضرت عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ولید ابن عبدالملک کے زمانہ میں روضہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دیوار گر گئی تو اَخَذُوْا فِیْ بِنَائِهٖ صحابہ کرام اس کے بنانے میں مشغول ہوئے فَبَدَتْ لَهُمْ قَدَمٌ فَفَزِعُوْا وَظَنُّوْا اَنَّهَا قَدَمُ النَّبِیِّ عَلَیْهِ السَّلَامُ حَتّٰی قَالَ لَهُمْ عُرْوَةُ لَا وَاللّٰهِ مَا هِیَ قَدَمُ النَّبِیِّ عَلَیْهِ السَّلَامُ مَا هِیَ اِلَّا قَدَمُ عُمَرَ

ایک قدم ظاہر ہو گیا تو لوگ گھبرا گئے اور سمجھے کہ یہ حضور علیہ السلام کا قدم پاک ہے۔ حضرت عروہ نے کہا کہ اللہ کی قسم یہ حضور علیہ السلام کا قدم نہیں ہے یہ حضرت فاروق کا قدم ہے۔

جذب القلوب الی دیار المحبوب میں شیخ عبدالحق فرماتے ہیں کہ ۵۵۵ھ میں جمال الدین اصفہانی نے علماء کرام کی موجودگی میں صندل کی لکڑی کی جالی اس دیوار کے آس پاس بنائی اور ۵۵۷ھ میں بعض عیسائی عابدوں کی شکل میں مدینہ منورہ آئے اور سرنگ لگا کر نعش مبارک کو زمین سے نکالنا چاہا۔ حضور علیہ السلام نے تین بار بادشاہ کو خواب میں فرمایا۔ لہٰذا بادشاہ نے ان کو قتل کرایا اور روضہ کے آس پاس پانی تک بنیاد کھود کر سیسہ لگا کر اس کو بھر دیا پھر ۶۷۸ھ میں سلطان قلاؤں صالحی نے یہ گنبد سبز جواب تک موجود ہے بنوایا۔

ان عبارات سے یہ معلوم ہوا کہ روزہ مطہرہ صحابہ کرام نے بنوایا تھا اگر کوئی کہے کہ یہ تو حضور علیہ السلام کی خصوصیت ہے تو کہا جاوے گا کہ اس روضہ میں حضرت صدیقؓ و فاروقؓ بھی دفن ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی دفن ہوں گے لہٰذا یہ خصوصیت نہ رہی۔ بخاری جلد اوّل کتاب الجنائز اور مشکوٰۃ باب البکاء علی المیت میں ہے کہ حضرت امام حسن ابن حسن ابن علی رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا۔

ضَرَبَتْ اِمْرَاَتُهُ الْقُبَّةَ عَلٰى قَبْرِهٖ سَنَةً | تو ان کی بیوی نے ان کی قبر پر ایک سال تک قبہ ڈالے رکھا۔

یہ بھی صحابہ کرام کے زمانہ میں سب کی موجودگی میں ہوا۔ کسی نے انکار نہ کیا۔ نیز ان کی بیوی ایک سال تک وہاں رہیں۔ پھر گھر واپس آئیں۔ جیسا کہ اسی حدیث میں ہے۔ اس سے بزرگوں کی قبروں پر مجاوروں کا بیٹھنا بھی ثابت ہوا۔

یہاں تک تو قرآن و حدیث سے ثابت ہوا۔ اب فقہاء محدثین اور مفسرین کے اقوال ملاحظہ ہوں۔

روح البیان جلد ۳ پارہ ۱۰ زیر آیت اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ میں ہے۔

فَبِنَاءُ قِبَابٍ عَلٰى قُبُوْرِ الْعُلَمَاءِ وَالْاَوْلِيَاءِ وَالصُّلَحَاءِ اَمْرٌ جَائِزٌ اِذَا كَانَ الْقَصْدُ بِذٰلِكَ التَّعْظِيْمَ فِيْ اَعْيُنِ الْعَامَّةِ حَتّٰى لَا يَحْتَقِرُوْا صَاحِبَ هٰذَا الْقَبْرِ۔	علماء اور اولیاء صالحین کی قبروں پر عمارات بنانا جائز کام ہے جبکہ اس سے مقصود ہو لوگوں کی نگاہوں میں عظمت پیدا کرنا تاکہ لوگ اس قبر والے کو حقیر نہ جانیں۔

مرقات شرح مشکوٰۃ کتاب الجنائز باب دفن المیت میں ہے۔

قَدْ اَبَاحَ السَّلَفُ الْبِنَاءَ عَلٰى قُبُوْرِ الْمَشَائِخِ وَالْعُلَمَاءِ الْمَشْهُوْرِيْنَ لِيَزُوْرَهُمْ	پہلے علماء نے مشائخ اور علماء کی قبروں پر عمارات بنانا جائز فرمایا ہے تاکہ ان کی لوگ زیارت کریں۔

اَلنَّاسُ وَيَسْتَرِيْحُوْا بِالْجُلُوْسِ۔ | اور وہاں بیٹھ کر آرام پائیں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی شرح سفر السعادت میں فرماتے ہیں۔

"در آخر زمان بحسب اقتصار نظر عوام بر ظاہر مصلحت در تعمیر و ترویج مشاہد و مقابر مشائخ و عظماء دیدہ چیز ہا افزودند تا آنجا ہیبت و شوکت اہل اسلام و اہل صلاح پیدا آید خصوصاً در دیار ہند کہ اعدائے دین از ہنود و کفار بسیار اند و ترویج و اعلاء شان ایں مقامات باعث رعب و انقیاد ایشاں است و بسیار اعمال و افعال و اوضاع کہ در زمان سلف از مکروہات بودہ اند در آخر زمان از مستحسنات گشتہ"

آخر زمان میں چونکہ عام لوگ محض ظاہر بین رہ گئے لہذا مشائخ اور صلحاء کی قبروں پر عمارت بنانے میں مصلحت دیکھ کر زیادتی کر دی تاکہ مسلمانوں اور اولیاء اللہ کی ہیبت ظاہر ہو خاصکر ہندوستان میں کہ یہاں ہندو اور کفار بہت سے دشمنان دین ہیں ان مقامات کی اعلان شان کفار کے رعب اور اطاعت کا ذریعہ ہے اور بہت سے کام پہلے مکروہ تھے اور آخر زمانہ میں مستحب ہو گئے۔

شامی جلد اول باب الدفن میں ہے۔

وَقِيْلَ لَا يُكْرَهُ الْبِنَاءُ إِذَا كَانَ الْمَيِّتُ مِنَ الْمَشَائِخِ وَالْعُلَمَاءِ وَالسَّادَاتِ۔

کہ اگر میت مشائخ اور علماء اور سادات کرام میں سے ہو تو اس کی قبر پر عمارت بنانا مکروہ نہیں ہے۔

درمختار میں اسی باب الدفن میں ہے۔ لَا يُرْفَعُ عَلَيْهِ بِنَاءٌ وَقِيْلَ لَا بَأْسَ بِهٖ وَهُوَ الْمُخْتَارُ قبر پر عمارت نہ بنائی جائے اور کہا گیا ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں اور یہ ہی قول پسندیدہ ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ چونکہ شامی اور درمختار نے عمارت کے جواز کو قیل سے بیان کیا۔ اس لیئے یہ قول ضعیف ہے لیکن یہ صحیح نہیں فقہ میں قیل علامت ضعف نہیں۔ اور بعض جگہ ایک مسئلہ میں دو قول بیان کرتے ہیں اور دونوں قیل سے۔ ہاں منطق میں قیل علامت ضعف ہے۔ قیل کی مکمل بحث اذان قبر کے بیان میں دیکھو۔

طحطاوی علی مراقی الفلاح صفحہ ۳۳۵ میں ہے۔

وَقَدِ اعْتَادَ أَهْلُ الْمِصْرِ وَضْعَ الْأَحْجَارِ حِفْظًا لِلْقُبُوْرِ عَنِ الْإِنْدِرَاسِ وَالنَّبْشِ وَلَا بَأْسَ بِهٖ وَفِي الدُّرَرِ وَلَا يُجَصَّصُ وَلَا يُطَيَّنُ وَلَا يُرْفَعُ عَلَيْهِ بِنَاءٌ وَقِيْلَ لَا بَأْسَ بِهٖ وَهُوَ الْمُخْتَارُ

مصر کے لوگ قبروں پر پتھر رکھنے کے عادی ہیں۔ تاکہ وہ مٹنے اکھڑنے سے محفوظ رہیں اور قبر کو گچ نہ کی جاوے نہ کھگل کی جاوے نہ اس پر عمارت بنائی جاوے اور کہا گیا ہے کہ جائز ہے اور یہ ہی مختار ہے

میزان کبریٰ آخر جلد اول کتاب الجنائز میں امام شعرانی فرماتے ہیں۔

وَمِنْ ذٰلِكَ قَوْلُ الْاَئِمَّةِ اَنَّ الْقَبْرَ لَا يُبْنٰى وَلَا يُجَصَّصُ مَعَ قَوْلِ اَبِيْ حَنِيْفَةَ يَجُوْزُ ذٰلِكَ قَالَ الْاَوَّلُ مُشَدَّدٌ وَالثَّانِيْ مُخَفَّفٌ ۔	اسی سے ہے دیگر اماموں کا یہ کہنا کہ قبر پر نہ عمارت بنائی جاوے اور نہ اسکو گچ کی جاوے باوجودیکہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا یہ قول ہے کہ یہ سب جائز ہے پس پہلے قول میں سختی ہے اور دوسرے میں آسانی

اب تو رجسٹری ہو گئی کہ خود امام مذہب امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان مل گیا کہ قبر پر قبہ وغیرہ بنانا جائز ہے۔

الحمدللہ کہ قرآن وحدیث اور فقہی عبارات بلکہ خود امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرمان پاک سے ثابت ہو گیا کہ اولیاء وعلماء کی قبور پر گنبد وغیرہ بنانا جائز ہے۔ عقل بھی چاہتی ہے کہ یہ جائز ہو چند وجوہ سے اولاً تو یہ دیکھا گیا ہے کہ عام کچی قبروں کا عوام کی نگاہ میں نہ ادب ہوتا ہے نہ احترام اور نہ زیادہ فاتحہ خوانی نہ کچھ اہتمام بلکہ لوگ پیروں سے اس کو روندتے ہیں۔ اور اگر کسی قبر کو پختہ دیکھتے ہیں غلاف وغیرہ پڑا ہوا پاتے ہیں سمجھتے ہیں کہ یہ کسی بزرگ کی قبر ہے اس سے بچکر نکلتے ہیں اور خود بخود فاتحہ کو ہاتھ اٹھ جاتا ہے اور مشکوٰۃ باب الدفن میں اور مرقات میں ہے کہ مسلمانوں کا زندگی اور بعد موت یکساں ادب چاہیئے۔ اسی طرح عالمگیری کتاب الکراہیت اور اشعۃ اللمعات باب الدفن میں ہے کہ والدین کی قبر کو چومنا جائز ہے۔ اسی طرح فقہاء فرماتے ہیں کہ قبر سے اتنی دور بیٹھے جتنی دور کہ صاحب قبر کی زندگی میں اس سے بیٹھتا تھا اس سے معلوم ہوا کہ میت کا احترام بقدر زندگی کے احترام کے ہے اور اولیاء اللہ تو زندگی میں واجب التعظیم تھے۔ لہٰذا بعد موت بھی۔ اور قبر کی عمارت اس تعظیم کا ذریعہ ہے لہٰذا کم از کم مستحب ہے۔ دوسرے اس لئے کہ جس طرح تمام عمارات میں سرکاری عمارتیں یا کہ مساجد ممتاز رہتی ہیں کہ ان کو پہچان کر لوگ اس سے فائدہ اٹھائیں۔ علماء کو چاہیئے کہ اپنی وضع قطع لباس صورت اہل علم کا سا رکھیں تاکہ لوگ ان کو پہچان کر مسائل دریافت کریں۔ اسی طرح چاہیئے کہ علماء ومشائخ کے قبور عام قبروں سے ممتاز ہوں تاکہ لوگ پہچان کر ان سے فیض لیں۔ تیسرے اس لیئے کہ مقابر اولیاء اللہ شعائر اللہ ہیں جیسا کہ ہم اس سے پہلے تفسیر روح البیان کے حوالہ سے بیان کر چکے ہیں اور شعائر اللہ کا ادب ضروری ہے قرآن سے ثابت ہے لہٰذا قبروں کا ادب چاہیئے۔ ادب کے ہر ملک اور ہر زمانہ میں علیحدہ طریقے ہوتے ہیں جو طریقہ بھی ادب کا خلاف اسلام نہ ہو وہ جائز ہے حضور علیہ السلام کے زمانہ پاک میں نہ [illegible] بدعی

اور چمڑے پر لکھا تھا۔ مسجد نبوی کچی تھی اور چھت میں کھجور کے پتے تھے جو بارش میں ٹپکتی تھی۔ مگر بعد کے زمانہ میں مسجد نبوی نہایت شاندار روضہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت اہتمام سے بنائے گئے اور قرآن کو اچھے کاغذ پر چھاپہ گیا۔

درمختار کتاب الکراہیت فصل فی البیع میں ہے۔ وَجَازَ تَحْلِيَةُ الْمُصْحَفِ لِمَا فِيْهِ مِنْ تَعْظِيْمِهٖ كَمَا فِيْ نَقْشِ الْمَسْجِدِ اس کے ماتحت شامی میں ہے اَىْ بِالذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ یعنی قرآن کریم کو چاندی سونے سے آراستہ کرنا جائز ہے کیونکہ اس میں ان کی تعظیم ہے۔ جیساکہ مسجد کو نقشین کرنا۔ اسی طرح صحابہ کرام کے زمانہ میں حکم تھا کہ قرآن کو آیات اور رکوع اور اعراب سے خالی رکھو لیکن اس زمانہ کے بعد چونکہ ضرورت درپیش ہوئی۔ یہ تمام کام جائز بلکہ ضروری ہو گئے۔ شامی میں اسی جگہ ہے۔

وَمَارُوِىَ عَنْ اِبْنِ مَسْعُوْدٍ جَرِّدُوا الْقُرْاٰنَ كَانَ فِىْ زَمَنِهِمْ وَكَمْ مِنْ شَيْءٍ يَخْتَلِفُ بِاخْتِلَافِ الزَّمَانِ وَالْمَكَانِ۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ قرآن کو اعراب وغیرہ سے خالی رکھو یہ اس زمانہ میں تھا۔ اور بہت سی چیزیں زمانہ اور جگہ بدلنے سے بدل جاتی ہیں۔

اسی مقام پر شامی میں ہے کہ قرآن کو چھوٹا کر کے نہ چھاپو یعنی حمائل نہ بناؤ بلکہ اس کا قلم موٹا ہو۔ حرف کشادہ ہوں تقطیع بڑی ہو یہ سارے احکام کیوں ہیں؟ صرف قرآن کی عظمت کے لئے اسی طرح یہ بھی ہے اول زمانہ میں تعظیم قرآن واذان واقامت پر اجرت لینا حرام تھا حدیث وفقہ میں موجود ہے مگر بعد کو ضرورتاً جائز کیا گیا۔ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں خود زندہ لوگوں کو پختہ مکان بنانے کی ممانعت تھی۔ ایک صحابی نے پختہ مکان بنایا تو حضور علیہ السلام ناراض ہوئے یہاں تک کہ ان کے سلام کا جواب نہ دیا جب اس کو گرا دیا۔ تب جواب سلام دیا (دیکھو مشکوٰۃ کتاب الرقاق فصل ثانی) اسی مشکوٰۃ کتاب الرقاق میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ اِذَا لَمْ يُبَارَكْ لِلْعَبْدِ فِىْ مَالِهٖ جَعَلَهٗ فِى الْمَاۤءِ وَالطِّيْنِ جب بندے کے مال میں بے برکتی ہوتی ہے تو اس کو اینٹ گارے میں خرچ کرتا ہے لیکن ان احکام کے باوجود عام مسلمانوں نے بعد میں پختہ مکان بھی بنائے اور مسجدیں بھی۔ تعجب ہے کہ جو حضرات اولیاء اللہ کی قبروں کے پختہ کرنے یا ان پر قبہ بنانے کو حرام کہتے ہیں وہ اپنے مکان کیوں عمدہ اور پختہ بناتے ہیں اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ کیا بعض حدیثوں پر ایمان ہے اور بعض کا انکار۔ اللہ سمجھ دے۔ پوچھئے اس لئے کہ اولیاء اللہ کی مقابر کا پختہ ہونا۔ ان پر عمارات قائم ہونا تبلیغ اسلام کا ذریعہ ہے۔ اجمیر شریف وغیرہ میں دیکھا

گیا ہے کہ مسلمانوں سے زیادہ وہاں ہندو اور دیگر کفار زیارت کو جاتے ہیں بہت سے ہندوؤں اور رافضیوں کو میں نے دیکھا کہ خواجہ صاحب کی دھوم دھام دیکھ کر مسلمان ہو گئے۔

ہندوستان میں اب کفار مسلمانوں کے ان اوقاف پر قبضہ کر رہے ہیں جن میں کوئی علامت نہ ہو۔ بہت سی مسجدیں، خانقاہیں، قبرستان بے نشان ہو کر ان کے قبضے میں پہنچ گئے اگر قبرستان کی ساری قبریں کچی ہوں تو وہ کچھ دن میں گر گر کر برابر ہو جاتی ہیں اور سادہ زمین پر کفار قبضہ جما لیتے ہیں لہذا اب سخت ضرورت ہے کہ ہر قبرستان میں کچھ قبریں پختہ ہوں تا کہ ان سے اس زمین کا قبرستان ہونا بلکہ اسکے حدود معلوم رہیں۔ میں نے اپنے وطن میں خود دیکھا کہ مسلمانوں کے دو قبرستان بھر چکے تھے ایک میں بجز دو تین قبروں کے ساری قبریں کچی تھیں۔ دوسرے قبرستان کے کچھ حصہ میں پختہ قبریں بھی تھیں۔ مسلمان فقیروں نے یہ دونوں قبرستان خفیہ طور پر فروخت کر دیئے جس پر مقدمہ چلا۔ پہلا قبرستان تو سوائے پختہ قبروں کے مکمل طور پر مسلمانوں کے قبضہ سے نکل گیا۔ کیونکہ حکام نے اسے سفیدہ زمین مانا۔ دوسرے قبرستان کا آدھا حصہ جہاں تک پختہ قبریں تھیں مسلمانوں کو ملا۔ باقی وہ حصہ جس میں ساری قبریں کچی تھیں اور مٹ چکی تھیں کفار کے پاس پہنچ گیا کیونکہ اس قبرستان کے حدود پختہ قبروں کی حد سے قائم کیئے گئے باقی کا بیعنامہ درست مانا گیا۔ اس سے مجھے پتہ لگا کہ اب ہندوستان میں کچھ قبریں پختہ ضرور بنوانی چاہئیں کیونکہ یہ بقاء وقف کا ذریعہ ہیں جیسے مسجد کے لیئے مینارے۔

ماہ جولائی ۱۹۶۰ء کے اخبارات میں مسلسل یہ خبر شائع ہو رہی ہے کہ مولوی اسمٰعیل صاحب کے پیر سید احمد صاحب بریلوی کی قبر جو بالاکوٹ میں واقع ہے شکستہ حالت میں ہے اسکی مرمت کی جاویگی اور اس پر گنبد وغیرہ تعمیر کیا جاویگا۔ سبحان اللہ سید احمد صاحب جنہوں نے عمر بھر مسلمانوں کی قبریں ڈہائیں اب خود ان کی قبر پر گنبد بنے گا۔ ۲۹ جولائی ۱۹۶۰ء کو صدر پاکستان ایوب خان نے قائد اعظم کی قبر کی عمارت کا سنگ بنیاد رکھا۔ جس میں ایک لاکھ مسلمان شریک تھے اس عمارت پر ۷۵ لاکھ روپیہ خرچ ہوگا اس تقریب میں دیوبندیوں کے پیشوا مولوی احتشام الحق نے بھی شرکت کی۔ ان کی تقریر راولپنڈی کے جنگ ۱۲ اگست ۱۹۶۰ء میں شائع ہوئی آپ نے بہت خوشی کا اظہار فرماتے ہوئے فرمایا کہ مبارک ہو کہ بانی انقلاب آج بانی پاکستان کی قبر پر سنگِ بنیاد رکھ رہا ہے اب تک پاکستان کی حکومتوں نے اس مبارک کام میں بہت سستی کی تھی۔ مسلمانو! یہ ہیں وہ دیوبندی جو اب تک مسلمانوں کی قبریں اکھڑواتے تھے جنہوں نے نجدی حکومت

تو مبارک باد کے تار دیتے تھے کہ اس نے صحابہ و اہل بیت کی قبریں اکھیڑ دیں آج قائد اعظم کی قبر پر گنبد وغیر تعمیر ہونے پر مبارک باد دے رہے ہیں۔ ان کا کتابی مذہب اور ہے۔ زبانی مذہب اور عملی مذہب کچھ اور چلو تم ادھر کو ہوا ہو جدھر کی۔ بہرحال مزار پر گنبد کے دیوبندی بھی قائل ہو گئے۔

دوسرا باب

عمارت قبور پر اعتراضات وجوابات میں

مخالفین کے اس مسئلہ پر صرف دو ہی اعتراض ہیں اول تو یہ کہ مشکوٰۃ باب الدفن میں بروایت مسلم ہے۔

نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُّجَصَّصَ الْقُبُوْرُ وَاَنْ يُّبْنٰى عَلَيْهِ وَاَنْ يُّقْعَدَ عَلَيْهِ۔

حضور علیہ السلام نے منع فرمایا اس سے کہ قبروں پر گچ کی جاوے اور اس سے کہ اس پر عمارت بنائی جاوے اور اس سے کہ اس پر بیٹھا جاوے۔

نیز عام فقہاء فرماتے ہیں کہ يُكْرَهُ الْبِنَاءُ عَلَى الْقُبُوْرِ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تین کام حرام ہیں قبر کو پختہ بنانا۔ قبر پر عمارت بنانا اور قبر پر مجاور بن کر بیٹھنا۔

جواب: قبر کو پختہ کرنے سے منع ہونے کی تین صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ قبر کا اندرونی حصہ جو کہ میت کی طرف ہے اس کو پختہ کیا جاوے۔ اسی لیے حدیث میں فرمایا گیا۔ اَنْ يُّجَصَّصَ الْقُبُوْرُ یہ نہ فرمایا گیا۔ عَلَى الْقُبُوْرِ دوسرے یہ کہ عامۃ المسلمین کی قبر پختہ کی جاویں کیونکہ یہ بے فائدہ ہے تو معنی یہ ہوئے کہ ہر قبر کو پختہ بنانے سے منع فرمایا۔ تیسرے یہ کہ قبر کو سجاوٹ، تکلف یا فخر کے لیئے پختہ کیا۔ یہ تینوں صورتیں منع ہیں اور اگر نشان باقی رکھنے کے لیئے کسی ولی اللہ کی قبر پختہ کی جاوے تو جائز ہے۔ کیونکہ حضور علیہ السلام نے عثمان ابن مظعون کی قبر پختہ پتھر کی بنائی۔ جیسا کہ پہلے باب میں عرض کیا گیا۔ لمعات میں اسی اَنْ يُّجَصَّصَ الْقُبُوْرُ کے ماتحت ہے لِمَا فِيْهِ مِنَ الزِّيْنَةِ وَالتَّكَلُّفِ کیونکہ اس میں محض سجاوٹ اور تکلف ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ اگر اس لیئے نہ ہو تو جائز ہے اَنْ يُّبْنٰى عَلَيْهِ یعنی قبر پر عمارت بنانا منع فرمایا۔ اس کے بھی چند معنی ہیں اولاً تو یہ کہ خود قبر پر عمارت بنائی جاوے اس طرح کہ قبر دیوار میں شامل ہو جاوے۔ چنانچہ شامی باب الدفن میں ہے۔

وَحُكْمُ الزِّيَادَةِ عَلَيْهِ لِمَا فِي الْمُسْلِمِ۔ | قبر کو ایک ہاتھ سے زیادہ اونچا کرنا منع ہے۔

نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَنْ يُّجَصَّصَ الْقَبْرُ وَاَنْ يُّبْنٰى عَلَيْهِ۔

کیونکہ مسلم میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے قبر کو پختہ کرنے اور اس پر کچھ بنانے سے منع فرمایا۔

در مختار اسی باب میں ہے وَتُكْرَهُ الزِّيَادَةُ عَلَيْهِ مِنَ التُّرَابِ لِاَنَّهٗ بِمَنْزِلَةِ الْبِنَاءِ قبر پر مٹی زیادہ کرنا منع ہے کیونکہ یہ عمارت بنانے کے درجہ میں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قبر پر بنانا یہ ہے کہ قبر دیوار میں آجاوے اور گنبد بنانا یہ حول القبر یعنی قبر کے اردگرد بنانا ہے یہ ممنوع نہیں۔ دوسرے یہ کہ یہ حکم عامۃ المسلمین کی قبروں کے لیئے ہے۔ تیسرے یہ کہ اس بنانے کی تفسیر خود دوسری حدیث نے کر دی جو کہ مشکوٰۃ باب المساجد میں ہے۔ اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِيْ وَثَنًا يُّعْبَدُ اِشْتَدَّ غَضَبُ اللّٰهِ عَلٰى قَوْمٍ اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَآئِهِمْ مَسٰجِدَ۔

اے اللہ میری قبر کو بت نہ بنانا جس کی پوجا کی جاوے اس قوم پر خدا کا سخت غضب ہے جس نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو مسجد بنا لیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ کسی قبر کو مسجد بنانا اس پر عمارت بنا کر اس طرف نماز پڑھنا حرام ہے یہ ہی اس حدیث سے مراد ہے۔ قبروں پر کیا نہ بناؤ مسجد۔ قبر کو مسجد بنانے کے یہ معنیٰ ہیں کہ اس کی عبادت کی جاوے۔ یا کم از کم اس کو قبلہ بنا کر اس کی طرف سجدہ کیا جاوے۔ علامہ ابن حجر عسقلانی فتح الباری شرح بخاری میں فرماتے ہیں۔

قَالَ الْبَيْضَاوِيُّ لَمَّا كَانَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى يَسْجُدُوْنَ لِقُبُوْرِ الْاَنْبِيَآءِ تَعْظِيْمًا لِشَانِهِمْ وَيَجْعَلُوْنَهَا قِبْلَةً يَتَوَجَّهُوْنَ فِي الصَّلٰوةِ نَحْوَهَا وَاتَّخَذُوْهَا اَوْثَانًا لَعَنَهُمْ وَمَنَعَ الْمُسْلِمُوْنَ عَنْ مِثْلِ ذٰلِكَ۔

بیضاوی نے فرمایا کہ جبکہ یہود و نصاریٰ پیغمبروں کی قبروں کو تعظیماً سجدہ کرتے تھے اور اس کو قبلہ بنا کر اس کی طرف نماز پڑھتے تھے اور ان قبور کو انہوں نے بت بنا کر رکھا تھا لہٰذا اس پر حضور علیہ السلام نے لعنت فرمائی اور مسلمانوں کو اس سے منع فرمایا گیا۔

یہ حدیث معترض کی پیش کردہ حدیث کی تفسیر ہوگئی۔ معلوم ہوگیا کہ قبہ بنانے سے منع نہیں فرمایا بلکہ قبر کو سجدہ گاہ بنانے سے منع فرمایا۔ چوتھے یہ کہ یہ ممانعت حکم شرعی نہیں ہے۔ بلکہ زہد و تقویٰ کی تعلیم ہے جیسے کہ ہم پہلے باب میں عرض کر چکے کہ رہنے کے مکانات کو پختہ کرنے سے بھی روکا گیا۔ بلکہ گرا دیئے گئے پانچویں یہ کہ جب بنانے والے کا یہ اعتقاد ہو کہ اس عمارت سے میت کو راحت یا فائدہ پہنچتا ہے تو منع ہے کہ یہ غلط خیال ہے اور اگر زائرین کی آسائش کے لیئے عمارت بنائی جاوے تو جائز ہے۔

ہم نے یہ توجیہیں اس لئے کیں کہ بہت سے صحابہ کرام نے خاص خاص قبروں پر عمارات بنائی ہیں۔ یہ فعل سنت صحابہ ہے چنانچہ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے حضور علیہ السلام کی قبر انور کے گرد عمارت بنائی۔ سیدنا ابن زبیر نے اس پر خوبصورت عمارت بنائی۔ حسن مثنیٰ کی بیوی نے اپنے شوہر کی قبر پر قبہ ڈالا جس کو ہم بحوالہ مشکوٰۃ باب البکاء سے نقل کر چکے۔ زوجہ حسن مثنیٰ کے اس فعل کے ماتحت ملا علی قاری مرقات شرح مشکوٰۃ باب البکاء میں فرماتے ہیں۔ اَلظَّاهِرُ اَنَّهُ لِاِجْتِمَاعِ الْاَحْبَابِ لِلذِّكْرِ وَالْقِرَاءَةِ وَحُضُوْرِ الْاَصْحَابِ بِالْمَغْفِرَةِ اَمَّا حَمْلُ فِعْلِهَا عَلَى الْعَبَثِ الْمَكْرُوْهِ فَغَيْرُ لَائِقٍ لِصَنِيْعِ اَهْلِ الْبَيْتِ۔

ظاہر یہ ہے کہ یہ قبہ دوستوں اور صحابہ کے جمع ہونے کے لیئے تھا تاکہ ذکر اللہ اور تلاوت قرآن کریں اور دعائے مغفرت کریں۔ لیکن ان بی بی کے اس کام کو محض بے فائدہ بنانا جو کہ مکروہ ہے یہ اہل بیت کی شان کے خلاف ہے۔

صاف معلوم ہوا کہ بلا فائدہ عمارت بنانا منع اور زائرین کے آرام کے لیئے جائز ہے۔ نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کی قبر پر قبہ بنایا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے اپنے بھائی عبدالرحمٰن کی قبر پر اور حضرت محمد ابن حنیفہ نے عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی قبر پر قبہ بنایا۔ منتقیٰ شرح موطا امام مالک میں ابو عبد سلیمان علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

وَضَرَبَهُ عُمَرُ عَلٰى قَبْرِ زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ وَضَرَبَتْهُ عَائِشَةُ عَلٰى قَبْرِ اَخِيْهَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ وَضَرَبَهُ مُحَمَّدُ ابْنُ الْحَنَفِيَّةِ عَلٰى قَبْرِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَاِنَّمَا كَرِهَهُ لِمَنْ ضَرَبَهُ عَلٰى وَجْهِ السُّمْعَةِ وَالْمُبَاهَاةِ۔

حضرت عمر نے زینب جحش کی قبر پر قبہ بنایا حضرت عائشہ نے اپنے بھائی عبدالرحمٰن کی قبر پر قبہ بنایا محمد ابن حنفیہ (ابن حضرت علی) نے ابن عباس کی قبر پر قبہ بنایا رضی اللہ عنہم اور جس نے قبہ بنانا مکروہ کہا ہے تو اس کے لیئے کہا جو کہ اس کو فخر وریا کے لیئے بنائے۔

بدائع الصنائع جلد اول صفحہ ۳۲۰ میں ہے۔

رُوِيَ اَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ لَمَّا مَاتَ بِالطَّائِفِ صَلّٰى عَلَيْهِ مُحَمَّدُ ابْنُ الْحَنَفِيَّةِ وَجَعَلَ قَبْرَهُ مُسَنَّمًا وَضَرَبَ عَلَيْهِ فُسْطَاطًا۔

جبکہ طائف میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو ان پر محمد ابن حنفیہ نے نماز پڑھی اور ان کی قبر ڈھلوان بنائی اور قبر پر قبہ بنایا۔

عینی شرح بخاری میں ہے ضَرَبَهُ مُحَمَّدُ ابْنُ الْحَنَفِيَّةِ عَلٰى قَبْرِ ابْنِ عَبَّاسٍ۔ ان صحابہ کرام نے یہ فعل کئے اور ساری امت روضہ رسول علیہ السلام پر جاتی رہی۔ کسی محدث کسی فقیہ کسی عالم نے اس روضہ پر اعتراض

نہ کیا۔ لہٰذا اس حدیث کی وہ ہی توجیہیں کی جاویں جو کہ ہم نے کیں۔ قبر پر بیٹھنے کے معنیٰ ہیں قبر پر چڑھ کر یہ منع ہے نہ کہ وہاں مجاور بننا۔ مجاور بننا تو جائز ہے۔ مجاور اسی کو تو کہتے ہیں۔ جو قبر کا انتظام رکھے کھولنے بند کرنے کی چابی اپنے پاس رکھے وغیرہ وغیرہ یہ صحابہ کرام سے ثابت ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ مسلمانوں کی والدہ حضور علیہ السلام کی قبر انور کی منتظمہ اور چابی والی تھیں۔ جب صحابہ کرام کو زیارت کرنی ہوتی تو ان سے ہی کھلوا کر زیارت کرتے۔ دیکھو مشکوٰۃ باب الدفن۔ آج تک روضہ مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر مجاور رہتے ہیں کسی نے ان کو ناجائز نہ کہا۔

اعتراض (۲) مشکوٰۃ باب الدفن میں ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ هَیَّاجِ نِ الْاَسَدِیِّ قَالَ قَالَ لِیْ عَلِیٌّ اَلَا اَبْعَثُکَ عَلٰی مَا بَعَثَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ عَلَیْهِ السَّلَامُ اَنْ لَّا تَدَعَ تِمْثَالًا اِلَّا طَمَسْتَهٗ وَلَا قَبْرًا مُشْرِفًا اِلَّا سَوَّیْتَهٗ۔

ابو ہیاج اسدی سے مروی ہے کہ مجھ سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ کیا میں تم کو اس کام پر نہ بھیجوں جس پر مجھ کو حضور علیہ السلام نے بھیجا تھا وہ یہ کہ تم کوئی تصویر نہ چھوڑو مگر مٹا دو اور نہ کوئی اونچی قبر مگر اس کو برابر کر دو۔

بخاری جلد اوّل کتاب الجنائز باب الجرید علی القبر میں ہے۔

وَرَاٰی اِبْنُ عُمَرَ فُسْطَاطًا عَلٰی قَبْرِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ فَقَالَ اِنْزَعْهُ یَا غُلَامُ فَاِنَّمَا یُظِلُّهٗ عَمَلُهٗ۔

ابن عمر نے عبدالرحمٰن کی قبر پر قبہ خیمہ دیکھا پس آپ نے فرمایا کہ اے لڑکے اسکو علیحدہ کر دو کیونکہ ان پر انکے عمل سایہ کر رہے ہیں۔

ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ اگر کسی قبر پر عمارت بنی ہو یا قبر اونچی ہو تو اس کو گرا دینا چاہیئے۔

نوٹ ضروری:۔ اس حدیث کو آڑ بنا کر نجدی وہابیوں نے صحابہ کرام اور اہل بیت کے مزارات کو گرا کر زمین کے ہموار کر دیا۔

جواب:۔ جن قبروں کو گرا دینے کا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حکم دیا ہے وہ کفار کی قبریں تھیں نہ کہ مسلمین کی۔ اس کی چند وجہ ہیں۔ اوّلاً تو یہ کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں تم کو اس کام کے لیے بھیجتا ہوں۔ جس کے لیے مجھے حضور علیہ السلام نے بھیجا۔ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں جن قبروں کو حضرت علی نے گرایا وہ مسلمانوں کی قبریں نہیں ہو سکتیں۔

کیونکہ ہر صحابی کے دفن میں حضور علیہ السلام شرکت فرماتے تھے۔ نیز صحابہ کرام کوئی کام بھی حضور علیہ السلام کے بغیر مشورہ کے نہ کرتے تھے لہٰذا اس وقت جس قدر قبور مسلمین بنیں۔ وہ یا تو حضور کی موجودگی میں یا آپ

کی اجازت سے تو وہ کون سے مسلمانوں کی قبریں تھیں جو کہ ناجائز بن گئیں اور ان کو مٹانا پڑا۔ ہاں عیسائیوں کی قبور اونچی ہوتی تھیں۔ بخاری شریف صا مسجد نبوی کی تعمیر کے بیان میں ہے۔

اَمَرَ النَّبِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِقُبُوْرِ الْمُشْرِكِيْنَ فَنُبِشَتْ۔	حضور علیہ السلام نے مشرکین کی قبروں کا حکم دیا پس اکھیڑ دی گئیں۔

بخاری شریف جلد اوّل ص۱۶ میں ایک باب باندھا باب هَلْ يُنْبَشُ قُبُوْرُ مُشْرِكِي الْجَاهِلِيَّةِ کیا مشرکین زمانہ جاہلیت کی قبریں اکھیڑ دی جاویں اسی کی شرح میں حافظ ابن حجر فتح الباری شرح بخاری جلد دوم ص۲۶ میں فرماتے ہیں۔

اَيْ دُوْنَ غَيْرِهَا مِنْ قُبُوْرِ الْاَنْبِيَاءِ وَاَتْبَاعِهِمْ لِمَا فِيْ ذٰلِكَ اِهَانَةٌ لَّهُمْ۔	یعنی ماسوا انبیاء اور ان کے متبعین کے کیونکہ ان کی قبریں ڈھانے میں ان کی اہانت ہے۔
دوسری جگہ فرماتے ہیں وَفِي الْحَدِيْثِ جَوَازُ تَصَرُّفٍ فِي الْمَقْبَرَةِ الْمَمْلُوْكَةِ وَجَوَازُ نَبْشِ قُبُوْرِ الدَّارِسَةِ اِذَا لَمْ يَكُنْ مُحْتَرَمَةً۔	اس حدیث میں اس پر دلیل ہے کہ جو قبرستان ملک میں آگیا اس میں تصرف کرنا جائز ہے اور پرانی قبریں اکھاڑ دی جاویں بشرطیکہ محترم نہ ہوں۔

اس حدیث اور اس کی شرح نے مخالف کی پیش کردہ حدیث علی رضی اللہ عنہ کی تفسیر کر دی کہ مشرک کی قبریں گرائی جاویں۔ دوسرے اس لیئے کہ اس میں قبر کے ساتھ فوٹو کا کیوں ذکر ہے۔ مسلمان کی قبر پر فوٹو کہاں ہوتا ہے؟ معلوم ہوا کہ کفار کی قبریں ہی مراد ہیں۔ کیونکہ ان کی قبروں پر میت کا فوٹو بھی ہوتا ہے۔ تیسرے اس لیئے کہ فرماتے ہیں کہ اونچی قبر کو زمین کے برابر کر دو اور مسلمان کی قبر کے لیئے سنت ہے کہ زمین سے ایک ہاتھ اونچی رہے۔ اس کو بالکل پیوند زمین کرنا خلاف سنت ہے۔ ماننا پڑے گا کہ یہ قبور کفار تھیں ورنہ تعجب ہے کہ سیدنا علی تو اونچی قبریں اکھڑوائیں اور ان کے فرزند محمد ابن حنفیہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی قبر پر قبہ بنائیں۔ اگر کسی مسلمان کی قبر اونچی بن بھی گئی۔ تب بھی اس کو نہیں اکھیڑ سکتے کیونکہ اس میں مسلمان کی توہین ہے۔ اولاً اونچی نہ بناؤ مگر جب بن جائے۔ تو نہ مٹاؤ۔ قرآن پاک چھوٹا سائز چھاپنا منع ہے دیکھو شامی کتاب الکراہیت۔ مگر جب چھپ گیا تو اس کو پھینکو نہ جلاؤ۔ کیونکہ اس میں قرآن کی بے ادبی ہے احادیث میں وارد ہے کہ مسلمان کی قبر پر بیٹھنا وہاں پاخانہ کرنا۔ وہاں جوتہ سے چلنا ویسے بھی اس پر چلنا پھرنا منع ہے مگر افسوس ہے کہ نجدی نے صحابہ کرام کے مزارات گرائے اور معلوم ہوا ہے کہ اب

جلد میں انگریز عیسائیوں کی اونچی اونچی قبریں برابر بن رہی ہیں مصدق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یَقْتُلُوْنَ اَهْلَ الْاِسْلَامِ وَيَدْعُوْنَ اَهْلَ الْاَصْنَامِ ہر ایک کو اپنی جنس سے محبت ہوتی ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث سے سند لانا محض بے جا ہے وہ تو خود فرما رہے ہیں کہ میت پر اعمال کا سایہ کافی ہے جس سے معلوم ہوا کہ اگر میت پر سایہ کرنے کے لیئے قبہ بنایا تو منع ہے۔ زائرین کے آرام کے لیئے بنایا تو جائز ہے۔ عینی شرح بخاری اسی حدیث ابن عمر کے ماتحت فرماتے ہیں۔

وَهِيَ اِشَارَةٌ اِلٰى اَنَّ ضَرْبَ الْفُسْطَاطِ لِغَرَضٍ صَحِيْحٍ كَالتَّسَتُّرِ مِنَ الشَّمْسِ مَثَلًا لِلْاَحْيَاءِ لَا لِاِضْلَالِ الْمَيِّتِ جَائِزٌ۔

ادھر اشارہ ہے کہ قبر پر صحیح غرض کے لیئے خیمہ لگانا جیسے کہ زندوں کو دھوپ سے بچانے کے لیئے نہ کہ میت کو سایہ کرنے کے لیئے جائز ہے۔

اس کا تجربہ خود مجھ کو اس طرح ہوا کہ میں ایک دفعہ دوپہر کے وقت ایک گھنٹہ کے لیئے سیالکوٹ گیا۔ بہت شوق تھا کہ ملا عبدالحکیم فاضل سیالکوٹی علیہ الرحمۃ کے مزار پر فاتحہ پڑھوں۔ کیونکہ ان کے حواشی دیکھنے کا اکثر مشغلہ رہا وہاں پہنچا۔ قبر پر کوئی سائبان نہ تھا۔ زمین گرم تھی دھوپ تیز تھی بمشکل تمام چند آیات پڑھ کر فوراً وہاں سے ہٹنا پڑا۔ جذبہ دل دل ہی میں رہ گیا۔ اس دن معلوم ہوا کہ مزارات پر عمارات بہت فائدہ مند ہیں۔ تفسیر روح البیان پارہ ۲۶ سورہ فتح زیر آیت اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ ہے کہ بعض مغرور لوگ کہتے ہیں کہ چونکہ آجکل لوگ اولیاء اللہ کی قبروں کی تعظیم کرتے ہیں لہٰذا ہم ان قبروں کو گرائیں گے تاکہ یہ لوگ دیکھ لیں کہ اولیاء اللہ میں کوئی قدرت نہیں ہے ورنہ وہ اپنی قبروں کو گرنے سے بچا لیتے۔

فَاعْلَمْ اَنَّ هٰذَا الصَّنِيْعَ كُفْرٌ صُرَاحٌ مَاْخُوْذٌ مِنْ قَوْلِ فِرْعَوْنَ ذَرُوْنِيْ اَقْتُلْ مُوْسٰى وَلْيَدْعُ رَبَّهٗ اِنِّيْ اَخَافُ اَنْ يُّبَدِّلَ دِيْنَكُمْ اَوْ يُظْهِرَ فِي الْاَرْضِ الْفَسَادَ۔

تو جان لو کہ یہ کام خالص کفر ہے فرعون کے اس قول سے ماخوذ ہے کہ چھوڑ دو مجھ کو میں موسٰی کو قتل کر دوں وہ اپنے خدا کو بلا لے میں خوف کرتا ہوں کہ تمہارا دین بدل دیگا یا زمین میں فساد پھیلا دے گا۔

مجھ سے ایک بار کسی نے کہا کہ اگر اولیاء اللہ یا صحابہ کرام میں کچھ طاقت تھی تو نجدی وہابیوں سے اپنی قبروں کو کیوں نہ بچایا؟ معلوم ہوا کہ یہ محض مردے ہیں پھر ان کی تعظیم و توقیر کیسی؟ میں نے کہا کہ حضور علیہ السلام سے پہلے کعبہ معظمہ میں تین سو ساٹھ (۳۶۰) بت تھے اور احادیث میں ہے کہ قریب قیامت ایک

شخص کعبہ کو گرادے گا۔ آج لاہور میں مسجد شہید گنج سکھوں کا گوردوارہ بن گئی۔ بہت سی مساجد ہیں جو کہ برباد کردی گئیں تو اگر ہندو کہیں کہ اگر خدا میں طاقت تھی تو اس نے اپنا گھر ہمارے ہاتھوں سے کیوں نہ بچالیا؟ اولیاء اللہ یا ان کی مقابر کی تعظیم ان کی محبوبیت کی وجہ سے کی ہے نہ کہ محض قدرت سے جیسے کہ مساجد اور کعبہ معظمہ کی تعظیم ابن سعود نے بہت سی مسجدیں بھی گرادیں جیسے کہ مسجد سیدنا بلال کوہ صفا پر وغیرہ وغیرہ۔

بحث ۱۴ مزارات پر پھول ڈالنا چادریں چڑھانا چراغاں کرنا

اس بحث میں تین مسائل ہیں قبروں پر پھول ڈالنا۔ چادریں چڑھانا، چراغاں کرنا علمائے اہل سنت کا فرمان ہے کہ پھول ڈالنا تو ہر مومن کی قبر پر جائز ہے خواہ ولی اللہ ہو یا گنہگار اور چادریں ڈالنا اولیاء علماء کی قبور پر جائز عوام مسلمین کی قبور پر ناجائز کیونکہ یہ بے فائدہ ہے قبر پر چراغ جلانا اس میں تفصیل ہے عام مسلمانوں کی قبر پر تو بلا ضرورت ناجائز ہے اور ضرورتاً جائز ہے اور اولیاء اللہ کی قبور پر صاحب مزار کی عظمت شان کے اظہار کے لیئے بھی جائز ہے ضرورتیں تین ہیں یا تو رات میں مردے کو دفن کرنا ہے روشنی کی ضرورت ہے جائز ہے۔ قبر راستہ کے کنارے پر ہے تو اس پر اس لیئے چراغ جلا دینا کہ کسی کو ٹھوکر نہ لگے یا کوئی خبر پا کر فاتحہ پڑھے تو جائز ہے یا کوئی شخص شب میں کسی مسلمان کی قبر پر گیا وہاں کچھ قرآن وغیرہ دیکھ کر پڑھنا چاہتا ہے روشنی کرے جائز ہے اگر ان میں سے کوئی بات بھی نہیں تو چراغ جلانا فضول خرچی اور اسراف ہے لہذا منع۔ مزارات اولیاء اللہ پر اگر ان میں سے کوئی ضرورت بھی نہ ہو تب بھی تعظیم ولی کے لیئے جائز ہے خواہ ایک چراغ جلائے یا چند ان تینوں باتوں کا مخالفین انکار کرتے ہیں۔ اس لیئے اس بحث کے دو باب کیئے جاتے ہیں۔ پہلے باب میں ان کا ثبوت اور دوسرے باب میں اس پر اعتراضات وجوابات۔

پہلا باب

ان کے ثبوت میں

ہم اس سے پہلی بحث میں عرض کر چکے ہیں کہ اولیاء اللہ اور ان کے مزارات شعائر اللہ ہیں اور شعائر اللہ یعنی اللہ کے دین کی نشانیوں کی تعظیم کرنے کا قرآنی حکم ہے وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَائِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ اس تعظیم میں کوئی قید نہیں ہر ملکے ہر رسمے جس ملک میں اور جس زمانہ میں جو بھی جائز تعظیم مروج ہے وہ کرنا جائز ہے ان کی قبروں پر پھول ڈالنا، چادریں چڑھانا، چراغاں کرنا سب میں ان کی تعظیم ہے لہذا جائز ہے۔ تر پھول میں چونکہ زندگی ہے اس لیئے وہ تسبیح و تہلیل کرتا ہے جس سے میت کو ثواب ہوتا ہے یا اس کے عذاب میں کمی ہوتی ہے۔ زائرین کو خوشبو حاصل ہوتی ہے لہذا یہ ہر مسلمان کی قبر پر ڈالنا جائز ہے اگر مردے کو عذاب ہو رہا ہے تو اس کی تسبیح کی برکت سے کم ہوگا اس کی اصل وہ حدیث ہے جو مشکوٰۃ باب آداب الخلاء فصل اول میں ہے کہ ایک بار حضور علیہ السلام کا دو قبروں پر گزر ہوا فرمایا کہ دونوں میتوں کو عذاب ہو رہا ہے ان میں ایک تو پیشاب کی چھینٹوں سے نہیں بچتا تھا۔ اور دوسرا چغلی کیا کرتا تھا

ثُمَّ اَخَذَ جَرِيْدَةً رَطْبَةً فَشَقَّهَا بِنِصْفَيْنِ ثُمَّ غَرَزَ فِيْ كُلِّ قَبْرٍ وَّاحِدَةً قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لِمَ صَنَعْتَ هٰذَا فَقَالَ لَعَلَّهٗ اَنْ يُّخَفَّفَ عَنْهُمَا مَالَمْ يَيْبَسَا

اس کی شرح میں امام نووی فرماتے ہیں۔

وَقِيْلَ اِنَّهُمَا يُسَبِّحَانِ مَادَامَ رَطْبَتَيْنِ وَاسْتَحَبَّ الْعُلَمَاءُ قِرَاءَةَ الْقُرْاٰنِ عِنْدَ الْقَبْرِ لِهٰذَا الْحَدِيْثِ اِذْ تِلَاوَةُ الْقُرْاٰنِ اَوْلٰى بِالتَّخْفِيْفِ مِنْ تَسْبِيْحِ الْجَرِيْدِ۔

دونوں نے عرض کیا کہ آپ نے یہ کیوں کیا؟ فرمایا کہ جب تک یہ خشک نہ ہوں تب تک ان کے عذاب میں کمی رہے۔ کہا گیا ہے کہ اسلیئے عذاب کم ہوگا کہ جب تک تر رہیں گی تسبیح پڑھیں گی اس حدیث سے علماء نے قبر کے پاس قرآن پڑھنے کو مستحب فرمایا۔ کیونکہ تلاوت قرآن شاخ کی تسبیح سے زیادہ اس کی حقدار ہے کہ اس سے عذاب کم ہو۔

اشعۃ اللمعات میں اسی حدیث کے ماتحت ہے تمسک کنند جماعت بہ ایں حدیث در انداختن سبزہ و گل و ریحان بر قبور۔ اس حدیث سے ایک جماعت دلیل پکڑتی ہے قبروں پر سبزی پھول اور خوشبو ڈالنے کے جواز میں۔ مرقات میں اسی حدیث کی شرح میں ہے۔ وَمِنْ ثَمَّ اَفْتٰى بَعْضُ الْاَئِمَّةِ مِنْ مُّتَاَخِّرِيْ

اَصْحَابِنَا بِاَنَّ مَا اعْتِيْدَ مِنْ وَضْعِ الرَّيْحَانِ وَالْجَرِيْدِ سُنَّةٌ لِهٰذَا الْحَدِيْثِ وَقَدْ ذَكَرَ الْبُخَارِيُّ اَنَّ بُرَيْدَ ابْنِ الْخَصِيْبِ الصَّحَابِيِّ اَوْصٰى اَنْ يُجْعَلَ فِيْ قَبْرِهٖ جَرِيْدَتَانِ۔ معلوم ہوا کہ مزارات پر پھول ڈالنا سنت ہے۔ طحطاوی علی مراقی الفلاح صفحہ ۳۶۴ میں ہے۔

قَدْ اَفْتٰى بَعْضُ الْاَئِمَّةِ مِنْ مُتَاخِرِيْ اَصْحَابِنَا بِاَنَّ مَا اعْتِيْدَ مِنْ وَضْعِ الرَّيْحَانِ وَالْجَرِيْدِ سُنَّةٌ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ۔

ہمارے بعض متاخرین اصحاب نے اس حدیث کی وجہ سے فتویٰ دیا کہ خوشبو اور پھول چڑھانے کی جو عادت ہے وہ سنت ہے۔

ان عبارتوں میں جو فرمایا کہ بعض نے فتویٰ دیا اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ بعض علماء اس کو جائز کہتے ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ بعض نے سنت مانا ہے جائز تو سب ہی کہتے ہیں سنت ہونے میں اختلاف ہے۔ عالمگیری کتاب الکراہیت جلد پنجم باب زیارت القبور میں ہے۔ وَضْعُ الْوُرُوْدِ وَالرَّيَاحِيْنِ عَلَى الْقُبُوْرِ حَسَنٌ قبروں پر پھول اور خوشبو رکھنا اچھا ہے۔ شامی جلد اول بحث زیارت القبور میں ہے۔

وَيُؤْخَذُ مِنْ ذٰلِكَ وَمِنَ الْحَدِيْثِ نُدْبُ وَضْعِ ذٰلِكَ لِلْاِتِّبَاعِ وَيُقَاسُ عَلَيْهِ مَا اعْتِيْدَ فِيْ زَمَانِنَا مِنْ وَضْعِ اَغْصَانِ الْاٰسِ وَنَحْوِهٖ۔

اس سے بھی اور حدیث سے بھی ان چیزوں کے قبروں پر رکھنے کا استحباب معلوم ہوتا ہے اور اسی وجہ سے قبروں پر آس کی شاخیں وغیرہ چڑھانے کو بھی قیاس کیا جاوے گا۔ جس کا ہمارے زمانہ میں رواج ہے

شامی میں اسی جگہ ہے۔ وَتَعْلِيْلُهٗ بِالتَّخْفِيْفِ عَنْهُمَا مَالَمْ يَيْبَسَا اَيْ يُخَفَّفُ عَنْهُمَا بِبَرَكَةِ تَسْبِيْحِهِمَا اِذْهُوَ اَكْمَلُ مِنْ تَسْبِيْحِ الْيَابِسِ لِمَا فِي الْاَخْضَرِ نَوْعُ حَيَاةٍ۔

کمی عذاب کی علت ہے انکا خشک نہ ہونا یعنی ان کی تسبیح کی برکت سے عذاب قبر میں کمی ہوگی کیونکہ ہری شاخ کی تسبیح خشک کی تسبیح سے زیادہ کامل ہے کیونکہ اس میں ایک قسم کی زندگی ہے۔

اس حدیث اور محدثین و فقہاء کی عبارات سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک تو یہ کہ ہر سبز چیز کا رکھنا ہر مسلمان کی قبر پر جائز ہے۔ حضور علیہ السلام نے ان قبروں پر شاخیں رکھیں جن کو عذاب ہو رہا تھا اور دوسرے یہ کہ عذاب قبر کی کمی سبزے کی تسبیح کی برکت سے ہے نہ کہ محض حضور علیہ السلام کی دعا سے اگر محض دعا سے کمی ہوتی۔ تو حدیث میں خشک نہ ہونے کی کیوں قید لگائی جاتی ؟ لہٰذا اگر ہم بھی آج پھول وغیرہ رکھیں تو بھی انشاء اللہ میت کو فائدہ ہوگا۔ بلکہ عام مسلمانوں کی قبروں کو کچا رکھنے میں یہ ہی مصلحت ہے۔ کہ بارش

میں اس پر سبز گھاس جمے اور اس کی تسبیح سے میت کے عذاب میں کمی ہو۔ ثابت ہوا کہ پھول وغیرہ تو ہر چیز قبر مومن پر جائز ہے۔ مولوی اشرف علی صاحب نے اصلاح الرسوم میں لکھا کہ پھول وغیرہ فاسقوں فاجروں کی قبروں پر ڈالنا چاہیئے۔ نہ کہ قبور اولیاء پر۔ ان کے مزارات میں عذاب ہے ہی نہیں جس کی پھول وغیرہ سے تخفیف کی جائے۔ مگر خیال رہے کہ جو اعمال گنہگار کے لیئے دفع مصیبت کرتے ہیں وہ صالحین کے لیئے بلندی درجات کا فائدہ دیتے ہیں۔ دیکھو مسجد کی طرف چلنا ہمارے گناہ معاف کراتا ہے مگر صالحین کے درجات بڑھاتا ہے۔ ایسے ہی بعض دعائیں مجرموں کے گناہوں کو مٹاتی ہیں اور صالحین کے مراتب بڑھاتی ہیں۔ اس قاعدہ سے لازم آتا ہے کہ صالحین نہ مسجد میں آئیں نہ استغفار پڑھیں کہ وہ گناہوں سے پاک ہیں۔ جناب ان پھولوں کی تسبیح سے ان قبروں میں رحمتِ الٰہی اور بھی زیادہ ہوگی جیسے وہاں تلاوتِ قرآن سے۔

(۲) اولیاء اللہ کی قبروں پر چادریں ڈالنا جائز ہے۔ کیونکہ اس کی وجہ سے عام زائرین کی نگاہ میں صاحب قبر کی عظمت ظاہر ہوتی ہے۔ شامی جلد ۵ کتاب الکراہیت باب اللبس میں ہے۔

قَالَ فِی فَتَاوٰی الْحُجَّةِ وَتُکْرَہُ السُّتُوْرُ عَلَی الْقُبُوْرِ وَلٰکِنْ نَحْنُ نَقُوْلُ اَلْاٰنَ اِذَا قُصِدَ بِہِ التَّعْظِیْمُ فِیْ عُیُوْنِ الْعَامَّةِ لَایَحْتَقِرُوْا صَاحِبَ الْقَبْرِ بَلْ جَلْبُ الْخُشُوْعِ وَالْاَدَبِ لِلْغٰفِلِیْنَ الزَّائِرِیْنَ فَھُوَ جَائِزٌ لِاَنَّ الْاَعْمَالَ بِالنِّیَّاتِ۔

یعنی فتاوی حجہ میں ہے کہ قبروں پر غلاف پردے مکروہ ہیں لیکن ہم کہتے ہیں کہ آج کل اگر اس سے عوام کی نگاہ میں تعظیم مقصود ہو تاکہ وہ صاحبِ قبر کی حقارت نہ کریں بلکہ غافلوں کو اس سے ادب اور خشوع حاصل ہو تو جائز ہے کیونکہ عمل نیت سے ہیں۔

شامی کی اس عبارت نے فیصلہ کر دیا کہ جو جائز کام اولیاء اللہ کی عظمت ظاہر کرنے کے لیئے ہو۔ وہ جائز ہے اور چادر کی اصل یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کے زمانہ پاک میں بھی کعبہ معظمہ پر غلاف تھا۔ اس کو منع نہ فرمایا۔ صدیوں سے حضور علیہ السلام کے روضہ پاک پر غلاف سبز ریشمی چڑھا ہوا ہے۔ جو نہایت قیمتی ہے۔ آج تک کسی نے اس کو منع نہ کیا مقامِ ابراہیم یعنی وہ پتھر جس پر کھڑے ہو کر حضرت خلیل نے کعبہ معظمہ بنایا اس پر بھی غلاف چڑھا ہوا ہے اور عمارت بنی ہوئی ہے۔ اللہ کی شان کہ نجدی وہابیوں نے بھی ان کو اسی طرح قائم رکھا۔ ان پر غلاف کیوں چڑھائے؟ ان چیزوں کی عظمت کے لیئے احترام اولیاء کے لیئے ان کی قبور پر بھی غلاف وغیرہ ڈالنا مستحب ہے۔ تفسیر روح البیان پارہ ۱۰ سورہ توبہ زیر

آیت اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰہِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ ہے۔

فَبِنَاءُ الْقِبَابِ عَلٰی قُبُوْرِ الْعُلَمَاءِ وَالْاَوْلِیَآءِ وَالصُّلَحَآءِ وَوَضْعُ السُّتُوْرِ وَالْعَمَائِمِ وَالثِّیَابِ عَلٰی قُبُوْرِهِمْ اَمْرٌ جَائِزٌ اِذَا کَانَ الْقَصْدُ بِذٰلِكَ التَّعْظِیْمَ فِیْ اَعْیُنِ الْعَامَّةِ حَتّٰی لَا یَحْتَقِرُوْا صَاحِبَ هٰذَا الْقَبْرِ۔

علماء اولیاء اور صالحین کی قبروں پر عمارت بنانا اور ان پر غلاف اور عمامہ اور کپڑے چڑھانا جائز کام ہیں جبکہ اس سے مقصود ہو کہ عوام کی نگاہ میں ان کی عزت ہو اور لوگ ان کو حقیر نہ جانیں۔

(۲) عام مسلمانوں کی قبر پر ضرورۃً اولیاء اللہ کی مزارات پر اظہار عظمت کے لیئے چراغ روشن کرنا جائز ہے۔ چنانچہ حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ مصری جلد دوم صفحہ ۴۲۹ میں ہے۔

اِخْرَاجُ الشُّمُوْعِ اِلَی الْقُبُوْرِ بِدْعَةٌ وَّاِتْلَافُ مَالٍ کَذَا فِی الْبَزَّازِیَّةِ وَهٰذَا کُلُّهٗ اِذَا خَلَا عَنْ فَائِدَةٍ وَّاَمَّا اِذَا کَانَ مَوْضِعُ الْقُبُوْرِ مَسْجِدًا اَوْ عَلٰی طَرِیْقٍ اَوْ کَانَ هُنَاكَ اَحَدٌ جَالِسًا اَوْ کَانَ قَبْرُ وَلِیٍّ مِّنَ الْاَوْلِیَآءِ اَوْ عَالِمٍ مِّنَ الْمُحَقِّقِیْنَ تَعْظِیْمًا لِرُوْحِهٖ اِعْلَامًا لِلنَّاسِ اَنَّهٗ وَلِیٌّ لِیَتَبَرَّکُوْا بِهٖ وَیَدْعُوا اللّٰهَ تَعَالٰی عِنْدَهٗ فَیُسْتَجَابَ لَهُمْ فَهُوَ اَمْرٌ جَائِزٌ۔

قبروں پر چراغ لے جانا بدعت اور مال کا ضائع کرنا ہے اسی طرح بزازیہ میں ہے یہ تمام حکم جب ہے جبکہ بے فائدہ ہو لیکن اگر کسی قبر کی جگہ مسجد ہو یا قبر راستہ پر ہو یا وہاں کوئی بیٹھا ہو یا کسی ولی یا کسی محقق عالم کی قبر ہو تو ان کی روح کی تعظیم کرنے اور لوگوں کو بتانے کے لیئے کہ یہ ولی کی قبر ہے تاکہ لوگ اس سے برکت حاصل کرلیں اور وہاں اللہ سے دعائیں کرلیں تو چراغ جلانا جائز ہے۔

تفسیر روح البیان پارہ ۱۰ سورہ توبہ زیر آیت اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰہِ میں ہے

وَکَذَا اِیْقَادُ الْقَنَادِیْلِ وَالشَّمْعِ عِنْدَ قُبُوْرِ الْاَوْلِیَآءِ وَالصُّلَحَآءِ وَالْاِجْلَالِ لِلْاَوْلِیَآءِ فَالْمَقْصَدُ فِیْهَا مَقْصَدٌ حَسَنٌ وَّنَذْرُ الزَّیْتِ وَالشَّمْعِ لِلْاَوْلِیَآءِ یُوْقَدُ عِنْدَ قُبُوْرِهِمْ تَعْظِیْمًا لَّهُمْ وَمَحَبَّةً فِیْهِمْ جَائِزٌ لَا یَنْبَغِیْ النَّهْیُ عَنْهُ۔

اسی طرح اولیاء صالحین کی قبروں کے پاس قندیل اور موم بتیاں جلانا انکی عظمت کیلیئے چونکہ اس کا مقصد صحیح ہے لہذا جائز ہے اور اولیاء کے لیئے تیل اور موم بتی کی نذر ماننا تاکہ ان کی عزت کے لیئے ان کی قبروں کے پاس جلائی جاویں جائز ہے اس سے منع نہ کرنا چاہیئے۔

علامہ نابلسی علیہ الرحمۃ نے اپنے رسالہ کشف النور عن اصحاب القبور میں بھی بالکل یہ ہی مضمون تحریر فرمایا۔

:. عقل کا بھی تقاضا ہے کہ یہ امور جائز ہوں جیسا کہ ہم گنبد کی بحث میں عرض کر چکے ہیں کہ ان مزارات اولیاء اللہ کی رونق سے اسلام کی رونق ہے عالم واعظ کو چاہیئے کہ اچھا لباس پہنے عید کے دن سنت ہے کہ ہر مسلمان عمدہ لباس پہنے اور خوشبو وغیرہ لگائے کیوں؟ اس لیئے کہ اس سے لوگ ملنا گوارا کریں معلوم ہوا کہ جس کا تعلق عام مسلمانوں سے ہو اس کو اچھی طرح رہنا چاہیئے۔ اور مزارات اولیاء تو زیارت گاہ خلائق ہیں ان پر اہتمام وغیرہ کرنا بھی ضروری ہے۔ میں نجدی وہابیوں کی حکومت میں حج کو گیا وہاں جاکر دیکھا کہ کعبہ معظمہ کے گرد گول دائرہ کی شکل میں بہت سے برقی قمقمے جلتے تھے اور حطیم شریف کی دیوار پر بھی روشنی تھی۔ خاص دروازے کعبہ پر شمع کافوری چار چار جلائی جاتی تھیں۔ جب مدینہ منورہ حاضری نصیب ہوئی تو یہاں روضہ رسول علیہ السلام پر کعبہ معظمہ سے کہیں بڑھ کر روشنی پائی۔ یہاں کے بلب تیز اور زیادہ تھے بہت رونق تھی۔ ایک صاحب نے کہا کہ کعبہ بیت اللہ ہے اور حضور علیہ السلام نور اللہ اور ظاہر ہے کہ گھر میں روشنی نور ہی کی ہوتی ہے معلوم ہوا کہ زمانہ ترکی میں اس سے کہیں زیادہ روشنی ہوتی تھی۔ یہ تمام اہتمام کیوں ہیں؟ لوگوں کی نگاہ میں عظمت پیدا کرنے کے لیئے۔ تو مقابر اولیاء پر بھی تو وہاں ہی کی تجلی ہے۔ پھر اگر یہاں روشنی کا اہتمام ہو تو کیا برائی ہے؟ آج ہم اپنے گھر میں شادی بیاہ کے موقعہ پر چراغاں کرتے ہیں یا بجائے چراغ یا لالٹین کے گیس جلاتے ہیں۔ جس میں تیل بہت خرچ ہوتا ہے مدارس کے جلسوں میں بلیسیوں روپیہ روشنی پر خرچ ہو جاتا ہے۔ ابھی چند سال گزرے کہ مراد آباد میں دیوبندیوں نے جمعیۃ العلماء کا جلسہ کیا۔ جس میں برقی روشنی آنکھوں کو خیرہ کرتی تھی۔ میرے خیال میں تین شب میں کم از کم ڈیڑھ سو روپیہ محض روشنی پر خرچ ہوا ہوگا۔ یہ محض مجمع کو خوش کرنے کے لیئے تھا اسی طرح دینی جلسوں میں جھنڈیاں لگائی جاتی ہیں۔ واعظین کے گلوں میں پھولوں سے ہار ڈالے جاتے ہیں نہ یہ اسراف ہے اور نہ حرام۔ یہ مجالس عرس دینی جلسے ہیں ان میں بھی یہ امور جائز ہیں۔

دوسرا باب

اس پر اعتراضات وجوابات میں

ان تین مسائل پر مخالفین کے حسب ذیل اعتراضات ہیں جن کو وہ مختلف طرح بیان کرتے ہیں۔

اعتراض (۱) حضور علیہ السلام نے فرمایا اِنَّ اللّٰہَ لَمْ یَاْمُرْنَا اَنْ نَّکْسُوَ الْحِجَارَۃَ وَالطِّیْنَ رب نے

ہمیں حکم نہ دیا کہ پتھروں اور مٹی کو کپڑے پہنائیں (مشکوٰۃ باب التصاویر) اس سے معلوم ہوا کہ قبروں پر چادر یا غلاف ڈالنا حرام ہے کہ وہاں بھی پتھر مٹی ہی ہے۔

جواب:۔ اس سے مکانات کی دیواروں پر بلا ضرورت تکلفاً پردے ڈالنا مراد ہیں اور یہ بھی تقویٰ اور زہد کا بیان ہے یعنی مکانات کی زینت خلاف زہد ہے اسی حدیث میں ہے کہ عائشہ صدیقہ نے دیوار پر غلاف ڈالا تھا۔ اسے پھاڑ کر یہ فرمایا۔ قبور اولیاء کی چادر کو اس سے کوئی تعلق نہیں کعبہ معظمہ پر قیمتی سیاہ غلاف ہے اور روضۂ رسول اللہ علیہ السلام پر سبز اور غلاف کعبہ زمانہ نبوی میں تھا۔ بتاؤ وہ جائز ہے۔ تو قبور کی چادر بھی جائز۔

اعتراض (۲) قبروں پر پھول یا چادر ڈالنا وہاں روشنی کرنا اسراف اور فضول خرچ ہے لہٰذا منع ہے اولیاء کی قبروں پر بہت سے پھول اور چراغ ہوتے ہیں۔ ضرورت پوری کرنے کے لیے ایک پھول یا ایک چراغ بھی کافی ہے۔

جواب:۔ اسراف کے معنی ہیں بے فائدہ مال خرچ کرنا۔ چونکہ ان پھولوں اور چراغوں اور چادروں میں وہ فوائد ہیں جو کہ ہم پہلے باب میں عرض کر چکے ہیں لہٰذا یہ اسراف نہیں۔ رہا کام چلنے کا عذر۔ اس کے متعلق یہ عرض ہے کہ ہم کرتہ اس پر واسکٹ اس پر اچکن پہنتے ہیں۔ پھر وہ بھی قیمتی کپڑے کی حالانکہ کام تو صرف ایک کرتے میں چل سکتا ہے اور معمولی کپڑا کفایت کر سکتا ہے۔ بتاؤ یہ اسراف ہوا یا کہ نہیں اسی طرح عمارت اور لذیذ خوراک، سواریاں اور دیگر دنیاوی آرائشی سامان کہ ان سب میں خوب وسعت کرتے ہیں۔ حالانکہ ان سے کم اور ان سے ادنیٰ چیزوں سے بھی کام چل سکتا تھا۔ لیکن اسراف نہیں جس کو شریعت نے حلال کیا وہ مطلقاً ہی حلال ہے۔ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ

اعتراض (۳) مشکوٰۃ باب المساجد میں ہے لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَائِرَاتِ الْقُبُوْرِ وَالْمُتَّخِذِيْنَ عَلَيْهَا الْمَسَاجِدَ وَالسُّرُجَ۔ یعنی حضور علیہ السلام نے لعنت فرمائی۔ قبروں کی زیارت کرنے والیوں پر اور قبور پر مسجدیں بنانے والوں اور چراغ جلانے والوں پر۔

اس سے معلوم ہوا کہ قبور پر چراغ جلانا لعنت کا سبب ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ اِخْرَاجُ الشُّمُوْعِ اِلَى الْمَقَابِرِ بِدْعَةٌ لَا اَصْلَ لَهٗ۔ اسی طرح فتاویٰ بزازیہ میں بھی ہے۔ یعنی قبرستان میں چراغ لے جانا بدعت ہے۔ اس کی کوئی اصل نہیں۔ شامی جلد دوم کتاب الصوم میں ہے۔

اَمَّا النَّذْرُ زَيْتًا لِاِيْقَادِ قِنْدِيْلٍ فَوْقَ ضَرِيْحِ الشَّيْخِ اَوْ فِي الْمَنَارَةِ كَمَا تَفْعَلُ النِّسَاءُ مِنْ نَذْرِ الزَّيْتِ لِسَيِّدِيْ عَبْدِ الْقَادِرِ وَيُوْقَدُ فِي الْمَنَارَةِ جِهَةَ الشَّرْقِ فَهُوَ بَاطِلٌ۔

لیکن اگر شیخ کی قبر پر یا مینارہ میں چراغ جلانے کے لیئے تیل کی نذر مانی جیسے کہ عورتیں حضور غوث پاک کے لیئے تیل کی نذر مانتی ہیں اور اس کو مشرقی مینارہ میں جلاتی ہیں یہ سب باطل ہے ۔

قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی نے ارشاد الطالبین میں لکھا یہ کہ چراغاں کردن بدعت است پیغمبر خدا بر شمع افروزاں نزد قبر و سجدہ کنندگاں لعنت گفتہ۔ چراغاں کرنا بدعت ہے حضور علیہ السلام نے قبر کے پاس چراغاں کرنے اور سجدہ کرنیوالوں پر لعنت فرمائی شاہ عبدالعزیز صاحب کے فتاویٰ میں صفحہ ۴۱ پر ہے۔ سوا ارتکاب محرمات از روشن کردن چراغہا و طبوس ساختن قبور بدعت شنیعہ اند۔ لیکن عرسوں میں حرام کام کرنا جیسے کہ چراغاں کرنا ان قبروں کو غلاف پہنانا یہ سب بدعت سیئہ ہیں ۔

ان عبارات سے صاف معلوم ہوا کہ چراغاں بر مزارات محض حرام ہے۔ رہا یہ کہ حرمین شریفین میں چراغاں ہوتا ہے تو یہ فعل کوئی حجت نہیں کیونکہ یہ خیر القرون کے بعد ایجاد ہوا جسکا اعتبار نہیں ترکی سلطنت نے ایجاد کیا ہے

جواب:۔ یہ اعتراض حقیقت میں چھ اعتراضوں کا مجموعہ ہے۔ اور ان ہی کے بل بوتے پر مخالفین بہت شور مچاتے ہیں۔ جوابات ملاحظہ ہوں۔ ہم اس بحث کے پہلے باب میں عرض کر چکے ہیں کہ کسی قبر پر بے فائدہ چراغ جلانا منع ہے کہ یہ فضول خرچی ہے اور اگر کسی فائدے سے ہو تو جائز ہے۔ فوائد کل چار بیان کیئے۔ تین تو عام مومنین کی قبروں کے لیئے اور چوتھا یعنی تعظیم روح ولی مشائخ و علماء کی قبور کے لیئے۔ اس حدیث میں جو قبر پر چراغ جلانے کی ممانعت ہے وہ اسی کی ہے جو کہ بیفائدہ ہو۔ چنانچہ حاشیہ مشکوٰۃ میں اسی حدیث کے ماتحت ہے۔

وَالنَّهْيُ عَنِ اتِّخَاذِ السُّرُجِ لِمَا فِيْهِ مِنْ تَضْيِيْعِ الْمَالِ۔

قبروں پر چراغ جلانے سے اسلیئے ممانعت ہے کہ اس میں مال برباد کرنا ہے۔

اسی طرح مرقات شرح مشکوٰۃ وغیرہ نے تصریح فرمائی۔ حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ جلد دوم صفحہ ۴۲۹ مصری میں اسی حدیث کو ذکر کرکے فرماتے ہیں۔

اَيِ الَّذِيْنَ يُوْقِدُوْنَ السُّرُجَ عَلَى الْقُبُوْرِ عَبَثًا مِنْ غَيْرِ فَائِدَةٍ۔

ان لوگوں پر لعنت فرمائی جو کہ قبروں پر بے فائدہ عبث چراغ جلاتے ہیں۔

مشکوٰۃ باب الدفن میں ہے اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ دَخَلَ لَیْلاً فَاُسْرِجَ لَہٗ بِسِرَاجٍ۔ | نبی کریم ایک شب دفن میت کیلئے قبرستان میں تشریف لے گئے تو آپ کے لیے چراغ جلایا گیا۔

دوم یہ کہ حدیث میں ہے۔ وَالْمُتَّخِذِیْنَ عَلَیْھَا الْمَسٰجِدَ وَالسُّرُجَ حضور علیہ السلام نے ان پر لعنت فرمائی جو قبروں پر مسجدیں بنائیں اور چراغ جلائیں۔ ملا علی قاری اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی ودیگر شارحین اسی حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ خود قبر پر مسجد بنانا کہ قبر کی طرف سجدہ ہو یا قبر فرش مسجد میں آجائے یہ منع ہے لیکن اگر قبر کے پاس مسجد ہو برکت کیلئے تو جائز ہے یعنی اس جگہ انہوں نے علیٰ کو اپنے حقیقی معنیٰ پر رکھا جس سے لازم آیا کہ خود تعویذ قبر پر چراغ جلانا منع ہے۔ لیکن اگر قبر کے اردگرد ہو تو وہ قبر پر نہیں۔ لہٰذا جائز ہے جیسے کہ ہم گنبد کی بحث میں لکھ چکے ہیں۔ نیز حدیقہ ندیہ میں علامہ نابلسی اسی حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں۔ اَلْمُتَّخِذِیْنَ عَلَیْھَا اَیْ عَلَی الْقُبُوْرِ یَعْنِیْ فَوْقَھَا یعنی خاص قبروں کے اوپر اور وجہ اسکی یہ ہے کہ چراغ آگ ہے اور آگ کا قبر پر رکھنا برا ہے اسی لیے خاص قبر میں لکڑی کے تختے لگانے کو فقہاء منع فرماتے ہیں کہ اس میں آگ کا اثر ہے لیکن اگر لکڑی قبر کے پاس پڑی ہو وہ منع نہیں تو چراغ کی ممانعت آگ ہونیکی وجہ سے ہے نہ کہ تعظیم قبر کے لیئے نیز یہاں ایک ہی علیٰ ہے اور ذکر ہے مسجد کا اور چراغ کا مسجد کیلئے تو آپ علیٰ کے حقیقی معنیٰ مراد لیں یعنی خاص قبر کے اوپر اور چراغ کیلئے مجازی یعنی قبر کے قریب۔ تو حقیقت اور مجاز کا اجتماع لازم ہوگا اور یہ منع ہے لہٰذا دونوں جگہ علیٰ کے حقیقی معنیٰ ہی مراد ہیں۔ مرقات میں ملا علی قاری اسی حدیث کے ماتحت فرماتے ہیں۔

قَیَّدَ عَلَیْھَا یُفِیْدُ اَنَّ اِتِّخَاذَ الْمَسٰجِدِ بِجَنْبِھَا لَا بَأْسَ بِہٖ۔ | اوپر کی قید لگائی جس سے معلوم ہوا کہ قبر کے برابر مسجد بنانے میں حرج نہیں۔

لفظ علیٰ سے ثابت کیا کہ قبر کے برابر مسجد جائز۔ اسی طرح لفظ علیٰ سے یہ بھی نکلا کہ قبر کے برابر چراغ جائز

تیسرے یہ کہ ہم گنبد کی بحث میں شامی اور دیگر کتب کے حوالہ سے لکھ چکے ہیں کہ بہت سی باتیں زمانہ صحابہ کرام میں منع تھیں مگر اب مستحب۔ روح البیان پارہ ۱۰ سورہ توبہ زیر آیت اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰہِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ ہے وَفِی الْاَحْیَاءِ اَکْثَرُ مَعْرُوْفَاتِ ھٰذِہِ الْاَعْصَارِ مُنْکَرَاتٌ فِیْ عَصْرِ الصَّحَابَۃِ | یعنی احیاء العلوم میں امام غزالی نے فرمایا کہ اس زمانہ کے بہت سے مستحبات صحابہ کرام کے زمانہ میں ناجائز تھے۔

مشکوٰۃ کتاب الامارۃ باب ما علی الولاۃ میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم دیا تھا کہ کوئی مسلمان حاکم ترکی گھوڑے پر سوار نہ ہو اور چپاتی روٹی نہ کھائے اور باریک کپڑا نہ پہنے اور اپنے دروازہ کو اہل حاجت سے بند نہ کرے اور فرماتے تھے۔

إِنْ تَعْلَمُوا شَيْئًا مِنْ ذٰلِكَ فَقَدْ حَلَّتْ بِكُمُ الْعُقُوبَةُ | اگر تم نے ان میں سے کچھ بھی کیا تو تمکو سزا دی جاویگی اسی مشکوٰۃ باب المساجد میں ہے کہ مَا اُمِرْتُ بِتَشْيِيْدِ الْمَسَاجِدِ مجھ کو مسجدیں اونچی بنانے کا حکم نہ دیا گیا اسکے حاشیہ میں ہے اَيْ بِإِعْلَاءِ بِنَائِهَا وَتَزْيِيْنِهَا یعنی مسجدیں اونچی بنانے اور ان کو آراستہ کرنیکا حکم نہیں اسی مشکوٰۃ میں ہے لَا تَمْنَعُوْا اِمَاءَ اللّٰهِ مَسَاجِدَ اللّٰهِ عورتوں کو مسجدوں سے نہ روکو۔

قرآن میں زکوٰۃ کے مصرف آٹھ ہیں یعنی مولفۃ القلوب بھی زکوٰۃ کا مصرف ہے لیکن عہد فاروقی سے صرف سات مصرف رہ گئے۔ مولفۃ القلوب کو علیحدہ کر دیا گیا (دیکھو ہدایہ وغیرہ) کیسے اب بھی ان پر عمل ہے؟ اب حکام اگر معمولی حالت میں رہیں۔ ان کا رعایا پر رعب نہیں ہو سکتا اگر کفار کے مکانات اور ان کے مندر تو اونچے ہوں مگر اللہ کا گھر مسجد نیچی اور کچی اور معمولی ہو تو اس میں اسلام کی توہین ہے اگر عورتیں مسجد میں جاویں تو صدہا خطرات ہیں کسی کافر کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں یہ احکام کیوں بدلے؟ اس لیے کہ ان کی علتیں بدل گئیں۔ اس وقت بغیر ظاہری زیب و زینت کے مسلمانوں کے دلوں میں اولیاء اللہ اور مقابر کی عزت و حرمت تھی۔ لہذا زندگی موت ہر کام میں سادگی تھی اب دنیا کی آنکھیں ظاہری ٹیپ ٹاپ دیکھتی ہیں لہذا اس کو جائز قرار دیا گیا۔ چنانچہ پہلے حکم تھا کہ مزارات پر روشنی نہ کرو۔ اب جائز قرار پایا۔ تفسیر روح البیان میں زیر آیت اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے بیت المقدس کے منارہ پر ایسی روشنی کی تھی کہ بارہ میل مربع میں عورتیں اس کی روشنی میں چرخہ کاتتی تھیں اور بہت ہی سونے چاندی سے اس کو آراستہ کیا تھا۔ عالمگیری کی عبارت غلط نقل کی اصل عبارت یہ ہے۔ اِخْرَاجُ الشُّمُوْعِ اِلٰى رَاْسِ الْقُبُوْرِ فِي اللَّيَالِي الْاُوَلِ بِدْعَةٌ۔ | شروع راتوں میں قبرستان میں چراغ لے جانا بدعت ہے۔

اس میں دو کلمے قابل غور ہیں ایک تو اخراج دوسرے فی اللیالی الاول۔ ان سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ اس زمانہ میں لوگ اپنے نئے مردوں کی قبروں پر چراغ لے جا کر جلا آتے تھے یہ سمجھ کر کہ اس سے مردہ قبر میں نہ گھبرائے گا۔ جیسا کہ آج کل بعض عورتیں چالیس روز تک لحد میں مردے کی جگہ چراغ جلاتی ہیں۔ یہ سمجھتی ہیں کہ روزانہ مردے کی روح آتی ہے اور اندھیرا پا کر لوٹ جاتی ہے لہذا روشنی کر دو یہ حرام ہے کیونکہ تیل کا بلا ضرورت خرچ ہے اور بد عقیدگی بھی ہے اسی کو یہ منع فرما رہے ہیں۔ عرس کے چراغات نہ تو اس نیت سے ہوتے ہیں اور نہ شروع راتوں میں اگر یہ مطلب نہ ہو تو شروع راتوں کی

قید کیوں ہے؟ شامی کی عبارت تو بالکل صاف ہے وہ بھی عرس کے چراغوں کو منع نہیں کر رہے ہیں وہ فرما رہے ہیں کہ چراغ جلانے کی نذر ماننا جس میں اولیاء اللہ سے قرب حاصل کرنا منظور ہو وہ حرام ہے کیونکہ شامی کی عبارت در مختار کی اس عبارت کے ماتحت ہے۔

وَاعْلَمْ اَنَّ النَّذْرَ الَّذِیْ یَقَعُ لِلْاَمْوَاتِ مِنْ اَکْثَرِ الْعَوَامِ وَمَا یُؤْخَذُ مِنَ الدَّرَاھِمِ وَالشَّمْعِ وَالزَّیْتِ وَنَحْوِھَا اِلٰی ضَرَائِحِ الْاَوْلِیَآءِ تَقَرُّبًا اِلَیْھِمْ بِالْاِجْمَاعِ بَاطِلٌ۔

جاننا چاہیئے کہ عوام جو مردوں کی نذریں مانتے ہیں اور ان سے جو پیسہ یا موم یا تیل وغیرہ قبروں پر جلانے کے لیئے لیا جاتا ہے اور اولیاء سے قرب حاصل کرنے کے لیئے وہ بالاجماع باطل ہے۔

اور خود شامی کی عبارت میں بھی ہے۔ لَوْ نَذَرَ اگر اسکی منت مانی۔ پھر اسی شامی کی عبارت میں ہے فَوْقَ ضَرِیْحِ الشَّیْخِ۔ شیخ کی قبر کے اوپر چراغ جلانا ضریح کہتے ہیں خالص تعویذ قبر کو منتخب اللغات میں ہے "ضریح گور یا مغاکے کہ درمیان گور سازند" اور ہم بھی عرض کر چکے ہیں کہ خود قبر کے تعویذ پر چراغ جلانا منع ہے۔ اسی طرح اگر قبر تو نہ ہو یوں ہی کسی بزرگ کے نام چراغ کسی جگہ رکھ کر جلا دے جیسے کہ بعض جہلاء بعض درختوں یا بعض طاق میں کسی کے نام کے چراغ جلاتے ہیں یہ بھی حرام ہے اسکو فرما رہے ہیں کہ حضور غوث پاک کے نام کے چراغ کسی مشرقی مینارہ میں جلانا باطل ہے۔ غوث پاک کی قبر شریف تو بغداد میں ہے۔ اور ان کے چراغ جلے شام کے مینارہ میں یہ بھی منع ہے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ شامی نے تین چیزوں کو منع فرمایا۔ چراغ جلانے کی منت ماننا وہ بھی ولی اللہ کی قربت حاصل کرنے کی نیت سے۔ خاص قبر پر چراغ جلانا بغیر قبر کے کسی کے نام کے چراغ جلانا۔ عرس کے چراغوں میں یہ تینوں باتیں نہیں۔

مسئلہ:۔ بعض جہلاء کسی درخت یا کسی جگہ کی یہ سمجھ کر زیارت کرتے اور وہاں چراغاں کرتے ہیں کہ وہاں فلاں بزرگ کا چلہ ہے یعنی وہاں وہ آیا کرتے ہیں یہ محض باطل ہے ہاں اگر کسی جگہ کوئی بزرگ کبھی بیٹھے ہوں یا وہاں انہوں نے عبادت کی ہو تو وہاں یہ سمجھ کر عبادت کرنا کہ یہ جگہ متبرک ہے جائز بلکہ سنت ہے۔ بخاری جلد اول کتاب الصلوٰۃ بحث المساجد میں ایک باب مقرر کیا بَابُ الْمَسَاجِدِ الَّتِیْ عَلٰی طُرُقِ الْمَدِیْنَۃِ اس میں بیان فرمایا کہ عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ راستہ میں ہر اس جگہ نماز ادا کرتے تھے جہاں کہ حضور علیہ السلام نے کبھی نماز پڑھی تھی حتیٰ کہ بعض جگہ مسجدیں بنا دی گئیں تھیں۔ مگر وہ غلطی سے کچھ علیحدہ بن گئیں تو سیدنا ابن عمر اس مسجد میں نماز نہ پڑھتے تھے بلکہ وہاں ہی پڑھتے تھے جہاں حضور علیہ السلام نے نماز پڑھی تھی

فَلَمْ يَكُنْ عَبْدُاللّٰهِ ابْنُ عُمَرَ يُصَلِّيْ فِيْ ذٰلِكَ الْمَسْجِدِ كَانَ يَتْرُكُهُ عَنْ يَسَارِهٖ کا یہ کیا تھا محض برکت حاصل کرنا آج بھی بعض حاجی غار حرا میں جہاں حضور علیہ السلام نے چھ ماہ عبادت فرمائی نمازیں پڑھتے ہیں۔ لہذا خواجہ اجمیری وغیرہ رحمہم اللہ کی عبادت گاہوں میں نمازیں ادا کرنی، ان کی زیارت کرنی۔ ان کو متبرک سمجھنا سنت صحابہ سے ثابت ہے۔

مسئلہ:۔ اولیاء اللہ کے نام کی جو نذر مانی جاتی ہے یہ نذر شرعی نہیں۔ نذر لغوی ہے۔ جس کے معنیٰ ہیں نذرانہ جیسے کہ میں اپنے استاد سے کہوں کہ یہ آپ کی نذر ہے یہ بالکل جائز ہے اور فقہاء اس کو حرام کہتے ہیں جو کہ اولیاء کے نام کی نذر شرعی مانی جائے اسی لیئے فرماتے ہیں تَقَرُّبًا اِلَيْهِمْ نذر شرعی عبادت ہے وہ غیر اللہ کے لیئے ماننا یقیناً کفر ہے کوئی کہتا ہے کہ یا حضور غوث پاک آپ دعا کریں اگر میرا مریض اچھا ہوگیا تو میں آپ کے نام کی دیگ پکاؤں گا۔ اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہوتا کہ آپ میرے خدا ہیں اس بیمار کے اچھے ہونے پر میں آپ کی یہ عبادت کرونگا بلکہ مطلب یہ ہوتا ہے کہ میں پلاؤ کا صدقہ کرونگا۔ اللہ کے لیئے اس پر جو ثواب ملے گا۔ آپکو بخشوں گا جیسے کوئی شخص کسی طبیب سے کہے کہ اگر بیمار اچھا ہوگیا۔ تو پچاس روپیہ آپ کی نذر کرونگا اس میں کیا گناہ ہے؟ اسی کو شامی نے کتاب الصوم بحث اموات میں اس طرح بیان فرمایا۔

بِاَنْ تَكُوْنَ صِيْغَةُ النَّذْرِ لِلّٰهِ تَعَالٰى لِلتَّقَرُّبِ اِلَيْهِ وَيَكُوْنَ ذِكْرُ الشَّيْخِ مُرَادًا بِهٖ فُقَرَاءَهٗ	صیغہ نذر کا اللہ کی عبادت کے لیئے ہو اور شیخ کی قبر پر رہنے والے فقراء اس کا مصرف ہوں۔

یہ محض جائز ہے تو یوں سمجھو کہ یہ صدقہ اللہ کے لیئے اس کے ثواب کا ہدیہ روح شیخ کے لیئے اس صدقہ کا مصرف مزار بزرگ کے خدام فقراء جیسے کہ حضرت مریم کی والدہ نے مانی تھی کہ اپنے پیٹ کا بچہ خدایا تیرے لیئے نذر کرتی ہوں جو بیت المقدس کی خدمت کے لیئے وقف ہوگا۔ نذر اللہ کی اور مصرف بیت المقدس کا اِنِّیْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا دیکھو غیر اللہ کی قسم کھانا شرعاً منع ہے اور خود قرآن کریم اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر اللہ کی قسمیں کھائیں۔ وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ وغیرہ اور حضور علیہ السلام نے فرمایا اَفْلَحَ وَاَبِيْهِ اس کے باپ کی قسم وہ کامیاب ہوگیا۔ مطلب یہ ہی ہے کہ شرعی قسم جس پر احکام قسم کفارہ وغیرہ جاری ہو وہ خدا کے سوا کسی کی نہ کھائی جاوے۔ مگر لغوی قسم جو محض تاکید کلام کے لیئے ہو وہ جائز یہ ہی نذر کا حال ہے ایک شخص نے نذر مانی تھی کہ میں بیت المقدس میں چراغ کے لیئے تیل بھیجوں گا۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اس نذر کو پورا کرو۔ مشکوٰۃ باب النذور میں ہے کہ کسی نے نذر مانی تھی کہ میں بوانہ مقام میں اونٹ ذبح کروں گا۔ تو فرمایا گیا کہ اگر کوئی وہاں بت وغیرہ نہ ہو تو نذر پوری کرو۔ کسی نے نذر مانی تھی کہ بیت المقدس میں نماز پڑھوں گا تو فرمایا کہ مسجد حرام میں نماز پڑھ لو۔ ان احادیث سے معلوم ہوا کہ صدقہ و خیرات کی نذر میں کسی جگہ یا کسی خاص جماعت فقراء کی قید لگا دینا جائز ہے اسی طرح یہ بھی ہے فتاویٰ رشیدیہ جلد اول کتاب الحظر والاباحت صفحہ ۵۴ میں ہے اور جو اموات اولیاء اللہ کی نذر ہے تو اس کے اگر یہ معنیٰ ہیں کہ اس کا ثواب ان کی روح کو پہنچے تو صدقہ ہے درست ہے جو نذر بمعنی تقرب ان کے نام پر ہے تو حرام ہے " (رشید احمد)

مشکوٰۃ باب مناقب عمر میں ہے کہ بعض بیویوں نے نذر مانی تھی کہ اگر حضور علیہ السلام جنگ احد سے بخیریت واپس آئے تو میں آپ کے سامنے دف بجاؤں گی یہ نذر بھی عرفی تھی نہ کہ شرعی یعنی حضور کی خدمت میں خوشی کا نذرانہ۔ غرضکہ لفظ نذر کے دو معنی ہیں لغوی اور شرعی۔ لغوی معنیٰ سے نذر بزرگان دین کے لیئے جائز ہے بمعنی نذرانہ۔ جیسے طواف کے دو معنیٰ ہیں لغوی بمعنی آس پاس گھومنا اور شرعی رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ پرانے گھر کا طواف کریں۔ یہاں طواف شرعی معنیٰ میں ہے اور فرماتا ہے يَطُوفُونَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيمٍ آنٍ یہاں طواف بمعنی لغوی ہے آنا جانا گھومنا۔ (۴) حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب و قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہما بے شک بزرگ ہستیاں ہیں۔ لیکن یہ حضرات مجتہد نہیں تاکہ کراہت تحریمی و حرمت فقط ان کے قول سے ثابت ہو۔ اس کے لیئے مستقل دلیل شرعی کی ضرورت ہے ایک عالم کے قول سے استحباب یا جواز ثابت ہو سکتا ہے۔ مستحب اس کو بھی کہتے ہیں جس کو علماء مستحب جانیں۔ مگر کراہت و حرمت میں خاص دلیل کی ضرورت ہے۔ نیز شاہ عبدالعزیز صاحب و قاضی صاحب تو چراغاں اور مزارات کی چادروں کو حرام فرماتے ہیں مگر شامی چادروں کو اور صاحب تفسیر روح البیان اور صاحب حدیقہ ندیہ چراغاں کو جائز بلکہ مستحب فرماتے ہیں یقیناً ان کا قول زیادہ لائق قبول ہے۔ نیز شاہ عبدالعزیز و قاضی صاحبان علیہما الرحمۃ و رضوان کے قول پر لازم ہے کہ حرمین شریفین خصوصاً روضۂ مطہرہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم بدعتوں اور حرام کا مرکز ہے کیونکہ وہاں غلاف بھی چڑھتے ہیں اور چراغاں بھی ہے اور آج تک کسی عالم یا فقیہ نے اس پر انکار نہ کیا تو وہ تمام حضرات بدعتی یا گمراہ ہوئے۔ ان دو صاحبوں کا وہ فتویٰ کس طرح مانا جاتے۔

جس میں یہ سخت قباحت لازم آوے۔ شاہ رفیع الدین صاحب رسالہ نذور میں فرماتے ہیں کہ نذر یکہ ایں جامستعمل میشود بر معنیٰ شرعی است چہ عرف آنست کہ آنچہ پیش بزرگاں می برند نذر و نیاز گویند۔

(۵) حرمین شریفین کے علماء کا کسی شئی کو اچھا سمجھنا بیشک اس کے استحباب کی دلیل ہے یہ زمین پاک وہ ہے کہ جہاں کبھی بھی شرک نہیں ہو سکتا۔ حدیث پاک میں ہے کہ شیطان مایوس ہو چکا کہ اہل عرب اس کی پرستش کریں اور مدینہ پاک کی زمین اسلام کی جائے پناہ اور کفار و مشرکین سے محفوظ رہنے والی ہے۔ مشکوٰۃ باب حرم المدینہ میں ہے کہ مدینہ پاک برے لوگوں کو اس طرح نکال پھینکتا ہے۔ جیسے لوہار کی بھٹی لوہے کے میل کو خواہ فوراً نکالے یا کچھ عرصہ بعد یا کہ بعد موت۔ جذب القلوب میں حضرت شیخ عبدالحق فرماتے ہیں "مراد نفی و ابعاد اہل شر و فساد است از ساحت عزت ایں بلدہ طیبہ و خاصیت مذکورہ درو سے در جمیع ازمان ہویدا است" اس سے مراد یہ ہے کہ مدینہ پاک کی زمین پاک تمام شریر و مفسدین کو نکال دیتی ہے اور یہ خاصیت اس میں ہمیشہ باقی ہے۔ لہٰذا علمائے مدینہ کی عبادات کو بے دھڑک شرک و بدعت کہہ دینا سخت غلطی ہے یہ کہنا بھی غلط ہے کہ یہ چراغاں سلطنت ترکیہ کی ایجاد ہے۔ امام اجل سید نور الدین سمہودی اور جلال الدین سیوطی علیہما الرحمۃ کی وفات ۹۱۱ھ میں ہوئی اور امام نور الدین سمہودی نے کتاب خلاصۃ الوفا شریف ۸۹۳ھ میں تصنیف فرمائی وہ اس کتاب کے چوتھے باب کی سولھویں فصل میں مدینہ پاک کے چراغاں کا ذکر فرماتے ہیں اور کہتے ہیں۔

وَاَمَّا مَعَالِیْقُ الْحُجْرَۃِ الشَّرِیْفَۃِ الَّتِیْ تُعَلَّقُ حَوْلَهَا مِنْ قَنَادِیْلِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَنَحْوِهِمَا فَلَمْ اَقِفْ عَلٰی اِبْتِدَاءِ حُدُوْثِهِمَا۔

لیکن جو سونے چاندی کی قندیلیں روضہ مطہرہ کے ارد گرد لٹکی ہوئی ہیں۔ مجھے خبر نہیں کہ کب سے شروع ہوئیں۔

اسی مقام پر فرماتے ہیں وَقَدْ اَلَّفَ السُّبْکِیُّ تَالِیْفًا سَمَّاهُ تَنَزُّلُ السَّکِیْنَةِ عَلٰی قَنَادِیْلِ الْمَدِیْنَةِ وَذَهَبَ فِیْهِ اِلٰی جَوَازِهَا وَصِحَّةِ وَقْفِهَا وَعَدَمِ جَوَازِ صَرْفِ شَیْئٍ مِنْهَا لِعِمَارَةِ الْمَسْجِدِ۔

امام سبکی نے ایک کتاب لکھی جس کا نام رکھا تنزل السکینہ علی قنادیل المدینہ وہ فرماتے ہیں کہ روضہ مطہرہ کی یہ قندیلیں جائز ہیں ان کا وقف درست ہے ان میں سے کوئی چیز مسجد پر خرچ نہیں ہو سکتی

الحمد للہ کہ مخالفین کے تمام سوالات کا مکمل جواب ہو گیا۔

بحث خاتمہ پنجاب اور یوپی و کاٹھیاواڑ میں عام رواج ہے کہ رمضان میں ختم قرآن تراویح کی

شب میں مساجد میں چراغاں کیا جاتا ہے۔ بعض دیوبندی اس کو بھی شرک وحرام کہتے ہیں یہ محض ان کی بے دینی ہے مساجد کی زینت ایمان کی علامت ہے تفسیر روح البیان میں زیر آیت اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰہِ ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے، اسو قندیلیں بیت المقدس میں روشن کرنے کا حکم دیا۔ اور مسجد نبوی شریف میں اولاً کھجور کی لکڑیاں وغیرہ جلا کر روشنی کی جاتی تھی۔ پھر تمیم داری کچھ قندیلیں اور رسیاں اور تیل لائے اور ان کو مسجد نبوی شریف کے ستونوں میں ٹکا کر جلایا تو حضور علیہ السلام نے فرمایا نَوَّرْتَ مَسْجِدَنَا نَوَّرَ اللّٰہُ عَلَیْکَ تم نے ہماری مسجد کو روشن کر دیا اللہ تعالٰے تم کو نورانی رکھے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے چراغاں کیا اور قندیلیں لٹکائیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

نَوَّرْتَ مَسْجِدَنَا نَوَّرَ اللّٰہُ قَبْرَکَ یَا ابْنَ الْخَطَّابِ۔ اے عمر تم نے ہماری مسجد کو روشن کیا۔ اللہ تمہاری قبر کو روشن کرے۔

تفسیر کبیر میں آیت اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰہِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ کی تفسیر میں ہے۔

عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ اَسْرَجَ فِیْ مَسْجِدٍ سِرَاجًا لَمْ تَزَلِ الْمَلٰئِکَۃُ وَحَمَلَۃُ الْعَرْشِ یَسْتَغْفِرُوْنَ لَہٗ مَادَامَ فِی الْمَسْجِدِ ضَوْءُہٗ (یعنی) جو کوئی مسجد میں چراغ جلائے تو جب تک مسجد میں اسکی روشنی رہے فرشتے اور حاملین عرش اس کے لیئے دعائے مغفرت کرتے ہیں۔

فتاویٰ رشیدیہ جلد دوم کتاب الحظر والاباحت صفحہ ۱۱۲ میں یہ مانا ہے کہ عہد فاروقی میں بعض صحابہ بیت المقدس سے وہاں کی روشنی دیکھ کر آئے اور مسجد نبوی میں متعدد چراغ جلائے گئے پھر مامون رشید بادشاہ نے عام حکم دیا تھا کہ مسجدوں میں بکثرت چراغ جلائے جاویں۔ غرضکہ مسجد کی روشنی سنت انبیاء وسنت صحابہ اور سنت عامۃ المسلمین ہے۔

بحث قبر پر اذان دینے کی تحقیق

مسلمان میت کو قبر میں دفن کر کے اذان دینا اہل سنت کے نزدیک جائز ہے۔ جس کے بہت سے دلائل ہیں۔ مگر وہابی دیوبندی اس کو بدعت، حرام، شرک اور نہ معلوم کیا کیا کہتے ہیں۔ اس لئے اس بحث کے دو باب کئے جاتے ہیں۔ پہلے باب میں اس کا ثبوت دوسرے باب میں اس پر اعتراضات وجواب بعون اللہ تعالٰے وکرمہٖ۔

پہلا باب
اذان قبر کے ثبوت میں

قبر پر بعد دفن اذان دینا جائز ہے احادیث اور فقہی عبارات سے اس کا ثبوت ہے مشکوٰۃ شریف کتاب الجنائز باب مایقال عند من حضرت الموت میں ہے۔ لَقِّنُوْا مَوْتَاكُمْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اپنے مردوں کو سکھاؤ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ دنیاوی زندگی ختم ہونے پر انسان کے لیے دو بڑے خطرناک وقت ہیں ایک تو جان کنی کا۔ دوسرا سوالات قبر بعد دفن کا کہ اگر جان کنی کے وقت خاتمہ بالخیر نصیب نہ ہوا تو عمر بھر کا کرا دھرا سب برباد گیا۔ اور اگر قبر کے امتحان میں ناکامی ہوئی تو آئندہ کی زندگی برباد ہوئی۔ دنیا میں تو اگر ایک سال امتحان میں فیل ہو گئے تو سال آئندہ دے لو۔ مگر وہاں یہ بھی نہیں۔ اس لیے زندوں کو چاہیے کہ ان دونوں وقتوں میں مرنے والے کی امداد کریں کہ مرتے وقت کلمہ پڑھ پڑھ کر سنائیں اور بعد دفن اس تک کلمہ کی آواز پہنچائیں کہ اس وقت تو وہ کلمہ پڑھ کر دنیا سے جائے اور اب اس امتحان میں کامیاب ہو لہٰذا اس حدیث کے دو معنیٰ ہو سکتے ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ جو مر رہا ہو اس کو کلمہ سکھاؤ۔ دوسرے یہ کہ جو مر چکا ہو اس کو کلمہ سکھاؤ پہلے معنیٰ مجازی ہیں اور دوسرے حقیقی اور بلا ضرورت معنیٰ مجازی لینا ٹھیک نہیں لہٰذا حدیث کا یہ ہی ترجمہ ہوا کہ اپنے مردوں کو کلمہ سکھاؤ اور یہ وقت دفن کے بعد کا ہے۔ چنانچہ شامی جلد اوّل باب الدفن بحث تلقین بعد الموت میں ہے۔

اَمَّا عِنْدَ اَهْلِ السُّنَّةِ فَالْحَدِيْثُ لَقِّنُوْا مَوْتَاكُمْ مَحْمُوْلٌ عَلٰى حَقِيْقَتِهٖ وَقَدْ رُوِيَ عَنْهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَنَّهٗ اَمَرَ بِالتَّلْقِيْنِ بَعْدَ الدَّفْنِ فَيَقُوْلُ يَا فُلَانُ ابْنُ فُلَانٍ اُذْكُرْ دِيْنَكَ الَّذِيْ كُنْتَ عَلَيْهَا۔

اہل سنت کے نزدیک یہ حدیث لقنوا موتاکم اپنے حقیقی معنیٰ پر محمول ہے اور حضور علیہ السلام سے روایت ہے کہ آپ نے دفن کے بعد تلقین کرنے کا حکم دیا پس قبر پر کہے کہ اے فلاں کے بیٹے فلاں تو اس دین کو یاد کر جس پر تھا۔

شامی میں اسی جگہ ہے۔ وَاِنَّمَا لَا يُنْهٰى عَنِ التَّلْقِيْنِ بَعْدَ الدَّفْنِ لِاَنَّهٗ لَا ضَرَرَ فِيْهِ بَلْ فِيْهِ نَفْعٌ فَاِنَّ الْمَيِّتَ يَسْتَاْنِسُ بِالذِّكْرِ عَلٰى مَا وَرَدَ فِي الْاٰثَارِ

دفن کے بعد تلقین کرنے سے منع نہیں کرنا چاہیے کیونکہ اس میں کوئی نقصان تو ہے نہیں بلکہ اس میں نفع ہی نفع ہے کیونکہ میت ذکر الٰہی سے انس حاصل کرتی ہے

جیسا کہ احادیث میں آیا ہے اس حدیث اور ان عبارات سے معلوم ہوا کہ دفن میت کے بعد اس کو کلمہ طیبہ کی تلقین مستحب ہے تاکہ مردہ نکیرین کے سوالات میں کامیاب ہو۔ چونکہ اذان میں کلمہ بھی ہے۔ اس لیئے یہ آذان بھی تلقین میت ہے اور مستحب ہے بلکہ اذان میں پوری تلقین ہے کیونکہ نکیرین میت سے تین سوال کرتے ہیں اول تو یہ کہ تیرا رب کون ہے؟ پھر یہ کہ تیرا دین کیا ہے؟ پھر یہ کہ اس سنہری جالی والے سبز گنبد والے آقا کو تو کیا کہتا ہے؟ پہلے سوال کا جواب ہوا اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ دوسرے کا جواب ہوا حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ یعنی میرا دین وہ ہے جس میں پانچ نمازیں فرض ہیں (سوائے اسلام کے کسی دین میں پانچ نمازیں نہ تھیں) تیسرے کا جواب ہوا اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ درمختار جلد اول باب الاذان میں ہے کہ دس جگہ اذان کہنا سنت ہے جس کو اشعار میں یوں فرمایا

فَرْضُ الصَّلٰوۃِ وَفِیْ اُذْنِ الصَّغِیْرِ وَفِیْ | وَقْتِ الْحَرِیْقِ وَالْحَرْبِ الَّذِیْ وَقَعَا
خَلْفَ الْمُسَافِرِ وَالْغِیْلَانِ اِنْ ظَهَرَتْ | فَاحْفَظْ لِسِتٍّ مَنْ لَّذِیْ قَدْ شَرَعَا
وَزِیْدَ اَرْبَعٌ ذُوْهَمٍّ وَذُوْ غَضَبٍ | مُسَافِرٌ ضَلَّ فِیْ قَفْرٍ وَمَنْ صُرِعَا

نماز پنجگانہ کے لیئے بچہ کے کان میں۔ آگ لگنے کے وقت۔ جبکہ جنگ واقع ہو۔ مسافر کے پیچھے اور جنات کے ظاہر ہونے پر۔ غصہ والے پر۔ جو مسافر کہ راستہ بھول جاوے اور مرگی والے کے لیئے۔ شامی میں اسی کے تحت ہے۔ قَدْ یُسَنُّ الْاَذَانُ بِغَیْرِ الصَّلٰوۃِ کَمَا فِیْ اَذَانِ الْمَوْلُوْدِ وَالْمَهْمُوْمِ وَالْمَصْرُوْعِ وَالْغَضْبَانِ وَمَنْ سَاءَ خُلُقُهٗ مِنْ اِنْسَانٍ اَوْ بَهِیْمَةٍ وَعِنْدَ مُزْدَحِمِ الْجَیْشِ وَعِنْدَ الْحَرِیْقِ وَقِیْلَ عِنْدَ اِنْزَالِ الْمَیِّتِ الْقَبْرَ قِیَاسًا عَلٰی اَوَّلِ خُرُوْجِهٖ لِلدُّنْیَا لٰكِنْ رَدَّهُ ابْنُ حَجَرٍ فِیْ شَرْحِ الْعُبَابِ وَعِنْدَ تَغَوُّلِ الْغِیْلَانِ اَیْ تَمَرُّدِ الْجِنِّ ـ

نماز کے سوا چند جگہ اذان دینا سنت ہے بچہ کے کان میں، غمزدہ کے۔ مرگی والے کے۔ غصہ والے کے کان میں۔ جس جانور یا آدمی کی عادت خراب ہو اس کے سامنے لشکروں کے جنگ کے وقت آگ لگ جانے کے وقت۔ میت کو قبر میں اتارتے وقت اس کے پیدا ہونے پر قیاس کرتے ہوئے لیکن اس اذان کے سنت ہونے کا ابن حجر علیہ الرحمۃ نے انکار کیا ہے جنات کی سرکشی کے وقت۔

علامہ ابن حجر کے انکار کا جواب دوسرے باب میں دیا جاوے گا۔ ان شاء اللہ۔

مشکوٰۃ باب فضل الاذان میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ تم بلال کی اذان سے رمضان کی سحری

ختم نہ کر دو۔ وہ تو لوگوں کو جگانے کے لیئے اذان دیتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ زمانہ نبوی میں سحری کے وقت بجائے نوبت یا گولے کے آذان دی جاتی تھی لہذا سوتے کو جگانے کے لیئے اذان دینا سنت سے ثابت ہے۔

اذان کے سات فائدے ہیں جن کا پتہ احادیث اور فقہاء کے اقوال سے چلتا ہے ہم وہ فائدے عرض کیئے دیتے ہیں۔ خود معلوم ہو جائیگا کہ میت کو ان میں سے کون کون سے فائدے حاصل ہونگے۔ اولاً تو یہ کہ میت کو تلقین جوابات ہے جیسا کہ بیان کیا جا چکا۔ دوسرے اذان کی آواز سے شیطان بھاگتا ہے۔ مشکوٰۃ باب الاذان میں ہے۔

اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ اَدْبَرَ الشَّیْطٰنُ لَہٗ ضُرَاطٌ حَتّٰی لَا یَسْمَعُ التَّاْذِیْنَ۔	جب نماز کی اذان ہوتی ہے تو شیطان گوز لگاتا ہوا بھاگتا ہے یہاں تک کہ اذان نہیں سنتا۔

اور جس طرح کہ بوقت موت شیطان مرنے والے کو ورغلاتا ہے تاکہ ایمان چھین لے اسی طرح قبر میں بھی پہنچتا ہے اور بہکاتا ہے۔ کہ تو مجھے خدا کہہ دے تاکہ میت اس آخری امتحان میں فیل ہو جاوے۔ اَللّٰھُمَّ احْفَظْنَا مِنْہُ چنانچہ نوادر الوصول میں امام محمد ابن علی ترمذی فرماتے ہیں۔

اِنَّ الْمَیِّتَ اِذَا سُئِلَ مَنْ رَّبُّکَ یَرٰی لَہُ الشَّیْطٰنُ فَیُشِیْرُ اِلٰی نَفْسِہٖ اِنِّیْ اَنَا رَبُّکَ فَلِھٰذَا وَرَدَ سُوَالُ التَّثْبِیْتِ لَہٗ حِیْنَ سُئِلَ۔	یعنی جبکہ میت سے سوال ہوتا ہے کہ تیرا رب کون ہے تو شیطان اپنی طرف اشارہ کرکے کہتا ہے کہ میں تیرا رب ہوں۔ اسی لیئے ثابت ہے کہ حضور علیہ السلام نے میت کے سوالات کے وقت اس کے لیئے ثابت قدم رہنے کی دعا فرمائی۔

اب اذان کی برکت سے شیطان دفع ہو گیا میت کو امن مل گئی اور بہکانے والا گیا۔

تیسرے یہ کہ اذان دل کی وحشت کو دور کرتی ہے ابو نعیم اور ابن عساکر نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت فرمائی۔ نَزَلَ اٰدَمُ بِالْھِنْدِ وَاسْتَوْحَشَ فَنَزَلَ جِبْرِیْلُ فَنَادٰی بِالْاَذَانِ حضرت آدم علیہ السلام ہندوستان میں اترے اور ان کو سخت وحشت ہوئی پھر جبریل آئے اور اذان دی۔ اسی طرح مدارج النبوت جلد اوّل صفحہ ۶۲ باب سوم درمیان آیات شرف وے میں ہے۔ اور میت بھی اس وقت عزیز و اقارب سے چھوٹ کر تیرہ و تاریک مکان میں اکیلا پہنچتا ہے سخت وحشت ہے اور وحشت میں

حواس باختہ ہو کر امتحان میں ناکامی کا خطرہ ہے۔ اذان سے دل کو اطمینان ہوگا۔ جوابات درست دے گا۔"

چوتھے یہ کہ اذان کی برکت سے غم دور ہوتا ہے۔ اور دل کو سرور حاصل ہوتا ہے۔ مسند الفردوس میں حضرت علی رضی اللہ تعالے عنہ سے روایت ہے۔

رَاٰنِی النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَزِیْنًا فَقَالَ یَا ابْنَ اَبِیْ طَالِبٍ اِنِّیْ اَرَاكَ حَزِیْنًا فَمُرْ بَعْضَ اَھْلِكَ یُؤَذِّنْ فِیْ اُذُنِكَ فَاِنَّہٗ دَرْءُ الْھَمِّ

مجھ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے رنجیدہ دیکھا تو فرمایا کہ کیا وجہ ہے کہ تم کو رنجیدہ پاتا ہوں تم کسی کو حکم دو کہ تمہارے کان میں اذان کہہ دے کیونکہ اذان غم کو دور کرنیوالی ہے

بزرگان دین حتی کہ ابن الحجر علیہ الرحمۃ بھی فرماتے ہیں کہ جَرَّبْتُہٗ فَوَجَدْتُہٗ کَذٰلِكَ فِی الْمِرْقَاتِ مرقاۃ شرح باب الاذان میں ہے یعنی میں نے اس کو آزمایا مفید پایا۔ اب مردے کے دل پر اسوقت جو صدمہ ہے اذان کی برکت سے دور ہوگا اور سرور حاصل ہوگا۔

پانچویں یہ کہ اذان کی برکت سے لگی ہوئی آگ بجھتی ہے۔ ابو یعلی نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

اَطْفِئُوا الْحَرِیْقَ بِالتَّکْبِیْرِ وَاِذَا رَاَیْتُمُ الْحَرِیْقَ فَکَبِّرُوْا فَاِنَّہٗ یُطْفِئُ النَّارَ۔

لگی ہوئی آگ کو تکبیر سے بجھاؤ اور جبکہ تم آگ لگی ہوئی دیکھو تو تکبیر کہو کیونکہ یہ آگ کو بجھاتی ہے۔

اور اذان میں تکبیر تو ہے اللہ اکبر لہٰذا اگر قبر میت میں آگ لگی ہو تو اُمید ہے کہ خدائے پاک اسکی برکت سے بجھا دے۔

چھٹے یہ کہ اذان ذکر اللہ ہے اور ذکر اللہ کی برکت سے عذاب قبر دور ہوتا ہے اور قبر فراخ ہوتی ہے تنگی قبر سے نجات ملتی ہے۔ امام احمد و طبرانی و بیہقی نے جابر رضی اللہ عنہ سے سعد ابن معاذ رضی اللہ عنہ کے دفن کا واقعہ نقل کر کے روایت کی۔ سَبَّحَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثُمَّ کَبَّرَ وَکَبَّرَ النَّاسُ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ لِمَ سَبَّحْتَ قَالَ لَقَدْ تَضَایَقَ عَلٰی ھٰذَا الرَّجُلِ الصَّالِحِ قَبْرُہٗ حَتّٰی فَرَّجَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ۔ بعد دفن حضور علیہ السلام نے سبحان اللہ فرمایا۔ پھر اللہ اکبر حضور نے فرمایا اور دیگر حضرات نے بھی۔ لوگوں نے عرض کیا کہ یا حبیب اللہ تسبیح و تکبیر کیوں پڑھی ارشاد فرمایا کہ اس صالح بندے پر قبر تنگ ہو گئی تھی اللہ نے قبر کو کشادہ فرمایا۔ اس کی شرح میں علامہ طیبی فرماتے ہیں۔

اَیْ مَازِلْتُ اُکَبِّرُ وَتُکَبِّرُوْنَ وَاُسَبِّحُ وَتُسَبِّحُوْنَ حَتّٰی فَرَّجَہُ اللّٰہُ۔

یعنی ہم اور تم لوگ تسبیح و تکبیر کہتے رہے۔ یہاں تک کہ اللہ نے قبر کو کشادہ فرمایا۔

ساتویں یہ کہ اذان میں حضور علیہ السلام کا ذکر ہے اور صالحین کے ذکر کے وقت نزول رحمت ہوتا ہے۔ امام سفیان

ابن عینیہ فرماتے ہیں۔ ذِکْرُ الصَّالِحِیْنَ تَنْزِیْلُ الرَّحْمَۃِ اور میت کو اس وقت رحمت کی سخت ضرورت ہے۔ جو فنکہ ہماری تھوڑی سی جنبش زبان سے اگر میت کو اتنے بڑے بڑے سات فائدے پہنچ جاویں تو کیا حرج ہے؟

ثابت ہوا کہ قبر پر اذان دینا باعث ثواب ہے۔ شامی باب سنن الوضوء میں ہے۔ اَلْاَصْلُ فِی الْاَشْیَاءِ الْاِبَاحَۃُ۔ تمام چیزوں میں اصل یہ ہے کہ وہ مباح ہیں یعنی جس کو شریعت مطہرہ منع نہ کرے وہ مباح ہے۔ اور جو مباح کام نیت خیر سے کیا جائے وہ مستحب ہے۔ شرح مشکوٰۃ میں ہے اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ۔ شامی بحث سنن الوضوء میں ہے۔

اِنَّ الْفَرْقَ بَیْنَ الْعَادَۃِ وَالْعِبَادَۃِ ھُوَ النِّیَّۃُ الْمُتَضَمِّنَۃُ لِلْاِخْلَاصِ۔	عادت اور عبادت میں فرق نیت اخلاص سے ہے یعنی جو کام بھی اخلاص سے کیا جاوے وہ عبادت ہے

اور جو کام بغیر اخلاص کے ہو وہ عادت۔ درمختار بحث مستحبات الوضوء میں ہے۔

وَمُسْتَحَبُّہٗ ھُوَ مَا فَعَلَہُ النَّبِیُّ عَلَیْہِ السَّلَامُ مَرَّۃً وَتَرَکَہٗ اُخْرٰی وَمَا اَحَبَّہُ السَّلَفُ۔	مستحب وہ کام ہے جس کو حضور علیہ السلام نے کبھی کیا اور کبھی نہ کیا۔ اور وہ بھی ہے جس کو گذشتہ مسلمان اچھا جانتے

شامی بحث دفن زیر عبارات ولا یجلس ہے۔ وَقَالَ عَلَیْہِ السَّلَامُ مَا رَاٰہُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَسَنًا فَھُوَ عِنْدَ اللّٰہِ حَسَنٌ۔ جس کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔ ان عبارات سے ثابت ہوا کہ چونکہ اذان قبر شریعت میں منع نہیں لہذا جائز ہے اور چونکہ اسکو بہ نیت اخلاص مسلمان بھائی کے نفع کیلئے کیا جاتا ہے لہذا یہ مستحب ہے۔ اور چونکہ مسلمان اسکو اچھا سمجھتے ہیں لہذا یہ عند اللہ اچھی ہے۔ خود دیوبندیوں کے پیشوا مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی فتاوی رشیدیہ جلد اول کتاب العقائد صفحہ ۹۲ میں فرماتے ہیں "کسی نے سوال کیا ہے کہ تلقین بعد دفن ثابت ہے یا نہیں تو جواب دیا یہ مسئلہ عہد صحابہ سے مختلف فیہا ہے اسکا فیصلہ کوئی نہیں کر سکتا۔ تلقین کرنا بعد دفن اس پر مبنی ہے جس پر عمل کرے درست ہے۔ رشید احمد"

دُوسرا باب

اذان قبر پر اعتراضات و جوابات میں

اس مسئلہ میں مخالفین کے حسب ذیل اعتراضات ہیں۔ انشاء اللہ اس کے علاوہ اور نہ ملیں گے۔

اعتراض (۱) قبر پر اذان دینا بدعت ہے اور ہر بدعت حرام لہذا یہ بھی حرام۔ حضور علیہ السلام سے ثابت نہیں وہ ہی پرانا سبق۔

جواب۔ ہم پہلے باب میں ثابت کر چکے ہیں کہ بعد دفن ذکر اللہ تسبیح و تکبیر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ثابت ہے اور جس کی اصل ثابت ہو وہ سنت ہے۔ اس پر زیادتی کرنا منع نہیں۔ فقہاء فرماتے ہیں کہ حج میں تلبیہ کے جو الفاظ احادیث سے منقول ہیں ان میں کمی نہ کرے اگر کچھ بڑھائے تو جائز ہے۔ (ہدایہ وغیرہ) اذان میں تکبیر بھی ہے اور کچھ زیادہ بھی لہٰذا یہ سنت سے ثابت ہے اور اگر بدعت بھی ہو تو حسنہ ہے جیسے کہ ہم بحث بدعات میں عرض کر چکے ہیں۔ فتاوی رشیدیہ جلد اول کتاب البدعات صفحہ ۹۸ پر ہے کہ کسی نے دیوبندیوں کے سردار رشید احمد صاحب سے پوچھا کہ کسی مصیبت کے وقت بخاری شریف کا ختم کرانا قرون ثلثہ سے ثابت ہے یا نہیں اور بدعت ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ قرون ثلثہ میں بخاری تالیف نہیں ہوئی تھی۔ مگر اس کا ختم درست ہے کہ ذکر خیر کے بعد دعا قبول ہوتی ہے اسکی اصل شرع سے ثابت ہے بدعت نہیں۔ رشید احمد عفی۔

اسی کتاب میں صفحہ ۹۸ پر ہے "کہ کھانا تاریخ معین پر کھلانا بدعت ہے اگرچہ ثواب پہنچے گا۔" رشید احمد۔ کہئے جناب یہ ختم بخاری اور برسی کی فاتحہ پر ثواب کیوں ہو رہا ہے؟ یہ تو بدعت ہے۔ اور ہر بدعت حرام ہے۔ حرام پر ثواب کیسا۔

نوٹ ضروری:۔ مدرسہ دیوبند میں مصیبت کے وقت ختم بخاری وہاں کے طلباء سے کرایا جاتا ہے اہل حاجت طلباء کو شیرینی دیتے ہیں اور روپیہ نفع میں رہا۔ کم از کم پندرہ روپیہ وصول کیے جاتے ہیں۔ شاید یہ بدعت اس لیے جائز ہو کہ مدرسہ کو روپیہ کی ضرورت ہے اور یہ حصول زر کا ذریعہ۔ لیکن اب قبر مومن پر اذان کیوں حرام؟

اعتراض (۲) شامی نے باب الاذان میں جہاں اذان کے موقعہ شمار کیے ہیں وہاں اذان قبر کا بھی ذکر فرمایا مگر ساتھ ہی فرمایا لٰکِنْ رَدَّهٗ ابْنُ حَجَرٍ فِیْ شَرْحِ الْعُبَابِ اس اذان کی ابن حجر نے شرح عباب میں تردید کر دی ہے معلوم ہوا کہ اذان قبر مردود ہے۔

جواب:۔ اولاً تو ابن حجر شافعی مذہب ہیں بہت سے علماء جن میں بعض احناف بھی شامل ہیں۔ فرماتے ہیں کہ اذان قبر سنت ہے اور امام ابن حجر شافعی اسکی تردید کرتے ہیں تو بتاؤ کہ حنفیوں کو مسئلہ جمہور پر عمل کرنا ہوگا کہ قول شافعی پر۔ دوم امام ابن حجر نے بھی اذان قبر کو منع نہ کیا بلکہ اس کے سنت ہونیکا انکار کیا یعنی سنت نہیں۔ اگر ہم کہیں کہ بخاری چھاپنا سنت نہیں بالکل درست ہے کیونکہ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں نہ بخاری تھی نہ پریس

لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ جائز بھی نہیں۔ شامی نے اس موقعہ پر فرمایا وَقَدْ یُسَنُّ الْاَذَانُ ان موقعوں پر اذان سنت ہے آگے فرمایا رَدَّهٗ اس کی ابن حجر نے تردید کی تو کسی چیز کی تردید ہوئی؟ سنت کی۔ شامی سمجھنے کے لیئے عقل و ایمان کی ضرورت ہے تیسرے یہ کہ اگر مان بھی لو کہ علامہ ابن حجر علیہ الرحمتہ نے خود اذان کی تردید کی تو کیا کسی عالم کے تردید کرنے سے کراہت یا حرمت ثابت ہو سکتی ہے ہرگز نہیں۔ بلکہ اس کے لیئے دلیل شرعی کی ضرورت ہے، بلا دلیل شرعی کراہت تنزیہی بھی ثابت نہیں ہوتی۔ شامی بحث مستحبات الوضو میں ہے۔

وَلَا یَلْزِمُ مِنْ تَرْكِ الْمُسْتَحَبِّ ثُبُوْتُ الْكَرَاهَةِ اِذْ لَا بُدَّ لَهٗ مِنْ دَلِيْلٍ خَاصٍ۔

ترک مستحب سے کراہت ثابت نہیں ہوتی کیونکہ کراہت کے لیئے دلیل خاص کی ضرورت ہے۔

شامی جلد اول بحث مکروہات الصلوٰۃ بیان المستحب والسنتہ والمندوب میں ہے۔

تَرْكُ الْمُسْتَحَبِّ لَا يَلْزِمُ مِنْهُ اَنْ يَكُوْنَ مَكْرُوْهًا اِلَّا بِنَهْيٍ خَاصٍ لِاَنَّ الْكَرَاهَةَ حُكْمٌ شَرْعِيٌّ فَلَا بُدَّ لَهٗ مِنْ دَلِيْلٍ خَاصٍ۔

مستحب کے ترک سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ مکروہ ہو جائے بغیر خاص ممانعت کے کیونکہ کراہت حکم شرعی ہے اس کے لیئے خاص دلیل کی ضرورت ہے۔

آپ تو اذان قبر کو حرام فرماتے ہیں۔ فقہاء بغیر خاص ممانعت کے کسی شئی کو مکروہ تنزیہی بھی نہیں مانتے۔

اگر کہا جاوے کہ شامی نے اذان قبر کو قیل سے بیان کیا اور قیل ضعف کی علامت ہے تو جواب یہ ہے کہ فقہ میں قیل ضعف کے لیئے لازم نہیں۔ شامی کتاب الصوم فصل کفارہ میں ہے۔ فَتَعْبِيْرُ الْمُصَنِّفِ بِقِيْلٍ لَيْسَ يَلْزِمُ الضُّعْف اسی طرح شامی بحث دفن میت میں ذکر مع الجنازہ کے لیئے فرمایا قِيْلَ تَحْرِيْمًا وَقِيْلَ تَنْزِيْهًا۔ دیکھو یہاں دو قول نقلے اور دونوں قیل سے نقل کیئے۔ عالمگیری کتاب الوقف بحث مسجد میں ہے وَقِيْلَ هُوَ مَسْجِدٌ اَبَدًا وَهُوَ الْاَصَحُّ یہاں صحیح قول قیل سے بیان کیا معلوم ہوا کہ قیل دلیل ضعف نہیں۔ اور اگر مان بھی لیا جاوے تو بھی اس اذان کو سنت کہنا ضعیف ہوگا نہ کہ جائز کہنا کیونکہ یہ سنت ہی کا قول ہے۔ ہم بھی اذان قبر سنت نہیں کہتے صرف جائز و مستحب کہتے ہیں۔

اعتراض (۳) فقہاء فرماتے ہیں کہ قبر پر جا کر فاتحہ کے علاوہ کچھ نہ کرے اور اذان قبر فاتحہ کے علاوہ ہے لہٰذا حرام ہے چنانچہ بحر الرائق میں ہے۔ وَيُكْرَهُ عِنْدَ الْقَبْرِ كُلُّ مَا لَمْ يُعْهَدْ مِنَ السُّنَّةِ وَالْمَعْهُوْدُ مِنْهَا لَيْسَ اِلَّا زِيَارَتُهَا وَالدُّعَاءُ عِنْدَهَا قَائِمًا۔ شامی کتاب الجنائز میں ہے۔

لَا يُسَنُّ الْاَذَانُ عِنْدَ اِدْخَالِ الْمَيِّتِ فِيْ قَبْرِهٖ كَمَا هُوَ الْمُعْتَادُ الْاٰنَ وَقَدْ صَرَّحَ اِبْنُ

یعنی میت کو قبر میں اتارتے وقت اذان دینا سنت نہیں ہے جیسا کہ آجکل مروج ہے اور ابن حجر نے تصریح

حَجَرٍ بِاَنَّهٗ بِدْعَةٌ وَّقَالَ مَنْ ظَنَّ اَنَّهٗ سُنَّةٌ فَلَمْ يُصِبْ۔	فرمایا ہی کہ یہ بدعت ہے اور جو کوئی اس کو سنت جانے وہ درست نہیں کہتا۔
در البحار میں ہے مِنَ الْبِدَعِ الَّتِيْ شَاعَتْ فِيْ بِلَادِ الْهِنْدِ الْاَذَانُ عَلَى الْقَبْرِ بَعْدَ الدَّفْنِ۔	جو بدعتیں کہ ہندوستان میں شائع ہو گئیں۔ ان میں سے دفن کے بعد قبر پر اذان دینا ہے۔

توشیح شرح تنقیح میں محمود بلخی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں اَلْاَذَانُ عَلَى الْقَبْرِ لَيْسَ بِشَيْءٍ قبر پر اذان دینا کچھ نہیں۔ مولوی اسحاق صاحب مائۃ مسائل میں فرماتے ہیں کہ قبر پر اذان دینا مکروہ ہے کیونکہ یہ ثابت نہیں اور جو سنت سے ثابت نہ ہو وہ مکروہ ہوتا ہے۔

جواب:۔ بحر الرائق کا یہ فرمانا کہ قبر پر جا کر بجز زیارت و دعا اور کچھ کرنا مکروہ ہے بالکل درست ہے وہ زیارت قبور کے وقت فرماتے ہیں۔ یعنی جب وہاں زیارت کی نیت سے جاوے تو قبر کو چومنا یا سجدہ کرنا وغیرہ ناجائز کام نہ کرے اور یہاں گفتگو ہے دفن کے وقت یہ زیارت کا وقت نہیں ہے اگر وقت دفن بھی اس میں شامل ہے پھر لازم ہوگا کہ میت کو قبر میں اتارنا، تختہ دینا، مٹی ڈالنا اور بعد دفن تلقین کرنا جس کو فتاویٰ رشیدیہ میں بھی جائز کہا ہے سب منع ہے۔ بس مردے کو جنگل میں رکھ کر فاتحہ پڑھ کر بھاگ آنا چاہیئے اور زیارت قبر کے وقت بھی ممنوع کام کرنا منع ہیں۔ وہ ہی عبارت بحر الرائق کا مقصود ہے ورنہ مردوں کو سلام کرنا یا ان کے قبور پر سبزہ یا پھول ڈالنا بالاتفاق جائز ہے۔ حضور علیہ السلام سے ثابت ہے اور بحر الرائق میں فرما رہے ہیں کہ وہاں بجز زیارت اور کھڑے ہو کر دعا کرنے کے کچھ بھی نہ کرے۔ مولوی اشرف علی صاحب کی حفظ الایمان میں ایک سوال ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب کشف قبور کا طریقہ بیان فرماتے ہیں "وبعدہ ہفت کرہ طواف کند و دراں تکبیر بخواند و آغاز از راست کند و بعدہ طرف پایاں رخسار نہد" یعنی اس کے بعد قبر کا سات چکر طواف کرے اس میں تکبیر کہے اور داہنی طرف سے شروع کرے اور قبر کے پاؤں کی طرف اپنا رخسارہ رکھے تو کیا قبر کا طواف اور سجدہ جائز ہے؟ اس کا جواب حفظ الایمان صفحہ ۶ پر دیتے ہیں یہ طواف اصطلاحی نہیں ہے جو کہ تعظیم و تقرب کے لیئے کیا جاتا ہے۔ بلکہ جس کی ممانعت نصوص شرعیہ سے ثابت ہے بلکہ طواف لغوی ہے یعنی محض اس کے اردگرد پھرنا واسطے پیدا کرنے مناسبت روح کے صاحب قبر کے ساتھ اور لینے فیوض کے اس کی نظیر حضرت جابر کے قصے میں وارد ہوئی ہے جبکہ ان کے والد مقروض ہو کر وفات پاگئے اور قرض خواہوں نے حضرت جابر کو تنگ کیا۔ انہوں نے حضور علیہ السلام

سے عرض کیا کہ باغ میں تشریف لاکر رعایت کرادیجئے حضور علیہ السلام باغ میں رونق افروز ہوئے اور چھواروں
کے انبار لگاکر بڑے انبار کے گرد تین بار پھرے۔ طَافَ حَوْلَ اَعْظَمِهَا بَيْدَرًا ... یہ حضور کا پھرنا طواف
نہ تھا۔ بلکہ اس میں اثر پہنچانے کے لیئے اس کی چاروں طرف پھر گئے۔ اسی طرح کشف القبور کے عمل میں ہے
کہیئے اگر اذان قبر اس لیئے منع ہے کہ قبر پر بجز زیارت و دعا کوئی کام جائز نہیں تو یہ قبر کا طواف اور اس سے
فیض لینا کیوں جائز ہے؟ لہذا بحر الرائق کی ظاہری عبارت آپ کے بھی موافق نہیں۔ پر لطف بات یہ
ہے کہ حفظ الایمان کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ قبروں سے فیض ملتا ہے اور فیض لینے کے لیئے وہاں جانا اور
طواف کرنا، قبر پر خسارہ رکھنا جائز ہے اسی کو تقویۃ الایمان میں شرک کہا۔ ... شامی ... وغیرہ کی عبارت
کا جواب سوال نمبر ۱ کے ماتحت گذر گیا کہ اس میں سنیت کا انکار ہے نہ کہ جواز کا تو شیخ کا فرمانا لَيْسَ بِسُنَّةٍ
اس کے معنی یہ نہیں کہ حرام ہے مراد یہ ہے کہ نہ فرض ہے نہ واجب نہ سنت بلکہ محض جائز اور مستحب ... اور
اس کو سنت یا واجب سمجھنا محض غلط ہے۔ جو فقہاء کہ اس کو بدعت فرماتے ہیں وہ بدعت جائزہ یا کہ بدعت
مستحبہ فرماتے ہیں نہ کہ بدعت مکروہہ کیونکہ بلا دلیل کراہت ثابت نہیں ہوتی۔ مولوی اسحاق صاحب تو دیوبندیوں
کے پیشوا ہیں ان کا قول حجت نہیں۔ اور نہ یہ قاعدہ صحیح ہے کہ جو سنت سے ثابت نہ ہو وہ مکروہ ہے۔ ورنہ
قرآن کے سیپارے اور اعراب اور بخاری بھی مکروہ ہوگئی۔ کیونکہ یہ سنت سے ثابت نہیں۔ در مختار باب صلوٰۃ
العیدین مطلب فی تکبیر التشریق میں ہے۔ وَوُقُوْفُ النَّاسِ يَوْمَ عَرَفَةَ فِيْ غَيْرِهَا تَشَبُّهًا بِالْوَاقِفِيْنَ لَيْسَ بِشَيْءٍ
اسی کے ماتحت شامی میں ہے وَهُوَ نَكِرَةٌ فِيْ مَوْضِعِ النَّفْيِ فَتَعُمُّ اَنْوَاعَ الْعِبَادَةِ مِنْ فَرْضٍ وَّوَاجِبٍ
وَمَسْنُوْنٍ وَّمُسْتَحَبٍّ فَيُفِيْدُ الْاِبَاحَةَ قِيْلَ يُسْتَحَبُّ۔ ہدایہ کے حاشیہ میں لیس بشیء کے ماتحت فرماتے ہیں۔
اَيْ لَيْسَ بِشَيْءٍ يَتَعَلَّقُ بِهِ الثَّوَابُ وَهُوَ يَصْدُقُ عَلَى الْاِبَاحَةِ ان عبارات سے معلوم ہوا کہ لیس بشیء
مباح کو بھی کہا جاتا ہے۔

اعتراض (۴) اذان تو نماز کی اطلاع کے لیئے ہے دفن کے وقت کونسی نماز ہو رہی ہے۔ جس کی اطلاع دینا
منظور ہے چونکہ یہاں اذان لغو ہے پس ناجائز ہے۔

جواب: یہ خیال غلط ہے کہ اذان فقط نماز کی اطلاع کے لیئے ہے ہم پہلے باب میں عرض کر چکے ہیں کہ
اذان کتنی جگہ کہنی چاہیئے۔ نو مولود بچہ کے کان میں اذان دی جاتی ہے وہاں کونسی نماز کا وقت ہے حضور علیہ السلام
کے زمانہ میں رمضان کی شب میں دو اذانیں ہوتی تھیں ایک تو سحری کیلئے بیدار کرنے کو دوسری نماز فجر کے لیئے۔

لطیفہ:۔ کاٹھیاواڑ میں رواج ہے کہ بعد نماز فجر مصافحہ کرتے ہیں اور یو۔پی میں رواج ہے کہ بعد نماز عید معانقہ (گلے ملنا) کرتے ہیں۔ ایک صاحب نے ہم سے دریافت کیا کہ معانقہ یا مصافحہ اول ملاقات کے وقت چاہیئے نماز کے بعد تو لوگ رخصت ہو رہے ہیں پھر اس وقت یہ کیوں ہوتا ہے یہ مصافحہ اور معانقہ بدعت ہے لہذا حرام ہے۔ ہم نے عرض کیا کہ معانقہ حضور علیہ السلام سے ثابت ہے۔ مشکوٰۃ کتاب الادب میں ایک باب ہی اسکا باندھا باب المصافحۃ والمعانقہ اور وہاں لکھا کہ حضور علیہ السلام نے زید ابن حارثہ رضی اللہ عنہ سے معانقہ فرمایا۔ حدیث کی روش بتاتی ہے کہ یہ معانقہ خوشی کا تھا اور عید کا دن بھی خوشی کا دن ہے اس لیئے اظہار خوشی میں معانقہ کرتے ہیں۔ نیز درمختار جلد پنجم باب الکراہیۃ باب الاستبراء میں ہے اَیْ کَمَا تَجُوْزُ الْمُصَافَحَةُ وَلَوْ بَعْدَ الْعَصْرِ وَقَوْلُهُمْ اِنَّهٗ بِدْعَةٌ اَیْ مُبَاحَةٌ حَسَنَةٌ كَمَا اَفَادَهُ النَّوَوِیُّ فِیْ اَذْكَارِهٖ۔

مصافحہ جائز ہے اگرچہ نماز عصر کے بعد ہو اور فقہاء کا فرمانا کہ مصافحہ نماز عصر بدعت ہے یعنی بدعت مباحہ حسنہ ہے جیسا کہ نووی نے اپنے اذکار میں فرمایا۔

اس کے ماتحت شامی میں فرماتے ہیں۔

اِعْلَمْ اَنَّ الْمُصَافَحَةَ مُسْتَحَبَّةٌ عِنْدَ كُلِّ لِقَاءٍ وَاَمَّا مَا اعْتَادَهُ النَّاسُ مِنَ الْمُصَافَحَةِ بَعْدَ صَلٰوةِ الصُّبْحِ فَلَا اَصْلَ لَهٗ فِی الشَّرْعِ عَلٰی هٰذَا الْوَجْهِ وَلٰكِنْ لَّا بَأْسَ بِهٖ وَتَقْيِيْدُهٗ بِمَا بَعْدَ الصُّبْحِ وَالْعَصْرِ عَلٰی عَادَةٍ كَانَتْ فِیْ زَمَنِهٖ وَاِلَّا فَعَقْبَ الصَّلَوَاتِ كُلِّهَا كَذَالِكَ۔

ہر ملاقات کے وقت مصافحہ کرنا مستحب ہے اور فجر کے بعد مصافحہ کا جو رواج ہے اس کی شریعت میں کوئی اصل نہیں لیکن اس میں حرج بھی نہیں اور صبح یا عصر کی قید فقط لوگوں کی عادت کی بنا پر ہے ورنہ ہر نماز کے بعد مصافحہ کا یہ ہی حکم ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصافحہ بہر حال جائز ہے لیکن اس کی تسلی نہ ہوئی یہ ہی کہتا رہا کہ مصافحہ معانقہ ملاقات کے وقت چاہیئے ہم نے کہا اچھا بتاؤ اول ملاقات کسے کہتے ہیں؟ بولا غائب ہونیکے بعد جب ملیں۔ تو یہ اول ملاقات ہے ہم نے کہا۔ غائب ہونے کی دو صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ جسماً غائب ہوں۔ دوسرے یہ کہ دلی طور پر غائب ہوں نماز کی حالت میں اگرچہ بظاہر تمام مقتدی اور امام ایک جگہ ہی رہے مگر بلحاظ دل کے سب ایک دوسرے سے غائب تھے کہ نہ کسی سے کلام کر سکیں نہ ایک دوسرے

کی مدد۔ بلکہ یہ تمام لوگ دنیا ہی سے غائب ہیں کہ کھانا، پینا، چلنا پھرنا تمام دنیاوی کام حرام ہیں اور اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِیْنَ کا نقشہ نظر آرہا ہے دنیا سے تعلق منقطع ہے اور واصل الی اللہ ہیں جب سلام پھیرا۔ اب دنیا میں آگئے تمام دنیاوی کام حلال ہوگئے۔ یہ وقت غائب ہونیکے بعد ملنے کا ہے لہذا مصافحہ سنت ہے وہ کہنے لگا کہ یہ منطق سے سمجھا دیا اس کو شریعت نے تو ملاقات کا وقت نہیں مانا۔ ہم نے کہا کہ مانا ہے اس وقت سلام کس کو کرتے ہیں اور کیوں کرتے ہیں؟ امام کو چاہیئے کہ سلام میں مقتدیوں اور ملائکہ کو سلام کرنیکی نیت کرے اور مقتدی لوگ امام کو اور ملائکہ کو اور تنہا نمازی صرف ملائکہ کی نیت کرے اور سلام یا تو ملاقات کے وقت ہوتا ہے یا رخصت کے وقت۔ بتاؤ یہ سلام کیسا کیا یہ لوگ کہیں سے آرہے ہیں یا جارہے ہیں؟ جا تو نہیں رہے ہیں کیونکہ ابھی دعا مانگیں گے وظیفہ پڑھیں گے بعض لوگ اشراق پڑھ کر اٹھیں گے۔ معلوم ہوا کہ عالم بالا کی سیر کرکے آرہے ہیں اور سلام کررہے ہیں لہذا مصافحہ بھی کریں تو کیا حرج ہے؟ کہنے لگا کہ پھر تو ہر نماز کے بعد چاہیئے۔ ہم نے کہا کہ ہاں اگر ہر نماز کے بعد کرے تب بھی منع نہیں ہے۔ الحمد للہ کہ اس کی تسکین ہوگئی۔ اسی طرح یہ مسئلہ اذان ہے۔

بحث ۱۶ عُرس بزرگان

اس بحث کے دو باب ہیں۔ پہلا باب عرس کے ثبوت میں۔ دوسرا باب مسئلہ عرس پر اعتراضات وجوابات میں:-

پہلا باب

ثبوتِ عُرس میں

عرس کے لغوی معنی ہیں شادی۔ اسی لیئے دولہا اور دلہن کو عروس کہتے ہیں بزرگان دین کی تاریخ وفات کو اس لیئے عرس کہتے ہیں کہ مشکوٰۃ باب اثبات عذاب القبر میں ہے کہ جب نکیرین میت کا امتحان لیتے ہیں اور وہ کامیاب ہوتا ہے تو کہتے ہیں نَمْ کَنَوْمَةِ الْعَرُوْسِ الَّتِیْ لَا یُوْقِظُهٗ اِلَّا اَحَبُّ اَهْلِهٖ اِلَیْهِ تو اس دلہن کی طرح سوجا جسکو سوائے اسکے پیارے کے کوئی نہیں اٹھا سکتا تو چونکہ اس دن نکیرین نے

ان کو عروس کہا۔ اس لیئے وہ دن روز عرس کہلایا۔ یا اس لیئے کہ وہ جمالِ مصطفٰے علیہ السلام کے دیکھنے کا دن ہے کہ نکیرین دکھا کر پوچھتے ہیں کہ ان کو کیا کہتا تھا اور وہ تو خلقت کے دولہا ہیں۔ تمام عالم ان ہی کے دم کی بہار ہے اور وصال محبوب کا دن عرس کا دن ہے لہٰذا یہ دن عرس کہلایا عرس کی حقیقت صرف اس قدر ہے کہ ہر سال تاریخ وفات پر قبر کی زیارت کرنا اور قرآن خوانی و صدقات کا ثواب پہنچانا۔ اس اصل عرس کا ثبوت حدیث پاک اور اقوال فقہاء سے ہے۔ شامی جلد اوّل باب زیارت القبور میں ہے۔

وَرَوٰى ابْنُ اَبِیْ شَیْبَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كَانَ یَاْتِیْ قُبُوْرَ الشُّهَدَاءِ بِاُحُدٍ عَلٰى رَاْسِ كُلِّ حَوْلٍ

ابن ابی شیبہ نے روایت کیا کہ حضور علیہ السلام ہر سال شہداء اُحد کی قبروں پر تشریف لے جاتے تھے۔

تفسیر کبیر اور تفسیر درمنثور میں ہے عَنْ رَسُوْلِ اللهِ عَلَیْهِ السَّلَامُ اَنَّهٗ كَانَ یَاْتِیْ قُبُوْرَ الشُّهَدَاءِ عَلٰى رَاْسِ كُلِّ حَوْلٍ فَیَقُوْلُ سَلَامٌ عَلَیْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ وَالْخُلَفَاءُ الْاَرْبَعَةُ هٰكَذَا كَانُوْا یَفْعَلُوْنَ۔

حضور علیہ السلام سے ثابت ہے کہ آپ ہر سال شہداء کی قبروں پر تشریف لے جاتے تھے اور ان کو سلام فرماتے تھے اور چاروں خلفاء بھی ایسا ہی کرتے تھے۔

شاہ عبدالعزیز صاحب فتاویٰ عزیزیہ صفحہ ۴۵ میں فرماتے ہیں "دوم آنکہ بہیئت اجتماعیہ مردمان کثیر جمع شوند وختم کلام اللہ فاتحہ بر شیرینی وطعام نمودہ تقسیم درمیان حاضراں کنند ایں قسم معمول در زمانہ پیغمبر خدا و خلفائے راشدین نہ بود اگر کسے ایں طور کند باک نیست بلکہ فائدہ احیاء اموات را حاصل میشود" دوسرے یہ کہ بہت سے لوگ جمع ہوں اور ختم قرآن اور کھانے شیرینی پر فاتحہ کرکے حاضرین میں تقسیم کریں یہ قسم حضور علیہ السلام اور خلفائے راشدین کے زمانہ میں مروج نہ تھی۔ لیکن اگر کوئی کرے تو حرج نہیں بلکہ زندوں کو مردوں سے فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ زبدۃ النصائح فی مسائل الذبائح میں شاہ عبدالعزیز صاحب مولوی عبدالحکیم صاحب سیالکوٹی علیہما الرحمۃ والرضوان کو جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں "ایں طعن مبنی است بر جہل بہ احوالِ مطعون علیہ زیراکہ غیر از فرائض شرعیہ مقررہ راہیچ کس فرض نمی داند آرے تبرک بقبور صالحین وامداد ایشاں بایصال ثواب وتلاوت قرآن ودعائے خیر وتقسیم طعام وشیرینی امر مستحسن وخوب است باجماع علماء وتعیین روز عرس برائے آں است کہ آں روز مذکر انتقال ایشاں می باشد از دار العمل بدار الثواب والا ہر روز کہ ایں عمل واقع شود موجب فلاح ونجات است۔" یہ طعن لوگوں کے حالات سے بے خبر ہونے کی وجہ سے ہے کوئی شخص بھی شریعت کے مقرر کردہ فرائض کے سوا کو فرض نہیں جانتا ہاں صالحین کی قبروں سے

برکت لینا اور ایصال ثواب اور تلاوت قرآن اور تقسیم شیرینی وطعام سے ان کی مدد کرنا اجماع علماء سے اچھا ہے
عرس کا دن اس لیئے مقرر ہے کہ وہ دن ان کی وفات کو یاد دلاتا ہے۔ ورنہ جس دن بھی یہ کام کیا جاوے اچھا
ہے۔ حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی مکتوب ۱۸۲ میں مولانا جلال الدین کو لکھتے ہیں "اعراس پیراں
برسنت پیراں بسماع وصفائی جاری دارند" پیروں کا عرس پیروں کے طریقہ سے قوالی اور صفائی کے ساتھ
جاری رکھیں۔ مولوی رشید احمد۔ واشرف علی صاحبان کے پیر حاجی امداد اللہ صاحب اپنے فیصلہ ہفت
مسئلہ میں عرس کے جواز پر بہت زور دیتے ہیں خود اپنا عمل یوں بیان فرماتے ہیں "فقیر کا مشرب اس امر
میں یہ ہے کہ ہر سال اپنے پیر ومرشد کی روح مبارک پر ایصال ثواب کرتا ہوں اول قرآن خوانی ہوتی ہے
اور گاہ گاہ اگر وقت میں وسعت ہو تو مولود پڑھا جاتا ہے پھر ماحضر کھانا کھلایا جاتا ہے اور اس کا ثواب
بخش دیا جاتا ہے۔ مولوی رشید احمد صاحب بھی اصل عرس کو جائز مانتے ہیں۔ چنانچہ فتاوی رشیدیہ جلد
اول کتاب البدعات صفحہ ۹۲ میں فرماتے ہیں "بہت اشیاء ہیں کہ اول مباح تھیں پھر کسی وقت منع
ہوگئیں مجلس عرس ومولود بھی ایسا ہی ہے اہل عرب سے معلوم ہوا کہ عرب شریف کے لوگ حضرت سید
احمد بدوی رحمۃ اللہ علیہ کا عرس بہت دھوم دھام سے کرتے ہیں خاصکر علماء مدینہ منورہ حضرت امیر
حمزہ رضی اللہ عنہ کا عرس کرتے رہے۔ جن کا مزار مقدس احد پہاڑ پر ہے۔ غرضکہ دنیا بھر کے مسلمان علماء وصالحین
خصوصًا اہل مدینہ عرس پر کاربند ہیں اور جس کو مسلمان اچھا جانیں وہ عند اللہ بھی اچھا ہے۔ عقل بھی چاہتی
ہے کہ عرس بزرگاں عمدہ چیز ہو اولًا تو اس لیئے کہ عرس زیارت قبور اور صدقہ خیرات کا مجموعہ ہے زیارت قبور
بھی سنت، صدقہ بھی سنت تو دو سنتوں کا مجموعہ حرام کیونکر ہو سکتا ہے مشکوٰۃ باب زیارۃ القبور میں ہے
کہ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں۔ ہم نے تم کو زیارت قبور سے منع فرمایا تھا۔ اَلَا فَزُوْرُوْهَا اب ضرور زیارت
کیا کرو۔ اس سے ہر طرح زیارت قبور کا جواز معلوم ہوا خواہ روزانہ ہو یا سال کے بعد اور خواہ تنہا زیارت کی
جاوے یا کہ جمع ہو کر اب اپنی طرف سے اس میں قیود لگانا کہ مجمع کے ساتھ زیارت کرنا منع ہے سال کے
بعد مقرر کر کے زیارۃ کرنا منع ہے محض لغو ہے معین کر کے ہو یا بغیر معین کیئے ہر طرح جائز ہے۔ دوم اسلیئے
کہ عرس کی تاریخ مقرر ہونے سے لوگوں کے جمع ہونے میں آسانی ہوتی ہے اور لوگ جمع ہو کر قرآن خوانی،
کلمہ طیبہ، درود پاک وغیرہ پڑھتے ہیں بہت سی برکات جمع ہو جاتی ہیں۔ تیسرے اس لیئے کہ ایک
پیر کے مریدین اس تاریخ میں اپنے پیر بھائیوں سے بلا تکلف مل لیتے ہیں جس سے ایک دوسرے کے حالات

سے واقفیت ہوتی ہے اور آپس میں محبت بڑھتی ہے۔ چوتھے اس لیئے کہ طالبان کو پیر تلاش کرنے میں آسانی ہے اگر کسی عرس میں پہنچے تو وہاں مختلف جگہ کے بزرگان دین جمع ہوتے ہیں علماء وصوفیاء کا مجمع ہوتا ہے سب کو دیکھ کر جس سے عقیدت ہو اس سے بیعت کرے۔ آخر حج اور زیارت مدینہ منورہ بھی تاریخ مقررہ میں ہی ہوتے ہیں اس میں بھی گذشتہ فوائد ملحوظ ہیں۔ ہم نے دیوبندی اکابر کی قبریں دیکھی ہیں نہ وہاں رونق، نہ کوئی فاتحہ خواں، نہ ان کو ایصال ثواب، نہ کسی کو ان سے اور نہ کسی سے ان کو فیض۔ امور خیر بند کرنے کی یہ برکات ہیں۔

دوسرا باب

مسئلہ عرس پر اعتراضات وجوابات میں

اعتراض (۱) جس کو تم بعد موت ولی سمجھتے ہو۔ اس کا عرس کرتے ہو تم کو کیا معلوم کہ یہ ولی ہے کسی کے خاتمہ پر یقین نہیں کیا جا سکتا کہ وہ مسلمان مرا یا بے دین ہو کر مرا۔ پھر کسی مردے کی ولایت کیونکر معلوم ہو سکتی ہے؟ بڑے بڑے صالح کافر ہو کر مرتے ہیں۔

جواب: زندگی کے ظاہری احکام بعد موت جاری ہوتے ہیں جو زندگی میں مسلمان تھا بعد موت بھی اس کو مسلمان سمجھ کر اس کی نماز جنازہ، کفن دفن، میراث کی تقسیم وغیرہ کی جاوے گی اور جو زندگی میں کافر تھا بعد موت نہ اس کی نماز جنازہ ہوگی، نہ گور و کفن، نہ تقسیم میراث۔ شریعت کا حکم ظاہر پر ہوتا ہے فقط احتمال معتبر نہیں۔ اسی طرح جو زندگی میں ولی ہو وہ بعد وفات بھی ولی ہے اگر محض احتمال پر احکام جاری ہوں تو کفار کی نماز جنازہ پڑھ لیا کرو شاید مسلمان ہو کر مرا ہو۔ اور مسلمان کو بے جنازہ پڑھے آگ میں جلا دیا کرو کہ شاید کافر ہو کر مرا ہو۔ نیز مشکوٰۃ کتاب الجنائز باب المشی بالجنازۃ میں بروایت مسلم و بخاری ہے کہ حضور علیہ السلام کے سامنے ایک جنازہ گزرا جس کی لوگوں نے تعریف کی فرمایا وَجَبَتْ واجب ہو گئی۔ دوسرا جنازہ گذرا جسکی لوگوں نے برائی کی فرمایا وَجَبَتْ واجب ہو گئی۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ کیا واجب ہوئی؟ فرمایا پہلے کے لیئے جنت اور دوسرے کے لیئے دوزخ پھر فرمایا اَنْتُمْ شُهَدَاءُ اللهِ فِي الْاَرْضِ تم زمین میں اللہ کے گواہ ہو۔ جس سے معلوم ہوا کہ عامۃ المسلمین جس کو ولی سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی ولی ہے مسلمانوں کے منہ سے وہ ہی بات نکلتی ہے جو اللہ کے یہاں ہوتی ہے اسی طرح جس کو مسلمان ثواب جانیں، حلال جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی باعث ثواب اور حلال ہے کیونکہ

مسلمان اللہ کے گواہ ہیں اسی کی حدیث نے تصریح فرمائی۔ مَا رَآهُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ حَسَنٌ۔ قرآن فرماتا ہے وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ | ہم نے تم کو امت عادلہ بنایا تا کہ تم لوگوں پر گواہ رہو۔

مسلمان قیامت میں بھی گواہ اور دنیا میں بھی۔ رب تعالیٰ نے قرآن کریم کی حقانیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کے ثبوت میں حضرت عبداللہ ابن سلام و دیگر بزرگوں کی گواہی پیش فرمائی کہ فرمایا۔ وشهد شاهد من بنی اسرائیل علی مثله۔ جب صالح مومنین کی گواہی سے نبوت ثابت کی جاسکتی ہے تو ولایت بدرجہ اولیٰ ثابت ہو سکتی ہے۔ اور جب اس گواہی سے سارے قرآن پاک کا ثبوت ہو سکتا ہے تو کسی شرعی مسئلہ کا ثبوت بدرجہ اولیٰ ہو گا؟

نوٹ ضروری:۔ یہ سوال مکہ مکرمہ میں حرم شریف کے نجدی امام نے کیا تھا۔ ایک مجمع کے سامنے اس کا میں نے یہ ہی جواب دیا تھا۔ جس پر اس نے کہا کہ یہ صحابہ کرام کے لیے تھا کہ وہ جس کے متعلق جو گواہی دیں ویسا ہی ہو جائے کیونکہ وہاں فرمایا ہے۔ اَنْتُمْ ہم اس خطاب میں داخل نہیں کیونکہ ہم اس وقت موجود نہ تھے۔ میں نے کہا اسی مشکوٰۃ میں اسی جگہ ہے وَفِيْ رِوَايَةٍ اَلْمُؤْمِنُوْنَ شُهَدَآءُ اللّٰهِ فِي الْاَرْضِ ایک روایت میں ہے کہ مسلمان اللہ کے گواہ ہیں زمین میں۔ اس میں اَنْتُمْ نہیں۔ نیز قرآن میں سارے احکام خطاب کے صیغہ سے آئے اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وغیرہ اور ہم قرآن کے نزول کے وقت نہ تھے لہٰذا ہم ان احکام سے بری ہیں۔ یہ سب امور صرف صحابہ کرام کے لیے تھے قرآن و حدیث کے خطابات قیامت تک کے مسلمانوں کو شامل ہوتے ہیں۔ الحمد للہ کہ امام صاحب کو اس جواب پر غصہ تو آگیا مگر جواب نہ آیا۔

اعتراض (۲) حدیث شریف میں ہے۔ لَا تَتَّخِذُوْا قَبْرِيْ عِيْدًا میری قبر کو عید نہ بناؤ۔ جس سے معلوم ہوا کہ قبر پر لوگوں کا اجتماع کرنا۔ میلہ لگانا منع ہے کیونکہ عید سے مراد میلاد ہے اور عرس میں اجتماع ہوتا ہے میلہ لگتا ہے لہٰذا حرام ہے۔

جواب:۔ یہ کہاں سے معلوم ہوا کہ عید سے مراد ہے لوگوں کا جمع ہونا۔ اور حدیث کے معنی ہیں کہ میری قبر پر جمع نہ ہو، تنہا تنہا آیا کرو۔ عید کے دن خوشیاں منائی جاتی ہیں۔ مکانات کی زینت و آراستگی ہوتی ہے۔ کھیل کود بھی ہوتے ہیں۔ یہ ہی اس جگہ مراد ہے یعنی ہماری قبر انور پر حاضر ہو تو باادب آؤ۔ یہاں آکر شور نہ مچاؤ

کھیل کود نہ کرو۔ اگر قبر پر جمع ہونا منع ہے تو آج مدینہ منورہ کی طرف قافلے بھی جاتے ہیں اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا ۔ بعد نماز پنج گانہ لوگ جمع ہو کر سلام عرض کرتے ہیں۔ حاجی امداد اللہ صاحب فیصلہ ہفت مسئلہ میں بحث عرس میں فرماتے ہیں۔ لَا تَتَّخِذُوْا قَبْرِیْ عِیْدًا اس کے صحیح معنے یہ ہیں کہ قبر پر میلہ لگانا اور خوشیاں اور زینت و آراستگی دھوم دھام کا اہتمام یہ ممنوع ہے اور یہ معنی نہیں کہ کسی قبر پر جمع ہونا منع ہے ورنہ مدینہ طیبہ قافلوں کا جانا واسطے زیارت روضہ اقدس کے بھی منع ہوتا وَھٰذَا بَاطِلٌ پس حق یہ ہے کہ زیارت مقابر انفرادًا و اجتماعًا دونوں طرح جائز ہے۔ یا حدیث کا مطلب یہ ہے کہ تم ہماری قبر پر جلد جلد آیا کرو مثل عید کے سال بھر کے بعد ہی نہ آیا کرو۔

اعتراض (۳) عام عرسوں میں عورتوں، مردوں کا اختلاط ہوتا ہے، ناچ رنگ ہوتے ہیں، قوالی گائی جاتی ہے۔ غرضکہ عرس بزرگان صدہا محرمات کا مجموعہ ہے اس لیے یہ حرام ہے۔

جواب:۔ اس کا اجمالی جواب تو یہ ہے کہ کسی مسنون یا جائز کام میں حرام چیزوں کے مل جانے سے اصل حلال کام حرام نہیں ہو جاتا بلکہ حرام تو حرام رہتا ہے اور حلال حلال۔ شامی بحث زیارت قبور کتاب الجنائز میں ہے۔ وَلَا تُتْرَكُ لِمَا یَحْصُلُ عِنْدَھَا مِنْ مُنْكَرَاتٍ وَمَفَاسِدَ كَاخْتِلَاطِ الرِّجَالِ بِالنِّسَاءِ وَغَیْرِھَا لِاَنَّ الْقُرُبَاتِ لَا تُتْرَكُ لِمِثْلِ ذٰلِكَ بَلْ عَلَی الْاِنْسَانِ فِعْلُھَا وَاِنْكَارُ الْبِدَعِ قُلْتُ وَیُؤَیِّدُہٗ مَا مَرَّ مِنْ عَدَمِ تَرْكِ اِتِّبَاعِ الْجَنَازَۃِ وَاِنْ كَانَ مَعَھَا نِسَاءٌ نَائِحَاتٌ۔

زیارت قبور اس لیے نہ چھوڑے کہ وہاں ناجائز کام ہوتے ہیں جیسے کہ عورت مرد کا خلط کیونکہ ان جیسی ناجائز باتوں سے مستحبات نہیں چھوڑے جاتے بلکہ انسان پر ضروری ہے کہ زیارت قبور کرے اور بدعت کو روکے۔ اسکی تائید وہ گذشتہ مسئلہ کرتا ہے کہ جنازے کیساتھ جانا نہ چھوڑے اگرچہ اس کیساتھ نوحہ کرنے والیاں ہوں۔

فتح مکہ سے پہلے خانہ کعبہ میں بت تھے اور کوہ صفا و مروہ پر بھی بت تھے مگر بتوں کی وجہ سے مسلمانوں نے نہ تو طواف چھوڑا اور نہ عمرہ، ہاں جب اللہ نے قدرت دی تو بتوں کو مٹا دیا۔ آج بازاروں میں ریل کے سفروں اور دنیاوی جلسوں میں عورتوں مردوں کا اختلاط ہوتا ہے خود حاجیوں کے جہازوں میں بعض وقت طواف میں منیٰ مزدلفہ میں اختلاط مرد و زن ہو جاتا ہے مگر ان کی وجہ سے اصل شئ کو کوئی منع نہیں کرتا۔ دینی مدارس میں بھی اکثر اوقات بے احتیاطیاں ہو جاتی ہیں مگر ان کی وجہ سے نفس مدرسہ حرام نہیں۔ اسی طرح عرس ہے کہ عورتوں کا وہاں جانا حرام ہے ناچ رنگ حرام ہیں۔ لیکن انکی وجہ سے اصل عرس کیوں حرام ہو

بلکہ وہاں جاکر ان جیسی ناجائز رسموں کو رد کو، لوگوں کو سمجھاؤ۔ دیکھو جد ابن قیس منافق نے عرض کیا تھا کہ مجھے غزوہ تبوک میں شریک نہ فرمایئے کہ روم وشام کی عورتیں خوبصورت ہیں اور میں عورتوں کا شیدائی ہوں مجھے فتنہ میں نہ ڈالیئے مگر قرآن کریم نے اس عذر کی تردید یوں فرمائی کہ اَلَا فِی الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌ بِالْكٰفِرِيْنَ اس عذر کو رب تے کفر اور ذریعہ جہنم بتایا۔ دیکھو تفسیر کبیر و روح البیان یہ ہی عذر آج دیوبندی محض رد کرنے کے لیئے کرتے ہیں۔

آج بیاہ شادی میں صدہا حرام رسمیں ہوتی ہیں جن سے مسلمان تباہ بھی ہوتے ہیں اور گنہگار بھی لیکن ان رسوم کی وجہ سے کوئی نکاح کو حرام کہہ کر بند نہیں کرتا۔

قوالی جو آج کل عام طور پر مروج ہے۔ جس میں گندے مضامین کے اشعار گائے جاتے ہیں اور فاسق اور امردوں کا اجتماع ہوتا ہے اور محض آواز پر رقص ہوتا ہے یہ واقعی حرام ہے لیکن اگر کسی جگہ تمام شرائط سے قوالی ہوگا نے والے اور سننے والے اہل ہوں تو اس کو حرام نہیں کہہ سکتے۔ بڑے بڑے صوفیائے کرام نے خاص قوالی کو اہل کے لیئے جائز فرمایا اور نااہل کو حرام۔ اس کی اصل وہ حدیث ہے جو مشکوٰۃ کتاب المناقب باب مناقب عمر میں ہے کہ حضور علیہ السلام کے سامنے ایک لونڈی دف بجا رہی تھی۔ صدیق اکبر آئے تو وہ بجاتی رہی۔ عثمان غنی آئے یہ بجاتی رہی مگر جب فاروق اعظم آئے رضی اللہ عنہم اجمعین۔ تو دف کو اپنے نیچے ڈال کر بیٹھ گئی۔ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ اے عمرؓ تم سے شیطان خوف کرتا ہے سوال یہ ہے کہ یہ دف بجانا شیطانی کام تھا یا کہ نہیں۔ اگر تھا تو کیا حضور علیہ السلام اور صدیق اکبر وعثمان غنی رضی اللہ عنہما سے شیطان نے خوف نہ کیا اور اسمیں خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے شرکت کیوں کی؟ اور اگر شیطانی کام نہ تھا تو حضور علیہ السلام کے اس فرمان کے کیا معنی؟ جواب وہ ہی ہے کہ حضرت فاروقؓ کے آنے سے قبل یہ ہی کام شیطانی نہ تھا ہو رہا۔ اور فاروق اعظم کے آتے ہی شیطانی بن گیا بند ہوگیا۔ اسی لیئے صوفیاء کرام نے اس پر چھ شرطیں لگائی ہیں ان میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ مجلس میں کوئی غیر اہل نہ ہو۔ ورنہ شیطان کی اس میں شرکت ہوگی۔ جیسے کہ مجلس طعام میں اگر کوئی شخص بغیر بسم اللہ کے کھانا شروع کر دے تو شیطان بھی اس میں شریک ہو جاتا ہے اس سے لازم یہ نہیں کہ حضرت فاروق کا درجہ کچھ کم ہے بلکہ صحابہ کرام کے مشرب علیحدہ علیحدہ ہیں بعض پر اتباع غالب بعض پر جذبہ محبت غالب اس لیئے اثرات مختلف تھے اگر کوئی غوث یا قطب بغیر بسم اللہ

کھانے میں شرکت کریں تو ان میں شیطان کی شرکت ہو جاتی ہے اس سے اس غوث کی توہین نہیں ہوتی۔
شامی جلد پنجم کتاب الکراہیت فصل فی اللبس سے کچھ قبل ہے اٰلَةُ اللَّهْوِ لَيْسَتْ مُحَرَّمَةً لِعَيْنِهَا
بَلْ لِقَصْدِ اللَّهْوِ مِنْهَا اَلَا تَرٰى اَنَّ ضَرْبَ تِلْكَ الْاٰلَةِ بِعَيْنِهَا اُحِلَّ تَارَةً وَحُرِّمَ اُخْرٰى وَفِيْهِ
دَلِيْلٌ لِسَادَاتِنَا الصُّوْفِيَّةِ الَّذِيْنَ يَقْصُدُوْنَ بِسَمَاعِهَا اُمُوْرًا هُمْ اَعْلَمُ بِهَا فَلَا يُبَادِرِ الْمُعْتَرِضُ
بِالْاِنْكَارِ كَىْ لَا يُحْرَمُ بَرَكَتَهُمْ فَاِنَّهُمُ السَّادَةُ الْاَخْيَارُ تفسیرات احمدیہ پارہ ۲۱ سورہ لقمان زیر آیت وَمِنَ
النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِىْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ میں اس قوالی کی بہت تحقیق فرمائی۔ آخر فیصلہ یہ فرمایا کہ قوالی اہل کے لیئے
حلال ہے اور نااہل کو حرام۔ پھر فرماتے ہیں وَبِهٖ نَاخُذُ لِاَنَّا شَهِدْنَا اَنَّهٗ نَشَاءَ مِنْ قَوْمٍ كَانُوْا عَارِفِيْنَ
وَمُحِبِّيْنَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَانُوْا مَعْذُوْرِيْنَ لِغَلْبَةِ الْحَالِ وَيَسْتَكْثِرُوْنَ السَّمَاعَ لِلْغِنَاءِ وَكَانُوْا يَحْسَبُوْنَ
ذٰلِكَ عِبَادَةً اَعْظَمَ وَجْهًا اَذَا اَكْبَرُ فَيَحِلُّ لَهُمْ خَاصَّةً انتھٰى مُلَخَّصًا حاجی امداد اللہ صاحب فیصلہ
ہفت مسئلہ میں بحث عرس قوالی کے متعلق فرماتے ہیں "محققین کا قول یہ ہے اگر شرائط جواز جمع ہوں اور
عوارض مانع مرتفع ہو جاویں تو جائز ہے ورنہ ناجائز۔ مولوی رشید احمد صاحب فتاوی رشیدیہ جلد کتاب الحظر
والاباحۃ صفحہ ۱۰۴ پر فرماتے ہیں۔ بلا مزامیر راگ کا سننا جائز ہے۔ اگر گانے والا محل فساد نہ ہو اور مضمون
راگ کا خلاف شرع نہ ہو اور موافق موسیقی کے ہونا کچھ حرج نہیں۔ خلاصہ کلام یہ ہوا کہ قوالی اہل کے لیئے شرائط
کے ساتھ جائز ہے اور بلا شرائط اور نااہل کیلئے حرام ہے۔ قوالی کی شرائط علامہ شامی نے اسی کتاب الکراہیۃ میں چھ
بیان فرمائے ہیں مجلس میں کوئی امرد، بے ڈاڑھی کا لڑکا، نہ ہو۔ اور ساری جماعت اہل کی ہو اس میں کوئی نااہل نہ
ہو قوال کی نیت خالص ہو۔ اجرت لینے کی نہ ہو۔ لوگ بھی کھانے اور لذت لینے کی نیت سے نہ جمع ہوں
بغیر غلبہ کے وجد میں کھڑے نہ ہوں۔ اشعار خلاف شرع نہ ہوں۔ اور قوالی کا اہل وہ ہے کہ اس کو وجد
کی حالت میں اگر کوئی تلوار مارے تو خبر نہ ہو۔ بعض صوفیاء فرماتے ہیں کہ اہل وہ ہے کہ اگر سات روز
تک اس کو کھانا نہ دیا جاوے۔ پھر ایک طرف کھانا ہو اور دوسری طرف گانا تو کھانا چھوڑ کر گانا اختیار
کرے۔ ہماری اس گفتگو کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آج کی عام قوالیاں حلال ہیں یا عام لوگ قوالی سنیں بلکہ
ہم نے بہت سے مخالفین کو سنا کہ وہ اکابر صوفیائے عظام کو محض قوالی کی بنا پر گالیاں دیتے ہیں
اور قوالی کو مثل زنا کے حرام کہتے ہیں۔ اس لیئے عرض کرنا پڑا کہ خود تو قوالی نہ سنو مگر اولیاء اللہ جن سے
سماع ثابت ہے ان کو برا نہ کہو۔ قوالی ایک درد کی دوا ہے جس کو درد ہو وہ پیئے جسکو نہ ہو وہ بچے، حضرت مجدد

الف ثانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "کرنہ ایں کار می کنم ونہ انکار می کنم" میں نے لوگوں کو کہتے ہوئے خود سنا کہ حدیث میں چونکہ گانے کی برائیاں آگئیں۔ لہٰذا اس کے مقابل خواجہ اجمیری و امام غزالی کے قول کا اعتبار نہیں یہ سب فاسق تھے۔ معاذ اللہ۔ ان کلمات سے دکھ پہنچا۔ مختصر یہ مسئلہ لکھ دیا۔

اعتراض (۴) اگر یہ قاعدہ صحیح ہے کہ حلال کام میں حرام مل جانے سے حلال حرام نہیں بن جاتا۔ تو تعزیہ داری بت پرستوں کے میلے، کھیل تماشے، سینما تھیٹر وغیرہ سب جائز ہوئے کہ ان میں کوئی نہ کوئی کام جائز بھی ہوتا ہی ہے وہاں بھی یہ ہی کہو کہ یہ مجمع حرام نہیں بلکہ ان میں جو برے کام ہیں وہ حرام ہیں جو جائز ہیں وہ حلال نیز فقہاء فرماتے ہیں کہ جس ولیمہ میں ناچ رنگ دستر خوان پر ہو وہاں جانا منع ہے حالانکہ قبول دعوت سنت مگر حرام کام کے ملنے سے حرام ہو گئی۔ اسی طرح عرس بھی ہے مخالفین کا یہ انتہائی اعتراض ہے۔

جواب۔ ایک تو ہے حرام کا فعل حلال میں شامل ہونا۔ ایک ہے اس میں داخل ہونا جہاں فعل حرام اس کا جز بن جاوے کہ اس کے بغیر وہ کام ہوتا ہی نہ ہو اور اگر ہوتا ہو تو اس کا یہ نام نہ ہو۔ اس صورت میں حرام کام حلال کو بھی حرام کر دے گا۔ اگر فعل حرام اس طرح جز ہو کر داخل نہ ہو گیا ہو بلکہ کبھی اس میں ہوتا ہو اور کبھی نہیں جس کو غلط کہتے ہیں۔ تو یہ حرام اصل حلال کو حرام نہ کر دے گا جیسے کہ پیشاب کپڑے میں لگ گیا اور پانی میں پڑ گیا۔ کپڑے کا جز نہ بنا۔ پانی کا جز بن گیا۔ تو احکام میں بہت فرق پڑ گیا، نکاح، سفر، بازار وغیرہ میں محرمات شامل ہو جاتے ہیں مگر ان کا جز نہیں سمجھے جاتے کہ ان کے بغیر اس کو نکاح ہی نہ کہا جاوے اور تعزیہ داری میں اسراف باجے ناجائز میلے اس طرح جز بن کر داخل ہوئے کہ کوئی تعزیہ داری وغیرہ اس سے خالی نہیں ہوتی اور اگر خالی ہو تو اس کو تعزیہ داری نہیں کہتے اگر کوئی شخص کربلا معلیٰ کا نقشہ بنا کر گھر میں رکھے نہ توڑ کر زمین میں دفن کرے نہ یہ محرمات ہوں تو جائز ہے کیونکہ غیر جاندار کی تصویر بنانا مباح ہے۔ الحمد للہ کہ عرس میں ناچ گانا وغیرہ داخل نہیں ہوا بہت سے عرس ان محرمات سے خالی ہوتے ہیں اور ان کو عرس ہی کہا جاتا ہے۔ سرہند شریف میں مجدد الف ثانی صاحب رضی اللہ عنہ کا عرس بالکل محرمات سے خالی ہوتا ہے عام طور پر لوگ حضرت آمنہ خاتون، سیدنا عبداللہ۔ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہم کا عرس کرتے ہیں۔ صرف مجلس وعظ اور تقسیم طعام شیرینی ہوتی ہے۔ نیز ہر دعوت قبول کرنا سنت نہیں، نابالغ بچہ کی دعوت۔ اہل میت کی مروجہ دعوت اغنیاء کو جس کے یہاں صرف حرام کا ہی مال ہو اس کی دعوت قبول کرنا ناجائز ہے۔ اسی طرح جس ولیمہ میں ناچ رنگ خاص دستر خوان پر ہو اس کا قبول کرنا منع ہے۔

بخلاف زیارت قبور کے کہ وہ بہرحال سنت ہے لہذا حرام کام کے اختلاط سے دعوت تو سنت ہی نہ بنی اور زیارت قبور چونکہ مطلقاً سنت تھی وہ حرام نہ ہوئی۔ جیسے کہ شرکت دفن بہرحال سنت ہے۔ تو اگر وہاں محرمات ہوں تو اس سے یہ سنت حرام نہ ہوگی بہت باریک فرق ہے خیال رکھنا چاہیئے۔

بحث ۱۲ زیارت قبور کے لئے سفر کرنا

عرس بزرگان اور زیارت قبور کے لیئے سفر کرنا بھی جائز اور باعث ثواب ہے دیوبندی وغیرہ اس کو بھی حرام کہتے ہیں۔ اس لیئے اس بحث کے بھی دو باب کیئے جاتے ہیں پہلے باب میں جواز کا ثبوت اور دوسرے میں اس پر اعتراضات وجوابات۔

پہلا باب

سفر عرس کے ثبوت میں

سفر کا حکم اس کے مقصد کی طرح ہے یعنی حرام کام کے لیئے سفر کرنا حرام۔ جائز کے لیئے جائز اور سنت کے لیئے سنت۔ فرض کے لیئے فرض۔ حج فرض کے لیئے سفر بھی فرض۔ کبھی جہاد و تجارت کے لیئے سفر سنت ہے کیونکہ یہ کام خود سنت ہیں۔ روضہ مصطفےٰ علیہ السلام کی زیارت کے لیئے سفر واجب ہے کیونکہ یہ زیارت واجب دوستوں کی ملاقات۔ شادی ختنہ میں اہل قرابت کی شرکت۔ اطباء سے علاج کرانے کے لیئے سفر جائز کیونکہ یہ چیزیں خود جائز ہیں چوری ڈکیتی کے لیئے سفر حرام۔ کیونکہ یہ کام خود حرام ہیں۔ غرضکہ سفر کا حکم معلوم کرنا ہو تو اس کے مقصد کا حکم دیکھ لو۔ عرس خاص زیارت قبر کا نام ہے اور زیارت قبر تو سنت لہذا اس کے لیئے سفر بھی سنت ہی میں شمار ہوگا۔ قرآن کریم میں بہت سفر ثابت ہیں۔

وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ۔	جو شخص اپنے گھر سے ہجرت کے لیئے اللہ اور رسول کی طرف نکل گیا پھر اسکو موت آگئی تو اس کا اجر اللہ ثابت ہوگیا

سفر ہجرت ثابت ہوا۔ لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيْفِ۔ اس لیئے کہ قریش کو میل دلایا ان کے جاڑے اور گرمی کے دونوں سفروں میں۔ سفر تجارت ثابت ہوا۔

اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰىهُ لَآ اَبْرَحُ حَتّٰٓى اَبْلُغَ مَجْمَعَ	اور یاد کرو جبکہ موسیٰ نے اپنے خادم سے کہا کہ میں باز نہ

الْبَحْرَيْنِ اَوْ اَمْضِيَ حُقُبًا۔ | رہوں گا جبتک کہ وہاں نہ پہنچوں جہاں دو سمندر ملتے ہیں

حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام سے ملنے کے لیے گئے۔ مشائخ کی ملاقات کیلئے سفر کرنا ثابت ہوا۔

يٰبَنِيَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ وَاَخِيْهِ وَلَا تَايْـئَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ۔ | اے میرے بیٹو! جاؤ یوسف اور ان کے بھائی کا سراغ لگاؤ اور اللہ کی رحمت سے نا امید نہ ہو۔

یعقوب علیہ السلام نے فرزندوں کو تلاش یوسف کے لیے حکم دیا۔ تلاش محبوب کے لیے سفر ثابت ہوا۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا۔ اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِيْ يَاْتِ بَصِيْرًا | میرا یہ کرتہ لے جاؤ۔ میرے باپ کے منہ پر ڈال دو ان کی آنکھیں کھل جائیں گی۔

علاج کے لیے سفر ثابت ہوا۔ فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰى اِلَيْهِ۔ | پھر جب وہ سب یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچے تو انہوں نے اپنے ماں باپ کو اپنے پاس جگہ دی۔

ملاقات فرزند کے لیئے سفر ثابت ہوا۔ فرزندان یعقوب علیہ السلام نے والد ماجد سے عرض کیا۔

فَاَرْسِلْ مَعَنَا اَخَانَا نَكْتَلْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۔ | ہمارے بھائی کو ہمارے ساتھ بھیجدیجئے ہم غلہ لائیں گے اور ان کی ضرور حفاظت کریں گے۔

روزی حاصل کرنے کے لیئے سفر ثابت ہوا۔ موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا۔

اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى۔ | فرعون کی طرف جاؤ کیونکہ وہ سرکش ہوگیا ہے۔

تبلیغ کے لیئے سفر ثابت ہوا۔ مشکوٰۃ کتاب العلم میں ہے۔

مَنْ خَرَجَ فِيْ طَلَبِ الْعِلْمِ فَهُوَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ | جو شخص تلاش علم میں نکلا وہ اللہ کی راہ میں ہے۔

حدیث میں ہے۔ اُطْلُبُوا الْعِلْمَ وَلَوْ كَانَ بِالصِّيْنِ۔ علم طلب کرو اگرچہ چین میں ہو۔ کریما میں ہے ؎

طلب کردن علم شد بر تو فرض ۔ دگر واجب است از پیش قطع ارض

علم کا طلب کرنا تجھ پر فرض ہے اس کے لیئے سفر بھی ضروری ہے طلب علم کے لیئے سفر ثابت ہوا۔

گلستان میں ہے ؎

بروا اندر جہاں تفرج کن ! پیش ازاں روز کز جہاں بروی

جاؤ دنیا کی سیر کرو مرنے سے پہلے۔ سیر کے لیے سفر ثابت ہوا۔ قرآن مجید میں ہے۔

قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ | کفار سے فرما دو کہ زمین میں سیر کرو اور دیکھو کہ کفار کا

كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ۔ | کیا انجام ہوا۔

جن ملکوں پر عذاب الٰہی آیا۔ ان کو دیکھ کر عبرت پکڑنے کے لیئے سفر ثابت ہوا۔

جب اس قدر سفر ثابت ہوئے تو مزارات اولیاء کی زیارت کے لیئے سفر کرنا بدرجہ اولیٰ ثابت ہوا یہ حضرات طبیب روحانی ہیں اور ان کے فیوض مختلف۔ ان کے مزارات پر پہنچنے سے شان الٰہی نظر آتی ہے کہ اللہ والے بعد وفات بھی دنیا پر راج کرتے ہیں اس سے ذوقِ عبادت پیدا ہوتا ہے ان کے مزارات پر دعا جلد قبول ہوتی ہے۔ شامی جلد اول بحث زیارت قبور میں ہے۔

وَهَلْ تُنْدَبُ الرِّحْلَةُ لَهَا كَمَا اعْتِيْدَ مِنَ الرِّحْلَةِ اِلٰى زِيَارَةِ خَلِيْلِ الرَّحْمٰنِ وَ زِيَارَةِ السَّيِّدِ الْبَدَوِيِّ لَمْ اَرَ مَنْ صَرَّحَ بِهٖ مِنْ اَئِمَّتِنَا وَمَنَعَ مِنْهُ بَعْضُ الْاَئِمَّةِ الشَّافِعِيَّةِ قِيَاسًا عَلٰى مَنْعِ الرِّحْلَةِ بِغَيْرِ الْمَسَاجِدِ الثَّلٰثِ وَرَدَّهُ الْغَزَالِيْ بِوُضُوْحِ الْفَرْقِ ۔

اور آیا زیارت قبور کے لیئے سفر کرنا مستحب ہے جیسے کہ آج کل خلیل الرحمٰن علیہ السلام اور سید بدوی علیہ الرحمۃ کی زیارت کیلئے سفر کرنیکا رواج ہے میں نے اپنے آئمہ میں سے کسی کی تصریح نہیں دیکھی بعض شافعی علماء نے منع کیا ہے مسجدوں کے سفر پر قیاس کرکے لیکن امام غزالی نے اس منع کی تردید کردی فرق واضح فرمادیا

شامی میں اسی جگہ ہے وَاَمَّا الْاَوْلِيَاءُ فَاِنَّهُمْ مُتَفَاوِتُوْنَ فِي الْقُرْبِ اِلَى اللّٰهِ وَنَفْعِ الزَّائِرِيْنَ بِحَسْبِ مَعَارِفِهِمْ وَاَسْرَارِهِمْ

لیکن اولیاء اللہ تقرب الی اللہ و زائرین کو نفع پہنچانے میں مختلف ہیں بقدر اپنے معروف و اسرار کے۔

مقدمہ شامی میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے مناقب میں امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل فرماتے ہیں۔

اِنِّيْ لَاَتَبَرَّكُ بِاَبِيْ حَنِيْفَةَ وَاَجِيْءُ اِلٰى قَبْرِهٖ فَاِذَا عَرَضَتْ لِيْ حَاجَةٌ صَلَّيْتُ رَكْعَتَيْنِ وَسَاَلْتُ اللّٰهَ عِنْدَ قَبْرِهٖ فَتُقْضٰى سَرِيْعًا ۔

میں امام ابوحنیفہ سے برکت حاصل کرتا ہوں اور ان کی قبر پر آتا ہوں اگر مجھے کوئی حاجت درپیش ہوتی ہے تو دو رکعتیں پڑھتا ہوں اور ان کی قبر کے پاس جاکر اللہ سے دعا کرتا ہوں تو جلد حاجت پوری ہوتی ہے۔

اس سے چند امور ثابت ہوئے۔ زیارت قبور کے لیئے سفر کرنا۔ کیونکہ امام شافعیؒ اپنے وطن فلسطین سے بغداد آتے تھے۔ امام ابوحنیفہ کی قبر کی زیارت کے لیئے رضی اللہ عنہ صاحب قبر سے برکت لینا ان کی قبروں کے پاس جاکر دعا کرنا۔ صاحب قبر کو ذریعہ حاجت روائی جاننا۔ نیز زیارات روضہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیئے سفر کرنا ضروری ہے۔ فتاویٰ رشیدیہ جلد اول کتاب الحظر والاباحۃ صفحہ ۵۹ میں ہے "زیارت

بزرگان کے لیئے سفر کر کے جانا علماء اہل سنت میں مختلف ہے بعض درست کہتے ہیں۔ اور بعض ناجائز دونوں اہل سنت کے علماء ہیں۔ مسئلہ مختلفہ ہے اس میں تکرار درست نہیں اور فیصلہ بھی ہم مقلدوں سے محال ہے ۔ رشید احمد عفی عنہ۔

اب کسی دیوبندی کو حق نہیں کہ سفر عرس سے کسی کو منع کرے کیونکہ مولوی رشید احمد صاحب تکرار کو منع فرماتے ہیں اور اس کا فیصلہ نہیں فرما سکتے۔ عقل بھی چاہتی ہے کہ یہ سفر زیارت جائز ہو۔ اسلیئے کہ ہم عرض کر چکے سفر کی حلت وحرمت اسکے مقصد سے معلوم ہوتی ہے اور سفر کا مقصد تو ہے زیارت قبر۔ اور یہ منع نہیں۔ کیونکہ زیارت قبر کی اجازت مطلقًا ہے اَلَا فَزُوْرُوْهَا تو سفر کیوں حرام ہوگا۔ نیز دینی و دنیاوی کاروبار کے لیئے سفر کیا ہی جاتا ہے۔ یہ بھی ایک دینی کام کے لیئے سفر ہے یہ کیوں حرام ہو؟۔

دوسرا باب

سفر عرس پر اعتراضات و جوابات

اعتراض (۱) مشکوٰۃ باب المساجد میں ہے۔

لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ اِلَّا اِلٰی ثَلٰثِ مَسٰجِدَ مَسْجِدُ الْحَرَامِ وَالْمَسْجِدُ الْاَقْصٰی وَمَسْجِدِیْ هٰذَا

تین مسجدوں کے سوا اور کسی طرف سفر نہ کیا جاوے مسجد بیت اللہ۔ مسجد بیت المقدس۔ اور میری یہ مسجد

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سوائے ان تین مسجدوں کے اور کسی طرف سفر جائز نہیں اور زیارت قبور بھی ان تینوں کے سوا ہے۔

جواب۔ اس حدیث کا یہ مطلب ہے کہ ان تین مسجدوں میں نماز کا ثواب زیادہ ملتا ہے چنانچہ مسجد بیت الحرام میں ایک نیکی کا ثواب ایک لاکھ کے برابر۔ بیت المقدس اور مدینہ پاک کی مسجد میں ایک نیکی کا ثواب پچاس ہزار کے برابر۔ لہٰذا ان مساجد میں یہ نیت کر کے دور سے آنا چونکہ فائدہ مند ہے جائز ہے لیکن کسی اور مسجد کی طرف سفر کرنا یہ سمجھ کر کہ وہاں ثواب زیادہ ملتا ہے محض لغو ہے اور ناجائز کیونکہ ہر جگہ کی مسجد میں ثواب یکساں ہے جیسے بعض لوگ دہلی کی جامع مسجد میں جمعۃ الوداع پڑھنے کیلئے سفر کر کے جاتے ہیں۔ یہ سمجھ کر وہاں ثواب زیادہ ہوتا ہے یہ ناجائز ہے تو سفر کرنا کسی مسجد کی طرف اور پھر زیادتی ثواب کی نیت سے منع ہوا۔ اگر حدیث کی یہ توجیہ نہ کی جاوے تو ہم پہلے باب میں بہت سے سفر

قرآن سے ثابت کرچکے ہیں وہ سب حرام ہونگے ۔آج تجارت کے لیئے ، علم دین کے لیئے ، دنیاوی کاموں کے لیئے صدہا قسم کے سفر کرتے ہیں ۔ وہ سب حرام ٹھہریں گے ۔چنانچہ اس حدیث کی شرح میں اشعۃ اللمعات میں ہے " وبعضے از علماء گفتہ اند کہ سخن در مساجد است یعنی در مسجدے دیگر جزایں مساجد سفر جائز نہ باشد واما مواضع دیگر جز مساجد خارج از مفہوم ایں کلام است ۔بعض علماء نے فرمایا ہے کہ یہاں کلام مسجدوں کے بارے میں ہے یعنی ان تین مسجدوں کے سوا کسی اور مسجد کی طرف سفر جائز نہیں مسجد کے علاوہ اور مقامات وہ اس کلام کے مفہوم سے خارج ہیں ۔مرقات شرح مشکوٰۃ میں اسی حدیث کے ماتحت ہے ۔

فِی الشَّرْحِ الْمُسْلِمِ لِلنَّوَوِیِّ قَالَ اَبُو مُحَمَّدٍ یَحْرُمُ شَدُّ الرِّحَالِ اِلٰی غَیْرِ الثَّلٰثَةِ وَهُوَ غَلَطٌ وَفِی الْاِحْیَاءِ ذَهَبَ بَعْضُ الْعُلَمَاءِ اِلَی الْاِسْتِدْلَالِ عَلَی الْمَنْعِ مِنَ الرِّحْلَةِ لِزِیَارَةِ الْمَشَاهِدِ وَقُبُوْرِ الْعُلَمَاءِ وَالصّٰلِحِیْنَ وَمَا تَبَیَّنَ لِیْ اَنَّ الْاَمْرَ لَیْسَ كَذٰلِكَ بَلِ الزِّیَارَةُ مَاْمُوْرٌ بِهَا لِخَبَرِ اَلَا فَزُوْرُوْهَا اِنَّمَا وَرَدَ نَهْیًا عَنِ الشَّدِّ بِغَیْرِ الثَّلٰثَةِ مِنَ الْمَسَاجِدِ لِتَمَاثُلِهَا وَاَمَّا الْمَشَاهِدُ فَلَا تُسَاوِیْ بَلْ بَرَكَةُ زِیَارَتِهَا عَلٰی قَدْرِ دَرَجَاتِهِمْ عِنْدَ اللهِ هَلْ یَمْنَعُ ذٰلِكَ الْقَائِلُ عَنْ شَدِّ الرِّحَالِ بِقُبُوْرِ الْاَنْبِیَاءِ كَاِبْرَاهِیْمَ وَمُوْسٰی وَیَحْیٰی وَالْمَنْعُ مِنْ ذٰلِكَ فِیْ غَایَةِ الْاِحَالَةِ وَالْاَوْلِیَاءُ فِیْ مَعْنَاهُمْ فَلَا یَبْعُدُ اَنْ یَّكُوْنَ ذٰلِكَ مِنْ اَغْرَاضِ الرِّحْلَةِ كَمَا اَنَّ زِیَارَةَ الْعُلَمَاءِ فِی الْحَیٰوةِ ۔

نووی کی شرح مسلم میں ہے کہ ابو محمد نے فرمایا کہ سوار ان تین مساجد کے اور طرف سفر کرنا حرام ہے مگر یہ محض غلط ہے احیاء العلوم میں ہے کہ بعض علماء متبرک مقامات اور قبور علماء کی زیارت کے لیئے سفر کرنے کو منع کرتے ہیں جو مجھ کو تحقیق ہوئی وہ یہ ہے کہ ایسا نہیں ہے بلکہ زیارت قبور کا حکم ہے ۔ اس حدیث کی وجہ سے کہ الا فزوروھا ان تین مساجد کے علاوہ اور کسی مسجد کی طرف سفر کرنے سے اس لیئے منع فرمایا گیا ہے کہ تمام مسجدیں یکساں ہیں لیکن مقامات متبرکہ یہ برابر نہیں بلکہ ان کی برکات بقدر درجات ہیں کیا یہ مانع انبیائے کرام کی قبور کے سفر سے بھی منع کریگا جیسے حضرت ابراہیم وموسیٰ ویحیٰی علیہم السلام اس سے منع کرنا سخت دشوار ہے اور اولیاء اللہ بھی انبیاء کے حکم میں ہیں پس کیا بعید ہے کہ ان کی طرف سفر کرنے میں بھی کوئی خاص غرض ہو ۔ جیسا کہ علماء کی زندگی میں ان کی زیارت کرنا ۔

اسی مشکوٰۃ کتاب الجہاد فی فضائلہ میں ہے ۔

لَا تَرْکَبُ الْبَحْرَ اِلَّا حَاجًا اَوْ مُعْتَمِرًا اَوْ غَازِیًا فَاِنَّ تَحْتَ الْبَحْرِ نَارًا اَوْ تَحْتَ النَّارِ بَحْرًا	دریا میں سوار نہ ہو مگر حاجی یا غازی یا عمرہ کرنیوالا کیسے کیا سوائے ان تینوں کے اوروں کو سفر دریا حرام ہے

غرضکہ حدیث کا وہی مطلب ہے جو کہ ہم نے عرض کر دیا۔ ورنہ دنیا کی زندگی مشکل ہو جاوے گی۔

اعتراض (۲) اللہ ہر جگہ ہے اس کی رحمت ہر جگہ۔ پھر کس چیز کو ڈھونڈنے کے لیئے اولیاء کے مزاروں پر سفر کر کے جاتے ہیں دینے والا رب ہے وہ ہر جگہ ہے۔

جواب: اولیاء اللہ رحمت رب کے دروازے ہیں۔ رحمت دروازوں ہی سے ملتی ہے ریل اپنی پوری لائن سے گزرتی ہے مگر اس کو حاصل کرنے کے لیئے اسٹیشن پر جانا ہوتا ہے اگر اور جگہ لائن پر کھڑے ہو گئے تو ریل گزریگی تو سہی مگر تم کو نہ ملے گی۔ آج دنیاوی مقاصد، نوکری، تجارت وغیرہ کیلئے سفر کیوں کرتے ہو۔ خدا رازق ہے وہ ہر جگہ دے گا۔ طبیب کے پاس بیمار سفر کر کے کیوں آتے ہیں خدا شافی الامراض ہے اور وہ تو ہر جگہ ہے آب و ہوا بدلنے کے لیئے پہاڑ اور کشمیر کا سفر کیوں کرتے ہو۔ وہاں کی آب و ہوا تو تندرستی کو مفید ہو۔ لیکن اولیاء کے مقامات کی آب و ہوا ایمان کو مفید نہ ہو۔ رب نے موسیٰ علیہ السلام کو حضرت خضر علیہ السلام کے پاس کیوں بھیجا؟ وہ سب کچھ ان کو یہاں ہی دے سکتا تھا۔ قرآن کریم میں ہے هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ معلوم ہوا کہ زکریا علیہ السلام نے حضرت مریم کے پاس کھڑے ہو کر بچے کے لیئے دعا کی یعنی ولیہ کے پاس دعا کرنا باعث قبول ہے۔ معلوم ہوا کہ قبور اولیاء کے پاس دعا زیادہ قبول ہوتی ہے۔

اعتراض (۳) جس درخت کے نیچے بیعت الرضوان ہوئی تھی لوگوں نے اسکو زیارت گاہ بنا لیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس وجہ سے اس کو کٹوا دیا تو قبور اولیاء کو زیارت گاہ بنانا فعل عمر رضی اللہ عنہ کے خلاف ہے۔

جواب: یہ محض غلط ہے حضرت عمر رضی اللہ نے اس درخت کو ہرگز نہیں کٹوایا، بلکہ وہ اصل درخت قدرتی طور پر لوگوں کی نگاہوں سے غائب ہو گیا تھا۔ اور لوگوں نے اس کے دھوکے میں دوسرے درخت کی زیارت شروع کر دی تھی اس غلطی سے بچانے کے لیئے فاروق اعظم نے اس دوسرے درخت کو کٹوایا۔ اگر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ تبرکات کی زیارت کے مخالف ہوتے تو حضور علیہ السلام کے بال مبارک تہبند شریف اور قبر انور سب ہی تو زیارت گاہ بنی ہوئی تھیں۔ ان کو کیوں باقی رہنے دیا۔ مسلم جلد دوم کتاب الامارت باب بیان بیعت الرضوان۔ بخاری جلد دوم باب غزوۃ الحدیبیہ میں ابن مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔

كَانَ	میرے والد بھی ان میں سے ہیں جنہوں نے

أَبِي مِمَّنْ بَايَعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ الشَّجَرَةِ قَالَ فَانْطَلَقْنَا فِي قَابِلٍ حَاجِّيْنَ فَخَفِيَ عَلَيْنَا مَكَانُهَا۔

بخاری میں ہے فَلَمَّا خَرَجْنَا مِنَ الْعَامِ الْمُقْبِلِ نَسِيْنَاهَا فَلَمْ نَقْدِرْ عَلَيْهَا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے درخت کے پاس بیعت کی تھی انہوں نے فرمایا کہ ہم سال آئندہ حج کے لیئے گئے۔ تو اسکی جگہ ہم پر مخفی ہو گئی۔ پس جبکہ ہم سال آئندہ گئے تو اس کو بھول گئے اور اس کو پا نہ سکے۔

پھر یہ کیونکہ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت فاروق اعظم نے اصل درخت کٹوا دیا۔

بحث ۱۸ کفنی یا الفی لکھنے کا بیان

اس بحث میں دو مسئلے ہیں اولاً تو قبر میں شجرہ یا غلاف کعبہ یا عہد نامہ یا دیگر تبرکات کا رکھنا۔ دوم مردے کے کفن یا پیشانی پر انگلی یا مٹی یا کسی چیز سے عہد نامہ یا کلمہ طیبہ لکھنا۔ یہ دونوں کام جائز اور احادیث صحیحہ اقوال فقہاء سے ثابت ہیں۔ مخالفین اس کے منکر ہیں۔ لہٰذا اس بحث کے بھی دو باب کیئے جاتے ہیں پہلے باب میں اس کا ثبوت۔ دوسرے میں اس پر اعتراضات وجوابات۔

پہلا باب
کفنی یا الفی لکھنے کے ثبوت میں

قبر میں بزرگان دین کے تبرکات اور غلاف کعبہ و شجرہ یا عہد نامہ رکھنا مردہ کی بخشش کا وسیلہ ہے قرآن فرماتا ہے وَابْتَغُوْا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ۔ یوسف علیہ السلام نے بھائیوں سے فرمایا تھا اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِيْ يَاْتِ بَصِيْرًا۔ میری قمیص لے جا کر والد ماجد کے منہ پر ڈال دو وہ انکھیارے ہو جائیں گے معلوم ہوا کہ بزرگوں کا لباس شفا بخشتا ہے۔ کیونکہ یہ ابراہیم علیہ السلام کی قمیص تھی۔ تو امید ہے کہ بزرگوں کا نام مردے کی عقل کھول دے اور جوابات یاد آجائیں۔

مشکوٰۃ باب غسل المیت میں ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب ہم زینب بنت رسول علیہ السلام کو غسل دے کر فارغ ہوئے تو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خبر دی۔ ہم کو حضور علیہ السلام نے اپنا تہبند شریف دیا اور فرمایا کہ اس کو تم کفن کے اندر جسم میت سے متصل رکھ دو۔ اس کے ماتحت لمعات

میں ہے ھٰذَا الْحَدِیْثُ اَصْلٌ فِی التَّبَرُّکِ بِاٰثَارِ الصّٰلِحِیْنَ وَلِبَاسِهِمْ کَمَا یَفْعَلُهٗ بَعْضُ مُرِیْدِی الْمَشَائِخِ مِنْ لُبْسِ اَقْمِصِهِمْ فِی الْقَبْرِ

یہ حدیث صالحین کی چیزوں اور انکے کپڑوں سے برکت لینے کی اصل ہے جیسا کہ مشائخ کے بعض مریدین قبر میں مشائخ کے کرتے پہنا دیتے ہیں۔

اسی حدیث کے ماتحت اشعۃ اللمعات شریف میں ہے "دریں جا استحباب تبرک است بلباس صلحین وآثار ایشاں بعد از موت در قبر چنانچہ قبل از موت نیز ہمچنیں بودہ" اس سے ثابت ہوا کہ صالحین کے لباس اور ان کے تبرکات سے بعد موت قبر میں بھی برکت لینا مستحب ہے جیسا کہ موت سے پہلے تھا یہ ہی شیخ عبدالحق دہلوی اخبار الاخیار میں اپنے والد ماجد سیف الدین قادری قدس سرہٗ کے احوال میں فرماتے ہیں: "چوں وقت رحلت قریب ترآمد فرمودند کہ بعض ابیات وکلمات کہ مناسب معنیٰ عفو ومغفرت باشد در کاغذے نبویسی وبا کفن ہمراہ کنی" جب انکی وفات کا وقت قریب ہوا تو فرمایا کہ بعضے وہ اشعار اور کلمات جو کہ عفو وبخشش کے مناسب ہوں کسی کاغذ پر لکھ کر میرے کفن میں ساتھ رکھ دینا شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہٗ اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں "شجرہ درقبر نہادن معمول بزرگان است لیکن ایں رادو طریق است اول اینکہ بر سینہ مردہ دروں کفن یا بالائے کفن گذارند ایں طریق را فقہاء منع مے کنند وطریق دوم ایں است کہ جانب سر مردہ اندروں قبر طاقچہ بگزارند ودراں کاغذ شجرہ را نہند" قبر میں شجرہ رکھنا بزرگان دین کا معمول ہے لیکن اس کے دو طریقے ہیں ایک یہ کہ مردے کے سینہ پر کفن کے اوپر یا نیچے رکھیں اس کو فقہاء منع کرتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ مردے کے سر کی طرف قبر میں طاقچہ بنا کر شجرہ کا کاغذ اس میں رکھیں۔ مشکوٰۃ باب غسل المیت میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام عبداللہ ابن ابی کی قبر پر تشریف لائے جبکہ وہ قبر میں رکھا جا چکا تھا۔ اس کو نکلوایا۔ اس پر اپنا لعاب دہن ڈالا۔ اور اپنی قمیص مبارک اس کو پہنائی۔ بخاری جلد اول کتاب الجنائز باب مَنْ اَعَدَّ الْکَفَنَ میں ہے کہ ایک دن حضور علیہ السلام تہبند شریف پہنے ہوئے باہر تشریف لائے۔ کسی نے وہ تہبند شریف حضور سے مانگ لیا۔ صحابہ کرام نے اس سے کہا کہ حضور علیہ السلام کو اس وقت تہبند کی ضرورت تھی اور سائل کو رد کرنا عادت کریمہ نہیں تم نے کیوں مانگ لیا۔ انہوں نے کہا وَاللہِ مَا سَئَلْتُهٗ لِاَلْبِسَهَا اِنَّمَا سَئَلْتُهٗ لِتَکُوْنَ کَفَنِیْ قَالَ سَهْلٌ فَکَانَتْ کَفَنَهٗ

اللہ کی قسم میں نے پہننے کیلئے نہیں لیا ہے میں نے تو اس لئے لیا ہے کہ یہ میرا کفن ہو سہل فرماتے ہیں کہ وہی اسکا کفن ہوا

ابونعیم نے معرفۃ الصحابہ میں اور دیلمی نے مسند الفردوس میں بسند حسن عبداللہ ابن عباس سے روایت کیا کہ سیدنا علی کی والدہ ماجدہ فاطمہ بنت اسد کو حضور علیہ السلام نے اپنی قمیص میں کفن دیا اور کچھ دیر ان کی قبر میں خود لیٹے۔ پھر ان کو دفن کیا۔ لوگوں نے وجہ دریافت کی تو فرمایا۔

اِنِّیْ اَلْبَسْتُھَا لِتَلْبَسَ مِنْ ثِیَابِ الْجَنَّۃِ وَاضْطَجَعْتُ مَعَھَا فِیْ قَبْرِھَا لِاُخَفِّفَ عَنْھَا ضَغْطَۃَ الْقَبْرِ۔	قمیص تو اسلیئے پہنائی کہ انکو جنت کا لباس ملے اور انکی قبر میں آرام۔ اسلیئے فرمایا کہ ان سے تنگی قبر دور ہو۔

ابن عبدالبر نے کتاب الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب میں فرمایا کہ امیر معاویہ رضی اللہ تعالےٰ نے بوقت انتقال وصیت فرمائی کہ مجھ کو حضور علیہ السلام نے اپنا ایک کپڑا عنایت فرمایا تھا وہ میں نے اسی دن کے لیئے رکھ چھوڑا ہے۔ اس قمیص پاک کو میرے کفن کے نیچے رکھ دینا۔

وَخُذْ ذٰلِکَ الشَّعْرَ وَالْاَظْفَارَ فَاجْعَلْہُ فِیْ فَمِیْ وَعَلٰی عَیْنِیْ وَمَوَاضِعِ السُّجُوْدِ مِنِّیْ۔	اور ان مبارک بالوں اور ناخنوں کو لو۔ اور انکو میرے منہ میں اور میری آنکھوں پر اور میرے اعضاء سجدہ پر رکھ دینا

حاکم نے مستدرک میں حمید ابن عبدالرحمٰن رواسی سے نقل کیا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس کچھ مشک تھا وصیت فرمائی مجھ کو اس سے خوشبو دینا اور فرمایا کہ یہ حضور علیہ السلام کی خوشبو کا بچا ہوا ہے۔ اس کے علاوہ دیگر حوالے بھی پیش کئے جاسکتے ہیں۔ اسی پر قناعت کرتا ہوں۔ زیادہ تحقیقات منظور ہو تو الحرف الحسن مصنفہ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کا مطالعہ کریں۔

میت کی پیشانی یا کفن پر عہدنامہ یا کلمہ طیبہ لکھنا۔ اسی طرح عہدنامہ قبر میں رکھنا جائز ہے۔ خواہ تو انگلی سے لکھا جاوے یا کسی اور چیز سے۔ امام ترمذی حکیم ابن علی نے نوادر الاصول میں روایت کی کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا

مَنْ کَتَبَ ھٰذَا الدُّعَاءَ وَجَعَلَہٗ بَیْنَ صَدْرِ الْمَیِّتِ وَکَفْنِہٖ فِیْ رُقْعَۃٍ لَمْ یَنَلْہُ عَذَابُ الْقَبْرِ وَلَا یَرٰی مُنْکَرًا وَّنَکِیْرًا۔	جو شخص اس دعا کو لکھے اور میت کے سینے اور کفن کے درمیان کسی کاغذ میں لکھ کر رکھے تو اس کو عذاب قبر نہ ہوگا اور نہ منکر نکیر کو دیکھے گا۔

فتاویٰ کبریٰ المکی میں اس حدیث کو نقل کرکے فرمایا۔

اَنَّ ھٰذَا الدُّعَاءَ لَہٗ اَصْلٌ وَّاَنَّ الْفَقِیْہَ ابْنَ عُجَیْلٍ کَانَ یَامُرُ بِہٖ ثُمَّ اَفْتٰی بِجَوَازِ کِتَابَتِہٖ قِیَاسًا عَلٰی کِتَابَۃِ اللّٰہِ فِیْ نَعَمِ الزَّکٰوۃِ۔	اس دعا کی اصل ہے اور فقیہ ابن عجیل اسکا حکم دیتے تھے اور اس کے لکھنے کے جواز کا فتویٰ دیتے تھے اس قیاس پر کہ زکوٰۃ کے اونٹوں پر اللہ لکھا جاتا ہے۔

وہ دعا یہ ہے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ، لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ، لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ (الحرف الحسن) میں ترمذی سے نقل کیا کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جو کوئی عہدنامہ پڑھے تو فرشتہ اُسے مہر لگا کر قیامت کے لیئے رکھ لے گا۔ جب بندے قبر سے اٹھائے جائیں گے تو فرشتہ وہ نوشتہ ساتھ لاکر ندا کرے گا کہ عہد والے کہاں ہیں؟ ان کو یہ عہدنامہ دیا جاوے گا امام ترمذی نے فرمایا کہ وَعَنْ طَاؤُسٍ اَنَّہٗ اَمَرَ بِھٰذِہِ الْکَلِمٰتِ فَکُتِبَ فِیْ کَفَنِہٖ (الحرف الحسن) حضرت طاؤس سے مروی ہے کہ انہوں نے حکم دیا تو ان کے کفن میں یہ کلمات لکھے گئے۔ وجیز امام کردری کتاب الاستحسان میں ہے۔

ذَکَرَ الْاِمَامُ الصَّفَّارُ لَوْ کُتِبَ عَلٰی جَبْھَۃِ الْمَیِّتِ اَوْ عَلٰی عِمَامَتِہٖ اَوْ کَفَنِہٖ عَھْدَ نَامَہْ یُرْجٰی اَنْ یَّغْفِرَ اللّٰہُ تَعَالٰی لِلْمَیِّتِ وَیَجْعَلَہٗ اٰمِنًا مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ۔

امام صفار نے فرمایا کہ اگر میت کی پیشانی یا عمامے یا کفن پر عہدنامہ لکھ دیا تو امید ہے کہ خدا میت کی بخشش فرما دے اور عذاب قبر سے امن دے۔

درمختار جلد اوّل باب الشہید سے کچھ قبل ہے۔

کُتِبَ عَلٰی جَبْھَۃِ الْمَیِّتِ اَوْ عِمَامَتِہٖ اَوْ کَفَنِہٖ عَھْدَ نَامَہْ یُرْجٰی اَنْ یَّغْفِرَ اللّٰہُ لِلْمَیِّتِ۔

میت کی پیشانی یا عمامہ یا کفن پر عہدنامہ لکھا تو اُمید ہے کہ رب تعالٰی اس کی مغفرت فرما دے۔

درمختار میں اسی جگہ ایک واقعہ نقل فرمایا کہ کسی نے وصیت کی تھی کہ اس کے سینہ یا پیشانی پر بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ لکھ دی جاوے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ کسی نے خواب میں دیکھا پوچھا کہ کیا گذری؟ اس نے کہا کہ بعد دفن ملائکہ عذاب آئے مگر جب انہوں نے بسم اللہ لکھی ہوئی دیکھی تو کہا کہ تو عذاب الٰہی سے بچ گیا۔ فتاوٰی بزازیہ میں کتاب الجنایات سے کچھ قبل ہے۔

وَذَکَرَ الْاِمَامُ الصَّفَّارُ لَوْ کُتِبَ عَلٰی جَبْھَۃِ الْمَیِّتِ اَوْ عَلٰی عِمَامَتِہٖ اَوْ کَفَنِہٖ عَھْدَ نَامَہْ یُرْجٰی اَنْ یَّغْفِرَ اللّٰہُ تَعَالٰی لِلْمَیِّتِ وَیَجْعَلَہٗ اٰمِنًا مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ قَالَ نُصَیْرٌ ھٰذِہٖ رِوَایَۃٌ فِیْ تَجْوِیْزِ ذٰلِکَ وَقَدْ رُوِیَ اَنَّہٗ کَانَ مَکْتُوْبًا عَلٰی اَفْخَاذِ اَفْرَاسٍ فِیْ

اگر میت کی پیشانی یا عمامہ یا کفن پر عہدنامہ لکھا تو امید ہے کہ اللہ اس کی بخشش کر دے اور اس کو عذاب قبر سے محفوظ رکھے۔ امام نصیر نے فرمایا کہ اس روایت سے معلوم ہوا کہ یہ لکھنا جائز ہے اور مروی ہے کہ فاروق اعظم کے اصطبل کے

اَصْطَبَلِ الْغَازِ وُقِ حُبِسَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ | گھوڑوں کی رانوں پر لکھا تھا حُبِسَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ
ان کے علاوہ اور بہت سی روایات فقیہہ پیش کی جا سکتی ہیں مگر ان ہی پر اکتفا کرتا ہوں - زیادہ تحقیق کے لیئے الحرف الحسن یا فتاوٰی رضویہ شریف کا مطالعہ کرو -

عقل بھی چاہتی ہے کہ یہ عہد نامہ وغیرہ لکھنا یا قبر میں رکھنا جائز ہو چند وجوہ سے - اولاً تو یہ کہ جب قبر کے اوپر سبز گھاس و پھول کی تسبیح سے میت کو فائدہ پہنچ سکتا ہے تو قبر کے اندر جو تسبیح وغیرہ لکھی ہوئی ہو اس سے فائدہ کیوں نہ پہنچے گا؟ دوم اس لیئے کہ قبر کے باہر سے میت کو تلقین کرنے کا حکم ہے کہ اللہ کا نام اس کے کان میں پہنچ جاوے تاکہ اس امتحان میں کامیاب ہو تو وہ ہی اللہ کا نام لکھا ہوا دیکھ کر بھی مردے کو جواب نکیرین یاد آنے کی امید ہے یہ بھی ایک قسم کی تلقین ہے اور حدیث لَقِّنُوْا مَوْتَاکُمْ میں تلقین مطلق ہے ہر طرح درست ہے لکھ کر یا کہہ کر تیسرے اس لیئے کہ اللہ والوں کے نام کی برکت سے مصیبت ٹلتی ہے - جلی ہوئی آگ بجھتی ہے - گھبرایا ہوا دل قرار پاتا ہے - رب فرماتا ہے اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ اللہ کے ذکر سے دل چین میں آتے ہیں - تفسیر نیشاپوری و روح البیان سورہ کہف زیر آیت مَا یَعْلَمُہُمْ اِلَّا قَلِیْلٌ اور تفسیر صاوی شریف میں اسی آیت کے ماتحت ہے - کہ اصحاب کہف کے نام اتنے جگہ کام آتے ہیں - گمی چیز[۱] تلاش کرنا - جنگ[۲] کے وقت بھاگتے وقت[۳] آگ بجھانے[۴] کے لیئے ایک کاغذ پر لکھ کر آگ میں ڈال دو - بچہ[۵] کے رونے کے وقت لکھ کر گہوارے میں بچہ کے سر کے نیچے رکھ دیئے جاویں - اور کھیتی[۶] کے لیئے اگر کسی کاغذ پر لکھ کر لکڑی میں لگا کر درمیان کھیت میں کھڑی کر دی جاوے - اور بخار[۷] درد سر[۸] کے لیئے حاکم[۹] کے پاس جانے کے وقت سیدھی ران[۱۰] پر لکھ کر باندھے مال کی حفاظت[۱۱] کیلئے - دریا[۱۲] میں سوار ہونے وقت اور قتل[۱۳] سے بچنے کے لیئے راز الحرف الحسن وتفسیر خزائن العرفان و جمل) عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ اصحاب کہف سات ہیں یملیخا مکشلینا مشلینا، مرنوش، دبرنوش، شاذنوش، مرطوش در روح البیان سورہ کہف آیت مَا یَعْلَمُہُمْ اِلَّا قَلِیْلٌ) محدثین کبھی اسناد صحیح نقل کرکے فرما دیتے ہیں لَوْ قُرِءَتْ ھٰذِہِ الْاِسْنَادُ عَلٰی مَجْنُوْنٍ لَبَرِءَ مِنْ جُنُوْنِہٖ اگر یہ اسناد کسی دیوانے پر پڑھی جاتے تو اس کو آرام ہو جاوے اسناد میں کیا ہے بزرگان دین، راویان حدیث کے نام ہی تو ہیں - اصحاب بدر کے نام کے وظیفے پڑھے جاتے ہیں - تو زندگی میں تو ان بزرگوں کے نام فائدہ مند ہوں - اور بعد موت بیکار ہوں - یہ نہیں ہو سکتا ضرور ان سے فائدہ ہوگا لہذا

میت کے لیئے کفن وغیرہ پر ضرور عہدنامہ لکھا جاوے۔

دُوسرا باب

کفنی لکھنے پر اعتراضات وجوابات

اس مسئلہ پر حسب ذیل اعتراضات ہیں۔

اعتراض (۱) وہ ہی پرانا سبق کہ کفنی (الفی) لکھنا بدعت ہے۔لہذا حرام ہے۔

جواب:۔ ہماری گذشتہ تقریر سے معلوم ہو چکا کہ یہ بدعت نہیں۔اس کی اصل ثابت ہے اور اگر بدعت بھی ہو۔تو ہر بدعت حرام نہیں۔دیکھو ہماری بدعت کی تحقیق۔

اعتراض (۲) کفنی کو تلقین سمجھنا غلط ہے کیونکہ اگر مردہ بے پڑھا ہے تو سوالات کے وقت لکھا ہوا کیسے پڑھے گا۔

جواب:۔ بعد موت ہر شخص تحریر پڑھ سکتا ہے۔جہالت اس عالم میں ہوسکتی ہے وہاں نہیں۔حدیث پاک میں آتا ہے کہ اہل جنت کی زبان عربی ہے (دیکھو شامی کتاب الکراہیت) حالانکہ بہت جنتی دنیا میں عربی سے ناواقف ہیں اسی طرح ہر مرنے سے عربی میں ملائکہ سوال کرتے ہیں اور وہ عربی سمجھ لیتا ہے رب تعالیٰ نے میثاق کے دن عربی ہی میں سب سے عہدو پیمان لیا تو کیا مرنیکے بعد میت کو کسی مدرسہ میں عربی پڑھائی جاتی ہے؟ نہیں بلکہ خود بخود آجاتی ہے۔قیامت کے دن سب کو نامۂ اعمال لکھے ہوئے ہی دیئے جاویں گے۔اور جاہل وعالم سب ہی پڑھیں گے۔جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مرنے کے بعد ہر شخص عربی سمجھتا ہے اور لکھا ہؤا پڑھ لیتا ہے لہذا یہ تحریر اس کے لیئے مفید ہے۔

اعتراض (۳) علامہ شامی نے شامی جلد اول میں باب التشہد کے کچھ قبل کفن پر لکھنے کو منع فرمایا۔اسی طرح شاہ عبدالعزیز صاحب نے فتاویٰ عزیزیہ میں اس کو منع فرمایا کیونکہ جب میت پھولے پھٹیگی تو اس کے پیپ وخون میں یہ حروف خراب ہوں گے۔اور ان کی بے ادبی ہوگی لہذا یہ ناجائز ہے (مخالفین عام طور پر یہ ہی سوال کرتے ہیں)

جواب:۔ اس کے چند جوابات ہیں اوّلاً تو یہ کہ دلیل دعوی کے مطابق نہیں دعویٰ تو یہ ہے کہ قبر میں کسی قسم کی تحریر رکھنا جائز نہیں مگر اس دلیل سے معلوم ہؤا کہ روشنائی یا مٹی سے لکھ کر کفن میں رکھنا منع ہے

اور اگر انگلی سے میت کی پیشانی یا سینے پر کچھ لکھ دیا یا کہ عہدنامہ قبر میں طاقچہ میں رکھ دیا تو جائز۔ اس میں حروف کی بے ادبی کا اندیشہ نہیں۔ لہذا یہ اعتراض آپ کے لئے کافی نہیں۔ دوم یہ کہ علامہ شامی نے مطلقاً تحریر کو منع نہ فرمایا۔ اسی مقام پر خود فرماتے ہیں۔

نَعَمْ نُقِلَ عَنْ بَعْضِ الْمُحَشِّيْنَ عَنْ فَوَائِدِ الشَّرْجِيِّ اَنَّ مِمَّا يُكْتَبُ عَلٰى جَبْهَةِ الْمَيِّتِ بِغَيْرِ مِدَادٍ بِالْاِصْبَعِ الْمُسَبِّحَةِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَعَلَى الصَّدْرِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَذٰلِكَ بَعْدَ الْغُسْلِ قَبْلَ التَّكْفِيْنِ۔

بعض محققین نے فوائد الشرجی سے نقل کیا کہ میت کی پیشانی پر انگلی سے بغیر روشنائی لکھ دیا جاوے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور سینے پر لکھ دیا جاوے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ اور یہ تحریر غسل کے بعد کفن دینے سے پہلے ہو۔

معلوم ہوا کہ تحریر کو مطلقاً منع نہیں فرمایا۔ تیسرے یہ کہ علامہ شامی نے فتاویٰ بزازیہ سے فتویٰ جواز نقل فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اکابر حنفیہ جواز کے قائل ہیں اور فتاویٰ ابن حجر نے فتویٰ حرمت نقل کیا ابن حجر شافعی ہیں تو کیا احناف کے حکم کے مقابل شوافع کے فتوے پر عمل ہوگا؟ ہرگز نہیں۔ نیز فتویٰ حرمت صرف شیخ ابن حجر کا اپنا قول ہے کسی سے نقل نہیں فرماتے چوتھے یہ کہ میت کے پھولنے پھٹنے کا یقین نہیں بہت سی میتیں نہیں پھولتی پھٹتیں۔ تو صرف بے ادبی کے وہم سے مردہ کو فائدہ سے محروم رکھنا کہاں کا انصاف ہے؟ پانچویں یہ کہ ہم نے پہلے باب میں صحابہ کرام کے افعال نقل کیے کہ انہوں نے اپنے کفنوں میں حضور علیہ السلام کے تبرکات رکھنے کی وصیت کی۔ خود حضور علیہ السلام نے اپنا تہبند شریف اپنی لخت جگر زینب بنت رسول اللہ کے کفن میں رکھوایا حضرت طاؤس نے اپنے کفن پر دعائیہ کلمات لکھنے کی وصیت کی۔ کہیئے کیا یہاں خون و پیپ میں لتھڑنے کا اندیشہ نہ تھا؟ یا کہ یہ چیزیں معظم نہ تھیں چھٹے یہ کہ مسئلہ شرعی یہ ہے کہ متبرک چیزوں کا نجاست میں ڈالنا حرام ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص اچھی نیت سے پاک جگہ ضرورتاً رکھے تو صرف احتمال تلوث سے وہ ناجائز نہیں ہوگا۔ اس کے بہت سے دلائل ہیں آب زمزم نہایت متبرک پانی ہے اس سے استنجا کرنا حرام ہے مگر اس کا پینا جائز۔ آیات قرآنیہ لکھ کر دھو کر پینا مباح۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پس خوردہ مبارک کھانا پینا جائز حلال۔ حالانکہ یہ پیٹ میں پہنچ کر مثانہ میں جاتے ہیں اور وہاں سے پیشاب بن کر خارج ہوں گے۔ پہلے باب میں ہم نقل کر چکے۔ کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے اصطبل کے گھوڑوں کی رانوں پر لکھا تھا۔ حُبِسَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ حالانکہ وہاں لکھنے میں پیشاب کی چھینٹیں

پڑنے کا احتمال قوی ہے گھوڑے نجس زمین پر بھی لوٹتے ہیں مگر اس کا اعتبار نہ ہوا۔ اسی دلیل سے امام نصیر اور امام صفار جو کہ احناف کے جلیل القدر امام ہیں اس تحریر کو جائز فرماتے ہیں۔ رہا شیخ ابن حجر رضی اللہ عنہ کا یہ فرمانا کہ فاروق اعظم کے گھوڑوں کی یہ تحریر امتیاز کے لیئے تھی لہذا اس کا حکم اور ہو گیا یہ صحیح نہیں کیونکہ کسی مقصد کے لیئے ہو حروف تو وہ ہی ہیں نیت کے فرق سے حروف کا حکم نہیں بدلتا غرضکہ یہ اعتراض محض لغو ہے۔ حدیث اور عمل صحابہ اور اقوال آئمہ کے مقابلہ میں کسی غیر مجتہد شافعی المذہب کا محض قیاس معتبر نہیں۔ ہاں کسی امام حنفی کا قول یا کہ صریح حدیث ممانعت کی پیش کرو۔ اور وہ تو نہ ملے گی۔ ساتویں یہ کہ علماء کے قول سے استحباب یا جواز ثابت ہو سکتا ہے مگر کراہیت کے لیئے دلیل خاص کی ضرورت ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں۔ تو ان اقوال میں قول استحباب قابل قبول ہے نہ کہ یہ قول کراہت کیونکہ بلا دلیل ہے۔

اعتراض (۴) عہدنامہ یا شجرہ قبر میں رکھنا اسراف ہے کیونکہ وہاں رہ کر کسی کے کام تو آویگا۔ نہیں برباد ہو جاوے گا۔ اور اسراف حرام ہے۔

جواب: چونکہ اس سے میت کو بہت سے فائدے ہیں اور میت کے کام آتا ہے لہذا بیکار نہیں تو اسراف بھی نہیں۔

اعتراض (۵) حضور علیہ السلام نے عبداللہ ابن ابی منافق کو اس کے مرنے کے بعد اپنی قمیص پہنائی اور اس کے منہ میں اپنا لعاب دہن ڈالا مگر اسے کچھ فائدہ نہ ہوا۔ معلوم ہوا کہ کفنی بیکار ہے۔ نیز پتہ لگا۔ کہ حضور کو علم غیب نہیں۔ ورنہ آپ اس کو اپنا لعاب دہن ولباس نہ دیتے۔ نیز معلوم ہوا کہ نبی کے اجزائے بدن دوزخ میں جا سکتے ہیں۔ کیونکہ عبداللہ ابن ابی منافق دوزخی ہے اور اس کے منہ میں حضور کا لعاب۔ لہذا لعاب بھی وہاں ہی پہنچا۔

جواب: اس واقعہ سے تو کفنی دینے کا ثبوت ہوا کیونکہ حضور علیہ السلام نے منافق کو اپنی قمیص بطور کفنی ہی پہنائی تھی۔ ہاں یہ معلوم ہوا کہ ایمان کے بغیر یہ تبرکات فائدہ مند نہیں۔ ہم بھی یہ ہی کہتے ہیں کہ مومن میت کو کفنی مفید ہے نہ کہ کافر کو۔ حضور علیہ السلام کو عبداللہ ابن ابی کا منافق ہونا معلوم تھا کہ آپ ہی کے بتائے سے ہم نے جانا۔ یہ بھی خبر تھی کہ ایمان کے بغیر تبرکات مفید نہیں۔ کیونکہ یہ عقائد کا مسئلہ ہے جس کا علم نبی کو ضروری ہے۔ جب کسان بنجر و قابل پیداوار زمین کو پہچانتا ہے تو نبی ایمان کی زمین یعنی

انسانی دلوں کو کیوں نہ جانیں۔ تین وجہ سے آپ نے اسے تبرکات دیئے ایک تو اس کا بیٹا مخلص مومن تھا۔ جس کی دلجوئی منظور تھی۔ دوسرے اس نے ایک بار حضرت عباس کو اپنی قمیص پہنائی تھی۔ آپ نے چاہا کہ میرے چچا پر اس کا احسان نہ رہ جائے تیسرے اپنے رحمت عالم ہونے کا اظہار کیا تھا کہ ہم تو ہر ایک پر کرم فرمانے کو تیار ہیں کوئی فیض لے یا نہ لے، بادل ہر زمین پر برستا ہے مگر نالی وغیرہ گندی زمین اس سے فائدہ نہیں لیتی۔ نبی کے اجزاء تے بدن اسی حالت میں رہ کر دوزخ میں نہیں جا سکتے۔ ملائکہ نے وہ لعاب اس کے منہ میں جذب نہ ہونے دیا بلکہ نکال دیا ہوگا۔ کنعان ابن نوح کا دوزخ میں جانا شکل انسانی میں ہے یعنی وہ نطفہ جب کچھ اور بن گیا تب جہنم میں گیا۔ ورنہ حضرت طلحہ نے حضور کے فصد کا خون پیا تو فرمایا کہ تم پر آتش دوزخ حرام ہے۔

بحث ۱۹ بلند آواز سے ذکر کرنا

پنجاب وغیرہ میں قاعدہ ہے کہ بعد نماز فجر و عشاء بلند آواز سے درود شریف پڑھتے ہیں مخالفین اس کو حرام کہتے ہیں اور طرح طرح کے حیلوں سے اس کو روکنا چاہتے ہیں ایک حیلہ یہ ہے کہ ذکر بالجہر بدعت ہے اصول حنفیہ کے خلاف ہے۔ اس سے نمازی لوگ نماز میں بھول جاتے ہیں۔ لہذا یہ حرام ہے ذکر بالجہر جائز بلکہ بعض موقعوں پر ضروری ہے لہذا اس بحث کے دو باب کیے جاتے ہیں۔ پہلے باب میں اس کا ثبوت۔ دوسرے میں اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات۔

پہلا باب

ذکر بالجہر کے ثبوت میں

ذکر بالجہر جائز ہے اور قرآن و حدیث و اقوال علماء سے ثابت ہے قرآن فرماتا ہے فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا اللہ کا اس طرح ذکر کرو جس طرح اپنے باپ دادوں کا ذکر کرتے ہو بلکہ اس سے زیادہ۔ کفار مکہ حج سے فارغ ہو کر مجمعوں میں اپنی قومی خوبیاں اور نسبی عظمتیں بیان کیا کرتے تھے اس کو منع فرمایا۔ اور اسکی جگہ ذکر اللہ کرنے کا حکم دیا۔ اور ظاہر ہے کہ یہ بالجہر ہی ہوگا۔ اسی لیئے تلبیہ بلند آواز سے پڑھنا سنت ہے خاصکر جماعتوں کے ملنے کے وقت۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۔ | جب قرآن پڑھا جاوے تو کان لگا کر سنو۔ اور خاموش رہو۔

معلوم ہوا کہ بلند آواز سے تلاوت جائز ہے۔ ذکر بالجہر ہی سنا جا سکتا ہے نہ کہ ذکر خفی (تفسیر کبیر یہ ہی آیت) مشکوٰۃ باب الذکر بعد الصلوٰۃ میں ہے۔

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا سَلَّمَ مِنْ صَلٰوتِهٖ يَقُوْلُ بِصَوْتِهِ الْاَعْلٰى لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ۔ | حضور علیہ السلام جب اپنی نماز سے فارغ ہوتے تو بلند آواز سے فرماتے تھے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ مشکوٰۃ میں اسی جگہ ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كُنْتُ اَعْرِفُ اِنْقِضَاءَ صَلٰوةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالتَّكْبِيْرِ | عبد اللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ میں تکبیر کی آواز سے حضور علیہ السلام کی نماز کا اختتام معلوم کرتا تھا۔

یعنی عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ بوجہ صغر سنی کے بعض جماعت نماز میں حاضر نہ ہوتے تھے فرماتے ہیں کہ نماز کے بعد مسلمان اس قدر بلند آواز سے تکبیر کہتے تھے کہ ہم گھروں کے لوگ سمجھ جاتے تھے کہ اب نماز ختم ہوئی۔ لمعات میں اسی حدیث کے ماتحت ہے۔

اِنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ كَانَ لَمْ يَحْضُرِ الْجَمَاعَةَ لِاَنَّهٗ كَانَ صَغِيْرًا مِمَّنْ لَا يُوَاظِبُ عَلٰى ذٰلِكَ | حضرت ابن عباس بچے تھے اس لیے جماعت میں پابندی سے نہ آتے تھے۔

مسلم جلد اول باب الذکر بعد الصلوٰۃ میں ان ہی ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اِنَّ رَفْعَ الصَّوْتِ بِالذِّكْرِ حِيْنَ يَنْصَرِفُ النَّاسُ مِنَ الْمَكْتُوْبَةِ كَانَ عَلٰى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ یعنی فرائض سے فارغ ہو کر بلند آواز سے ذکر اللہ کرنا حضور علیہ السلام کے زمانہ میں مروج تھا۔ مشکوٰۃ باب ذکر اللہ عزوجل میں ہے کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

فَاِنْ ذَكَرَنِيْ فِيْ نَفْسِهٖ ذَكَرْتُهٗ فِيْ نَفْسِيْ وَاِنْ ذَكَرَنِيْ فِيْ مَلَاءٍ ذَكَرْتُهٗ فِيْ مَلَاءٍ خَيْرٍ مِنْهُمْ۔ | جو شخص مجھ کو اپنے دل میں یاد کرے تو ہم بھی اس کو اپنے نفس میں یاد کرتے ہیں اور جو مجمع میں ہمارا ذکر کرے تو ہم بھی اس سے بہتر مجمع میں اس کا ذکر فرماتے ہیں (یعنی مجمع ملائکہ میں) جامع صغیر میں ہے۔

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ | حضرت انس سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے

سَلَّمَ اَكْثِرُوْا فِي الْجَنَازَةِ قَوْلَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ | فرمایا کہ جنازہ میں لا الٰہ الا اللہ زیادہ کہا کرو۔

اس سے معلوم ہوا کہ جنازے کے ساتھ کلمہ طیبہ پڑھنا یا کوئی اور ذکر کرنا ہر طرح جائز ہے بلند آواز سے ہو یا خفیہ رسالہ اذکار مطبوعہ دہلی مصنفہ شیخ محمد تھانوی مولوی رشید احمد صاحب کے استاد حدیث صفحہ ۱۹ میں ہے

اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَجْهَرُ مَعَ الصَّحَابَةِ بِالْاَذْكَارِ وَالتَّهْلِيْلِ وَالتَّسْبِيْحِ بَعْدَ الصَّلٰوةِ | حضور علیہ السلام نماز کے بعد صحابہ کرام کے ساتھ تسبیح و تہلیل بلند آواز سے پڑھتے تھے۔

تفسیر روح البیان پارہ ۴ زیر آیت رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ہے۔

الذِّكْرُ بِرَفْعِ الصَّوْتِ جَائِزٌ بَلْ مُسْتَحَبٌّ اِذَا لَمْ يَكُنْ عَنْ رِيَاءٍ لِيَغْتَنِمَ النَّاسُ بِاِظْهَارِ الدِّيْنِ وَوُصُوْلِ بَرَكَةِ الذِّكْرِ اِلَى السَّامِعِيْنَ فِي الدُّوْرِ وَالْبُيُوْتِ وَيُوَافِقَ الذَّاكِرَ مَنْ سَمِعَ صَوْتَهٗ وَيَشْهَدَ لَهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كُلُّ رَطْبٍ وَيَابِسٍ سَمِعَ صَوْتَهٗ | بلند آواز سے ذکر کرنا جائز بلکہ مستحب ہے جبکہ ریا سے نہ ہو تاکہ دین کا اظہار ہو۔ ذکر کی برکت گھروں میں سامعین تک پہنچے اور جو کوئی اس کی آواز سے ذکر میں مشغول ہو جاوے اور قیامت کے دن ہر خشک وتر ذاکر کے ایمان کی گواہی دے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ذکر بالجہر میں بہت سے دینی فائدے ہیں۔ تفسیر خازن و روح البیان پارہ ۶ میں زیر آیت وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ایک روایت نقل کی کہ حضور علیہ السلام نے سیدنا ابو موسیٰ اشعری سے فرمایا کہ آج رات ہم نے تمہاری قرأت قرآن سنی تم کو تو داؤدی آواز دی گئی ہے۔ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

فَقُلْتُ اَمَا وَاللّٰهِ لَوْ عَلِمْتُ اَنَّكَ تَسْمَعُ لَحَبَّرْتُهٗ تَحْبِيْرًا اَلتَّحْبِيْرُ حُسْنُ الصَّوْتِ۔ | میں نے عرض کیا کہ رب کی قسم اگر مجھے خبر ہوتی کہ میرا قرآن صاحب قرآن سن رہے ہیں صلی اللہ علیہ وسلم تو میں اور بھی آواز بنا کر پڑھتا۔

(۱) حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ اولاً یہ کہ صحابہ کرام بلند آواز سے ذکر کرتے تھے کہ باہر آواز آتی تھی دوسرے یہ کہ ذکر اللہ تلاوت قرآن عبادت الٰہی ہے اور عین عبادت میں حضور علیہ السلام کو خوش کرنا صحابہ کرام کی تمنا تھی ۔

حَمَامَةَ جَرْعَى حَوْمَةِ الْجَنْدَلِ اسْجَعِيْ ✦ فَاَنْتِ بِمَرْاٰى مِنْ سُعَادٍ وَّمَسْمَعِيْ

مشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ باب صلوٰۃ اللیل میں روایت ہے کہ ایک شب حضور علیہ السلام اپنے جانثار صحابہ کرام کا امتحان لینے کے لیے تشریف لے گئے کہ ان کے رات کے مشاغل کو ملاحظہ فرماویں۔ ملاحظہ فرمایا کہ صدیق اکبر تو پست آواز سے قرآن پڑھ رہے ہیں اور فاروق اعظم خوب بلند آواز سے صبح کو ان صاحبوں سے وجہ دریافت فرمائی تو صدیق نے عرض کیا کہ اَسْمَعْتُ مَنْ نَاجَيْتُ مِنْهُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ یا حبیب اللہ جس کو سنانا منظور تھا اس

کو میں نے سنا یا یعنی رب کو فاروق اعظم نے عرض کیا کہ اُوْقِظُ الْوَسْنَانَ وَاَطْرُدُ الشَّیْطٰنَ سوتوں کو جگا رہا تھا۔ شیطان کو بھگا رہا تھا۔ سبحان اللہ دونوں جواب مبارک ہیں کسی پر ناراضگی نہ فرمائی۔ بلکہ فرمایا صدیق تم اپنی آواز کچھ بلند کرو۔ اور فاروق تم کچھ پست کرو۔ صلی اللہ علیہ وعلیہم اجمعین۔

مشکوٰۃ کتاب اسماء اللہ تعالیٰ میں حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بار میں حضور علیہ السلام کے ہمراہ عشاء کے وقت مسجد میں گیا۔ دیکھا کہ ایک شخص بلند آواز سے قرآن پڑھ رہا ہے میں نے عرض کیا کہ یا حبیب اللہ یہ ریاکار ہے فرمایا بَلْ مُؤْمِنٌ مُنِیْبٌ نہیں بلکہ توبہ کرنیوالا مومن ہے عالمگیری کتاب الکراہیۃ باب چہارم فی الصلوٰۃ والتسبیح وقرءۃ القرآن میں ہے۔ قَاضٍ عِنْدَہٗ جَمْعٌ عَظِیْمٌ یَرْفَعُوْنَ اَصْوَاتَهُمْ بِالتَّسْبِیْحِ وَالتَّهْلِیْلِ جُمْلَةً لَا بَاْسَ بِهٖ کسی قاضی کے پاس بہت بڑی جماعت ہو اور وہ سب مل کر بلند آواز سے سبحان اللہ یا لا الہ الا اللہ کہیں تو اس میں حرج نہیں۔

عالمگیری میں اسی جگہ ہے اَلْاَفْضَلُ فِیْ قِرَاءَةِ الْقُرْاٰنِ خَارِجَ الصَّلٰوةِ الْجَهْرُ۔ نماز کے علاوہ بہتر ہے کہ قرآن بلند آواز سے پڑھے۔

عالمگیری یہ ہی مقام اَمَّا التَّسْبِیْحُ وَالتَّهْلِیْلُ لَا بَاْسَ بِذٰلِكَ وَاِنْ رَفَعَ صَوْتَهٗ سبحان اللہ یا لا الہ الا اللہ کہنے میں حرج نہیں۔ اگرچہ بلند آواز سے کہے۔ شامی جلد اول مطلب فی احکام المسجد سے متصل ہے۔ اَجْمَعَ الْعُلَمَاءُ سَلَفًا وَخَلْفًا عَلٰی اِسْتِحْبَابِ ذِکْرِ الْجَمَاعَةِ فِی الْمَسْجِدِ اِلَّا اَنْ تُشَوِّشَ جَهْرُهُمْ عَلٰی نَائِمٍ اَوْ مُصَلٍّ اَوْ قَارِیٍ متقدمین اور متاخرین علماء نے اس پر اتفاق کیا کہ مسجدوں میں جماعتوں کا بلند آواز سے ذکر کرنا مستحب ہے مگر یہ کہ انکے جہر سے کسی سونے والے یا نمازی یا قاری کو پریشانی نہ ہو۔

شامی میں اسی جگہ ہے فَقَالَ بَعْضُ اَهْلِ الْعِلْمِ اِنَّ الْجَهْرَ اَفْضَلُ لِاَنَّهٗ اَكْثَرُ عَمَلًا وَلِتَعَدِّیْ فَائِدَتِهٖ اِلَی السَّامِعِیْنَ وَیُوْقِظُ قَلْبَ الْغَافِلِیْنَ فَیَجْمَعُ هَمَّهٗ اِلَی الذِّكْرِ وَیَصْرِفُ سَمْعَهٗ اِلَیْهِ وَیُطْرِدُ النَّوْمَ وَیَزِیْدُ النَّشَاطَ۔ بعض اہل علم نے فرمایا ہے کہ بلند آواز سے ذکر کرنا افضل ہے کیونکہ اس میں کام زیادہ ہے اور اس کا فائدہ سننے والوں کو بھی پہنچتا ہے اور یہ غافلوں کے دل کو بیدار کرتا ہے انکے خیالات اور انکے کانوں کو ذکر الٰہی کی طرف کھینچتا، نیند کو بھگاتا ہے خوشی بڑھاتا ہے۔

درمختار باب صلوٰۃ العیدین بحث تکبیر تشریق میں ہے۔

وَلَا یُمْنَعُ الْعَامَّةُ مِنَ التَّكْبِیْرِ فِی الْاَسْوَاقِ بقر عید کے دس دنوں میں عام مسلمانوں کو بازاروں

فِي الْاَيَّامِ الْعَشْرِ وَبِهٖ نَاخُذُ۔ | میں نعرہ تکبیر کہنے سے نہ روکو اسی کو ہم اختیار کرتے ہیں

غالباً اس زمانہ میں عوام عید کے دنوں میں بازاروں میں نعرہ تکبیر لگاتے ہوں گے یہ اگرچہ بدعت ہے مگر فرمایا کہ اس سے منع نہ کرو۔ اسی عبارت کے ماتحت شامی میں ہے۔

قِيْلَ لِاَبِيْ حَنِيْفَةَ يَنْبَغِيْ لِاَهْلِ الْكُوْفَةِ وَغَيْرِهَا اَنْ يُّكَبِّرُوْا اَيَّامَ الْعَشْرِ فِي الْاَسْوَاقِ وَالْمَسَاجِدِ قَالَ نَعَمْ قَالَ الْفَقِيْهُ اَبُوْ جَعْفَرٍ وَالَّذِيْ عِنْدِيْ اَنَّهٗ لَا يَنْبَغِيْ اَنْ تُمْنَعَ الْعَامَّةُ عَنْهُ لِقِلَّةِ رَغْبَتِهِمْ فِي الْخَيْرِ وَبِهٖ نَاخُذُ فَاَفَادَ اَنَّ فِعْلَهٗ اَوْلٰی۔

امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ کیا کوفہ وغیرہ کے لوگوں کو یہ مستحب ہے کہ عشرہ ذی الحجہ میں بازاروں اور مسجدوں میں تکبیر کہیں فرمایا کہ ہاں امام ابو جعفر قدس سرہٗ نے فرمایا کہ میرا خیال ہے کہ عوام کو اس تکبیر سے نہ روکا جاوے کیونکہ وہ پہلے ہی کار خیر میں کم رغبت رکھتے ہیں اسی کو ہم اختیار کرتے ہیں

اس سے معلوم ہوا کہ یہ بازاروں کی تکبیریں مستحب ہیں۔

کتاب الاذکار مصنفہ امام نووی کتاب الصلوٰۃ علی النبی میں ہے يُسْتَحَبُّ لِقَارِي الْحَدِيْثِ وَغَيْرِهٖ مِمَّنْ فِيْ مَعْنَاهُ اِذَا ذُكِرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّرْفَعَ صَوْتَهٗ بِالصَّلٰوةِ عَلَيْهِ وَالتَّسْلِيْمِ بِهٖ وَقَدْ نَصَّ الْعُلَمَاءُ مِنْ اَصْحَابِنَا وَغَيْرِهِمْ عَلٰی اَنَّهٗ يُسْتَحَبُّ اَنْ يَّرْفَعَ صَوْتَهٗ بِالصَّلٰوةِ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي التَّلْبِيَةِ یعنی حدیث شریف پڑھنے والوں وغیرہم کو چاہیے کہ جب حضور کا ذکر ہو تو بلند آواز سے صلوٰۃ وسلام پڑھیں ہمارے علماء نے تصریح فرمائی کہ تلبیہ میں حضور پر بلند آواز سے درود پڑھے۔

ان کے علاوہ اور بھی احادیث وفقہی عبارات پیش کی جا سکتی ہیں مگر اختصاراً اسی پر کفایت کی جاتی ہے۔ بحمد اللہ تعالیٰ مخالفین کے پیشوا مولوی رشید احمد صاحب بھی اس میں ہم سے متفق ہیں چنانچہ فتاویٰ رشیدیہ جلد سوم کتاب الحظر والاباحۃ صفحہ ۱۰۴ میں ایک سوال وجواب ہے سوال یہ ہے کہ ذکر بالجہر اور دعا بالجہر اور درود بالجہر خواہ جہر خفیف ہو یا شدید جائز ہے یا نہیں؟ الجواب ذکر جہر خواہ کوئی ذکر ہو امام ابوحنیفہ کے نزدیک سوائے ان مواقع کے کہ ثبوت جہر نص سے ہے وہاں مکروہ ہے اور صاحبین ودیگر فقہاء ومحدثین جائز کہتے ہیں اور مشرب ہمارے مشائخ کا اختیار مذہب صاحبین ہے۔

والسلام ۱۶ ربیع الثانی ۱۳۱۲ھ رشید احمد

مصرع مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

اب تو کسی دیوبندی وہابی کو حق نہیں کہ کسی سنی مسلمان کو بلند آواز ذکر سے رد کے۔ کیونکہ اس کے بلا کراہت جواز پر رجسٹری ہو چکی۔

عقل بھی چاہتی ہے کہ ذکر بالجہر جائز ہو چند وجوہ سے۔ اولاً تو اس لیئے کہ قاعدہ شریعت ہے کہ ثواب بقدر محنت ملتا ہے۔ اسی لیئے سردی میں وضو کرنا۔ اندھیری رات میں مسجدوں میں جماعت لیئے آنا، دور سے مسجد میں آنا زیادہ ثواب کا باعث ہے (دیکھو مشکوٰۃ وغیرہ) اور ذکر بالجہر میں بمقابلہ خفی کے مشقت زیادہ ہے لہٰذا یہ افضل ہے۔ دوسرے اس لیئے کہ مشکوٰۃ کتاب الاذان میں ہے کہ جہاں تک مؤذن کی آواز جاتی ہے۔ وہاں تک کے تمام درخت، پتے، گھاس، جن وانس قیامت میں اس کے ایمان کی گواہی دیں گے۔ تو ذکر بالجہر سے بھی اس فائدے کی امید ہے۔ تیسرے اس لیئے کہ خفی ذکر کا فائدہ صرف ذاکر کو ہے مگر ذکر بالجہر کا فائدہ ذاکر کو بھی کہ کلمہ وغیرہ کی ضرب سے دل بیدار ہوتا ہے اور سامعین کو بھی کہ ممکن ہے کہ وہ بھی سن کر ذکر کریں۔ اگر نہ بھی کریں تو بھی سننا ثواب ہے اور لازم سے متعدی اچھا۔ چوتھے اس لیئے کہ مشکوٰۃ باب الاذان میں ہے کہ اذان کی آواز سے شیطان بھاگتا ہے۔ ابھی فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا جواب نقل کیا جا چکا ہے کہ انہوں نے عرض کیا تھا اَطْرُدُ الشَّيْطٰنَ جس سے معلوم ہوا کہ دیگر اذکار سے بھی شیطان بھاگتا ہے اس لیئے ذکر بالجہر میں شیطان سے بھی امن ہے۔ پانچویں اس لیئے کہ ذکر بالجہر سے نیند اور کسل وسستی دور ہوتی ہے ذکر خفی میں اکثر نیند بھی آجاتی ہے مگر یہ تمام تقریر اس صورت میں ہے کہ جب ریاکاری کے لیئے نہ ہو اگر ریا کیلیئے ہے تو ریا کی نیت سے مراقبہ کرنا، نماز پڑھنا بھی گناہ کا موجب ہے۔ حضرات نقشبندیہ قدست اسرارہم کا مشغلہ ذکر خفی ہے وہ تو اس پر عامل ہیں ؎

دل میں ہو یاد تری گوشۂ تنہائی ہو • پھر تو خلوت میں عجب انجمن آرائی ہو

باقی سلاسل کے اولیاء ذکر بالجہر میں مشغول رہتے ہیں ان کا اس پر عمل ہے ؎

سارا عالم ہو مگر دیدۂ دل دیکھے تمہیں • انجمن گرم ہو اور لذت تنہائی ہو

ہر دو حضرات خدا کے پیارے ہیں۔ نقشبندی حضرات تو خلوت میں جلوت کرتے ہیں اور باقی حضرات جلوت میں خلوت مگر کُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى اللہ تعالیٰ نے سب سے جنت کا وعدہ فرما لیا مگر ان کا

یہ اختلاف حلت و حرمت میں نہیں۔ اپنا اپنا طریقہ کار ہے۔ نہ تو خفی والے جہر والوں کو طعن کریں نہ جہر والے خفی والوں کو یہ ساری گفتگو ان دیوبندیوں وغیرہ سے ہے جو کہ جہر پر فتویٰ حرمت لگاتے ہیں۔ مجدد صاحب قدس سرہ کے اس فرمان کے قربان کہ نہ ایں کار میکنم ونہ انکار میکنم رضی اللہ عنہم اجمعین۔

دوسرا باب

ذکر بالجہر پر اعتراضات وجوابات

اس مسئلہ پر مخالفین دو طرح کے اعتراض کرتے ہیں نقلی اور عقلی ہم اولاً نقلی اعتراضات مع جواب عرض کرتے ہیں۔

اعتراض (۱) وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ

اپنے رب کو اپنے دل میں یاد کرو زاری اور ڈر سے اور بغیر آواز نکلے صبح و شام۔

اس سے معلوم ہوا کہ ذکر الٰہی دل ہی میں چاہیئے بلند آواز سے منع ہے۔

جواب:۔ اس کے چند جواب ہیں اولاً یہ کہ اس آیت میں ذکر بحالت نماز مراد ہے یعنی اخفاء کی نمازوں میں قرأت یا مقتدی ہر نماز میں یا التحیات وغیرہ دل میں پڑھے یا امام قدر ضرورت سے زیادہ آواز نہ نکالے تفسیر روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

فَمَنْ اَمَّ فِيْ صَلٰوةِ الْجَهْرِ يَنْبَغِيْ لَهٗ اَنْ لَّا يَجْهَرَ جَهْرًا شَدِيْدًا بَلْ يَقْتَصِرُ عَلٰى قَدْرِ مَا يَسْمَعُهٗ مَنْ خَلْفَهٗ قَالَ فِي الْكَشْفِ لَا يَجْهَرُ فَوْقَ حَاجَةِ النَّاسِ وَاِلَّا فَهُوَ مُسِيْئٌ۔

جو شخص جہری نماز میں امامت کرے وہ بہت آواز سے قرأت نہ کرے بلکہ اس قدر پر کفایت کرے کہ پیچھے والے سن لیں۔ کشف میں فرمایا کہ قدر ضرورت سے زیادہ نہ چیخے ورنہ گنہگار ہوگا۔

تفسیر کبیر میں اس آیت کے ماتحت ہے۔ وَالْمُرَادُ مِنْهُ اَنْ يَّقَعَ ذٰلِكَ الذِّكْرُ بِحَيْثُ يَكُوْنُ مُتَوَسِّطًا بَيْنَ الْجَهْرِ وَالْمُخَافَتَةِ كَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَلَا تَجْهَرْ یعنی مراد یہ ہے کہ جہر و اخفاء کے درمیان ذکر اللہ چاہیئے۔ تفسیر خازن میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَعْنِيْ بِالذِّكْرِ الْقُرْاٰنَ فِي الصَّلٰوةِ يُرِيْدُ اِقْرَءُوْا سِرًّا فِيْ نَفْسِكَ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں ذکر سے مراد نماز میں تلاوت قرآن ہے۔

مقصد یہ ہے کہ دل میں قرأت کرو خود قرآن کریم نے دوسری جگہ اس کی یوں تفسیر فرمائی۔

وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَ وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا۔

اور اپنی نماز نہ بہت آواز سے پڑھو نہ بالکل آہستہ ان دونوں کے بیچ میں راستہ ڈھونڈو۔

اور ہم مقدمہ میں عرض کر چکے ہیں کہ تفسیر قرآن بالقرآن سب پر مقدم ہے دوسرے یہ کہ آیت کا مقصد یہ ہے کہ ذکر محض قولی نہ ہو بلکہ قول کے ساتھ قلب بھی شامل ہو کیونکہ بغیر ذکر بیکار ہے خازن میں اسی آیت کے ماتحت ہے وَقِيْلَ الْمُرَادُ بِالذِّكْرِ فِي النَّفْسِ اَنْ يَّسْتَحْضِرَ فِيْ قَلْبِهٖ عَظَمَةَ الْمَذْكُوْرِ جَلَّ جَلَالُهٗ اسی خازن میں ہے وَاِذَا كَانَ الذِّكْرُ بِاللِّسَانِ عَارِيًا عَنْ ذِكْرِ الْقَلْبِ كَانَ عَدِيْمَ الْفَائِدَةِ وَاِنَّ فَائِدَةَ الذِّكْرِ حُضُوْرُ الْقَلْبِ وَاسْتِشْعَارُهٗ عَظَمَةَ الْمَذْكُوْرِ جَلَّ جَلَالُهٗ

کہا گیا ہے کہ دل میں ذکر کرنے سے یہ مراد ہے کہ قلب میں خدائے قدوس کی عظمت موجود ہو یعنی جبکہ زبانی ذکر قلبی ذکر سے خالی ہو تو بے فائدہ ہے۔ کیونکہ ذکر کا فائدہ تو دل کا حاضر کرنا اور خدائے تعالےٰ کی عظمت کا دل میں لانا ہے۔

یا اس کا مطلب یہ ہے کہ بعض اوقات ذکر قلبی ذکر بالجہر سے بہتر ہے یعنی یہ امر استحبابی ہے اور استحباب بھی ہر وقت اور ہر حیثیت سے نہیں بلکہ بعض صورتوں میں ہے۔ اسی لیے یہ آیت اس آیت کے بعد ہے کہ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ تو دونوں آیتوں کے ملانے سے معلوم ہؤا کہ ذکر الٰہی کبھی بالجہر چاہیئے اور کبھی آہستہ۔ جب بالجہر ہو تو خاموشی سے سنو۔ اور جب آہستہ ہو تو اس میں غور و فکر کرو۔ اگر جہر میں خوف ریا ہے تو سکوت بہتر۔ اور اگر یہ مقصود ہو کہ شیطان دفع ہو قلب بیدار ہو۔ اور سونے والے جاگ جاویں اور تمام چیزیں قیامت کے دن ذاکر کے ایمان کی گواہی دیں تو جہر بہتر ہے۔ روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ وَهُوَ الذِّكْرُ بِالْكَلَامِ الْخَفِيِّ فَاِنَّ الْاِخْفَاءَ اَدْخَلُ فِي الْاِخْلَاصِ وَاَقْرَبُ مِنَ الْاِجَابَةِ وَهٰذَا الذِّكْرُ يَعُمُّ الْاَذْكَارَ كُلَّهَا مِنَ الْقِرْاءَةِ وَالدُّعَاءِ وَغَيْرِهِمَا۔

اس سے مراد ہے ذکر خفی کیونکہ اخفا کو اخلاص میں زیادہ دخل ہے اور یہ قبولیت سے زیادہ قریب ہے اور یہ ذکر تمام ذکروں اور قرءت اور دعاؤں کو شامل ہے۔

روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے بِاَنَّ الْاِخْفَاءَ اَفْضَلُ حَيْثُ خَافَ الرِّيَاءَ اَوْ تَاَذِّی

آہستہ ذکر وہاں افضل ہے جہاں کہ ریا کا خوف ہو یا نمازیوں یا سونے والوں کو ایذا ہو اور اس کے

الْمُصَلُّوْنَ اَوِالنَّائِمُوْنَ وَالْجَهْرُ اَفْضَلُ فِيْ غَيْرِ ذٰلِكَ لِاَنَّ الْعَمَلَ فِيْهِ اَكْثَرُ وَلِاَنَّ فَائِدَتَهٗ تَتَعَدّٰى اِلَى السَّامِعِيْنَ وَلِاَنَّهٗ يُوْقِظُ قَلْبَ الذَّاكِرِ فَيَجْمَعُ هَمَّهٗ وَيُصْرِفُ سَمْعَهٗ اِلَيْهِ ۔

علاوہ دیگر مقام میں ذکر بالجہر افضل ہے کیونکہ اس میں عمل زیادہ ہے اور اس کا فائدہ سننے والوں کو بھی پہنچتا ہے اور اسلیئے کہ یہ ذاکر کے دل کو بیدار کرتا ہے خیالات کو جمع کرتا ہے اور ذاکر کیطرف کانوں کو متوجہ کرتا ہے

اعتراض (۲) اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۔

اپنے رب سے گڑگڑا کر اور آہستہ دعا کرو بیشک حد سے بڑھنے والے اس کو پسند نہیں ۔

اس سے بھی معلوم ہوا کہ بلند آواز سے ذکر خدا کو ناپسند ہے ۔

جواب:۔ اس کے بھی چند جوابات ہیں اولاً تو یہ کہ اس آیت میں دعا کا ذکر ہے نہ کہ ہر ذکر الہٰی کا اور واقعی دعا خفیہ ہی کرنا افضل ہے تاکہ اخلاص تام ہو تفسیر روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے ۔

اَیْ مُتَضَرِّعِيْنَ مُتَذَلِّلِيْنَ مُخْفِيْنَ الدُّعَاءَ لِيَكُوْنَ اَقْرَبَ اِلَى الْاِجَابَةِ لِكَوْنِ الْاِخْفَاءِ دَلِيْلَ الْاِخْلَاصِ وَالْاِحْتِرَازِ عَنِ الرِّيَاءِ

یعنی زاری اور عاجزی کرتے ہوئے دعا کو خفیہ کرتے ہوئے دعا کرو تاکہ قبولیت سے قریب ہو کیونکہ چھپکے سے دعا کرنا اخلاص کی اور ریا سے دور ہونے کی دلیل ہے

تفسیر خازن میں یہی آیت وَقِيْلَ الْمُرَادُ بِهٖ حَقِيْقَةُ الدُّعَاءِ وَهُوَ الصَّحِيْحُ لِاَنَّ الدُّعَاءَ هُوَ السُّؤَالُ وَالطَّلَبُ وَهُوَ نَوْعٌ مِّنَ الْعِبَادَةِ ۔

کہا گیا ہے کہ اس سے مراد حقیقۃً دعا ہے اور یہ ہی صحیح ہے کیونکہ دعا سوال اور طلب ہے اور یہ ایک قسم کی عبادت ہے ۔

تفسیر خازن اسی آیت کے ماتحت ہے وَالْاَدَبُ فِي الدُّعَاءِ اَنْ يَّكُوْنَ خَفِيًّا لِهٰذِهِ الْاٰيَةِ قَالَ الْحَسَنُ دَعْوَةُ السِّرِّ وَدَعْوَةُ الْعَلَانِيَةِ سَبْعُوْنَ ضِعْفًا

دعا کا طریقہ یہ ہے کہ خفیہ ہو۔ اسی آیت کی وجہ سے حسن نے فرمایا کہ خفیہ ایک دعا اور علانیہ ستر دعائیں برابر ہیں ۔

یا یہ مراد ہے کہ بعض حالات میں ذکر الہٰی خفیہ طور پر بہتر ہے یعنی ادعوا سے مراد ہر ذکر الہٰی ہے اور یہ امر استحبابی ہے اور وہ بھی بعض اوقات کے لحاظ سے ۔ تفسیر خازن میں اسی آیت کے ماتحت ہے ۔

مَذْهَبُ بَعْضُهُمْ اِلٰى اَنَّ اِخْفَاءَ الطَّاعَاتِ وَالْعِبَادَاتِ اَفْضَلُ مِنْ اِظْهَارِهَا لِهٰذِهِ الْاٰيَةِ وَلِكَوْنِهَا اَبْعَدَ مِنَ الرِّيَاءِ وَذَهَبَ بَعْضُهُمْ اِلٰى

بعض مفسرین ادھر گئے ہیں کہ عبادتوں کو خفیہ کرنا ظاہر کرنے سے بہتر ہے اسی آیت کی وجہ سے اور اس لیئے کہ یہ ریا سے زیادہ دور ہے اور بعض

اَنَّ اِظْهَارَهَا اَفْضَلُ لِيَقْتَدِيَ بِهِ الْغَيْرُ وَيَعْمَلُ مِثْلَ عَمَلِهِ وَذَهَبَ بَعْضُهُمْ اِلٰى اَنَّ اِظْهَارَ الْعِبَادَاتِ الْمَفْرُوْضَةِ اَفْضَلُ مِنْ اِخْفَاءِهَا

فرماتے ہیں کہ اظہار افضل ہے تاکہ دوسرے بھی اس کی پیروی کر کے عبادت کریں اور بعض فرماتے ہیں کہ فرضی عبادات کا اظہار اخفا سے بہتر ہے

اعتراض (۳) وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ۔

اور اے محبوب جب تم سے میرے بندے مجھے پوچھیں تو میں نزدیک ہوں دعا قبول کرتا ہوں پکارنے والے کی جب مجھے پکارے

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ ہم سے قریب ہے دل کے خیالات اور آہستہ بات کو سنتا ہے پھر بلند آواز سے پکارنا بے کار ہے۔

جواب:۔ اس آیت کریمہ میں ان لوگوں کے خیال کو باطل فرمایا گیا جو ذکر بالجہر یہ سمجھ کر کریں کہ خدا ہم سے دور ہے بغیر بلند آواز کے وہ ہماری سنتا نہیں یہ خیال محض جہالت ہے ذکر بالجہر تو غافل قلب کو جگانے کے لئے ہوتا ہے۔ تفسیر روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

وَسَبَبُ نُزُوْلِهِ مَا رُوِيَ اَنَّ اَعْرَابِيًّا قَالَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَقَرِيْبٌ رَبُّنَا فَنُنَاجِيْهِ اَمْ بَعِيْدٌ فَنُنَادِيْهِ فَقَالَ تَعَالٰى۔

اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ ایک بدوی نے حضور علیہ السلام سے عرض کیا کہ رب تعالیٰ قریب ہے تاکہ اس سے مناجات کریں یا دور ہے کہ اس کو پکاریں اس پر رب نے فرمایا۔

معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ کو دور سمجھ کر پکارنا برا ہے یہ بھی روایت ہے کہ یہ آیت کریمہ غزوہ خیبر کے موقعہ پر اتری جبکہ لوگ نعرہ تکبیر لگانا چاہتے تھے اور حضور علیہ السلام کا منشا تھا کہ ہم خفیہ طور پر وہاں پہنچ جاویں کہ کفار کو خبر نہ ہو چنانچہ روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

قَالَ اَبُوْ مُوْسَى الْاَشْعَرِيُّ لَمَّا تَوَجَّهَ رَسُوْلُ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ اِلٰى خَيْبَرَ اَشْرَفَ النَّاسُ عَلٰى وَادٍ فَرَفَعُوْا اَصْوَاتَهُمْ بِالتَّكْبِيْرِ فَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ اِرْبَعُوْا عَلٰى اَنْفُسِكُمْ لَا تَدْعُوْنَ اَصَمَّ وَلَا غَائِبًا

جبکہ حضور علیہ السلام خیبر کی طرف متوجہ ہوئے تو لوگ کسی اونچے جنگل پر چڑھے تو انہوں نے بلند آواز سے تکبیر کہی پس حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اپنی جانوں پر نرمی کرو تم کسی بہرے یا غائب کو نہیں پکارتے ہو

روح البیان یہی آیت هٰذَا بِاعْتِبَارِ الْمَشَارِبِ وَالْمَقَامَاتِ وَاللَّائِقُ بِحَالِ الْغَفَلَاتِ الْجَهْرُ بِقَلْعِ الْخَوَاطِرِ

یہ موقع اور محل کے اعتبار سے ہے اور غافل لوگوں کے حال کے لائق ذکر بالجہر ہے برے خیالات کو دفع کرنے کے لئے

اعتراض (۴) مشکوٰۃ کتاب الاسماء باب ثواب التسبیح والتحمید میں ہے۔

فَجَعَلَ النَّاسُ یَجْھَرُوْنَ بِالتَّکْبِیْرِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ عَلَیْہِ السَّلَامُ یَا اَیُّھَا النَّاسُ اِرْبَعُوْا عَلٰی اَنْفُسِکُمْ اِنَّکُمْ لَا تَدْعُوْنَ اَصَمَّ وَلَا غَائِبًا اِنَّکُمْ تَدْعُوْنَ سَمِیْعًا بَصِیْرًا وَھُوَ مَعَکُمْ وَالَّذِیْ تَدْعُوْنَہٗ اَقْرَبُ اِلٰی اَحَدِکُمْ مِنْ عُنُقِ رَاحِلَتِہٖ۔

باآواز بلند تکبیر کہنے لگے تو حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اے لوگو اپنی جانوں پر نرمی کرو تم نہ تو بہرے کو پکارتے ہو نہ غائب کو تم تو سمیع وبصیر کو پکارتے ہو اور وہ تمہارے ساتھ ہے اور جسکو تم پکارتے ہو وہ تم بمقابلہ تمہاری سواریوں کی گردنوں کے زیادہ قریب ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہؤا کہ ذکر بالجہر منع ہے۔ اور حضور علیہ السلام کی ناخوشی کا باعث۔

جواب: اس کا جواب ضمناً سوال ۲ کے ماتحت گزر چکا کہ یہ حدیث ایک سفر جہاد کے موقعہ کی ہے اس وقت ضرورت تھی کہ مسلمانوں کا لشکر بغیر اطلاع خیبر میں داخل ہو جاوے تاکہ کفار خیبر جنگ کی تیاری نہ کر سکیں۔ بعض لوگوں نے بلند آواز سے تکبیر کہی چونکہ موقعہ کے خلاف تھا لہٰذا روک دیا گیا۔ اسی حدیث کی ابتدا اس طرح ہے کُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ سَفَرٍ فَجَعَلَ النَّاسُ یَجْھَرُوْنَ الخ ہم ایک سفر میں تھے کہ لوگ باآواز بلند تکبیر کہنے لگے۔ یا یہ کہ مسلمانوں پر آسانی کے لیے بطور مشورہ یہ فرمایا گیا کہ تم سفر کی مشقت میں ہو پھر چیخنے کی مشقت بھی اٹھاتے ہو۔ اس کی کیا ضرورت ہے۔ لمعات میں اسی حدیث کے ماتحت ہے۔

فِیْہِ اِشَارَۃٌ اِلٰی اَنَّ الْمَنْعَ مِنَ الْجَھْرِ لِلتَّیْسِیْرِ وَالْاِرْفَاقِ لَا لِکَوْنِ الْجَھْرِ غَیْرَ مَشْرُوْعٍ۔

اس حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ یہ جہر سے ممانعت محض آسانی کیلئے ہے نہ اسلیئے کہ جہر منع ہے

اشعۃ اللمعات میں اسی حدیث کے ماتحت ہے دریں اشارت است کہ منع از جہر برائے آسانی و نرمی است نہ از جہت نامشروعیت ذکر جہر وحق آنست ذکر جہر مشروع است بے شبہ مگر بعارض ایں را در رسالہ اثبات نمودیم "اس حدیث میں ادھر اشارہ ہے کہ جہر سے ممانعت نرمی اور آسانی کیلئے ہے نہ اسلیئے کہ جہر منع ہے اور حق یہ ہے کہ ذکر جہر بلاشبہ مشروع ہے لیکن کسی وجہ سے اور ہم نے اسکا ثبوت رسالہ اوراد میں دیا ہے۔

اعتراض (۵) ہدایہ جلد اول فصل فی تکبیرات التشریق میں ہے۔

وَاَخَذَ بِقَوْلِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَخْذًا بِالْاَقَلِّ لِاَنَّ الْجَھْرَ بِالتَّکْبِیْرِ بِدْعَۃٌ۔

امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہما کا قول لیا کم کو لینے کیلئے کیونکہ بلند آواز سے تکبیر کہنا بدعت ہے

اور بدعت میں کمی بہتر ہے ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کے نزدیک نویں ذی الحجہ کی فجر سے دسویں کی عصر تک ہر از فرض کے تکبیر تشریق کہنا چاہیئے ۔ اور صاحبین کے نزدیک نویں کی فجر سے دسویں کی عصر تک امام صاحب فرماتے ہیں کہ چونکہ تکبیر بالجہر بدعت ہے اور بدعت میں کمی بہتر۔ اس لیئے صرف دو دن تکبیر کہو۔ جس سے معلوم ہوا کہ ذکر بالجہر بدعت ہے۔ اسی ہدایہ میں اسی فصل تکبیرات التشریق میں ہے۔

وَكَانَ الْجَهْرُ بِالتَّكْبِيْرِ خِلَافُ السُّنَّةِ وَالشَّرْعُ وَرَدَ بِهٖ عِنْدَ اسْتِجْمَاعِ هٰذِهِ الشَّرَائِطِ

اور اس لیئے کہ تکبیر بالجہر خلاف سنت ہے اور اس کا حکم ان شرائط کے جمع ہونے کی صورت میں ہے۔

جواب:۔ امام صاحب اور صاحبین کا اختلاف اس تکبیر تشریق کے وجوب میں ہے نہ کہ جواز میں یعنی امام صاحب تو صرف دو دن ضروری کہتے ہیں اور صاحبین پانچ دن۔ امام صاحب اس کو بدعت یا خلاف سنت کہہ کر وجوب کا انکار فرماتے ہیں ہم اسی بحث کے پہلے باب میں شامی سے نقل کر چکے ہیں کہ خود امام صاحب نے اہل کوفہ کو بازاروں میں نعرہ تکبیر کی اجازت دی۔ کہیئے اس بدعت کی اجازت کیوں دی؟ شامی باب صلوٰۃ العیدین میں عید الفطر کی بحث میں فرماتے ہیں۔

وَالْخِلَافُ فِي الْاَفْضَلِيَّةِ اَمَّا الْكَرَاهَةُ فَمُنْتَفِيَةٌ عَنِ الطَّرَفَيْنِ۔

یعنی اختلاف محض افضلیت میں ہے۔ لیکن کراہت وہ کسی طرف نہیں ہے۔

اسی شامی میں اسی جگہ ہے اَلتَّكْبِيْرُ بِالْجَهْرِ فِيْ غَيْرِ اَيَّامِ التَّشْرِيْقِ لَا يُسَنُّ اِلَّا بِاِزَاءِ الْعَدُوِّ وَاللُّصُوْصِ وَقَاسَ عَلَيْهِ بَعْضُهُمُ الْحَرِيْقَ وَالْمَخَاوِفَ كُلَّهَا زَادَ الْقُهُسْتَانِيُّ اَوْ عَلَا شَرَفًا۔

ایام تشریق کے علاوہ اور دنوں میں نعرہ تکبیر سنت نہیں۔ مگر دشمن یا چوروں کے مقابلہ میں اور اس پہ بعض لوگوں نے قیاس کیا ہے آگ لگنے اور تمام خوفناک چیزوں کو اور قہستانی نے زیادہ کیا ہے کہ بلندی پر چڑھنے کے وقت۔

درمختار باب العیدین میں ہے وَهٰذَا لِلْخَوَاصِّ اَمَّا الْعَوَامُ فَلَا يُمْنَعُوْنَ عَنْ تَكْبِيْرٍ وَلَا تَنَفُّلٍ اَصْلًا

یہ احکام خواص کیلئے ہیں عوام کو تو نہ تکبیر سے روکو نہ نفل سے۔

شامی میں اسی بحث میں ہے کَمَا فِي الْبَيْتِ اَیْ لَا يُسَنُّ وَاِلَّا فَهُوَ ذِكْرٌ مَشْرُوْعٌ غرضکہ ثابت ہوا کہ ہدایہ کی یہ تمام گفتگو سنت ہونے میں ہے نہ کہ جائز ہونے میں۔ نیز تکبیر تشریق میں یہ فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے ہم پہلے باب میں عرض کر چکے کہ مولوی رشید احمد صاحب کا فتویٰ یہ ہی ہے کہ ذکر بالجہر جائز

ہے ۔ اور اگر ان آیات و احادیث کی یہ توجیہیں نہ کی جاویں تو مخالفین کے بھی یہ خلاف ہیں ۔ کیونکہ بعض ذکر اللہ وہ بھی بلند آواز سے کرتے ہیں ۔ جیسے اذان ۔ بقر عید کے موقعہ پر تکبیر تشریق حج میں لبیک جلسوں کے موقعوں پر نعرہ تکبیر اور فلاں صاحب زندہ باد وغیرہ کیونکہ ان کے یہ دلائل تو ذکر بالجہر کو مطلقاً منع کر رہے ہیں اور حدیث احاد کی وجہ سے قرآنی آیت میں قید لگانا جائز نہیں لہٰذا یہ نہیں کہہ سکتے کہ چونکہ ان موقعوں پر ذکر بالجہر حدیث میں آ گیا لہٰذا جائز ہے ۔ کیونکہ قرآنی آیات میں حدیث سے پابندی لگانا کہاں جائز ہے ۔

اعتراض (۶) فتاویٰ بزازیہ صفحہ ۳۷۸ میں ہے ۔

عَنْ فَتَاوَی الْقَاضِیْ اَنَّهٗ حَرَامٌ لِمَا صَحَّ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّهٗ اَخْرَجَ جَمَاعَةً عَنِ الْمَسْجِدِ يُهَلِّلُوْنَ وَ يُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَهْرًا وَقَالَ لَهُمْ مَا اَرَاكُمْ اِلَّا مُبْتَدِعِيْنَ ۔ شامی جلد صفحہ

قاضی صاحب کے فتاویٰ سے نقل کیا کہ جہر سے ذکر کرنا حرام ہے کیونکہ حضرت عبداللہ ابن مسعود سے صحیح روایت کیساتھ ثابت ہو چکا کہ انہوں نے ایک جماعت کو مسجد سے محض اسی لیئے نکال دیا تھا کہ وہ بلند آواز سے لا الہ الا اللہ اور بلند آواز سے آنحضرت پر درود شریف پڑھتی تھی اور فرمایا میں تمہیں بدعتی خیال کرتا ہوں

دیکھو بلند آواز سے جماعت کے ساتھ مل کر ذکر اللہ اور درود شریف پڑھنا حرام ہے اور حضرت ابن مسعود نے ان ذاکرین اور درود خوانوں کو بدعتی فرمایا بلکہ انہیں مسجد سے نکال دیا افسوس کہ آج ذکر بالجہر نہ کرنیوالوں کو وہابی کہا جاتا ہے ۔ یہ ہے انقلاب زمانہ (ایمان کفر بن گیا اور کفر ایمان در راہ سنت)

جواب ۔ اس کے دو جواب ہیں ایک الزامی اور دوسرا تحقیقی جواب الزامی تو یہ ہے کہ پھر تم بھی بدعتی ہوئے اور حرام کے مرتکب کیونکہ تمہارے دینی سیاسی جلسے ہوتے ہیں تقریروں کے دوران نعرہ تکبیر اور فلاں صاحب زندہ باد ۔ دن رات مسجدوں میں ہوتے ہیں نہ تم ان بالجہر ذکروں پر فتوے لگاتے ہو نہ انہیں روکتے ہو کیا مسجدوں میں صرف درود شریف آواز سے پڑھنا حرام ہے ۔ باقی تمہارے جلسے نعرے سب جائز ۔

جواب تحقیقی وہ ہے جو یہاں اسی جگہ فتاویٰ بزازیہ اور فتاویٰ شامی نے دیا ہے ، جسے آپ نے نقل نہ فرمایا اگر آپ پوری عبارت نقل کر لیتے تو اسی کا جواب ان کتابوں سے مل جاتا ۔ سنو اسی جگہ شامی میں ہے ۔ وَاَمَّا رَفْعُ الصَّوْتِ

بلند آواز سے ذکر کرنا جائز ہے جیسا کہ اذان خطبہ

بِالذِّكْرِ فَجَائِزٌ كَمَا فِي الْاَذَانِ وَالْخُطْبَةِ وَالْجُمُعَةِ وَالْحَجِّ وَقَدْ حُرِّرَتِ الْمَسْئَلَةُ فِي الْخَيْرِيَّةِ وَحُمِلَ مَا فِي فَتَاوَى الْقَاضِي عَلَى الْجَهْرِ الْمُضِرِّ

جمعہ اور حج میں ہوتا ہے اور یہ مسئلہ فتاوی خیریہ میں واضح طور پر بیان کیا گیا ہے اور جو فتاوی قاضی میں ہے اس سے مراد نقصان دہ جہر ہے۔

معلوم ہوا کہ حضرت ابن مسعود نے ان لوگوں کو بدعتی فرمایا جو جماعت اول کے وقت جبکہ لوگ نماز جماعت سے ادا کر رہے تھے، یہ ذکر بالجہر کرتے تھے۔ جس سے لوگوں کی نماز میں حرج واقع ہوتا تھا یا کوئی اور دینی ضرر تھا خلاصہ یہ کہ نقصان دہ جہر ممنوع ہے۔ اب ذرا فتاوی بزازیہ کو بھی دیکھو تو اس حدیث ابن مسعود کو نقل فرما کر ایک اعتراض مع جواب فرماتے ہیں کہ اگر تم کہو کہ فتاوی میں تو یہ ہے کہ ذکر بالجہر کسی کو نہ روکو اگرچہ وہ مسجد ہی میں کرتے ہوں تاکہ اسی آیۃ کے خلاف نہ ہو جاوے مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ الخ حضرت ابن مسعود کا یہ عمل تمہارے ان فتاوی کے خلاف ہے۔ اس کے جواب میں عبارت فرماتے ہیں جس میں یہ بھی ہے۔

اَلْاِخْرَاجُ عَنِ الْمَسْجِدِ يَجُوْزُ اَنْ يَّكُوْنَ لِاعْتِقَادِهِمُ الْعِبَادَةَ فِيْهِ وَلِيُعْلِمَ النَّاسَ بِاَنَّهٗ بِدْعَةٌ وَالْفِعْلُ جَائِزٌ وَالْجَائِزُ يَجُوْزُ اَنْ يَّكُوْنَ غَيْرَ جَائِزٍ لِعَرْضٍ يَلْحَقُهٗ۔

آپ کا انہیں مسجد سے نکالنا ممکن ہے اس لیے ہو کہ ان لوگوں کا اعتقاد یہ ہے کہ یہ جہر بھی عبادت ہے اور لوگوں کو یہ بتانا ہو کہ یہ عقیدہ بدعت ہے اور جائز کام کبھی کسی عارضی وجہ سے ناجائز ہو جاتا ہے۔

اسی فتاوی میں اسی جگہ ہے۔ وَاَمَّا رَفْعُ الصَّوْتِ بِالذِّكْرِ فَجَائِزٌ كَمَا فِي الْاَذَانِ وَالْخُطْبَةِ وَالْحَجِّ

مخالفین کے عقلی اعتراضات صرف تین ہیں اولاً تو یہ کہ خدا قریب ہے پھر زور سے چیخنا کیوں؟ جواب گذر چکا کہ یہ آواز بلند کرنا خدا تعالیٰ کے سنانے کے لیے نہیں بلکہ دیگر فوائد کے لیے ہے جیسے اذان وغیرہ زور سے دی جاتی ہے۔ دوم یہ کہ درود صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ وَسَلَّمَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ حدیث سے ثابت نہیں لہٰذا ناجائز ہے۔ اس کا جواب اسی کتاب میں اور مقام پر گزر گیا کہ دوا غذا و دعا میں نقل خاص کی ضرورت نہیں بلکہ جو ناجائز کی حد میں نہ آوے وہ جائز ہے اور اس کی پوری تحقیق کہ کون سا درود پاک افضل ہے ہماری کتاب شان حبیب الرحمٰن میں ملاحظہ کرو۔ تیسرے یہ کہ بعد نماز جو بلند آواز سے درود پڑھتے ہیں۔ ان سے نمازیوں کو تکلیف ہوتی ہے کہ نماز بھولتے ہیں۔ لہٰذا ناجائز ہے۔

جواب:۔ اس کے چند جواب ہیں۔ پہلا یہ کہ یہ اعتراض دعویٰ کے مطابق نہیں کیونکہ تم کہتے ہو ذکر بالجہر بالکل منع ہے۔ اور اس سے یہ ثابت ہوا کہ کسی نمازی کو اس سے تکلیف ہو تو منع ورنہ جائز تو اگر کسی وقت کوئی نماز نہ پڑھ رہا ہو۔ تب جائز ہونا چاہیے۔ دوسرے یہ کہ یہاں پنجاب میں دیکھا جاتا ہے کہ بعد نماز فجر کچھ توقف کرکے اور عشاء کی سنتوں اور وتر سے فارغ ہو کر یہ درود پڑھا جاتا ہے اور اس وقت سب لوگ نماز سے فارغ ہو چکتے ہیں تیسرے یہ کہ ہم اسی بحث کے پہلے باب میں احادیث پیش کر چکے ہیں کہ حضور علیہ السلام اور صحابہ کرام بعد نماز بلند آواز سے ذکر کرتے تھے۔ نیز آج بھی بعض مسجدوں میں قرآن کے مدرسے ہیں جہاں کہ طلباء بعد نماز ظہر و عشاء چیخ کر قرآن یاد کرتے ہیں۔ کبھی مسجدوں میں بعد نماز عشاء دینی جلسے ہوتے ہیں جن میں نعرے بھی لگتے ہیں تقریریں بھی ہوتی ہیں۔ بقرعید کے زمانہ میں جماعت فرض کے بعد فوراً ہی سب لوگ باآواز بلند تین بار تکبیر تشریق کہتے ہیں کہیئے ان ذکروں سے نمازی کا دھیان بٹتا ہے یا نہیں؟ اور یہ جائز ہیں یا منع؟ فقہاء جو فرماتے ہیں کہ ذکر بالجہر سے نمازیوں کو تکلیف پہنچے تو منع ہے۔ اس کا مقصد ظاہر ہے کہ جب جماعت کا وقت ہو لوگ نماز میں مشغول ہوں اور یہ ذکر بالجہر کر رہا ہو یہ منع ہے نہ یہ کہ نماز بھی ہو چکی۔ لوگ فارغ ہو کر اب ذکر و تلاوت میں مشغول ہو گئے اب کوئی شخص تارک الجماعت بعد میں آیا تو اپنی نماز کے حیلے سے سب کو خاموش کرنا پھرے کہ چونکہ مجھے اب نماز پڑھنا ہے لہٰذا اسے نمازیو! اسے قرآن یاد کرنیوالو واعظو تم سب خاموش ہو جاؤ۔ خیال رہے کہ مساجد میں زیادہ اہتمام جماعت اول کا ہوتا ہے جس پر بہت سے شرعی مسئلے متفرع ہیں بلکہ معظمہ میں صرف جماعت اولیٰ کیلئے طواف بند ہوتا ہے۔ جہاں یہ جماعت ختم ہوئی طواف شروع ہوا۔ اور طواف میں دعاؤں کا اسقدر شور ہوتا ہے کہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی۔ کہیئے وہاں اس ذکر بالجہر کا کیا حکم ہے؟ کیا نماز کے خلل کی وجہ سے طواف بند کرا دو گے۔

بحث نمبر ۲ اولیاء اللہ کے نام پر جانور پالنا

بعض لوگ جو کہ فاتحہ گیارہویں یا کہ میلاد شریف کے پابند ہیں وہ اس کے لیے کچھ عرصہ پہلے بکرے اور مرغے وغیرہ پالتے ہیں۔ اور ان کو فربہ کرتے ہیں۔ تاریخ فاتحہ پر ان کو بسم اللہ پر ذبح کرکے کھانا پکا کر فاتحہ کرتے ہیں اور فقراء و صلحاء کو کھلاتے ہیں۔ چونکہ وہ جانور اس کی نیت سے پالا گیا ہے اس لیے کہہ دیتے ہیں۔ گیارہویں کا بکرا یہ غوث پاک کی گائے وغیرہ یہ شرعاً حلال ہے۔ جیسے کہ ولیمہ کا

جانور مگر مخالفین اس کام کو حرام۔ اس گوشت کو مردار۔ اور فاعل کو مرتد و مشرک کہتے ہیں۔ اس بحث کے بھی دو باب کیئے جاتے ہیں۔ پہلے باب میں اس کے جواز کا ثبوت اور دوسرے میں اس پر اعتراضات و جوابات۔

پہلا باب

اس کے جواز کے ثبوت میں

جس حلال جانور کو مسلمان یا اہل کتاب اللہ کا نام لے کر ذبحہ کرے وہ حلال ہے اور جس حلال جانور کو مشرک یا مرتد ذبح کرے وہ مردار ہے۔ اسی طرح اگر مسلمان دیدہ دانستہ بسم اللہ پڑھنا چھوڑ دے یا خدا کے سوا کسی اور کا نام لیکر ذبحہ کرے (مثلاً بجائے بسم اللہ اللہ اکبر کے کہدے یا غوث اور ذبحہ کردے) تو حرام ہے خیال رہے کہ اس حلت و حرمت میں ذبحہ کرنیوالے کا اعتبار ہے نہ کہ مالک کا۔ اگر مسلمان کا جانور مشرک نے ذبحہ کر دیا مردار ہوگیا۔ اگر مشرک نے بت کے نام پر جانور پالا مگر اس کو مسلمان نے بسم اللہ سے ذبح کر دیا حلال ہے۔ اسی طرح ذبحہ کے وقت نام لینے کا اعتبار ہے نہ کہ آگے پیچھے زندگی میں جانور بت کے نام کا تھا اگر ذبح خدا کے نام پر ہوا حلال ہے اور زندگی میں جانور قربانی کا تھا۔ مگر ذبح کے وقت اور نام لیا گیا وہ مردار اسی کو قرآن نے فرمایا۔ وَمَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ وہ جانور بھی حرام ہے جو کہ غیر خدا کے نام پر پکارا گیا یہاں پکارنے سے مراد وقت ذبح پکارنا ہے۔ چنانچہ تفسیر بیضاوی میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

اَیْ رُفِعَ الصَّوْتُ لِغَیْرِ اللّٰهِ بِهٖ كَقَوْلِهِمْ بِاسْمِ اللَّاتِ وَالْعُزّٰى عِنْدَ ذِبْحِهٖ۔

یعنی اس جانور پر غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو جیسے کفار ذبح کے وقت کہتے تھے۔ اللات والعزیٰ

تفسیر جلالین میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔ بِاَنْ ذُبِحَ عَلٰى اِسْمِ غَيْرِهٖ اس طرح کہ غیر خدا کے نام پر ذبح کیا جاوے۔ تفسیر خازن میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

يَعْنِیْ مَا ذُكِرَ عَلٰى ذِبْحِهٖ غَيْرُ اِسْمِ اللّٰهِ وَذٰلِكَ اَنَّ الْعَرَبَ فِی الْجَاهِلِيَّةِ كَانُوْا يَذْكُرُوْنَ اَسْمَاءَ اَصْنَامِهِمْ عِنْدَ الذَّبْحِ فَحَرَّمَ اللّٰهُ ذٰلِكَ بِهٰذِهِ الْاٰيَةِ وَبِقَوْلِهٖ وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ۔

یعنی وہ جانور حرام ہے۔ جس کے ذبحہ پر غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو۔ اور یہ اس لیئے ہے کہ اہل عرب زمانہ جاہلیت میں ذبح کے وقت بتوں کا نام لیتے تھے پس خدا تعالیٰ نے اسکو اس آیت سے اور آیت وَلَا تَاْكُلُوْا سے حرام فرمایا۔

تفسیر کبیر میں ہی آیت وکانوا یقولون عند الذبح باسم اللات والعزی فحرم اللہ تعالیٰ ذٰلک

اہل عرب ذبح کے وقت کہتے تھے۔ بسم اللات والعزی اللہ تعالیٰ نے اس کو حرام فرمایا۔

تفسیرات احمدیہ میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

معناہ ما ذبح بہ لاسم غیر اللہ مثل اللات والعزی واسماء الانبیاء

آیت کے معنی یہ ہیں کہ اسکو غیر خدا کے نام پر ذبح کیا گیا ہو اور وہ ہے جو بتوں کیلئے ذبح کیا جاتا تھا۔

تفسیر مدارک میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔ ای ذبح للاصنام فذکر علیہ غیر اسم اللہ ان رفع بہ الصوت للصنم وذٰلک قول اھل الجاھلیۃ باسم اللات والعزی۔

یعنی وہ جانور حرام ہے جو کہ بتوں کیلئے ذبح کیا جاوے پس اس پر غیر اللہ کا نام لیا جاوے یعنی اس پر بت کی آواز دی گئی ہو۔ اور یہ جاہلیت والوں کا یہ کہنا تھا کہ بسم اللات والعزی۔

تفسیر لباب التاویل میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔ یعنی ما ذبح للاصنام والطواغیت و اصل الاھلال رفع الصوت وذٰلک انھم کانوا یرفعون اصواتھم بذکر الھتھم اذا ذبحوا تفسیر علامہ ابو سعود میں ہے ای رفع بہ الصوت عند ذبحہ للصنم۔ تفسیر حسینی میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔ وآنچہ آواز برآوردہ شود بغیر اللہ از برائے غیر خدا واں در وقت ذبحہ آں یعنی بنام بتاں بکشند۔ ان تمام تفاسیر سے معلوم ہوا کہ اس آیت ما اھل میں اھل سے مراد ہے ذبح کے وقت غیر خدا کا نام پکارنا۔ لہٰذا جانور کی زندگی میں کسی طرف نسبت کرنے کا اعتبار نہیں۔ اب ہم فقہاء کی عبارات بھی پیش کرتے ہیں۔ تفسیرات احمدیہ میں اسی آیت وما اھل بہ لغیر اللہ کے ماتحت ہے۔

ومن ھٰھنا علم ان البقرۃ المنذورۃ للاولیاء کما ھو الرسم فی زماننا حلال طیب لانہ لم یذکر اسم غیر اللہ وقت الذبح وان کانوا ینذرونھا

اس سے معلوم ہوا کہ جس گائے کی اولیاء اللہ کے لیئے نذر مانی گئی جیسا کہ ہمارے زمانہ میں رواج ہے یہ حلال طیب ہے کیونکہ اس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام نہیں لیا گیا اگرچہ اس گائے کی نذر مانتے ہیں

اس میں تو کیارہویں شریف کے بکرے کا فیصلہ فرما دیا نام لیکر اور اس کتاب کے مصنف مولانا احمد جیون علیہ الرحمۃ وہ بزرگ ہیں جو کہ عرب و عجم کے علماء کے استاذ ہیں اور تمام دیوبندی بھی ان کو مانتے ہیں۔ شامی باب الذبح میں ہے اعلم ان

جاننا چاہیئے کہ حلت و حرمت کا دارومدار ذبح

اَلْمَدَارُ عَلَی الْقَصْدِ عِنْدَ اِبْتِدَاءِ الذَّبْحِ کے وقت نیت کا ہے۔
صاف معلوم ہوا کہ ذبح سے پہلے کی نیت یا نام بالکل معتبر نہیں۔ عالمگیری باب الذبح میں ہے۔
مُسْلِمٌ ذَبَحَ شَاةَ الْمَجُوْسِیِّ لِبَیْتِ نَارِهِمْ اَوْ لِکَافِرٍ لِاٰلِهَتِهِمْ تُؤْکَلُ لِاَنَّهٗ سَمَّی اللّٰهَ تَعَالٰی وَیُکْرَهُ لِلْمُسْلِمِ کَذَا فِی التَّاتَارْخَانِیَةِ نَاقِلًا عَنْ جَامِعِ الْفَتَاوٰی مسلمان نے مجوسی کی وہ بکری جوان کے آتشکدہ کے لیے یا کافر کی ان بتوں کیلئے تھی۔ ذبح کی وہ حلال ہے کیونکہ اس مسلمان نے اللہ کا نام لیا ہے مگر یہ کام مسلمان کیلئے مکروہ ہے۔ اسی طرح تتارخانیہ میں جامع الفتاویٰ سے نقل کیا۔ دیکھئے جانور پالنے والا کافر ہے اور ذبح بھی کرتا ہے بت یا آگ کی عبادت کی نیت سے، گویا مالک کا پالنا اور ذبح کرانا دونوں فاسد مگر چونکہ بوقت ذبح مسلمان نے بسم اللہ کہہ کر ذبح کیا ہے۔ لہٰذا جانور حلال ہے۔ کہئے گیارہویں یا میلاد کا بکرا اس بت پرست کے بکرے سے بھی گیا گذرا ہے؟ کہ وہ تو حلال مگر یہ حرام الحمد للہ بخوبی ثابت ہوا کہ یہ گیارہویں وغیرہ کا جانور حلال ہے اور یہ فعل باعث ثواب

دُوسرا باب

اولیاء اللہ کے جانور کے متعلق اعتراضات و جوابات

اعتراض (۱) اس آیت مَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَیْرِ اللّٰهِ میں کلمہ اُهِلَّ اہلال سے مشتق ہے اور اہلال کے معنی لغت میں ذبح کے نہیں بلکہ مطلقاً پکارنے کے ہیں۔ لہٰذا جس جانور پر غیر خدا کا نام پکارا خواہ تو اس کی زندگی میں یا بوقت ذبح وہ مردار ہے تو غوث پاک کا بکرا شیخ سدو کی گائے اگرچہ خدا کے نام پر ذبح ہو حرام ہے۔

(نوٹ) یہ اعتراض شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہٗ کا ہے وہ مسئلہ میں سخت غلطی فرما گئے۔

جواب: اہلال کے لغوی معنیٰ تو ہیں مطلقاً پکارنا۔ مگر عرفی معنیٰ ہیں بوقت ذبح پکارنا۔ اور یہ عرفی معنیٰ ہی اس جگہ مراد ہیں۔ صلوٰۃ کے لغوی معنیٰ تو ہیں مطلقاً دعا۔ مگر عرفی معنیٰ ہیں نماز تو اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ سے نماز فرض ہوگی نہ کہ عام دعا۔ تفسیر کبیر میں اسی آیت مااہل کے ماتحت ہے۔

اَلْاِهْلَالُ رَفْعُ الصَّوْتِ هٰذَا مَعْنَی الْاِهْلَالِ فِی اللُّغَةِ ثُمَّ قِیْلَ لِلْمُحْرِمِ۔ | الخ اہلال کے معنیٰ ہیں آواز بلند کرنا (پکارنا)، یہ معنیٰ لغوی ہیں پھر محرم کو کہا گیا الخ

اسی طرح حاشیہ بیضاوی للشہاب میں اسی آیت مااہل کے ماتحت ہے۔

اَیْ رُفِعَ بِهِ الصَّوْتُ الخ هٰذَا اَصْلُهٗ | یعنی اسکو پکارا گیا ہو یہ اہلال کے لغوی معنی ہیں پھر اس

ثُمَّ جُعِلَ عِبَارَۃً عَمَّا ذُبِحَ لِغَيْرِ اللّٰهِ۔ | اہل سے مراد لی گئی ہے کہ وہ جانور جو غیر خدا کے نام پر ذبح کیا جاوے

اگر یہاں اہلال کے لغوی معنیٰ مراد ہوں تو چند خرابیاں لازم ہونگی۔ اولاً یہ کہ یہ تفسیر اجماع مفسرین اور اقوال صحابہ کرام کے خلاف ہوگی۔ مفسرین کے اقوال تو ہم پہلے باب میں عرض کر چکے۔ اب صحابہ کرام وغیرہم کے اقوال ملاحظہ ہوں۔ تفسیر درمنثور میں اسی آیت کے ماتحت ہے اَخْرَجَ اِبْنُ الْمُنْذِرِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ فِيْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى وَمَا اُهِلَّ الْاٰيَةَ قَالَ ذُبِحَ وَاَخْرَجَ اِبْنُ جَرِيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَمَا اُهِلَّ يَعْنِيْ مَا اُهِلَّ لِلطَّوَاغِيْتِ وَاَخْرَجَ ابْنُ اَبِيْ حَاتِمٍ عَنْ مُجَاهِدٍ وَمَا اُهِلَّ قَالَ مَا ذُبِحَ لِغَيْرِ اللّٰهِ وَاَخْرَجَ اَبِيْ حَاتِمٍ عَنْ اَبِي الْعَالِيَةِ وَمَا اُهِلَّ يَقُوْلُ مَا ذُكِرَ عَلَيْهِ اسْمُ غَيْرِ اللّٰهِ۔ تفسیر مظہری میں اسی آیت کے ماتحت ہے قَالَ الرَّبِيْعُ ابْنُ اَنَسٍ يَعْنِيْ مَا ذُكِرَ عِنْدَ ذَبْحِهٖ اسْمُ غَيْرِ اللّٰهِ معلوم ہوا کہ اس قدر صحابہ کرام و تابعین کا یہ ہی فیصلہ ہے کہ اس آیت سے مراد ہے غیر اللہ کے نام پر ذبح کرنا۔

جواب:۔ دوم یہ ہے کہ تمہارے بتائے ہوئے یہ معنیٰ خود قرآن کریم کے بھی خلاف ہیں قرآن فرماتا ہے۔

وَمَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَائِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ۔ | اللہ نے بحیرہ اور سائبہ اور وصیلہ اور حام نہیں مقرر کیے۔ لیکن کفار اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں۔

یہ چار جانور بحیرہ وغیرہ وہ تھے، جن کو کفار عرب بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے اور ان کو حرام سمجھتے تھے۔ قرآن نے اس حرام سمجھنے کی تردید فرمادی۔ حالانکہ ان پر زندگی میں بتوں کا نام پکارا گیا تھا۔ اور ان کے کھانے کا حکم دیا کہ فرمایا كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ | کھاؤ اسکو جو تمہیں اللہ نے دیا اور شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو

تفسیر فتح البیان میں زیر آیت مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْ بَحِيْرَةٍ اور نووی شرح مسلم کتاب الْجَنَّةِ وَنَعِيْمِهَا بَابُ الصِّفَةِ الَّتِيْ يُعْرَفُ بِهَا فِي الدُّنْيَا اَهْلُ الْجَنَّةِ صفحہ ۳۸۵ میں ہے۔

اَلْمُرَادُ اِنْكَارُ مَا حَرَّمُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ مِنَ السَّائِبَةِ وَالْبَحِيْرَةِ وَالْحَامِ وَاَنَّهَا لَمْ تَصِرْ حَرَامًا بِتَحْرِيْمِهٖ۔ | یعنی اس آیت سے ان جانوروں کی حرمت کا انکار کرنا مقصود ہے جن کو کفار حرام سمجھتے تھے بحیرہ وغیرہ کہ یہ جانور ان کے حرام کر لینے سے حرام نہیں ہو گئے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو سانڈ ہندو لوگ بتوں کے نام پر چھوڑتے ہیں وہ حرام نہیں ہو جاتا اگر مسلمان بسم اللہ کہہ کر ذبح کرلے تو حلال ہے ہاں غیر کی ملکیت کی وجہ سے ایسا کرنا منع ہے نیز رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَقَالُوْا

هٰذِهٖۤ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ لَّا یَطْعَمُهَاۤ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ - اور کفار بولے کہ یہ جانور اور کھیتی روکی ہوئی ہے۔ اس کو وہ ہی کھائے۔ جس کو ہم چاہیں اپنے جھوٹے خیال ہیں۔ نیز فرماتا ہے وَقَالُوْا مَا فِیْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰۤى اَزْوَاجِنَا کفار بولے جوان جانوروں کے شکم میں بچہ ہے وہ ہمارے مردوں کے لیئے خاص ہے اور ہماری عورتوں پر حرام یہ وہ ہی کھیتیاں اور جانور تھے جو بتوں کے نام پر وقف تھے اور کفار ان کی حلت میں پابندیاں لگاتے تھے اس پابندی کی تردید فرمادی گئی۔ تو جب بتوں کے نام پر چھوٹے ہوئے جانور حرام نہ ہوئے تو اہل اللہ کی فاتحہ کی نیت سے پالے ہوئے جانور کیوں حرام ہو گئے ۔ تیسرے یہ کہ اُھِلَّ کے یہ معنیٰ فقہاء کی تصریح کے بھی خلاف ہیں ہم اس بحث کے پہلے باب میں عالمگیری کی عبارت پیش کر چکے ہیں کہ مشرک یا آتش پرست نے بت یا آگ کے چڑھاوے کیلئے جانور مسلمان سے ذبح کرایا مسلمان نے بسم اللہ سے ذبح کیا وہ حلال ہے اسی طرح تفسیرات احمدیہ کی عبارت بھی پیش کر دی گئی کہ اولیاء اللہ کے نذر کا پالا ہوا جانور حلال ہے چوتھے یہ کہ یہ معنیٰ عقل کے بھی خلاف ہیں اس لیئے کہ جب اھل کے لغوی معنیٰ مراد ہوئے یعنی جانور پر اسکی زندگی میں یا بوقت ذبح غیر اللہ کا نام پکارنا جانور کو حرام کر دیتا ہے تو لازم آیا کہ جانور کے سوا دوسری اشیاء بھی غیر اللہ کی طرف نسبت کرنے سے حرام ہو جاویں۔ کیونکہ قرآن میں آتا ہے۔ مَاۤ اُھِلَّ بِهٖ لِغَیْرِ اللّٰهِ اور ہر وہ چیز جو کہ غیر اللہ کے نام پر پکاری جاوے " ما " میں جانور کی قید نہیں پھر خواہ تقرب کی نیت سے پکارا یا کسی اور نیت سے بہر حال حرمت آنی چاہیئے، تو زید کا بکرا، عمر کی بھینس، زید کے آم، بکر کے باغ کے پھل، فلاں کی بیوی، ام سعد کا کنواں، فلاں کی مسجد، میرا گھر، دیوبند کا مدرسہ، امام بخاری کی کتاب سب ہی نسبتیں ناجائز ہو گئیں اور ان کا استعمال حرام، اور بخاری ترمذی تو خاص شرک ہوا۔ کہ انکی نسبت بخارا اور ترمذ کی طرف ہوئی جو کہ غیر اللہ ہیں، جناب جس وقت تک کہ عورت صرف اللہ ہی کی بندی کہلائی سب کو حرام رہی، جب اس پر غیر خدا کا نام آیا۔ اور فلاں کی زوجہ کہی گئی تب فلاں کو حلال ہوئی کبھی غیر اللہ کی نسبت سے چیز کی قیمت بڑھ جاتی ہے۔ حیدر آباد میں حضور غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دستی لکھا ہوا قرآن شریف تھا انگریز اس کے دو لاکھ روپے دیتے تھے مگر نہ دیا گیا امیر عبدالرحمٰن خان کا استعمال شدہ قالین پچاس ہزار روپے میں امریکہ والوں نے خریدا۔ پرانے ٹکٹ بھی قیمتی ہوتے ہیں (سرکار علی پوری) غرضکہ اھل کے یہ معنیٰ ایسے فاسد ہیں کہ عقل و نقل سب ہی کے خلاف۔ پانچویں یہ کہ اگر کسی نے جانور بت کے

نام پر بالا بعد میں اس سے تائب ہو گیا اور خالص نیت سے اس کو ذبح کیا تو یہ بالاتفاق حلال ہے حالانکہ اھل میں تو یہ بھی داخل ہوا۔ اگر ایک بار بھی غیر اللہ کا نام اس پر بول دیا ما اھل کی حد میں آگیا۔ اب ماننا ہی پڑا کہ وقت ذبح اللہ کا نام پکارنا معتبر ہے نہ کہ قبل کا۔ اگر کوئی شخص غیر اللہ کے نام پر ذبح کرے پھر گوشت میں اللہ کی نیت کرے بالکل غیر معتبر ہے۔ اسی طرح اگر زندگی کا پکارنا معتبر ہوتا تو جو آدمی جانور کی زندگی میں غیر اللہ کا نام پکار کے پھر توبہ کر کے اللہ کے نام پر ذبح کرتا۔ تو بھی حرام ہوتا۔ چھٹے یہ کہ اگر اُھل کے معنے لغوی مراد لیئے جاویں جب بھی بلاوجہ سے پکارنے میں تخصیص ہوگی۔ اس طرح کہ ب فی کے معنی میں ہوگا اور مضاف پوشیدہ یعنی فی ذبحہ ورنہ پھر لہ سے کیا فائدہ ہوگا۔ بغیر لہ کے بھی یہ معنیٰ حاصل تھے۔ جیساکہ سلیمان جمل نے آیت ما اھل بہ لغیر اللہ کی تفسیر میں لکھا ہے تو بھی مطلب وہ ہی بنا کہ جس جانور پر بوقت ذبح غیر اللہ کا نام لیا گیا وہ حرام ہے بہر حال یہ ترجمہ محض فاسد ہے۔

اعتراض (۲) فقہی مسئلہ ہے کہ جس جانور کو بسم اللہ سے ذبح کیا جاوے مگر ذبح کی نیت غیر خدا سے تقرب حاصل کرنا ہو تو وہ حرام ہے۔ چونکہ گیارہویں کرنے والے کی نیت حضور غوث پاک کو راضی کرنا ہے لہٰذا اس ذبح میں غیر اللہ کی طرف تقرب ہوا۔ تو اگرچہ جانور ذبح تو بسم اللہ سے ہوا۔ مگر اس قاعدے سے حرام ہو گیا۔ اس قاعدے کی تحقیق سوال نمبر ۳ میں آتی ہے۔

جواب: ذبح کی چار قسمیں ہیں۔ اولاً یہ کہ ذبح سے مقصود محض خون بہانا ہو اور گوشت محض تابع ہو۔ اور یہ خون بہانا رب کو راضی کرنے کیلئے ہو۔ جیسے کہ قربانی، ہدی، عقیقہ اور نذر کا جانور یہ ذبح عبادۃ ہے مگر اس میں وقت یا جگہ کی قید ہے کہ قربانی خاص تاریخوں میں عبادت ہے آگے پیچھے نہیں۔ ہدی حرم میں عبادت ہے اور جگہ نہیں۔ دوسرے چھری کی دھار کی آزمائش کے لیئے ذبح کرنا یہ نہ عبادت ہے نہ گناہ۔ اگر بسم اللہ سے ہو تو جانور حلال ورنہ حرام۔ تیسرے گوشت کھانے کے لیئے ذبح کرنا جیسے کہ شادی ولیمہ کی دعوت یا گوشت کی تجارت کیلئے ذبح کرنا۔ اسی طرح فاتحہ بزرگان کیلئے ذبح کرنا کہ ان سب ذبح سے مقصود گوشت ہے ذبح گوشت کیلئے ہے یہ بھی اگر بسم اللہ سے ہو تو حلال ورنہ حرام۔ چوتھے غیر خدا کو راضی کرنیکے لیئے صرف خون بہانے کی نیت سے ذبح کرنا کہ اس میں گوشت مقصود نہ ہو جیسے کہ ہندو لوگ بتوں یا دیوی پر جانور کی بھینٹ چڑھاتے ہیں کہ اس سے صرف خون دے کر بتوں کو راضی کرنا مقصود ہے یہ جانور اگر بسم اللہ کہہ کر بھی ذبح کیا جاوے، جب بھی حرام ہے بشرطیکہ ذبح کرنیوالے

کی نیت بھینٹ کی ہو نہ کہ ذبح کرانیوالے کی۔ ان فقہی عبارات سے یہ ہی مراد ہے قرآن فرماتا ہے۔ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ اور حرام ہے، وہ جانور جو بتوں پر ذبح کیا جائے اس آیت کی تفسیر میں سلیمان جمل فرماتے ہیں۔

اَیْ مَا قُصِدَ بِذَبْحِہِ النُّصُبُ وَلَمْ یُذْکَرْ اِسْمُھَا عِنْدَ ذَبْحِہٖ بَلْ قُصِدَ تَعْظِیْمُھَا بِذَبْحِہٖ فَعَلٰی بِمَعْنَی اللَّامِ فَلَیْسَ ھٰذَا مُکَرَّرًا مَعَ مَا سَبَقَ اِذْ ذَاکَ فِیْمَا ذُکِرَ عِنْدَ ذَبْحِہٖ اِسْمُ الصَّنَمِ وَھٰذَا فِیْمَا قُصِدَ بِذَبْحِہٖ تَعْظِیْمُ الصَّنَمِ مِنْ غَیْرِ ذِکْرِہٖ۔

یعنی وہ جانور بھی حرام ہے جس کے ذبح سے بت مقصود ہوں اور ان کے ذبح کے وقت بت کا نام نہ لیا گیا ہو یا کہ بت کی تعظیم کیلیے کیا گیا ہو۔ پس علیٰ بمعنی لام ہے لہذا یہ آیت گذشتہ سے مکرر نہیں کیونکہ وہاں ما اُھِلّ میں تو وہ مراد تھے جن پر بتوں کا نام لیا جاوے اور اس سے وہ جانور مراد ہیں جن کے ذبح سے بت کی تعظیم مقصود ہو اور اس کا نام نہ لیا گیا ہو۔

سبحان اللہ کیا عمدہ فیصلہ کیا کہ جو بت کے نام پر ذبح ہو وہ تو ما اُھِلّ میں داخل ہے اور جس ذبح سے تعظیم غیر اللہ مقصود ہو وہ مَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ میں داخل۔ بعض فقہاء نے ان دونوں صورتوں کو ما اُھِلّ سے ثابت کیا ہے بمعنی مَا ذُبِحَ لِتَعْظِیْمِ غَیْرِ اللّٰہِ۔ اسی پر درمختار کی عبارت ہے غرضکہ جانوروں کی حرمت میں دو چیزوں کو دخل ہے ایک تو بوقت ذبح غیر اللہ کا نام لینا۔ دوسرے غیر اللہ کو راضی کرنیکے لیئے جانور کا خون بہانا بایں معنے کہ گوشت مقصود بالذات نہ ہو، تقرب بغیر اللہ ہے اسی کو فقہاء حرام فرماتے ہیں چونکہ گیارہویں اور فاتحہ کا جانور تیسری قسم میں داخل ہے نہ کہ چوتھی میں۔ اسی لیئے حرام نہیں کیونکہ گیارہویں کرنیوالے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس جانور کے گوشت کا کھانا پکا کر فاتحہ کر کے فقراء پر تقسیم کیا جاویگا۔ لہذا اس سے گوشت مقصود ہوا۔ یہ فرق ضرور خیال میں رہے۔ بعض دیوبندی کہتے ہیں کہ گیارہویں والے کا گوشت مقصود نہیں ہوتا۔ کیونکہ دیکھا گیا ہے کہ اگر اس کو اتنا زیادہ گوشت دیا جاوے یا دوسرا جانور کہ تو اس پر فاتحہ کر دے تو وہ اس سے راضی نہیں ہوتا اگر گوشت منظور ہوتا تو تبادلہ کر لیتا معلوم ہوا کہ غوث پاک کے نام پر خون بہانا منظور ہے۔ لیکن یہ قول بھی غلط ہے نیت کا حال تو نیت والا ہی جان سکتا ہے بلا دلیل مسلمان پر بدگمانی کرنا حرام ہے رہا جانور کا نہ بدلنا۔ اسکی وجہ محض اہتمام ہے وہ سمجھتا ہے کہ جس طرح ہم نے پرورش کر کے اس کو اچھا کیا ہے دوسرا

گوشت ایسا نہ ملے گا۔ بعض لوگ ولیمہ کے لیئے جانور پالتے ہیں وہ بھی دوسرے گوشت سے تبادلہ گوارا نہیں کرتے بعض لوگ فاتحہ کے لیئے نئے برتن استعمال کرتے ہیں اور ان برتنوں کا تبادلہ گوارا نہیں کرتے بعض کا خیال ہوتا ہے کہ جس جانور پر فاتحہ کا وعدہ ہوگیا اس کو بدلنا جائز نہیں، جیسے کہ قربانی کا جانور۔ یہ خیال غلط ہے۔ مگر غلط خیال سے ذبیحہ کیوں حرام ہوگیا۔ غرضکہ اہتمام اور ہے بھینٹ اور خلاصہ یہ ہؤا کہ اگر نفس ذبح سے غیر اللہ کو راضی کرنا مقصود ہو تو حرام ہے اور اگر ذبح دعوت یا فاتحہ کے لیئے ہو اور فاتحہ یا دعوت کسی کو راضی کرنے کیلئے ہو تو حلال ہے کسی اللہ کے بندے کو راضی کرنا اسکی عبادت نہیں

اعتراض (۳) درمختار عالمگیری باب الذبح میں ہے اور نووی شرح مسلم میں تصریح کی ہے کہ۔

ذُبِحَ لِقُدُوْمِ الْاَمِیْرِ وَنَحْوِہٖ کَوَاحِدٍ مِنَ الْعُظَمَاءِ یَحْرُمُ لِاَنَّہٗ اُہِلَّ بِہٖ لِغَیْرِ اللّٰہِ وَلَوْ ذُکِرَ اسْمُ اللّٰہِ عَلَیْہِ۔

بادشاہ یا کسی بڑے آدمی کے آنے پر جانور ذبح کیا۔ تو وہ حرام ہے کہ اس پر غیر خدا کا نام پکارا گیا۔ اگرچہ اس پر اللہ ہی کا نام لیا گیا ہو۔

اس سے معلوم ہؤا کہ کسی کی خوشنودی کے لیئے جانور ذبح کرنا حرام ہے اگرچہ بسم اللہ ہی سے ذبح ہو لہٰذا گیارہویں کا جانور بہر حال حرام ہے کہ حضور غوث پاک کی رضا کے لیئے ہے اگرچہ ذبح بسم اللہ سے ہو

جواب:۔ اس کا مکمل جواب سوال نمبر ۲ کے جواب میں گذر گیا کہ اگر سلطان یا کسی کی بھینٹ کی نیت سے ذبح ہو تو جانور حرام۔ بھینٹ کے معنے بیان کئے جاچکے کہ خون بہانے سے اس کو راضی کرنا مقصود ہو گوشت تابع ہو اور اگر سلطان وغیرہ کی دعوت کے لیئے جانور ذبح ہو تو اگرچہ دعوت سے رضائے سلطان مقصود ہو مگر جانور حلال ہے۔ درمختار کتاب الذبائح میں اسی جگہ فرماتے ہیں۔

وَلَوْ لِلضَّیْفِ لَا یَحْرُمُ لِاَنَّہٗ سُنَّۃُ الْخَلِیْلِ وَاِکْرَامُ الضَّیْفِ اِکْرَامُ اللّٰہِ وَ الْفَارِقُ اِنَّہٗ اِنْ قَدَّمَھَا لِیَاکُلَ مِنْھَا کَانَ الذَّبْحُ لِلّٰہِ وَالْمَنْفَعَۃُ لِلضَّیْفِ اَوْ لِلْوَلِیْمَۃِ اَوْ لِلرِّبْحِ وَاِنْ لَّمْ یُقَدِّمْھَا لِیَاکُلَ مِنْھَا بَلْ یَدْفَعُھَا لِغَیْرِہٖ کَانَ لِتَعْظِیْمِ غَیْرِ اللّٰہِ فَتَحْرُمُ۔

اور اگر ذبح مہمان کیلئے ہو تو حرام نہیں کیونکہ یہ حضرت خلیل اللہ کا طریقہ ہے اور مہمان کی تعظیم اللہ کی تعظیم ہے وجہ فرق یہ ہے کہ اگر اس کا گوشت مہمان کے آگے رکھا تا کہ اس میں سے کھائے تو یہ ذبح اللہ کیلئے ہوگا اور نفع مہمان کیلئے یا ولیمہ یا تجارت کیلئے اور اگر مہمان کے آگے نہ رکھا بلکہ یونہی کسی کو دیدیا تو یہ تعظیم غیر اللہ کے لیئے ہے لہٰذا حرام ہے۔

اس سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ گوشت کا مقصود ہونا عبادت وغیر عبادت میں فرق ہے۔ اسی جگہ

در مختار میں ہے وَفِیْ صَیْدِ الْمُنْیَۃِ اِنَّہٗ یُکْرَہُ وَلَا یَکْفُرُ لِاَنَّا لَا نُسِیْئُ الظَّنَّ بِالْمُسْلِمِ اَنَّہٗ یَتَقَرَّبُ اِلَی الْاٰدَمِیِّ بِھٰذَا النَّحْرِ۔

ایسا کرنا مکروہ ہے اس سے ذابح کافر نہ ہوگا۔ کیونکہ ہم مسلمان پر بدگمانی نہیں کرتے کہ وہ اس ذبح سے کسی آدمی کی عبادت کرتا ہے۔

معلوم ہوا کہ مسلمان پر بدگمانی کرنا جرم ہے۔ اس کے حاشیہ ردالمختار میں اس کو زیادہ واضح کر دیا گیا ہے مگر جس قدر بیان کر دیا گیا اس میں کفایت ہے۔ تفسیر روح البیان پارہ ۲ زیر آیت۔

وَمَا اُھِلَّ بِہٖ لِغَیْرِ اللّٰہِ ہے فَمَا یُذْبَحُ عِنْدَ اِسْتِقْبَالِ السُّلْطٰنِ تَقَرُّبًا اِلَیْہِ اَفْتٰی اَھْلُ الْبُخَارٰی بِتَحْرِیْمِہٖ وَقَالَ الرَّافِعِیُّ ھٰذَا غَیْرُ مُحَرَّمٍ لِاَنَّھُمْ اِنَّمَا یَذْبَحُوْنَہٗ اِسْتِبْشَارًا بِقُدُوْمِہٖ فَھُوَ کَذَبْحِ الْعَقِیْقَۃِ لِوِلَادَۃِ الْمَوْلُوْدِ مِثْلُ ھٰذَا لَا یُوْجِبُ التَّحْرِیْمَ کَذَا فِیْ شَرْحِ الْمَشَارِقِ۔

یعنی جو جانور سلطان کے آنے پر ذبح کیا جائے اس سے قرب حاصل کرنے کے لیئے اہل بخاری نے اسکی حرمت کا فتویٰ دیا اور امام رافعی نے فرمایا کہ جانور حرام نہیں کیونکہ وہ لوگ سلطان کی آمد کی خوشی میں ذبح کرتے ہیں جیسے کہ بچہ کا عقیقہ بچہ کی پیدائش کی خوشی میں اور اس جیسا کام جانور کو حرام نہیں کر دیتا اسی طرح شرح مشارق میں ہے

معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں یہ رواج ہوگا کہ بادشاہ کی آمد پر گھر گھر جانور ذبح ہوتے ہوں گے آج کل یہ رسم نہیں تو جو بادشاہ کی عبادت کی نیت سے ذبح کرتے ہوں وہ حرام اور جو اظہار خوشی کے لیئے لوگوں کی دعوت کرتے ہوں وہ حلال یہ فتاویٰ کا اختلاف رسوم کے اختلاف زمانہ کی وجہ سے ہے۔ غرضکہ گیارہویں کے جانور کو ذبیحہ قدوم سلطان سے کوئی نسبت نہیں۔

اعتراض (۴) گیارہویں کی نیت سے بکرا پالنے والا مرتد ہے کیونکہ غیر خدا کی نذر ماننا کفر ہے اور کافر و مرتد کا ذبیحہ حرام ہے لہٰذا گیارہویں ماننے والے کا ذبیحہ حرام ہے۔ شامی جلد دوم کتاب الصوم بحث نذر اموات میں ہے۔ وَالنَّذْرُ لِلْمَخْلُوْقِ لَا یَجُوْزُ لِاَنَّہٗ عِبَادَۃٌ وَالْعِبَادَۃُ لَا تَکُوْنُ لِلْمَخْلُوْقِ۔

جواب: اس کا مکمل جواب ہم پہلے دے چکے ہیں کہ یہ نذر شرعی نہیں نذر عرفی ہے یعنی ہدیہ و نذرانہ یا یہ نذر اللہ کے لیئے ہے اور اس کا تصرف یہ ہے اور ان میں سے کوئی بھی شرک نہیں۔ استاذ سے کہتے ہیں کہ رقم آپ کی نذر ہے یعنی نذرانہ وہدیہ۔

بحث ۲۱ ہاتھ پاؤں چومنا اور تبرکات کی تعظیم کرنا

اولیاء اللہ کے ہاتھ پاؤں چومنا اور اسی طرح ان کے بعد ان کے تبرکات، بال و لباس وغیرہ کو بوسہ دینا، ان کی تعظیم کرنا مستحب ہے احادیث اور عمل صحابہ کرام سے ثابت ہے لیکن بعض لوگ اس کا انکار کرتے ہیں۔ اس لیے ہم اس بحث کے بھی دو باب کرتے ہیں۔ پہلا باب اس کے ثبوت میں دوسرا باب اس پر اعتراضات وجوابات میں۔

پہلا باب

بوسہ تبرکات کے ثبوت میں

تبرکات کا چومنا جائز ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔ وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ یعنی اے بنی اسرائیل تم بیت المقدس کے دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہو اور کہو ہمارے گناہ معاف ہوں۔ اس آیت سے پتہ لگا کہ بیت المقدس جو انبیاء کرام کی آرامگاہ ہے اس کی تعظیم اس طرح کرائی گئی کہ وہاں بنی اسرائیل کو سجدہ کرتے ہوئے جانیکا حکم دیا۔ یہ بھی معلوم ہؤا کہ متبرک مقامات پر توبہ جلد قبول ہوتی ہے۔ مشکوٰۃ باب المصافحہ والمعانقہ فصل ثانی میں ہے۔

وَعَنْ ذَرَاعٍ وَّکَانَ فِیْ وَفْدِ عَبْدِ الْقَیْسِ قَالَ لَمَّا قَدِمْنَا الْمَدِیْنَةَ فَجَعَلْنَا نَتَبَادَرُ مِنْ رَّوَاحِلِنَا فَنُقَبِّلُ یَدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَرِجْلَهٗ۔

حضرت ذراع سے مروی ہے اور یہ وفد عبدالقیس میں تھے فرماتے ہیں کہ جب ہم مدینہ منورہ آئے تو اپنی سواریوں سے اترنے میں جلدی کرنے لگے پس ہم حضور علیہ السلام کے ہاتھ پاؤں چومتے تھے۔

مشکوٰۃ باب الکبائر وعلامات النفاق میں حضرت صفوان ابن عسال سے روایت ہے فَقَبَّلَ یَدَیْهِ وَرِجْلَهٗ پس انہوں نے حضور علیہ السلام کے ہاتھ پاؤں چومے۔ مشکوٰۃ شریف باب مَا یُقَالُ عِنْدَ مَنْ حَضَرَهُ الْمَوْتُ بروایت ترمذی وابوداؤد میں ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَبَّلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عُثْمَانَ ابْنَ مَظْعُوْنٍ وَّهُوَ مَیِّتٌ

حضور علیہ السلام نے عثمان ابن مظعون کو بوسہ دیا حالانکہ ان کا انتقال ہوچکا تھا۔

شفا شریف میں ہے کہ کَانَ ابْنُ عُمَرَ يَضَعُ يَدَهُ عَلَى الْمِنْبَرِ الَّذِيْ يَجْلِسُ عَلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي الْخُطْبَةِ ثُمَّ يَضَعُهَا عَلٰى وَجْهِهٖ

جس منبر پر حضور علیہ السلام خطبہ فرماتے تھے اس پر حضرت عبداللہ ابن عمر اپنا ہاتھ لگا کر منہ پر رکھتے تھے (چومتے تھے) شرح بخاری لابن حجر پارہ ششم صفحہ ۱۵ میں ہے

اِسْتَنْبَطَ بَعْضُهُمْ مِنْ مَشْرُوْعِيَّةِ تَقْبِيْلِ الْاَرْكَانِ جَوَازَ تَقْبِيْلِ كُلِّ مَنْ يَسْتَحِقُّ الْعَظْمَةَ مِنْ اٰدَمِيٍّ وَّغَيْرِهٖ نُقِلَ عَنِ الْاِمَامِ اَحْمَدَ اَنَّهٗ سُئِلَ عَنْ تَقْبِيْلِ مِنْبَرِ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَتَقْبِيْلِ قَبْرِهٖ فَلَمْ يَرَ بِهٖ بَاْسًا وَنُقِلَ عَنِ ابْنِ اَبِي الصَّيْفِ الْيَمَانِيِّ اَحَدِ عُلَمَاءِ مَكَّةَ مِنَ الشَّافِعِيَّةِ جَوَازُ تَقْبِيْلِ الْمُصْحَفِ وَاَجْزَاءِ الْحَدِيْثِ وَقُبُوْرِ الصّٰلِحِيْنَ مُلَخَّصًا۔

ارکان کعبہ کے چومنے سے بعض علماء نے بزرگان دین وغیرہم کے تبرکات کا چومنا ثابت کیا ہے امام احمد ابن حنبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان سے کسی نے پوچھا کہ حضور علیہ السلام کا منبر اور قبر انور چومنا کیسا ہے؟ فرمایا کوئی حرج نہیں اور ابن ابی الصیف یمانی سے جو کہ مکہ کے علماء شافعیہ میں سے ہیں منقول ہے۔ قرآن کریم اور حدیث کے اوراق بزرگان دین کی قبریں چومنا جائز ہیں۔

توشیح میں علامہ جلال الدین سیوطی قدس سرہٗ فرماتے ہیں :-

اِسْتَنْبَطَ بَعْضُ الْعَارِفِيْنَ مِنْ تَقْبِيْلِ الْحَجَرِ الْاَسْوَدِ تَقْبِيْلَ قُبُوْرِ الصّٰلِحِيْنَ۔

حجر الاسود کے چومنے سے بعض عارفین نے بزرگان دین کی قبروں کا چومنا ثابت کیا ہے۔

ان احادیث و محدثین و علماء کی عبارات سے ثابت ہوا کہ بزرگان دین کے ہاتھ پاؤں اور ان کے لباس نعلین، بال غرضکہ سارے تبرکات اسی طرح کعبہ معظمہ، قرآن شریف، کتب احادیث کے اوراق کا چومنا جائز اور باعث برکت ہے۔ بلکہ بزرگان دین کے بال و لباس و جمیع تبرکات کی تعظیم کرنا، ان سے لڑائی وغیرہ مصائب میں امداد حاصل کرنا۔ قرآن کریم سے ثابت ہے۔ قرآن فرماتا ہے۔ قَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖۤ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ۔ بنی اسرائیل سے ان کے نبی نے فرمایا کہ طالوت کی بادشاہی کی نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس ایک تابوت آویگا۔ جس میں تمہارے رب کی طرف سے دلوں کا چین ہے اور کچھ بچی ہوئی چیزیں ہیں معزز موسیٰ اور معزز ہارون کے ترکہ کی کہ اٹھائے ہوں گے اس کو فرشتے اس آیت

کی تفسیر میں تفسیر خازن وروح البیان وتفسیر مدارک اور جلالین وغیرہم نے لکھا ہے، کہ تابوت ایک شمشاد کی لکڑی کا صندوق تھا جس میں انبیاء کی تصاویر (یہ تصاویر کسی انسان نے نہ بنائی تھیں بلکہ قدرتی تھیں) ان کے مکانات شریفہ کے نقشے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصاء اور ان کے کپڑے اور آپ کے نعلین شریف اور حضرت ہارون علیہ السلام کا عصا اور ان کا عمامہ وغیرہ تھا۔ بنی اسرائیل جب دشمن سے جنگ کرتے تو برکت کے لیئے اس کو سامنے رکھتے تھے۔ جب خدا سے دعا کرتے تو اس کو سامنے رکھ کر دعا کرتے تھے۔ بخوبی ثابت ہؤا کہ بزرگان دین کے تبرکات سے فیض لینا۔ ان کی عظمت کرنا طریقہ انبیاء ہے۔ تفسیر خازن و مدارک وروح البیان وکبیر سورہ یوسف پارہ ۱۲ زیر آیت فَلَمَّا ذَهَبُوْا ہے کہ جب یعقوب علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام کو ان کے بھائیوں کے ساتھ بھیجا تو ان کے گلے میں ابراہیم علیہ السلام کی قمیص تعویذ بنا کر ڈال دی تاکہ محفوظ رہیں۔ سارے پانی رب نے پیدا کیئے ہیں۔ مگر آب زمزم کی تعظیم اس لیئے ہے کہ یہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے قدم شریف سے پیدا ہؤا۔ مقام ابراہیم پتھر کو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے نسبت ہوئی تو اس کی عزت یہاں تک بڑھ گئی کہ رب تعالےٰ نے فرمایا۔ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى سب کے سر ادھر جھکا دیئے مکہ معظمہ کو حضور علیہ السلام سے نسبت ہوئی۔ تو رب تعالےٰ نے اس کی قسم فرمائی لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ۔ نیز فرمایا۔ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ۔ ایوب علیہ السلام سے فرمایا۔ اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ۔ ایوب علیہ السلام کے پاؤں سے جو پانی پیدا ہؤا۔ وہ شفا بنا۔ معلوم ہؤا کہ نبی کے پاؤں کا دھوون عظمت والا اور شفاء ہے۔ مشکوٰۃ شریع کتاب اللباس میں ہے کہ حضرت اسماء بنت ابی بکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس حضور علیہ السلام کا جبہ (اچکن) شریف تھا۔ اور مدینہ طیبہ میں جب کوئی بیمار ہوتا تو آپ وہ دھو کر اس کو پلاتی تھیں اسی مشکوٰۃ کتاب الاطعمہ باب الاشربہ میں ہے کہ حضور علیہ السلام حضرت کبشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے مکان پر تشریف فرما ہوئے اور ان کے مشکیزے سے منہ مبارک لگا کر پانی پیا۔ انہوں نے برکت کیلئے مشکیزہ کا منہ کاٹ کر رکھ لیا۔ اسی مشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ باب المساجد فصل ثانی میں ہے کہ ایک جماعت حضور علیہ السلام کے دست اقدس پر مشرف باسلام ہوئی اور عرض کیا کہ ہمارے ملک میں بیعہ (یہودیوں کا عبادت خانہ) ہے ہم چاہتے ہیں کہ اس کو توڑ کر مسجد بنالیں۔ حضور علیہ السلام نے ایک برتن میں پانی لے کر اس میں کلی فرمادی

اور فرمایا کہ اس بیعہ کو توڑ دو اور اس پانی کو وہاں زمین پر چھڑک دو اور اس کو مسجد بنا لو۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور کا لعاب شریف کفر کی گندگی کو دور فرماتا ہے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اپنی ٹوپی شریف میں حضور علیہ السلام کا ایک بال شریف رکھتے تھے۔ اور جنگ میں وہ ٹوپی ضرور آپ کے سر مبارک پر ہوتی تھی۔ مشکوٰۃ باب السترہ میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے وضو فرمایا تو حضرت بلال نے وضو کا پانی لے لیا اور لوگ حضرت بلال کی طرف دوڑے۔ جس کو اس غسالہ شریف کی تری مل گئی اس نے اپنے منہ پر مل لی اور جسے نہ ملی۔ اس نے کسی دوسرے کے ہاتھ سے تری لے کر منہ پر ہاتھ پھیر لیا ان احادیث سے ثابت ہوا کہ بزرگان دین کی استعمالی چیزوں سے برکت حاصل کرنا سنت صحابہ ہے۔

اب اقوال فقہاء ملاحظہ ہوں۔ عالمگیری کتاب الکراہیۃ باب ملاقات الملوک میں ہے۔

اِنْ قَبَّلَ يَدَ عَالِمٍ اَوْ سُلْطٰنٍ عَادِلٍ بِعِلْمِهٖ وَعَدْلِهٖ لَا بَاْسَ بِهٖ۔	اگر عالم یا عادل بادشاہ کے ہاتھ چومے ان کے علم و عدل کی وجہ سے تو اس میں حرج نہیں۔

اسی عالمگیری کتاب الکراہیت باب زیارۃ القبور میں ہے۔

لَا بَاْسَ بِتَقْبِيْلِ قَبْرِ وَالِدَيْهِ كَذَا فِى الْغَرَائِبِ	اپنے ماں باپ کی قبریں چومنے میں حرج نہیں۔

اسی عالمگیری کتاب الکراہیت باب ملاقات الملوک میں ہے۔

اِنَّ التَّقْبِيْلَ عَلٰى خَمْسَةِ اَوْجُهٍ قُبْلَةُ الرَّحْمَةِ كَقُبْلَةِ الْوَالِدِ وَلَدَهٗ وَقُبْلَةُ التَّحِيَّةِ كَقُبْلَةِ الْمُؤْمِنِيْنَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ وَقُبْلَةُ الشَّفَقَةِ كَقُبْلَةِ الْوَلَدِ لِوَالِدَيْهِ وَقُبْلَةُ الْمَوَدَّةِ كَقُبْلَةِ الرَّجُلِ اَخَاهُ وَقُبْلَةُ الشَّهْوَةِ كَقُبْلَةِ الرَّجُلِ اِمْرَاَتَهٗ وَزَادَ بَعْضُهُمْ قُبْلَةَ الدِّيَانَةِ وَهِىَ قُبْلَةُ الْحَجَرِ الْاَسْوَدِ۔	بوسہ لینا پانچ طرح کا ہے رحمت کا بوسہ جیسے کہ باپ اپنے فرزند کو چومے۔ ملاقات کا بوسہ جیسے کہ بعض مسلمان بعض کو بوسہ دیں شفقت کا بوسہ جیسے کہ فرزند اپنے ماں باپ کو بوسہ دے دوستی کا بوسہ جیسے کہ کوئی شخص اپنے دوست کو بوسہ دے۔ شہوت کا بوسہ جیسے کہ شوہر اپنی بیوی کا بوسہ لے۔ بعض نے زیادہ کیا دین داری کا بوسہ اور وہ سنگ اسود کا چومنا ہے۔

در مختار جلد پنجم کتاب الکراہیت آخر باب الاستبراء بحث مصافحہ میں ہے۔

وَلَا بَاْسَ بِتَقْبِيْلِ يَدِ الْعَالِمِ وَالسُّلْطٰنِ الْعَادِلِ	علماء اور عادل بادشاہ کے ہاتھ چومنے میں حرج نہیں

اس جگہ شامی نے حاکم کی ایک حدیث نقل کی جس کے آخر میں ہے۔

قَالَ ثُمَّ اَذِنَ لَهٗ فَقَبَّلَ رَاْسَهٗ وَرِجْلَيْهِ وَقَالَ لَوْ كُنْتُ اٰمِرًا اَحَدًا اَنْ يَّسْجُدَ لِاَحَدٍ لَاَمَرْتُ الْمَرْاَةَ اَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا وَقَالَ صَحِيْحُ الْاِسْنَادِ۔

حضور علیہ السلام نے اس شخص کو اجازت دی اس نے آپ کے سر اور پاؤں مبارک پر بوسہ دیا۔ اور حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر ہم کسی کو سجدے کا حکم دیتے تو عورت کو حکم دیتے کہ شوہر کو سجدہ کرے۔

درمختار نے اسی جگہ بوسہ پانچ قسم کا بیان کیا مثل عالمگیری کے اتنا اور زیادہ کیا۔

قُبْلَةُ الدِّيَانَةِ لِلْحَجَرِ الْاَسْوَدِ وَتَقْبِيْلُ عَتَبَةِ الْكَعْبَةِ تَقْبِيْلُ الْمُصْحَفِ قِيْلَ بِدْعَةٌ لٰكِنْ رُوِيَ عَنْ عُمَرَ اَنَّهٗ كَانَ يَاْخُذُ الْمُصْحَفَ كُلَّ غَدَاةٍ وَيُقَبِّلُهٗ وَاَمَّا تَقْبِيْلُ الْخُبْزِ فَجَوَّزَ الشَّافِعِيَّةُ اَنَّهٗ بِدْعَةٌ مُبَاحَةٌ وَقِيْلَ حَسَنَةٌ مُلَخَّصًا۔

ایک بوسہ دینداری کا ہے وہ حجر اسود کا بوسہ کعبہ شریف کی چوکھٹ کا بوسہ ہے قرآن پاک کو چومنا بعض لوگوں نے بدعت کہا ہے مگر عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ہر صبح کو قرآن پاک ہاتھ میں لیکر چومتے تھے اور روٹی کا چومنا اسکو شافعی لوگوں نے جائز فرمایا ہے کہ یہ بدعت جائز ہے بعض نے کہا کہ بدعت حسنہ ہے۔

نیز رب تعالیٰ فرماتا ہے وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهِيْمَ مُصَلًّى مقام ابراہیم وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت خلیل (علیہ السلام) نے کعبہ کی تعمیر کی۔ ان کے قدم پاک کی برکت سے اس پتھر کا یہ درجہ ہوا کہ دنیا بھر کے حاجی اس کی طرف سر جھکانے لگے۔ ان عبارات سے معلوم ہوا کہ بوسے چند طرح کے ہیں اور متبرک چیزوں کو بوسہ دینا دینداری کی علامت ہے۔ یہاں تک تو اقوال موافقین کا ذکر ہوا۔ مخالفین کے سردار جناب مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی فتاویٰ رشیدیہ جلد اول کتاب الحظر والاباحہ صفحہ ۵۴ پر فرماتے ہیں "تعظیم دیندار کو کھڑا ہونا درست ہے اور پاؤں چومنا ایسے ہی شخص کا بھی درست ہے حدیث سے ثابت ہے۔" فقط رشید احمد عفی عنہ۔

اس کے متعلق اور بھی احادیث وفقہی عبارات پیش کی جاسکتی ہیں۔ مگر اسی قدر پر کفایت کی جاتی ہے

دوسرا باب

اس پر اعتراضات وجواب میں

بزرگوں کے ہاتھ پاؤں چومنے اور تبرکات کی تعظیم پر مخالفین کے پاس حسب ذیل اعتراضات ہیں۔

انشاء اللہ اس کے سوا اور نہ مل سکیں گے ۔

اعتراض (۱) فقہاء فرماتے ہیں کہ علماء کے سامنے زمین چومنا حرام ہے نیز جھک کر تعظیم کرنا حرام ہے کیونکہ یہ رکوع کے مشابہ ہے اور جس طرح تعظیمی سجدہ حرام ہوگیا۔ تعظیمی رکوع بھی حرام ہوگیا اور جھک کر کسی کے پاؤں چومنے کے لیے اس کے قدم پر منہ رکھا تو یہ رکوع تو کیا سجدہ ہوگیا لہذا یہ حرام ہے۔ درمختار کتاب الکراہیت باب الاستبراء بحث مصافحہ میں ہے۔

وَتَقْبِيلُ الْاَرْضِ بَيْنَ يَدَيِ الْعُلَمَاءِ وَالْعُظَمَاءِ فَحَرَامٌ لِاَنَّهُ يُشْبِهُ عِبَادَةَ الْوَثَنِ اسی کے ماتحت شامی میں ہے اِلْاِيْمَاءَ فِي السَّلَامِ اِلٰى قَرِيْبِ الرُّكُوْعِ كَالسُّجُوْدِ وَفِي الْمُحِيْطِ اَنَّهُ يُكْرَهُ الْاِنْحِنَاءُ لِلسُّلْطٰنِ وَغَيْرِهٖ وَظَاهِرُ كَلَامِهِمْ عَلٰى اِطْلَاقِ السُّجُوْدِ عَلٰى هٰذَا التَّقْبِيْلِ

علماء اور بڑے بزرگوں کے سامنے زمین چومنا یہ حرام ہے کیونکہ یہ بت پرستی کے مشابہ ہے۔ سلام میں رکوع کے قریب تک جھکنا سجدہ کی طرح ہے اور محیط میں ہے کہ بادشاہ وغیرہ کے سامنے جھکنا مکروہ ہے اور فقہاء کا ظاہری کلام یہ ہے کہ وہ اس چومنے کو سجدہ ہی کہتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ کسی انسان کے آگے جھکنا سجدہ کرنا شرک ہے لہذا کسی کے پاؤں چومنا شرک ہے حضرت مجدد صاحب کو دربار اکبری میں بلایا گیا اور داخل ہونیکا دروازہ چھوٹا رکھا گیا تاکہ اس بہانہ سے آپ اکبر کے سامنے جھک جاویں مگر جب آپ وہاں تشریف لے گئے تو آپ نے اولاً دروازے میں پاؤں داخل کیے تاکہ جھکنا نہ لازم آجاوے (یہ اعتراض انتہائی ہے اور عام دیوبندی وہابی اسی کو پیش کرتے ہیں)

جواب: ہم اولاً سجدہ کی تعریف کریں۔ پھر سجدے کے احکام۔ پھر یہ عرض کریں کہ کسی کے سامنے جھکنے کے کیا احکام ہیں اس سے یہ اعتراض خود بخود ہی دفع ہوجاویگا۔ شریعت میں سجدہ یہ ہے کہ زمین پر سات عضو لگیں۔ دونوں پنجے، دونوں گھٹنے، دونوں ہاتھ اور ناک و پیشانی، پھر اس میں سجدہ کی نیت بھی ہو۔ دیکھو عام کتب فقہ کتاب الصلوٰۃ بحث سجدہ اگر بغیر سجدے کی نیت کے کوئی شخص زمین پر اوندھا لیٹ گیا تو سجدہ نہ ہوا۔ جیسا کہ بعض لوگ بیماری یا سردی سے چارپائی پر اوندھے پڑ جاتے ہیں۔ سجدہ دو طرح کا ہے۔ سجدہ تحیۃ اور سجدہ عبادت۔ سجدہ تحیۃ تو کسی کی ملاقات کے وقت سجدہ کرنا اور سجدہ عبادت کسی کو خدا یا خدا کی طرح جان کر کرنا۔ سجدہ عبادت غیر اللہ کو کرنا شرک

ہے کسی نبی کے دین میں جائز نہ ہوا کیونکہ ہر نبی توحید لائے شرک کسی نے نہیں پھیلایا سجدہ تحیۃ زمانہ حضرت آدم علیہ السلام سے حضور علیہ السلام کے زمانہ پاک تک جائز رہا فرشتوں نے حضرت آدم کو سجدہ کیا حضرت یعقوب علیہ السلام اور برادران حضرت یوسف نے یوسف علیہ السلام کو سجدہ کیا" تفسیر روح البیان پارہ ۱۲ اسورہ ہود زیر آیت وَقِيلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ میں حضرت ابوالعالیہ سے ایک روایت نقل کی کہ زمانہ نوح علیہ السلام میں شیطان نے توبہ کرنی چاہی تو حضرت نوح علیہ السلام کو حکم ہوا کہ شیطان سے کہو کہ حضرت آدم کی قبر کو سجدہ کرے۔ شیطان بولا کہ جب میں نے آدم علیہ السلام کو زندگی میں سجدہ نہ کیا تو ان کی قبر کو کیا سجدہ کروں گا۔ پھر اسلام نے اس سجدہ تحیۃ کو حرام فرمایا۔ لہٰذا اگر کوئی مسلمان کسی آدمی کو سجدہ تحیۃ کرے تو گنہگار ہے، مجرم ہے حرام کا مرتکب ہے، مگر مشرک یا کافر نہیں۔ معترض نے جو درمختار کی عبارت پیش کی اسی جگہ درمختار میں ہے۔

اِنْ كَانَ عَلٰى وَجْهِ الْعِبَادَةِ وَالتَّعْظِيْمِ كَفَرَ وَاِنْ كَانَ عَلٰى وَجْهِ التَّحِيَّةِ لَا وَصَارَ اٰثِمًا مُرْتَكِبًا لِلْكَبِيْرَةِ۔	اگر یہ زمین چومنا عبادت اور تعظیم کے لیئے ہو تو کفر ہے اور اگر تحیۃ کے لیئے ہو تو کفر نہیں ہاں گنہگار اور کبیرہ کا مرتکب ہوگا۔

اسی عبارت کے ماتحت شامی نے اسکو اور بھی واضح کر دیا ہے۔ رہا غیر کے سامنے جھکنا اسکی دو نوعیت ہیں ایک یہ کہ جھکنا تعظیم کے لیئے ہو جیسے کہ جھک کر سلام کرنا۔ یا معظم شخص کے سامنے زمین چومنا یہ اگر حد رکوع ہے تو حرام ہے اسی کو فقہاء منع فرماتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ جھکنا کسی اور کام کے لیئے ہو اور وہ کام تعظیم کے لیئے ہو جیسے کہ کسی بزرگ کا جوتا سیدھا کرنا اس کے پاؤں چومنا کہ جھکنا اگرچہ اس میں بھی ہے مگر جوتا سیدھا کرنے یا پاؤں چومنے کے لیئے ہے اور وہ کام تعظیم بزرگ کے لیئے یہ حلال ہے اگر یہ توجیہ نہ کی جائے تو ہماری پیش کردہ احادیث اور فقہی عبارات کا کیا مطلب ہوگا۔ نیز یہ سوال دیوبندیوں کے بھی خلاف ہوگا کہ ان کے پیشوا مولوی رشید احمد صاحب بھی پاؤں چومنا جائز فرماتے ہیں۔ حضرت مجدد صاحب کا یہ انتہائی تقویٰ تھا کہ انہوں نے سمجھا کہ چونکہ دربار اکبری میں اکبر بادشاہ کو سجدہ کرایا جاتا ہے اور اکبر اس غرض سے مجھ کو اپنے سامنے جھکانا چاہتا ہے۔ اس لیئے آپ نہ جھکے ورنہ اگر آپ جھک کر اس کھڑکی سے داخل ہوتے تو بھی آپ پر کچھ شرعی الزام نہ ہوتا کہ آپ کا مقصد اس جھکنے سے تعظیم اکبر نہ تھی۔ **اعتراض ۲** - احادیث میں ہے کہ حضرت عمر نے سنگ اسود کو بوسہ

دے کر فرمایا اِنِّیْ اَعْلَمُ اِنَّكَ حَجَرٌ لَا تَنْفَعُ وَلَا تَضُرُّ وَلَوْلَا اِنِّیْ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا قَبَّلْتُكَ ۔ پتھر ہے نہ نفع دے نہ نقصان اگر میں نے حضور علیہ السلام کو تجھے چومتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں تجھ کو نہ چومتا

اس سے معلوم ہوا کہ فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سنگ اسود کا بوسہ ناگوار تھا مگر چونکہ نص میں آگیا مجبوراً چوم لیا۔ اور چونکہ ان تبرکات کے چومنے کی نص نہیں آئی لہذا نہ چومنا ہی مناسب ہے۔

جواب: مولوی عبدالحی صاحب نے مقدمہ ہدایہ مذیلۃ الہدایہ میں حجر اسود کے ماتحت اسی حدیث کو نقل فرما کر فرمایا کہ حاکم کی روایت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو جواب دیا کہ اے امیر المومنین حجر اسود نافع بھی ہے اور مضر بھی۔ کاش کہ آپ نے قرآن کی اس آیت کی تفسیر پر توجہ فرمائی ہوتی۔ وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِیْۤ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ جب میثاق کے دن رب تعالیٰ نے عہد و پیمان لیا تو وہ عہد نامہ ایک ورق میں لکھ کر اس حجر اسود میں رکھا اور یہ سنگ اسود قیامت کے دن آویگا کہ اس کی آنکھیں اور زبان اور لب ہوں گے اور مومنین کی گواہی دے گا۔ لہذا یہ اللہ کا امین اور مسلمانوں کا گواہ ہے حضرت فاروق نے فرمایا

اے علی جہاں تم نہ ہو خدا مجھے وہاں نہ رکھے[1] معلوم ہوا کہ سنگ اسود نفع و نقصان پہنچانے والا ہے اور اس کی تعظیم دین کی تعظیم ہے۔ نیز حضرت فاروق کا سنگ اسود کو یہ خطاب اس لئے نہ تھا کہ آپ اس بوسہ حجر اسود سے ناراض تھے۔ سنت سے ناراضی کفر ہے بلکہ محض اس لئے کہ اہل عرب پہلے بت پرست تھے ایسا نہ ہو کہ وہ یہ سمجھ لیں کہ اسلام نے چند بتوں سے ہٹا کر ایک پتھر پر ہم کو متوجہ کر دیا اس فرمان سے لوگوں کو فرق معلوم ہو گیا کہ وہ تھا پتھروں کا پوجنا اور یہ ہے پتھر کا چومنا۔ پوجنا اور ہے اور چومنا اور۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس مقصد کی تردید نہ کی بلکہ لَا تَضُرُّ وَلَا تَنْفَعُ کے لفظ سے جو سامعین دھوکا کھاتے اس کو صاف فرما دیا کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا مقصد یہ ہے کہ بالذات یہ پتھر نفع اور نقصان کا مالک نہیں۔ جیسا کہ اہل عرب بتوں کو سمجھتے تھے اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ اس پتھر میں بالکل نفع و ضرر نہیں تو حضرت فاروق کا فرمان بھی لوگوں کو سمجھانے کے لئے تھا اور حضرت

---

[1] اصل حدیث ترمذی صفحہ ۱۱۱ میں بھی ہے۔

علی مرتضیٰ کا بھی رضی اللہ عنہما ہماری تقریر سے روافض اور وہابیوں دونوں کے اعتراض اُٹھ گئے۔

تعجب ہے کہ حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہاں تو سنگِ اسود کے بوسہ کے بقول تمہارے خلاف ہیں لیکن خود ہی حضور علیہ السلام سے انہوں نے عرض کیا کہ ہم مقام ابراہیم کو اپنا مصلیٰ بنا لیتے کہ اس کے سامنے سجدہ کرتے اور نفل پڑھتے ان ہی کی عرض پر یہ آیت آئی۔ وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ اِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى مقام ابراہیم بھی تو ایک پتھر ہی ہے اس کے سامنے نفل پڑھنا اور سجدہ کرنا آپ کو پسند ہے۔

اعتراض (۳) بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ آج کل جو تبرکات حضور علیہ السلام کی طرف منسوب ہیں خبر نہیں کہ بناوٹی ہیں یا کہ اصلی چونکہ ان کے اصلی ہونے کا ثبوت نہیں اس لیے ان کا چومنا ان کی عظمت کرنا منع ہے۔ ہندوستان میں صدہا جگہ بال مبارک کی زیارت کرائی جاتی ہے نہ تو اس کا پتہ ہے اور نہ ثبوت کہ یہ حضور علیہ السلام کے بال ہیں؟

جواب:۔ تبرکات کے ثبوت کے لیے مسلمانوں میں یہ مشہور ہونا کہ یہ حضور کے تبرکات ہیں کافی ہے اس کے لیے آیت قرآنی یا حدیث بخاری کی ضرورت نہیں ہر چیز کا ثبوت یکساں نہیں ہوتا زنا کے ثبوت کے لیے چار متقی مسلمانوں کی شہادت درکار۔ دیگر مالی معاملات کے ثبوت کے لیے دو کی گواہی کافی اور رمضان کے چاند کے لیے صرف ایک عورت کی خبر بھی معتبر، نکاح، نسب یادگاروں اور اوقاف کے ثبوت کے لیے صرف شہرت یا خاص علامت کافی ہے۔ ایک پردیسی آدمی کسی عورت کو ساتھ لے کر مثلاً زن و شوہر رہتے ہیں۔ آپ اس علامت کو دیکھ کر اس کے نکاح کی گواہی دے سکتے ہیں؛ ہم کہتے ہیں کہ ہم فلاں کے بیٹے فلاں کے پوتے ہیں۔ اس کا ثبوت نہ قرآن سے ہے نہ حدیث سے نہ ہماری والدہ کے نکاح کے گواہ موجود۔ مگر مسلمانوں میں اس کی شہرت ہے اتنا ہی کافی ہے۔ اسی طرح یادگاروں کے ثبوت کے لیے صرف شہرت معتبر ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

اَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ	کیا یہ لوگ زمین کی سیر نہیں کرتے تاکہ دیکھیں ان سے پہلے والوں کا کیا انجام ہوا۔

اس آیت میں کفار مکہ کو رغبت دی گئی ہے کہ گذشتہ کفار کی یادگاروں، ان کی اجڑی ہوئی بستیوں کو دیکھ کر عبرت پکڑیں کہ نافرمانوں کا یہ انجام ہوتا ہے اب یہ کیسے معلوم ہو کہ فلاں جگہ فلاں قوم آباد تھی قرآن نے بھی اس کا پتہ نہ دیا اس کے لئے محض شہرت معتبر مانی۔ معلوم ہوا کہ قرآن نے بھی اس شہرت کا اعتبار فرمایا

شفا شریف میں ہے۔ وَمِنْ اِعْظَامِهٖ وَاِكْبَارِهٖ اِعْظَامُ جَمِيْعِ اَسْبَابِهٖ وَاِكْرَامُ مُشَاهِدِهٖ وَاَمْكِنَتِهٖ وَمَا لَمَسَهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَوْعُرِفَ بِهٖ حضور علیہ السلام کی تعظیم و توقیر میں سے یہ بھی ہے کہ حضور علیہ السلام کے اسباب ان کے مکانات اور جس کو اس جسم پاک سے مس بھی ہو گیا ہو اور جس کے متعلق یہ مشہور ہے کہ یہ حضور علیہ السلام کی ہے ان سب کی تعظیم کرے۔ شرح شفا میں ملا علی قاری اسی عبارت کے ماتحت فرماتے ہیں۔ اِنَّ الْمُرَادَ جَمِيْعُ مَانُسِبَ اِلَيْهِ وَيُعْرَفُ بِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ اس سے مقصد یہ ہے کہ جو چیز حضور علیہ السلام کی طرف منسوب ہو مشہور ہو اس کی تعظیم کرے۔ مولانا عبدالحلیم صاحب لکھنوی نے اپنی کتاب نور الایمان میں یہ ہی عبارت شفا نقل فرما کر وَيُعْرَفُ بِهٖ پر حاشیہ لکھا۔

اِىْ وَلَوْ كَانَ عَلٰى وَجْهِ الْاِشْتِهَارِ مِنْ غَيْرِ ثُبُوْتِ اَخْبَارٍ فِىْ اٰثَارِهٖ كَذَا قَالَ عَلِىُّ الْقَارِىْ | اگرچہ یہ نسبت محض شہرت کی بنا پر ہو اور اس کا ثبوت احادیث سے نہ ہو اسی طرح ملا علی قاری نے فرمایا

ملا علی قاری علیہ الرحمۃ نے اپنی کتاب مسلک متقسط میں یہ ہی مضمون تحریر فرمایا۔ اسی طرح علماء امت نے احکام حج میں تصانیف شائع کیں اور زائرین کو ہدایت کی کہ حرمین شریفین میں ہر اس مقام کی زیارت کرے جس کی لوگ عزت و حرمت کرتے ہوں۔ تعجب ہے کہ فقہاء کرام فضائل اعمال میں حدیث ضعیف کو بھی معتبر مانیں۔ اور یہ مہربان تبرکات کے ثبوت کے لئے حدیث بخاری کا مطالبہ کریں

عاشقاں راچہ کار با تحقیق ! ٭ ہر کجا نام اوست قربانیم !

لطیفہ:۔ ہم دھوراجی کاٹھیاواڑ کی نگینہ مسجد میں بارہویں ربیع الاول شریف کو وعظ کہنے گئے وہاں بال مبارک کی زیارت کی جا رہی تھی۔ مسلمان زیارت کر رہے تھے درود پاک کا ورد کرتے تھے کوئی روتا تھا۔ کوئی دعا مانگ رہا تھا۔ غرضکہ عجب پرکیف منظر تھا ایک صاحب ایک کونہ میں منہ بنائے کھڑے تھے معلوم ہوتا تھا کہ ان کے منہ کو لقوے نے مارا ہے میں نے پوچھا کہ حضرت آپ غصہ میں کیوں ہیں؟ فرمانے لگے کہ مسجدوں میں شرک ہو رہا ہے اس کا کیا ثبوت ہے؟ کہ یہ بال حضور علیہ السلام کا ہے اور اگر ہو بھی تو اس تعظیم کا کیا ثبوت ہے؟ میں نے ان کا جواب نہ دیا۔ بلکہ ان سے پوچھا کہ جناب کا اسم

شریف کیا ہے؟ فرمانے لگے عبدالرحمٰن۔ والد مہربان کا اسم گرامی کیا؟ فرمایا کہ عبدالرحیم۔ ہم نے پوچھا کہ اس کا ثبوت کیا ہے؟ کہ آپ عبدالرحیم صاحب کے فرزند ہیں۔ اوّلاً تو اس نکاح کے گواہ نہیں اگر کوئی ہو بھی تو وہ صرف عقد نکاح کی گواہی دے گا یہ کیسے معلوم ہوا کہ جناب کی ولادت شریف ان کے ہی قطرے سے ہے تڑپ کر بولے کہ جناب مسلمان کہتے ہیں کہ میں ان کا بیٹا ہوں اور مسلمانوں کی گواہی معتبر ہے۔ ہم نے کہا جناب مسلمان کہتے ہیں کہ یہ رسول اللہ کا بال شریف ہے اور مسلمانوں کی گواہی معتبر ہے شرمندہ ہو گئے کہنے لگے یہ اور بات ہے پوچھا کہ جناب کہاں کے تعلیم یافتہ ہیں فرمایا دیوبند کے۔ ہم نے کہا کہ پھر کیا پوچھنا آپ تو رجسٹری شدہ ہیں۔ مولانا قطب الدین برہمچاری قدس سرہٗ سے ایک دیوبندی صاحب فرمانے لگے کہ حضور علیہ السلام کو حضور کہنا بدعت ہے نام لینا چاہیئے کیونکہ حضور کہنا کہیں ثابت نہیں انہوں نے جواب دیا۔ چپ رہ اُتو۔ بولے یہ کیا؟ فرمایا کہ آپ کو جناب یا آپ کہنا بدعت ہے کہیں بھی ثابت نہیں ہیں یقین کرتا ہوں کہ دیوبندیوں کو بہت زیادہ تکلیف قیامت کے دن ہوگی۔ جبکہ حضور علیہ السلام مقام محمود پر جلوہ گر ہوں گے اور آپ کی شان تمام عالم پر ظاہر ہوگی اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا شَفَاعَتَہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔

آج لے ان کی پناہ آج مدد مانگ ان سے ؛ پھر نہ مانیں گے قیامت میں اگر مان گیا

اعتراض (۴) نقشہ نعلین اصل نعلین شریف نہیں یہ تو تمہاری روشنائی تمہارے قلم سے بنایا ہوا ڈھونڈ ہے۔ پھر اس کی تعظیم کیوں کرتے ہو۔

جواب: یہ نقشہ اصل نعلین کی نقل اور اس کی حکایت ہے حکایت کی بھی تعظیم چاہیئے لاہور کا چھپا ہوا، قرآن شریف، اس کا کاغذ روشنائی آسمان سے نہیں اتری ہماری بنائی ہوئی ہے مگر واجب التعظیم ہے کہ اس اصل کی نقل ہے۔ ہر ماہ ربیع الاول ہر دوشنبہ معظم ہے کہ اصل کی حاکی ہے۔

بحث ۲۲ عبدالنبی عبدالرسول نام رکھنا

عبدالنبی عبدالرسول عبدالمصطفٰے عبدالعلی وغیرہ نام رکھنا جائز ہے۔ اسی طرح اپنے کو حضور علیہ السلام کا بندہ کہنا جائز ہے قرآن و حدیث و اقوال فقہاء سے ثابت ہے مگر بعض لوگ اس کا انکار کرتے ہیں اس لیئے اس بحث کے بھی ہم دو باب کرتے ہیں۔ باب اوّل میں اس کا ثبوت دوسرے میں اس پر اعتراض و جواب

پہلا باب

اس کے ثبوت میں

قرآن کریم فرماتا ہے وَانْکِحُوا الْاَیَامٰی مِنْکُمْ وَالصّٰلِحِیْنَ مِنْ عِبَادِکُمْ وَاِمَائِکُمْ۔ | اور نکاح کر دو اپنوں میں ان کا جو بے نکاح ہوں اور اپنے لائق بندوں اور کنیزوں کا۔

اس عبارت میں عباد کو کُم کی طرف مضاف کیا گیا ہے۔ یعنی تمہارے بندے۔

قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ۔ | اے محبوب فرما دو کہ میرے وہ بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی اللہ کی رحمت سے نا امید نہ ہو۔

اس یا عبادی میں دو احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ رب فرماتا ہے کہ اے میرے بندو دوسرے یہ کہ حضور علیہ السلام کو حکم دیا گیا کہ آپ فرما دو اے میرے بندو۔ اس دوسری صورت میں عباد رسول اللہ مراد ہوتے۔ یعنی حضور علیہ السلام کے غلام اور امتی، دوسرے معنیٰ کو بھی بہت سے بزرگانِ دین نے اختیار فرمایا۔ مثنوی شریف میں فرماتے ہیں ؎

بندہ خود خواند احمد در رشاد ، جملہ عالم را بخواں قُلْ یٰعِبَاد

حضور علیہ السلام نے سارے عالم کو اپنا بندہ فرمایا۔ قرآن میں پڑھ لو قل یا عباد۔ حاجی امداد اللہ صاحب رسالہ نفحہ مکیہ ترجمہ شمائم امدادیہ صفحہ ۱۳۵ میں فرماتے ہیں۔ عباد اللہ کو عباد الرسول کہہ سکتے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ الآیۃ مرجع ضمیر متکلم کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ترجمہ مولوی اشرف علی صاحب تھانوی قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ الآیۃ آپ کہہ دو کہ میرے بندو۔ ازالۃ الخفاء میں شاہ ولی اللہ صاحب بحوالہ الریاض النضرۃ وغیرہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بر سر منبر خطبہ میں فرمایا قَدْ کُنْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَکُنْتُ عَبْدَهٗ وَخَادِمَهٗ | میں حضور علیہ السلام کے ساتھ تھا۔ پس میں آپ کا بندہ اور خادم تھا۔

مثنوی شریف میں وہ واقعہ نقل فرمایا۔ جبکہ حضرت صدیق اکبر حضرت بلال کو خرید کر حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں لائے (رضی اللہ عنہما)، تو عرض کیا۔

گفت ما دو بندگانِ کوئے تو ، کردمش آزاد ہم برروئے تو

عرض کیا کہ ہم دونوں آپ کی بارگاہ کے بندے ہیں۔ میں ان کو آپ کے سامنے آزاد کرتا ہوں۔

صاحب درمختار خطبہ درمختار میں اپنا شجرۂ علمی بیان فرماتے ہیں۔

فَاِنِّیْ اَرْوِیْهِ عَنْ شَیْخِنَا الشَّیْخِ عَبْدِ النَّبِیِّ الْخَلِیْلِیْ ❊ میں اس کو اپنے شیخ عبدالنبی خلیلی سے روایت کرتا ہوں

معلوم ہوا کہ صاحب درمختار کے استاد کا نام عبدالنبی تھا۔ مرثیہ رشید احمد گنگوہی میں مولوی محمود حسن صاحب دیوبندی نے لکھا ہے۔

قبولیت اسے کہتے ہیں مقبول ایسے ہوتے ہیں | عبید سود کا ان کے لقب ہے یوسف ثانی

جس سے معلوم ہوا کہ مولوی رشید احمد صاحب کے کالے بندے بھی یوسف ثانی کہلاتے ہیں غرضکہ عبد کی نسبت غیر خدا کی طرف قرآن وحدیث واقوال فقہاء اور اقوال مخالفین سے ثابت ہے۔ عرب والے عام طور پر کہتے ہیں۔ عبدی حرٌّ۔ شاعر کہتا ہے ع اَلْوَاهِبُ الْمِأَةِ الْهِجَانِ وَعَبْدِهَا

لطیفہ: تقویۃ الایمان میں علی بخش، پیر بخش، غلام علی، مدار بخش، عبدالنبی نام رکھنے کو شرک کہا مگر تذکرۃ الرشید حصہ اول صفحہ ۱۳ میں رشید احمد صاحب کا شجرہ نسب یوں ہے مولانا رشید احمد ابن مولانا ہدایت احمد ابن قاضی پیر بخش ابن غلام حسن ابن غلام علی۔ اور ماں کی طرف سے نسب نامہ یوں لکھا ہے۔ رشید احمد ابن کریم النساء بنت فرید بخش ابن غلام قادر ابن محمد صالح ابن غلام محمد۔ دیوبندی بتائیں کہ مولوی رشید احمد صاحب کے خاندانی بزرگ مشرک مرتد تھے یا نہیں؟ اگر نہیں تو کیوں؟ اور اگر تھے تو مرتد کی اولاد حلالی ہے یا حرامی۔

دوسرا باب

اس پر اعتراضات وجوابات میں

اعتراض (۱) عبد کے معنیٰ ہیں عابد عبادت کرنیوالا تو عبدالنبی کے معنیٰ ہوں گے نبی کی عبادت کرنیوالا اور یہ معنیٰ صریحی شرکیہ ہیں لہذا ایسے نام منع ہیں۔

جواب: عبد کے معنیٰ عابد بھی ہیں اور خادم بھی۔ جب عبد کو اللہ کی طرف نسبت کیا جاویگا تو اس کے معنے عابد ہوں گے۔ اور جب غیر اللہ کی نسبت ہوگی تو معنیٰ ہوں گے خادم غلام لہذا عبدالنبی کے معنے ہوئے نبی کا غلام۔ عالمگیری کتاب الکراہیت باب تسمیۃ الاولاد میں ہے۔

وَالتَّسْمِیَةُ بِاسْمٍ یُوْجَدُ فِیْ کِتَابِ اللّٰهِ تَعَالٰی | جو نام قرآن شریف میں پائے جاتے ہیں ان سے

جَائِزَۃٌ کَالْعَلِیِّ وَالرَّشِیْدِ وَالْبَدِیْعِ لِاَنَّہٗ مِنَ الْاَسْمَاءِ الْمُشْتَرَکَۃِ وَیُرَادُ فِیْ حَقِّ الْعِبَادِ مَالَا یُرَادُ فِیْ حَقِّ اللّٰہِ تَعَالٰی کَذَا فِی السِّرَاجِیَّۃِ۔

نام رکھنا جائز ہے جیسے کہ علی یا رشید اور بدیع کیونکہ یہ اسماء مشترکہ میں سے ہیں اور بندے کیلئے ان کے وہ معنی مراد ہوں گے جو کہ اللہ کے لیئے مراد نہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کا نام بھی علی ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام بھی علی ہے۔ اسی طرح خدا کا نام بھی رشید بدیع وغیرہ ہیں اور بندوں کے بھی یہ نام ہو سکتے ہیں۔ مگر اللہ کے نام میں ان الفاظ کے معنے اور ہیں اور بندوں کے لیئے دوسرے معنے اسی طرح عبداللہ کے معنے اللہ کا عابد، عبدالنبی کے معنے نبی کا غلام اگر یہ توجیہ نہ ہو تو قرآن کی اس آیت کے کیا معنے ہوں گے مِنْ عِبَادِکُمْ۔

اعتراض (۲) مشکوٰۃ باب الادب الاسامی اور مسلم جلد دوم کتاب الالفاظ من الادب وغیرہ میں ہے۔

لَا یَقُوْلَنَّ اَحَدُکُمْ عَبْدِیْ وَاَمَتِیْ کُلُّکُمْ عَبِیْدُ اللّٰہِ وَکُلُّ النِّسَاءِ کُمْ اِمَاءُ اللّٰہِ وَلٰکِنْ لِیَقُلْ غُلَامِیْ وَجَارِیَتِیْ۔

تم میں سے کوئی نہ کہے میرا بندہ، میری باندی تم سب اللہ کے بندے ہو اور تمہاری تمام عورتیں اللہ کی لونڈیاں ہیں لیکن یہ کہے کہ غلامی وجاریتی۔

اس سے معلوم ہوا کہ لفظ عبد کی نسبت غیر اللہ کی طرف کرنا خلاف احادیث ہے لہذا حرام ہے اور عبدالنبی میں بھی یہ بات موجود ہے لہذا منع ہے۔

جواب: یہ ممانعت کراہت تنزیہی کے طور پر ہے کہ عبدی کہنا بہتر نہیں بلکہ غلامی کہنا اولیٰ ہے اسی حدیث کے ماتحت نووی شرح مسلم میں ہے۔

فَاِنْ قِیْلَ قَدْ قَالَ النَّبِیُّ عَلَیْہِ السَّلَامُ فِیْ اَشْرَاطِ السَّاعَۃِ اَنْ تَلِدَ الْاَمَۃُ رَبَّتَہَا فَالْجَوَابُ مِنْ وَجْہَیْنِ اَحَدُہُمَا اَنَّ الْحَدِیْثَ الثَّانِیْ لِبَیَانِ الْجَوَازِ وَاَنَّ النَّہْیَ فِی الْاَوَّلِ لِلْاَدَبِ وَکَرَاہَۃِ التَّنْزِیْہِ لَا لِلتَّحْرِیْمِ۔

اگر کہا جاوے کہ حضور علیہ السلام نے علامات قیامت میں فرمایا کہ لونڈی اپنے رب کو جنے گی (یعنی بندے کو رب فرمایا) اسکا جواب دو طرح ہے ایک یہ کہ دوسری حدیث بیان جواز کیلئے ہے اور پہلی حدیث میں ممانعت ادب کیلئے ہے اور کراہت تنزیہی ہے نہ کہ تحریمی

مسلم میں اسی جگہ ہے لَا یَقُوْلَنَّ اَحَدُکُمْ لِلْعِنَبِ الْکَرْمَ فَاِنَّ الْکَرْمَ الرَّجُلُ الْمُسْلِمُ۔ اسی جگہ یہ بھی ہے لَا تُسَمُّوا الْعِنَبَ الْکَرْمَ فَاِنَّ الْکَرْمَ الْمُسْلِمُ۔ انگور کو کرم نہ کہو کیونکہ کرم تو مسلمان ہے۔ مشکوٰۃ کتاب الادب باب الاسامی میں ہے

اِنَّ اللّٰہَ ہُوَ الْحَکَمُ وَاِلَیْہِ الْحُکْمُ فَلِمَ تُکَنّٰی اَبَا الْحَکَمِ۔

حکم تو اللہ ہے اسی کا حکم ہے تو تیرا نام ابوالحکم کیوں ہے۔

مشکوٰۃ میں اسی جگہ ہے لَا تُسَمِّیَنَّ غُلَامَکَ یَسَارًا

اپنے غلام کا نام یسار اور رباح اور نجیح اور افلح نہ

وَلَا رِبَاحًا وَّلَا نَجِيحًا وَّلَا اَفْلَحَ ۔ | رکھو۔

ان تمام حدیث میں ان ناموں سے جو ممانعت ہے کراہت تنزیہی کی بنا پر ہے ورنہ قرآن اور حدیث بلکہ خود احادیث میں سخت تعارض ہوگا۔ دیکھو رب خدا کا بھی نام ہے اور قرآن کریم میں بندوں کو بھی رب فرماتا ہے۔ كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا ۔ فَارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ ۔ اگر کوئی شخص کسی کو اپنا مربی یا رب کہے تو مشرک نہ ہوگا۔ ہاں اس سے بچے تو بھی کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ یہ نام رکھنا واجب نہیں۔ لیکن اگر اس زمانہ میں دیوبندیوں وہابیوں کو چڑانے کے لیئے یہ نام رکھے تو بہت باعث ثواب ہے۔ جیسے کہ ہندوستان میں گائے کی قربانی۔ ہم اس کی تحقیق فاتحہ کی بحث میں کر چکے ہیں کہ جس مستحب کام کو اعدائے دین روکنے کی کوشش کریں اس کو ضرور کرنا چاہیئے۔

بحث ۲۳ اسقاط کا بیان

اس بحث میں تین باتیں عرض کرنی ہیں۔ اسقاط کے معنیٰ۔ اسقاط کرنیکا صحیح طریقہ۔ اسقاط کا ثبوت مگر چونکہ بعض لوگ اسقاط کے بالکل منکر ہیں۔ وہ قسم قسم کے اعتراض کرتے ہیں اس لیئے اس بحث کے دو باب کیئے جاتے ہیں پہلے باب میں مذکورہ تین باتیں اور دوسرے باب میں اس پر سوال وجواب۔

پہلا باب

اسقاط کے طریقے اور اس کے ثبوت میں

اس باب میں چار باتیں عرض کی جاتی ہیں۔ اسقاط کے کیا معنیٰ ہیں۔ اسقاط کرنے کا صحیح طریقہ کیا ہے۔ اسقاط کرنے سے فائدہ کیا ہے۔ اسقاط کا ثبوت کیا۔ اسقاط کے لغوی معنیٰ ہیں گرا دینا۔ اصطلاحی معنیٰ یہ ہیں کہ میت کے ذمہ جو احکام شرعیہ رہ گئے ہوں ان کو اس کے ذمہ سے دور کرنا۔ چنانچہ وجیز الصراط میں ہے "اسقاط آں چیز است کہ دور کردہ شود از ذمہ میت بہ ایں قدر کہ میسر شود" اسقاط کا فائدہ یہ ہے کہ مسلمان سے بہت سے شرعی احکام عمداً سہواً خطاءً رہ جاتے ہیں جسکو وہ اپنی زندگی میں ادا نہ کر سکا۔ اور اب بعد موت ان کی سزا میں گرفتار ہے اب نہ تو ادا کرنے کی طاقت ہے نہ اس سے چھوٹنے کی کوئی سبیل۔ شریعت مطہرہ نے اس بیکسی کی حالت میں اس میت کی دستگیری کرنے کے لیئے کچھ طریقے تجویز فرما

دیتے کہ اگر ولی میت وہ طریقہ میت کی طرف سے کر دے تو بیچارہ مردہ چھوٹ جاوے اس طریقہ کا نام اسقاط ہے حقیقت میں یہ میت کی ایک طرح کی مدد ہے۔ وہابی دیوبندی جس طرح کہ زندہ مسلمان کے دشمن ہیں اسی طرح مردوں کے بھی دشمن کہ ان کو نفع پہنچانے سے لوگوں کو روکتے ہیں اور مرے بعد بھی پیچھا نہیں چھوڑتے۔ اسقاط کا طریقہ یہ ہے کہ میت کی عمر معلوم کی جاوے اس میں سے نو سال عورت کے لیئے اور بارہ سال مرد کے لیئے نابالغی کے لیئے نکال دو اب جتنے سال بچے اس میں حساب لگاؤ کتنی مدت تک وہ بے نمازی یا بے روزہ رہا۔ یا نمازی ہونیکے زمانہ میں کس قدر نمازیں اس کی باقی رہ گئی ہیں کہ نہ وہ پڑھی اور نہ قضا کیں اس لیئے زیادہ سے زیادہ اندازہ لگالو۔ جتنی نمازیں حاصل ہوں فی نماز ۲/۱-۱ روپے اٹھنی بھر گیہوں خیرات کر دو۔ یعنی جو فطرہ کی مقدار ہے وہ ہی ایک نماز کے فدیہ کی وہ ہی ایک روزے کی۔ تو ایک دن کی چھ نمازیں، پانچ فرض اور ایک وتر واجب ان کا فدیہ تقریباً بارہ سیر گندم ہوئے اور ایک ماہ کی نمازوں کا فدیہ ۹ من گندم تقریباً اور سال کی نمازوں کا ۱۰۸ من گندم ہوتا ہے۔ اب اگر کسی کے ذمہ دس سال کی نمازیں ہیں تو صدہا من غلہ خیرات کرنا ہوگا۔ شاید کوئی بڑا دیندار مالدار تو یہ کر سکے مگر غربا سے ناممکن۔ ان کے لیئے یہ طریقہ ہے کہ ولی میت بقدر طاقت گندم یا اس کی قیمت لے مثلاً ایک ماہ کی نمازوں کا فدیہ ۹ من تھا تو ۹ من گندم یا اس کی قیمت لے اور کسی مسکین کو اس کا مالک کر دے وہ مسکین یا تو دوسرے مسکین کو یا خود مالک کو بطور ہبہ دے دے۔ وہ پھر اس فقیر کو صدقہ دے ہر بار کے صدقہ میں ایک ماہ کی نمازوں کا فدیہ ادا ہوگا۔ بارہ بار صدقہ کیا۔ ایک سال کا فدیہ ادا ہوا۔ اسی طرح چند بار گھمانے میں پورا فدیہ ادا ہو جائے گا۔ نمازوں کے فدیہ سے فارغ ہو کر اسی طرح روزہ اور زکوٰۃ کا فدیہ ادا کر دیں رحمت الٰہی سے امید ہے کہ میت کی مغفرت فرمادے۔ اسقاط کا یہ طریقہ صحیح ہے۔ پنجاب میں جو عام طور پر مروج ہے کہ مسجد سے قرآن پاک کا نسخہ منگایا۔ اس پر ایک روپیہ رکھا اور چند لوگوں نے اس کو ہاتھ لگایا پھر مسجد میں واپس کر دیا اس سے نمازوں کا فدیہ ادا نہ ہوگا۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ قرآن کی کوئی قیمت ہی نہیں۔ لہٰذا جب قرآن شریف کا نسخہ خیرات کر دیا سب نمازوں کا فدیہ ادا ہو گیا مگر یہ غلط ہے کیونکہ اس میں اعتبار تو قرآن کے کاغذ، لکھائی چھپائی کا ہے اگر دو روپیہ کا یہ نسخہ ہے تو دو روپیہ کی خیرات کا ثواب ملیگا۔ ورنہ پھر وہ مالدار جن پر ہزارہا روپیہ سالانہ زکوٰۃ واجب ہوتی ہے وہ کیوں اتنا خرچ کریں صرف ایک قرآن پاک کا نسخہ خیرات کر دیا کریں۔ غرضکہ یہ طریقہ صحیح نہیں ہے طریقہ صحیح نہ ہونیکے

یہ معنی ہیں کہ اس سے اسقاط کا مقصد حاصل نہ ہوگا نہ کہ حرام ہے۔ بلا دلیل کسی شئے کو صرف اپنی رائے سے حرام کہنا تو فضلائے دیوبند ہی کا کام ہے بقدر خیرات۔ ثواب مل جاوے گا۔

نوٹ:۔ ہم نے فدیہ کا جو وزن بیان کیا کہ چھ نمازوں کا بارہ سیر۔ یہ ہر جگہ کے لئے نہیں ہے ایک نماز کا فدیہ ۷۵ اردپیہ اٹھنی بھر گندم ہوتے ہیں۔ ہر صوبہ کے لوگ اس سے اپنے یہاں کے سیر سے حساب لگائیں۔

اسقاط کے ثبوت میں تین بحثیں کرنا ہیں ایک تو یہ کہ حرام سے بچنے ثواب حاصل کرنے یا شرعی ضرورت پوری کرنے کے لیئے شرعی حیلے جائز ہیں۔ دوسرے یہ کہ نمازوں کا فدیہ مال سے ہو سکتا ہے۔ تیسرے یہ کہ خود اسقاط کا ثبوت کیا ہے۔

پہلی فصل۔ حیلہ شرعی کے جواز میں

شرعی حیلے کرنا ضرورت کے وقت جائز ہیں۔ قرآن کریم احادیث صحیحہ اقوال فقہاء سے اس کا ثبوت ہے حضرت ایوب علیہ السلام نے قسم کھائی تھی کہ میں اپنی بیوی کو سو لکڑیاں ماروں گا رب تعالیٰ نے انکو تعلیم فرمایا کہ تم ایک جھاڑو سے کر ان کو مارو اور اپنی قسم نہ توڑو۔ قرآن مجید نے اسی قصہ کو نقل فرمایا۔ وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِهٖ وَلَا تَحْنَثْ تم اپنے ہاتھ میں جھاڑو سے کر مارو اور قسم نہ توڑو۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے چاہا کہ بنیامین کو اپنے پاس رکھیں اور راز ظاہر نہ ہو۔ اس کے لیئے بھی ایک حیلہ رب نے فرمایا جسکا مفصل ذکر سورہ یوسف میں ہے ایک بار حضرت سارا نے قسم کھائی تھی کہ میں قابو پاؤں گی تو حضرت ہاجرہ کا کوئی عضو قطع کروں گی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر وحی آئی کہ انکی آپس میں صلح کرادو۔ حضرت سارا نے فرمایا کہ میری قسم کیسے پوری ہو۔ تو ان کو تعلیم دی گئی کہ حضرت ہاجرہ کے کان چھیدویں۔

مشکوٰۃ ۔ کتاب البیوع باب الربوا میں ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں عمدہ خرمے لائے۔ حضور علیہ السلام نے دریافت فرمایا کہ کہاں سے لائے۔ عرض کیا کہ میرے پاس کچھ ردّی خرمے تھے میں نے دو صاع ردی خرمے دیئے اور ایک صاع عمدہ خرمے لیئے فرمایا کہ یہ سود ہوگیا۔ آئندہ ایسا کرو کہ ردی خرمے پیسوں کے عوض فروخت کرو اور ان پیسوں کے اچھے خرمے لے لو۔ دیکھو یہ سود سے بچنے کا ایک حیلہ ہے۔ عالمگیری نے حیلوں کا مستقل باب لکھا جس کا نام ہے کتاب الحیل اسی طرح الاشباہ والنظائر میں کتاب الحیل وضع فرمائی۔ چنانچہ عالمگیری کتاب الحیل اور ذخیرہ میں ہے۔

كُلُّ حِيْلَةٍ يَحْتَالُ بِهَا الرَّجُلُ لِإِبْطَالِ حَقِّ الْغَيْرِ اَوْ لِإِدْخَالِ شُبْهَةٍ فِيْهِ اَوْ لِتَمْوِيْهِ بَاطِلٍ فَهِيَ مَكْرُوْهَةٌ وَكُلُّ حِيْلَةٍ يَحْتَالُ بِهَا الرَّجُلُ لِيَتَخَلَّصَ بِهَا عَنْ حَرَامٍ اَوْ لِيَتَوَصَّلَ بِهَا اِلٰى حَلَالٍ فَهِيَ حَسَنَةٌ وَالْاَصْلُ فِيْ جَوَازِ هٰذَا النَّوْعِ (الخ)

جو حیلہ کسی کا حق مارنے یا اس میں شبہ پیدا کرنے یا باطل سے فریب دینے کے لیئے کیا جاوے وہ مکروہ ہے اور جو حیلہ اس لیئے کیا جاوے کہ اس سے آدمی حرام سے بچ جاوے یا حلال کو پالے وہ اچھا ہے اس قسم کے حیلوں کے جائز ہونے کی دلیل رب تعالےٰ کا یہ فرمان ہے کہ اپنے ہاتھ میں جھاڑو لو اس سے مار دو یہ حضرت ایوب علیہ السلام کو قسم سے بچنے کی تعلیم تھی اور عام مشائخ اس پر ہیں کہ اس آیت کا حکم منسوخ نہیں اور یہ ہی صحیح مذہب ہے حموی شرح اشباہ اور تتارخانیہ میں جواز حیلہ کی بہت نفیس تقریر فرمائی چنانچہ بحث کے دوران میں فرماتے ہیں۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّهٗ قَالَ وَقَعَتْ وَحْشَةٌ بَيْنَ هَاجِرَةَ وَسَارَةَ فَحَلَفَتْ سَارَةُ اِنْ ظَفِرَتْ بِهَا قَطَعَتْ عُضْوًا مِنْهَا فَاَرْسَلَ اللّٰهُ جِبْرِيْلَ اِلٰى اِبْرَاهِيْمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَنْ يُّصْلِحَ بَيْنَهُمَا فَقَالَتْ سَارَةُ مَا حِيْلَةُ يَمِيْنِيْ فَاَوْحَى اللّٰهُ اِلٰى اِبْرَاهِيْمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَنْ يَّاْمُرَ سَارَةَ اَنْ تَثْقُبَ اُذُنَيْ هَاجَرَ فَمِنْ ثَمَّ ثُقُوْبُ الْاُذُنِ۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بار حضرت سارہ و ہاجرہ رضی اللہ عنہما میں کچھ جھگڑا ہو گیا حضرت سارہ نے قسم کھائی کہ مجھے موقعہ ملا تو ہاجرہ کا کوئی عضو کاٹونگی۔ رب تعالیٰ نے حضرت جبریل کو ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں بھیجا کہ ان میں صلح کرادیں حضرت سارہ نے عرض کیا تو میری قسم کا کیا حیلہ ہوگا۔ پس حضرت ابراہیم پر وحی آئی کہ حضرت سارہ کو حکم دو کہ وہ حضرت ہاجرہ کے کان چھیندیں۔ اسی وقت سے عورتوں کے کان چھیدے گئے۔

ان قرآنی آیات اور احادیث صحیحہ اور فقہی عبارات سے حیلہ شرعی کا جواز معلوم ہوا۔

دوسری فصل۔ روزے نماز کے فدیہ کے بیان میں

روزے کا فدیہ تو قرآن سے ثابت ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ اور جن کو اس روزے کی طاقت نہ ہو وہ بدلہ دیں ایک مسکین کا کھانا۔ اس سے معلوم

ہوا کہ مجبور، بوڑھا یا مرض الموت کا مریض جب روزے کے قابل نہ رہے تو ہر روزے کے عوض ایک مسکین کو کھانا دے اور نماز بمقابلہ روزے کے زیادہ مہتم بالشان ہے اس لیے نماز کو روزے کے حکم میں رکھا گیا۔ چنانچہ اسی آیت کے ماتحت تفسیرات احمدیہ شریف میں ملا احمد جیون قدس سرہٗ فرماتے ہیں۔

وَالصَّلٰوةُ نَظِيْرُ الصَّوْمِ بَلْ اَهَمُّ فِيْهِ فَاَمَرْنَاهُ بِالْفِدْيَةِ اِحْتِيَاطًا وَ رَجَوْنَا الْقَبُوْلَ مِنَ اللهِ تَعَالٰى فَضْلًا۔

نماز روزے کی مثل ہے بلکہ اس سے بھی اہم لہٰذا ہم نے اس میں بھی فدیہ کا احتیاطاً حکم دیا اور رب تعالیٰ کے فضل سے قبول کی امید ہے۔

منار میں ہے وَوُجُوْبُ الْفِدْيَةِ فِي الصَّلٰوةِ لِلْاِحْتِيَاطِ

نماز میں فدیہ کا واجب ہونا احتیاطاً ہے۔

شرح وقایہ میں ہے وَفِدْيَةُ كُلِّ صَلٰوةٍ كَصَوْمِ يَوْمٍ وَهُوَ الصَّحِيْحُ۔

ہر نماز کا فدیہ ایک دن کے روزے کی طرح ہے اور وہ ہی صحیح ہے۔

شرح الیاس میں ہے وَيُعْتَبَرُ فِدْيَةُ كُلِّ صَلٰوةٍ فَائِتٍ كَصَوْمِ يَوْمٍ اَيْ كَفِدْيَةِ يَوْمٍ۔

ہر فوت شدہ نماز کے فدیہ کا اعتبار ایک دن روزے پر ہے یعنی ایک دن کے روزے کی طرح ہے۔

فتح القدیر میں ہے مَنْ مَاتَ وَعَلَيْهِ قَضَاءُ رَمَضَانَ فَاَوْصٰى بِهٖ اَطْعَمَ عَنْهُ وَلِيُّهٗ لِكُلِّ يَوْمٍ مِسْكِيْنًا نِصْفَ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ اَوْ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ اَوْ شَعِيْرٍ لِاَنَّهٗ عَجَزَ عَنِ الْاَدَاءِ وَكَذٰلِكَ اِذَا اَوْصٰى بِالْاِطْعَامِ عَنِ الصَّلٰوةِ۔

جو شخص مر جاوے اور اس پر رمضان کی قضا ہے پس اس نے وصیت کی تو اس کی طرف سے اس کا ولی ہر دن کے عوض ایک مسکین کو نصف صاع گیہوں یا ایک صاع خرمے یا جو دیدے کیونکہ میت اب ادا سے مجبور ہو گیا اور اسی طرح جبکہ اس نے نماز کے بدلے میں کھانا دینے کی وصیت کی ہو۔

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے اِعْلَمْ اَنَّهٗ قَدْ وَرَدَ النَّصُّ فِي الصَّوْمِ بِاِسْقَاطِهٖ بِالْفِدْيَةِ اِتَّفَقَتْ كَلِمَةُ الْمَشَائِخِ عَلٰى اَنَّ الصَّلٰوةَ كَالصَّوْمِ اِسْتِحْسَانًا وَاِذَا عَلِمْتَ ذٰلِكَ تَعْلَمُ جَهْلَ مَنْ يَقُوْلُ اِنَّ اِسْقَاطَ الصَّلٰوةِ لَا اَصْلَ لَهٗ اِبْطَالٌ لِلْمُتَّفَقِ عَلَيْهِ مِنَ الْمَذْهَبِ۔

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ نماز و روزے کا فدیہ دینا جائز ہے اور قبول کی امید ہے بلکہ احادیث بھی اسکی تائید کرتی ہیں۔ چنانچہ نسائی نے اپنے سنن کبریٰ اور عبدالرزاق نے کتاب الوصایا میں سیدنا عبداللہ ابن عباس سے نقل فرمایا۔ لَا يُصَلِّيْ اَحَدٌ عَنْ اَحَدٍ وَّلَا يَصُوْمُ اَحَدٌ عَنْ

کوئی کسی کی طرف سے نہ نماز پڑھے نہ روزہ رکھے لیکن اسکی طرف سے ہر دن

اَحَدٌ وَّلٰكِنْ يُّطْعِمُ عَنْهُ مَكَانَ كُلِّ يَوْمٍ مُدًّا مِّنْ حِنْطَةٍ
مشکوٰۃ کتاب الصوم باب القضا میں ہے قَالَ
مَاتَ وَعَلَيْهِ صِيَامُ شَهْرِ رَمَضَانَ فَلْيُطْعِمْ
عَنْهُ مَكَانَ كُلِّ يَوْمٍ مِّسْكِيْنًا۔

ہر دن کے عوض دو مد گندم (آدھا صاع) خیرات کرے۔
جو مر جاوے اور اس کے ذمہ ماہ رمضان کے روزے
ہوں تو چاہیئے کہ اس کی طرف سے ہر دن کے عوض
ایک مسکین کو کھانا دیا جاوے۔

غرضکہ نماز و روزے کا فدیہ مال سے دینا شریعت میں وارد ہے اس کا انکار کرنا جہالت ہے۔

تیسری فصل۔ مسئلہ اسقاط کے ثبوت میں

اسقاط کا طریقہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں اس کا ثبوت تقریباً ہر فقہی کتاب میں ہے۔ چنانچہ نور الایضاح میں اسی مسئلہ اسقاط کے لیئے ایک خاص فصل مقرر کی۔ فَصْلٌ فِيْ اِسْقَاطِ الصَّوْمِ وَالصَّلٰوةِ یعنی یہ فصل نماز و روزے کے اسقاط میں ہے اس میں فرماتے ہیں وَلَا يَصِحُّ اَنْ يَّصُوْمَ وَلَا اَنْ يُّصَلِّيَ عَنْهُ وَاِنْ لَّمْ يَفِ مَا اَوْصٰى بِهٖ عَمَّا عَلَيْهِ يَدْفَعُ ذٰلِكَ الْمِقْدَارَ لِلْفَقِيْرِ فَيَسْقُطُ عَنِ الْمَيِّتِ بِقَدْرِهٖ ثُمَّ يَهَبُهُ الْفَقِيْرُ وَهٰكَذَا حَتّٰى يَسْقُطَ مَا كَانَ عَلَى الْمَيِّتِ مِنْ صِيَامٍ وَّصَلٰوةٍ وَّيَجُوْزُ اِعْطَاءُ فِدْيَةِ صَلَوٰتٍ لِّوَاحِدٍ جُمْلَةً بِخِلَافِ كَفَّارَةِ الْيَمِيْنِ۔ ترجمہ وہی ہے جو ہم نے طریقہ اسقاط میں بیان کیا۔ درمختار باب قضاء الفوائت میں ہے وَلَوْ لَمْ يَتْرُكْ مَالًا يَسْتَقْرِضُ وَارِثُهٗ نِصْفَ صَاعٍ مَثَلًا وَّيَدْفَعُهٗ لِفَقِيْرٍ ثُمَّ يَدْفَعُهُ الْفَقِيْرُ لِلْوَارِثِ ثُمَّ وَثُمَّ حَتّٰى يَتِمَّ اس کا ترجمہ وہی ہے جو طریقہ اسقاط میں بیان ہوا۔ اسکی شرح میں شامی میں اس اسقاط کی اور زیادہ وضاحت فرمائی چنانچہ فرماتے ہیں۔

وَالْاَقْرَبُ اَنْ يُّحْسَبَ عَلَى الْمَيِّتِ وَيَسْتَقْرِضَ
بِقَدْرِهٖ بِاَنْ يُّقَدِّرَ عَنْ كُلِّ شَهْرٍ اَوْ سَنَةٍ اَوْ
بِحَسَبِ مُدَّةِ عُمْرِهٖ بَعْدَ اِسْقَاطِ اثْنَيْ عَشَرَ سَنَةً
لِلذَّكَرِ وَتِسْعِ سِنِيْنَ لِلْاُنْثٰى لِاَنَّهَا اَقَلُّ مُدَّةِ
بُلُوْغِهِمَا فَيَجِبُ عَنْ كُلِّ شَهْرٍ نِصْفُ غِرَارَةٍ
فَتْحُ الْقَدِيْرِ بِالْمُدِّ الدِّمَشْقِيِّ مُدِّ زَمَانِنَا وَلِكُلِّ سَنَةٍ
شَمْسِيَّةٍ سِتُّ غَرَائِرَ فَيَسْتَقْرِضُ قِيْمَتَهَا وَيَدْفَعُهَا

یعنی اُس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ حساب کرے کہ میت پر
کتنی نمازیں اور روزے وغیرہ ہیں اور اس اندازے سے قرض
لے اسطرح کہ ایک ایک مہینہ یا ایک ایک سال کے اندازے سے
لے یا میت کی کل عمر کا اندازہ کرے اور اسی عمر میں سے بلوغ کی
کم از کم مدت جو مرد کیلئے بارہ سال ہے اور عورت کیلئے نو سال
وضع کرے پھر حساب کرے تو ہر مہینہ کی نمازوں کا فدیہ نصف
غرارہ ہوگا فتح القدیر و مشقی مد سے اور ہر شمسی سال کا کفارہ

لِفَقِيْرٍ ثُمَّ يَسْتَوْهِبُهَا مِنْهُ وَيَتَسَلَّمُهَا مِنْهُ لِتَتِمَّ الْهِبَةُ ثُمَّ يَدْفَعُهَا لِذٰلِكَ الْفَقِيْرِ اَوْ لِفَقِيْرٍ اٰخَرَ وَهٰكَذَا فَيَسْقُطُ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ كَفَّارَةُ سَنَةٍ بَعْدَ ذٰلِكَ يُعِيْدُ الدَّوْرَ لِكَفَّارَةِ الصِّيَامِ ثُمَّ الْاُضْحِيَةِ ثُمَّ الْاَيْمَانِ لٰكِنْ لَابُدَّ فِيْ كَفَّارَةِ الْاَيْمَانِ مِنْ عَشَرَةِ مَسَاكِيْنَ بِخِلَافِ فِدْيَةِ الصَّلٰوةِ فَاِنَّهٗ يَجُوْزُ اِعْطَاءُ فِدْيَةِ صَلَوٰتٍ لِلْوَاحِدِ۔

پھر عزارہ ہواپس وارث اسکی قیمت قرض لے اور فقیر کو اسقاط کیلئے دے پھر فقیر اسکو دیدے اور وارث ہبہ قبول کر کے موہوب پر قبضہ کرے پھر وہ ہی قیمت اسی فقیر کو یا دوسرے کو فدیہ میں دے اسی طرح دورہ کرتا ہے تو ہر دفعہ میں ایک سال کا کفارہ ادا ہوگا اور اسکے بعد روزہ اور قربانی کے کفارے کیلئے پھر قسم کیلئے لیکن کفارہ قسم میں دس مسکینوں کا ہونا ضروری ہے بخلاف فدیہ نماز کے کہ اس میں چند نمازوں کا فدیہ ایک شخص کو دے سکتا ہے۔

یہ بالکل وہ ہی طریقہ ہے جو ہم نے بیان کیا۔ الاشباہ والنظائر میں ہے۔ اَرَادَ الْفِدْيَةَ عَنْ صَوْمِ اَبِيْهِ اَوْ صَلٰوتِهٖ وَهُوَ فَقِيْرٌ يُعْطِيْ مَنَوَيْنِ مِنَ الْحِنْطَةِ فَقِيْرًا ثُمَّ يَسْتَوْهِبُهٗ ثُمَّ يُعْطِيْهِ وَهٰكَذَا اِلٰى اَنْ يَتِمَّ مراقی الفلاح شرح نور الایضاح میں ہے فَحِيْلَتُهٗ لِاِبْرَاءِ ذِمَّةِ الْمَيِّتِ عَنْ جَمِيْعِ مَا عَلَيْهِ اَنْ يَدْفَعَ ذٰلِكَ الْمِقْدَارَ الْيَسِيْرَ بَعْدَ تَقْدِيْرِهٖ بِشَيْءٍ مِنْ صِيَامٍ اَوْ صَلٰوةٍ اَوْ نَحْوِهٖ وَيُعْطِيْهِ لِلْفَقِيْرِ بِقَصْدِ اِسْقَاطِ مَا يُرِيْدُ عَنِ الْمَيِّتِ ثُمَّ بَعْدَ قَبْضِهٖ يَهِبُهُ الْفَقِيْرُ لِلْوَلِيِّ اَوْ لِلْاَجْنَبِيِّ وَيَقْبِضُهٗ ثُمَّ يَدْفَعُهُ الْمَوْهُوْبُ لَهٗ لِلْفَقِيْرِ بِجِهَةِ الْاِسْقَاطِ مُتَبَرِّعًا بِهٖ عَنِ الْمَيِّتِ ثُمَّ يَهِبُهُ الْفَقِيْرُ لِلْوَلِيِّ (الی ان قال) وَهٰذَا هُوَ الْمُخَلِّصُ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى۔ ترجمہ وہ ہی ہے جو اوپر گزرا۔ عالمگیری میں ہے وَاِنْ لَمْ يَتْرُكْ مَالًا يَسْتَقْرِضُ وَرَثَتُهٗ نِصْفَ صَاعٍ وَيَدْفَعُ اِلٰى مِسْكِيْنٍ ثُمَّ يَتَصَدَّقُ مِسْكِيْنٌ عَلٰى بَعْضِ وَرَثَتِهٖ ثُمَّ يَتَصَدَّقُ حَتّٰى يَتِمَّ لِكُلِّ كَذَا فِي الْخُلَاصَةِ۔ اسی طرح بحر الرائق۔ عینی شرح کنز الدقائق۔ جامع الرموز۔ معتمد ظہیریہ شرح مختصر الوقایہ فتاوی قاضی خان۔ قرابہ۔ جواہر القول المختصر وغیرہ کتب فقہ میں ہے مگر طوالت کے خوف سے تمام کی عبارات نقل نہیں کیں منصف کے لئے اسی قدر میں کفایت ہے اب مخالفین کے پیشوا مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کا فتوی بھی ملاحظہ ہو۔ فتاوی رشیدیہ جلد اول کتاب البدعات صفحہ ۹۴ میں ہے حیلہ اسقاط کا مفلس کے واسطے علماء نے وضع کیا تھا۔ اب یہ حیلہ تحصیل چند فلوس کا ملاؤں کے واسطے مقرر ہو گیا ہے حق تعالیٰ نیت سے واقف ہے وہاں یہ حیلہ کارگر نہیں مفلس کیواسطے بشرط صحت نیت ورنہ کیا عجب ہے کہ مفید ہو ورنہ لغو اور حیلہ تحصیل دنیا و یہ کا ہے۔ فقط رشید احمد عفی عنہ۔

اگرچہ اس میں بہت ہیر پھیر کی مگر جائز مان لیا لہٰذا اب کسی دیوبندی کو توحیلہ اسقاط پر اعتراض کا حق نہیں رہا۔ مفلس کی قید مولوی رشید احمد صاحب نے اپنے گھر سے لگائی ہے۔ ہم فقہی عبارات پیش کر چکے ہیں۔ جس میں مفلس کی قید نہیں ہے۔ مالدار آدمی بھی اگر پورا فدیہ ادا کرے تو تمام ترکہ اسی میں چلا جاویگا۔ ورثہ کو کیا بچے گا۔ اور اگر کسی نے مرتے وقت وصیت بھی کر دی ہو کہ میرا فدیہ دیا جائے تو وصیت تہائی مال سے زیادہ کی جائز نہیں۔ اگر تہائی مال سے تمام عمر کی نمازوں کا فدیہ ادا نہ ہوا۔ تو حیلہ کرتے ہیں کیا حرج ہے؟ رہا حیلہ کا حیلہ کرنا یہ محض لغو ہے کوئی کہہ سکتا ہے کہ مدرسہ دیوبند مولویوں کا تنخواہ لینے کا حیلہ ہے لہٰذا لغو ہے۔

دُوسرا باب

حیلہ اسقاط پر اعتراضات وجوابات

اس مسئلہ پر قادیانی اور دیوبندی جماعتوں کے کچھ اعتراضات ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کو کوئی معقول اعتراض نہیں مل سکا۔ محض لفاظی سے کام لیتے ہیں چونکہ بعض سیدھے مسلمان شبہات میں پڑ جاتے ہیں۔ اس لیئے ہم ان کے جواب دیتے ہیں۔

(۱) حیلہ کرنا خدا کو اور مسلمانوں کو دھوکا دینا ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ۔	یہ منافقین اللہ اور مسلمانوں کو دھوکا دیتے ہیں اور نہیں فریب دیتے مگر اپنی جانوں کو اور سمجھتے نہیں۔

یہ کیونکر ممکن ہے کہ تھوڑے مال کے عوض تمام عمر کی نمازیں معاف ہو جاویں۔

جواب: حیلہ کو دھوکا کہنا جہالت ہے حیلہ سے مراد ہے ضرورت شرعیہ پورا کرنے کی شرعی تدبیر اُردو میں بولتے ہیں "حیلہ رزق بہانہ موت" اور شرعی حیلہ تو رب نے سکھایا اور حضور علیہ السلام نے تعلیم فرمایا۔ جس کے حوالے پہلے باب میں گزر چکے اور عالمگیری کا حوالہ گذر گیا کہ کسی کو فریب دینے کیلئے حیلہ کرنا گناہ ہے لیکن شرعی ضرورت کو پورا کرنے یا حرام سے بچنے کی تدبیر کرنا عین ثواب کسی جگہ مسجد بن رہی ہے۔ روپیہ کی ضرورت ہے زکوٰۃ کا پیسہ اس میں نہیں لگ سکتا۔ کسی فقیر کو زکوٰۃ دی اس نے مالک ہو کر اپنی طرف سے اس پر خرچ کر دیا۔ اس میں کس کو فریب دیا۔ کس کا مال مارا محض ضرورت شرعی کو پورا کیا۔

لینے کا حیلہ کرنا بُرا اور دینے کا حیلہ کرنا اچھا ہوتا ہے۔ اس میں فقراء کو دینے کا حیلہ ہے خدائے قدوس کی رحمتیں بھی حیلہ ہی سے آتی ہیں ؎ رحمت حق بہانہ می طلبد رحمت حق بہانہ می طلبد

خدا کی رحمت قیمت نہیں مانگتی۔ خدا کی رحمت بہانہ چاہتی ہے یہ آیت یخدعون منافقین کے متعلق نازل ہوئی جو کہ کلمہ ایمانی کو اپنے لیئے آڑ بناتے تھے۔ اور دل میں کافر تھے۔ مسلمانوں کے عمدہ اور شرعی اعمال پر اس کو چسپاں کرنا سخت جرم ہے۔ اسقاط کے مال کی وجہ سے نماز معاف نہیں ہوتی بلکہ زمانہ زندگی میں نماز پڑھنے کا جو قصور میت سے ہو چکا ہے اور اب اس کا بدلہ میت سے ناممکن ہے اور میت اس میں گرفتار ہے اس کے قصور معاف کرانے کا یہ حیلہ ہے کیونکہ صدقہ غضب الٰہی کو ٹھنڈا کرتا ہے۔ اَلصَّدَقَةُ يُطْفِئُ غَضَبَ الرَّبِّ۔ مشکوٰۃ باب الجمعہ میں ہے کہ جس سے نماز جمعہ چھوٹ جاوے وہ ایک دینار خیرات کرے۔ اسی مشکوٰۃ باب الحیض میں ہے کہ جو شخص اپنی بیوی سے بحالت حیض صحبت کرے تو ایک دینار یا نصف دینار خیرات کرے۔ یہ خیرات کیا ہے اس گناہ کا کفارہ ہے جس کا بدلہ ناممکن ہو گیا۔ اگر ہم یہ کہتے کہ انسان زندگی میں ہی آئندہ نمازوں کا فدیہ مال دے دیا کرے اور نماز نہ پڑھا کرے۔ تو یہ کہا جا سکتا تھا کہ مال سے نمازیں معاف کرا دیں۔

اعتراض (۲) نماز و روزہ عبادت بدنی ہے اور فدیہ مال ہے اور مال بدنی عبادت کا کفارہ کسی طرح نہیں ہو سکتا ہے۔ لہٰذا یہ حیلہ محض باطل ہے۔

جواب:۔ یہ قیاس قرآنی آیت کے مقابل ہے کہ قرآن تو فرما رہا ہے وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ جو اس روزے کی طاقت نہیں رکھتے۔ ان پر فدیہ ہے۔ ایک مسکین کا کھانا اور حکم الٰہی کے مقابل اپنا قیاس کرنا شیطان کا کام ہے کہ اس کو حکم الٰہی ہوا تھا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کر۔ اس نے اس حکم کے مقابل اپنا قیاس دوڑایا مردود ہوا۔ پھر بدنی محنت کے مقابل مال ہونا عقل کے مطابق ہے کہ ہم کسی سے کام کراتے ہیں۔ اس کے معاوضہ مال دیتے ہیں۔ بعض صورتوں میں جان کا بدلہ بھی مال سے ہوتا ہے۔ اور شریعت میں بعض کفارے خلاف قیاس بھی ہوتے ہیں۔ کوئی نمازی پہلی التحیات بھول گیا تو سجدہ سہو کرے کسی نے اپنی بیوی سے ظہار کر لیا تو اس کے کفارہ میں ۶۰ روزے رکھے۔ حاجی نے بحالت احرام شکار کر لیا۔ اگر پیسہ ہے تو اس شکار کی قیمت خیرات کرے ورنہ روزے رکھے۔ یہ تمام کفارے خلاف قیاس ہیں۔ مگر شریعت نے مقرر فرما دیا بسر و چشم منظور ہے۔

اعتراض (۳) حیلہ اسقاط سے لوگ بے نمازی بن جاویں گے کیونکہ جب انکو معلوم ہوگیا کہ ہمارے بعد ہماری نمازوں کا اسقاط ممکن ہے تو پھر نماز پڑھنے کی زحمت کیوں گوارا کریں گے؟ اسلئے یہ بند ہونا چاہیئے

جواب:۔ یہ اعتراض تو ایسا ہے جیسے بعض آریوں نے اسلام پر اعتراض کیا ہے کہ مسئلہ زکوٰۃ سے مسلمانوں میں بیکاری پیدا ہوتی ہے اور مسئلہ توبہ سے آدمی گناہ پر دلیر ہوتا ہے کیونکہ جب غریب کو معلوم ہے کہ مجھے زکوٰۃ کا مال بغیر محنت ملے گا تو کیوں محنت کرے۔ اسی طرح جبکہ آدمی کو معلوم ہوگیا کہ توبہ سے گناہ معاف ہو جاتا ہے تو خوب گناہ کرے گا جیسے یہ اعتراض محض لغو ہے اسی طرح یہ بھی جو شخص کہ فدیہ نماز پر دلیر ہوکر نماز کو ضروری نہ سمجھے وہ کافر ہوگیا اور یہ مال نماز کا فدیہ ہے نہ کہ کفر کا نیز اگر کوئی شخص مسئلہ صحیحہ کو غلط استعمال کرے تو غلطی اس استعمال کرنیوالے کی ہے نہ کہ مسئلہ کی نیز یہ مسئلہ اسقاط صدہا سال سے مسلمانوں میں مشہور ہے لیکن آج تک ہم کو تو کوئی بھی مسلمان ایسا نہ ملا جو اس اسقاط کی بنا پر نماز سے بے پرواہ ہوگیا ہو۔

اعتراض (۴) کچھ بنی اسرائیلیوں نے حیلہ کرکے مچھلی کا شکار کیا تھا۔ جس سے ان پر عذاب الٰہی آگیا اور وہ بندر بنا دیئے گئے کُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِئِیْنَ معلوم ہوا کہ حیلہ سخت گناہ ہے اور عذاب الٰہی کا باعث۔

جواب:۔ حیلہ کا حرام ہونا بھی بنی اسرائیل پر عذاب تھا جیسے کہ بہت سے گوشت ان پر حرام تھے ایسے ہی یہ بھی اس امت پر جائز حیلوں کا حلال ہونا رب کی رحمت ہے نیز انہوں نے حرام کو حلال کرنے کا حیلہ کیا کہ ہفتہ کے دن مچھلی کا شکار ان پر حرام تھا۔ ایسے حیلہ اب بھی منع ہیں۔

اعتراض (۵) قرآن فرماتا ہے۔ لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی نہیں ہے انسان کے لیئے مگر وہ جو خود کمائے اور فدیہ اسقاط میں یہ ہے کہ میت نماز نہ پڑھے اور اس کی اولاد مال خرچ کرکے اس کو اس جرم سے آزاد کرا دے۔ جس سے معلوم ہوا کہ یہ حیلہ خلاف قرآن ہے۔

جواب:۔ اس کا جواب فاتحہ کی بحث میں گزر گیا کہ اس آیت کی چند توجیہیں ہیں ایک یہ بھی ہے کہ یہ لام ملکیت کا ہے یعنی انسان اپنی کمائی ہی کا مالک ہے غیر کی بخشش قبضہ میں نہیں وہ کرے یا نہ کرے اس لئے غیر کی سخاوت پر پھول کر اپنی محنت کو بھول جانا خلاف عقل ہے ؎

بعد مرنے کے تمہیں اپنا پرایا بھول جائے ٭ فاتحہ کو قبر پر پھر کوئی آئے یا نہ آئے!

یا یہ کہ یہ آیت کریمہ عبادت بدنیہ کے بارے میں آئی ہے کہ کوئی شخص کسی کیطرف سے نماز پڑھ دے یا روزے رکھ دے تو اس کے ذمہ سے اسکے فرائض نماز روزہ ادا نہ ہوں گے وغیرہ۔ اگر یہ توجیہیں نہ کی جاویں

نوبت سی آیات قرآنیہ اور احادیث کی مخالفت لازم آ دیگی۔ قرآن کریم نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ وہ مومنین اور اپنے ماں باپ کیلئے دعا کریں۔ نماز جنازہ بھی میت کے اور تمام مسلمانوں کیلئے دعا ہی ہے۔ احادیث نے میت کیطرف سے صدقہ وخیرات کرنے کا حکم دیا ہے اسکی پوری تحقیق ہمارے فتاویٰ میں دیکھو۔

ضروری ہدایت۔ بعض جگہ رواج ہے کہ اگر کسی مسلمان کا انتقال جمعہ کے علاوہ کسی اور دن ہو تو میت کے ورثا اسکی قبر پر حافظ بٹھا کر جمعہ تک قرآن خوانی کراتے ہیں۔ بعض دیوبندی اس کو بھی حرام کہتے ہیں۔ لیکن یہ حرام کہنا محض غلط ہے اور قبر کے پاس قرآن خوانی کرنا باعث ثواب ہے۔ اس کی اصل یہ ہے کہ مشکوٰۃ کتاب عذاب القبر میں ہے کہ جب میت قبر میں رکھ دیا جاتا ہے وَتَوَلّٰی عَنْہُ اَصْحَابُہٗ اَتَاہُ مَلَکَانِ اور لوگ دفن کر کے لوٹ آتے ہیں تب منکر نکیر فرشتے سوالات کے لیئے آتے ہیں جس سے معلوم ہوا کہ دفن کرنے والوں کی موجودگی میں سوال قبر نہیں ہوتا اور پھر شامی جلد اول باب صلوٰۃ الجنائز میں ہے کہ آٹھ شخصوں سے سوال قبر نہیں ہوتا۔ شہید[1]۔ جہاد[2] کی تیاری کرنے والا، طاعون سے مرنے والا، زمانہ طاعون میں کسی بیماری سے مرنیوالا بشرطیکہ یہ دونوں صابر ہوں، صدیق[5]، نابالغ[6] بچہ، جمعہ[7] کے دن یا جمعہ کی رات میں مرنے والا۔ ہر رات[8] سورہ ملک پڑھنے والا یا مرض موت میں روزانہ سورۂ اخلاص پڑھنے والا (بعض نے فرمایا کہ نبی سے بھی) اس سے معلوم ہوا کہ جو جمعہ کو مرے اس سے سوال قبر نہیں ہوتے تو اگر کسی کا انتقال مثلاً اتوار کو ہوا اور بعد دفن سے ہی آدمی وہاں موجود رہا تو اس کی موجودگی کی وجہ سے سوال قبر نہ ہوا۔ اور اب جب جمعہ آگیا۔ سوال قبر کا وقت نکل چکا۔ اب قیامت تک نہ ہوگا۔ گویا یہ عذاب الٰہی سے میت کو بچانیکی ایک تدبیر ہے اور اللہ کی رحمت سے امید ہے کہ اس پر رحم فرمادے۔ اب جبکہ آدمی وہاں بیٹھا ہے تو بیکار بیٹھا بیٹھا کیا کرے قرآن پاک کی تلاوت کرے جس سے میت کو بھی فائدہ ہو اور قاری کو بھی۔ کتاب الاذکار مصنفہ امام نووی باب مایقول بعد الدفن میں ہے کہ قَالَ الشَّافِعِیُّ یُسْتَحَبُّ اَنْ یَقْرَؤُا عِنْدَہٗ شَیْئًا مِّنَ الْقُرْاٰنِ قَالُوْا فَاِنْ خَتَمُوا الْقُرْاٰنَ کُلَّہٗ کَانَ حَسَنًا۔ یعنی قبر کے پاس کچھ تلاوت کرنا مستحب ہے۔ اور اگر پورا قرآن پڑھیں تو بھی اچھا ہے۔

ہم اذان قبر کی بحث میں عرض کر چکے ہیں کہ قبر پر جو سبزہ اگ جاتا ہے اس کی تسبیح کی برکت سے میت کو فائدہ ہوتا ہے تو انسان کی تلاوت قرآن ضرور نافع ہوگی انشاءاللہ مگر چاہیئے یہ کہ کسی وقت بھی قبر آدمی سے خالی نہ رہے اگرچہ لوگ باری باری سے بیٹھیں۔

ضروری نوٹ:۔ بعض جگہ مسلمان رمضان کے جمعۃ الوداع کے دن کچھ نوافل قضاء عمری پڑھتے ہیں بعض لوگ اس کو حرام اور بدعت کہتے ہیں۔ اور لوگوں کو روکتے ہیں قرآن کریم فرماتا ہے اَرَءَیْتَ الَّذِیْ یَنْھٰی عَبْدًا اِذَا صَلّٰی بھلا دیکھو تو جو منع کرتا ہے۔ بندہ کو جب وہ نماز پڑھے۔ معلوم ہوا کہ کسی نمازی کو نماز سے روکنا سخت جرم ہے قضاء عمری بھی نماز ہے اس لئے روکنا ہرگز جائز نہیں قضاء عمری کی اصل یہ ہے کہ تفسیر روح البیان پارہ ۷، سورہ انعام زیر آیت وَلِتَسْتَبِیْنَ سَبِیْلُ الْمُجْرِمِیْنَ ایک حدیث نقل کی۔ اَیُّمَا عَبْدٍ اَوْ اَمَۃٍ تَرَکَ صَلٰوۃً فِیْ جَھَالَتِہٖ لَوْ تَابَ وَنَدِمَ عَلٰی تَرْکِھَا فَلْیُصَلِّ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ بَیْنَ الظُّھْرِ وَالْعَصْرِ اِثْنَتَیْ عَشَرَۃَ رَکْعَۃً یَقْرَءُ فِیْ کُلٍّ مِّنْھَا الْفَاتِحَۃَ وَاٰیَۃَ الْکُرْسِیِّ وَالْاِخْلَاصَ وَالْمُعَوِّذَتَیْنِ مَرَّۃً لَا یُحَاسِبُہُ اللہُ تَعَالٰی یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ ذَکَرَہٗ فِیْ مُخْتَصَرِ الْاِحْیَاءِ۔

جو مرد یا عورت نادانی سے نماز چھوڑ بیٹھے پھر توبہ کرے اور شرمندہ ہو اسکے چھوٹ جانے کی وجہ سے تو جمعہ کے دن ظہر و عصر کے درمیان بارہ رکعتیں نفل پڑھے ہر رکعت میں سورہ فاتحہ اور آیتہ الکرسی اور قل ہو اللہ اور فلق و سورہ ناس ایک ایک بار پڑھے تو خدا تعالیٰ اس سے قیامت کے دن حساب نہ لے گا۔ اس حدیث کو مختصر الاحیاء میں ذکر کیا۔

صاحب روح البیان اس حدیث کا مطلب سمجھاتے ہیں کہ توبہ کرنے اور نادم ہونیکا یہ مطلب ہے۔ کہ وہ تارک الصلوۃ بندہ شرمندہ ہو کر تمام نمازیں قضاء پڑھ لے کیونکہ توبہ کہتے ہی اس کو ہیں پھر قضا کرنے کا جو گناہ ہوا تھا وہ اس نماز قضاء عمری کی وجہ سے معاف ہو جائے گا یہ مطلب نہیں ہے کہ نمازیں قضا نہ پڑھو۔ صرف یہ نماز پڑھ لو سب ادا ہو گئیں یہ تو روافض بھی نہیں کہتے کہ ان کے یہاں چند روز کی نمازیں ایک وقت میں پڑھنا جائز ہے یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ سال بھر تک نماز نہ پڑھو۔ پس جمعۃ الوداع کو یہ بارہ رکعتیں پڑھ لو سب معاف ہو گئیں۔ مطلب وہی ہے جو صاحب روح البیان نے بیان فرمایا۔ اور مسلمان اسی نیت سے پڑھتے ہیں۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کہ مشکوٰۃ کتاب الحج باب الوقوف بعرفہ میں ایک حدیث ہے کہ حضور علیہ السلام نے عرفہ میں حاجیوں کے لیئے دعائے مغفرت فرمائی۔ بارگاہ الٰہی سے جواب آیا کہ ہم نے مغفرت فرمادی سوائے مظالم (حقوق العباد) کے حضور علیہ السلام نے پھر مزدلفہ میں دعا فرمائی۔ تو مظالم یعنی حقوق العباد بھی معاف فرما دیئے گئے اس کا مطلب یہ نہیں کہ کسی شخص کا قرض مار لو، کسی کو قتل کر دو، کسی کی چوری کر لو اور حج کر آؤ۔ سب

معاف ہوگیا۔ نہیں بلکہ ادائے قرض میں جو خلاف وعدہ تاخیر وغیرہ ہوگئی وہ معاف کردی گئی حقوق العباد بہرحال ادا کرنے ہوں گے۔ اگر مسلمان اس قضا عمری کے پڑھنے یا سمجھنے میں غلطی کرے تو اس کو سمجھا دو۔ نماز سے کیوں روکتے ہو۔ اللہ توفیق خیر دے۔ اگر یہ حدیث ضعیف بھی ہو جب بھی فضائل اعمال میں معتبر ہے۔

بحث ۲۲ اذان میں انگوٹھے چومنے کا بیان

اس بحث کے لکھنے کا ہمارا ارادہ نہ تھا مگر ماہ رمضان میں ہم نے خواب میں دیکھا کہ کوئی بزرگ فرما رہے ہیں کہ اپنی کتاب میں تقبیل ابہامین کا مسئلہ بھی لکھ دو تاکہ کتاب مکمل ہو جاوے لہٰذا اس کو بھی داخل کتاب کرتے ہیں۔ رب العالمین قبول فرماوے۔ آمین۔

اس بحث کے بھی دو باب کئے جاتے ہیں۔ پہلے باب میں انگوٹھے چومنے کا ثبوت۔ دوسرے باب میں اس پر اعتراضات و جوابات۔

پہلا باب

انگوٹھے چومنے کے ثبوت میں

جب مؤذن کہے اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ تو اس کو سن کر اپنے دونوں انگوٹھے یا کلمے کی انگلی چوم کر آنکھوں سے لگانا مستحب ہے اس میں دنیاوی و دینی بہت فائدے ہیں۔ اس کے متعلق احادیث وارد ہیں۔ صحابہ کرام کا اس پر عمل رہا۔ عامۃ المسلمین ہر جگہ اس کو مستحب جان کر کرتے ہیں صلوٰۃ مسعودی جلد دوم باب بستم بانگ نماز میں ہے۔

رُوِیَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَالَ مَنْ سَمِعَ اِسْمِیْ فِی الْاَذَانِ وَوَضَعَ اِبْهَامَیْهِ عَلٰی عَیْنَیْهِ فَاَنَا طَالِبُهٗ فِیْ صُفُوْفِ الْقِیٰمَةِ وَقَائِدُهٗ اِلَی الْجَنَّةِ۔	حضور علیہ السلام سے مروی ہے کہ جو شخص ہمارا نام اذان میں سنے اور اپنے انگوٹھے آنکھوں پر رکھے تو ہم اس کو قیامت کی صفوں میں تلاش فرمائیں گے اور اس کو اپنے پیچھے پیچھے جنت میں لے جائیں گے۔

تفسیر روح البیان پارہ ۶ سورہ مائدہ زیر آیت وَاِذَا نَادَیْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ الآیۃ میں ہے۔

وَضَعَفَ تَقْبِيْلُ ظُفْرَیِ اِبْهَامَیْهِ مَعَ مُسَبِّحَتَیْهِ وَالْمَسْحُ عَلٰی عَیْنَیْهِ عِنْدَ قَوْلِهٖ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ لِاَنَّهٗ لَمْ یَثْبُتْ فِی الْحَدِیْثِ الْمَرْفُوْعِ لٰکِنَّ الْمُحَدِّثِیْنَ اِتَّفَقُوْا عَلٰی اَنَّ الْحَدِیْثَ الضَّعِیْفَ یَجُوْزُ الْعَمَلُ بِهٖ فِی التَّرْغِیْبِ وَالتَّرْهِیْبِ

محمد رسول اللہ کہنے کے وقت اپنے انگوٹھے کے ناخنوں کو مع کلمے کی انگلیوں کے چومنا ضعیف ہے کیونکہ یہ حدیث مرفوع سے ثابت نہیں لیکن محدثین اس پر متفق ہیں کہ حدیث ضعیف پر عمل کرنا رغبت دینے اور ڈرانے کے متعلق جائز ہے

شامی جلد اول باب الاذان میں ہے یُسْتَحَبُّ اَنْ یُّقَالَ عِنْدَ سَمَاعِ الْاُوْلٰی مِنَ الشَّهَادَةِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَعِنْدَ الثَّانِیَةِ مِنْهَا قَرَّتْ عَیْنِیْ بِكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ثُمَّ یَقُوْلُ اللّٰهُمَّ مَتِّعْنِیْ بِالسَّمْعِ وَالْبَصَرِ بَعْدَ وَضْعِ ظُفْرَیِ الْاِبْهَامَیْنِ عَلَی الْعَیْنَیْنِ فَاِنَّهٗ عَلَیْهِ السَّلَامُ یَکُوْنُ قَائِدًا لَّهٗ اِلَی الْجَنَّةِ کَذَا فِیْ کَنْزِ الْعِبَادِ قُهُسْتَانِیْ وَنَحْوُهٗ فِی الْفَتَاوَی الصُّوْفِیَّةِ وَفِیْ کِتَابِ الْفِرْدَوْسِ مَنْ قَبَّلَ ظُفْرَیْ اِبْهَامَیْهِ عِنْدَ سَمَاعِ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ فِی الْاَذَانِ اَنَا قَائِدُهٗ وَمُدْخِلُهٗ فِیْ صُفُوْفِ الْجَنَّةِ وَتَمَامُهٗ فِیْ حَوَاشِی الْبَحْرِ لِلرَّمْلِیْ۔

اذان کی پہلی شہادت پر یہ کہنا مستحب ہے ۔ صلی اللہ علیک یارسول اللہ اور دوسری شہادت کے وقت یہ کہے قرۃ عینی بک یارسول اللہ پھر اپنے انگوٹھوں کے ناخن اپنی آنکھوں پر رکھے اور کہے اَللّٰهُمَّ مَتِّعْنِیْ بِالسَّمْعِ وَالْبَصَرِ تو حضور علیہ السلام اس کو اپنے پیچھے پیچھے جنت میں لے جائیں گے اسی طرح کنز العباد میں ہے اور اسی کے مثل فتاوی صوفیہ میں ہے اور کتاب الفردوس میں ہے کہ جو شخص اپنے انگوٹھوں کے ناخنوں کو چومے اذان میں اشہد ان محمداً رسول اللہ سن کر تو میں اس کو اپنے پیچھے پیچھے جنت میں لے جاؤں گا۔ اور اسے جنت کی صفوں میں داخل کرونگا۔ اس کی پوری بحث بحر الرائق کے حواشی رملی میں ہے۔

اس عبارت سے چھ کتابوں کے حوالہ معلوم ہوئے شامی، کنز العباد، فتاوی صوفیہ، کتاب الفردوس قہستانی، بحر الرائق کا حاشیہ۔ ان تمام میں اس کو مستحب فرمایا۔ مقاصد حسنہ فی الاحادیث الدائرۃ علی السنہ میں امام سخاوی نے فرمایا۔

ذَکَرَهُ الدَّیْلَمِیُّ فِی الْفِرْدَوْسِ مِنْ حَدِیْثِ اَبِیْ بَکْرِ الصِّدِّیْقِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّهٗ

دیلمی نے فردوس میں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ ان سرکار نے جب مؤذن کا

لَمَّا سَمِعَ قَوْلَ الْمُؤَذِّنِ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ قَالَ هٰذَا وَقَبَّلَ بَاطِنَ الْاَنْمُلَتَيْنِ السَّبَّابَتَيْنِ وَمَسَحَ عَيْنَيْهِ فَقَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ فَعَلَ مِثْلَ مَا فَعَلَ خَلِيْلِيْ فَقَدْ حَلَّتْ لَهٗ شَفَاعَتِيْ وَلَمْ يَصِحَّ۔

قول اشہدان محمداً رسول اللہ سنا تو یہی فرمایا اور اپنی کلمے کی انگلیوں کے باطنی حصوں کو چوما اور آنکھوں سے لگایا پس حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جو شخص میرے اس پیارے کی طرح کرے اس کے لیئے میری شفاعت واجب ہوگئی۔

یہ حدیث پایہ صحت تک نہ پہنچی اسی مقاصد حسنہ میں موجبات رحمت مصنفہ ابو العباس احمد کردار سے نقل کیا۔ عَنِ الْخَضِرِ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَنَّهٗ قَالَ مَنْ قَالَ حِيْنَ يَسْمَعُ الْمُؤَذِّنَ يَقُوْلُ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ مَرْحَبًا بِحَبِيْبِيْ وَقُرَّةُ عَيْنِيْ مُحَمَّدُ ابْنُ عَبْدِ اللّٰهِ ثُمَّ يُقَبِّلُ اِبْهَامَيْهِ وَيَجْعَلُهُمَا عَلٰى عَيْنَيْهِ لَمْ يَرْمَدْ اَبَدًا

حضرت خضر علیہ السلام سے روایت ہے کہ جو شخص مؤذن کو یہ کہتے ہوئے سنے اشہدان محمداً رسول اللہ تو کہے مرحبا بحبیبی وقرۃ عینی محمد ابن عبداللہ پھر اپنے انگوٹھوں کو چومے اور اپنی آنکھوں سے لگائے تو اس کی آنکھیں کبھی نہ دکھیں گی۔

پھر فرماتے ہیں کہ محمد ابن بابا نے اپنا واقعہ بیان فرمایا کہ ایک بار تیز ہوا چلی جس سے ان کی آنکھ میں کنکری جا پڑی اور نکل نہ سکی سخت درد تھا۔

وَاِنَّهٗ لَمَّا سَمِعَ الْمُؤَذِّنَ يَقُوْلُ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ قَالَ ذٰلِكَ فَخَرَجَتِ الْحَصَاةُ مِنْ فَوْرِهٖ

جب انہوں نے موذن کو کہتے ہوئے سنا اشہدان محمداً رسول اللہ تو یہی کہہ لیا فوراً کنکری آنکھ سے نکل گئی

اسی مقاصد حسنہ میں شمس محمد ابن صالح مدنی سے روایت کیا انہوں نے امام امجد کو فرماتے ہوئے سنا (امام امجد متقدمین علمائے مصر میں سے ہیں) فرماتے تھے کہ جو شخص اذان میں حضور علیہ السلام کا نام پاک سنے تو اپنے کلمے کی انگلی اور انگوٹھا جمع کرے۔

وَقَبَّلَهُمَا وَمَسَحَ بِهِمَا عَيْنَيْهِ لَمْ يَرْمَدْ اَبَدًا

اور دونوں کو چوم کر آنکھوں سے لگائے تو کبھی آنکھ نہ دکھیگی۔

پھر فرمایا کہ بعض مشائخ عراق وعجم نے فرمایا کہ جو یہ عمل کرے تو اس کی آنکھیں نہ دکھیں گی۔

وَقَالَ لِيْ كُلٌّ مِّنْهُمَا مُنْذُ فَعَلْتُهٗ لَمْ تَرْمَدْ عَيْنِيْ۔

انہوں نے فرمایا کہ جب سے میں نے یہ عمل کیا ہے میری بھی آنکھیں نہ دکھیں۔

اسی مقاصد حسنہ میں کچھ آگے جا کر فرماتے ہیں۔

قَالَ ابْنُ صَالِحٍ وَاَنَا مُنْذُ سَمِعْتُهٗ اِسْتَعْمَلْتُهٗ فَلَا تَرْمَدُ عَيْنِىْ وَاَرْجُوْا اَنَّ عَافِيَتَهُمَا تَدُوْمُ وَاِنِّىْ اَسْلِمُ مِنَ الْعَمٰى اِنْشَاءَ اللّٰهُ۔

ابن صالح نے فرمایا کہ میں نے جب سے یہ سنا ہے اس پر عمل کیا میری آنکھیں نہ دکھیں اور میں امید کرتا ہوں کہ انشاء اللہ یہ آرام ہمیشہ رہیگا اور میں اندھا ہونے سے محفوظ رہونگا۔

پھر فرماتے ہیں کہ امام حسن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جو شخص اشہدان محمد رسول اللہ سن کر یہ کہے مَرْحَبًا بِحَبِيْبِىْ وَقُرَّةُ عَيْنِىْ مُحَمَّدُ ابْنُ عَبْدِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اور اپنے انگوٹھے چوم لے اور آنکھوں سے لگائے۔ لَمْ يَعْمَ وَلَمْ يَرْمَدْ کبھی اندھا نہ ہوگا اور نہ کبھی اس کی آنکھیں دکھیں گی۔ غرضکہ اسی مقاصد حسنہ میں بہت سے آئمہ دین سے یہ عمل ثابت کیا۔ شرح نقایہ میں ہے۔

وَاعْلَمْ اَنَّهٗ يُسْتَحَبُّ اَنْ يُّقَالَ عِنْدَ سِمَاعِ الْاُوْلٰى مِنَ الشَّهَادَةِ الثَّانِيَةِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَعِنْدَ الثَّانِيَةِ مِنْهَا قُرَّتْ عَيْنِىْ بِكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ بَعْدَ وَضْعِ ظُفْرَىِ الْاِبْهَامَيْنِ عَلَى الْعَيْنَيْنِ فَاِنَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَكُوْنُ لَهٗ قَائِدًا اِلَى الْجَنَّةِ كَذَا فِىْ كَنْزِ الْعِبَادِ

جاننا چاہیئے کہ مستحب یہ ہے کہ دوسری شہادت کے پہلے کلمہ سن کر یہ کہے قرۃ عینی بک یا رسول اللہ اپنے انگوٹھوں کے ناخنوں کو آنکھوں پر رکھے تو حضور علیہ السلام اس کو جنت میں اپنے پیچھے پیچھے لے جائیں گے اسی طرح کنز العباد میں ہے

مولانا جمال ابن عبداللہ ابن عمر مکی قدس سرہٗ اپنے فتاوی میں فرماتے ہیں

تَقْبِيْلُ الْاِبْهَامَيْنِ وَوَضْعُهُمَا عَلَى الْعَيْنَيْنِ عِنْدَ ذِكْرِ اِسْمِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِى الْاَذَانِ جَائِزٌ بَلْ مُسْتَحَبٌّ صَرَّحَ بِهٖ مَشَائِخُنَا۔

اذان میں حضور علیہ السلام کا نام شریف سن کر انگوٹھے چومنا اور انکو آنکھوں سے لگانا جائز بلکہ مستحب ہے اسکی ہمارے مشائخ نے تصریح فرمائی ہے

علامہ محمد طاہر علیہ الرحمۃ تکملہ مجمع بحار الانوار میں اسی حدیث کو لایصح فرما کر فرماتے ہیں۔

وَرُوِىَ تَجْرِبَةُ عَنْ كَثِيْرِيْنَ۔

اس کے تجربہ کی روایات بکثرت آئی ہیں۔

اس کے علاوہ اور بھی عبارات پیش کی جاسکتی ہیں مگر اختصاراً اسی پر قناعت کرتا ہوں حضرت صدر الافاضل مولائی مرشدی استاذی مولانا الحاج سید نعیم الدین صاحب قبلہ مراد آبادی دام الھم فرماتے ہیں کہ ولایت سے انجیل کا ایک بہت پرانا نسخہ برآمد ہوا جس کا نام ہے (انجیل برنباس) آجکل وہ عام طور پر شائع ہے اور ہر زبان میں اس کے ترجمے کیئے گئے ہیں اس کے اکثر احکام اسلامی

احکام سے ملتے جلتے ہیں اس میں لکھا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے روح القدس (نور مصطفوی) کے دیکھنے کی تمنا کی تو وہ نور ان کے انگوٹھے کے ناخنوں میں چمکایا گیا۔ انہوں نے فرط محبت سے ان ناخنوں کو چوما اور آنکھوں سے لگایا۔ روح القدس کا ترجمہ ہم نے نور مصطفوی کیوں کیا اس کی وجہ ہماری کتاب شان حبیب الرحمٰن میں دیکھو، وہاں بتایا گیا ہے کہ زمانہ عیسوی میں روح القدس ہی کے نام سے حضور علیہ السلام مشہور تھے۔ علمائے احناف کے علاوہ علمائے شافعی و علمائے مذہب مالکی نے بھی انگوٹھے چومنے کے استحباب پر اتفاق کیا ہے۔ چنانچہ مذہب شافعی کی مشہور کتاب "اعانۃ الطالبین علی حل الفاظ فتح المعین" مصری صفحہ ۲۴۷ میں ہے۔

ثُمَّ يُقَبِّلُ اِبْهَامَيْهِ وَيَجْعَلُهُمَا عَلٰى عَيْنَيْهِ لَمْ يَعْمَ وَلَمْ يَرْمَدْ اَبَدًا۔	پھر اپنے انگوٹھوں کو چوم کر آنکھوں سے لگائے تو کبھی بھی اندھا نہ ہوگا اور نہ کبھی آنکھیں دکھیں گی۔

مذہب مالکی کی مشہور کتاب "کفایۃ الطالب الربانی لرسالۃ ابن ابی زید القیروانی" مصری جلد اول صفحہ ۱۶۹ میں اس کے متعلق بہت کچھ تحریر فرماتے ہیں۔ پھر فرماتے ہیں۔

عَيْنَيْهِ لَمْ يَعْمَ وَلَمْ يَرْمَدْ اَبَدًا۔	اندھا ہو اور نہ کبھی آنکھیں دکھیں۔

اس کی شرح میں علامہ شیخ علی الصعیدی عدوی صفحہ ۱۷۷ میں فرماتے ہیں۔

لَمْ يُبَيِّنْ مَوْضِعَ التَّقْبِيْلِ مِنْ اِبْهَامَيْنِ اِلَّا اَنَّهٗ نُقِلَ عَنِ الشَّيْخِ الْعَالِمِ الْمُفَسِّرِ نُوْرِ الدِّيْنِ الْخُرَاسَانِيْ قَالَ بَعْضُهُمْ لَقِيْتُهٗ وَقْتَ الْاَذَانِ فَلَمَّا سَمِعَ الْمُؤَذِّنَ يَقُوْلُ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ قَبَّلَ اِبْهَامَيْ نَفْسِهٖ وَمَسَحَ بِالظُّفْرَيْنِ اَجْفَانَ عَيْنَيْهِ مِنَ الْمَاقِ اِلٰى نَاحِيَةِ الصُّدْغِ ثُمَّ فَعَلَ ذٰلِكَ عِنْدَ كُلِّ تَشَهُّدٍ مَرَّةً فَسَاَلْتُهٗ عَنْ ذٰلِكَ فَقَالَ كُنْتُ اَفْعَلُهٗ ثُمَّ تَرَكْتُهٗ	مصنف نے انگوٹھے چومنے کی جگہ نہ بیان کی لیکن شیخ علامہ مفسر نور الدین خراسانی سے منقول ہے کہ بعض لوگ ان کو اذان کے وقت ملے جب انہوں نے مؤذن کو اشہد ان محمداً رسول اللہ کہتے ہوئے سنا تو انہوں نے اپنے انگوٹھے چومے اور ناخنوں کو اپنی آنکھوں کی پلکوں پر آنکھوں کے کونے سے لگایا اور کنپٹی کے کونے تک پہنچایا۔ پھر ہر شہادت کے وقت ایک ایک بار کیا میں نے ان سے اس بارے میں پوچھا تو کہنے لگے

فَمَرِضَتْ عَيْنَايَ فَرَأَيْتُهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنَامًا فَقَالَ لِمَا تَرَكْتَ مَسْحَ عَيْنَيْكَ عِنْدَ الْاَذَانِ اِنْ اَرَدْتَ اَنْ تَبْرَءَ عَيْنَاكَ فَعُدْ فِي الْمَسْحِ فَاسْتَيْقَظْتُ وَمَسَحْتُ فَبَرِئْتُ وَلَمْ يُعَاوِدْنِيْ مَرَضُهَا اِلَى الْاٰنِ ۔

کہ میں پہلے انگوٹھے چوما کرتا تھا۔ پھر چھوڑ دیا۔ پس میری آنکھیں بیمار ہو گئیں۔ پس میں نے حضور علیہ السلام کو خواب میں دیکھا کہ حضور علیہ السلام نے مجھے فرمایا کہ تم نے اذان کے وقت انگوٹھے آنکھوں سے لگانا کیوں چھوڑ دیئے؟ اگر تم چاہتے ہو کہ تمہاری آنکھیں اچھی ہو جائیں تو پھر یہ انگوٹھے آنکھوں سے لگانا شروع کر دو۔ پس بیدار ہوا اور یہ مسح شروع کیا مجھ کو آرام ہو گیا۔ اور پھر اب تک وہ مرض نہ لوٹا (ماخوذ از نہج السلامہ)۔

اس تمام گفتگو کا نتیجہ یہ نکلا کہ اذان وغیرہ میں انگوٹھے چومنا آنکھوں سے لگانا مستحب ہے حضرت آدم علیہ السلام اور صدیق اکبر و امام حسن رضی اللہ عنہما کی سنت ہے۔ فقہاء محدثین و مفسرین اس کے استحباب پر متفق ہیں آئمہ شافعیہ و مالکیہ نے بھی اس کے استحباب کی تصریح فرمائی ہر زمانہ اور ہر ایک مسلمان اس کو مستحب جانتے رہے اور جانتے ہیں اس میں حسب ذیل فائدے ہیں یہ عمل کرنے والا آنکھ دکھنے سے محفوظ رہے گا اور انشاء اللہ کبھی اندھا نہ ہوگا اگر آنکھ میں کسی قسم کی تکلیف ہو اس کے لیے یہ انگوٹھے چومنے کا عمل بہترین علاج ہے بارہا تجربہ ہے اس کے عامل کو حضور علیہ السلام کی شفاعت نصیب ہوگی اور اس کو حضور علیہ السلام قیامت کی صفوف میں تلاش فرما کر اپنے پیچھے جنت میں داخل فرمائیں گے۔

اس کو حرام کہنا محض جہالت ہے جب تک کہ ممانعت کی صریح دلیل نہ ملے اس کو منع نہیں کر سکتے استحباب کے لیے مسلمانوں کا مستحب جاننا ہی کافی ہے مگر کراہت کے لیے دلیل خاص کی ضرورت ہے جیسا کہ ہم بدعت کی بحث میں ثابت کر چکے ہیں۔

نوٹ:۔ اذان کے متعلق تو صاف و صریح روایات اور احادیث موجود ہیں جو پیش کی جا چکیں تکبیر بھی مثل اذان کے ہے احادیث میں تکبیر کو اذان فرمایا گیا ہے ۔

دو اذانوں کے درمیان نماز ہے یعنی اذان و تکبیر کے درمیان۔ لہذا تکبیر میں اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ پر انگوٹھے چومنا نافع و باعث برکت ہے۔ اور اذان و تکبیر کے علاوہ بھی اگر کوئی شخص

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام شریف سن کر انگوٹھے چومے تو بھی کوئی حرج نہیں بلکہ نیت خیر سے ہو تو باعث ثواب ہے بلا دلیل ممانعت منع نہیں کر سکتے۔ جس طرح بھی حضور علیہ السلام کی تعظیم کی جاوے باعث ثواب ہے۔

دوسرا باب

انگوٹھے چومنے پر اعتراضات وجوابات

اعتراض (۱) انگوٹھے چومنے کے متعلق جس قدر روایات بیان کی گئیں۔ وہ سب ضعیف ہیں اور حدیث ضعیف سے مسئلہ شرعی ثابت نہیں ہو سکتا۔ دیکھو مقاصد حسنہ میں فرمایا لَا یَصِحُّ فِی الْمَرْفُوْعِ مِنْ کُلِّ ھٰذَا شَیْئٌ ان میں سے کوئی مرفوع حدیث صحیح نہیں۔ ملا علی قاری نے موضوعات کبیر میں ان احادیث کے متعلق فرمایا۔ کُلُّ مَا یُرْوٰی فِیْ ھٰذَا فَلَا یَصِحُّ رَفْعُہٗ یعنی اس مسئلہ میں جتنی احادیث مروی ہیں ان میں سے کسی کا رفع صحیح نہیں۔ خود علامہ شامی نے اسی بحث میں اسی جگہ فرمایا لَمْ یَصِحَّ مِنَ الْمَرْفُوْعِ مِنْ ھٰذَا الشَّیْئِ ان میں سے کوئی مرفوع حدیث صحیح نہیں۔ صاحب روح البیان نے بھی ان احادیث کی صحت سے انکار کیا۔ پھر ان احادیث کا پیش کرنا ہی بیکار ہے۔

جواب:۔ اس کے چند جوابات ہیں اولاً تو یہ کہ تمام حضرات مرفوع حدیث کی صحت کا انکار فرما رہے ہیں جس سے معلوم ہوا کہ اس کے بارے میں حدیث موقوف صحیح ہے چنانچہ ملا علی قاری موضوعات کبیر میں اسی عبارت منقولہ کے بعد فرماتے ہیں۔

قُلْتُ وَاِذَا ثَبَتَ رَفْعُہٗ اِلَی الصِّدِّیْقِ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ فَیَکْفِیْ لِلْعَمَلِ بِہٖ لِقَوْلِہٖ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ وَسُنَّۃِ الْخُلَفَآءِ الرَّاشِدِیْنَ۔

یعنی میں کہتا ہوں کہ جب اس حدیث کا رفع صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک ثابت ہے تو عمل کے لئے کافی ہے کیونکہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ تم پر لازم کرتا ہوں اپنی سنت اور اپنے خلفائے راشدین کی سنت

معلوم ہوا کہ حدیث موقوف صحیح ہے اور حدیث موقوف کافی ہے۔ دوسرے یہ کہ ان تمام علماء نے فرمایا لَمْ یَصِحَّ یعنی یہ تمام احادیث حضور تک مرفوع ہو کر صحیح نہیں اور صحیح نہ ہونے سے ضعیف ہونا لازم نہیں۔ کیونکہ صحیح کے بعد درجہ حسن باقی ہے لہٰذا اگر یہ حدیث حسن ہو تب بھی کافی ہے۔

تیسرے یہ کہ اصول حدیث و اصول فقہ کا مسئلہ ہے کہ اگر کوئی ضعیف حدیث چند اسناد سے مروی ہو جاوے تو حسن بن جاتی ہے چنانچہ درمختار جلد اول باب مستحبات الوضوء میں اعضاء وضو کی دعاؤں کے متعلق فرماتے ہیں۔ وَقَدْ رَوَاهُ ابْنُ حِبَّانَ وَغَيْرُهُ عَنْهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ مِنْ طُرُقٍ۔ اس حدیث کو ابن حبان وغیرہ نے چند اسناد سے روایت کیا۔ اس کے ماتحت شامی میں فرماتے ہیں۔ اَيْ يُقَوِّيْ بَعْضُهَا بَعْضًا فَارْتَقٰى اِلٰى مَرْتَبَةِ الْحَسَنِ یعنی بعض اسناد بعض کو قوت دیتی ہیں لہذا یہ حدیث درجہ حسن کو پہنچ گئی۔ اور ہم پہلے باب میں بتا چکے کہ یہ حدیث بہت طرق سے روایت ہے لہذا حسن ہے چوتھے یہ کہ اگر مان بھی لیا جاوے کہ یہ حدیث ضعیف ہے پھر بھی فضائل اعمال میں حدیث ضعیف معتبر ہوتی ہے۔ چنانچہ یہ ہی علامہ شامی اسی ردالمحتار جلد اول باب اذان میں اذان کے مواقع کے بحث میں فرماتے ہیں۔ عَلٰى اَنَّهٗ فِيْ فَضَائِلِ الْاَعْمَالِ يَجُوْزُ الْعَمَلُ بِالْحَدِيْثِ الضَّعِيْفِ كَمَا مَرَّ فِيْ اَوَّلِ كِتَابِ الطَّهَارَةِ فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل کرنا جائز ہے یہاں بھی واجب و حرام ہونے کے مسائل نہیں ہیں صرف یہ ہے کہ انگوٹھے چومنے میں یہ فضیلت ہے لہذا اس میں حدیث ضعیف بھی قابل عمل ہے نیز مسلمانوں کا عمل ضعیف حدیث کو قوی کر دیتا ہے چنانچہ کتاب الاذکار مصنفہ امام نووی تلقین میت کی بحث میں ہے۔

وَقَدْ رَوَيْنَا فِيْهِ حَدِيْثًا مِنْ حَدِيْثِ اَبِيْ اُمَامَةَ لَيْسَ بِالْقَائِمِ اِسْنَادُهٗ وَلٰكِنْ اَعْتَضَدَ بِشَوَاهِدَ وَبِعَمَلِ اَهْلِ الشَّامِ۔	یعنی تلقین میت کی حدیث قوی الاسناد نہیں مگر اہل شام کے عمل و دیگر شواہد سے قوی ہو گئی انگوٹھے چومنے پر بھی امت کا عمل ہے لہذا یہ حدیث قوی ہوئی

اس سے زیادہ تحقیق نورالانوار اور توضیح وغیرہ میں دیکھو۔ پانچویں یہ کہ اگر اس کے متعلق کوئی بھی حدیث نہ ملتی۔ تب بھی امت مصطفےٰ علیہ السلام کا مستحب ماننا ہی کافی تھا کہ حدیث میں آیا ہے مَارَاٰهُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ حَسَنٌ جس کو مسلمان اچھا جانیں وہ کام اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔ چھٹے یہ کہ یہ انگوٹھے چومنا آنکھ کی بیماریوں سے بچنے کا عمل ہے اور عمل میں صرف صوفیائے کرام کا تجربہ کافی ہوتا ہے۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب ہوامعہ میں ہوامعہ مقدمہ کے دسویں ہامعہ میں فرماتے ہیں اجتہاد در اختراع اعمال تصریفیہ راہ کشادہ است مانند استخراج اطباء نسخہاء قرابادین را "تصریفی اعمال میں اجتہاد کا راستہ کھلا ہوا ہے۔ جیسے کہ طبیب لوگ حکمت کے نسخے

ایجاد کرتے ہیں۔ خود شاہ ولی صاحب نے اپنی کتاب القول الجمیل وغیرہ میں صدہا عمل تعویذ گنڈے سے جنات کو دفع کرنے سے جنات سے محفوظ رہنے۔ حمل محفوظ رکھنے کے تجویز فرمائے ہیں کہ فلاں دعا ہرن کی کھال پر لکھ کر عورت کے گلے میں مثل ہار کے ڈال دو اسقاط نہ ہوگا پشم کا رنگا ہوا ڈورا عورت کے جسم سے ناپ کر تو گرہ لگا کر عورت کی بائیں ران میں باندھنا درد زہ کو مفید ہے وغیرہ وغیرہ بتاؤ کہ ان اعمال کے متعلق کون سی احادیث آئی ہیں؟ خود علامہ شامی نے جادو سے بچنے، گمی ہوئی چیز کے تلاش کرنے کے لیے بہت سے طریقے شامی میں بیان فرمائے بتاؤ کہ ان کی احادیث کہاں ہیں؟ جبکہ ہم پہلے باب میں ثابت کر چکے کہ یہ عمل درد چشم کے لیئے مجرب ہے تو اس کو کیوں منع کیا جاتا ہے؟ ساتویں یہ کہ ہم پہلے باب میں بیان کر چکے کہ شامی اور شرح نقایہ اور تفسیر روح البیان وغیرہ نے انگوٹھے چومنے کو مستحب فرمایا۔ اس استحباب پر کوئی جرح قدح نہ کی بلکہ حدیث مرفوع کی صحت کا انکار کیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ حکم استحباب تو بالکل صحیح ہے۔ گفتگو ثبوت حدیث میں ہے۔ یہ استحباب حدیث کی صحت پر موقوف نہیں۔ آٹھویں یہ کہ اچھا اگر مان لیں کہ استحباب کا ثبوت حدیث ضعیف سے نہیں ہو سکتا۔ تو کراہت کے ثبوت کی کونسی حدیث ہے جس میں یہ ہو کہ انگوٹھے چومنا مکروہ ہے یا نہ چومو وغیرہ وغیرہ انشاء اللہ کراہت کے لیئے صحیح حدیث تو کیا ضعیف بھی نہ ملے گی۔ صرف یاروں کا اجتہاد اور عداوت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

الحمد للہ کہ اس اعتراض کے پرخچے اڑ گئے اور حق واضح ہو گیا۔

اعتراض (۲) حضرت آدم علیہ السلام نے اگر نور مصطفےٰ علیہ السلام انگوٹھے کے ناخنوں میں دیکھ کر اس کو چوما تھا۔ تو تم کون سا نور دیکھتے ہو جو چومتے ہو۔ چومنے کی جو وجہ وہاں تھی وہ یہاں نہیں۔

جواب: حضرت ہاجرہ جب اپنے فرزند حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو لے کر مکہ مکرمہ کے جنگل میں تشریف لائیں تو تلاش پانی کے لیئے صفا و مروہ پہاڑ کے درمیان دوڑیں۔ آج تم حج میں وہاں کیوں دوڑتے ہو؟ آج کہاں پانی کی تلاش ہے؟ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے قربانی کے لئے جاتے ہوئے راستے میں تین جگہ شیطان کو کنکر مارے آج تم حج میں وہاں کیوں کنکر مارتے ہو؟ وہاں اب کونسا شیطان آپ کو دھوکا دے رہا ہے؟ حضور علیہ السلام نے ایک خاص ضرورت کی وجہ سے کفار مکہ کو دکھانے کے لیئے طواف میں رمل کر کے اپنی طاقت دکھائی۔ بتاؤ کہ اب طواف قدوم میں

رمل کیوں کرتے ہو؟ اب وہاں کفار کہاں دیکھ رہے ہیں؟ جناب انبیائے کرام کے بعض عمل ایسے مقبول ہو جاتے ہیں کہ ان کی یادگار باقی رکھی جاتی ہے اگرچہ وہ ضرورت باقی نہ رہے اسی طرح یہ بھی ہے۔

اعتراض (۳) کیا وجہ ہے کہ حضور علیہ السلام کے نام پر انگوٹھے کے ناخن چومتے ہو۔ کوئی اور چیز کیوں نہیں چومتے ناخن میں کیا خصوصیت ہے؟ ہاتھ پاؤں کپڑے وغیرہ چومنا چاہیئے۔

جواب:- چونکہ روایت میں ناخن ہی کا ثبوت ہے۔ اس لیئے اسی کو چومتے ہیں منصوصات میں وجہ تلاش کرنا ضروری نہیں۔ اگر اس کا نکتہ ہی معلوم کرنا ہے تو یہ ہے کہ تفسیر خازن و روح البیان وغیرہ نے پارہ ۸ سورۂ اعراف زیر آیت بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا میں بیان فرمایا کہ جنت میں حضرت آدم علیہ السلام کا لباس ناخن تھا یعنی تمام جسم شریف پر ناخن تھا جو کہ نہایت خوبصورت اور نرم تھا جب ان پر عتاب الٰہی ہوا وہ کپڑا اتار لیا گیا۔ مگر انگلیوں کے پوروں پر بطور یادگار باقی رکھا گیا جس سے معلوم ہوا کہ ہمارے ناخن جنتی لباس ہیں اور اب جنت تو ہم کو حضور علیہ السلام کے طفیل سے ملیگی لہٰذا ان کے نام پر جنتی لباس چوم لیتے ہیں جیسے کہ کعبہ معظمہ میں سنگ اسود جنتی پتھر ہے اس کو چومتے ہیں باقی کعبہ شریف کو نہیں چومتے۔ کیونکہ وہ اس جنتی گھر کی یادگار ہے جو کہ حضرت آدم علیہ السلام کے لیئے زمین پر آیا تھا اور طوفان نوحی میں اٹھا لیا گیا۔ اور یہ پتھر اس کی یادگار رہا۔ اسی طرح ناخن بھی اس جنتی لباس کی یادگار ہے۔

بحث جنازہ کے آگے بلند آواز سے کلمہ یا نعت پڑھنا

بعض جگہ رسم ہے کہ جب میت کو قبرستان لے جاتے ہیں تو اس کے آگے باآواز بلند کلمہ طیبہ سب مل کر پڑھتے جاتے ہیں یا نعت شریف پڑھتے ہیں مجھ کو یہ وہم بھی نہ تھا کہ کوئی اس کو بھی منع کرتا ہوگا مگر پنجاب میں آکر معلوم ہوا کہ دیوبندی اس کو بھی بدعت و حرام کہتے ہیں۔ اس قدر ظاہر مسئلہ پر کچھ لکھنے کا ارادہ نہ تھا مگر بعض احباب نے مجبور فرمایا۔ تو کچھ بطور اختصار عرض کرنا پڑا اس بحث کے بھی دو باب کیئے جاتے ہیں۔ پہلا باب اس کے ثبوت میں۔ دوسرا باب اس پر اعتراضات و جوابات میں وَمَا تَوْفِيْقِىْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِىِّ الْعَظِيْمِ۔

پہلا باب

جنازہ کے آگے کلمہ طیبہ یا نعت خوانی کا ثبوت

جنازے کے آگے کلمہ طیبہ یا تسبیح وتہلیل یا درود شریف یا نعت شریف آہستہ آہستہ یا بلند آواز سے پڑھنا جائز اور میت وحاضرین کو مفید ہے اس پر قرآنی آیات واحادیث صحیحہ واقوال فقہا شاہد ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے اَلَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ۔ وہ لوگ جو اللہ کا ذکر کرتے ہیں کھڑے بیٹھے اور اپنی کروٹوں پر۔

اس کی شرح تفسیر روح البیان میں ہے۔ اِیْ یَذْكُرُوْنَ دَائِمًا عَلَى الْحَالَاتِ كُلِّهَا قَائِمِیْنَ وَقَاعِدِیْنَ وَمُضْطَجِعِیْنَ فَاِنَّ الْاِنْسَانَ لَایَخْلُوْ عَنْ هٰذِهِ الْهَیْئَاتِ غَالِبًا۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ ہر حال میں ہمیشہ کھڑے بیٹھے لیٹے ذکر الٰہی کرتے ہیں کیونکہ انسان اکثر ان حالات سے خالی نہیں ہوتا۔

تفسیر ابوالسعود میں اسی کے ماتحت ہے۔ وَالْمُرَادُ تَعْمِیْمُ الذِّكْرِ لِلْاَوْقَاتِ وَتَخْصِیْصُ الْاَحْوَالِ الْمَذْكُوْرَةِ لَیْسَ لِتَخْصِیْصِ الذِّكْرِ بِهَا بَلْ لِاَنَّهَا الْاَحْوَالُ الْمَعْهُوْدَةُ الَّتِیْ لَایَخْلُوْا عَنْهَا الْاِنْسَانُ ترجمہ قریب قریب وہی ہے جو اوپر کیا گیا۔ تفسیر کبیر میں اسی آیت کے ماتحت ہے اَلْمُرَادُ كَوْنُ الْاِنْسَانِ دَائِمَ الذِّكْرِ لِرَبِّهٖ فَاِنَّ الْاَحْوَالَ لَیْسَتْ اِلَّا هٰذِهِ الثَّلٰثَةَ ثُمَّ لَمَّا وَصَفَهُمْ بِكَوْنِهِمْ ذَاكِرِیْنَ فِیْهَا كَانَ ذٰلِكَ دَلِیْلًا عَلٰى كَوْنِهِمْ مُوَاظِبِیْنَ عَلَى الذِّكْرِ غَیْرَ فَاتِرِیْنَ عَنْهُ۔ اس کا ترجمہ بھی وہی ہے جو گزر چکا۔ ابن عدی نے کامل میں اور امام زیلعی نے نصب الرایہ لتخریج احادیث الہدایہ جلد دوم صفحہ ۲۹۲ مطبوعہ مجلس علمی ڈابھیل میں لکھا ہے عَنْ اِبْنِ عُمَرَ قَالَ لَمْ یَكُنْ یَسْمَعُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ یَمْشِیْ خَلْفَ الْجَنَازَةِ اِلَّا قَوْلُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُبْدِئًا وَّرَاجِعًا اگرچہ حدیث ضعیف بھی ہو، پھر بھی فضائل اعمال میں معتبر ہے۔ تحذیر المختار علی رد المحتار مطبوعہ مصر صفحہ ۱۲۳ پر ہے۔ وَلٰكِنْ قَدِ اعْتَادَ النَّاسُ كَثْرَةَ الصَّلٰوةِ عَلَى النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَرَفَعَ اَصْوَاتَهُمْ بِذٰلِكَ وَهُمْ اِنْ مُنِعُوْا اَبَتْ نُفُوْسُهُمْ عَنِ السُّكُوْتِ وَالتَّفَكُّرِ فَیَقَعُوْنَ فِیْ كَلَامٍ دُنْیَوِیٍّ وَرُبَّمَا وَقَعُوْا فِیْ غَیْبَةٍ وَاِنْكَارُ الْمُنْكَرِ اِذَا اَفْضٰى اِلٰى مَا هُوَ اَعْظَمُ مُنْكَرٍ كَانَ تَرْكُهٗ اَحَبَّ

لِاَنَّهٗ اِرْتِكَابُ بِاَخَفِ الْمُضَرَّتَيْنِ كَمَا هُوَالْقَاعِدَةُ الشَّرْعِيَّةُ۔ اس آیت اور ان تفاسیر کی عبارات واحادیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ ہر حال ذکر الٰہی کرنے کی اجازت ہے اور ہر طرح بلند آواز سے ہو یا آہستہ کرنے کی اجازت ہے۔ کسی موقعہ پر کسی ذکر سے ممانعت کرنے کے لیئے کم از کم حدیث مشہور کی ضرورت ہے کیونکہ حدیث واحد اور قیاس مجتہد سے قرآنی عام کو خاص نہیں کیا جاسکتا۔ فقہاء تو بحالت جنابت و بحالت حیض بھی تلاوت قرآن کے علاوہ تمام ذکروں کو جائز فرماتے ہیں اور اگر قرآنی آیت بھی بغیر قصد تلاوت پڑھے تو جائز ہے (دیکھو عام کتب فقہ) تو جبکہ میّت کو قبرستان لے جارہے ہیں یہ بھی ایک حالت ہی ہے اس حالت میں بھی ہر طرح ذکر الٰہی جائز ہوا۔ قرآن فرماتا ہے۔

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ | خبردار ہو جاؤ کہ اللہ کے ذکر سے دل چین پاتے ہیں۔ اس کی تفسیر میں صاحب روح البیان فرماتے ہیں۔

فَالْمُؤْمِنُوْنَ يَسْتَأْنِسُوْنَ بِالْقُرْاٰنِ وَذِكْرِ اللّٰهِ الَّذِيْ هُوَ الْاِسْمُ الْاَعْظَمُ وَيُحِبُّوْنَ اِسْتِمَاعَهَا وَالْكُفَّارُ يَفْرَحُوْنَ بِالدُّنْيَا وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِذِكْرِ غَيْرِ اللّٰهِ | پس قرآن سے اور اللہ کے ذکر سے جو کہ اسم اعظم ہے مسلمان انس لیتے ہیں اور اس کو سننا چاہتے ہیں اور کفار دنیا سے خوش ہوتے ہیں اور ذکر غیر اللہ سے مسرور ہوتے ہیں۔

اس آیت اور تفسیری عبارت سے معلوم ہوا کہ اللہ کا ذکر مسلمان کی خوشی وفرحت کا باعث ہے مگر کفار اس سے رنجیدہ ہوتے ہیں۔ بحمد اللہ میّت بھی مسلمان ہے اور سب حاضرین بھی۔ سب کو ہی اس سے خوشی ہوگی۔ نیز میّت کو اس وقت اپنے اہل وعیال سے چھوٹنے کا غم ہے یہ ذکر اس غم کو دور کرے گا۔ خیال رہے کہ اس آیت میں بھی ذکر مطلق ہے خواہ آہستہ ہو یا بلند آواز سے لہٰذا ہر طرح جائز ہوا محض اپنی رائے سے اس میں قید نہیں لگا سکتے منتخب کنز العمال جلد ہشتم صفحہ ۹۹ میں بروایت حضرت انس ہے۔ اَكْثِرُوْا فِي الْجَنَازَةِ قَوْلَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ مشکوٰۃ کتاب الدعوات باب ذکر اللہ میں ہے۔

اِنَّ لِلّٰهِ مَلٰٓئِكَةً يَطُوْفُوْنَ فِي الطُّرُقِ يَلْتَمِسُوْنَ اَهْلَ الذِّكْرِ فَاِذَا وَجَدُوْا قَوْمًا يَذْكُرُوْنَ | اللہ کے کچھ فرشتے راستوں میں چکر لگاتے ہیں ذکر اللہ کرنے والوں کو تلاش کرتے ہیں پس جبکہ کسی قوم کو ذکر الٰہی کرتے ہوئے پاتے ہیں

اللہ تنادوا ھلموا الی حاجتکم قال فیحفونھم باجنحتھم۔	تو ایک دوسرے کو پکارتے ہیں کہ آؤ اپنے مقصد کی طرف پھر ان ذاکرین کو پروں میں ڈھانپ لیتے ہیں الخ

لہٰذا اگر میت کے ساتھ لوگ ذکر اللہ کرتے ہوئے جائیں گے تو ملائکہ راستے ہی میں ملیں گے۔ اور ان سب کو اپنے پروں میں ڈھانپ لیں گے میت بھی ملائکہ کے پروں کے سایہ میں قبرستان تک جاویگا خیال رہے کہ اس حدیث میں بھی ذکر مطلق ہے خواہ آہستہ ہو یا بلند آواز سے۔ مشکوٰۃ اسی باب میں ہے۔

اذا مررتم بریاض الجنۃ فارتعوا قالوا وما ریاض الجنۃ قال حلق الذکر...	حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جب تم جنت کے باغوں میں سے گذرو تو کچھ کھا لیا کرو صحابہ کرام نے عرض کیا کہ جنت کے باغ کیا ہیں؟ فرمایا کہ ذکر کے حلقے۔

اس سے ثابت ہوا کہ اگر میت کے ساتھ ذکر الٰہی ہوتا ہوا جاوے تو میت جنت کے باغ میں قبرستان تک جاوے گا۔ خیال رہے کہ یہاں بھی ذکر مطلق ہے آہستہ ہو یا بلند آواز سے اسی مشکوٰۃ میں اسی باب میں ہے کہ

الشیطن جاثم علے قلب ابن ادم فاذا ذکر اللہ خنس	شیطان انسان کے دل پر چمٹا رہتا ہے جب انسان اللہ کا ذکر کرتا ہے۔ تو ہٹ جاتا ہے۔

معلوم ہوا کہ اگر میت کو لے جاتے وقت ذکر اللہ کیا جاوے گا تو شیطان سے میت کو امن رہیگی یہاں بھی ذکر میں آہستہ یا بلند آواز کی کوئی قید نہیں۔ یہاں تک تو جنازہ کے آگے ذکر بالجہر کو دلالۃً ثابت کیا گیا اب اقوال فقہاء ملاحظہ ہوں جن میں اس کی تصریح ملتی ہے۔ حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ میں امام عبدالغنی نابلسی علیہ الرحمۃ اس مسئلہ کے متعلق تحقیق فرماتے ہیں کہ جن فقہاء نے جنازے کے ساتھ ذکر بالجہر کو منع فرمایا ہے وہ کراہت تنزیہی کی بنا پر ہے یا کراہت تحریمی کی بنا پر۔ پھر فرماتے ہیں۔

لکن بعض المشائخ جوزوا الذکر الجہری ورفع الصوت بالتعظیم قدام الجنازۃ وخلفھا لتلقین المیت والاموات والاحیاء وتنبیہ الغفلۃ والظلمۃ وازالۃ صدأ القلوب وقسوتھا بحب الدنیا وریاستھا	یعنی بعض مشائخ عظام نے جنازے کے آگے اور پیچھے بلند آواز سے ذکر کرنے کو جائز فرمایا تاکہ اس سے اس میت اور زندوں کو تلقین ہو اور غافلوں کے دلوں سے غفلت اور سختی دنیا کی محبت دور ہو۔

لواقح الانوار القدسیہ فی بیان العہود المحمدیہ میں قطب ربانی امام شعرانی قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں۔

وَكَانَ سَيِّدِي عَلِيُّ الْخَوَّاصُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَقُوْلُ اِذَا عَلِمَ مِنَ الْمَاشِيْنَ مَعَ الْجَنَازَةِ اَنَّهُمْ لَا يَتْرُكُوْنَ اللَّغْوَ فِي الْجَنَازَةِ وَيَشْتَغِلُوْنَ بِاَحْوَالِ الدُّنْيَا فَيَنْبَغِيْ اَنْ تَأْمُرَهُمْ بِقَوْلِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ فَاِنَّ ذٰلِكَ اَفْضَلُ مِنْ تَرْكِهٖ وَلَا يَنْبَغِيْ لِلْفَقِيْهِ اَنْ يُّنْكِرَ ذٰلِكَ اِلَّا بِنَصٍّ اَوْ اِجْمَاعٍ فَاِنَّ لِلْمُسْلِمِيْنَ الْاِذْنَ الْعَامَّ مِنَ الشَّارِعِ بِقَوْلِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ كُلَّ وَقْتٍ شَاؤُا وَلِلّٰهِ الْعَجَبُ مِنْ عَمٰى قَلْبِ مَنْ يُّنْكِرُ مِثْلَ هٰذَا۔

حضرت علی الخواص رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ جب معلوم ہوا کہ جنازہ کے ساتھ جانے والے بیہودہ باتیں نہیں چھوڑتے اور دنیاوی حالات میں مشغول ہیں تو مناسب ہے کہ انکو کلمہ پڑھنے کا حکم دیں کیونکہ یہ کلمہ پڑھنا نہ پڑھنے سے افضل ہے اور فقیہ عالم کو مناسب نہیں کہ اس کا انکار کرے مگر یا تو نص سے یا مسلمانوں کے اجماع سے اس لئے کہ شارع علیہ السلام کی طرف سے مسلمانوں کو کلمہ پڑھنے کا اذن عام ہے جس وقت بھی چاہیں۔ اور سخت تعجب ہے۔ اس اندھے دل سے جو اس کا انکار کرے۔

امام شعرانی اپنی کتاب عہود المشائخ میں فرماتے ہیں۔

وَلَا نُمَكِّنُ اَحَدًا مِنْ اِخْوَانِنَا يُنْكِرُ شَيْئًا اِبْتَدَعَهَا الْمُسْلِمُوْنَ عَلٰى جِهَةِ الْقُرْبَةِ وَرَاَوْهُ حَسَنًا لَا سِيَّمَا مَا كَانَ مُتَعَلِّقًا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ كَقَوْلِ النَّاسِ اَمَامَ الْجَنَازَةِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ اَوْ قِرَاءَةَ اَحَدٍ الْقُرْاٰنَ اَمَامَهَا وَنَحْوُ ذٰلِكَ فَمَنْ حَرَّمَ ذٰلِكَ فَهُوَ قَاصِرٌ عَنْ فَهْمِ الشَّرِيْعَةِ

پھر فرماتے ہیں۔ وَكَلِمَةُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ اَكْبَرُ الْحَسَنَاتِ فَكَيْفَ يُمْنَعُ مِنْهَا وَتَاَمَّلْ اَحْوَالَ غَالِبِ الْخَلْقِ۔ الْاٰنَ فِي الْجَنَازَةِ تَجِدُهُمْ مَشْغُوْلِيْنَ

ہم اپنے بھائیوں میں سے کسی کو یہ موقع نہ دیں گے کہ کسی ایسی چیز کا انکار کرے جس کو مسلمانوں نے ثواب سمجھ کر نکالا ہو اور اس کو اچھا سمجھا ہو خصوصاً وہ جو اللہ تعالیٰ و رسول علیہ السلام سے متعلق ہو جیسے کہ لوگوں کا جنازے کے آگے کلمہ طیبہ پڑھنا یا جنازے کے آگے کسی کا قرآن کریم وغیرہ پڑھنا جو شخص اس کو حرام کہے وہ شریعت کے سمجھنے سے قاصر ہے۔

یعنی کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ تمام نیکیوں میں بہتر نیکی ہے پس اس سے کیوں منع کیا جا سکتا ہے اگر تم آج کل کے لوگوں کی غالب حالت میں غور کرو تو تم ان کو جنازے کے

بِحِكَايَاتِ الدُّنْيَا لَمْ يَعْتَبِرُوْا بِالْمَيِّتِ وَقَلْبُهُمْ غَافِلٌ عَنْ جَمِيْعِ مَا وَقَعَ لَهُ بَلْ رَءَيْتُ مِنْهُمْ مَنْ يَّضْحَكُ وَاِذَا تَعَارَضَ عِنْدَنَا مِثْلُ ذٰلِكَ وَكَوْنُ ذٰلِكَ لَمْ يَكُنْ فِيْ عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدَّمْنَا ذِكْرَ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ بَلْ كُلُّ حَدِيْثٍ نَحْوِ اَوْلٰى مِنْ حَدِيْثِ اَبْنَاءِ الدُّنْيَا فِي الْجَنَازَةِ فَلَوْ صَاحَ كُلُّ مَنْ فِي الْجَنَازَةِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ فَلَا اِعْتِرَاضَ ۔

ساتھ ساتھ دنیاوی قصوں میں مشغول پاؤ گے ان کے دل میت سے عبرت نہیں پکڑتے اور جو کچھ ہوچکا اس سے غافل ہیں بلکہ ہم نے تو بہت سے لوگوں کو ہنستے ہوئے دیکھا اور جب لوگوں کا اس زمانہ میں ایسا حال ہے تو ہم کو اس پر عمل کرکے کہ یہ کلمہ پہلے زمانہ میں میت کیساتھ پکارکر نہیں پڑھا جاتا تھا اسکے ناجائز ہونیکا حکم دینا درست نہیں بلکہ اس کے جائز ہونے ہی کا حکم کرنا چاہیے بلکہ دنیاداروں کی باتوں سے ہر بات جنازے میں بہتر ہے پس اگر تمام لوگ بلند آواز سے جنازے کے ہمراہ لا الٰہ الا اللہ پڑھیں تو ہم کو کوئی اعتراض نہیں

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ جنازے کے ساتھ اگر بلند آواز سے ذکر کیا جاوے تو جائز ہے خصوصاً اس زمانہ میں جبکہ عوام میت کے ساتھ ہنستے ہوئے دنیاوی باتیں کرتے ہوئے جاتے ہیں اب تو بہت ہی بہتر ہے کہ ان سب کو ذکر الٰہی میں مشغول کردیا جاوے کہ ذکر الٰہی دنیاوی باتوں سے افضل ہے ۔

دوسرا باب

اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات میں

اس پر مخالفین کے حسب ذیل اعتراضات ہیں۔ انشاء اللہ اس سے زیادہ نہ ملیں گے ۔

اعتراض (۱) جنازے کے ساتھ بلند آواز سے ذکر کرنے کو فقہاء منع فرماتے ہیں چنانچہ عالمگیری جلد اوّل کتاب الجنائز فصل فی حمل الجنازہ میں ہے ۔

وَعَلٰى مُتَّبِعِي الْجَنَازَةِ الصَّمْتُ وَيُكْرَهُ لَهُمْ رَفْعُ الصَّوْتِ بِالذِّكْرِ وَقِرْءَةِ الْقُرْاٰنِ فَاِنْ اَرَادَ اَنْ يَّذْكُرَ اللّٰهَ يَذْكُرُهُ فِيْ نَفْسِهٖ كَذَا فِيْ فَتَاوٰى قَاضِيْ خَانْ

جنازے کے ساتھ جانیوالوں کو خاموش رہنا واجب ہے اور بلند آواز سے ذکر کرنا اور قرآن پڑھنا مکروہ ہے اگر اللہ کا ذکر کرنا چاہیں تو اپنے دل میں کریں ۔

فتاویٰ سراجیہ باب حمل الجنازہ میں ہے۔

وَيُكْرَهُ النِّيَاحُ وَالصَّوْتُ خَلْفَ الْجَنَازَةِ وَفِيْ مَنْزِلِ الْمَيِّتِ رَفْعُ الصَّوْتِ بِالذِّكْرِ وَقِرَءَةِ الْقُرْاٰنِ وَقَوْلُهُمْ كُلُّ حَيٍّ يَمُوْتُ وَ نَحْوُ ذٰلِكَ خَلْفَ الْجَنَازَةِ بِدْعَةٌ۔

جنازے کے پیچھے اور میت کے گھر میں نوحہ کرنا آواز نکالنا اور بلند آواز سے ذکر کرنا قرآن پڑھنا مکروہ ہے اور جنازے کے پیچھے یہ کہتے جانا کہ ہر زندہ مرے گا بدعت ہے۔

درمختار جلد اوّل کتاب الجنائز مطلب فی دفن المیّت میں ہے۔ كَمَا كُرِهَ فِيْهَا رَفْعُ صَوْتٍ بِذِكْرٍ اَوْ قِرَءَةٍ جیسے کہ جنازے میں بلند آواز سے ذکر کرنا یا قرءت کرنا مکروہ ہے۔ اس کے ماتحت شامی میں ہے۔ قُلْتُ وَاِذَا كَانَ هٰذَا فِي الدُّعَاءِ فَمَا ظَنُّكَ بِالْغِنَاءِ الْحَادِثِ فِيْ هٰذَا الزَّمَانِ جبکہ دعا میں اس قدر سختی ہے تو اب اس گانے کا کیا حال ہے جو اس زمانہ میں پیدا ہو گیا ہے۔

ابن منذر نے اشراف میں نقل کیا کہ قَالَ قَيْسُ ابْنُ عُبَادَةَ كَانَ اَصْحٰبُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكْرَهُوْنَ رَفْعَ الصَّوْتِ عِنْدَ ثَلٰثٍ عِنْدَ الْقِتَالِ وَفِي الْجَنَازَةِ وَفِي الذِّكْرِ یعنی صحابہ کرام جہاد، جنازہ، ذکر میں بلند آواز کو ناپسند کرتے تھے۔ ان فقہی عبارات سے معلوم ہوا کہ میّت کے ساتھ بلند آواز سے ذکر کرنا منع ہے خصوصًا وہ گانا جس کو آج کل نعت خوانی کہتے ہیں وہ تو بہت ہی برا ہے (مخالفین کا یہ انتہائی اعتراض ہے)

جواب: فقہاء کی ان عبارات میں چند طرح گفتگو ہے اوّلًا یہ کہ انہوں نے جو میّت کے ساتھ ذکر بالجہر کو مکروہ لکھا اس سے کراہت تنزیہی مراد ہے یا تحریمی۔ کراہت تنزیہی جائز میں داخل ہے یعنی اس کا کرنا تو جائز ہے مگر نہ کرنا بہتر، دوسرے یہ کہ یہ حکم اس زمانے کے لیے تھا یا کہ ہر زمانہ کے لیے تیسرے یہ کہ مطلقًا بولنا منع ہے۔ یا کہ خاص ذکر بالجہر یا کہ نوحہ وغیرہ۔ چوتھے یہ کہ بلند آواز سے ذکر کرنا ہر شخص کو منع ہے یا کہ خاص اشخاص کو۔ جب یہ چار باتیں طے ہو جاویں تو مسئلہ بالکل واضح ہو جاویگا۔ حق یہ ہے کہ جن فقہاء نے میّت کے ساتھ ذکر بالجہر کو مکروہ فرمایا۔ ان کی مراد مکروہ تنزیہی ہے چنانچہ شامی نے اسی منقولہ عبارت کے ساتھ ساتھ فرمایا۔

قِيْلَ تَحْرِيْمًا وَقِيْلَ تَنْزِيْهًا كَمَا فِي الْبَحْرِ عَنِ الْغَايَةِ وَفِيْهِ عَنْهَا وَيَنْبَغِيْ لِمَنْ تَبِعَ الْجَنَازَةَ اَنْ يُطِيْلَ

کہا گیا ہے کہ مکروہ تحریمی ہے اور کہا گیا ہے کہ مکروہ تنزیہی جیسا کہ بحرالرائق میں غایت سے نقل کیا

الصُّمْتُ۔ | اسی بحر میں بروایت غایت ہے کہ جو شخص جنازے

کے ساتھ جاوے اس کو بہتر ہے کہ خاموش رہے۔

جس سے معلوم ہوا کہ خاموش رہنا بہتر اور خاموش نہ رہنا بلکہ ذکر بالجہر کرنا بہتر نہیں جانتے ہیں۔ نیز کراہت تنزیہی اور تحریمی کی پہچان خود علامہ شامی نے مکروہات کی تعریف کرتے ہوئے بیان فرمائی۔ فرماتے ہیں۔ شامی جلد اول کتاب الطہارت مطلب تعریف المکروہ۔

فَحِيْنَئِذٍ اِذَا ذَكَرُوْا مَكْرُوْهًا فَلَا بُدَّ مِنَ النَّظَرِ فِيْ دَلِيْلِهٖ فَاِنْ كَانَ نَهْيًا ظَنِّيًّا يُحْكَمُ بِكَرَاهَةِ التَّحْرِيْمِ اِلَّا بِصَارِفِ النَّهْيِ عَنِ التَّحْرِيْمِ اِلَى النَّدْبِ فَاِنْ لَّمْ يَكُنِ الدَّلِيْلُ نَهْيًا بَلْ كَانَ مُفِيْدًا التَّرْكَ الْغَيْرَ الْجَازِمَ فَهِيَ تَنْزِيْهِيَّةٌ

جب فقہاء مکروہ فرمادیں تو ضروری ہے کہ کراہت کی دلیل میں نظر کی جاوے اگر اس کی دلیل ظنی ممانعت ہو تو مکروہ تحریمی ہے سوائے کسی مانع کے اور اگر دلیل ممانعت نہ ہو بلکہ غیر ضروری ترک کا فائدہ دے تو کراہت تنزیہی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر فقہاء کراہت کی دلیل میں کوئی شرعی ممانعت پیش فرمادیں تو کراہت تحریمی ہے ورنہ کراہت تنزیہی۔ اور جن فقہاء نے بھی اس ذکر بالجہر کو منع کیا ہے کوئی ممانعت کی حدیث یا آیت پیش نہیں کی۔ صرف شامی نے یہ دلیل بیان فرمائی کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ اللہ حد سے بڑھنے والوں کو محبوب نہیں رکھتا۔ جس کا ترجمہ فرمایا اَیِ الْمُجَاهِدِيْنَ بِالدُّعَاءِ یعنی بلند آواز سے دعا کرنے والوں کو۔ معلوم ہوا کہ اس کی ممانعت کی کوئی صاف حدیث نہیں ملی۔ لہٰذا یہ مکروہ تنزیہی ہے اور مکروہ تنزیہی جائز ہوتا ہے۔ نیز امام شعرانی نے عہود مشائخ میں اسی ذکر مع الجنازہ کے لیے فرمایا وَقَدْ رَجَّحَ النَّوَوِيُّ اَنَّ الْكَلَامَ خِلَافُ الْاَوْلٰى امام نووی نے اس کو ترجیح دی کہ جنازے کے ساتھ کلام کرنا بہتر نہیں۔ شرح طریقہ محمدیہ نے بیان فرمایا وَهُوَ يُكْرَهُ عَلٰى مَعْنٰى اَنَّهٗ تَارِكُ الْاَوْلٰى جنازے کے ساتھ بلند آواز سے ذکر کرنا مکروہ ہے بایں معنیٰ کہ خلاف اولیٰ ہے یعنی بہتر نہیں۔ بہرحال ماننا پڑے گا کہ جن فقہاء نے اس کو مکروہ کہا ان کی مراد مکروہ تنزیہی ہے دوسرے یہ کہ یہ ممانعت اس زمانے کے لیے تھی اب اس زمانہ میں چونکہ لوگوں کے حالات بدل گئے یہ حکم کراہت بھی بدل گیا۔ کیونکہ اس زمانہ میں جو بھی جنازے کے ساتھ جاتا تھا وہ خاموش رہتا تھا اس سے عبرت پکڑتا تھا اہل میت کے ساتھ رنج و غم میں شرکت کرتا تھا اور شرعی مدعیٰ بھی

یہ ہے کہ میت کے جلوس میں لوگ عبرت حاصل کریں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ؎

وَاِذَا حُمِلْتَ اِلَی الْقُبُوْرِ جِنَازَۃً ٭ فَاعْلَمْ بِاَنَّکَ بَعْدَھَا مَحْمُوْلُ

جب تم قبرستان کی طرف کوئی جنازہ لے جاؤ تو خیال رکھو کہ ایک دن تم کو بھی اسی طرح سے جایا جائیگا اس حالت میں کچھ بھی بات کرنا خلاف حکمت تھا کہ بات کرنے میں دھیان بٹے گا۔ اور دل اور طرف متوجہ ہوجاوے گا۔ لہٰذا فقہاء نے فرمایا کہ اس حالت میں سکوت کرو۔ کتاب الاذکار مصنفہ امام نووی باب مایقول الماشی مع الجنازہ میں ہے وَالْحِکْمَۃُ فِیْہِ ظَاھِرَۃٌ وَھِیَ اَنَّہٗ اَسْکَنُ لِخَاطِرِہٖ وَاَجْمَعُ لِفِکْرِہٖ فِیْمَا یَتَعَلَّقُ بِالْجَنَازَۃِ وَھُوَ الْمَطْلُوْبُ فِیْ ھٰذَا الْحَالِ۔ مشکوٰۃ باب دفن المیت میں ہے کہ صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ ہم قبرستان میں میت دفن کرنے کے لیے گئے وَجَلَسْنَا مَعَہٗ کَاَنَّ عَلٰی رُءُوْسِنَا الطَّیْرُ تیاری قبر میں دیر تھی تو ہم اس طرح خاموش بیٹھ گئے جیسے کہ ہمارے سروں پر پرندے ہیں پرندوں کا شکاری جب جال لگا کر بیٹھتا ہے تو بالکل خاموش رہتا ہے تاکہ آواز سے پرندے اڑ نہ جاویں اب وہ زمانہ ہے کہ جنازے کے ساتھ جانے والے دنیاوی باتیں ہنسی مذاق مسلمانوں کی غیبتیں کرتے جاتے ہیں۔ اگر قبرستان میں کچھ دیر بیٹھنا پڑے تو خوش گپیاں اڑاتے ہیں۔ میں نے یہ بھی دیکھا ہے کہ کچھ کھیل کا مشغلہ کر کے دل بہلاتے ہیں تو ان کو ذکر الٰہی میں مشغول کردینا ان بیہودہ باتوں سے بہتر ہے۔ لہٰذا اب یہ بھی مستحب ہے کہ میت کے ساتھ سب لوگ کلمہ وغیرہ بلند آواز سے پڑھتے ہوئے جاویں۔ حالات بدلنے سے احکام بدل جاتے ہیں اور جو مفتی اپنے اہل زمانہ کی حالت سے بے خبر رہے وہ جاہل ہے۔

امام شعرانی اپنی کتاب عہود مشائخ میں فرماتے ہیں۔

وَاِنَّمَا لَمْ یَکُنِ الْکَلَامُ وَالْقِرَاءَۃُ وَالذِّکْرُ اَمَامَ الْجَنَازَۃِ فِیْ عَھْدِ السَّلَفِ لِاَنَّھُمْ کَانُوْا اِذَا مَاتَ لَھُمْ مَیِّتٌ اِشْتَرَکُوْا کُلُّھُمْ فِی الْحُزْنِ عَلَیْہِ حَتّٰی کَانَ لَا یُعْرَفُ قَرَابَۃُ الْمَیِّتِ مِنْ غَیْرِہٖ فَکَانُوْا لَا یَقْدِرُوْنَ عَلَی النُّطْقِ الْکَثِیْرِ لِمَا ھُمْ عَلَیْہِ مِنْ ذِکْرِ الْمَوْتِ بَلْ

گذشتہ زمانہ میں جنازہ کے آگے بات کرنا قرآن پڑھنا ذکر کرنا اس لیے نہ تھا کہ جب کسی کا انتقال ہوجاتا تھا تو سارے شہر کا رنج و غم میں شریک ہوجاتے تھے یہاں تک کہ میت کے اہل قرابت اور غیروں میں فرق نہ رہتا تھا اور اس قدر موت کا دھیان کرتے تھے کہ بولنے پر ان کو قدرت

خَرَسَتْ اَلْسِنَتُهُمْ عَنْ كُلِّ كَلَامٍ فَاِذَا وَجَدْنَا جَمَاعَةً بِهٰذَا الصِّفَةِ فَلٰكِنَّا اَنْحَیْ عَلَیْنَا اَنْ لَّا نَاْمُرَهُمْ بِقِرَاءَةٍ وَّلَا ذِكْرٍ۔

رہتی تھی۔ اور ان کی زبانیں گونگی ہو جاتی تھیں اگر ہم آج اس صفت کے لوگ پالیں تو ہم انکو قرآن پڑھنے اور ذکر کرنے کا حکم نہ دیں گے۔

سبحان اللہ کیا نفیس فیصلہ فرمایا۔ کیسے کیا آجکل لوگوں کا یہ حال ہے۔ حضرت شیخ عثمان بحیری شرح اقتناع کے حاشیہ جلد دوم میں فرماتے ہیں (قَوْلُهٗ وَكُرِهَ لَغَطٌ فِی الْجَنَازَةِ) قَوْلُهٗ لَغَطٌ اَیْ رَفْعُ صَوْتٍ وَلَوْ بِقُرْاٰنٍ اَوْ ذِكْرٍ اَوْ صَلٰوةٍ عَلَی النَّبِیِّ عَلَیْهِ السَّلَامُ

وَهٰذَا بِاعْتِبَارِ مَا كَانَ فِی الصَّدْرِ الْاَوَّلِ وَاِلَّا فَالْاٰنَ لَا بَاْسَ بِذٰلِكَ لِاَنَّهٗ شِعَارُ الْمَیِّتِ لِاَنَّ تَرْكَهٗ مُزْرِیَةٌ بِهٖ وَلَوْ قِیْلَ بِوُجُوْبِهٖ لَمْ یَبْعُدْ كَمَا نَقَلَهُ الْمَدَابِغِیُّ۔

یعنی جنازے کے ساتھ شور کرنا مکروہ ہے خواہ یہ شور قرآن خوانی سے ہو یا ذکر اللہ سے یا درود خوانی سے۔ یہ حکم اس حالت کے لحاظ سے ہے۔ جو کہ پہلے زمانہ میں مسلمانوں کی تھی۔

امام شعرانی نے عہود مشائخ میں فرمایا۔

نِعْمَا اَحْدَثَهُ الْمُسْلِمُوْنَ وَاسْتَحْسَنُوْهُ قَوْلُهُمْ اَمَامَ الْجَنَازَةِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ اَوْ وَسِیْلَتُنَا یَوْمَ الْعَرْضِ عَلَی اللّٰهِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَنَحْوُ ذٰلِكَ فَمِثْلُ هٰذَا لَا یَجِبُ اِنْكَارُهٗ فِیْ هٰذَا الزَّمَانِ لِاَنَّهُمْ اِنْ لَّمْ یَشْتَغِلُوْا بِذٰلِكَ اِشْتَغَلُوْا بِحَدِیْثِ الدُّنْیَا وَذٰلِكَ لِاَنَّ قَلْبَهُمْ فَارِغٌ مِّنْ ذِكْرِ الْمَوْتِ نَرٰی بَعْضَهُمْ یَضْحَكُ

ورنہ اس زمانہ میں اب اس میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ ذکر بالجہر میت کی علامت ہے اس کے چھوڑنے میں میت کی توہین ہے لہٰذا اس کو اگر ضروری بھی کہا جاوے تو بھی بعید نہیں۔ جیسا کہ مدابغی علیہ الرحمہ سے نقل فرمایا۔

مسلمانوں نے جس کام کو اچھا سمجھ کر ایجاد کیا ہے وہ یہ ہے کہ جنازے کے آگے کہتے ہیں لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ یا یہ کہتے ہیں کہ خدا کے سامنے قیامت کے دن ہمارا وسیلہ یہ ہے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ یا اسی طرح اور ذکر۔ اس زمانہ میں

اَمَامَ الْجِنَازَۃِ وَیَمْدَحُ۔ | اس سے منع کرنا ضروری نہیں۔ کیونکہ اگر وہ لوگ

اس ذکر میں مشغول نہ ہوئے تو دنیاوی باتیں کریں گے کیونکہ ان کے دل موت کی یاد سے خالی ہیں۔ بلکہ ہم نے تو بعض لوگوں کو جنازے کے آگے ہنستے ہوئے اور مذاق کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

امام شعرانی قدس سرہٗ نے جو اپنے زمانہ کا حال بیان فرمایا اُس سے بدتر حال آج ہے میں نے بعض جگہ دیکھا کہ قبر میں دیر تھی۔ لوگ علیحدہ علیحدہ جماعتیں بن کر بیٹھ گئے اور باتوں میں ایسے مشغول ہوئے کہ معلوم ہوتا تھا کہ بازار لگا ہوا ہے۔ بعض لوگ زمین پر لکیریں کھینچ کر کنکریوں سے کھیلنا چاہتے تھے اس حالت کو دیکھ کر میں نے سب کو جمع کر کے وعظ کہنا شروع کر دیا۔ لوگوں کو تجہیز و تکفین کے احکام بتائے۔ اس سے یہ ہی بہتر تھا۔

لطیفہ۔ مخالفین جنازے کے ساتھ ذکر اللہ کرنے کو تو بدعت اور حرام کہتے ہیں۔ مگر باتیں کرنا، کبھی مسائل بیان کرنا، کبھی شرک و بدعت کے فتوے سنانا، لوگوں کے آپس میں ہنسی مذاق کرنے کو نہ منع کرتے ہیں نہ اس کو برا کہتے ہیں۔ حالانکہ فقہاء بالکل خاموش رہنے کا حکم دیتے ہیں۔ جیسا کہ اس اعتراض میں نقل کی ہوئی عبارات سے معلوم ہوا۔ یہ الٹی گنگا کیوں بہ رہی ہے کہ کلام، سلام، ہنسی، مذاق، وعظ و فتاویٰ تو سب جائز۔ حرام ہے تو ذکر اللہ۔ خدا سمجھ دے۔

نوٹ ضروری۔ شاید کوئی کہے کہ اسلامی احکام تو کبھی بدلتے نہیں پھر یہ تبدیلی کیسی؟ اس کا جواب ہم پہلے دے چکے ہیں کہ جو احکام کسی علت کے بدلنے سے بدل جائیں گے۔ جیسے کہ اول زمانہ میں نماز پڑھانے، تعلیم قرآن دینے وغیرہ پر اجرت لینا حرام تھی۔ اب جائز ہے۔ اسی طرح مقابر اولیاء اللہ پر چادریں ڈالنا اب ضرورۃً زمانہ کے لحاظ سے جائز ہیں اسی طرح ماہ رمضان میں ختم قرآن پر دعائیں مانگنا جائز قرار دی گئیں۔ قرآن پاک میں آیات اور رکوع اور سورتوں کے نام لکھنا زمانہ سلف میں نہ تھا لیکن اب عوام کے فائدے کا لحاظ کر کے جائز قرار دیا گیا۔ عالمگیری کتاب الکراہیت باب آداب المصحف میں ہے۔

لَا بَأْسَ بِكِتَابَةِ اَسَامِي السُّوَرِ وَعَدِّ الْآيِ وَهُوَ وَاِنْ كَانَ اِحْدَاثًا فَهُوَ بِدْعَةٌ حَسَنَةٌ وَّكَمْ مِنْ شَيْءٍ كَانَ اِحْدَاثًا وَهُوَ | سورتوں کے نام اور آیتوں کی تعداد لکھنے میں حرج نہیں یہ اگرچہ بدعت ہے لیکن بدعت حسنہ ہے اور بہت سی چیزیں بدعت ہیں لیکن اچھی ہیں

حَسَنٌ وَكَمْ مِنْ شَيْءٍ يَخْتَلِفُ بِاخْتِلَافِ الزَّمَانِ وَالْمَكَانِ۔	اور بہت سی چیزیں زمانہ اور ملک کے بدلنے سے بدل جاتی ہے۔

اس کی بہت تفصیل ہم پہلی بحثوں میں کر چکے ہیں۔ تیسرے یہ کہ کاٹھیاواڑ وغیرہ میں میت کے آگے اس طرح نعت شریف پڑھتے ہیں کہ سننے والے جان لیتے ہیں کہ کسی کا جنازہ جا رہا ہے لہٰذا گھروں میں جو ہوتے ہیں وہ بھی نماز جنازہ کے لیئے نکل آتے ہیں۔ تو یہ نعت خوانی میت کا اعلان بھی ہوا اور جنازے کا اعلان کرنا اس نیت سے کہ لوگ نماز جنازے یا دفن میں شرکت کرلیں جائز ہے۔ چنانچہ درمختار دفن میت کی بحث میں ہے۔

وَلَا بَأْسَ بِنَقْلِهٖ قَبْلَ دَفْنِهٖ وَبِالْاِعْلَامِ بِمَوْتِهٖ وَبِاِرْثَائِهٖ بِشِعْرٍ اَوْ غَيْرِهٖ۔	یعنی میت کو دفن کرنے سے پہلے اس کو منتقل کرنا اس کے جنازے کا اعلان کرنا، میت کا مرثیہ پڑھنا خواہ اشعار میں ہو یا اسکے سوا جائز ہے۔

اس کی شرح شامی میں ہے۔

اِيْ اِعْلَامِ بَعْضِهِمْ بَعْضًا لِيَقْضُوْا حَقَّهٗ وَكَرِهَ بَعْضُهُمْ اَنْ يُّنَادٰى عَلَيْهِ فِي الْاَزِقَّةِ وَالْاَسْوَاقِ وَالْاَصَحُّ اَنَّهٗ لَا يُكْرَهُ اِذَا لَمْ يَكُنْ مَعَهٗ تَنْوِيْهٌ بِذِكْرِهٖ۔	یعنی جائز ہے کہ بعض لوگ بعض کو خبر دیں تاکہ لوگ اس میت کے حق کو ادا کریں اور بعض لوگوں نے مکروہ جانا ہے یہ کہ گلی کوچوں اور بازاروں میں اس کا اعلان کیا جاوے اور صحیح یہ ہے کہ یہ اعلان مکروہ نہیں ہے جبکہ اس اعلان میں میت کی زیادہ تعریف نہ ہو۔

جبکہ اعلان جنازہ کے لیئے میت کا مرثیہ یا میت کے نام کا اعلان جائز ہے تو اعلان جنازہ کی نیت سے نعت شریف یا کلمہ طیبہ بلند آواز سے پڑھنا کیوں حرام ہے؟ کہ اس میں جنازے کا اعلان بھی ہے۔ اور حضور علیہ السلام کی نعت بھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس جہر کو فقہاء منع فرماتے ہیں وہ ذکر بلا فائدہ ہے جبکہ اس سے کوئی فائدہ خاص ہو تو جائز ہے۔ اسی لیئے علامہ شامی نے اسی بحث میں تتارخانیہ سے نقل کیا۔

وَاَمَّا رَفْعُ الصَّوْتِ عِنْدَ الْجَنَائِزِ فَيَحْتَمِلُ اَنَّ الْمُرَادَ مِنْهُ النَّوْحُ اَوِ الدُّعَاءُ	لیکن جنازوں کے پاس بلند آواز کرنا اس میں یہ احتمال ہے کہ اس سے مراد نوحہ کرنا یا میت کے لئے نماز

لِلْمَيِّتِ بَعْدَ مَا افْتَتَحَ النَّاسُ الصَّلٰوةَ اَوْ اِلْاِفْرَاطِ فِيْ مَدْحِهٖ كَعَادَةِ الْجَاهِلِيَّةِ بِمَا هُوَ يُشْبِهُ الْمُحَالَ وَاَمَّا اَصْلُ الثَّنَاءِ عَلَيْهِ فَغَيْرُ مَكْرُوْهٍ۔

شروع ہو چکنے کے بعد دعا کرنا یا اس کی تعریف میں مبالغہ کرنا ہے جیسا کہ اہل جاہلیت کی عادت تھی لیکن میت کی تعریف کرنا یہ مکروہ نہیں ہے۔

حاصل یہ ہے کہ بے فائدہ بلند آواز ذکر کرنا منع ہے اور با فائدہ ذکر کرنا بلا کراہت جائز ہے فی زمانہ اس میں بہت سے وہ فائدے ہیں جو کہ عرض کر دیئے گئے۔ چوتھے یہ کہ اس ذکر سے ممانعت خاص اہل علم کو ہے۔ اگر عوام مسلمین ذکر کریں تو ان کو منع نہ کیا جاوے۔ فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ عوام کو ذکر الٰہی سے نہ روکو کیونکہ وہ پہلے ہی سے ذکر الٰہی سے بے رغبت ہیں۔ اب جس قدر ذکر کریں کرنے دو۔ درمختار باب صلوٰۃ العیدین میں ہے۔

وَلَا يُكَبِّرُ فِيْ طَرِيْقِهَا وَلَا يَتَنَفَّلُ قَبْلَهَا مُطْلَقًا وَكَذَا لَا يَتَنَفَّلُ بَعْدَهَا فِيْ مُصَلَّاهَا فَاِنَّهٗ مَكْرُوْهٌ عِنْدَ الْعَامَّةِ۔

عیدگاہ کے راستہ میں تکبیر نہ کہے اور نہ عید سے پہلے نفل پڑھے اور نماز عید کے بعد بھی عیدگاہ میں نفل نہ پڑھے کیونکہ یہ عام فقہاء کے نزدیک مکروہ ہے۔

پھر فرماتے ہیں۔

هٰذَا لِلْخَوَاصِ اَمَّا الْعَوَامُ فَلَا يُمْنَعُوْنَ مِنْ تَكْبِيْرٍ وَلَا تَنَفُّلٍ اَصْلًا لِقِلَّةِ رَغْبَتِهِمْ فِي الْخَيْرَاتِ۔

یہ حکم خاص لوگوں کے لیے ہے لیکن عوام کو اس سے منع نہ کیا جاوے نہ تکبیر کہنے سے اور نہ نفل پڑھنے سے کیونکہ ان کی رغبت کار خیر میں کم ہے۔

اس کے ماتحت شامی میں ہے اَیْ لَا سِرًّا وَلَا جَهْرًا فِي التَّكْبِيْرِ یعنی ان کو آہستہ اور بلند آواز سے تکبیر کہنے سے نہ روکا جاوے۔ نیز ہم ذکر بالجہر کی بحث میں بحوالہ شامی باب العیدین ذکر کر چکے ہیں کہ کسی نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ لوگ بازاروں میں بلند آواز سے تکبیریں کہتے ہیں کیا ان کو منع کیا جاوے فرمایا کہ نہیں۔ ان تمام عبارات سے معلوم ہوا کہ بعض موقعوں پر خواص کو کسی خاص ذکر سے منع کیا جاتا ہے لیکن عوام کو روکنے کا حکم نہیں۔ اسی لیے فقہاء نے یہ تو فرما دیا۔ کہ جنازے کے آگے بلند آواز سے ذکر نہ کرو لیکن یہ نہ فرمایا کہ ذکر کرنے والوں کو اس سے روک بھی دو۔

اس جواب کا خلاصہ یہ ہوا کہ اوّلاً تو یہ ممانعت کراہت تنزیہی کی بنا پر ہے دوم یہ کہ پہلے زمانہ کے لیئے تھی اب یہ حکم بدل گیا۔ کیونکہ علّت حکم بدل گئی۔ تیسرے یہ کہ چونکہ اس ذکر سے جنازہ کا اعلان ہے لہٰذا فائدے مند ہے جائز ہے۔ چوتھے یہ کہ یہ حکم خاص لوگوں کے لیئے ہے عامۃ المسلمین اگر ذکر الٰہی کریں تو ان کو منع نہ کیا جاوے۔

اعتراض (۲) جنازے کے آگے بلند آواز سے ذکر کرنا ہندوؤں سے مشابہت ہے کیونکہ وہ چیختے جاتے ہیں "رام رام ست ہے" اور تم بھی شور مچاتے ہوئے جاتے ہو۔ اور کفار سے مشابہت ناجائز ہے لہٰذا یہ منع ہے۔

جواب:۔ کفار بتوں کا نام پکارتے ہیں۔ اور ہم خدائے قدوس کا ذکر کرتے ہیں پھر مشابہت کہاں رہی۔ کفار بت کے نام پر جانور ذبح کرتے ہیں ہم خدا کے نام پر۔ کفار گنگا سے گنگا کا پانی لے کر آتے ہیں۔ ہم مکّہ معظمہ سے آب زمزم لاتے ہیں۔ یہ مشابہت نہ ہوئی نیز جو کام کہ کفار کے قومی یا مذہبی نشان بن گئے ہوں۔ ان میں مشابہت کرنا منع ہے نہ کہ ہر کام میں اگر کافر بھی اپنے جنازوں کے آگے کلمہ پڑھنے لگیں۔ تو شوق سے پڑھیں یہ اچھا کام ہے۔ اور اچھے کام میں مشابہت بری نہیں ہوتی۔

اعتراض (۳) راستہ میں کلمہ طیبہ آواز سے پڑھنا بے ادبی ہے کیونکہ وہاں گندگی وغیرہ ہوتی ہے لہٰذا یہ منع ہے۔

جواب:۔ یہ اعتراض محض لغو ہے۔ فقہاء کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ راستوں میں چلتے ہوئے ذکر جائز ہے۔ ہاں جو جگہ نجاست ڈالنے کے لیئے بنائی گئی ہو وہاں ذکر بالجہر منع ہے جیسے کہ پاخانہ یا گھورا (روڑی) شامی بحث قرءت عند المیت میں ہے۔ وَفِی الْقُنْیَۃِ لَا بَأْسَ بِالْقِرَاءَۃِ رَاکِبًا اَوْ مَاشِیًا اِذَا لَمْ یَکُنْ ذٰلِکَ الْمَوْضِعُ مُعَدًّا لِلنَّجَاسَۃِ۔ سوار یا پیدل چلتے ہوئے قرآن پڑھنے میں حرج نہیں جبکہ وہ جگہ نجاست کے لیئے نہ بنائی گئی ہو۔ قرآن بغل میں لے کر راستہ سے گزرنا جائز ہے اور پاخانہ میں لے جانا منع ہے۔ نیز بقرعید کے دن حکم ہے کہ عید گاہ کے راستے میں بلند آواز سے تکبیر تشریق کہتا ہوا جاوے۔ درمختار در باب صلوٰۃ العیدین میں ہے۔ وَیُکَبِّرُ جَهْرًا اِتِّفَاقًا فِی الطَّرِیْقِ راستے میں بلند آواز سے تکبیر کہے۔ حالانکہ راستے میں نجاست وغیرہ ہوتی ہے۔ اسی طرح فقہاء فرماتے ہیں کہ حمام میں تسبیح و تہلیل بلند آواز سے جائز ہے۔

حالانکہ وہاں اکثر گندگی ہوتی ہے۔ عالمگیری کتاب الکراہیت باب الصلوٰۃ والتسبیح میں اور عمدۃ الابرار مجموع النوازل، خانیہ، سراجیہ، ملتقط تجنیس وغیرہ میں ہے۔ وَاَمَّا التَّسْبِیْحُ وَالتَّهْلِیْلُ لَا بَأْسَ بِذٰلِكَ وَاِنْ رَفَعَ صَوْتَہٗ یعنی حمام میں تسبیح و تہلیل بلند آواز سے بھی جائز ہے۔

اعتراض (۴) جنازے کے آگے بلند آواز سے ذکر کرنے میں گھر کی عورتیں اور بچے ڈر جاتے ہیں۔ کیونکہ ان کو موت یاد آجاتی ہے جس کی وجہ سے وہ بیمار ہو جاتے ہیں لہٰذا بقاعدہ طبی بھی یہ منع ہونا چاہئے۔

جواب: قرآن فرماتا ہے۔ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ اللہ کے ذکر سے دل چین میں آتے ہیں مسلمانوں کو تو اس سے چین اور راحت ہوتی ہے۔ ہاں کفار ڈرتے ہوں گے۔ ان کو ڈرنے دو کفار تو اذان سے بھی ڈرتے ہیں تو کیا ان کی وجہ سے اذان بند کی جاوے گی۔ ہاں اگر کسی حاذق طبیب نے لکھا ہو کہ کلمہ طیبہ کی آواز وبا کے اسباب میں سے ہے تو پیش کیا جاوے لیکن وہ طبیب مسلمان اور حاذق ہو۔ کوئی دیوبندی یا کوئی طبیب نہ ہو جو ہی باتوں کا اعتبار نہیں۔ ثابت ہوا کہ میت کے آگے بلند آواز سے ذکر بہت بہتر اور باعث برکت ہے۔ مخالفین کے پاس بجز غلط فہمی کے اور کوئی اعتراض قوی نہیں۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی ذٰلِكَ

خاتمہ کتاب

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اب تک جس قدر مسائل میں دیوبندی اختلاف کرتے ہیں ان کی تحقیق کر دی گئی۔ لیکن ان مسائل مذکورہ میں بہت سے مسائل وہ ہیں جن پر ایمان کا دارومدار نہیں صرف کراہت اور استحباب میں ہی اختلاف ہے جن مسائل کی بنا پر عرب و عجم کے علماء نے دیوبندیوں کو کافر کہا وہ ان کے خلاف اسلامی عقائد ہیں۔ ہم مسلمانوں کی واقفیت کے لیے ان عقائد کی فہرست پیش کرتے ہیں اور ہر ایک کے مقابل اسلامی عقیدہ بھی بیان کرتے ہیں۔ اور ہم نے اس فہرست میں ان کا جو عقیدہ بیان کیا ہے وہ ان کی کتابوں میں چھپا ہوا موجود ہے اگر کوئی صاحب غلط ثابت کریں تو وہ انعام کے مستحق ہیں بعض صاحبوں کا اصرار تھا کہ ان عقائد باطلہ کی تردید بھی کر دی جاوے مگر اس وقت کاغذ دستیاب نہیں ہوتا۔ لہٰذا ہم ان شاء اللہ اس کتاب کی دوسری جلد تیار کریں گے جس میں ان عقائد سے ہی بحث ہوگی۔ فی الحال صرف فہرست پیش کرتے ہیں۔

دیوبندی عقائد	اسلامی عقائد
(۱) خدا تعالیٰ جھوٹ بول سکتا ہے (مسئلہ امکان کذب) براہین قاطعہ مصنفہ مولوی خلیل احمد صاحب انبیٹھوی جہد المقل مصنفہ محمود حسن صاحب۔	جھوٹ بولنا عیب ہے جیسے کہ چوری یا زنا کرنا وغیرہ اور رب تعالیٰ ہر عیب سے پاک ہے وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا (قرآن کریم) نیز خدا کی صفات واجب ہیں نہ کہ ممکن لہٰذا خدا کے لئے سکنا کہنا بے دینی ہے۔
(۲) اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ جب چاہے غیب دریافت کرے۔ کسی ولی نبی جن فرشتے بھوت کو اللہ نے یہ طاقت نہیں بخشی (تقویۃ الایمان مصنفہ مولوی اسمٰعیل صاحب دہلوی)۔	خدائے پاک ہر وقت عالم الغیب ہے اس کا علم اسکی صفت ہے اور واجب ہے جب چاہے تب معلوم کرنیکا مطلب یہ ہوا کہ نہ چاہے تو جاہل رہے یہ کفر ہے خدا کے صفات خدا کے اختیار میں نہیں وہ واجب ہیں نیز رب نے اپنے محبوبوں کو بھی علوم غیبیہ عطا کیئے (قرآن کریم)
(۳) خدا تعالیٰ کو جگہ اور زمانہ اور مرکب ہونے اور ماہیت سے پاک ماننا بدعت ہے۔ ایضاح الحق مصنفہ مولوی اسمٰعیل صاحب دہلوی۔	خدائے قدوس جگہ اور زمانہ اور ترکیب وماہیت سے پاک ہے نہ وہ کسی جگہ میں رہتا ہے نہ اس کی عمر ہے نہ وہ اجزاء سے بنا ہے اس کو دیوبندیوں نے بھی بیخبری میں کفر لکھ دیا (کتب علم کلام)
(۴) خدا تعالیٰ کو بندوں کے کاموں کی پہلے سے خبر نہیں ہوتی۔ جب بندے اچھے یا برے کام کر لیتے ہیں تب اس کو معلوم ہوتا ہے۔ بلغۃ الحیران صفحہ ۵۷ زیر آیت اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا كُلٌّ فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ۔ مصنفہ مولوی حسین علی صاحب بھچراں والا شاگرد مولوی رشید احمد صاحب۔	خدا تعالیٰ ہمیشہ سے ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ اس کا علم واجب اور قدیم ہے جو ایک آن کے لیے کسی چیز سے اس کو بے علم ماننے بے دین ہے۔ (عام کتب عقائد) دیوبندی خدا کے علم غیب کے بھی منکر ہیں تو اگر حضور علیہ السلام کے علم غیب کا انکار کریں تو کیا تعجب ہے۔
(۵) خاتم النبیین کے معنی یہ سمجھنا غلط ہے کہ حضور	خاتم النبیین کے یہ ہی معنی ہیں کہ حضور علیہ السلام

علیہ السلام آخری نبی ہیں بلکہ یہ معنیٰ ہیں کہ آپ اصلی نبی ہیں باقی عارضی لہٰذا اگر حضور علیہ السلام کے بعد اور بھی نبی آجاویں تو بھی خاتمیت میں فرق نہ آویگا (تحذیر الناس مصنفہ مولوی محمد قاسم صاحب بانی مدرسہ دیوبند)	آخری نبی ہیں حضور علیہ السلام کے زمانہ ظہور یا بعد میں کسی اصلی، بروزی، مراقی، مذاقی کا نبی بننا محال بالذات ہے۔ اسی معنیٰ پر سب مسلمانوں کا اجماع ہے اور یہ ہی معنیٰ حدیث نے بیان فرمائے جو اس معنیٰ کا انکار کرے وہ مرتد ہے۔ (جیسے کہ قادیانی اور دیوبندی)
(۶) اعمال میں بظاہر اُمتی نبی کے برابر ہو جاتے ہیں بلکہ بڑھ بھی جاتے ہیں (تحذیر الناس مصنفہ مولوی محمد قاسم صاحب بانیٔ مدرسہ دیوبند)	کوئی غیر نبی خواہ ولی ہو یا غوث یا صحابی کسی کمال علمی و عملی میں نبی کے برابر نہیں ہو سکتا۔ بلکہ غیر صحابی صحابی کے برابر نہیں ہو سکتا صحابی کا کچھ جَو خیرات کرنا ہمارے صدہا من سونا خیرات کرنے سے بدرجہا بہتر ہے (حدیث)
(۷) حضور علیہ السلام کا مثل و نظیر ممکن ہے۔ (یکروزی مصنفہ مولوی اسمٰعیل صاحب دہلوی مطبوعہ فاروقی صفحہ ۱۴۴)	رب تعالیٰ نے بے مثل خالق ہے اور اُس کے محبوب بے مثل بندے وہ رحمۃ للعالمین شفیع المذنبین ہیں۔ ان اوصاف کی وجہ سے آپ کا مثل محال بالذات ہے (دیکھو رسالہ امتناع النظیر مصنفہ مولانا فضل حق صاحب خیر آبادی)
(۸) حضور علیہ السلام کو بھائی کہنا جائز ہے کیونکہ آپ بھی انسان ہیں (براہین قاطعہ مصنفہ مولوی خلیل احمد صاحب و تقویۃ الایمان مصنفہ مولوی اسمٰعیل صاحب دہلوی)	حضور علیہ السلام کو الفاظ عام سے پکارنا حرام ہے اور اگر بہ نیت حقارت ہو تو کفر ہے (قرآن کریم) یا رسول اللہ یا حبیب اللہ کہنا ضروری ہے ؎ نسبت خود بہ سگت کردم و بس منفعلم زانکہ نسبت بہ سگِ کوئے تو شد بے ادبی است
(۹) شیطان اور ملک الموت کا علم حضور علیہ السلام سے زیادہ ہے (براہین قاطعہ مصنفہ مولوی خلیل احمد	جو شخص کسی مخلوق کو حضور علیہ السلام سے زیادہ علم مانے وہ کافر ہے (دیکھو شفا شریف) حضور

صاحب)۔	علیہ السلام تمام مخلوق الٰہی میں بڑے عالم ہیں۔
(۱۰) حضور علیہ السلام کا علم بچوں، پاگلوں، جانوروں کی طرح یا ان کے برابر ہے (حفظ الایمان مصنفہ مولوی اشرف علی صاحب)۔	حضور علیہ السلام کے کسی وصف پاک کو ادنےٰ چیزوں سے تشبیہ دینا یا اُن کے برابر بتانا صریح توہین ہے اور یہ کفر ہے۔
(۱۱) حضور علیہ السلام کو اردو بولنا مدرسہ دیوبند سے آگیا (براہین قاطعہ مولوی خلیل احمد صاحب)	رب تعالیٰ نے ساری زبانیں حضرت آدم علیہ السلام کو تعلیم فرمائیں اور حضور علیہ السلام کا علم ان سے کہیں زیادہ ہے تو جو کہے کہ حضور علیہ السلام کو یہ زبان فلاں مدرسہ سے آئی وہ بے دین ہے۔
(۱۲) ہر چھوٹا بڑا مخلوق (نبی اور غیر نبی) اللہ کی شان کے آگے چمار سے بھی ذلیل ہے (تقویۃ الایمان مصنفہ مولوی اسمٰعیل صاحب)۔	رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا پھر فرماتا ہے اَلْعِزَّةُ لِلّٰهِ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ نبی کو خدا کے سامنے ذلیل جانے وہ خود چمار سے ذلیل ہے۔
(۱۳) نماز میں حضور علیہ السلام کا خیال لانا اپنے گدھے اور بیل کے خیال میں ڈوب جانے سے بدتر ہے (صراط مستقیم مصنفہ مولوی اسمٰعیل دہلوی)	جس نماز میں حضور علیہ السلام کی عظمت کا خیال نہ ہو وہ نماز ہی نامقبول ہے اسی لیے التحیات میں حضور علیہ السلام کو سلام کرتے ہیں۔ وہ بھی کوئی نماز ہے یا رنہ ہو نماز ہو (دیکھو بحث حاضر وناظر)۔
(۱۴) میں نے حضور علیہ السلام کو خواب میں دیکھا کہ مجھے آپ پلصراط پر لے گئے اور کچھ آگے جاکر دیکھا کہ حضور علیہ السلام گرے جاتے ہیں تو میں نے حضور کو گرنے سے روکا (بلغۃ الحیران، بشارات مصنفہ مولوی حسین علی صاحب شاگرد مولوی رشید احمد صاحب)۔	حضور علیہ السلام کے بعض غلام پلصراط سے بجلی کی طرح گزر جائیں گے۔ اور پلصراط پر پھسلنے والے لوگ حضور علیہ السلام کی مدد سے سنبھل سکیں گے آپ دعا فرمائیں گے رَبِّ سَلِّمْ (حدیث) جو کہے کہ میں نے حضور علیہ السلام کو صراط پر گرنے سے بچایا وہ بے ایمان ہے۔
(۱۵) مولوی اشرف علی صاحب نے بڑھاپے میں	حضور علیہ السلام کی ساری بیویاں مسلمانوں کی

ایک کمسن شاگردنی سے نکاح کیا۔ اس نکاح سے پہلے اُن کے کسی مُرید نے خواب میں دیکھا کہ مولوی اشرف علی کے گھر حضرت عائشہ صدیقہ آنے والی ہیں جس کی تعبیر مولوی اشرف علی صاحب نے یہ کی کہ کوئی کمسن عورت میرے ہاتھ آوے گی کیونکہ حضرت عائشہ صدیقہ کا نکاح جب حضور علیہ السلام سے ہوا۔ تو آپ کی عمر سات سال تھی وہ ہی نسبت یہاں ہے کہ میں بڈھا ہوں اور بیوی لڑکی ہے (رسالہ الامداد) مصنفہ مولوی اشرف علی صاحب ماہ صفر ۱۳۳۵ھ

مائیں ہیں (قرآن کریم) خصوصاً صدیقۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وہ شان ہے کہ دنیا بھر کی مائیں ان کے قدم پاک پر قربان ہوں کوئی کمین آدمی بھی ماں کو خواب میں دیکھ کر جورو سے تعبیر نہ دے گا۔ یہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی سخت توہین بلکہ اس جناب کے حق میں صریح گالی ہے اس سے زیادہ اور کیا بے ایمانی اور بے غیرتی ہو سکتی ہے کہ ماں کو جورو سے تعبیر دی جاوے۔

عقائدِ دیوبندیہ کا یہ ایک نمونہ ہے اگر تمام عقائد بیان کیے جاویں تو اس کے لیے دفتر چاہیئے حق یہ ہے کہ رافضیوں اور خارجیوں نے تو صحابہ کرام یا اہل بیت عظام ہی پر تبرّا کیا۔ مگر دیوبندیوں کے قلم سے نہ خدا کی ذات بچی نہ رسول علیہ السلام اور نہ صحابہ کرام کی نہ ازواجِ مطہرات سب کی اہانت کی گئی اگر کوئی شخص کسی شریف آدمی سے کہے کہ میں نے تمہاری والدہ کو خواب میں دیکھا اور اس کو بیوی سے تعبیر کیا تو وہ اس کو برداشت نہیں کر سکتا ہم اُن کے غلامانِ غلام اپنی صدیقہ ماں کے لیے یہ باتیں کس طرح برداشت کریں۔ صرف قلم ہاتھ میں ہے اس لیے مسلمانوں کو مطلع کر دیتے ہیں تاکہ مسلمان اُن سے علیحدہ رہیں یا وہ لوگ ان عقائد سے توبہ کریں۔

میرے شاگرد صاحبزادہ بلند اقبال عزیزی مولوی سید محمود شاہ صاحب سلمہٗ کا اصرار تھا کہ امکان کذب، امکان نظیر، دیوبندیوں کی عبارات کی توضیحوں پر بھی ہم کچھ گفتگو کریں مگر چونکہ اب کاغذ بالکل نہیں ملتا۔ اس لیے دیوبندیوں کے صرف عقائد پیش کر دیئے اور انشاء اللہ اسی کتاب کی دوسری جلد میں ان مذکورہ مسائل کی معرکۃ الآرا تحقیق کریں گے جس سے علمائے دیوبند کی منطق دانی کا بھی انشاء اللہ پتہ چل جائیگا۔ اور مولوی حسین احمد صاحب و مولوی مرتضیٰ حسن صاحب نے جو کچھ توجیہات عبارات کی ہیں ان کی حقیقت بھی معلوم ہو جاوے گی انشاء اللہ ہم اہلِ سنت پر الزام ہے کہ ہم لوگ پیر پرست ہیں۔ نبی علیہ السلام

کو اور اپنے پیروں کو خدا سے ملا دیتے ہیں۔ لہذا مشرک ہیں ہم دکھاتے ہیں کہ خود دیوبندی کس درجہ کے پیر پرست ہیں۔ اور یہ حضرات اپنے پیروں کو کیا سمجھتے ہیں۔ مولوی محمود حسن صاحب نے اپنے شیخ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کے مرثیہ میں لکھا ہے ؎

شعر تمہاری تربت انور کو دے کر طور سے تشبیہ ٭ کہوں ہوں بار بار اَرِنی مری دیکھی بھی نادانی

مولوی رشید احمد صاحب کی قبر تو طور ہوئی اور مولوی محمود حسن صاحب ارنی فرمانے والے موسےٰ ہوئے تو مولوی رشید احمد صاحب رب ہی ہوں گے؟ اس میں تو اپنے شیخ کو رب بتایا۔ اسی مرثیہ میں فرماتے ہیں ؎

شعر زباں پر اہلِ اَہوا کی ہے کیوں اُعْلُ ہُبَلْ شاید ٭ اٹھا دنیا سے کوئی بانئ اسلام کا ثانی

اس میں مولوی رشید احمد صاحب کو بانئ اسلام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ثانی کہا گیا پھر فرماتے ہیں ؎

وہ تھے صدیق اور فاروق پھر کہیے عجب کیا ہے ٭ شہادت نے تہجد میں قدم بوسی کی گر ٹھانی

اس میں ان کو صدیق اور فاروق بھی بنایا۔ پھر فرماتے ہیں ؎

شعر قبولیت اسے کہتے ہیں مقبول ایسے ہوتے ہیں ٭ عبید سود کا ان کے لقب ہے یوسف ثانی

مولوی رشید احمد صاحب کے کالے بندے ماشاء اللہ ایسے حسین ہیں کہ ان کو یوسف ثانی کا لقب دیا گیا۔ ناظرین غور فرمائیں کہ از خدا تا فاروق کون سا درجہ باقی رہا جو کہ رشید احمد صاحب کو نہ دیا گیا۔ تمام مرثیہ ہی قابلِ دید ہے اس میں یہ شعر بھی ہے ؎

مُردوں کو زندہ کیا زندوں کو مرنے نہ دیا ٭ اس مسیحائی کو دیکھیں ذرا ابن مریم!

اس شعر میں مولوی صاحب نے حضرت روح اللہ عیسیٰ علیہ السلام کو اپنے مرشد سے مقابلہ کا چیلنج دیا ہے کہ اے عیسیٰ علیہ السلام آپ نے تو ایک کام ہی کیا یعنی مردوں کو زندہ کرنا۔ مگر میرے رشید احمد نے دو کام کیے مردوں کو زندہ کیا اور زندہ کو مرنے نہ دیا۔ یعنی اس میں رشید احمد صاحب کو عیسیٰ علیہ السلام سے افضل بتایا۔

مولوی اشرف علی صاحب کے ایک مرید نے مولوی صاحب موصوف کو لکھا کہ میں نے خواب کی حالت میں اس طرح کلمہ پڑھا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَشْرَفْ عَلِیْ رَّسُوْلُ اللّٰهِ چاہتا تھا کہ کلمہ صحیح پڑھوں مگر یہ ہی منہ سے

نکلتا تھا پھر بیدار ہو گیا۔ تو درود شریف پڑھا۔ تو یوں اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَنَبِیِّنَا وَمَوْلَانَا اَشْرَفْ عَلٰی بیدار ہوں مگر دل بے اختیار ہے۔

اس کا جواب مولوی اشرف علی صاحب نے یہ دیا کہ اس واقعہ میں تسلی تھی کہ جس طرف تم رجوع کرتے ہو وہ بعونہ تعالیٰ متبع سنت ہے۔ ۲۴ شوال ۱۳۳۵ھ ماخوذ از رسالۃ الامداد بابت ماہ صفر ۱۳۳۶ھ صفحہ ۳۵ غور کرنا چاہیئے کہ مولوی اشرف علی صاحب کا کلمہ پڑھ لو اور ان پر درود پڑھو مگر بے اختیاری زبان کا بہانہ کر دو۔ سب جائز ہے۔ کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق دے دے اور کہے کہ بے اختیار زبان سے نکل گیا طلاق ہو جاتی ہے یہ بہانا کافی مانا گیا۔ اور اس کو پیر کے متبع سنت ہونے کی دلیل قرار دیا گیا۔

تذکرۃ الرشید صفحہ ۴۷ میں ہے کہ حاجی امداد اللہ صاحب نے خواب میں دیکھا کہ آپ کی بھاوج اپنے مہمانوں کا کھانا پکا رہی ہیں کہ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور ان سے فرمایا کہ اُٹھ تو اس قابل نہیں کہ امداد اللہ کے مہمانوں کا کھانا پکاوے۔ اس کے مہمان علماء (یعنی دیوبندی) ہیں اس کے مہمانوں کا کھانا میں پکاؤں گا (چشم بددور)

مولوی اسمٰعیل صاحب دہلوی صراط مستقیم کے آخر میں اپنے مرشد سید احمد صاحب کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ایک دن اللہ تعالیٰ نے ان کا داہنا ہاتھ خاص اپنے دستِ قدرت میں پکڑ کر امور قدسیہ سے بہت بلند اور نادر چیزیں اُن کے سامنے پیش کیں۔ پھر فرماتے ہیں کہ رب تعالےٰ کا سید احمد صاحب کو حکم ہوا کہ جو شخص تیرے ہاتھ پر بیعت کرے گا اگرچہ وہ لکھوکھا ہی کیوں نہ ہوں ہم ایک کو کفایت کریں گے۔ اسی صراط مستقیم میں اولیاء کا ذکر فرماتے ہوئے فرماتے ہیں "اور ان کو انبیاء کے ساتھ وہی نسبت ہے جو چھوٹے بھائیوں کو بڑے بھائیوں سے کیونکہ ان کے درمیان بھی مِن وَجۂِ نبوت کا علاقہ ہے۔ اور من وجۂِ اخوت کا یعنی اولیاء اللہ میں نبوت موجود ہے معاذ اللہ کیئے آج تک کسی مُرید نے اپنے پیر و مُرشد کے لیئے ایسی تعلّیاں نہ کی ہوں گی۔ مگر ان حضرات پر فتویٰ شرک ہے نہ حکمِ کفر نہ یہ قبر پرست کہلائیں۔ جو کچھ عرض کیا گیا۔ نہ تو اس سے اپنی علمی لیاقت کا اظہار منظور ہے نہ اپنی قابلیت دکھانا مقصود۔ میں کیا اور میری لیاقت کیا اور قابلیت کیا۔ یہ جو کچھ ہے حضرت مرشدی واستاذی قبلہ عالم حامی دین، ناصر مسلمین مولانا الحاج سید محمد نعیم الدین صاحب قبلہ مراد آبادی دام ظلھم الاقدس کے در کا صدقہ ہے مقصود صرف یہ ہے کہ مسلمان اپنے دوست و دشمن کو پہچانیں، دولت ایمان

کو دینی راہزنوں سے محفوظ رکھیں اور کوشش کریں کہ دنیا سے ایمان سلامت لے جاویں اور جو بھی اُس سے فائدہ اٹھائے۔ اس فقیر بے نوا کے لیئے دعائے حسن خاتمہ کرے۔ مولےٰ تعالیٰ اسلام کا بول بالا فرمادے۔ مسلمانوں کو راہِ مستقیم پر قائم رکھے اور اس فقیر حقیر کے ان ٹوٹے پھوٹے الفاظ کو قبول فرمادے آمین یارب العٰلمین بجاہ حبیبک الرءوف الرحیم الکریم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ ونور عرشہٖ سیدنا ومولانا محمد وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین برحمتہٖ وھو ارحم الراحمین ○

ناچیز احمد یار خاں نعیمی اشرفی اوجھانوی بدایونی سرپرست مدرسہ غوثیہ نعیمیہ گجرات مغربی پاکستان

۶ ذیقعدروز ایمان افروز دوشنبہ مبارکہ ۱۳۶۱ھ۔

اس کتاب کو لکھ چکنے کے بعد حضور امیر ملت قبلہ عالم محدث علی پوری دام ظلہم کا گرامی نامہ تشریف لاکر باعث عزت افزائی ہوا جس میں ایک ایمان افروز نہایت باریک علمی نکتہ ارشاد فرمایا گیا ہے۔ اور مجھے حکم ملا کر وہ کتاب میں لکھ دوں۔ میں نہایت فخر سے ہدیہ ناظرین کرتا ہوں۔ جو لوگ حضور علیہ السلام کو اپنی طرح بشر کہتے ہیں وہ نور ایمانی سے بے بہرہ ہیں۔ حضور علیہ السلام کی شان تو بیان سے بالاتر ہے۔ جس چیز کو اُس ذات گرامی سے نسبت ہوجاوے اس کی مثل کوئی نہیں ہوسکتا وہ بے مثل ہے۔ قرآن فرماتا ہے۔ یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اے نبی کی بیویو! تم اور عورتوں کی طرح نہیں ہو۔ معلوم ہوا کہ ازواج مطہرات بے مثل بیویاں ہیں كُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اے مسلمانو تم بہترین امت ہو۔ معلوم ہوا کہ امتِ مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام بے مثل امت ہے۔ مدینہ منورہ بے مثل شہر۔ قبر انور کی زمین بے مثل زمین۔ جو پانی سرکار علیہ السلام کی مبارک انگلیوں سے جاری ہوا وہ بے مثل پانی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا پسینہ مبارک بے مثل پسینہ غرضکہ جس کو اُس ذات کریم سے نسبت ہوگئی وہ بے مثل و بے نظیر ہے تو کیا وجہ ہے کہ منسوب الیہ صلی اللہ علیہ وسلم جن کی یہ ساری بہار ہے وہ بے مثل نہ ہوں۔ ڈاکٹر اقبالؒ نے کیا خوب کہا ہے ؎

مریم از یک نسبت عیسےٰ عزیز ٭ از سہ نسبت حضرت زہرا عزیز
نور چشم رحمۃ للعٰلمین ٭ آں امام اولین و آخرین
بانوئے آں تاجدار ھل اتیٰ ٭ مرتضیٰ مشکل کشا شیر خدا
مادر آں مرکز پرکار عشق ٭ مادر آں قافلہ سالار عشق!

رشتۂ آئین حق زنجیر پاست ٭ پاس فرمان جناب مصطفےٰ است
ورنہ گردِ تربتش گردیدمے ٭ سجدہا بر خاک وے پاشیدمے

فاطمہ زہرا اس لیئے افضل ہیں کہ نبی کی لاڈلی، ولی کی بیوی، شہیدوں کی ماں ہیں رضی اللہ عنہا
سبحان اللہ کیا طرزِ استدلال ہے اعلیحضرت قدس سرہٗ نے خوب فرمایا ؎

اللہ کی سرتابقدم شان ہیں یہ ٭ ان سا نہیں انسان وہ انسان ہیں یہ
قرآن بتاتا ہے کہ ایمان ہیں یہ ٭ ایمان یہ کہتا ہے مری جان ہیں یہ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلّم

احمد یار خاں ادجھانوی عفی عنہ

قہر کبریا بر منکرین عصمتِ انبیاء

دیوبندیوں کی دریدہ دہنی اور توہین انبیاء نے لوگوں کو بارگاہِ انبیاء میں بے ادبی کرنے پر دلیر کر دیا۔ ہندوستان میں ایک فرقہ وہ بھی پیدا ہو گیا۔ جو انبیائے کرام کو معاذ اللہ گنہگار بلکہ مشرک کافر بھی کہتا ہے کہ وہ سب حضرات خاکش بدہن پہلے مشرک وکفار تھے۔ اور گناہ کبائر کے مرتکب بھی۔ پھر توبہ کر کے نبی ہوئے میرے پاس صرف چوب قلم ہے اور کچھ اوراق جس سے ان عقائد باطلہ کی تردید کرتا ہوں اور ناز کرتا ہوں کہ میری عزت وآبرو زبان وقلم عظمتِ انبیاء کے لیئے ڈھال بنے سیدنا حسان نے کیا خوب فرمایا ؎

فَاِنَّ اَبِیْ وَوَالِدَتِیْ وَعِرْضِیْ ٭ لِعِرْضِ مُحَمَّدٍ مِّنْکُمْ وِقَاءٌ

یہ رسالہ بہت دن ہوئے الفقیہ میں قسط وار شائع ہوا۔ مسلمانوں کے اصرار پر جاء الحق کے دوسرے ایڈیشن میں بطور ضمیمہ درج کرتا ہوں۔ رب تعالیٰ قبول فرما کر نافع خلائق بنائے اس میں ایک مقدمہ اور

دو باب ہیں۔

مقدمہ:۔ گناہ چند طرح کے ہیں۔ شرک، کفر، کبائر، صغائر، پھر صغائر دو قسم کے بعض وہ جو دناءت اور ذلت طبع پر دلالت کرتے ہیں، جیسے چوری، کم تولنا وغیرہ۔ اور بعض ایسے نہیں۔ پھر ان گناہوں میں بھی دو نوعیتیں ہیں عمداً اور سہواً۔ نیز انبیائے کرام کی بھی دو حالتیں ہیں۔ ایک ظہور نبوت سے پہلے کا وقت۔ دوسرے نبوت کے بعد۔ انبیائے کرام شرک، کفر، بدعقیدگی گمراہی اور ذلیل حرکتوں سے ہر وقت بفضلہ تعالےٰ معصوم ہیں کہ وہ حضرات نبوت سے پہلے اور اس کے بعد عمداً سہواً ایک آن کے لئے بھی بدعقیدہ نہیں ہو سکتے کیونکہ وہ عارف باللہ پیدا ہوتے ہیں، مدارج اور مواہب میں ہے کہ آدم علیہ السلام نے پیدا ہوتے ہی ساقِ عرش پر لکھا ہوا پایا۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ اس سے آدم علیہ السلام کا پیدائشی عارف باللہ ہونا بھی ثابت ہوا۔ اور بغیر استاذ پڑھا لکھا ہونا بھی کہ پیدا ہوتے ہی لکھی ہوئی تحریر پڑھلی۔ عیسیٰ علیہ السلام نے پیدا ہوتے ہی فرمایا۔

اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ وَ جَعَلَنِیْ نَبِیًّا۔	میں اللہ کا بندہ ہوں کہ مجھے اس نے کتاب عطا فرمائی اور نبی بنایا۔

نیز فرمایا۔

وَاَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوةِ وَ الزَّکٰوةِ مَا دُمْتُ حَیًّا وَّ بَرًّاۢ بِوَالِدَتِیْ۔	یعنی مجھے تاحین حیات، نماز، زکوٰۃ کا حکم دیا اور میں اپنی والدہ سے سلوک کرنیوالا بھی ہوں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جناب مسیح بوقتِ پیدائش ہی حکمت نظری یعنی رب کی ربوبیت اپنی نبوت اور عطائے انجیل کو بھی جانتے ہیں اور حکمت عملی، تہذیب، اخلاق و تدبیر منزل سے بھی باخبر ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بچپن شریف میں ہی اپنی کافر قوم پر توحید کی ایسی قوی حجت قائم فرمائی کہ سبحان اللہ آفتاب و چاند تاروں کے ڈوبنے اور ان کے حالات بدلنے کو ان کی مخلوقیت کی دلیل بنایا کہ تاروں کو دیکھ کر فرمایا ھٰذَا رَبِّیْ اے کافرو کیا رب میرا یہ ہو سکتا ہے؟ اور ڈوبتا دیکھ کر فرمایا لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ کہ میں ڈوبنے والوں کو پسند نہیں کرتا بچپن شریف کی اس ساری گفتگو پاک پر بوعلی سینا اور فارابی کی ساری منطق قربان۔ اسی کو منطقی لوگ یوں بیان کرتے ہیں۔ اَلْعَالَمُ مُتَغَیِّرٌ وَکُلُّ مُتَغَیِّرٍ حَادِثٌ فَهٰذَا الْعَالَمُ حَادِثٌ پھریوں کہتے ہیں کہ اَلْعَالَمُ حَادِثٌ وَلَا شَیْءَ مِنَ الْحَادِثِ

بِمَعْبُوْدٍ فَالْعَالِمُ لَیْسَ بِمَعْبُوْدٍ اس طرز استدلال کو رب نے پسندیدگی کی سند بخش کر فرمایا وَتِلْکَ حُجَّتُنَا اٰتَیْنٰھَا اِبْرٰھِیْمَ عَلٰی قَوْمِہٖ۔ حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے پیدا ہوتے ہی سجدہ فرما کر اُمت کی شفاعت فرمائی دمدارج ومواہب، معلوم ہوا کہ رب کو اپنے کو اپنے مراتب کو اور اپنے درجات کو نیز اُمتِ مرحومہ کو جانتے پہچانتے پیدا ہوئے ہیں۔ بچپن میں بچوں نے کھیل کی رغبت دی۔ تو انہیں وہ جواب دیا کہ جس پر ارسطو و فلاطون کی ساری حکمتیں قربان۔ وہ ہی ایک جواب انسانی زندگی کا اصل مقصد ہے فرمایا۔ مَا خُلِقْنَا لِهٰذَا ہم اس لیئے پیدا نہیں ہوئے رب نے اُسکی تائید یوں فرمائی کہ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ خود فرماتے ہیں صلی اللہ علیہ وسلم کُنْتُ نَبِیًّا وَّاٰدَمُ بَیْنَ الْمَآءِ وَالطِّیْنِ ہم اس وقت نبی تھے جبکہ آدم علیہ السلام آب و گل میں جلوہ گر تھے۔ تفسیرات احمدیہ میں لَا یَنَالُ عَھْدِی الظّٰلِمِیْنَ کی تفسیر فرماتے ہیں۔ اِنَّھُمْ مَعْصُوْمُوْنَ عَنِ الْکُفْرِ قَبْلَ الْوَحْیِ وَبَعْدَہٗ بِالْاِجْمَاعِ انبیاء کرام وحی سے پہلے اور وحی کے بعد کفر سے معصوم ہیں۔

اس مختصر سی گفتگو سے معلوم ہوا کہ حضرت انبیاء کرام عارف باللہ پیدا ہوتے ہیں ان کا دامنِ عصمت گمراہی سے کبھی بھی داغدار نہیں ہو سکتا رہے گناہ اُن کی تفصیل یہ ہے کہ انبیاء کرام، ارادۃً گناہ کبیرہ کرنے سے ہمیشہ معصوم ہیں کہ جان بوجھ کر نہ تو نبوت سے پہلے گناہ کبیرہ کر سکتے ہیں اور نہ اس کے بعد۔ ہاں نسیاناً خطاءً صادر ہو سکتے ہیں مگر اس پر قائم نہیں رہتے۔ بلکہ رب کی طرف سے انہیں متوجہ کر دیا جاتا ہے۔ اور وہ اس سے علیحدہ ہو جاتے ہیں۔ گناہ صغائر میں سے ذلیل حرکتوں سے ہمیشہ معصوم کہ نبوت سے پہلے اور بعد ان سے کبھی بھی ایسی حرکتیں صادر نہیں ہوئیں جو دنائت اور چھچھورے پن پر دلالت کریں اور وہ صغائر جو ایسے نہ ہوں انبیاء سے صادر ہو سکتے ہیں۔ یہ بھی خیال رہے کہ یہ تفصیل ان امور میں ہے جن کا تعلق تبلیغ سے نہیں رہے احکام تبلیغیہ ان میں کمی بیشی کرنے یا چھپانے سے انبیاء ہمیشہ معصوم ہیں کہ یہ حرکت ان سے نہ تو جان بوجھ کر صادر ہو نہ خطاءً یہ بھی خیال رہے کہ گناہوں کی یہ تفصیل دیگر انبیائے کرام کے لیئے ہے کہ اُن سے بعض گناہ صغیرہ صادر ہو سکتے ہیں مگر سید الانبیاء حضور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اُمت کا اجماع ہے کہ آپ سے کبھی بھی کسی قسم کا گناہ صادر نہیں ہوا۔ یعنی ظہور نبوت سے پہلے اور اس کے بعد آپ نے

کوئی بھی گناہ صغیرہ یا کبیرہ عمداً نہیں کیا۔ چنانچہ تفسیراتِ احمدیہ میں آیت لَا یَنَالُ عَھْدِی الظّٰلِمِیْنَ کی تفسیر میں ہے لَا خِلَافَ لِاَحَدٍ فِیْ اَنَّ نَبِیَّنَا عَلَیْہِ السَّلَامُ لَمْ یَرْتَکِبْ صَغِیْرَۃً وَّلَا کَبِیْرَۃً طَرْفَۃَ عَیْنٍ قَبْلَ الْوَحْیِ وَبَعْدَہٗ کَمَا ذَکَرَہٗ اَبُوْحَنِیْفَۃَ فِی الْفِقْہِ الْاَکْبَرِ تفسیر روح البیان آیت مَا کُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْکِتٰبُ کی تفسیر میں ہے۔

یَدُلُّ عَلَیْہِ اَنَّہٗ عَلَیْہِ السَّلَامُ قِیْلَ لَہٗ ھَلْ عَبَدْتَّ وَثَنًا قَطُّ قَالَ لَا قِیْلَ ھَلْ شَرِبْتَ خَمْرًا قَطُّ قَالَ لَا فَمَا زِلْتُ اَعْرِفُ اَنَّ الَّذِیْ ھُمْ عَلَیْہِ کُفْرٌ۔

یعنی حضور علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ آپ نے کبھی بُت پرستی کی تھی؟ فرمایا نہیں کیا آپ نے کبھی شراب استعمال فرمائی؟ فرمایا نہیں ہم تو ہمیشہ سے جانتے تھے کہ اہل عرب کے یہ عقیدے کفر ہیں۔

پہلا باب

عصمتِ انبیاء کا ثبوت

عصمت انبیاء قرآنی آیات اور احادیث صحیحہ اجماع اُمت و دلائل عقلیہ سے ثابت ہے اس کا انکار وہی کرے گا جس کے پاس دل ودماغ کی آنکھیں نہ ہوں۔

قرآنی آیات (۱) رب تعالےٰ نے شیطان سے فرمایا۔

اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْھِمْ سُلْطٰنٌ

اے ابلیس میرے خاص بندوں پر تیری دسترس نہیں

(۲) شیطان نے خود بھی اقرار کیا تھا کہ۔

وَلَاُغْوِیَنَّھُمْ اَجْمَعِیْنَ اِلَّا عِبَادَکَ مِنْھُمُ الْمُخْلَصِیْنَ۔

کہ اے مولیٰ میں ان سب کو گمراہ کروں گا سوا تیرے خاص بندوں کے۔

معلوم ہوا کہ انبیائے کرام تک شیطان کی پہنچ نہیں اور وہ انہیں نہ تو گمراہ کرسکے اور نہ بے راہ چلا سکے پھر ان سے گناہ کیونکر سرزد ہوں تعجب ہے کہ شیطان تو انبیاء کو معصوم مان کر اُن کے بہکانے سے اپنی معذوری ظاہر کرے مگر اس زمانہ کے بے دین ان حضرات کو مجرم مانیں۔ یقیناً یہ شیطان

سے بدتر ہیں (۳) یوسف علیہ السلام نے فرمایا تھا۔

مَا كَانَ لَنَا اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ | ہم گروہ انبیاء کیلئے لائق نہیں کہ خدا کے ساتھ شرک کریں

(۴) حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا۔

مَا اُرِیْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَا اَنْهٰىكُمْ۔ | میں اس کا ارادہ بھی نہیں کرتا کہ جس چیز سے تمہیں منع کروں خود کرنے لگوں۔

معلوم ہوا کہ انبیائے کرام شرک اور گناہ کرنے کا کبھی ارادہ نہیں فرماتے یہ ہی عصمت کی حقیقت ہے (۵) یوسف علیہ السلام نے فرمایا وَمَا اُبَرِّئُ نَفْسِیْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ یہاں یہ نہ کہا کہ میرا نفس برائی کا حکم کرتا ہے بلکہ یہ فرمایا کہ عام نفوس انسانوں کو برائی کا حکم کرتے ہیں سوا اُن نفوس کے جن پر رب رحم فرمائے اور وہ نفوس انبیاء ہیں۔ معلوم ہوا کہ ان حضرات کے نفوس انہیں فریب دیتے ہی نہیں (۶) رب تعالے فرماتا ہے اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِیْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِیْنَ۔ جس سے معلوم ہوا کہ انبیاء کرام سارے جہان سے افضل ہیں اور جہان میں تو ملائکہ معصومین بھی داخل۔ ملائکہ کی صفت یہ ہے کہ لَا یَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَاۤ اَمَرَهُمْ وہ کبھی نافرمانی کرتے ہی نہیں۔ اگر انبیاء گنہگار ہوں تو ملائکہ اُن سے بڑھ جائیں۔

(۷) رب تعالے فرماتا ہے۔ لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ ہمارا عہد نبوت ظالمین یعنی فاسقین کو نہ ملے گا معلوم ہوا کہ فسق و نبوت جمع ہو سکتے ہی نہیں۔ قرآن کریم نے انبیاء کرام کے اقوال کو نقل فرمایا۔

لَیْسَ بِیْ ضَلٰلَةٌ وَّلٰكِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ | اے میری قوم! مجھ میں بالکل گمراہی نہیں لیکن میں رب العلمین کا رسول ہوں۔

لٰكِنِّیْ سے معلوم ہوا کہ گمراہی اور نبوت کا اجتماع نہیں ہو سکتا کیونکہ نبوت نور ہے اور گمراہی تاریکی نور و ظلمت کا اجتماع ناممکن ہے۔

احادیث (۱) مشکوٰۃ باب الوسوسہ میں ہے کہ ہر شخص کے ساتھ ایک شیطان رہتا ہے جسے قرین کہا جاتا ہے۔ مگر میرا قرین مسلمان ہو گیا لہذا اب وہ مجھے نیک مشورہ ہی دیتا ہے "

(۲) اسی مشکوٰۃ باب الوسوسہ میں ہے کہ ہر بچے کو بوقت ولادت شیطان مارتا ہے مگر عیسٰے علیہ السلام کو پیدائش میں چھو بھی نہ سکا معلوم ہوا کہ یہ دو پیغمبر شیطانی وسوسہ سے بھی محفوظ ہیں۔

(۳) مشکوٰۃ کتاب الغسل سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیائے کرام کو خواب سے احتلام نہیں ہوتا کہ اس میں شیطانی اثر ہے بلکہ ان کی بیبیاں بھی احتلام سے پاک ہیں۔

(۴) انبیائے کرام کو جمائی نہیں آتی کیونکہ یہ بھی شیطانی اثر ہے۔ اسی لیئے اس وقت لاحول پڑھتے ہیں۔

(۵) مشکوٰۃ شریف باب علامات نبوت میں ہے کہ حضور علیہ السلام کا سینہ مبارک چاک کر کے اس میں سے ایک پارہ گوشت نکال دیا گیا اور کہا گیا کہ یہ شیطانی حصہ ہے۔ معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کا نفس قدسیہ شیطانی اثر سے پاک ہے اور پھر اسے ماء زمزم سے دھویا گیا۔

(۶) مشکوٰۃ شریف باب مناقب عمر میں ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ جس راستہ سے گزرتے ہیں وہاں سے شیطان بھاگ جاتا ہے۔ معلوم ہوا کہ جن پر پیغمبر کی نظر کرم ہو جاتے وہ بھی شیطان سے محفوظ رہتے ہیں پھر خود ان حضرات کا کیا پوچھنا۔

اقوال علماء اُمت :۔ ہمیشہ سے اُمت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا عصمت انبیاء پر اجماع رہا سوا فرقہ ملعونہ حشویہ کے کوئی اس کا منکر نہ ہوا چنانچہ شرح عقائد نسفی شرح فقہ اکبر، تفسیرات احمدیہ، تفسیر روح البیان، مدارج النبوۃ، مواہب لدنیہ، شفا شریف، نسیم الریاض وغیرہ میں اس کی تصریح ہے۔

تفسیر روح البیان آیت مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ الآیہ کی تفسیر میں ہے کَانَّ اَهْلَ الْوُصُوْلِ اِجْتَمَعُوْا عَلٰى اَنَّ الرُّسُلَ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ

كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ قَبْلَ الْوَحْيِ مَعْصُوْمِيْنَ مِنَ الْكَبَائِرِ وَمِنَ الصَّغَائِرِ الْمُوْجِبَةِ لِنَفْرَةِ النَّاسِ عَنْهُمْ قَبْلَ الْبِعْثَتِ وَبَعْدَهَا فَضْلًا عَنِ الْكُفْرِ	یعنی اس پر اتفاق ہے کہ انبیائے کرام وحی سے پہلے مومن تھے اور گناہ کبیرہ نیز ان صغائر سے جو نفرت کا باعث ہوں نبوت سے پہلے معصوم تھے اور بعد بھی چہ جائیکہ کفر

تفسیرات احمدیہ میں ہے۔

اِنَّهُمْ مَعْصُوْمُوْنَ عَنِ الْكُفْرِ قَبْلَ الْوَحْيِ وَبَعْدَهٗ بِالْاِجْمَاعِ وَكَذَا عَنْ تَعَمُّدِ الْكَبَائِرِ عِنْدَ الْجُمْهُوْرِ۔	انبیائے کرام کفر سے قبل وحی اور بعدہٗ بالاتفاق معصوم ہیں ایسے ہی عام علماء کے نزدیک دیدہ و دانستہ گناہ کبیرہ کرنے سے بھی معصوم ہیں۔

غرضکہ اُمت مرحومہ کا اجماع انبیائے کرام کی عصمت پر ہے اور یہ بالکل ظاہر ہے اس کے لیئے زیادہ عبارتیں نقل کرنے کی ضرورت نہیں۔

عقلی دلائل، عقل بھی چاہتی ہے ۔ کہ انبیائے کرام کفر و فسق سے ہمیشہ معصوم ہوں چند وجوہ سے

(۱) کفر یا تو عقائد کی بے خبری سے ہوتا ہے یا نفس کی سرکشی سے یا شیطان کے اغوا سے اور ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں کہ انبیائے کرام عارف باللہ پیدا ہونے ہیں نیز ان کے نفوس پاک ہیں اور وہ شیطانی اغوا سے محفوظ ہیں ۔ جب تک یہ تینوں وجہیں نہیں تو اب اُن سے کفر اور فسق کیونکر سرزد ہو ۔

(۲) فسق بھی نفس امارہ یا شیطان کے اثر سے ہے اور وہ حضرات ان دونوں سے محفوظ ہیں ۔

(۳) فاسق کی مخالفت ضروری ہے اور نبی کی اطاعت فرض کہ بہرحال اُنکی فرمانبرداری کی جائے اگر نبی بھی فاسق ہوں تو ان کی اطاعت بھی ضروری ہو اور مخالفت بھی اور یہ اجتماع ضدین ہے ۔

(۴) فاسق کی بات بلا تحقیق نہ ماننی چاہیئے رب تعالیٰ فرماتا ہے اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْۤا اور نبی کی ہر بات ماننی فرض ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ یَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِیَرَةُ اگر نبی بھی فاسق ہوں تو اُن کی بات بلا تحقیق ماننا بھی ضروری اور نہ ماننا بھی ۔ اور یہ اجتماع نقیضین ہے ۔

(۵) گنہگار سے شیطان راضی ہے اسی لیئے وہ حزب الشیطان میں داخل ہے اور نیک کار سے رحمان خوش ہے اسی لیئے وہ حزب اللہ میں سے ہے اگر پیغمبر ایک آن کے لیئے بھی گنہگار ہوں تو معاذ اللہ وہ شیطانی گروہ میں سے ہوں گے اور یہ ناممکن ہے ۔

(۶) فاسق سے متقی افضل رب تعالیٰ فرماتا ہے ۔ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِیْنَ كَالْفُجَّارِ اگر نبی کسی وقت گناہ کریں اور اس وقت اُن کا اُمتی نیکی کر رہا ہو تو لازم آوے گا کہ اُمتی اس وقت نبی سے افضل ہو اور یہ باطل ہے کوئی اُمتی ایک آن کے لیئے بھی نبی کے برابر نہیں ہو سکتا ۔

(۷) بدعقیدہ کی تعظیم حرام ہے حدیث میں ہے ۔

مَنْ وَقَّرَ صَاحِبَ بِدْعَةٍ فَقَدْ اَعَانَ عَلٰی هَدْمِ الْاِسْلَامِ ۔ جس نے بدعقیدہ کی تعظیم کی اس نے اسلام ڈھانے پر مدد دی ۔

اور نبی کی تعظیم واجب ۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے وَ تُعَزِّرُوْهُ وَ تُوَقِّرُوْهُ اگر نبی ایک آن کیلئے بے دین ہوں تو اُن کی تعظیم واجب بھی ہو اور حرام بھی ۔

(۸) گنہگاروں کی بخشش حضور کے وسیلے سے ہے رب فرماتا ہے وَ لَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ

جاءُوكَ الآیۃ اس آیت میں عام مجرمین کو بارگاہِ مصطفوی میں حاضر ہو کر اُن کے وسیلہ سے استغفار کرنے کی دعوت دی گئی۔ اگر خاکش بدہن آپ کا دامنِ عفت گناہوں سے آلودہ ہو تو بتاؤ پھر آپکا وسیلہ کون ہوگا؟ اور کس کے ذریعے آپکی معافی ہوگی جو سب مجرموں کا وسیلہ مغفرت ہو۔ ضروری ہے کہ وہ جرموں سے پاک ہو اگر وہ بھی گنہگار ہو تو پھر ترجیح بلامرجح کا سوال پیدا ہوگا۔ اور دور یا تسلسل لازم ہوگا

(۹) قیمتی چیز قیمتی برتن میں رکھی جاتی ہے موتی کا ڈبہ بھی قیمتی ہوتا ہے سنہری زیورات کا بکس بھی قیمتی۔ دودھ کا برتن بھی ہر گندگی و ترشی سے محفوظ رکھا جاتا ہے تاکہ دودھ خراب نہ ہو جائے کارخانہ قدرت میں نبوت بڑی ہی انوکھی اور بے بہا نعمت ہے تو چاہیئے کہ اس کا ظرف یعنی انبیاء کے دل کفر و فسق اور ہر قسم کی گندگی سے پاک و صاف ہوں اسی لیئے رب نے فرمایا اَللّٰهُ يَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ اللہ ہی اُن نفوس کو جانتا ہے جو اس کی رسالت کے لائق ہیں۔

(۱۰) فاسق اور فاجر کی خبر بغیر گواہی قابلِ اعتماد نہیں۔ اگر انبیائے کرام بھی فاسق ہوتے تو انہیں اپنی ہر خبر پر گواہی پیش کرنا ہوتی حالانکہ ان کا ہر قول صدہا گواہیوں سے بڑھ کر ہے۔ حضرت ابوخزیمہ انصاری نے اونٹ کے متعلق یہ ہی تو کہا تھا کہ یا حبیب اللہ اونٹ کی تجارت جنت و دوزخ حشر و نشر سے بڑھ کر نہیں۔ جب ہم آپ سے سن کر ان پر ایمان لے آئے تو اس زبان سے سُن کر یہ کیوں نہ مان لیں کہ واقعی آپ نے اونٹ لیا ہے جس کے انعام میں اُن ایک کی گواہی دو کے برابر کر دی ہ

دوسرا باب

عصمت انبیاء پر اعتراضات و جوابات

آئندہ اعتراضات کے تفصیلی جوابات سے پہلے بطور مقدمہ اجمالی جواب عرض کیئے دیتا ہوں جس سے بہت سے اعتراضات خود بخود اٹھ جائیں گے وہ یہ کہ عصمتِ انبیاء قطعی و اجماعی مسئلہ ہے اور احادیث جن سے پیغمبروں کا گناہ ثابت ہے اگر متواتر اور قطعی نہیں بلکہ مشہور احاد ہیں وہ سب مردود کوئی بھی قابل اعتبار نہیں اگرچہ صحیح ہی ہوں۔ تفسیر کبیر سورۂ یوسف کی تفسیر میں ہے کہ جو احادیث خلافِ انبیاء ہوں وہ قبول نہیں۔ راوی کو جھوٹا ماننا۔ پیغمبر کو گنہگار ماننے سے آسان ہے اور وہ قرآنی

آیات اور متواتر روایات جن سے اُن حضرات کا جھوٹ یا کوئی اور گناہ ثابت ہوتا ہو سب واجب التاویل ہیں۔ کہ اُن کے ظاہری معنیٰ مراد نہ ہوں گے یا کہا جائیگا کہ یہ واقعات عطائے نبوت سے پہلے کے تھے۔
تفسیرات احمدیہ شریف آیت لَا یَنَالُ عَھْدِی الظّٰلِمِیْنَ کی تفسیر میں ہے وَاِذَا تَقَرَّرَ ھٰذَا فَمَا نُقِلَ عَنِ الْاَنْبِیَاءِ مِمَّا یُشْعِرُ بِکَذْبٍ اَوْ مَعْصِیَۃٍ فَمَا کَانَ مَنْقُوْلًا بِطَرِیْقِ الْاٰحَادِ فَمَرْدُوْدٌ وَمَا کَانَ مَنْقُوْلًا بِطَرِیْقِ التَّوَاتُرِ فَمَصْرُوْفٌ عَنْ ظَاھِرِہٖ اِنْ اَمْکَنَ وَاِلَّا فَمَحْمُوْلٌ عَلٰی تَرْکِ الْاَوْلٰی اَوْ کَوْنِہٖ قَبْلَ الْبِعْثَۃِ بلکہ مدارج النبوۃ شریف جلد اول باب چہارم میں تو فرمایا کہ اس قسم کی آیتیں متشابہات کی مثل ہیں۔ جن میں خاموشی لازم دیکھو رب تعالیٰ کا قدوس، غنی، علیم، قادر مطلق بلکہ تمام صفات کمالیہ سے موصوف ہونا قطعی اجماعی ہے مگر بعض آیتیں ظاہری معنیٰ کے لحاظ سے اس کے بالکل خلاف ہیں رب فرماتا ہے یُخٰدِعُوْنَ اللّٰہَ وَھُوَ خَادِعُھُمْ وہ رب کو دھوکا دیتے ہیں رب انہیں اور فرماتا ہے وَمَکَرُوْا وَمَکَرَ اللّٰہُ انہوں نے مکر کیا اور اللہ نے اور فرماتا ہے فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْہُ اللّٰہِ جدھر تم منہ کرو ادھر ہی رب کا منہ ہے فرماتا ہے یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ اُن کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے فرماتا ہے ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ پھر اللہ تعالےٰ عرش پر مستوی ہو گیا۔ رب تعالیٰ چہرہ، ہاتھ، برابری مکر اور دھوکہ سے پاک اور منزہ ہے اور ان آیتوں میں بظاہر یہ ہی ثابت ہو رہا ہے لہٰذا واجب ہے کہ ان میں تاویل کی جائے بلکہ ان کے حقیقی معنی خدا کے سپرد کیئے جائیں جو کوئی ان آیتوں کی وجہ سے رب کو عیب دار مانے وہ بے ایمان ہے ایسے ہی جو کوئی بعض آیتوں کے ظاہری معنیٰ کر کے انبیائے کرام کو فاسق یا مشرک جانے وہ بے دین ہے یہ ایک جواب ہی انشاء اللہ تمام اعتراضات کی جڑ کاٹ دے گا مگر پھر بھی ہم کچھ تفصیلی جواب عرض کیئے دیتے ہیں:۔

اعتراض (۱) ابلیس نے بھی سجدہ نہ کر کے خدا کی نافرمانی کی اور آدم علیہ السلام نے بھی گندم کھا کر یہ ہی جرم کیا ہے۔ دونوں کو سزا بھی یکساں دی گئی کہ اُسے فرشتوں کی جماعت سے اور انہیں جنت سے خارج کر دیا گیا جرم و سزا میں دونوں برابر ہوئے بعد میں آدم علیہ السلام نے توبہ کر کے معافی حاصل کر لی۔ ابلیس نے یہ نہ کیا۔ معلوم ہوا کہ آپ معصوم نہ تھے (ملحد شحنہ شریعت کانپور)

جواب، شیطان سجدہ نہ کرنے میں مجرم بھی تھا اور سزا یاب بھی ہوا۔ آدم علیہ السلام گندم کھانے میں نہ گنہگار تھے اور نہ انہیں کوئی سزا دی گئی کیونکہ شیطان نے دیدہ دانستہ سجدہ سے انکار ہی نہ کیا بلکہ حکم رب کو

غلط سمجھ کر اس کے بالمقابل گفتگو کرنیکی ہمت کی کہ بولا خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ جس کی سزا میں فرمایا گیا کہ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِیْمٌ وَّاِنَّ عَلَیْكَ لَعْنَتِیْۤ اِلٰى یَوْمِ الدِّیْنِ گویا یہ زمین اس کے لیئے کالے پانی کی طرح سزا کی جگہ تجویز کی گئی کہ وہ قیامت تک یہاں ذلیل وخوار اور لاحول کے کوڑے کھاتا پھرے۔ آدم علیہ السلام کے متعلق قرآن کریم نے بار بار اعلان فرمایا کہ وہ بھول گئے انہوں نے گناہ کا ارادہ بھی نہ کیا فَنَسِیَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا کہیں فرمایا فَاَزَلَّهُمَا الشَّیْطٰنُ کہیں فرمایا فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّیْطٰنُ غرضکہ اس واقعہ کا ذمہ دار تو شیطان کو بنایا اور ان کے متعلق فرمایا کہ دھوکہ کھا گئے ان سے خطا ہو گئی دھوکہ یہ ہوا کہ ان سے رب نے فرمایا تھا کہ تم اس درخت کے قریب نہ جانا۔ شیطان نے کہا کہ آپ کو کھانے کی ممانعت نہیں۔ وہاں جانے سے روکا گیا ہے۔ آپ وہاں نہ جائیے میں لا دیتا ہوں آپ کھا لیجیئے اور جھوٹی قسم کھا گیا کہ یہ پھل فائدہ مند ہے اور میں آپکا خیرخواہ ہوں آپ سمجھے کہ کوئی بھی رب کی جھوٹی قسم نہیں کھا سکتا یا لَا تَقْرَبَا ممانعت تنزیہی سمجھے اس کی پوری تحقیق ہماری تفسیر کے پہلے پارہ میں اسی آیت کے ماتحت دیکھو یہ تو عملوں میں فرق ہوا۔ اب رہا زمین پر آنا۔ رب تعالیٰ نے انہیں زمین ہی کی خلافت کے لیئے پیدا کیا تھا کہ فرمایا اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً جنت میں تو کچھ روز اس لیئے رکھا گیا تھا کہ وہاں کے مکانات اور باغات وغیرہ دیکھ کر اسی طرح زمین کو آباد کریں گویا وہ جگہ ان کے ٹریننگ کی تھی کسی کو ٹریننگ سکول میں ہمیشہ نہیں رکھا جاتا۔ ان کو رُلا کر اس لیئے بھیجا گیا کہ تمام فرشتوں نے سوائے گریہ زاری ساری عبادتیں کی تھیں دردِ دل ہی تو وہ چیز ہے جس کی وجہ سے انسان ملائکہ سے افضل ہوا جنت کا بہانہ تھا درحقیقت اپنے عشق میں رلانا تھا حسنات الابرار سیئات المقربین۔

دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو ⁂ ورنہ طاعت کے لیئے کچھ کم نہ تھے کروبیاں

اسے خیالِ یار کیا کرنا تھا اور کیا کر دیا ⁂ تو تو پردہ میں رہا اور مجھ کو رسوا کر دیا

یہ راز وہ سمجھے جو لذتِ عشق سے واقف ہو۔ رب نے شیطان سے کہا تھا اخرج منہا اور یہاں فرمایا گیا اِهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِیْعًا جس میں بتایا کہ تم کچھ عرصہ کے لیئے زمین میں بھیجے جا رہے ہو۔ پھر اپنی کروڑہا اولاد کے ساتھ واپس یہیں آؤ گے یعنی دو [2] جا رہے ہو اور کروڑوں کو ساتھ لاؤ گے۔ بزرگان دین فرماتے ہیں کہ آدم علیہ السلام نے ہم کو جنت سے نہ نکالا۔ بلکہ ہم نے انہیں وہاں سے علیحدہ کیا کیوں کہ

اُن کی پشت شریف میں کفار فساق سب ہی کی روحیں تھیں جو کہ جنت کے قابل نہ تھے حکم ہوا کہ اے آدم نیچے جا کر ان خبیثا کو چھوڑ آؤ۔ پھر آپ کی جگہ یہ ہی ہے دمرقات باب الایمان بالقدر و روح البیان آیت فَاَزَلَّهُمَا الشَّیْطٰنُ (۲) شیطان کا زمین پر آنا پردیس میں آنا ہے مگر آدم علیہ السلام کا یہاں آنا پردیس میں آنا نہیں کیونکہ آدم جسم اور روح کے مجموعہ کا نام ہے اور اُن کا جسم چونکہ زمین پر اور مٹی سے بنا لہٰذا زمین انکا وطنِ جسم ہوئی اور عالمِ ارواح گویا وطن روح وطنی روح سے وطن جسم کی طرف آئے جو انسان مرکر جنت میں گیا۔ وہ پردیس میں نہیں بلکہ وطنِ جسم سے وطن روح میں گیا۔ مگر شیطان کی پیدائش آگ سے ہے لہٰذا زمین اس کے لیئے پردیس ہوا۔ (۳) اگر آدم علیہ السلام کا زمین پر آنا عذاب ہوتا تو یہاں اُنہیں خلیفہ نہ بنایا جاتا۔ ان کے سر پہ تاج نبوت نہ رکھا جانا ان کی اولاد میں انبیاء و اولیاء خصوصاً سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم پیدا نہ فرمائے جاتے ملزم کو معافی دیکر قید سے نکالتے ہیں شاہی محل میں لاکر پھر اُس پر انعامات کی بارش کرتے ہیں نہ کہ جیل خانہ میں ہی رکھ کر حقیقت یہ ہے کہ بڑوں کی ظاہری خطا چھوٹوں کے لیئے عطا ہوتی ہے دنیا اور یہاں کی ساری نعمتیں اُس خطائے اوّل کا ہی صدقہ ہیں لطف یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کے لیئے دانہ گندم کھانا خطا قرار دیا گیا۔ اور اُن کی اولاد کے لیئے وہ ہی غذا تجویز ہوئی۔

اعتراض ۲:۔ حضرت آدم و حوا نے اپنے ایک بیٹے کا نام عبدالحارث رکھا۔ حارث شیطان کا نام ہے اس کو قرآن کریم نے فرمایا فَلَمَّاۤ اٰتٰىهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ جس سے معلوم ہوا کہ آدم علیہ السلام کا یہ کام شرک تھا۔ ثابت ہوا کہ پیغمبر شرک بھی کر لیتے ہیں۔ حاکم کی روایت میں ہے کہ اس آیت میں حضرت آدم و حوا مراد ہیں:۔

جواب:۔ آدم علیہ السلام اس قسم کے عیب سے بالکل پاک ہیں۔ معترض نے اس آیت سے دھوکا دیا ہے بہت مفسرین فرماتے ہیں کہ جَعَلَا کا فاعل قصی اور اس کی بیوی ہے کیونکہ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا کے معنی یہ ہیں کہ اے قریش رب نے تمہیں ایک جان یعنی قصی سے پیدا فرمایا۔ اور اس قصی کی بیوی اس کی جنس سے بنائی۔ قصی نے یہ غضب کیا کہ اپنے رب سے دعائیں کر کے بیٹا مانگا تھا۔ اور اس کا نام عبدالحارث رکھ دیا (تفسیر خزائن عرفان وغیرہ) اس صورت میں کوئی اعتراض ہی نہیں اور بعض نے فرمایا کہ جَعَلَا میں مضاف پوشیدہ ہے اور اس کا فاعل اولاد آدم و حوا ہی ہیں یعنی

آدم وحوا کی بعض اولاد نے شرک شروع کر دیا (دیکھو روح البیان ومدارک وغیرہ) اسی لیئے آگے جمع کا صیغہ ارشاد ہوا۔ فَتَعَالَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ اگر یہ فعل حضرت آدم وحوا کا ہوتا تو یُشْرِکَان تثنیہ کا صیغہ ارشاد ہوتا نیز ایک معمولی سی خطا یعنی گندم کھا لینے پر عتاب ہو گیا تھا تو چاہیئے تھا کہ شرک کرنے پر بڑا سخت عذاب ہوتا لیکن بالکل نہ ہوا حاکم کی یہ روایت بالکل معتبر نہیں کیونکہ وہ خبر واحد ہے اور عصمت پیغمبر یقینی وقطعی۔

اعتراض ۳: رب تعالیٰ فرماتا ہے فَعَصٰى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى آدم علیہ السلام نے رب کی نافرمانی کی پس گمراہ ہو گئے اس سے آدم علیہ السلام کا گناہ اور گمراہی دونوں معلوم ہوئے۔

جواب: یہاں مجازاً خطا کو عصیان فرمایا گیا اور غویٰ کے معنی گمراہی نہیں بلکہ مقصود نہ پانا ہیں یعنی حیات دائمی کے لیئے گندم کھایا تھا وہ ان کو حاصل نہ ہوئی۔ بلکہ گندم سے بجائے نفع کے نقصان ہوا یعنی اپنے مقصد کی طرف راہ نہ پائی۔ دیکھو روح البیان یہ ہی آیت، جب رب نے اُن کے بھول جانیکا بار بار اعلان فرمایا تو عصٰی سے گناہ ثابت کرنا کلام اللہ میں تعارض پیدا کرنا ہے۔

اعتراض ۴: ابراہیم علیہ السلام نے چاند سورج بلکہ تاروں کو اپنا خدا مانا کہ فرمایا هٰذَا رَبِّيْ اور یہ صریح شرک ہے معلوم ہوا کہ آپ نے پہلے شرک کیا پھر توبہ کی۔

جواب: اس کا جواب مقدمہ میں گزرا کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے بطریق سوال فرمایا کہ کیا یہ میرا رب ہے پھر خود ہی اس کا جواب مع دلیل بھی ارشاد کیا کہ لَاۤ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ کیونکہ اس سے پہلے ارشاد ہوا وَكَذٰلِكَ نُرِيْۤ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ پھر ستارے دیکھنے کا واقعہ بیان ہوا اور بعد میں فرمایا وَتِلْكَ حُجَّتُنَاۤ اٰتَيْنٰهَاۤ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ اس ترتیب سے معلوم ہوا کہ ملکوت عالم دیکھنے کے بعد ستاروں کا واقعہ ہوا اور رب نے اس کلام کی تعریف فرمائی۔ اگر یہ بات شرک تھی تو تعریف فرمانا کیسا؟ پھر تو سخت عتاب ہونا چاہیئے تھا۔

اعتراض ۵: ابراہیم علیہ السلام نے تین بار جھوٹ بولا کہ آپ تندرست تھے مگر قوم سے فرمایا اِنِّيْ سَقِيْمٌ (قرآن) میں بیمار ہوں خود بتوں کو توڑا مگر قوم کے پوچھنے پر فرمایا بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا اس بڑے بت نے یہ کام کیا اپنی بیوی حضرت سارہ کو فرمایا هٰذِهٖ اُخْتِيْ یہ میری بہن ہیں اور یقیناً جھوٹ بولنا گناہ ہے معلوم ہوا کہ آپ معصوم نہیں۔

جواب: اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ بحالت مجبوری جبکہ جان کا خطرہ ہو تو جھوٹ گناہ نہیں

حتیٰ کہ ایسی مجبوری میں منہ سے کفر بھی نکال دینے کی اجازت ہے اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّ بِالْاِيْمَانِ جن موقعوں پر آپ نے یہ کلام فرمائے وہاں یا تو خطرہ جان تھا یا خطرہ عصمت تھا وہ ظالم بادشاہ آپ سے حضرت سارہ کو جبراً چھیننا چاہتا تھا اور دوسرے موقعوں پر آپ کو خطرہ جان تھا اسلیئے یہ فرمایا (روح البیان آیت بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ لہذا یہ فعل گناہ نہ ہوا دوسرے یہ کہ ان میں سے کوئی کلام جھوٹ نہیں بلکہ اس میں بعید معنیٰ مراد لیئے گئے ہیں جسے توریہ کہتے ہیں توریہ ضرورۃً جائز ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بڑھیا سے فرمایا کہ کوئی بڑھیا جنت میں نہ جائیگی دیکھو ایک شخص نے اونٹ مانگا تو فرمایا کہ تجھے اونٹنی کا بچہ دونگا۔ ایک صحابی کی آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ اس غلام کو کون خریدتا ہے؟ وغیرہ (مشکوٰۃ باب المزاح) حضرت سارہ کو بہن فرمانے سے دینی بہن مراد تھی نہ کہ نسبی۔ جیسے کہ داؤد علیہ السلام کے پاس دو فرشتے بشکل مدعی مدعیٰ علیہ حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ هٰذَا اَخِیْ لَهٗ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ نَعْجَةً یہ میرا بھائی ہے جس کے پاس ۹۹ بکریاں ہیں یہاں بھائی اور بکریوں کے مجازی معنیٰ مراد ہیں ایسے ہی آپکا یہ فرمانا کہ اِنِّیْ سَقِیْمٌ اس کے معنیٰ ہیں میں بیمار ہونے والا ہوں نہ کہ فی الحال بیمار جیسے اِنَّكَ مَیِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّیِّتُوْنَ یا سَقِیْمٌ سے دلی بیماری یعنی ناراضی ورنج مراد ہے یعنی میرا دل تم سے ناراض ہے اسی طرح بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ میں کبیر سے رب تعالیٰ مراد ہے اور هٰذَا سے اُسی کی طرف اشارہ ہے کیونکہ کفار رب تعالیٰ کو بڑا خدا اور بتوں کو چھوٹے معبود سمجھتے تھے یعنی یہ کام اُس رب کا ہے جسے تم ان سب سے بڑا سمجھتے ہو نبی کا کام رب کا ہی کام ہے وہ سمجھے کہ اس بڑے سے بڑا بُت مراد ہے یا فَعَلَهٗ شک کے طریقہ پر فرمایا یعنی بڑے بُت نے کیا ہوگا اور شک انشاء ہے جس میں جھوٹ سچ کا احتمال نہیں سب سے بڑی بات یہ ہے کہ رب نے یہ واقعات بیان فرماتے ہوئے ابراہیم علیہ السلام پر کوئی عتاب نہ فرمایا بلکہ انہیں پسندیدگی کی سند عطا فرمائی۔ چنانچہ بت شکنی کے بیان سے پہلے فرمایا۔ وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ الآیہ معلوم ہوا کہ آپ کا یہ فعل رشد و ہدایت تھا اور ظاہر ہے کہ جھوٹ رشد نہیں۔ بیماری کا واقعہ بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ الآیہ جس سے معلوم ہوا کہ یہ کلام سلامتِ طبیعت پر دلالت کرتا ہے اور جھوٹ بیماری ہے نہ کہ سلامتی۔

اعتراض ۶: داؤد علیہ السلام نے پرائی عورت یعنی اوریا کی بیوی کو نظر بد سے دیکھا جس کا واقعہ سورۃ

ص میں ہے اور یہ فعل یقیناً جرم ہے۔

جواب:۔ مورخین نے داؤد علیہ السلام کے قصہ میں بہت کچھ زیادتی کردی ہے اور جو کچھ احادیث احاد میں ہے وہ بھی نامقبول۔ اسی لیئے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اعلان فرمایا تھا کہ جو کوئی داؤد علیہ السلام کا قصہ قصے کہانیوں کی طرح بیان کریگا میں اُسے ایک سو ساٹھ کوڑے لگاؤں گا یعنی تہمت کی سزا ۸۰ کوڑے میں اس کو دُگنے لگیں گے (روح البیان سورۂ ص قصہ داؤد)۔ واقعہ صرف یہ تھا کہ ایک شخص اوریا نے ایک عورت کو نکاح کا پیغام دیا۔ داؤد علیہ السلام نے بھی اُسے پیغام پر پیغام دے دیا۔ اس نے آپ کے ساتھ نکاح کر لیا۔ اور یہ شخص نکاح نہ کر سکا۔ چنانچہ تفسیرات احمدیہ آیت لَایَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ کی تفسیر میں ہے وَعَنْ دَاؤدَ بِکَوْنِهٖ اِبْتِدَاءً مَا عَلَی الْفِعْلِ الْمَشْرُوْعِ وَهُوَ نِکَاحُ الْمَخْطُوْبَةِ لِاُوْرِیَا لَا تَطَرُّءٌ مَنْکُوْحَتُهٗ مگر چونکہ اس جائز کام سے بھی نبوت کی شان بلند و بالا ہے اس لیئے رب تعالے نے ان کے احترام کو زیادہ فرماتے ہوئے دو فرشتوں کو ایک فرضی مقدمہ لے کر بھیجا اور انہوں نے اپنی طرف نسبت کر کے آپ سے فیصلہ کرا کر اشارۃً سمجھا دیا۔ سبحان اللہ کیا شان ہے اور انبیاء کا رب تعالےٰ کے ہاں کتنا احترام ہے کہ نہایت عمدہ طریقہ سے انہیں معاملہ سمجھایا گیا۔ رب تو اُن کی عظمت فرمائے اور یہ بے دین اُن حضرات پر نظر بد کا اتہام لگائیں، خدا کی پناہ۔

اعتراض ۷:۔ یوسف علیہ السلام نے عزیز مصر کی بیوی زلیخا سے گناہ کا ارادہ کیا جیسے رب فرما رہا ہے وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ یعنی زلیخا نے یوسف علیہ السلام کا اور انہوں نے زلیخا کا ارادہ کر لیا اگر اپنے رب کی برھان نہ دیکھتے تو نہ معلوم کیا ہو جاتا۔ دیکھو یہ کتنا بڑا گناہ تھا جو یوسف علیہ السلام سے صادر ہوا؟

جواب:۔ یوسف علیہ السلام ارادۂ گناہ تو کیا اس خیال سے بھی محفوظ رہے جو کہے کہ انہوں نے اس کا ارادہ کر لیا تھا وہ کافر ہے روح البیان میں اسی آیت کی تفسیر میں ہے فَمَنْ نَسَبَ اِلَی الْاَنْبِیَاءِ الْفَوَاحِشَ کَالْعَزْمِ عَلَی الزِّنَاءِ وَنَحْوِهِ الَّذِیْ یَقُوْلُهُ الْحَشْوِیَّةُ کَفَرَ لِاَنَّهٗ شَتْمٌ لَهُمْ کَذَا فِی الْقُنْیَةِ رہا تمہارا اعتراض اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کی دو تفسیریں ہیں ایک یہ کہ وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ پر وقف کرو اور وَهَمَّ بِهَا سے علیحدہ آیت شروع ہو۔ معنیٰ یہ ہوئے کہ بیشک زلیخا نے یوسف علیہ السلام کا قصد کر لیا اور وہ بھی قصد کر لیتے اگر اپنے رب کی دلیل نہ دیکھتے۔ اب کوئی اعتراض نہ رہا یہ معنیٰ نقلاً و عقلاً طرح

صحیح ہیں خازن نے فرمایا کہ اصل عبارت یہ ہے وَلَوْلَا اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ لَهَمَّ بِهَا۔ مدارک شریف میں ہے کہ وَمِنْ حَقِّ الْقَارِیْ اِذَا قَدَّرَ خُرُوْجَهٗ مِنْ حُكْمِ الْقَسَمِ وَجَعَلَهٗ كَلَامًا بِرَاْسِهٖ اَنْ يَّقِفَ عَلٰى بِهٖ وَيَبْتَدِیَ بِقَوْلِهٖ وَهَمَّ بِهَا قاری کو چاہیے کہ بہ پر وقف کرے اور ھَمَّ بِهَا سے آیت شروع کرے اور یہ ہی بات قرین قیاس بھی ہے کیونکہ قرآن کریم نے اس مقام پر زلیخا کی تو تیاریاں بیان فرمائیں وَ غَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ کہ اس نے آپ کو ہر طرح راغب کرنے کی کوشش بھی کی اور بلایا بھی دروازہ بھی بند کر لیا۔ مگر یوسف علیہ السلام کی بیزاری نفرت و عصمت کا ہی ذکر فرمایا۔

قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّیْۤ اَحْسَنَ مَثْوَایَ ۔ خدا کی پناہ وہ میرا مربّی ہے اس کے مجھ پر احسانات اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ۔ ہیں ایسی حرکت ظلم ہے اور ظالم کامیاب نہیں۔

اور پھر فرمایا كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ فحشاء سے زنا اور سوء سے ارادہ زنا مراد ہے معلوم ہوا کہ رب نے ارادہ زنا سے بھی ان کو محفوظ رکھا۔ آخر کار زلیخا نے بھی یہ ہی کہا کہ۔

اَلْئٰنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ کہ میں نے ہی انہیں رغبت دینے کی کوشش وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِیْنَ ۔ کی تھی۔

وہ تو سچے ہیں بلکہ شیر خوار بچے سے بھی ان کی پاکدامنی اور زلیخا کی خطا کاری کی گواہی دلوادی کہ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا عزیز مصر نے بھی یہ ہی کہا يُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا وَاسْتَغْفِرِیْ لِذَنْۢبِكِ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِئِیْنَ اے زلیخا تم اپنے گناہ سے توبہ کرو تم ہی خطا کار ہو دیکھو شیر خوار بچے عزیز مصر خود زلیخا بلکہ خود رب تعالیٰ نے ان کے بے گناہ ہونے پر گواہیاں دیں۔ اگر زلیخا کی طرح وہ بھی ارادہ گناہ کر لیتے تو آپ بھی ملزم ہوتے اور یہ گواہیاں غلط ہو جائیں اور وہاں صرف یہ ہوتا کہ زلیخا نے جرم کی ابتداء کی مگر بعد میں آپ بھی شریک ہو گئے۔ نیز اگر یوسف علیہ السلام نے ارادہ زنا کیا ہوتا تو ان کی توبہ اور استغفار کا ذکر ضرور آتا۔ تفسیر مدارک میں ہے۔ وَلِاَنَّهٗ لَوْ وُجِدَ مِنْهُ ذٰلِكَ لَذُكِرَتْ تَوْبَتُهٗ وَاسْتِغْفَارُهٗ غرضکہ اس آیت کے یہ معنی کرنا نہایت بہتر ہیں کہ وہ بھی ارادہ کر لیتے اگر رب کی برہان نہ دیکھتے۔ تفسیر کبیر نے فرمایا لَوْلَا کا جواب اس پر مقدم بھی ہو سکتا ہے جیسے آیت میں ہے۔ اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِیْ بِهٖ لَوْلَاۤ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰى قَلْبِهَا (تفسیر کبیر آیت وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ) دوسری تفسیر یہ ہے کہ بِهٖ پر وقف نہ کرو بلکہ بِهَا تک ایک ہی جملہ مانو اور آیت کے معنی یہ ہوں کہ بے شک زلیخا نے یوسف علیہ السلام کا

اور انہوں نے زلیخا کا ھَمّ کر لیا۔ لیکن اب ان دونوں ھمّوں میں فرق کرنا ضروری ہے۔ ھَمَّتْ بِہٖ میں ھَمّ کے معنیٰ ارادہ زنا ہیں اور ھَمَّ بِھَا میں اس کے معنیٰ ہیں قلب کی غیر اختیاری رغبت جس کے ساتھ قصد نہیں ہوتا یعنی زلیخا نے تو یوسف علیہ السلام کا ارادہ کیا اور ان کے دل میں رغبت غیر اختیاری پیدا ہوئی جو کہ نہ گناہ ہے نہ جرم جیسے کہ روزہ میں ٹھنڈا پانی دیکھ کر اس طرف دل راغب تو ہوتا ہے مگر اسکے پی لینے کا ارادہ تو کیا خیال تک نہیں ہوتا صرف ٹھنڈا ٹھنڈا پانی اچھا معلوم ہوتا ہے اگر دونوں ھمّوں کے ایک ہی معنے ہوتے تو دو جگہ یہ لفظ نہ بولا جاتا۔ بلکہ وَلَقَدْ ھَمَّا تثنیہ سے کہہ دینا کافی تھا یعنی ان دونوں نے قصد کر لیا دیکھو مَکَرُوْا وَمَکَرَ اللّٰہُ کہ یہاں پہلے مکر کے معنیٰ ہی اور ہیں اور دوسرے مکر کا مقصد ہی کچھ اور تفسیر خازن میں ہے قَالَ الْاِمَامُ فَخْرُ الدِّیْنِ اِنَّ یُوْسُفَ عَلَیْہِ السَّلَامُ کَانَ بَرِیْئًا مِنَ الْعَمَلِ الْبَاطِلِ وَالْھَمِّ الْمُحَرَّمِ خیال رہے کہ زلیخا نے دروازہ پر عزیز مصر کو دیکھ کر یوسف علیہ السلام کو زنا کی تہمت نہ لگائی بلکہ ارادہ زنا کی کہ کہا قَالَتْ مَا جَزَاءُ مَنْ اَرَادَ بِاَھْلِکَ سُوْٓءًا اِلَّآ اَنْ یُّسْجَنَ جو تیری بیوی کے ساتھ برائی کا ارادہ کرے اسکی سزا جیل کے سوا اور کیا ہے۔ اسی کی تردید یوسف علیہ السلام نے فرمائی کہ ھِیَ رَاوَدَتْنِیْ عَنْ نَّفْسِیْ بدکاری کا ارادہ اسی نے کیا تھا۔ اس کی تردید شیر خوار بچہ نے بھی کی اور اس کی تردید خود عزیز مصر نے قمیص مبارک پھٹی ہوئی دیکھ کر کی کہ کہا اِنَّہٗ مِنْ کَیْدِکُنَّ اور اس کی تردید مصری عورتوں نے بھی کی اور اس کی تردید آخر کار خود زلیخا نے بھی کر کے اپنا جرم قبول کر لیا اب اگر ھَمَّ بِھَا کے یہ معنی ہوں کہ یوسف علیہ السلام نے ارادہ زنا کر لیا تھا تو لازم آتا ہے کہ رب تعالیٰ نے زلیخا کی تائید کی اور ان سب حضرات کی تردید اور یہ کلام کے مقصد کے خلاف ہے یہ تقریر بہت خیال رہے انشاء اللہ کام آئے گی۔

اعتراض ۸:۔ موسیٰ علیہ السلام نے ایک قبطی کو جان سے مار دیا اور فرمایا ھٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ کہ یہ شیطانی کام ہے معلوم ہوا کہ آپ نے ظلماً قتل کیا جو کہ بڑا جرم ہے۔

جواب:۔ آپ کا ارادہ قتل کا نہ تھا بلکہ قبطی ظالم سے مظلوم اسرائیلی کو چھڑانا تھا جب قبطی نے نہ چھوڑا۔ آپ نے ہٹانے کے لئے چپت لگادی۔ وہ طاقت نبی کی نہ برداشت کرسکا مر گیا تو یہ قتل خطاءً ہوا اور انبیاء سے خطا ہو سکتی ہے نیز یہ واقعہ عطائے نبوت سے پہلے کا ہے روح البیان میں ہے کَانَ ھٰذَا قَبْلَ النُّبُوَّۃِ نیز وہ قبطی کافر حربی تھا جس کا قتل جرم نہیں آپ نے تو ایک ہی قبطی کو مارا۔ کچھ

دنوں بعد تو سارے ہی قبطی غرق کر دیئے گئے ۔ رہا اس فعل کو عمل شیطان فرمانا ۔ یہ آپ کی انتہائی کسر نفسی اور عاجزی کا اظہار ہے کہ خلاف اولیٰ کام کو بھی اپنی خطا سمجھا یعنی یہ کام وقت سے پہلے ہو گیا جب قبطیوں کی ہلاکت کا وقت آتا تو یہ بھی ہلاک ہوتا فَغَفَرَ لَهُ اور ظَلَمْتُ نَفْسِي سے دھوکا نہ کھاؤ کہ یہ الفاظ خطا پر بھی بولے جاتے ہیں یا لہٰذا سے قبطی کا ظلم مراد ہے یعنی یہ ظلم شیطانی کام ہے ۔

اعتراض ۹ :۔ رب تعالیٰ نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ معلوم ہوا کہ آپ بھی پہلے گمراہ تھے بعد کو ہدایت ملی ۔

جواب :۔ یہاں جو کوئی ضال کے معنیٰ گمراہ کرے وہ خود گمراہ ہے ۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے ۔ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَىٰ ؕ تمہارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نہ کبھی گمراہ ہوئے نہ بہکے یہاں ضال کے معنیٰ وارفتہ محبت الٰہی ہیں اور ہدایت سے مراد درجہ سلوک ہے یعنی رب نے آپ کو اپنی محبت میں سرشار اور وارفتہ پایا تو آپ کو سلوک عطا فرمایا ۔ برادران یوسف علیہ السلام نے یعقوب علیہ السلام سے عرض کیا تھا اِنَّكَ لَفِي ضَلَالِكَ الْقَدِيمِ ۔ یا اِنَّكَ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ یہاں ضَلَّ بمعنی وارفتگی محبت ہیں ۔ شیخ عبدالحق نے مدارج النبوت جلد اوّل باب پنجم میں فرمایا کہ عربی میں ضال وہ اونچا درخت ہے جس سے گمے ہوئے لوگ ہدایت پائیں یعنی اے محبوب ہدایت دینے والا بلند و بالا درخت رب نے تمہیں کو پایا کہ جو عرش فرش ہر جگہ سے نظر آتے لہٰذا تمہارے ذریعہ خلقت کو ہدایت دے دی یعنی ھدیٰ کا مفعول عام لوگ ہیں نہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور بھی اس کے بہت سے معنی کیے گئے ہیں ۔

اعتراض ۱۰ :۔ رب فرماتا ہے لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ یعنی تاکہ رب تعالیٰ تمہارے اگلے پچھلے گناہ معاف کرے ۔ معلوم ہوا کہ آپ گنہگار تھے ۔ حضور علیہ السلام بھی ہمیشہ اپنے لیے دعائے مغفرت کرتے تھے اگر گنہگار نہ تھے تو استغفار کیسی ؟

جواب :۔ اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ مغفرت سے مراد عصمت اور حفاظت ہے مطلب یہ ہے کہ اللہ آپ کو ہمیشہ گناہوں سے محفوظ رکھے ۔ روح البیان اَلْمُرَادُ بِالْمَغْفِرَةِ الْحِفْظُ وَالْعِصْمَةُ اَزَلًا وَاَبَدًا ۔ فَيَكُونُ الْمَعْنٰى يَسْتَحْفِظُكَ وَيَعْصِمُكَ مِنَ الذَّنْبِ الْمُتَقَدِّمِ وَالْمُتَاَخِّرِ دوسرے یہ کہ ذنب سے نبوت سے پہلے کی خطائیں مراد ہیں[1] ۔ تیسرے یہ کہ ذنبک میں ایک مضاف پوشیدہ ہے یعنی آپ کی اُمت کے گناہ جیسا کہ لک فرمانے سے معلوم ہوا ۔ یعنی تمہاری وجہ سے تمہاری اُمت کے گناہ معاف کرے اگر آپ کے گناہ

[1] مگر یہ بالکل ہی غلط توجیہ ہے

مراد ہوتے تو ان کے اس سے کیا فائدہ ہوتا (روح البیان وخازن) اس آیت کی تفسیر دوسری آیت ہے وَلَوْ اَنَّھُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا الآیۃ کبھی گناہ کی نسبت گنہگار کی طرف ہوتی ہے اور کبھی بخشش کے ذمہ دار کی طرف جیسے مقدمہ کبھی مجرم کی طرف منسوب ہوتا ہے اور کبھی وکیل کی طرف کہ وکیل کہتا ہے کہ یہ میرا مقدمہ ہے جس کا میں ذمہ دار ہوں یہاں نسبت دوسری طرح کی ہے یعنی آپ کے ذمہ والے گناہ جن کی شفاعت کے آپ ذمہ دار ہیں۔

اعتراض ۱۱: حضور علیہ السلام سے رب نے فرمایا وَلَوْلَا اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيْلًا اگر ہم آپ کو نہ ثابت قدم رکھتے تو قریب تھا کہ آپ کفار کی طرف کچھ مائل ہو جاتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کفار کی طرف مائل ہو چلے تھے مگر رب نے روکا۔ اور کفر کی طرف میلان بھی گناہ ہے۔

جواب: اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ اس میں شرط و جزا ہے یعنی یہ قضیہ شرطیہ ہے جس میں دونوں مقدموں کا ہونا تو کیا امکان بھی ضروری نہیں رب فرماتا ہے۔ قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ اگر رب کے بیٹا ہوتا تو اس کا پہلا پجاری میں ہوتا۔ نہ خدا کا بیٹا ہونا ممکن اور نہ نبی علیہ السلام کا اس کی پوجا کرنا ایسے ہی یہاں نہ تو رب تعالیٰ کا حضور علیہ السلام کو محفوظ نہ رکھنا ممکن اور نہ آپ کا انکی طرف مائل ہونا ممکن۔ دوسرے یہ کہ یہاں فرمایا گیا کہ اگر ہم آپ کو پہلے ہی سے معصوم اور ثابت قدم نہ فرما چکے ہوتے تو آپ ان کی طرف کسی قدر جھکنے کے قریب ہو جاتے کیونکہ اُن کے مکر و فریب بہت سخت خطرناک تھے یعنی چونکہ آپ معصوم ہیں لہٰذا آپ کفار کی طرف نہ جھکے بلکہ جھکنے کے قریب بھی نہ ہوئے۔ اس سے تو آپ کی عصمت ثابت ہوئی دیکھو خازن، مدارک، روح البیان۔ تیسرے یہ کہ ایک تو حضور علیہ السلام کی طبیعت مبارکہ ہے دوسرے آپ کی نبوت اور عصمت الٰہی۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ نبوت و عصمت سے قطع نظر کرتے ہوئے بھی آپکی فطرت پاک عیب اور گناہوں سے ایسی پاک ہے جس میں اس کی صلاحیت ہی نہیں کیونکہ آپ کی روحانیت بشریت پر غالب ہے۔ یعنی اگر ہم آپ کو معصوم بھی نہ بناتے تب بھی آپ کفار سے ملتے نہیں، اُن کی طرف جھکتے نہیں بلکہ کچھ جھکنے کے قریب ہو جاتے اب جبکہ فطرت سلیمہ پر رب کا یہ کرم ہوا کہ آپ کو معصوم بھی بنایا، سر مبارک پر نبوت کا تاج بھی رکھا۔ اب تو سبحان اللہ کیا ہی کہنا۔ کسی قصور کی گنجائش ہی نہیں۔ اسکی تفسیر میں روح البیان میں ہے اِنَّمَا سَمَّاہُ قَلِيْلًا لِاَنَّ رُوْحَانِيَّةَ النَّبِيِّ كَانَتْ فِيْ اَصْلِ الْخِلْقَةِ

غالبًا علی البشریۃ اذ لم یکن حینئذٍ لروحہ شیءٌ یحجبہ عن اللہ تعالیٰ فالمعنیٰ لولا التثبت وقوۃ النبوۃ ونور الھدایۃ واثر نظر العنایۃ لقد کدت ترکن۔

اعتراض ۱۲: رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ اے نبی علیہ السلام آپ نہ جانتے تھے کہ کتاب کیا چیز ہے اور نہ یہ کہ ایمان کیا ہے۔ معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام پیدائشی عارف باللہ نہیں آپ کو تو ایمان کی خبر بھی نہ تھی۔

جواب: اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہاں علم کی نفی نہیں بلکہ درایت یعنی اٹکل اور قیاس سے جاننے کی نفی ہے۔ پوری آیت یہ ہے وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ الآیۃ یعنی ہم نے آپ پر اپنے فضل سے قرآن وحی کیا۔ آپ خود بخود نہ جانتے تھے یعنی اس علم کا ذریعہ وحی الٰہی ہے نہ کہ محض اٹکل وقیاس۔ دوسرے یہ کہ اس سے پیدائش مبارک کا حال نہیں بیان ہو رہا بلکہ نور محمدی کی پیدائش کا حال ہے۔ یعنی ہم نے آپ کو عالم ارواح میں سفید اور سادہ پیدا فرمایا تھا۔ پھر اس پر علوم کے نقش ونگار فرما کر نبوت کا تاج سر پر رکھ کر دنیا میں بھیجا۔ آپ عالم ارواح میں ہی نبی تھے خود فرماتے ہیں۔ كُنْتُ نَبِيًّا وَّ اٰدَمُ بَيْنَ الْمَآءِ وَالطِّيْنِ ہم اس وقت نبی تھے جبکہ آدم علیہ السلام مٹی اور پانی میں جلوہ گر تھے۔ تیسرے یہ کہ اس سے ایمان اور قرآن کے تفصیلی احکام مراد ہیں۔ یعنی آپ وحی سے پہلے احکام اسلامی تفصیل وار نہ جانتے تھے۔ اس کی تفسیر میں روح البیان میں ہے اَيِ الْاِيْمَانُ بِتَفَاصِيْلِ مَا فِيْ تَضَاعِيْفِ الْكِتٰبِ۔ پھر فرماتے ہیں۔ لِاَنَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَفْضَلُ مِنْ يَحْيٰى وَعِيْسٰى وَقَدْ اُوْتِيَ كُلٌّ الْحِكْمَةَ وَالْعِلْمَ صَبِيًّا یعنی نبی علیہ السلام یحییٰ اور عیسےٰ علیہ السلام سے افضل ہیں اور انہیں تو علم وحکمت بچپن ہی میں عطا ہو گئی تھی۔ تو یہ کیونکر ممکن ہے کہ آپ بچپن شریف میں علم سے خالی رہے ہوں۔

اعتراض ۱۳: رب فرماتا ہے فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ آدم وحوا علیہم السلام کو شیطان نے پھسلا دیا معلوم ہوا کہ شیطان کا داؤ انبیاء پر چل جاتا ہے۔ پھر تم نے کیوں کہا کہ شیطان ان تک نہیں پہنچ سکتا۔

جواب: ہم نے یہ کہا ہے کہ شیطان انہیں گمراہ نہیں کر سکتا اور نہ ان سے عمداً گناہ کبیرہ کرا سکتا ہے اس نے خود کہا تھا لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ اور یہاں ہے فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ گمراہی اور چیز ہے اور پھسلانا اور چیز ہے۔

اعتراض ۴: یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کو بہت سے لوگوں نے پیغمبر مانا ہے حالانکہ انہوں نے بڑے بڑے گناہ کیئے بے قصور بھائی کو ستانا آزاد بھائی کو بیچکر اس کی قیمت کھانا اپنے والد سے جھوٹ بول کر انہیں چالیس سال تک رلانا غرضکہ جرموں کی انتہا کر دی اور پھر بھی نبی ہوئے معلوم ہوا کہ نبی کا معصوم ہونا شرط نہیں۔

جواب: جمہور علماء نے انہیں پیغمبر نہ مانا۔ ہاں ایک جماعت نے کچھ ضعیف دلائل سے ان کی نبوت کا وہم کیا ہے اسی لیئے ہم نے مقدمہ میں عرض کیا کہ انبیائے کرام کا نبوت سے پہلے بدعقیدگی سے پاک ہونا اجماعی مسئلہ ہے اور گناہ کبیرہ سے پاک ہونا جمہور کا قول ہے اور بعد نبوت گناہ کبیرہ سے پاک ہونے پر بھی اجماع ہے ان حضرات کی نبوت کسی صریح آیت یا حدیث یا قول صحابی سے ثابت نہیں رب نے یہ فرمایا ہے وَيُتِمُّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَعَلَى آلِ يَعْقُوبَ یہاں نعمت سے نبوت مراد نہیں اور نہ آل یعقوب سے آپکی صلبی ساری اولاد مراد ہے۔ رب نے مسلمانوں سے فرمایا اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي بعضوں نے کہا کہ رب فرماتا ہے وَمَا أُنْزِلَ إِلَى إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ، یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ یہ بھی سب صاحب وحی تھے مگر یہ بھی کمزور سی بات ہے کیونکہ نہ تو اُنْزِلَ میں بلا واسطہ وحی آنیکا بیان ہے نہ اس کی کوئی دلیل ہے کہ اسباط اُن کے بیٹوں ہی کا لقب ہے، رب فرماتا ہے قُولُوا آمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا أُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ إِلَى إِبْرَاهِيمَ الآیۃ یہاں اُنْزِلَ عَلَيْنَا کا یہ مطلب نہیں کہ ہم سب پر وحی آئی اور ہم سب پیغمبر ہیں اور اسباط بنی اسرائیل کے بارہ قبیلوں کا لقب ہے اور واقعی اُن میں انبیاء آتے رہے رب فرماتا ہے وَقَطَّعْنَاهُمُ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ أَسْبَاطًا أُمَمًا تفسیر روح المعانی میں إِنَّ الشَّيْطَانَ لِلْإِنْسَانِ عَدُوٌّ مُبِينٌ کی تفسیر میں ہے فَالَّذِي عَلَيْهِ الْأَكْثَرُونَ سَلَفًا وَخَلَفًا أَنَّهُمْ لَمْ يَكُونُوا أَنْبِيَاءَ أَصْلًا فَلَمْ يُنْقَلْ مِنَ الصَّحَابَةِ أَنَّهُ قَالَ بِنُبُوَّتِهِمْ اسی طرح تفسیر روح البیان وغیرہ نے بھی ان کی نبوت کی بہت تردید کی۔ ہاں وہ سب حضرات توبہ کے بعد اولیاء اللہ بلکہ پیغمبر کے صحابی ہوئے انہیں یوسف علیہ السلام نے خواب میں تاروں کی شکل میں دیکھا کیونکہ وہ صحابی نبی تھے حضور فرماتے ہیں اَصْحَابِي كَالنُّجُومِ نیز اُن کے یہ سارے گناہ یعقوب علیہ السلام کی محبت حاصل کرنے کے لیئے تھے۔ پھر انہوں نے اُن سے بھی اور یوسف علیہ السلام سے بھی معافی حاصل کر لی اور ان دونوں حضرات نے اُن کے لیئے دعائے مغفرت کی لہذا یہ مغفور ہوئے۔ اُن کی شان میں گستاخی

سخت محرومی کی علامت ہے۔ قابیل نے ایک عورت کی محبت میں گناہ کیا اور پھر آدم علیہ السلام سے معافی بھی حاصل نہ کر سکا لہذا وہ بے ایمان رہا اور بد ایمان مرا ہوئے۔

اعتراض ۱۵۱۔ قرآن کریم سے ثابت ہے کہ زلیخا نے ارادہ زنا کیا جو کہ سخت جرم ہے اور تم کہہ چکے ہو کہ نبی کی بیوی فاحشہ نہیں ہوتی تو زلیخا یوسف علیہ السلام کی بیوی کیونکر ہو سکتی ہے۔ وہ فاحشہ بدکار تھی لہذا یا تو مانو کہ ان کا نکاح نہیں ہوا یا یہ قاعدہ غلط ہے۔

نوٹ: گجرات کے بعض جاہل دیوبندیوں نے حضرت زلیخا کے زوجہ یوسف علیہ السلام ہونیکا انکار کیا اور ان کی شان میں سخت گندے الفاظ بکے۔ انہیں کا یہ اعتراض ہے۔

جواب: حضرت زلیخا یوسف علیہ السلام کی زوجہ اور قابلِ احترام بیوی ہیں ان کا یوسف علیہ السلام کے نکاح میں آنا مسلم بخاری کی حدیث اور عام تفاسیر سے ثابت ہے انہیں سے یوسف علیہ السلام کے فرزند پیدا ہوئے۔ افرائیم اور میشا۔ تفسیر خازن، تفسیر کبیر، مدارک معالم التنزیل وغیرہ میں اس کی تصریح ہے چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب ام المومنین عائشہ صدیقہ اور اپنی دوسری ازواج پاک سے فرمایا اَنْتُنَّ لَاَنْتُنَّ کَصَوَاحِبِ یُوْسُفَ۔ تم تو یوسف علیہ السلام کی بیوی کی طرح ہو گئیں یعنی زلیخا کی صواحب صاحبہ کی جمع ہے صاحبہ بیوی کو کہتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے وَلَمْ تَكُنْ لَهٗ صَاحِبَةٌ، آپ نہ تو فاحشہ تھیں نہ آپ سے زنا جیسا گناہ کبھی صادر ہوا۔ بیوی زلیخا سے ارادہ جماع بیخودی، عشق کی حالت میں ہو گیا جمالِ یوسف نے انہیں وارفتہ و دیوانہ بنا دیا۔ اس والہانہ حالت میں یہ ارادہ کر بیٹھیں، جب مصری عورتوں نے اسی جمال سے بیخود ہو کر اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے تو اگر حضرت زلیخا نے اس حسن پر فریفتہ ہو کر دامنِ صبر چاک کر دیا تو کیا تعجب ہے، پھر ان تمام خطاؤں سے توبہ کر لی، یہ بھی خیال رہے کہ زلیخا نے صرف یوسف علیہ السلام سے ہی رغبت کی نہ کسی دوسرے سے رب نے انہیں ہر طرح محفوظ رکھا۔ ہم نے انبیاء کی بیویوں کو زنا اور فحش سے محفوظ مانا ہے نہ کہ معصوم۔ حضرت زلیخا نے یہ گناہ کر کے توبہ کر لی کہ عرض کیا اَلْاٰنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ زلیخا نے اپنی خطا کا اقرار کیا اور اقرار جرم توبہ ہے اسی لیئے رب تعالیٰ نے زلیخا کی خطا کا ذکر تو فرمایا مگر ان پر عتاب یا عذاب کا ذکر نہ کیا۔ تا کہ معلوم ہو کہ ان کے گناہ کی معافی ہو چکی۔ اب ان کی خطاؤں کا بے ادبی کے طور پر ذکر کرنا سخت برا ہے ان سے زنا یا فحش کبھی صادر نہیں ہوا۔ نہ معلوم دیوبندیوں کی کس شیطان نے عقل ماری کہ ان کا حملہ ہمیشہ انبیائے کرام کے

عزت وآبرو پر ہوتا ہے۔ حضرت زلیخا یوسف علیہ السلام کی اہل بیت ہیں اُن کی توہین اس باکمال پیغمبر کی توہین ہے رب تعالیٰ عقل سلیم عطا فرمائے خاتمہ خیال رہے کہ رب تعالیٰ انبیائے کرام کا رب ہے اور وہ حضرات اس کے پیارے بندے رب جس طرح چاہے ان کی لغزشوں اور خطاؤں کا ذکر فرمائے اور یہ حضرات جیسے چاہیں اپنے رب سے اپنی نیازمندی اور بندگی کا اظہار کریں ہمیں کسی طرح حق نہیں کہ ان کی لغزشوں کو بیان کرتے پھریں یا گستاخیاں کر کے اپنا نامۂ اعمال سیاہ کریں۔ رب تعالیٰ نے ہم کو ان کی تعظیم و توقیر کا حکم دیا۔ دیکھو یوسف علیہ السلام چونکہ مصر میں بظاہر فروخت ہوئے تھے اہل مصر سمجھے تھے کہ یہ عزیز مصر کے زر خرید ہیں۔ رب تعالیٰ نے اسی داغ کو ان کے دامن سے مٹانے کے لیے سات سال کی عام قحط سالی بھیجی پہلے سال میں سب نے آپ کو روپیہ پیسہ دے کر غلہ خریدا دوسرے سال زیور و جواہرات دے کر تیسرے سال جانور اور چوپائے دے کر چوتھے سال اپنے غلام باندیاں دیکر پانچویں سال اپنے مکانات و زمین دیکر چھٹے سال اپنی اولاد دے کر ساتویں سال مصر والوں نے اپنے کو یوسف علیہ السلام کے ہاتھ فروخت کر دیا اور عرض کیا کہ ہم آپ کے لونڈی غلام بنتے ہیں۔ ہمیں غلہ دو۔ تب آپ نے اُن پر احسان فرمایا (مدارک و روح البیان وغیرہ) یہ کیوں ہوا۔ صرف اس لیئے کہ جب سارے مصر والے آپ کے غلام بن گئے تو اب انہیں غلام کون کہے۔ پتہ چلا کہ ایک پیغمبر کی عظمت برقرار رکھنے کے لئے سارے جہان کو مصیبت میں ڈالا جا سکتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک امام ہمیشہ نماز میں سورۂ عَبَسَ پڑھتا تھا۔ آپ کو پتہ لگا تو اُسے قتل کرا دیا دیکھو روح البیان تفسیر سورۂ عَبَسَ اس سورۃ کی نہایت عمدہ تفسیر ہماری شان حبیب الرحمٰن میں دیکھو جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ یہ حضور کی نعت ہے رب تعالیٰ دیوبندیوں کو ہدایت دے۔ انہوں نے انبیاء کرام پر بکواس بکنے کی جرأت پیدا کر دی۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ وَنُوْرِ عَرْشِهٖ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

لمعات المصابیح علی رکعات التراویح

پہلا باب

بیس رکعت نماز تراویح کا ثبوت

تراویح بیس رکعت پڑھنا سنّت اور آٹھ رکعت پڑھنا خلافِ سنّت ہے ہم بفضلہ تعالیٰ اس کا ثبوت قرآن پاک کی ترتیب واحادیث صحیحہ واقوال علماء اور عقلی دلائل سے دیتے ہیں (۱) قرآن پاک میں سورتیں بھی ہیں آئتیں بھی اور رکوع بھی۔ وہ مضمون جس کا کوئی نام رکھ دیا گیا ہو وہ سورت کہلاتا ہے اور قرآن کا وہ جملہ جس کا علیحدہ نام نہ ہو آیت کہلاتا ہے مگر دیکھنا یہ ہے کہ رکوع کو رکوع کیوں کہتے ہیں کیونکہ سورت کے معنیٰ احاطہ کرنے والی چیز ہے اور آیت کے معنیٰ ہیں نشانی۔ سورۃ چونکہ ایک مضمون کو گھیرے ہوتی ہے جیسے شہر کو پناہ (سور البلد) اور آیت قدرت الٰہی کی نشانی ہے اسلیئے ان کے یہ نام ہوئے۔ مگر رکوع کے معنٰے ہیں جھکنا۔ دیکھنا یہ ہے کہ قرآنی رکوع کو رکوع کیوں کہتے ہیں۔ کتب قرأۃ سے معلوم ہؤا کہ حضرت عمر و عثمان رضی اللہ عنہما تراویح میں جس قدر قرآن پڑھ کر رکوع فرماتے تھے اس حصّہ کا نام رکوع رکھا گیا یعنی ان حضرات کے رکوع کرنے کا مقام اتنا پڑھ کر رکوع ہؤا اور چونکہ تراویح بیس رکعت پڑھی جاتی تھیں اور ستائیسویں رمضان کو ختم ہوتا تھا۔ اس لحاظ سے قرآن پاک کے کل ۵۴۰ رکوع ہونے چاہئیں۔ لیکن چونکہ ختم کے دن بعض رکعتوں میں چھوٹی چھوٹی دو سورتیں پڑھ لی جاتیں تھیں اس لیئے قرآن کریم کے ۵۵۷ رکوع ہوئے۔ اگر تراویح آٹھ رکعت ہوتیں تو رکوع ۲۱۶ ہونے چاہیئے تھے قرآنی رکوعات کی تعداد بتا رہی ہے کہ تراویح بیس رکعت چاہئیں کیا کوئی وہابی آٹھ رکعت تراویح مان کر رکوعات قرآنی کی وجہ بتا سکیں گے؟ (۲) تراویح جمع ترویحہ کی ہے جس کے معنیٰ ہیں جسم کو راحت دینا۔ چونکہ ان میں ہر چار رکعت پر کسی قدر راحت کے لیئے بیٹھتے ہیں اس بیٹھنے کا نام ترویحہ ہے اسی لیئے اس نماز کو تراویح کہا جاتا ہے یعنی راحتوں کا مجموعہ اور تراویح جمع ہے۔ جمع کم از کم تین پر بولی جاتی ہے اگر تراویح آٹھ رکعت ہوتیں تو اس کے درمیان میں ایک

ترویحہ آتا پھر اس کا نام تراویح نہ ہوتا تین ترویحوں کے لیئے کم از کم سولہ رکعت تراویح چاہئیں۔ جن میں ہر چار رکعت کے بعد ایک ترویحہ ہو اور وتر سے پہلے کوئی ترویحہ نہیں ہوتا۔ تراویح کا نام ہی آٹھ رکعت کی تردید کرتا ہے (۳) ہر دن میں بیس رکعت نماز ضروری ہے۔ سترہ فرض اور تین وتر، دو فرض فجر میں چار ظہر میں چار عصر میں، تین مغرب میں اور چار عشاء میں۔ رمضان شریف میں رب تعالیٰ نے ان بیس رکعات کی تکمیل کے لیئے بیس رکعت تراویح اور مقرر فرما دیں جس کی ہر رکعت ان کی ہر رکعت کی تکمیل کرے غیر مقلد شاید نماز پنجگانہ میں بھی آٹھ رکعت ہی پڑھتے ہوں گے۔ ورنہ آٹھ تراویح کو ان بیس رکعت سے کیا نسبت (۴) احادیث خیال رہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز تراویح با جماعت پابندی سے ادا نہ فرمائی۔ صرف دو دن ادا کیں اور بعد میں فرما دیا کہ اگر اس پر پابندی کی گئی تو فرض ہو جانیکا اندیشہ ہے جس سے میری امت کو دشواری ہوگی۔ لہٰذا تم لوگ اپنے گھر ہی میں نماز پڑھ لیا کرو۔ بعض تو کہتے ہیں کہ یہ نماز تہجد ہی تھی جو ماہ رمضان میں اہتمام سے ادا کرائی گئی اسی لیئے صحابہ کرام سحری کے آخری وقت اس سے فارغ ہوتے زمانہ صدیقی میں بھی اس کا کوئی باقاعدہ انتظام نہ فرمایا گیا۔ لوگ متفرق طور پر پڑھ لیتے تھے عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا اہتمام فرمایا اور بیس رکعت تراویح مقرر فرمائیں اور باقاعدہ جماعت کا انتظام کیا لہٰذا صحیح یہ ہے کہ اصل تراویح سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے مگر اس کی پابندی جماعت بیس رکعت سنت فاروقی ہے چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ تو آٹھ رکعت کا حکم دیا اور نہ اس پر پابندی فرمائی بلکہ حق یہ ہے کہ آپ کا آٹھ رکعت تراویح پڑھنا صراحتاً کہیں ثابت ہی نہیں ہوا لہٰذا صحابہ کرام کا بیس پر اتفاق کرنا سنت کی مخالفت نہیں ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ لہٰذا اب ہم صحابہ کرام کا عمل پیش کرتے ہیں غیر مقلدوں کو چاہیئے کہ کوئی حدیث مرفوع صحیح ایسی پیش کریں جس سے تراویح کی آٹھ رکعت صراحتاً ثابت ہوں۔ انشاء اللہ نہ کر سکیں گے ہماری احادیث ملاحظہ ہوں۔

(۱) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں بیس رکعت تراویح کی باقاعدہ جماعت کا انتظام فرمایا اسی پر صحابہ کرام کا اجماع ہوا۔ موطا امام مالک میں حضرت سائب ابن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قَالَ كُنَّا نَقُوْمُ فِيْ عَهْدِ عُمَرَ بِعِشْرِيْنَ رَكْعَةً رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي الْمَعْرِفَةِ بِاِسْنَادٍ صَحِيْحٍ (۲) ابن منیع نے حضرت ابی ابن کعب سے روایت کی فَصَلّٰى بِهِمْ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً بیہقی میں

ہے۔ عَنْ اَبِی الْحَسْنَاتِ اَنَّ عَلِیًّا ابْنَ اَبِی طَالِبٍ اَمَرَ رَجُلًا یُصَلِّیْ بِالنَّاسِ خَمْسَ تَرْوِیْحَاتٍ عِشْرِیْنَ رَکْعَۃً (۴) ابن ابی شیبہ اور طبرانی کبیر میں اور بیہقی و عبد ابن حمید و بغوی نے روایت کی عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یُصَلِّیْ فِیْ رَمَضَانَ عِشْرِیْنَ رَکْعَۃً سِوَی الْوِتْرِ اس سے معلوم ہوا کہ خود حضور علیہ السلام بیس رکعت تراویح پڑھتے تھے (۵) بیہقی میں ہے وَعَنْ شُتَیْرٍ وَکَانَ مِنْ اَصْحَابِ عَلِیٍّ اَنَّہٗ کَانَ یَؤُمُّہُمْ فِیْ رَمَضَانَ فَیُصَلِّیْ خَمْسَ تَرْوِیْحَاتٍ عِشْرِیْنَ رَکْعَاتٍ (۶) اسی بیہقی میں ہے وَعَنْ اَبِیْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ السُّلَمِیِّ اَنَّ عَلِیًّا دَعَا الْقُرَّاءَ فِیْ رَمَضَانَ فَاَمَرَ رَجُلًا یُصَلِّیْ بِالنَّاسِ عِشْرِیْنَ رَکْعَۃً وَکَانَ عَلِیٌّ یُوْتِرُ بِہِمْ (۷) اسی بیہقی نے باسناد صحیح نقل فرمایا عَنِ السَّائِبِ ابْنِ یَزِیْدَ قَالَ کَانُوْا یَقُوْمُوْنَ عَلٰی عَہْدِ عُمَرَ فِیْ شَہْرِ رَمَضَانَ بِعِشْرِیْنَ رَکْعَۃً اس کی تحقیق کے لیے صحیح البہاری باب لَمْ یَقْرَأْ فِی التَّرَاوِیْحِ دیکھو، ان روایات سے معلوم ہوا کہ خود حضور علیہ السلام بیس تراویح پڑھتے تھے اور عہد فاروقی میں تو اس بیس رکعات پر عمل جاری ہو گیا تھا۔ حضرت ابن عباس علی ابی بن کعب و عمر سائب ابن یزید وغیرہم تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کا یہ ہی معمول تھا۔

اقوال علماء امت :۔ (۱) ترمذی شریف ابواب الصوم باب ماجاء فی قیام شہر رمضان میں ہے۔ وَاَکْثَرُ اَہْلِ الْعِلْمِ عَلٰی مَا رُوِیَ عَنْ عَلِیٍّ وَعُمَرَ وَغَیْرِہِمَا مِنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عِشْرِیْنَ رَکْعَۃً وَہُوَ قَوْلُ سُفْیَانَ الثَّوْرِیِّ وَابْنِ الْمُبَارَکِ وَالشَّافِعِیِّ وَقَالَ الشَّافِعِیُّ ہٰکَذَا اَدْرَکْتُ بِبَلَدِ مَکَّۃَ یُصَلُّوْنَ عِشْرِیْنَ رَکْعَۃً یعنی اہل علم کا عمل اس پر ہے جو حضرت علی و عمر و دیگر صحابہ کرام سے مروی ہے یعنی بیس رکعت یہ ہی فرمان سفیان ثوری ابن مبارک اور امام شافعی کا ہے امام شافعی نے اپنے شہر مکہ معظمہ میں یہ ہی عمل پایا کہ مسلمان بیس رکعت تراویح پڑھتے ہیں۔ (۲) فتح الملہم شرح مسلم جلد دوم صفحہ ۲۹۱ میں ہے رَوٰی مُحَمَّدُ ابْنُ نَصْرٍ مِنْ طَرِیْقِ عَطَاءٍ قَالَ اَدْرَکْتُہُمْ یُصَلُّوْنَ عِشْرِیْنَ رَکْعَۃً وَثَلٰثَ رَکْعَاتِ الْوِتْرِ وَفِی الْبَابِ اٰثَارٌ کَثِیْرَۃٌ اَخْرَجَہَا ابْنُ اَبِیْ شَیْبَۃَ وَغَیْرُہٗ وَقَالَ ابْنُ قُدَامَۃَ وَہٰذَا کَالْاِجْمَاعِ اس سے معلوم ہوا کہ بیس رکعت پر گویا مسلمانوں کا اجماع ہو گیا (۳) عمدۃ القاری شرح بخاری جلد پنجم صفحہ ۳۰۷ میں ہے وَرَوَی الْحَارِثُ ابْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ابْنِ اَبِیْ ذُبَابٍ عَنِ السَّائِبِ ابْنِ یَزِیْدَ قَالَ کَانَ الْقِیَامُ عَلٰی عَہْدِ عُمَرَ بِثَلٰثٍ وَعِشْرِیْنَ رَکْعَۃً قَالَ ابْنُ عَبْدِ اللّٰہِ ہٰذَا مَحْمُوْلٌ عَلٰی اَنَّ الثَّلٰثَ لِلْوِتْرِ اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کے زمانہ میں بیس رکعت

تراویح اور تین وتر پر عمل تھا (۴) اسی عمدۃ القاری میں اسی جگہ ہے کَانَ عَبْدُ اللّٰہِ ابْنُ مَسْعُوْدٍ یُصَلِّیْ بِنَا فِیْ شَھْرِ رَمَضَانَ فَیَنْصَرِفُ وَعَلَیْہِ لَیْلٌ قَالَ الْاَعْمَشُ کَانَ یُصَلِّیْ عِشْرِیْنَ رَکْعَۃً (۵) اسی عمدۃ القاری جلد پنجم صفحہ ۳۵۵ میں ہے قَالَ ابْنُ عَبْدِ الْبَرِّ وَھُوَ قَوْلُ جُمْھُوْرِ الْعُلَمَاءِ وَبِہٖ قَالَ الْکُوْفِیُّوْنَ وَالشَّافِعِیُّ وَاَکْثَرُ الْفُقَھَاءِ وَھُوَ الصَّحِیْحُ عَنْ کَعْبٍ مِنْ غَیْرِ خِلَافٍ مِنَ الصَّحَابَۃِ یعنی ابن عبدالبر نے فرمایا کہ بیس رکعت تراویح عام علماء کا قول ہے اسی کے اہل کوفہ اور امام شافعی اور اکثر فقہاء قائل ہیں اور یہ ہی حضرت ابی ابن کعب سے مروی ہے اس میں کسی صحابی کا اختلاف نہیں (۶) ملا علی قاری نے شرح نقایہ میں فرمایا فَصَارَ اِجْمَاعًا لِمَا رَوَی الْبَیْھَقِیُّ بِاِسْنَادٍ صَحِیْحٍ اَنَّھُمْ کَانُوْا یُصَلُّوْنَ عَلٰی عَھْدِ عُمَرَ بِعِشْرِیْنَ رَکْعَۃً وَعَلٰی عَھْدِ عُثْمَانَ وَعَلِیٍّ صحابہ کرام حضرات عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں بیس تراویح پڑھتے تھے لہٰذا اس پر اجماع ہو گیا (۷) مولوی عبدالحی صاحب نے اپنے فتاویٰ جلد اول صفحہ ۱۶۲ میں علامہ ابن حجر مکی ہیتمی کا قول نقل فرمایا اِجْمَاعُ الصَّحَابَۃِ عَلٰی اَنَّ التَّرَاوِیْحَ عِشْرُوْنَ رَکْعَۃً یعنی صحابہ کرام کا بیس تراویح پر اجماع ہے (۸) عمدۃ القاری شرح بخاری جلد پنجم صفحہ ۳۵۷ میں ہے وَاَمَّا الْقَائِلُوْنَ بِہٖ مِنَ التَّابِعِیْنَ فَشُتَیْرُ ابْنُ شَکَلٍ وَابْنُ اَبِیْ مُلَیْکَۃَ وَالْحَارِثُ الْھَمْدَانِیُّ وَعَطَاءُ ابْنُ اَبِیْ رَبَاحٍ وَاَبُو الْبَخْتَرِیِّ وَسَعِیْدُ ابْنُ اَبِی الْحَسَنِ الْبَصْرِیُّ اَخُو الْحَسَنِ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ ابْنُ اَبِیْ بَکْرٍ وَعِمْرَانُ الْعَبْدِیُّ۔ ان عبارات سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام تابعین و تبع تابعین و فقہا محدثین کا بیس رکعت تراویح پر اتفاق ہے۔ ان میں سے نہ کسی نے آٹھ تراویح پڑھیں نہ اس کا حکم دیا۔

لطیفہ غیر مقلد دراصل اپنی خواہش نفس کے مقلد ہیں اس لیے انہیں اہل ہوا یعنی ہوا پرست کہا جاتا ہے جس میں نفس کو آرام ملے وہ ہی ان کا مذہب۔ ہم ان کے آرام دہ مسائل دکھاتے ہیں مسلمان دیکھیں اور عبرت پکڑیں (۱) دو مٹکے پانی کبھی گندا نہیں ہوتا لہٰذا کنواں کتنا ہی پلید ہو جائے اس کا پانی پیے جاؤ (۲) سفر میں چند نمازیں ایک وقت میں پڑھ لو۔ روا نفس کی طرح کون کون بار بار اترے اور پڑھے ریل میں بہت بھیڑ ہوتی ہے (۳) عورتوں کے زیور پر زکوٰۃ نہیں ہاں جناب کیوں ہو اس میں خرچ جو ہوتا ہے (۴) تراویح صرف آٹھ رکعت پڑھ کر آرام کرو۔ ہاں صاحب نماز نفس پر گراں ہے (۵) وتر صرف ایک رکعت پڑھ کر سو رہو کیوں نہ ہو جلد نماز سے چھٹکارا اچھا (۶) ایک بار تین طلاق دے دو۔ صرف ایک ہی واقع ہو گی۔ دوبارہ رجوع ہو سکتا ہے کیوں نہ ہو اس میں آسانی ہے غرضکہ

جس میں آرام دہ یاروں کا دین ایمان۔

لطیفہ: مسلم شریف کتاب الطلاق میں ہے کہ حضور علیہ السلام اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں تین طلاق ایک ہی ہوتی تھی۔ حضرت عمر نے فرمایا کہ لوگوں نے اس میں جلدی پیدا کر دی لہذا اب اس سے تین طلاق ہی واقعہ ہونی چاہئیں۔ آرام طلب غیر مقلدین یہ اڑے کہ ایک دم تین طلاقیں ایک ہی ہوتی ہے ان اللہ کے بندوں نے یہ نہ سوچا کہ کیا عمر رضی اللہ عنہ خلاف سنت حکم کر سکتے ہیں اور پھر لطف یہ ہے کہ آپ نے یہ قانون بنا دیا اور کسی صحابی نے مخالفت نہ کی۔ بات صرف یہ تھی کہ زمانہ نبوی میں بعض لوگ یوں کہدیتے تھے تجھے طلاق ہے طلاق طلاق اور آخر میں دو۲ طلاقوں سے پہلی طلاق کی تاکید کرتے تھے جیسے کوئی کہے میں کل جاؤں گا کل کل۔ میں روٹی کھاؤں گا روٹی روٹی۔ اب بھی اگر کوئی اس نیت سے یہ الفاظ بولے تو عنداللہ ایک ہی طلاق واقع ہوگی۔ زمانہ فاروقی میں لوگ تین طلاقیں ہی دینے لگے چونکہ عمل بدل گیا حکم بھی بدل گیا تب آپ نے یہ حکم نافذ فرمایا۔ اس مسئلہ کی نہایت ہی نفیس تحقیق ہماری تفسیر جلد دوم آیت اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ کی تفسیر میں دیکھو جہاں بہت سی احادیث سے ثابت کیا ہے کہ ایک دم تین طلاقیں تین ہی ہوتی ہیں۔

دوسرا باب

بیس تراویح پر اعتراضات و جوابات

اعتراض: (۱) مشکوٰۃ باب قیام شہر رمضان اور موطا امام مالک میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابی کعب رضی اللہ عنہ اور دارمی کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو گیارہ رکعتیں پڑھائیں ثابت ہوا کہ آٹھ رکعت تراویح ہے باقی وتر۔

جواب: اس کے چند جواب ہیں اولاً یہ کہ یہ حدیث مضطرب ہے اور مضطرب سے دلیل نہیں پکڑی جا سکتی کیونکہ اس کے راوی محمد ابن یوسف ہیں مؤطا میں تو ان سے گیارہ کی روایت ہے اور محمد ابن نصر مروزی نے انہی محمد ابن یوسف سے بطریق محمد اسحاق تیرہ رکعت کی روایت کی اور محدث عبدالرزاق نے انہی محمد ابن یوسف سے دوسری اسناد سے اکیس رکعت نقل کیں۔ اس کی تحقیق کے لیے دیکھو فتح الباری شرح بخاری جلد چہارم صفحہ ۱۸۰ مطبوعہ مطبع خیریہ مصر۔ ایک ہی راوی کے بیانات میں اس قدر تضاد اور اختلاف ہے

اس کو اضطراب کہتے ہیں لہذا یہ تمام روایات غیر معتبر ہیں اس سے استدلال غلط ہے دوسرے یہ کہ اگر یہ حدیث آپ کے نزدیک صحیح ہے تو اس سے تراویح آٹھ رکعت ثابت ہوئیں مگر وتر تین رکعت کیسے آپ وتر ایک رکعت کیوں پڑھتے ہیں؟ آپ کے قول پر تو ۹ رکعتیں ہونی چاہئیں کیا ایک ہی حدیث کا آدھا حصہ مقبول اور آدھا غیر مقبول۔ تیسرے یہ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اوّلاً آٹھ تراویح کا حکم دیا گیا، پھر بارہ کا، پھر آخر میں بیس پر قرار ہوا۔ کیونکہ مشکوٰۃ بابِ قیام شہر رمضان میں اسی حدیث کے بعد ہے۔ وَكَانَ الْقَارِیْ يَقْرَأُ سُوْرَةَ الْبَقَرَةِ فِیْ ثَمَانِ رَكَعَاتٍ وَاِذَا قَامَ بِهَا فِیْ ثِنْتَیْ عَشَرَةَ رَكْعَةً رَاَی النَّاسُ اَنَّهٗ قَدْ خُفِّفَ یعنی قاری آٹھ رکعت میں سورۃ بقر پڑھتا تھا اور جب بارہ رکعت میں یہ سورۃ پڑھتا تو لوگوں کو ہلکا پن محسوس ہوتا۔ اس حدیث کے ماتحت مرقاۃ میں ہے نَعَمْ ثَبَتَ الْعِشْرُوْنَ فِیْ زَمَنِ عُمَرَ وَفِی الْمُوَطَّاِ رِوَايَةٌ بِاِحْدٰی عَشَرَةَ وَجَمَعَ بَيْنَهُمَا اَنَّهٗ وَقَعَ اَوَّلًا ثُمَّ اسْتَقَرَّ الْاَمْرُ عَلَی الْعِشْرِيْنَ فَاِنَّهُ الْمُتَوَارَثُ یعنی ان روایات کو یوں جمع کیا گیا کہ اوّلاً تو آٹھ رکعت کا حکم ہوا پھر بیس پر قرار ہوا یہ بیس رکعت ہی منقول ہیں چوتھے یہ کہ اصل تراویح سنّت رسول اللہ صلی اللہ علیہ السلام ہے اور تین چیزیں سنّت فاروقی ہمیشہ پڑھنا۔ باقاعدہ جماعت سے پڑھنا بیس رکعت پڑھنا حضور علیہ السلام نے بیس رکعت ہمیشہ نہ پڑھیں اور نہ صحابہ کرام کو باقاعدہ جماعت کا حکم دیا۔ اب اگر آٹھ رکعت پڑھی جائیں تو سنّت فاروقی پر عمل چھوٹ گیا اور اگر بیس پڑھی جائیں تو سب پر عمل ہو گیا۔ کیونکہ بیس میں آٹھ آجاتی ہیں۔ اور آٹھ میں بیس نہیں آتیں حدیث شریف میں ہے کہ میری اور خلفائے راشدین کی سنتوں پر عمل کرو۔ تم بھی تراویح ہمیشہ اور باقاعدہ جماعت سے پڑھتے ہو۔ حالانکہ یہ دونوں باتیں حضور سے ثابت نہیں سنّت فاروقی ہیں لہذا بیس رکعت پڑھا کرو۔

اعتراض ۲:۔ بخاری شریف میں ہے کہ ابوسلمہ نے حضرت عائشہ صدیقہ سے پوچھا کہ حضور علیہ السلام رمضان کی راتوں میں کتنی رکعت پڑھتے آپ نے جواب دیا مَا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَزِيْدُ فِیْ رَمَضَانَ وَفِیْ غَيْرِهٖ عَلٰی اِحْدٰی عَشَرَ رَكَعَاتٍ معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام نے تراویح آٹھ رکعت سے زیادہ کبھی نہ پڑھیں اور باقی وتر بیس رکعت پڑھنا بدعت سیئہ ہے۔

جواب:۔ اس کے بھی چند جواب ہیں ایک یہ کہ اس سے نماز تہجد مراد ہے نہ کہ تراویح کیونکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور علیہ السلام نے رمضان اور غیر رمضان میں آٹھ رکعت

سے زیادہ نہ پڑھیں جس سے معلوم ہوا کہ یہ وہی نماز ہے جو ہمیشہ پڑھی جاتی ہے نہ کہ تراویح کہ صرف رمضان میں ہوتی ہے نیز ترمذی میں اسی حدیث کے نیچے باب باندھا بَابُ مَاجَاءَ فِیْ وَصْفِ صَلٰوۃِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِاللَّیْلِ معلوم ہوا کہ یہ صلوٰۃ اللیل یعنی نماز تہجد ہے نہ کہ نماز تراویح۔ نیز اسی حدیث کے آخر میں ہے کہ عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ وتر سے پہلے کیوں سو جاتے ہیں؟ آپ نے فرمایا۔ اے عائشہ ہماری آنکھیں سوتی ہیں ہمارا دل نہیں سوتا۔ جس سے معلوم ہوا کہ یہ رکعتیں سو کے اٹھ کر ادا فرماتے تھے۔ اور وتر بھی اس کے ساتھ ہی پڑھتے تھے۔ تب ہی تو حضرت صدیقہ کو تعجب ہوا کہ آپ نے ہم کو تو وتر پڑھ کر سونے کا حکم دیا اور خود سو کر مع تہجد وتر پڑھتے ہیں جواب دیا کہ چونکہ ہمیں جاگنے پر پورا بھروسہ ہے۔ جسے بھروسہ نہ ہو وہ وتر پڑھ کر سوئے اور تراویح سونے سے پہلے پڑھی جاتی ہے اور تہجد سونے کے بعد مدارج النبوۃ جلد اول صفحہ ۰۰بہ میں ہے تحقیق آنست کہ صلوٰۃ آنحضرت در رمضان ہماں نماز معتاد بود یازدہ رکعت کہ دائم در تہجد مے گزارد" دوسرے یہ کہ اگر بیس رکعت تراویح بدعت سیئہ ہے تو حضرت عمر و دیگر صحابہ کرام نے کیوں اختیار فرمائی اور خود حضرت عائشہ صدیقہ نے اُن کی مخالفت کیوں نہ کی سا اُن پر کیا فتویٰ لگاؤ گے نیز آج سارے غیر مقلد پورے ماہ رمضان میں باجماعت تراویح پڑھتے ہیں۔ بتاؤ ان کی یہ ہمیشگی بدعت سیئہ ہے یا نہیں؟

اگر حضور علیہ السلام نے آٹھ تراویح پڑھیں۔ تو صرف دو تین روز پڑھیں تم اس کی ہمیشگی کرنے کے کون ہوئے؟ اگر پورے متبع حدیث ہو تو سارے ماہ رمضان میں صرف تین دن تراویح پڑھا کرو۔

نیز ترمذی شریف کی روایت سے ثابت ہوا کہ مکہ والوں کا بیس تراویح پر اتفاق ہے اور مدینہ والوں کا اکتالیس پر ان میں سے کوئی بھی آٹھ رکعت کا عامل نہیں۔

بتاؤ یہ سارے لوگ بدعتی اور فاسق ہوئے یا نہیں؟ اگر ہوئے تو اُن سے حدیث لینا کیسا؟ فاسق کی روایت معتبر نہیں نیز بتاؤ کہ کیا کسی ملک میں مسلمانوں نے آٹھ رکعات تراویح پڑھیں۔ تیسرے یہ کہ اسی حدیث سے اگر آٹھ رکعت تراویح ثابت ہوئی۔ تو تین رکعت وتر بھی ثابت ہوئے تب ہی تو گیارہ رکعت ثابت ہوں گی۔ پھر وتر ایک رکعت کیوں پڑھتے ہو؟ آرام کے لئے۔ حق یہ ہے کہ آٹھ رکعت تراویح کی تصریح کہیں نہیں ملتی کیونکہ جہاں قیام رمضان کا ذکر ہے وہاں تعداد رکعت سے خاموشی ہے اور جن حدیث میں گیارہ کا ذکر ہے۔ وہاں تراویح کی تصریح نہیں بلکہ اس سے تہجد مراد ہے ایسی روایت پیش کرو جس میں آٹھ تراویح

کی تصریح ہو۔ ایسی انشاء اللہ نہ ملے گی۔ چونکہ سلطنت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہم نے مستقل رسالہ لکھ دیا۔
اس لیئے ضمیمہ میں یہ مضمون شامل نہ کیا گیا وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ وَنُوْرِ عَرْشِہٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ
وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ بِرَحْمَتِہٖ وَھُوَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ ۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ؕ

رسالہ طلاق الادلہ فی حکم الطلاق الثلثہ

اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو ایک دم تین طلاقیں دے دے تو اگرچہ اس نے بُرا کیا مگر اس صورت میں طلاقیں تین ہی واقع ہونگی نہ کہ ایک۔ اور یہ عورت بغیر حلالہ اُس مرد کو حلال نہ ہوگی۔ چونکہ زمانہ موجودہ کے غیر مقلد وہابی اس کے منکر ہیں اور خواہش نفسانی کے ماتحت کہتے ہیں کہ اس صورت میں طلاق ایک ہی واقع ہوگی اور عورت سے رجوع کرنا صحیح ہوگا اس لیئے اس بحث میں ایک مقدمہ اور دو باب لکھے جاتے ہیں پہلے باب میں مسئلہ کے دلائل اور دوسرے باب میں اس پر اعتراضات وجوابات ۔

مقدمہ :- بہتر یہ ہے کہ اگر عورت کو طلاق دینا ہو تو صرف ایک ہی طلاق طہر میں دے۔ اور اگر تین طلاقیں ہی دینا ہوں تو ہر طہر میں ایک طلاق دے۔ لیکن اگر کوئی بحالت حیض طلاق دیدے۔ یا تینوں طلاقیں ایک دم دیدے تو اگرچہ اُس نے بُرا کیا۔ مگر جو طلاق دے گا وہ ہی واقع ہوگی ایک ساتھ تین طلاقیں دینے کی تین صورتیں ہیں (۱) اگر شوہر اپنی اس بیوی کو جس سے صرف نکاح ہوا ہو اور خلوت نہ ہوئی ہو ایک دم تین طلاقیں اس طرح دے کہ تجھے طلاق ہے۔ طلاق ہے۔ طلاق ہے۔ اس صورت میں صرف ایک طلاق واقع ہوگی۔ اور آخیری دو واقع نہ ہوں گی۔ کیونکہ پہلی طلاق بولتے ہی وہ عورت نکاح سے خارج ہوگئی اور اس پر عدت بھی واجب نہ ہوئی۔ اور طلاق کے لیئے نکاح یا عدت چاہیئے ہاں اگر اس عورت سے یوں کہے کہ تجھے تین طلاقیں ہیں تو تینوں پڑ جائیں گی کیونکہ اس صورت میں تینوں طلاقیں نکاح کی موجودگی میں پڑیں (عامہ کتب) (۲) اگر شوہر اپنی اُس بیوی کو جس سے خلوت ہو چکی ہے اس طرح طلاقیں دے کہ تجھے طلاق ہے۔ طلاق طلاق۔ اور آخیری دو طلاقوں سے پہلی طلاق کی تاکید کی نیت کرے نہ کہ علیحدہ طلاقوں کی تب بھی دیانۃً طلاق ایک ہی ہوگی (قاضی اس کی یہ بات نہ مانے گا) کیونکہ اس شخص نے ایک طلاق کی دو تاکیدیں کی ہیں۔ جیسے کوئی کہے کہ پانی پی لو۔ پانی پانی۔ کھانا کھالو کھانا کھانا۔ میں کل گیا

تھا کل کل۔ ان سب صورتوں میں پچھلے دو لفظوں سے پہلے لفظ کی تاکید ہے (۳) اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو جس سے خلوت ہو چکی ہے۔ یک وقت تین طلاقیں دے خواہ یوں کہے کہ تجھے تین طلاقیں ہیں یا یہ کہے کہ تجھے طلاق ہے۔ طلاق ہے، طلاق ہے۔ بہر حال طلاقیں تین ہی واقع ہوں گی اور یہ عورت اب بغیر حلالہ اس مرد کو حلال نہ ہوگی۔ اس پر امام ابوحنیفہ و شافعی و مالک و احمد اور سلفاً خلفاً جمہور علماء کا اتفاق ہے۔ ہاں بعض ظاہر بین مولوی اس آخری صورت میں اختلاف کرتے ہیں چنانچہ تفسیر صاوی میں پارہ دوم زیر آیت فَاِنْ طَلَّقَھَا فَلَا تَحِلُّ لَہٗ الآیہ ہے وَالْمَعْنٰی فَاِنْ ثَبَتَ طَلَاقُھَا ثَلَاثًا فِیْ مَرَّةٍ اَوْ مَرَّاتٍ فَلَا تَحِلُّ الآیۃ کَمَا اِذَا قَالَ لَھَا اَنْتِ طَالِقٌ ثَلٰثًا اَوْ اَلْبَتَّةَ وَھٰذَا ھُوَ الْمُجْمَعُ عَلَیْہِ یعنی علماء امت کا اس پر اتفاق ہے کہ جو تین طلاقیں الگ الگ دے یا ایک دم۔ عورت بہر حال حرام ہو جائے گی۔ نیز نووی شرح مسلم جلد اوّل باب الطلاق الثلث میں ہے وَقَدِ اخْتَلَفَ الْعُلَمَآءُ فِیْ مَنْ قَالَ لِامْرَأَتِہٖ اَنْتِ طَالِقٌ ثَلٰثًا فَقَالَ الشَّافِعِیُّ وَمٰلِکٌ وَاَبُوْحَنِیْفَةَ وَاَحْمَدُ وَجَمَاھِیْرُ الْعُلَمَاءِ مِنَ السَّلَفِ وَالْخَلَفِ یَقَعُ الثَّلٰثُ وَقَالَ طَاؤُسٌ بَعْضُ اَھْلِ الظَّاھِرِ لَا یَقَعُ بِذٰلِکَ اِلَّا وَاحِدَةٌ یعنی جو کوئی اپنی بیوی سے کہے کہ تجھے تین طلاقیں ہیں تو چاروں امام اور سلف و خلف کے عام علماء فرماتے ہیں کہ تین ہی واقع ہوں گی۔ ہاں بعض اہل ظاہر نے کہا ہے کہ ایک ہی واقع ہوگی۔ بلکہ حجاج ابن ارطات اور ابن مقاتل اور محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ اس سے ایک طلاق بھی نہ پڑے گی۔ دیکھو نووی یہ ہی مقام۔ چونکہ موجودہ زمانہ کے غیر مقلد ہر جگہ نفس کا آرام ڈھونڈتے ہیں جس چیز میں نفس امارہ کو راحت ملے خواہ وہ باطل ہے باطل اور ضعیف قول ہو وہ ہی ان کا دین ایمان ہے اس لیے انہوں نے ابن تیمیہ کی اتباع کرتے ہوئے یہ ہی عقیدہ رکھا ہے کہ ایک دم تین طلاقوں سے ایک ہی واقع ہوگی۔ تفسیر صاوی پارہ دوم زیر آیت فَاِنْ طَلَّقَھَا فَلَا تَحِلُّ لَہٗ الآیۃ ہے وَاَمَّا الْقَوْلُ بِاَنَّ الطَّلَاقَ الثَّلٰثَ فِیْ مَرَّةٍ وَاحِدَةٍ لَا یَقَعُ اِلَّا طَلْقَةٌ فَلَا یُعْرَفُ اِلَّا لِابْنِ تَیْمِیَّةَ وَرَدَّ عَلَیْہِ اَئِمَّةُ مَذْھَبِہٖ حَتّٰی قَالَ الْعُلَمَاءُ اَنَّہُ الضَّالُّ الْمُضِلُّ وَنِسْبَتُھَا اِلَی الْاِمَامِ اَشْھَبَ مِنَ الْاَئِمَّةِ الْمَالِکِیَّةِ بَاطِلَةٌ یعنی یہ کہنا کہ ایک دم دی ہوئی تین طلاقوں سے ایک ہی واقع ہوتی ہے یہ سوا ابن تیمیہ حنبلی کے اور کسی نے بھی نہیں کہا ہے اور ابن تیمیہ کی خود اس کے مذہب کے اماموں نے تردید کر دی علماء کرام تو فرماتے ہیں کہ ابن تیمیہ خود بھی گمراہ ہے اور دوسروں کو گمراہ کرنے والا ہے اور اس مسئلہ کی نسبت امام اشہب مالکی کی طرف غلط ہے بہر حال

پتہ پر لگا کہ موجودہ غیر مقلد محض نفسانی آسانی کے لیئے یہ باطل عقیدہ لیئے بیٹھے ہیں۔ ہم نے اس مسئلہ کی نفیس تحقیق اپنی تفسیر نعیمی جلد دوم زیر آیت فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ الآیہ میں کر دی ہے مگر چونکہ آجکل اس مسئلہ کے متعلق بہت شور مچا ہوا ہے اور ہمارے پاس اس قسم کے سوالات بہت کثرت سے آرہے ہیں اس لیئے ہم رب کے بھروسہ پر اس مسئلہ کا فیصلہ کیئے دیتے ہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے امید قبول ہے اور ناظرین سے امیدِ انصاف۔ بیان کا یہ ہی طریقہ ہوگا کہ مسئلہ دو بابوں میں بیان کیا جائے گا۔ پہلے باب میں اپنے دلائل اور دوسرے باب میں مخالفین کے اعتراضات اور ان کے جوابات۔

پہلا باب

اس کے ثبوت میں

بہتر تو یہ ہے کہ طلاق ایک ہی دے زیادہ دے ہی نہیں اور اگر تین طلاق ہی دینا ہے تو ہر طہر میں ایک طلاق دے تین طہر میں تین۔ ایک دم چند طلاقیں دینا سخت برا ہے لیکن اگر کسی نے ایک دم چند طلاقیں دے دیں تو اگرچہ برا کیا مگر تینوں واقع ہو جائیں گی جیسے طلاق بحالتِ حیض کہ اگرچہ برا ہے مگر طلاق واقع ہو جاتی ہے اس کے دلائل حسبِ ذیل ہیں۔

(۱) رب تعالیٰ فرماتا ہے اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ پھر فرماتا ہے فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ (الآیہ) اس آیت سے معلوم ہوا کہ دو طلاقوں تک رجوع کا حق ہے تین میں نہیں اور مَرَّتَانِ کے اطلاق سے معلوم ہوا کہ الگ الگ طلاقیں دینا شرط نہیں جس کے بغیر طلاقیں واقع ہی نہ ہوں خواہ ایک دم دے یا الگ الگ حکم یہ ہی ہوگا۔ چنانچہ تفسیر صاوی میں اس آیت کے ماتحت ہے فَاِنْ طَلَّقَهَا اِلٰى طَلْقَةٍ ثَالِثَةٍ سَوَآءٌ وَقَعَ الْاِثْنَتَانِ فِىْ مَرَّةٍ اَوْ مَرَّتَيْنِ وَالْمَعْنٰى فَاِنْ ثَبَتَ طَلَاقُهَا ثَلٰثًا فِىْ مَرَّةٍ اَوْ مَرَّاتٍ فَلَا تَحِلُّ یعنی آیت کا مقصد یہ ہے کہ اگر تین طلاقیں دیں تو واقع ہو جائیں گی خواہ ایک دم دے یا الگ الگ عورت حلال نہ رہے گی آگے فرماتے ہیں كَمَا اِذَا قَالَ لَهَا اَنْتِ طَالِقٌ ثَلٰثًا اَوِ الْبَتَّةَ وَهٰذَا هُوَ الْمُجْمَعُ عَلَيْهِ یعنی اگر کوئی شخص یوں کہہ دے کہ تجھے تین طلاقیں ہیں تو تین ہی واقع ہو جائیں گی اس پر امت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اتفاق ہے اسی طرح اور

تفاسیر میں بھی ہے۔

(۲) رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَمَنْ یَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰہِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَہٗ۔ لَا تَدْرِیْ لَعَلَّ اللّٰہَ یُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِکَ اَمْرًا یعنی جو کوئی اللہ کی حدیں توڑے کہ ایک دم تین طلاقیں دیدے تو اپنی جان پر ظلم کرتا ہے کیونکہ کبھی انسان طلاق دے کر شرمندہ ہوتا ہے اور رجوع کرنا چاہتا ہے اگر تین طلاقیں ایک دم دیدیگا تو رجوع نہ کر سکے گا اس آیت میں یہ نہ فرمایا کہ ایک دم تین طلاقیں دینے والے کی واقع نہ ہوں گی بلکہ فرمایا یہ گیا کہ ایسا آدمی ظالم ہے اگر اس سے طلاق ایک واقعہ ہوتی تو یہ ظالم کیسے ہوتا۔ نووی شرح مسلم باب الطلاق الثلث میں ہے وَاحْتَجَّ الْجُمْھُوْرُ بِقَوْلِہٖ تَعَالٰی وَمَنْ یَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰہِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَہٗ الخ قَالُوْا مَعْنَاہُ اَنَّ الْمُطَلِّقَ قَدْ یُحْدِثُ لَہٗ نَدَمٌ فَلَا یُمْکِنُہٗ تَدَارُکُہٗ لِوُقُوْعِ الْبَیْنُوْنَۃِ۔ فَلَوْ کَانَتِ الثَّلٰثُ لَمْ تَقَعْ طَلَاقُہٗ ھٰذَا اِلَّا رَجْعِیًّا فَلَا یَنْدَمُ ترجمہ وہی جو ہم اوپر عرض کر چکے ہیں۔

(۳) بیہقی اور طبرانی میں سوید ابن غفلہ سے روایت ہے کہ حضرت امام حسن ابن علی رضی اللہ عنہما نے اپنی بیوی عائشہ خشعمیہ کو ایک دم تین طلاقیں دے دیں۔ بعد میں خبر ملی کہ وہ امام حسن کے فراق میں بہت روتی ہیں تو آپ بھی رو پڑے اور فرمانے لگے کہ اگر میں نے اپنے والد سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے نہ سنا ہوتا کہ جو کوئی اپنی بیوی کو الگ الگ یا ایکدم تین طلاقیں دیدے تو وہ عورت بغیر حلالہ اُسے جائز نہیں تو میں ضرور رجوع کر لیتا حدیث کے آخری الفاظ یہ ہیں لَوْلَا اَنِّیْ سَمِعْتُ جَدِّیْ وَحَدَّثَنِیْ اَبِیْ اَنَّہٗ سَمِعَ جَدِّیْ یَقُوْلُ اَیُّمَا رَجُلٍ طَلَّقَ اِمْرَاَتَہٗ ثَلٰثًا عِنْدَ الْاَقْرَاءِ اَوْ ثَلٰثًا مُبْھَمَۃً لَمْ تَحِلَّ لَہٗ حَتّٰی تَنْکِحَ زَوْجًا غَیْرَہٗ (سنن کبریٰ للبیہقی جلد نمبر ۷ صفحہ ۳۳۶)

(۴) اس سنن کبریٰ بیہقی میں حبیب ابن ابی ثابت کی روایت سے ہے۔ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلٰی عَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ فَقَالَ طَلَّقْتُ اِمْرَاَتِیْ اَلْفًا قَالَ ثَلٰثٌ تُحَرِّمُھَا عَلَیْکَ وَاقْسِمْ سَائِرَھُنَّ بَیْنَ نِسَائِکَ (سنن کبریٰ للبیہقی جلد ۷ صفحہ ۳۳۵) یعنی ایک شخص سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر بولا میں نے اپنی بیوی کو ہزار طلاقیں دی ہیں۔ فرمایا کہ تین طلاقوں نے اسے تجھ پر حرام کر دیا۔ باقی طلاقیں اپنی اور بیویوں کو بانٹ دے یعنی وہ لغو ہیں ظاہر ہے کہ اس سائل نے یہ ہزار طلاقیں ہزار مہینوں میں تو نہ دی ہوں گی۔ ورنہ ۸۲ سال ۲ مہینے اسی میں صرف ہو جاتے۔ ایک دم ہی دی تھیں اور سیدنا مولیٰ علی رضی اللہ عنہ

نے تینوں جائز رکھیں (۵) بیہقی میں ہے عَنْ جَعْفَرِ ابْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ عَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ لَا تَحِلُّ لَهٗ حَتّٰی تَنْکِحَ زَوْجًا غَیْرَهٗ (السنن الکبری للبیہقی جلد ۷ صفحہ ۳۳۵) یعنی امام جعفر صادق اپنے جد امجد سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ جو کوئی اپنی بیوی کو ایکدم تین طلاقیں دے تو بیوی بغیر حلالہ حلال نہیں۔ اس کی تائید بیہقی کی اس روایت سے ہوتی ہے جو اس مقام پر ابی لیلیٰ سے مروی ہے کہ عَنْ عَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ فِیْمَنْ طَلَّقَ اِمْرَءَتَهٗ ثَلٰثًا قَبْلَ اَنْ یَّدْخُلَ بِهَا قَالَ لَا تَحِلُّ لَهٗ حَتّٰی تَنْکِحَ زَوْجًا غَیْرَهٗ (۶) بیہقی نے محمد ابن ایاز ابن کبیر سے روایت کی ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو خلوت سے پہلے ایک دم تین طلاقیں دیدیں پھر اس کا خیال ہوا کہ اس سے دوبارہ نکاح کرے۔ تو وہ ابوہریرہ اور عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر ہوا ان دونوں صحابیوں نے فرمایا کہ ہم اس نکاح کے جواز کی کوئی صورت نہیں دیکھتے جبتک کہ وہ دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرے۔ وہ بولا حضرت میں نے ایک ہی لفظ سے تین طلاقیں دی تھیں اس پر حضرت عبداللہ ابن عباس نے فرمایا کہ جو کچھ تیرے قبضہ میں بچا کچھا تھا تو نے اکٹھا ہی دیدیا۔ حدیث کے آخری الفاظ یہ ہیں فَسَئَلَ اَبَا هُرَیْرَةَ وَعَبْدَ اللّٰهِ ابْنَ عَبَّاسٍ فَقَالَ لَا نَرٰی اَنْ تَنْکِحَهَا حَتّٰی تَنْکِحَ زَوْجًا غَیْرَكَ قَالَ اِنَّمَا کَانَ طَلَاقِیْ اِیَّاهَا وَاحِدَةً فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ اِنَّكَ اَرْسَلْتَ مِنْ یَّدِكَ مَا کَانَ لَكَ مِنْ فَضْلٍ (سنن کبریٰ جلد ۷ صفحہ ۳۳۵) (۷) اسی بیہقی میں عبدالحمید ابن رافع سے بروایت عطا ہے کہ کسی نے سیدنا عبداللہ ابن عباس سے پوچھا کہ میں نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دی ہیں۔ فرمایا تین لے لو اور ستانوے چھوڑ دو عبارت یہ ہے۔ اِنَّ رَجُلًا قَالَ لِابْنِ عَبَّاسٍ طَلَّقْتُ اِمْرَاَتِیْ مِاَۃً قَالَ تَاخُذُ ثَلٰثًا وَدَعْ سَبْعًا وَّتِسْعِیْنَ (سنن کبریٰ بیہقی جلد ۷ صفحہ ۳۳۷) (۸) بیہقی میں سعید ابن جبیر سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عبداللہ ابن عباس سے عرض کیا کہ میں نے اپنی بیوی کو ہزار طلاقیں دی ہیں۔ آپ نے فرمایا تین لے لو۔ اور نوسو ستانوے چھوڑ دو۔ عبارت یہ ہے۔ اِنَّ رَجُلًا جَآءَ اِلَی ابْنِ عَبَّاسٍ وَقَالَ طَلَّقْتُ اِمْرَاَتِیْ اَلْفًا فَقَالَ تَاخُذُ ثَلٰثًا وَدَعْ تِسْعَ مِاَئَةٍ وَّسَبْعَةً وَّتِسْعِیْنَ (سنن کبریٰ بیہقی جلد ۷ صفحہ ۳۳۷) (۹) بیہقی میں بروایت سعید ابن جبیر ہے کہ سیدنا عبداللہ ابن عباس نے اس شخص سے فرمایا کہ جس نے اپنی بیوی کو ایکدم تین طلاقیں دی تھیں کہ تجھ پر تیری بیوی حرام ہوگئی عبارت یہ ہے۔ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّهٗ قَالَ لِرَجُلٍ طَلَّقَ اِمْرَاَتَهٗ ثَلٰثًا حُرِّمَتْ عَلَیْكَ (سنن کبریٰ بیہقی جلد ۷ صفحہ ۳۳۷) (۱۰) بیہقی میں بروایت عمرو ابن دینار ہے کہ کسی شخص نے عبداللہ ابن عباس سے پوچھا کہ جو کوئی اپنی بیوی کو ستاروں کے برابر طلاقیں دے اس کا کیا حکم ہے؟ فرمایا اس سے کہدو کہ تجھے برج جوزہ کا سر ہی کافی ہے۔ خیال رہے

کہ برج جوزہ کے سر پر تین ستارے ہیں۔ عبارت یہ ہے۔ عَنْ عَمْرِو ابْنِ دِیْنَارٍ اَنَّ اِبْنَ عَبَّاسٍ سُئِلَ عَنْ رَجُلٍ طَلَّقَ اِمْرَأَتَهٗ عَدَدَ النُّجُوْمِ فَقَالَ اِنَّمَا یَکْفِیْکَ رَأْسُ الْجَوْزَاءِ (سنن کبریٰ بیہقی جلد ۷ صفحہ ۳۳۷)

(۱۱) ابن ماجہ شروع ابواب الطلاق بَابُ مَنْ طَلَّقَ ثَلٰثًا فِیْ مَجْلِسٍ وَاحِدٍ میں ہے کہ فاطمہ بنت قیس فرماتی ہیں کہ مجھے میرے شوہر نے یمن جاتے وقت تین طلاقیں ایکدم دیدیں۔ ان تینوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جائز رکھا عبارت یہ ہے۔ قَالَتْ طَلَّقَنِیْ زَوْجِیْ ثَلٰثًا وَهُوَ خَارِجٌ اِلَی الْیَمَنِ فَاَجَازَ ذٰلِکَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ (۱۲) حاکم ابن ماجہ ابوداؤد نے عبداللہ ابن علی ابن یزید ابن رکانہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا میرے دادا رکانہ نے اپنی بیوی کو طلاق بتہ دی۔ پھر وہ بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں سوال کیا اور عرض کیا کہ میں نے ایک کی نیت کی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا اللہ کی قسم تم نے ایک ہی کی نیت کی تھی۔ عرض کیا قسم ہے رب کی میں نے نہ نیت کی مگر ایک کی پس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بیوی کو ان پر واپس فرمادیا چنانچہ ابن ماجہ اور ابوداؤد میں ہے عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عَلِیِّ ابْنِ یَزِیْدَ ابْنِ رُکَانَةَ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّهٗ طَلَّقَ اِمْرَأَتَهُ الْبَتَّةَ فَاَتٰی رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَسَئَلَهٗ فَقَالَ مَا اَرَدْتَ بِهَا قَالَ وَاحِدَةً قَالَ آللّٰهِ مَا اَرَدْتَ بِهَا اِلَّا وَاحِدَةً قَالَ وَاللّٰهِ مَا اَرَدْتُ بِهَا اِلَّا وَاحِدَةً قَالَ فَرَدَّهَا اِلَیْهِ (ابن ماجہ باب طلاق البتۃ وابوداؤد باب البتۃ) ؎ اگر ایک دم تین طلاقوں ایک ہی طلاق واقع ہوتی تو حضور علیہ السلام حضرت رکانہ سے اس نیت کی قسم کیوں لیتے انہوں نے کہا تھا۔ اَنْتِ طَالِقٌ طَالِقٌ طَالِقٌ اور آخری دو طلاقوں سے پہلی طلاق کی تاکید کی تھی۔ اس لیے اسے ایک قرار دیا گیا یہ روایت نہایت صحیح قابل اعتماد ہے۔ چنانچہ ابن ماجہ فرماتے ہیں کہ مَا اَشْرَفَ هٰذَا الْحَدِیْثُ یہ حدیث کیا ہی شریف الاسناد ہے۔ ابوداؤد نے فرمایا ہے هٰذَا اَصَحُّ مِنْ حَدِیْثِ ابْنِ جُرَیْجٍ یہ روایت بمقابلہ روایت ابن جریج زیادہ صحیح ہے۔ (۱۳) امام مالک و شافعی و ابوداؤد و بیہقی میں بروایت معاویہ ابن ابی عیاش ہے کہ کسی نے حضرت ابوہریرہ اور عبداللہ ابن عباس سے پوچھا کہ جو کوئی اپنی بیوی کو ایکدم تین طلاقیں دیدے۔ اس کا کیا حکم ہے۔ حضرت ابوہریرہ نے فرمایا کہ ایک طلاق اسے جدا کردیگی اور تین حرام کر بغیر حلالہ نکاح درست نہ ہوگا۔ عبداللہ ابن عباس نے اس کی تاکید فرمائی۔ عبارت یہ ہے۔ عَنْ مُحَمَّدِ ابْنِ اِیَاسٍ اَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ وَاَبَا هُرَیْرَةَ وَعَبْدَ اللّٰهِ ابْنَ عَمْرِو ابْنِ الْعَاصِ سُئِلُوْا عَنِ الْبِکْرِ وَطَلَّقَهَا زَوْجُهَا ثَلٰثًا قَالَ لَا تَحِلُّ لَهٗ حَتّٰی تَنْکِحَ زَوْجًا غَیْرَهٗ وَرَوٰی مٰلِکٌ عَنْ یَحْیَی ابْنِ سَعِیْدٍ عَنْ بُکَیْرِ ابْنِ اَشَجِّ عَنْ مُعَاوِیَةَ ابْنِ اَبِیْ عَیَّاشٍ اَنَّهٗ شَهِدَ هٰذِهٖ

اَلْفِتْنَۃُ (ابوداؤد باب نسخ المراجعۃ بعد التطلیق الثلث ۱۴) بیہقی نے بسام صیرفی سے روایت کی کہ جعفر ابن محمد فرماتے ہیں کہ جو کوئی اپنی بیوی کو نادانی سے یا جان بوجھ کر تین طلاقیں دیدے وہ عورت اس پر حرام ہو جائے گی (۱۵) اسی بیہقی نے مسلم ابن جعفر احمد سے روایت کی کہ میں نے امام جعفر ابن محمد رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا آپ یہ فرماتے ہیں کہ جو کوئی ایک دم تین طلاقیں دے تو ایک ہی طلاق واقع ہو گی؟ فرمایا معاذ اللہ ہم نے یہ کبھی نہ کہا اس کی طلاقیں تین ہی ہوں گی (تفسیر روح المعانی پارہ دوم) (۱۶) مسلم شریف کتاب الطلاق باب الطلاق الثلث میں ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں یہ قانون بنا دیا گیا کہ ایکدم تین طلاقیں تین ہی ہوں گی عبارت یہ ہے فَقَالَ عُمَرُ ابْنُ الْخَطَّابِ اِنَّ النَّاسَ قَدِ اسْتَعْجَلُوْا فِیْ اَمْرٍ کَانَتْ لَہُمْ فِیْہِ اَنَاۃٌ فَلَوْ اَمْضَیْنَاہُ عَلَیْہِمْ فَاَمْضَاہُ عَلَیْہِمْ (۱۷) اس حدیث کی شرح نووی میں ہے کہ صحابہ کرام کا اجماع اس پر ہے کہ تین طلاقیں تین ہی ہوں گی اور ظاہر ہے کہ صحابہ کرام کبھی غلط پر اجماع نہیں کر سکتے (۱۸) جب شوہر کو تین طلاقیں دینے کا حق ہے تو کیا وجہ ہے کہ وہ دے تین اور پڑے ایک مالک کا تصرف معتبر ہونا چاہیئے (۱۹) فعل حرام ہونے سے قانون نہیں بدل جاتا۔ ایکدم تین طلاقیں دینا بیشک سخت منع ہے لیکن جب شوہر تین طلاقیں منہ سے بول رہا ہے تو واقع کیوں نہ ہوں دیکھو چوری کی چھری سے جانور ذبح کرنا حرام ہے۔ لیکن اگر کوئی ذبح کرے تو ذبیحہ بیشک حلال ہے بحالت حیض طلاق دینا حرام ہے لیکن اگر کوئی دیدے تو واقع ہو جائے گی۔ (۲۰) اسقاط میں مسبب سبب سے وابستہ ہوتا ہے کہ سبب کے ہوتے ہی مسبب کا ہونا ضروری ہے۔ ہدایہ کتاب الوکالت میں ہے لِاَنَّ الْحُکْمَ فِیْہِمَا لَا لَا یَقْبَلُ الْفَصْلَ عَنِ السَّبَبِ لِاَنَّہٗ اِسْقَاطٌ فَیَتَلَاشٰی یعنی اسقاط میں حکم اپنے سبب سے علیحدہ نہیں ہو سکتا طلاق بولنا سبب ہے، اور طلاق واقع ہونا اس کا حکم اور طلاق زوج کی ملکیت کا محض ساقط کرنا ہے لہٰذا ناممکن ہے کہ سبب پایا جائے اور حکم نہ پایا جائے کہ وہ بولے تین اور پڑے ایک (۲۱) جمہور علماء خصوصاً چاروں امام ابو حنیفہ و شافعی و مالک و احمد رحمۃ اللہ علیہم کا بھی مذہب ہے کہ ایکدم طلاقیں دینے سے تین ہی واقع ہونگی اس کی مخالفت امت مسلمہ کی مخالفت ہے جو گمراہی ہے۔ غرضیکہ یہ مسئلہ قرآن و حدیث اجماع صحابہ اقوال علماء، محدثین و مفسرین و دلائل عقلیہ سے ثابت ہے اس کی مخالفت عقل و نقل کی مخالفت ہے

دوسرا باب

اس مسئلہ پر اعتراض و جوابات

غیر مقلدین اس مسئلہ پر اب تک حسب ذیل اعتراضات کر سکتے ہیں انشاء اللہ اس سے زیادہ انہیں نہ ملیں گے۔ بلکہ عام غیر مقلدوں کو تو اتنے بھی نہیں معلوم جو ہم انکی وکالت میں بیان کرتے ہیں۔

پہلا اعتراض رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ کچھ آگے چل کر ارشاد ہوتا ہے فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ۔ مَرَّتٰنِ اور فَاِنْ کی ف سے معلوم ہوا کہ طلاقیں الگ الگ چاہییں۔ ایکدم تین طلاقیں الگ الگ کہاں ہوئیں۔ مَرَّتَان علیحدگی بتا رہا ہے۔

جواب:۔ اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ اس آیت کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ایکدم تین طلاقیں ایک ہی ہوں گی بلکہ مقصد یہ ہے کہ طلاق رجعی دو طلاقیں ہیں۔ الطلاق میں الف لام عہدی ہے پھر فرمایا کہ جو کوئی دو سے زیادہ یعنی تین دے۔ تو بغیر حلالہ اُسے عورت حلال نہیں تفسیر احمدی و صاوی و جلالین میں ہے اَلطَّلَاقُ اَیِ التَّطْلِيْقُ الَّذِیْ يُرَاجَعُ بَعْدَهٗ مَرَّتٰنِ ۔ دوسرے یہ کہ اگر مان لیا جاوے کہ مَرَّتَان سے تین طلاقوں کی علیحدگی مراد ہے تو یہ کہنا کہ تجھے طلاق ہے طلاق ہے اس میں بھی طلاقوں کی لفظاً علیحدگی ہے اور یہ کہنا کہ تجھے تین طلاقیں ہیں اس میں عددی علیحدگی کیونکہ علیحدگی کے بعد کیسے عدد بنے گا! آیت کا یہ مطلب کہاں سے نکالا گیا کہ طلاقوں کے درمیان ایک حیض کا فاصلہ ہونا شرط ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے فَارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ آسمان کو بار بار دیکھو اس کا یہ مطلب نہیں کہ مہینہ میں ایک ہی بار دیکھ لیا کرو تیسرے یہ کہ تمہاری تفسیر سے بھی آیت کا یہ مطلب بنے گا کہ طلاقیں الگ الگ ہونی چاہییں۔ ہم بھی یہ ہی کہتے ہیں کہ بیشک ایکدم طلاقیں دینا سخت منع ہے۔ الگ الگ ہی دینا ضروری ہے مگر سوال تو یہ ہے کہ جو کوئی حماقت سے ایک دم تین طلاقیں دیدے تو واقع بھی ہونگی یا نہیں اس سے آیت ساکت ہے۔

دوسرا اعتراض:۔ مسلم شریف کتاب الطلاق میں عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ زمانہ نبوی اور زمانہ صدیقی بلکہ شروع عہد فاروقی میں بھی حکم یہ تھا کہ ایک دم تین طلاقیں ایک ہوں گی عبارت یہ ہے۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ الطَّلَاقُ عَلٰی عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَبِیْ بَكْرٍ وَّسَنَتَيْنِ مِنْ خِلَافَةِ عُمَرَ طَلَاقُ الثَّلَاثِ وَاحِدَةً ۔ نیز اسی مسلم میں اسی جگہ ہے کہ ابو الصہباء نے حضرت عبد اللہ ابن عباس سے پوچھا کہ کیا آپ جانتے ہیں کہ زمانہ نبوی اور زمانہ صدیقی میں تین طلاقیں ایک مانی جاتی تھیں انہوں نے فرمایا ہاں

عبارت یہ ہے۔ اِنَّ اَبَا الصَّھْبَآءِ قَالَ لِابْنِ عَبَّاسٍ اَتَعْلَمُ اَنَّمَا کَانَتِ الثَّلٰثُ تُجْعَلُ وَاحِدَۃً عَلٰی عَھْدِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاَبِیْ بَکْرٍ وَّثَلٰثًا مِّنْ اِمَارَۃِ عُمَرَ فَقَالَ اِبْنُ عَبَّاسٍ نَعَمْ

ان حدیثوں سے صراحتًا معلوم ہوا کہ ایک دم تین طلاقیں ایک ہیں۔

نوٹ:۔غیر مقلدوں کا یہ انتہائی اعتراض ہے۔

جواب اس کے چند جواب ہیں۔ایک یہ کہ یہ حدیث منسوخ ہے کیونکہ سیدنا ابن عباس ہی کی تو یہ روایت ہے اور خود ان ہی کا یہ فتویٰ ہے کہ ایک دم تین طلاقیں۔تین طلاقیں ہی ہوں گی جس کا ذکر پہلے باب میں ہو چکا اور جہاں راوی حدیث کا عمل اپنی روایت کے خلاف ہو وہاں معلوم ہوگا کہ اس راوی کے علم میں یہ حدیث منسوخ ہے۔نیز صحابہ کرام کی موجودگی میں حضرت عمر فاروق کا یہ قانون بنا دینا کہ ایکدم تین طلاقیں تین ہی ہوں گی اور اس پر عمل درآمد ہو جانا اور کسی صحابی بلکہ خود سیدنا عبداللہ ابن عباس کا اس پر اعتراض نہ کرنا باآواز بلند خبر دیتا ہے کہ وہ حدیث یا منسوخ ہے یا ماول۔کیا صحابہ کرام حدیث کے خلاف اجماع کر سکتے ہیں۔دوسرے یہ کہ اس حدیث میں اس عورت کو طلاق دینا مراد ہے جس سے خلوت نہ ہوتی ہو اور واقعی اگر کوئی شخص اپنی ایسی بیوی کو تین طلاقیں ایکدم اس طرح دے کہ تجھے طلاق ہے طلاق ہے طلاق ہے تو اول ہی واقع ہوگی اور اخیر کی دو طلاقیں لغو۔چنانچہ ابوداؤد کتاب الطلاق بَابُ نَسْخِ الْمُرَاجِعَۃِ بَعْدَ التَّطْلِیْقَاتِ الثَّلٰثِ میں ہے کہ ابو صہبا نے عبداللہ ابن عباس سے پوچھا کہ آپ کو خبر نہیں کہ زمانہ نبوی اور زمانہ صدیقی اور شروع خلافت فاروقی میں جو کوئی اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیتا تو ایک ہی مانی جاتی تھی۔فرمایا ہاں جو غیر مدخول بہا بیوی کو تین طلاقیں دیتا تھا۔اس کی طلاق ایک پڑتی تھی۔ عبارت یہ ہے قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ بَلٰی کَانَ الرَّجُلُ اِذَا طَلَّقَ امْرَأَتَہٗ ثَلٰثًا قَبْلَ اَنْ یَّدْخُلَ بِھَا جَعَلُوْھَا وَاحِدَۃً الخ اس حدیث سے صراحتًا معلوم ہوا کہ مسلم کی روایت کا یہ ہی مطلب ہے اور یہ حکم اب بھی باقی ہے جیسا کہ ہم مقدمہ میں عرض کر چکے تیسرے یہ کہ زمانہ نبوی اور زمانہ صدیقی میں لوگ تین طلاقیں اس طرح دیتے تھے کہ تجھے طلاق ہے طلاق طلاق۔گویا پچھلی دو طلاقوں سے پہلی طلاق کی تاکید کرتے تھے۔اور زمانہ فاروقی میں لوگوں کا یہ حال بدل گیا کہ وہ تین طلاقیں ہی دینے لگے لہٰذا صورت مسئلہ بدلنے سے حکم بدل گیا۔نووی شریف میں ہے فَالْاَصَحُّ اَنَّ مَعْنَاہُ اَنَّہٗ کَانَ فِی الْاَمْرِ الْاَوَّلِ اِذَا قَالَ لَھَا اَنْتِ طَالِقٌ اَنْتِ طَالِقٌ اَنْتِ طَالِقٌ وَلَمْ یَنْوِ تَاکِیْدًا وَلَا اِسْتِیْنَافًا یُحْکَمُ بِوُقُوْعِ طَلْقَۃٍ لِقِلَّۃِ اِرَادَتِھِمُ الْاِسْتِیْنَافَ بِذٰلِکَ مَحْمُوْلٌ عَلَی الْغَالِبِ الَّذِیْ ھُوَ اِرَادَۃُ التَّاکِیْدِ فَلَمَّا کَانَ فِیْ زَمَانِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ وَکَثُرَ اسْتِعْمَالُ النَّاسِ

بِهٰذِهِ الصِّيْغَةِ وَغَلَبَ مِنْهُمْ إِرَادَةُ الْإِسْتِيْنَافِ بِهَا حُمِلَتْ عَنْهُ الْإِطْلَاقُ عَلَى الثَّلٰثِ عَمَلًا بِالْغَالِبِ السَّابِقِ إِلَى الْفَهْمِ مِنْهَا فِيْ ذٰلِكَ الْعَصْرِ یعنی چونکہ زمانہ نبوی میں عام طور پر لوگ تین طلاقوں میں اول طلاق سے طلاق کی نیت کرتے اور پچھلی دو سے تاکید کرتے تھے اس لیے جو کوئی بغیر نیت کے بھی ایکدم تین طلاقیں دیتا تو ایک ہی مانی جاتی تھی کہ اس وقت غالب حال یہ ہی تھا مگر زمانہ فاروقی میں لوگ عام طور پر تین طلاقوں سے تین ہی کی نیت کرنے لگے اس لیے تین جاری کر دی گئیں صورت مسئلہ بدلنے سے حکم مسئلہ بدل گیا دیکھو قرآن شریف میں زکوٰۃ کے مصرف آٹھ بیان ہوئے۔ مؤلفۃ القلوب (کفار مائل باسلام) کو بھی زکوٰۃ دینے کی اجازت دی گئی۔ مگر زمانہ فاروقی میں صحابہ کرام کا اجماع ہو گیا کہ مصرف زکوٰۃ صرف سات ہیں مؤلفۃ القلوب خارج کیونکہ نزول قرآن کے وقت مسلمانوں کی جماعت تھوڑی اور کمزور تھی اس لیے ایسے کافروں کو زکوٰۃ دے کر مائل کیا جاتا تھا۔ عہد فاروقی میں نہ مسلمانوں کی قلت رہی نہ کمزوری لہٰذا ان کو زکوٰۃ دینا بند کر دیا گیا۔ وجہ بدلنے سے حکم بدلا نسخ نہیں کیا گیا۔ اب تک زید فقیر تھا اسے زکوٰۃ لینے کا حکم دیا گیا۔ اب غنی ہو گیا تو زکوٰۃ دینے کا حکم ہو گیا۔ کپڑا ناپاک تھا اس سے نماز ناجائز قرار دی اب پاک ہو گیا۔ اس سے نماز جائز ہو گئی۔ ہندوستان میں آج کل کوئی طلاق کی تاکید جانتا بھی نہیں تین ہی کی نیت سے طلاقیں دیتے ہیں تو عجیب بات ہے کہ صورت مسئلہ کچھ اور حکم کچھ اور دیا جائے اللہ غیر مقلدوں کو عقل دے جس سے حدیث کا مقصد صحیح سمجھا کریں۔

تیسرا اعتراض: ابو داؤد جلد اوّل اور در منثور جلد اول ۲۷۹ و عبد الرزاق و بیہقی نے عبد اللہ ابن عباس سے روایت کی کہ عبد یزید ابو رکانہ نے اپنی بیوی ام رکانہ کو طلاق دی حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ طلاق رجوع کر لو۔ انہوں نے عرض کیا کہ حضور میں نے تین طلاقیں دی ہیں فرمایا ہاں ہم جانتے ہیں مگر رجوع کر و اور یہ آیت تلاوت فرمائی يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ ابو داؤد وغیرہ کی عبارت یہ ہے۔ طَلَّقَ عَبْدُ يَزِيْدَ أَبُوْ رُكَانَةَ أُمَّ رُكَانَةَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِرْجِعْ بِامْرَأَتِكَ فَقَالَ إِنِّيْ طَلَّقْتُهَا ثَلٰثًا قَالَ قَدْ عَلِمْتُ إِرْجِعْهَا وَتَلَا يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ (الآیۃ) بیہقی سنن کبریٰ جلد صفحہ ۳۳۹ و ابو داؤد باب نسخ المراجعۃ صفحہ ۲۹۹) اگر اکٹھی تین طلاقیں تین ہی واقع ہوتیں تو رجوع ناممکن تھا وہاں تو حلالہ کی ضرورت در پیش آتی معلوم ہوا کہ ایک طلاق باقی رکھی گئی اور دو کو رد کر دیا گیا حالانکہ خود ابو رکانہ عرض کر رہے ہیں کہ میں نے تین طلاقیں دی ہیں۔ یہاں تاکید کا احتمال نہیں اور پھر بھی ایک ہی مانی گئی۔

جواب:۔ افسوس کہ معترض نے ابوداؤد اور بیہقی کی آدھی روایت نقل کی آگے اس اعتراض کا نہایت نفیس جواب وہاں ہی دیا گیا ہے جسے معترض چھوڑ گیا۔ اس جگہ ابوداؤد و بیہقی میں ہے کہ نافع ابن عجیر اور عبداللہ بن علی ابن یزید ابن رکانہ نے اپنے دادا رکانہ سے روایت کی کہ انہوں نے اپنی بیوی کو طلاق بتہ دی تھی لہٰذا حضور نے ان کی بیوی کو اُن کی طرف واپس کر دیا۔ یہ حدیث دیگر احادیث سے صحیح ہے کیونکہ اُس کا بیٹا اور اُس کے گھر والے اس کے حالات سے بمقابلہ غیروں کے زیادہ واقف ہوتے ہیں رکانہ کے پوتے تو فرماتے ہیں کہ میرے دادا نے میری دادی کو طلاق بتہ دی اور دیگر حضرات فرماتے ہیں کہ طلاقیں تین دیں۔ لامحالہ پوتے کی روایت زیادہ صحیح ہو گی عبارت یہ ہے۔ وَحَدِيْثُ نَافِعِ ابْنِ عُجَيْرٍ وَّعَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عَلِيِّ ابْنِ يَزِيْدَ ابْنِ رُكَانَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اِنَّ رُكَانَةَ طَلَّقَ اِمْرَأَتَهُ اَلْبَتَّةَ فَرَدَّهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَصَحُّ لِاَنَّهُمْ وَلَدُ الرَّجُلِ وَاَهْلُهٗ اَعْلَمُ بِهٖ اَنَّ رُكَانَةَ اِنَّمَا طَلَّقَ اِمْرَأَتَهُ اَلْبَتَّةَ وَجَعَلَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاحِدَةً (سنن کبریٰ بیہقی و ابوداؤد یہی مقام)

خلاصہ یہ کہ تین طلاق والی روایت سب ضعیف ہیں بلکہ امام بیہقی نے اسی جگہ فرمایا ہے کہ عبداللہ ابن عباس سے آٹھ روایتیں اس کے خلاف ہیں اور پھر رکانہ کی اولاد سے بھی طلاق بتہ کی روایت ہے بتاؤ کہ تین طلاقوں والی ایک روایت معتبر ہو گی یا طلاق بتہ والی آٹھ اور ایک نو روایتیں بیہقی کی عبارت یہ ہے وَهٰذَا الْاِسْنَادُ لَا تَقُوْمُ بِهِ الْحُجَّةُ مَعَ ثَمَانِيَةٍ وَّرَدُوْا عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ فُتْيَاهُ بِخِلَافِ ذٰلِكَ وَمَعَ رِوَايَةِ اَوْلَادِ رُكَانَةَ اَنَّ طَلَاقَ رُكَانَةَ كَانَ وَاحِدَةً وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْقُ (سنن کبریٰ بیہقی جلد ۷ صفحہ ۳۳۹) ہم پہلے باب میں عرض کر چکے ہیں کہ ابو رکانہ نے بارگاہِ نبوی میں عرض کیا تھا کہ یا حبیب اللہ میں نے ایک طلاق کی نیت کی تھی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر قسم بھی لی تھی تب انہیں رجوع کا حکم دیا۔ امام نووی نے فرمایا کہ ابو رکانہ کی تین طلاقوں کی روایت ضعیف ہے اور مجہول لوگوں سے مروی ہے۔ ان کی طلاق کے متعلق صرف وہی روایت صحیح ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں کہ انہوں نے طلاق بتہ دی تھی۔ اور لفظ بتہ میں ایک کا بھی احتمال ہوتا ہے اور تین کا بھی۔ شاید تین طلاق کے ضعیف راوی نے سمجھا کہ بتہ تین طلاق کو کہتے ہیں اس لئے بجائے بتہ کے تین کی روایت بالمعنیٰ کر گیا۔ جس میں اس نے سخت غلطی کی عبارت یہ ہے۔ وَاَمَّا الرِّوَايَةُ الَّتِيْ رَوَاهَا الْمُخَالِفُوْنَ اَنَّ رُكَانَةَ ثَلٰثًا فَجَعَلَهَا وَاحِدَةً فَرِوَايَةٌ ضَعِيْفَةٌ عَنْ

قَوْمٍ مَجْهُوْلِيْنَ وَإِنَّمَا الصَّحِيْحُ مِنْهَا مَا قَدَّمْنَاهُ اَنَّهُ طَلَّقَهَا الْبَتَّةَ وَلَفْظُ الْبَتَّةِ مُحْتَمَلٌ لِلْوَاحِدَةِ وَلِلثَّلٰثِ وَلَعَلَّ صَاحِبَ هٰذِهِ الرِّوَايَتِ الضَّعِيْفَةِ اِعْتَقَدَ اَنَّ لَفْظَ الْبَتَّةِ ثَلَاثٌ فَرَوَاهُ بِالْمَعْنَى الَّذِىْ فَهِمَهُ وَغَلَطٌ فِىْ ذٰلِكَ **چوتھا اعتراض** :- سیدنا عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو بحالت حیض تین طلاقیں اکٹھی دی تھیں۔ جنہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قرار دیا اور اس سے رجوع کرنے کا حکم دیا اگر یہ طلاقیں تین ہی ہوتیں تو رجوع ناممکن ہوتا۔

جواب :- یہ غلط ہے حق یہ ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عمر نے اپنی بیوی کو بحالت حیض طلاق ایک ہی دی تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں رجوع کا حکم دیا کیونکہ طلاق بحالت طہر ہونی چاہیے چنانچہ مسلم شریف جلد اول باب تحریم الطلاق الحائض میں ہے۔ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ اَنَّهُ طَلَّقَ اِمْرَاَةً لَهُ وَهِىَ حَائِضٌ تَطْلِيْقَةً وَاحِدَةً فَاَمَرَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُّرَاجِعَهَا ثُمَّ يُمْسِكَهَا حَتّٰى تَطْهُرَ۔ نیز نووی شریف شرح مسلم باب الطلاق الثلث میں فرمایا اَمَّا حَدِيْثُ اِبْنِ عُمَرَ فَرِوَايَاتُ الصَّحِيْحَةُ الَّتِىْ ذَكَرَهَا مُسْلِمٌ وَغَيْرُهُ اَنَّهُ طَلَّقَهَا وَاحِدَةً ان کے متعلق تین کی روایات بالکل ضعیف ہیں۔

پانچواں اعتراض :- تفسیر کبیر جلد دوم صفحہ ۴۷ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ کی تفسیر میں ہے مَعْنَاهُ اَنَّ تَطْلِيْقَ الشَّرْعِيَّةِ يَجِبُ اَنْ يَّكُوْنَ تَطْلِيْقَةً عَلَى التَّفْرِيْقِ دُوْنَ الْجَمْعِ وَالْاِرْسَالِ وَهٰذَا التَّفْسِيْرُ هُوَ قَوْلُ مَنْ قَالَ اَلْجَمْعُ بَيْنَ الثَّلٰثِ حَرَامٌ یعنی طلاق شرعی الگ الگ بغیر جمع کیے دینا واجب ہے یہ ہی ان لوگوں کی تفسیر ہے جنہوں نے کہا ہے کہ اکٹھی تین طلاقیں دینا حرام ہے اس سے معلوم ہوا کہ ایک دم تین طلاقیں شرعی طلاق نہیں۔ **جواب** اس کا کون منکر ہے بیشک طلاقیں الگ الگ ہی دینا ضروری ہیں گفتگو اس میں ہے کہ اگر کوئی اپنی حماقت سے تین طلاقیں اکٹھی دیدے تو واقع بھی ہونگی یا نہیں تفسیر کبیر کی اس عبارت میں یہ کہاں ہے کہ تین واقع نہ ہوں گی صرف یہ ہے کہ یہ کام ناجائز ہے۔ کسی چیز کا حرام ہونا اور چیز ہے اور اس پر شرعی احکام کا مرتب ہونا کچھ اور۔ رمضان شریف میں دن میں کھانا پینا حرام ہے لیکن اگر کوئی کھا جائے تو اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا۔ زنا حرام ہے لیکن اگر کوئی کرے تو اس پر غسل ضرور واجب

ہو جائے گا۔ حرمت کا اثر اسباب کی سببیت پر نہیں پڑتا۔ **چھٹا اعتراض**: تفسیر کبیر مصری جلد دوم صفحہ ۲۴۷ میں ہے۔ وَهُوَ اخْتِيَارُ كَثِيْرٍ مِّنْ عُلَمَاءِ الدِّيْنِ اَنَّهٗ لَوْ طَلَّقَهَا اِثْنَتَيْنِ اَوْ ثَلَاثًا لَا يَقَعُ اِلَّا الْوَاحِدَةُ یعنی بہت علماء دین نے یہی اختیار کیا ہے کہ اگر کوئی اکٹھی دو یا تین طلاقیں دیدے۔ تو اس سے ایک ہی واقع ہوگی۔ معلوم ہوا کہ عام علماء اسلام کے نزدیک اکٹھی تین طلاقیں ایک ہی ہوتی ہیں۔ **جواب**: معترض نے یہ نہ بتایا کہ وہ کون سے علماء ہیں جن کا یہ مذہب ہے اور ہم بتائیں وہ علماء ابن تیمیہ اور اسکے وہابی پیروکار ہیں۔ انہیں کا یہ مذہب ہے جیسا کہ ہم پہلے باب میں تفسیر صاوی کے حوالہ سے نقل کر چکے ہیں۔ اور ابن تیمیہ اور اسکے متبعین کو علماء کرام نے گمراہ اور گمراہ گر لکھا ہے۔ نیز معترض نے تفسیر کبیر کی پوری عبارت نقل نہ کی۔ اس عبارت کے آگے یہ ہے۔ وَالْقَوْلُ الثَّانِيْ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّهٗ وَاِنْ كَانَ مُحَرَّمًا اِلَّا اَنَّهٗ يَقَعُ یعنی دوسرا قول امام ابوحنیفہ کا ہے کہ اکٹھی تین طلاقیں دینا اگرچہ منع ہیں۔ لیکن واقع ہو جائیں گی۔ کچھ آگے جا کر تفسیر کبیر نے فرمایا کہ آئمہ مجتہدین کا یہی مذہب ہے کہ جسے تین طلاقیں دی جائیں وہ شوہر کے لئے حلال نہیں دیکھو تفسیر کبیر مصری جلد دوم صفحہ ۲۶۵۔ **ساتواں اعتراض**: عقل بھی چاہتی ہے کہ اکٹھی تین طلاقیں ایک ہی مانی جائیں کیونکہ جن جن چیزوں کی علیحدگی کا حکم ہے ان کو اکٹھا کر دینا ایک کے حکم میں ہوتا ہے۔ مثلاً لعان میں الگ الگ چار قسمیں کھانا واجب ہے۔ اور رمی جمرین پر الگ الگ سات کنکر مارنا واجب ہیں اگر کوئی چاروں ہیں ایک لفظ سے کھائے تو یہ ایک قسم مانی جائے گی کہ تین قسمیں اور کھانی پڑیں گی۔ اگر کوئی ساتوں کنکر ایک دم پھینک دے تو ایک ہی رمی مانی جائیگی اور چھ کنکر اس کے علاوہ مارنے ہوں گے۔ ایسے ہی اگر کوئی قسم کھائے کہ میں ہزار درود پڑھوں گا اور پھر اس طرح پڑھے اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ اَلْفَ مَرَّةٍ تو اس کا یہ درود ہزار نہ مانا جائے گا بلکہ ایک ہی مانا جائیگا لہٰذا چاہیئے کہ اگر کوئی ایک دم تین طلاقیں دے دے تو ایک ہی واقع ہو نہ کہ تین۔ **جواب**۔ الحمدللہ آپ قیاس کے تو قائل ہوئے اور آپ نے قیاس کرنے کی زحمت گوارا فرمائی مگر جیسے آپ ویسا آپ کا قیاس جناب لعان اور رمی میں فعل مقصود ہے نہ کہ اس کا اثر اور طلاق میں اثر مقصود ہے، نہ کہ محض فعل

لہذا یہ قیاس صحیح نہیں۔ لعان کی ہر قسم ایک گواہ کے قائم مقام ہے۔ جب کہ زنا میں گواہیاں چار ہیں تو لعان میں جو اس کا قائم مقام ہے۔ یعنی فعل قسم بھی چار ہی چاہیئے۔ جبکہ لفظ چار قسمیں کھانے میں فعل ایک ہی ہوا۔ نیز رمی جمروں میں سات فعل چاہئیں ایک دم سات کنکر پھینک دینے میں مفعول سات ہوئے۔ مگر فعل ایک چونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رمی میں سات فعل فرمائے ہیں۔ اس کی پیروی چاہیئے۔ درود شریف میں ثواب بقدر محنت ملتا ہے ایک ہزار درود کی منت اتنی محنت کی منت ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ایک بار اَلْفَ مَرَّةٍ کہہ لینے میں ہزار درود کی محنت نہیں پڑتی۔ لہذا ان کے احکام بھی مختلف قسم کا مدار عرف پر ہوتا ہے، طلاق کونسا ثواب کا کام ہے۔ تاکہ اس میں زیادہ محنت کا ثواب ملے۔ غرضیکہ تمام اعتراضات مکڑی کے جالے کی طرح کمزور ہیں ان سب کی بنا تن آسانی اور نفس پروری ہے خدا تعالی قرآن وحدیث کی صحیح فہم عطا فرمائے۔ اگر تین طلاقوں سے ایک ہی واقع ہو اور شوہر بیوی سے الگ ہو جائے تو کوئی مضائقہ نہیں لیکن اگر تینوں واقع ہو جائیں اور بغیر حلالہ رجعت کر لیا جائے تو عمر بھر حرام کاری ہوگی۔ لہذا احتیاط بھی اسی میں ہے کہ تین طلاقیں تین ہی مانیں جائیں اسی لیئے علماء اصول فرماتے ہیں کہ اباحت اور حرمت میں جب تعارض ہو تو حرمت کو ترجیح ہوتی ہے وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ وَنُوْرِ عَرْشِهٖ سَيِّدِنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ بِرَحْمَتِهٖ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۝

احمد یار خاں غفر لہ ولابیہ و مرشدہ بدایونی مقیم گجرات پاک

کاتب محمد یوسف گوندل

فہرست جاء الحق وزہق الباطل

ملنے کا پتہ :- مفتی احمد یار خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ روڈ نعیمی کتب خانہ گجرات (مغربی پاکستان)

الحمد للہ کہ کتاب لاجواب نافع شیخ و شاب مفید عاقل موقظ غافل

المسمیٰ بہ

جاء الحق وزھق الباطل

المعروف بہ

فیصلہ مسائل

حصہ دوم

جس میں موجودہ زمانہ کے غیر مقلد وہابیوں کے متعلق عام مختلف فیہ مسائل کا نہایت مدلل فیصلہ کر دیا گیا ہے۔

مصنفہ

حضرت حکیم الامت مفتی اعظم مولانا الحاج مفتی احمد یار خاں صاحب نعیمی اشرفی بدایونی گجرات

ناشر

مفتی اقتدار احمد خان مالک نعیمی کتبخانہ گجرات

کاتب محمد یوسف گوندلوی گوندلانوالہ ڈاکخانہ خاص تحصیل و ضلع گوجرانوالہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَنْبِیَاءِ مُحَمَّدِنِ الْمُصْطَفٰی وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اُولِی الصِّدْقِ وَالصَّفَا

جاننا چاہیئے کہ موجودہ دور بہت فتنہ وفساد کا زمانہ ہے۔ کفروالحاد بے دینی کی ہوش ربا آندھیاں چل رہی ہیں بدمذہبی لادینی نئی نئی صورتوں میں نمودار ہو رہی ہے۔ مسلمان کو ایمان سنبھالنا مشکل ہو گیا ہے وہ ہی اس وقت ایمان سنبھال سکتا ہے جو کسی مقبول بارگاہ بندے کے دامن سے وابستہ ہے۔ ان فتنوں میں سے ایک خطرناک فتنہ غیر مقلدیت کا ہے جو اتباع سنّت کے پردہ میں نمودار ہوا ہے یہ لوگ اہل حدیث کے نام سے مشہور ہیں۔ اپنے سواء سب کو مشرک سمجھتے ہیں۔ تقلید شخصی کو شرک کہتے ہیں۔

افسوس ہے کہ جسے یہ بھی پتہ نہیں کہ حدیث کیا ہے اور سنّت کیا۔ بلکہ جنہیں عربی عبارت پڑھنا نہیں آتی وہ آمین بالجہر و رفع یدین کی چار حدیثیں یاد کرکے اپنے آپ کو امام ابوحنیفہ سے بڑھ کر سمجھتا ہے۔ فقیر نے اپنی کتاب جاء الحق جلد اول میں مسئلہ تقلید اور ضمیمہ جاء الحق میں بیس رکعت تراویح اور تین طلاق پر معرکۃ الآرا بحث کی جاء الحق میں وعدہ کیا گیا تھا کہ ہم اس کا حصہ دوم بھی تحریر کریں گے۔ بہت عرصہ تک یہ وعدہ پورا کرنے کا موقعہ نہ ملا۔ پھر بعض احباب کا اصرار ہوا کہ دوسرے حصہ میں غیر مقلد وہابیوں کی پرزور تردید کی جاوے اور احناف کے دلائل غیر مقلدوں کے دندان شکن جواب دیئے جاویں۔ مگر اس حکم کی تعمیل میں دیر ہی ہوتی چلی گئی۔ نیز ہم نے ان مسائل پر اپنے "فتاویٰ نعیمیہ" اور حاشیہ بخاری نعیم الباری عربی میں مفصل گفتگو کی خیال تھا کہ اب علیحدہ کتاب لکھنے کی ضرورت نہیں۔ مگر بزرگوں کا اصرار ہوا کہ ان مسائل پر مستقل کتاب اردو زبان میں لکھی جاوے۔ توکلاً علی اللہ ادھر توجہ کی اس حصہ کا طریقہ وہ ہی ہوگا۔ جو جاء الحق حصہ اول کا ہے۔ کہ ہر مسئلہ علیحدہ باب میں بیان ہو گا۔ اور ہر باب میں دو فصلیں ہوں گی۔ پہلی فصل میں حنفیوں کے دلائل دوسری فصل میں غیر مقلدوں کے سوالات و جوابات غیر مقلدوں کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے مخالف ہر حدیث کو ضعیف کہہ

دیتے ہیں۔ اور کسی نہ کسی معقول نا معقول حوالہ کی آڑ لیتے ہیں۔ حالانکہ محدثین کے نزدیک جرح مبہم معتبر نہیں۔ نیز اگر جرح و تعدیل میں مقابلہ ہو تو تعدیل مقدم ہے۔ نیز کسی اسناد کے ضعیف ہونے سے متن حدیث کا ضعف لازم نہیں۔ نیز بعد کا ضعف پہلے والوں کو مضر نہیں۔ یہ تمام بحثیں ان شاء اللہ مقدمہ میں کی جائیں گی۔ مگر انہیں ان سے کیا غرض۔ انہیں صرف ضعیف کا سبق یاد ہے ان کے اس ضعیف ضعیف کے رٹ لگانے نے آج مسلمانوں میں منکرین حدیث پیدا کر دیئے۔ جو کہنے لگے کہ کسی حدیث کا اعتبار نہیں۔ سب ضعیف ہی ہیں۔ صرف قرآن کو مانو۔

نیز مقام تعجب ہے کہ غیر مقلد امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ وغیرہم کی تقلید کو شرک کہتے ہیں۔ مگر ابن جوزی وغیرہ ناقدین حدیث کے ایسے مقلد ہیں کہ جس حدیث کو وہ ضعیف کہہ دیں۔ اُسے بغیر سوچے سمجھے آنکھیں بند کر کے مان لیتے ہیں۔ چونکہ اس وقت یہ فتنہ بڑھ رہا ہے اس لیئے فقیر نے ان کے جواب میں قلم اٹھایا۔ قلم تو اٹھا دیا۔ مگر مجھے اپنی بے بضاعتی و کم علمی کا اعتراف و اقرار ہے۔ اپنے رب کریم کے کرم اور اس کے حبیب رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضل پہ بھروسہ ہے۔ رب تعالیٰ اس رسالہ کو قبول فرماوے۔ میرے لیئے اسے کفارہ سیئات و صدقہ جاریہ بنائے۔ اس کا نام جاء الحق حصہ دوم رکھتا ہوں۔ جو کوئی اس سے فائدہ اٹھائے۔ وہ مجھ فقیر بے نوا کے حسن خاتمہ کی دعا کرے اللہ اسے جزائے خیر دے۔

وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ

احمد یار خاں نعیمی اشرفی بدایونی خطیب جامع
مسجد غوثیہ چوک پاکستان گجرات
یکم ماہ رمضان المبارک ۱۳۷۶ھ دوم اپریل ۵۷ء
دو شنبہ مبارکہ

محمد یوسف خوشنویس گوندلوی
پنڈ گوندلانوالہ تحصیل و ضلع گوجرانوالہ

مقدمہ

اصل کتاب کے مطالعہ سے پہلے حسب ذیل قواعد اچھی طرح مطالعہ فرما کر یاد فرمالیں۔ یہ قواعد بہت ہی کار آمد ہیں۔

قاعدہ نمبر ۱۔ اسناد[1] کے لحاظ سے حدیث کی بہت قسمیں ہیں مگر ہم صرف تین قسموں کا ذکر کرتے ہیں حدیث صحیح۔ حدیث حسن۔ حدیث ضعیف۔

صحیح :۔ وہ حدیث ہے۔ جس میں چار خوبیاں ہوں (۱) اس کی اسناد متصل[2] ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر مؤلف کتاب تک کوئی راوی کسی جگہ چھوٹا نہ ہو (۲) اس کے سارے راوی اوّل درجہ کے متقی پرہیزگار ہوں۔ کوئی فاسق یا مستور الحال نہ ہو (۳) تمام راوی نہایت قوی الحافظہ ہوں کہ کسی کا حافظہ بیماری یا بڑھاپے کی وجہ سے کمزور نہ ہو (۴) وہ حدیث شاذ یعنی احادیث مشہورہ کے خلاف نہ ہو۔

حسن :۔ وہ حدیث ہے جس کے کسی راوی میں یہ صفات اعلیٰ درجہ کے نہ ہوں۔ یعنی کسی کا تقویٰ یا قوت حافظہ اعلیٰ درجہ کا نہ ہو۔

ضعیف :۔ وہ حدیث ہے جس کا کوئی راوی متقی یا قوی الحافظہ نہ ہوں۔ یعنی جو صفات حدیث صحیح میں معتبر تھیں ان میں سے کوئی ایک صفت نہ ہو۔

قاعدہ نمبر ۲۔ پہلی دو قسمیں یعنی صحیح اور حسن احکام اور فضائل سب میں معتبر ہیں۔ لیکن حدیث ضعیف صرف فضائل میں معتبر ہے۔ احکام میں معتبر نہیں یعنی اس سے حلال و حرام ثابت نہ ہوں گے ہاں اعمال یا کسی شخص کی عظمت و فضیلت ثابت ہو سکتی ہے۔

نتیجہ :۔ ضعیف حدیث جھوٹی یا غلط یا گڑھی ہوئی حدیث کو نہیں کہتے۔ جیسا کہ غیر مقلدوں

---

[1] راویان حدیث کے سلسلہ کو اسناد حدیث اور الفاظ حدیث کو جہاں اسناد ختم ہو متن حدیث کہتے ہیں۔
[2] اگر اسناد میں ایک یا چند راوی چھوٹ گئے ہوں اسے حدیث منقطع کہتے ہیں

نے عوام کے ذہن نشین کرادیا ہے کہ لوگوں نے اسے کہا جانے والا ہوا سمجھ رکھا ہے۔ بلکہ محدثین نے محض احتیاط کی بنا پر اس حدیث کا درجہ پہلی دو سے کچھ کم رکھا ہے۔

قاعدہ نمبر ۳۔ اگر حدیث ضعیف کسی وجہ حسن بن جاوے تو وہ بھی مطلقاً معتبر ہے۔ اس سے احکام و فضائل سب کچھ ثابت ہو سکتے ہیں۔

قاعدہ نمبر ۴۔ حسب ذیل چیزوں سے حدیث ضعیف حسن بن جاتی ہے۔ دو یا زیادہ سندوں سے روایت ہو جانا اگرچہ وہ سب اسنادیں ضعیف ہوں۔ یعنی اگر ایک حدیث چند ضعیف روایتوں سے مروی ہو جاوے تو اب وہ ضعیف نہ رہی حسن بن گئی
(مرقات۔ موضوعات کبیر۔ شامی۔ مقدمہ مشکوٰۃ شریف مولانا عبدالحق۔ رسالہ اصول حدیث للجرجانی اوّل ترمذی شریف وغیرہ۔

۲۔ علماء کاملین کے عمل سے ضعیف حدیث حسن بن جاتی ہے۔ یعنی اگر حدیث ضعیف پر علماء دین عمل شروع کر دیں تو وہ ضعیف نہ رہے گی حسن ہو جاوے گی اس ہی لیئے امام ترمذی فرما دیتے ہیں۔

هٰذَا الْحَدِيْثُ غَرِيْبٌ ضَعِيْفٌ وَالْعَمَلُ عَلَيْهِ عِنْدَ اَهْلِ الْعِلْمِ	یہ حدیث ہے تو غریب یا ضعیف مگر اہل علم کا اس پر عمل ہے۔

ترمذی کے اس قول کا مطلب یہ نہیں کہ یہ حدیث ہے تو ضعیف ناقابل عمل مگر علماء امت نے بیوقوفی سے عمل کر لیا اور سب گمراہ ہو گئے۔ بلکہ مطلب یہ ہی ہے کہ حدیث روایتہ کے لحاظ سے ضعیف تھی۔ مگر علماء امت کے عمل سے قوی ہو گئی

۳۔ علماء کے تجربہ اور اولیاء کے کشف سے ضعیف حدیث قوی ہو جاتی ہے شیخ محی الدین بن عربی ایک حدیث سنی تھی کہ جو ستر ہزار بار کلمہ طیبہ پڑھے۔ اس کی مغفرت ہو جاتی ہے۔ ایک دفعہ ایک جوان نے کہا کہ میں اپنی مری ہوئی ماں کو دوزخ میں دیکھتا ہوں۔ شیخ نے ستر ہزار بار کلمہ پڑھا ہوا تھا۔ اپنے دل میں اس کی ماں کو بخش دیا دیکھا کہ جوان ہنس پڑا اور بولا کہ اپنی ماں کو جنت میں دیکھتا ہوں۔ شیخ فرماتے ہیں کہ میں نے اس حدیث کی صحت اس ولی کے کشف سے معلوم کی (صحیح البہاری) تحذیر الناس مصنفہ مولانا محمد قاسم میں یہ ہی واقعہ جنید رحمتہ اللہ

کا نقل فرمایا۔

قاعدہ نمبر ۵۔ اسناد کے ضعف سے متن حدیث کا ضعف لازم نہیں۔لہٰذا یہ ہو سکتا ہے کہ ایک حدیث ایک اسناد میں ضعیف ہو دوسری اسناد میں حسن ہو تیسری میں صحیح اسی لیئے امام ترمذی ایک حدیث کے متعلق فرمادیتے ہیں۔

هٰذا الحدیث حسن صحیحٌ غریب] یہ حدیث حسن بھی ہے صحیح بھی ہے غریب بھی

ترمذی کے اس قول کا مطلب یہ ہی ہوتا ہے کہ یہ حدیث چند سندوں سے مروی ہے ایک اسناد سے حسن ہے دوسری سے صحیح تیسری سے غریب

قاعدہ نمبر ۶۔ بعد کا ضعف اگلے محدث یا مجتہد کے لیئے مضر نہیں۔لہٰذا اگر ایک حدیث امام بخاری یا ترمذی کو ضعیف ہو کر ملی ہو۔کیونکہ اس میں ایک راوی ضعیف شامل ہو گیا تو ہو سکتا ہے کہ وہ ہی حدیث امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو سند صحیح سے ملی ہو۔آپ کے زمانہ تک وہ ضعیف، راوی اس کی اسناد میں شامل نہ ہوا۔لہٰذا کسی وہابی کو یہ ثابت کرنا آسان نہیں کہ یہ حدیث امام اعظم کو ضعیف ہو کر ملی۔

لطیفہ۔ایک دفعہ ایک وہابی غیر مقلد سے قرأۃ خلف الامام پر ہماری معمولی گفتگو ہوئی۔ہم نے یہ حدیث پیش کی۔

قِرَاْءَۃُ الْاِمَامِ لَہٗ قِرَاءَۃٌ | امام کی قرأت مقتدی کی قراءت ہے

وہابی جی بولے کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔اس کی اسناد میں جابر جعفی ہے۔جو ضعیف ہے ہم نے پوچھا کہ جابر جعفی کب پیدا ہوا تھا۔جس کی وجہ سے یہ حدیث ضعیف ہے۔تڑپ کر بولے ۱۲۵ھ میں ہم نے کہا کہ جب امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے اس حدیث سے استدلال فرمایا تھا تب جابر اپنے باپ کی پشت میں بھی نہ آئے تھے۔کیونکہ امام اعظم کی ولادت ۸۰ھ ہجری میں ہے اور وفات ۱۵۰ھ میں لہٰذا اس وقت یہ حدیث بالکل صحیح تھی۔بعد کے محدثین کو ضعیف ہو کر ملی وہابی صاحب سے اس کا جواب نہ بن پڑا۔بغیر جواب دیئے فوت ہو گئے۔

لہٰذا حنفی علماء کو خیال رکھنا چاہیئے کہ وہابی کو ضعیف ضعیف کہنے سے روکیں۔وجہ ضعیف پوچھیں پھر یہ تحقیق کریں کہ ضعف امام اعظم سے پہلے کا ہے یا بعد کا انشاء اللہ وہابی جی پانی مانگ

جائیں گے اور ضعیف ضعیف کا سبق بھول جائیں گے۔ کیونکہ امام اعظم کا زمانہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت ہی قریب ہے۔ اس وقت حدیثیں بہت کم ضعیف تھیں امام صاحب تابعی ہیں۔

قاعدہ نمبر ۷ ۔ جرح مبہم قابل قبول نہیں یعنی کسی ناقد حدیث خصوصاً ابن جوزی وغیرہ کا یہ کہہ دینا کہ فلاں حدیث یا راوی ضعیف ہے غیر معتبر ہے۔ جب تک یہ نہ بتائے کہ کیوں ضعیف ہے۔ اور اس راوی میں کیا ضعف ہے۔ کیونکہ وجہ ضعف میں آئمہ کا اختلاف ہے۔ ایک چیز کو بعض عیب سمجھتے ہیں۔ بعض نہیں۔ دیکھو تدلیس۔ ارسال۔ گھوڑے سے دوڑانا۔ مذاق۔ نوعمری۔ فقہ میں مشغولیت کو بعض لوگوں نے راوی کا عیب جانا ہے۔ مگر حنفیوں کے نزدیک ان میں سے کچھ بھی عیب نہیں (نور الانوار بحث طعن علی الحدیث)

قاعدہ نمبر ۸ ۔ اگر جرح و تعدیل میں تعارض ہو تو تعدیل قبول ہے نہ کہ جرح یعنی ایک راوی کو محدث نے ضعیف کہا کسی نے اسے قوی فرمایا۔ بعض تواریخ سے اس کا فسق ثابت ہوا بعض نے فرمایا کہ وہ متقی صالح تھا تو اسے متقی مانا جاوے گا۔ اور اس کی روایت ضعیف نہ ہو گی کیونکہ مومن میں تقویٰ اصل ہے۔

قاعدہ نمبر ۹ ۔ کسی حدیث کے صحیح نہ ہونے سے اس کا ضعیف ہونا لازم نہیں۔ لہٰذا اگر کوئی محدث کسی حدیث کے متعلق یہ فرما دیں کہ یہ صحیح نہیں اس کے معنی یہ نہیں کہ ضعیف ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ حدیث حسن ہو۔ صحیح و ضعیف کے درمیان بہت درجے ہیں۔

قاعدہ نمبر ۱۰ ۔ صحیح حدیث کا دارو مدار مسلم بخاری یا صحاح ستہ پر نہیں صحاح ستہ کو صحیح کہنے کا مطلب یہ نہیں کہ ان کی ساری حدیثیں صحیح ہیں ان کے سوا دوسری کتب کی ساری حدیثیں ضعیف بلکہ صرف مطلب یہ ہے کہ ان میں صحیح حدیثیں زیادہ ہیں۔ ہمارا ایمان حضور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہے۔ نہ کہ محض بخاری و مسلم وغیرہ پر حضور کی حدیث جہاں سے ملے ہمارے سر آنکھوں پر ہے بخاری میں ہو نہ ہو تعجب ہے۔ غیر مقلدوں پر کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی تقلید کو شرک قرار دیتے ہیں۔ مگر مسلم بخاری پر ایسا ایمان رکھتے ہیں اور ان کی ایسی اندھی تقلید کرتے ہیں۔ کہ خدا کی پناہ۔

قاعدہ نمبر ۱۱۔ کسی عالم فقیہ محدث کا کسی حدیث کو بغیر اعتراض قبول کر لینا اس حدیث کے قوی ہونے کی دلیل ہے۔ اگر کوئی فقیہ عالم مجتہد ضعیف حدیث کو قبول فرمادے تو اس سے وہ ضعیف حدیث قوی ہو جاوے گی۔ ولی الدین محمد ابن عبداللہ خطیب تبریزی صاحب مشکوٰۃ خطبہ مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں۔

وَاِنِّیْ اِذَا اَسْنَدْتُ الْحَدِیْثَ اِلَیْھِمْ کَاَنِّیْ اَسْنَدْتُ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ | میں نے جب حدیث کو ان محدثین کیطرف منسوب کر دیا تو گویا حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف ہی منسوب کر دیا۔

ان قواعد سے آپ سمجھ گئے ہونگے کہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے جن احادیث سے استدلال کیا ہے۔ ان میں کوئی ضعیف نہیں ہو سکتی کہ ان پر امت کا عمل ہے ان کو علماء فقہا نے قبول فرما لیا ہے ان میں سے ہر حدیث بہت اسنادوں سے مروی ہے۔ فقیر حقیر ان شاء اللہ ہر مسئلہ پر اتنی حدیثیں پیش کرے گا۔ جن سے کوئی حدیث ضعیف نہ کہی جاسکے کیوں کہ اسنادوں کی کثرت ضعیف کو حسن بنا دیتی ہے۔ احمد یار خاں

قاعدہ نمبر ۱۲۔ اگر حدیث و قرآن میں تعارض نظر آئے تو حدیث کے معنی ایسے کرنے چاہئیں جس سے دونوں میں موافقت ہو جاوے تعارض جاتا رہے ایسے ہی اگر حدیثیں آپس میں مخالف معلوم ہوں تو ان کے ایسے معنی کرنے لازم ہیں کہ مخالف نہ رہے اور سب پر عمل ہو جاوے اس کی مثال یہ ہے کہ رب فرماتا ہے۔

فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ | جس قدر قرآن مجید آسان ہو نماز میں پڑھ لو۔

لیکن حدیث شریف میں ہے۔

لَاصَلٰوۃَ لِمَنْ لَّمْ یَقْرَاْ بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ | جو سورۃ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی

سلہ حدیث کی چھ کتابیں صحاح ستہ کہلاتی ہیں۔ بخاری۔ مسلم۔ ترمذی۔ ابوداؤد۔ نسائی۔ ابن ماجہ۔ حدیث کی کل مشہور کتب پچاس سے زیادہ ہیں۔ مسند امام احمد، مسند امام ابوحنیفہ، مؤطا امام مالک، بیہقی۔ دارمی۔ دارقطنی حاکم وغیرہ۔ امام بخاری کا نام شریف محمد ابن اسماعیل ہے آپ کی ولادت ۲۰۴ھ میں ہوئی۔ یعنی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی وفات سے ۵۴ برس بعد کیونکہ امام اعظم کی وفات ۱۵۰ھ میں ہے۔

یہ حدیث اس آیت کی مخالف معلوم ہوتی ہے لہٰذا حدیث کے معنی یہ کرو کہ سورہ فاتحہ کے بغیر نماز کامل نہیں ہوتی۔ مطلقاً قرأت نماز میں فرض ہے اور سورۂ فاتحہ پڑھنا واجب تعارض اُٹھ گیا اور قرآن وحدیث دونوں پر عمل ہوگیا۔ نیز رب فرماتا ہے۔

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا | جب قرآن پڑھا جاوے تو اسے کان لگاکر سنو اور چپ رہو۔

لیکن حدیث شریف میں ہے

لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَاْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ | جو سورہ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی

یہ حدیث اس آیت کے خلاف معلوم ہوتی ہے کہ قرآن مطلقاً خاموشی کا حکم دیتا ہے اور حدیث شریف مقتدی کو سورۂ فاتحہ پڑھنے کا حکم دیتی ہے۔ لہٰذا یہ مانو کہ قرآن کا حکم مطلق ہے۔ اور حدیث شریف کا حکم اکیلے نمازی یا امام کے لیئے ہے۔ مقتدی کے لیئے امام کا پڑھ لینا کافی ہے کہ یہ اس کی حکمی قرأت ہے، غرضیکہ یہ قاعدہ نہایت اہم ہے اور اگر کوئی حدیث آیت قرآنی سے یا اپنی سے اوپر والی حدیث کے ایسے مخالف ملے کہ کسی طرح مطابقت ہو ہی نہ سکے تو پھر قرآن کریم یا اس سے اوپر والی حدیث کو ترجیح ہوگی اور یہ حدیث قابل عمل نہ ہوگی۔ یہ حدیث منسوخ مانی جاوے گی۔ یا حضور کی خصوصیت میں سے شمار ہوگی۔ اس کی بہت مثالیں ہیں

قاعدہ نمبر ۱۳۔ حدیث کا ضعیف ہو جانا غیر مقلدوں کے لیئے قیامت ہے۔ کیونکہ ان کے مذہب کا دارو مدار ان روایتوں پر ہی ہے۔ روایت ضعیف ہوئی تو ان کا مسئلہ بھی فنا ہوا۔ مگر حنفیوں کے لیئے کچھ مضر نہیں۔ کیونکہ حنفیوں کے دلائل یہ روایتیں نہیں ان کی دلیل صرف قول امام ہے۔ قول امام کی تائید یہ روایتیں ہیں۔ ہاں امام کی دلیل قرآن وحدیث ہیں۔ مگر امام صاحب کو جب حدیثیں ملیں تو صحیح تھیں کہ ان کی اسنادیں یہ نہ تھیں جو مسلم بخاری کی ہیں اگر پولیس ملزم کو جیل میں دیدے تو پولیس کی دلیل حاکم کا فیصلہ ہے نہ کہ تعزیرات ہند کے دفعات ہاں حاکم کی دلیل یہ دفعات ہیں یہ بات یاد رکھو۔ تقلید اللہ کی رحمت ہے غیر مقلدیت رب کا عذاب۔

پہلا باب

کانوں تک ہاتھ اٹھانا

نماز میں تکبیر تحریمہ کے وقت مردوں کو کانوں تک ہاتھ اٹھانا سنت ہے مگر وہابی غیر مقلد عورتوں کی طرح کندھوں سے انگوٹھے چھو کر ہاتھ باندھ لیتے ہیں۔ لہٰذا ہم اس باب کی دو فصلیں کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں اپنے حنفیوں کے دلائل۔ دوسری فصل میں غیر مقلدوں کے اعتراضات و جوابات۔ رب تعالیٰ قبول فرمائے۔

پہلی فصل

کانوں تک ہاتھ اُٹھانے کی بہت سی احادیث ہیں جن میں سے ہم چند پیش کرتے ہیں۔

حدیث نمبر ۱تا۳۔ بخاری۔ مسلم۔ طحاوی نے مالک ابن حویرث سے روایت کی۔

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كَبَّرَ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى يُحَاذِيَ اُذُنَيْهِ وَفِي لَفْظٍ حَتّٰى يُحَاذِيَ بِهِمَا فُرُوْعَ اُذُنَيْهِ

حضور صلے اللہ علیہ وسلم جب تکبیر فرماتے تو اپنے ہاتھ مبارک کانوں تک اٹھاتے دیگر الفاظ یہ ہیں کہ کانوں کی لَو تک اٹھاتے

حدیث نمبر ۴۔ ابوداؤد شریف میں حضرت براء ابن عازب سے روایت ہے

رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا افْتَتَحَ الصَّلٰوةَ رَفَعَ يَدَيْهِ اِلٰى قَرِيْبٍ مِنْ اُذُنَيْهِ ثُمَّ لَا يَعُوْدُ۔

میں نے حضور کو دیکھا کہ جب نماز شروع فرماتے تو اپنے ہاتھ مبارک کان کے قریب تک اٹھاتے۔ پھر رفع یدین نہ فرماتے۔

حدیث نمبر ۵۔ مسلم شریف نے حضرت وائل ابن حجر سے روایت کی۔

اَنَّهٗ رَاَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَفَعَ يَدَيْهِ حِيْنَ دَخَلَ فِي الصَّلٰوةِ كَبَّرَ قَالَ

انہوں نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ حضور جب نماز میں داخل ہوتے تو اپنے

اَحَدُ الرُّوَاۃِ حِبَالَ اُذُنَیْہِ ثُمَّ اِلْتَحَفَ بِثَوْبِہٖ
ہاتھ اٹھاتے۔ ایک راوی نے فرمایا کہ اپنے کانوں کے مقابل پھر کپڑے میں ہاتھ چھپا لیئے

حدیث نمبر ۴ تا ۸ ۔ بخاری۔ ابوداؤد۔ نسائی نے حضرت ابو قلابہ سے روایت کی۔

اَنَّ مَالِكَ ابْنَ حُوَیْرِثٍ رَاٰی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَرْفَعُ یَدَیْہِ اِذَا کَبَّرَ وَاِذَا رَفَعَ رَاْسَہٗ مِنَ الرُّکُوْعِ حَتّٰی یَبْلُغَ فُرُوْعَ اُذُنَیْہِ۔
مالک ابن حویرث نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ ہاتھ شریف اٹھاتے تھے جب تکبیر تحریمہ فرماتے اور جب رکوع سے سر شریف اٹھاتے یہاں تک کہ ہاتھ کانوں کی لو تک پہنچ جاتے

حدیث نمبر ۹ تا ۱۲ ۔ امام احمد۔ اسحاق ابن راہویہ۔ دارقطنی۔ طحاوی نے براء ابن عازب سے روایت کی۔

کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا صَلّٰی رَفَعَ یَدَیْہِ حَتّٰی تَکُوْنَ اِبْھَامَاہُ حِذَاءَ اُذُنَیْہِ۔
جب نبی صلے اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے تو یہاں تک ہاتھ شریف اٹھاتے کہ آپ کے انگوٹھے کانوں کے مقابل ہو جاتے۔

حدیث نمبر ۱۳ تا ۱۵ ۔ حاکم نے مستدرک میں دارقطنی اور بیہقی نے نہایت صحیح اسناد سے جو بشرط مسلم و بخاری ہے۔ حضرت انس سے روایت کی۔

رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَبَّرَ فَحَاذٰی بِاِبْھَامَیْہِ اُذُنَیْہِ۔
میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے تکبیر کہی اور اپنے انگوٹھے اپنے کانوں کے مقابل کر دیئے

حدیث نمبر ۱۶ تا ۱۷ ۔ عبدالرزاق اور طحاوی نے حضرت براء ابن عازب سے روایت کی۔

کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا کَبَّرَ لِاِفْتِتَاحِ الصَّلٰوۃِ رَفَعَ یَدَیْہِ حَتّٰی یَکُوْنَ اِبْھَامَاہُ قَرِیْبًا مِنْ شَحْمَۃِ اُذُنَیْہِ۔
جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز شروع فرمانے کیلئے تکبیر فرماتے تو یہاں تک ہاتھ شریف اٹھاتے کہ آپ کے انگوٹھے کانوں کی لو کے مقابل ہو جاتے

حدیث نمبر ۱۸ ۔ ابوداؤد نے حضرت وائل ابن حجر سے روایت کی۔

اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَفَعَ یَدَیْہِ حَتّٰی کَانَتْ بِحِبَالِ مَنْکِبَیْہِ وَحَاذٰی بِاِبْھَامَیْہِ اُذُنَیْہِ۔
حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ مبارک اٹھائے یہاں تک کہ ہاتھ شریف تو کندھوں کے اور انگوٹھے کانوں کے مقابل ہو گئے

حدیث نمبر ۱۹ - دارقطنی نے حضرت براء ابن عازب سے روایت کی۔

اَنَّہٗ رَاَیَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حِیْنَ اِفْتَتَحَ رَفَعَ یَدَیْہِ حَتّٰی حَاذٰی بِھِمَا اُذُنَیْہِ ثُمَّ لَمْ یَعُدْ اِلٰی شَیْئٍ مِنْ ذٰلِکَ حَتّٰی فَرَغَ مِنْ صَلٰوتِہٖ

انہوں نے حضور کو دیکھا جب آپ نے نماز شروع کی تو اپنے ہاتھ مبارک اُٹھائے یہاں تک کہ انہیں کانوں کے مقابل فرمادیا۔ پھر نماز سے فراغت تک ہاتھ نہ اُٹھائے

حدیث نمبر ۲۰ - طحاوی شریف نے ابوحمید ساعدی سے روایت کی۔

اَنَّہٗ کَانَ یَقُوْلُ لِاَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَا اَعْلَمُکُمْ بِصَلٰوۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ اِذَا قَامَ اِلَی الصَّلٰوۃِ کَبَّرَ وَرَفَعَ یَدَیْہِ حَذَاءَ وَجْھِہٖ -

وہ حضور کے صحابہ سے فرمایا کرتے تھے۔ کہ تم سب سے زیادہ حضور کی نماز کو میں جانتا ہوں۔ آپ جب کھڑے ہوتے نماز میں تو تکبیر فرماتے اور اپنے ہاتھ مبارک چہرے شریف کے مقابل تک اُٹھاتے۔

کانوں تک ہاتھ اُٹھانے کی اور بہت احادیث پیش کی جاسکتی ہیں۔ صرف بیس حدیثوں پر کفایت کرتا ہوں۔ اگر زیادہ مطلوب ہوں تو کتب احادیث خصوصًا صحیح البہاری شریف کا مطالعہ کرو کہ اس جیسی کتاب حنفی مذہب کی تائید میں احادیث کی جامع آج تک نہ دیکھی گئی۔

عقلی دلائل - عقل بھی چاہتی ہے۔ کہ نماز شروع کرتے وقت کانوں تک ہاتھ اُٹھائے جائیں کیونکہ نمازی نماز شروع کرتے وقت عبادت میں مشغول ہوتا ہے۔ اور دنیاوی جھگڑوں سے بیزار و بے تعلق ہوتا ہے، کھانا پینا بولنا اِدھر اُدھر دیکھنا سب کو اپنے پر حرام کرلیتا ہے۔ گویا دنیا سے نکل کر عالم بالا کی سیر کرتا ہے۔ اور عرف میں جب کسی چیز سے توبہ یا بیزاری کرتے ہیں تو کانوں پہ ہاتھ رکھواتے ہیں۔ کندھے نہیں پکڑواتے گویا نمازی قول سے نماز شروع کرتا ہے۔ اور اپنے عمل سے کانوں پر ہاتھ رکھ کر دنیا سے بیزار ہوتا ہے۔ ایسے موقعہ پر کندھے پکڑنا بالکل ہی خلاف عقل ہے۔ جیسے سجدے میں مسلمان زبان سے تو رب تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کا اقرار کرتا ہے اور سر زمین پر رکھ کر اپنے عجز و نیاز کا اظہار ایسے ہی شروع نماز کے وقت ایک جز کا اقرار زبان سے ہے دوسری جز کا اظہارِ عمل سے۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراض و جواب میں

غیر مقلدین کے پاس اس مسئلہ پہ دو اعتراض ہیں جو ہر جگہ پیش کرتے ہیں۔

(۱) مسلم و بخاری نے حضرت ابو حمید ساعدی سے ایک طویل حدیث نقل کی جس میں الفاظ یہ ہیں

اِذَا کَبَّرَ جَعَلَ یَدَیْہِ حَذَاءَ مَنْکِبَیْہِ	حضور جب تکبیر فرماتے تو اپنے ہاتھ شریف کندھوں کے مقابل کرتے تھے

انہی مسلم و بخاری نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ الفاظ نقل کیئے

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَرْفَعُ یَدَیْہِ حَذْوَ مَنْکِبَیْہِ۔	نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھ مبارک اپنے کندھوں کے مقابل کرتے تھے۔

یہ حدیث بہت اسنادوں سے مروی ہے معلوم ہوا کہ کندھوں تک ہاتھ اٹھانا سنت ہے اور کانوں تک ہاتھ اٹھانا خلاف سنت۔

جواب ۔ یہ احادیث حنفیوں کے بالکل خلاف نہیں کیونکہ کانوں سے انگوٹھے لگنے میں ہاتھ کندھوں تک ہو جاویں گے۔ اور دونوں حدیثوں پر عمل ہو جاوے گا۔ لیکن کاندھوں تک انگوٹھے لگانے میں ان احادیث پر عمل نہ ہو سکے گا۔ جن میں کانوں تک کا ذکر ہے۔ حنفی مذہب دونوں قسم کی حدیثوں پر عمل کرتا ہے۔ وہابی مذہب ایک قسم کی حدیثیں چھوڑ دیتا ہے۔ لہٰذا حنفی جامع ہیں۔

بلکہ حدیث نمبر ۸ میں اس کی تصریح گزر گئی۔ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھ شریف ایسے اٹھاتے تھے کہ ہاتھ تو کاندھوں تک ہوتے تھے اور انگوٹھے کانوں تک لہٰذا نہ احادیث متعارض ہیں نہ ان دونوں حدیثوں کا جمع کرنا مشکل صرف تمہاری سمجھ میں پھیر ہے۔

سارے غیر مقلدوں کو عام اعلان ہے کہ کوئی مرفوع حدیث ایسی دکھاؤ جس میں یہ ہو کہ حضور اپنے انگوٹھے کاندھوں تک اٹھاتے تھے۔ جہاں کاندھوں کا ذکر ہے وہاں ہاتھ ارشاد ہوا اور جہاں کانوں کا ذکر ہے وہاں انگوٹھا فرمایا گیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ کاندھوں تک ہاتھ اسی

طرح اٹھتے تھے کہ انگوٹھے کانوں تک پہنچ جاتے تھے۔

اعتراض نمبر ۲ - کانوں کی جتنی احادیث آپ نے پیش کیں۔ وہ سب ضعیف ہیں۔ لہٰذا قابل عمل نہیں۔

جواب - اس کے چند جواب ہیں۔ ایک[۱] یہ کہ وہابی غیر مقلد اپنی عادت سے مجبور ہیں کہ اپنے مخالف حدیثوں کو بلا وجہ ضعیف کہہ دیتے ہیں۔ دوسرے[۲] یہ کہ ہم نے اسی سلسلہ میں مسلم و بخاری کی احادیث بھی پیش کی ہیں۔ جن پر تمہارا پختہ ایمان ہے۔ تیسرے[۳] یہ کہ ضعیف حدیث جب کئی اسنادوں سے منقول ہو تو قوی اور حسن بن جاتی ہے۔ کمزور تنکے مل کر مضبوط رسی بن جاتے ہیں۔ تو کمزور اسنادیں متن حدیث کو قوی کیسے نہ کریں گی۔ دیکھو اسی کتاب کا مقدمہ چوتھے[۴] یہ کہ ان احادیث پر امت کے علماء اولیاء صالحین نے عمل کیا ہے۔ امت کے عمل سے ضعیف حدیث قوی ہو جاتی ہے۔ پانچویں[۵] یہ کہ اگر یہ احادیث ضعیف بھی ہوں تب بھی امام اعظم ابوحنیفہ جیسی ہستی کا اسے قبول کرنا ہی قوی بنا دے گا۔ کیونکہ عالم صالح کا قبول کر لینا ضعیف حدیث کو قوی کر دیتا ہے۔ چھٹے[۶] یہ کہ آپ کا ان احادیث کو ضعیف کہہ دینا جرح مجہول ہے جو کسی طرح قابل قبول نہیں کیونکہ اس میں وجہ ضعف نہ بتائی گئی کہ کیوں ضعیف ہے۔ ساتویں[۷] یہ کہ اگر محدثین کو یہ احادیث ضعیف ہو کر ملیں تو امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ پر اس کا اثر نہیں ہو سکتا کیونکہ ان کے وقت میں ضعیف راوی اسنادوں میں شامل ہی نہیں ہوئے تھے۔ بعد کا ضعف پہلے والوں کو مضر نہیں وہابیوں کے اس مایۂ ناز اعتراض کے ٹکڑے اڑ گئے۔ الحمد للہ رب العالمین۔

دوسرا باب

ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا سنت ہے

غیر مقلدین وہابی نماز میں سینے پر یعنی ناف کے اوپر ہاتھ باندھتے ہیں اس لیئے ہم اس باب کی بھی دو فصلیں کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں اپنے دلائل۔ دوسری فصل میں وہابیوں کے اعتراضات و جوابات۔

پہلی فصل

نماز میں مرد کو ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا سنت ہے۔ سینے پر ہاتھ باندھنا سنت کے خلاف ہے۔ اس کے متعلق بہت سی احادیث وارد ہیں ہم صرف چند حدیثیں پیش کرتے ہیں۔

حدیث نمبر ۱۔ عَنْ وَائِلِ ابْنِ حُجْرٍ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَضَعَ يَمِيْنَهٗ عَلٰى شِمَالِهٖ تَحْتَ السُّرَّةِ رَوَاهُ ابْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ بِمُسْنَدٍ صَحِيْحٍ وَرِجَالُهٗ ثِقَاتٌ۔

حضرت وائل ابن حجر سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھا ناف کے نیچے یہ حدیث ابن ابی شیبہ نے صحیح اسناد سے نقل کی۔ اس کے سب راوی ثقہ ہیں۔

حدیث نمبر ۲۔ ابن شاہین نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ ثَلٰثٌ مِّنْ اَخْلَاقِ النُّبُوَّةِ تَعْجِيْلُ الْاِفْطَارِ وَتَاْخِيْرُ السُّحُوْرِ وَوَضْعُ الْكَفِّ عَلَى الْكَفِّ تَحْتَ السُّرَّةِ۔

تین چیزیں نبوت کی عادات سے ہیں۔ افطار میں جلدی کرنا۔ سحری دیر کرنا۔ نماز میں داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھنا۔

حدیث نمبر ۳۔ ابوداؤد شریف نسخہ ابن اعرابی میں حضرت ابووائل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

قَالَ اَبُوْ وَائِلٍ اَخْذُ الْكَفِّ عَلَى الْكَفِّ فِي الصَّلٰوةِ تَحْتَ السُّرَّةِ

ابووائل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نماز میں ناف کے نیچے ہاتھ پر ہاتھ رکھنا چاہیئے

حدیث نمبر ۴، ۵۔ دارقطنی اور عبداللہ ابن احمد نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

اِنَّ مِنَ السُّنَّةِ فِي الصَّلٰوةِ وَضْعُ الْكَفِّ وَفِيْ رِوَايَةٍ وَضْعُ الْيَمِيْنِ عَلَى الشِّمَالِ تَحْتَ السُّرَّةِ۔

نماز میں ہاتھ پر ہاتھ رکھنا اور ایک روایت میں ہے داہنا ہاتھ بائیں پر رکھنا ناف کے نیچے سنّت ہے

حدیث نمبر ۶ تا ۹۔ ابوداؤد نسخہ ابن اعرابی۔ احمد۔ دارقطنی اور بیہقی نے حضرت علی رضی اللہ تعالٰے عنہ سے روایت کی۔

اِنَّهٗ قَالَ اَلسُّنَّةُ وَضْعُ الْكَفِّ عَلَى الْكَفِّ

ناف کے نیچے ہاتھ پر ہاتھ رکھنا سنت ہے

تَحْتَ السُّرَّةِ

حدیث نمبر ۱۰ - رزین نے حضرت ابی جحیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

اِنَّ عَلِیًّا قَالَ اَلسُّنَّۃُ وَضْعُ الْکَفِّ فِی الصَّلٰوۃِ وَیَضَعُھُمَا تَحْتَ السُّرَّۃِ۔	نماز میں ہاتھ باندھنا سنت ہے۔ اور دونوں ہاتھ ناف کے نیچے رکھے

حدیث نمبر ۱۱ - امام محمد نے کتاب الآثار شریف میں ابراہیم نخعی سے روایت کی۔

اَنَّہٗ کَانَ یَضَعُ یَدَہُ الْیُمْنٰی عَلٰی یَدِہِ الْیُسْرٰی تَحْتَ السُّرَّۃِ۔	آپ اپنا داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھتے تھے

حدیث نمبر ۱۲ - ابن ابی شیبہ نے حضرت ابراہیم نخعی سے روایت کی۔

قَالَ یَضَعُ یَمِیْنَہٗ عَلٰی شِمَالِہٖ تَحْتَ السُّرَّۃِ۔	آپ نے فرمایا کہ اپنا داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھے۔

حدیث نمبر ۱۳ - ابن حزم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

اَنَّہٗ قَالَ مِنْ اَخْلَاقِ النُّبُوَّۃِ وَضْعُ الْیَمِیْنِ عَلَی الشِّمَالِ تَحْتَ السُّرَّۃِ۔	آپ نے فرمایا داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھنا نبوت کے اخلاق میں سے ہے۔

حدیث نمبر ۱۴ - ابوبکر ابن ابی شیبہ نے حجاج ابن حسان سے روایت کی۔

قَالَ سَمِعْتُ اَبَا مِجْلَزٍ وَسَأَلْتُہٗ قُلْتُہٗ کَیْفَ یَضَعُ قَالَ یَضَعُ بَاطِنَ کَفِّہٖ یَمِیْنِہٖ عَلٰی ظَاھِرِ کَفِّ شِمَالِہٖ وَ یَجْعَلُھُمَا اَسْفَلَ مِنَ السُّرَّۃِ اِسْنَادُہٗ جَیِّدٌ وَرُوَاتُہٗ کُلُّھُمْ ثِقَاتٌ	میں نے ابو مجلز سے پوچھا کہ نماز میں ہاتھ کیسے رکھے آپ نے فرمایا کہ اپنے داہنے ہاتھ کی ہتھیلی بائیں ہاتھ کی پشت پر رکھے ناف کے نیچے اس کی اسناد بہت قوی ہے اور سارے راوی ثقہ ہیں۔

اس کے متعلق اور بہت حدیثیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ صرف چودہ پر قناعت کرتا ہوں۔ اس کی تحقیق دیکھو۔ صحیح البہاری اور فتح القدیر میں۔

عقل بھی چاہتی ہے کہ نماز میں ناف کے نیچے ہاتھ رکھے۔ کیونکہ غلام آقا کے سامنے ایسے ہی کھڑے ہوتے ہیں۔ اس میں انتہائی ادب ہے۔ نماز میں چونکہ بندہ رب کی بارگاہ میں حاضری

دیتا ہے۔ لہٰذا ادب سے کھڑا ہونا چاہیئے۔ غیر مقلد جب نماز میں کھڑے ہوتے ہیں تو پتہ نہیں لگتا کہ مسجد میں کھڑے ہیں یا اکھاڑے میں۔ نیازمندی کے لیے کھڑے ہیں یا کشتی لڑنے خم ٹھونک کر۔

اللہ کے بندو جب رکوع میں ادب کا اظہار سجدہ میں ادب۔ التحیات میں ادب اور نیازمندی کا لحاظ ہے تو قیام میں اکڑ کر خم ٹھونک کر بے ادبی سے پہلوانوں کی طرح کیوں کھڑے ہوتے ہو یہاں بھی ناف کے نیچے ہاتھ باندھکر غلاموں کی طرح کھڑے ہو۔ اللہ تعالیٰ سمجھ نصیب کرے غیر مقلدوں کے پاس ایک مرفوع صحیح حدیث مسلم بخاری کی نہیں۔ جس میں مردوں کو سینے پر ہاتھ رکھنے کا حکم دیا گیا ہو۔

دوسری فصل

اس پر اعتراضات وجوابات میں

اعتراض نمبر ۱۔ ابوداؤد شریف میں ابن جریر ضبی نے اپنے والد سے روایت کی۔

قَالَ رَأَيْتُ عَلِيًّا يُمْسِكُ شِمَالَهُ بِيَمِيْنِهِ عَلَى الرُّسْغِ فَوْقَ السُّرَّةِ۔

میں نے حضرت علی مرتضےٰ کو دیکھا کہ آپ نے بایاں ہاتھ داہنے ہاتھ سے کلائی پر پکڑا ناف کے اوپر

جواب۔ اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ آپ نے ابوداؤد شریف کی یہ حدیث پوری نہیں لکھی۔ اس کے بعد مفصل یہ ہے۔ (نسخہ ابن اعرابی)

قَالَ اَبُوْدَاؤُدَ رُوِيَ عَنْهُ سَعِيْدُ ابْنُ جُبَيْرٍ فَوْقَ السُّرَّةِ وَقَالَ اَبُوْ مِجْلَزٍ تَحْتَ السُّرَّةِ وَرُوِيَ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ وَلَيْسَ بِالْقَوِيِّ۔

ابوداؤد نے فرمایا کہ سعید ابن جبیر سے ناف کے اوپر کی روایت ہے۔ ابومجلز نے ناف کے نیچے کی روایت کی۔ ابی ہریرہ سے بھی یہ روایت ہے مگر یہ کچھ قوی نہیں۔

نوٹ ضروری۔ زیر ناف یا ناف کے اوپر ہاتھ باندھنے کی احادیث مروجہ ابوداؤد کے نسخوں میں نہیں ابن اعرابی والے ابوداؤد کے نسخوں میں موجود ہیں۔ جیسا کہ حاشیہ ابوداؤد میں اس کی تصریح ہے اسی نسخے سے فتح القدیر اور صحیح البہاری نے روایات کیں۔

بہر حال آپ کی پیش کردہ ابوداؤد کی حدیث میں تعارض واقع ہوگیا۔ اور ان تمام متعارضہ روایتوں کو خود ابوداؤد نے ضعیف فرمایا تعجب ہے کہ آپ ابوداؤد کی ضعیف حدیث سے دلیل پکڑتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ جب حدیث میں تعارض ہو تو قیاس سے ترجیح ہوتی ہے۔ قیاس چاہتا ہے کہ زیر ناف والی احادیث قابل عمل ہوں۔ کیونکہ سجدہ۔ رکوع۔ التحیات کی نشست سب میں ادب ملحوظ ہے تو چاہیئے کہ قیام میں بھی ادب ہی کا لحاظ رہے۔ زیر ناف ہاتھ باندھنا ادب ہے سینے پر ہاتھ رکھنا بے ادبی گویا کسی کو کشتی کی دعوت دینا ہے۔ رب کو زور نہ دکھاؤ وہاں زاری کرو۔

اعتراض ۲۔ آپ کی پیش کردہ احادیث ضعیف ہیں اور ضعیف سے دلیل پکڑنا غلط ہے

جواب۔ ضعیف ضعیف کی رٹ لگانا آپ بزرگوں کی پرانی عادت ہے۔ اس کے سات جواب ہم باب اول کی دوسری فصل میں دے چکے ہیں۔ کہ جو روایت چند اسنادوں سے مروی ہو جاوے وہ ضعیف نہیں رہتی۔ ہم نے دس اسنادیں پیش کی ہیں۔ نیز امت کے عمل سے ضعیف حدیث قوی ہو جاتی ہے۔ نیز امام اعظم ابوحنیفہ جیسے جلیل القدر امام کے قبول فرما لینے سے ان کا ضعف جاتا رہا۔ نیز ان میں اگر ضعف ہے تو امام اعظم رضی اللہ عنہ کے بعد پیدا ہوا بعد کا ضعف امام اعظم کو مضر کیوں ہوگا۔ وغیرہ۔

لطیفہ۔ ہم نے چھ رمضان المبارک دوشنبہ کو حافظ الٰہی بخش صاحب ساکنہ جمال پور گجرات کو فخر اہل حدیث مولانا حافظ عنایت اللہ صاحب مقیم گجرات کی خدمت عریضہ دے کر بھیجا۔ جس میں اُن سے درخواست کی کہ براہ مہربانی سینے پر ہاتھ باندھنے کی احادیث مع حوالہ تحریر فرما کر ارسال فرمایئے۔ ہمارا خیال تھا کہ چونکہ حافظ مولانا عنایت اللہ صاحب اہل حدیث کے چوٹی کے مایۂ ناز عالم ہیں وہ ضرور مسلم و بخاری یا صحاح ستہ سے اس کے متعلق بے شمار احادیث نقل فرما کر بھیجیں گے۔ جو آج تک ہم نے دیکھی بھی نہ ہوں گی۔ مگر مولانا موصوف کی طرف سے جو جواب آیا وہ سنیئے اور سر دھنیئے۔ ایک انچ پرچہ پر ایک سطر لکھی تھی۔ جس میں یہ تھا۔

بلوغ المرام صـ ۲۱ عَنْ وَائِلِ ابْنِ حُجْرٍ اَنَّهٗ قَالَ صَلَّیْتُ مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ

وائل ابن حجر سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا میں نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے پیچھے

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلٰى يَدِهِ الْيُسْرٰى عَلٰى صَدْرِهٖ	نماز پڑھی۔ پس آپ نے اپنا داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر اپنے سینہ پر رکھا۔

اور مولانا موصوف نے زبانی یہ ارشاد کہا بھیجا کہ تفسیر قادری اردو میں بھی لکھا ہے کہ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ کے معنی یہ ہیں کہ آپ اپنے رب کے لیے نماز پڑھیں اور نحر یعنی سینے پر نماز میں ہاتھ رکھیں۔

یہ جواب دیکھ کر اور سن کر ہماری حیرت کی انتہا نہ رہی ہمیں صرف یہ افسوس ہے کہ یہ اکابر ہم سے ہر مسئلہ میں مسلم بخاری کی حدیث کا مطالبہ فرماتے ہیں اور صحاح ستہ سے باہر نہیں نکلنے دیتے اور جب اپنی باری آتی ہے تو ایسی روایت پر قناعت فرماتے ہیں۔ جس کا سر نہ پاؤں نہ کوئی اس کی سند نہ کسی مستند کتاب کا حوالہ حافظ الٰہی بخش نے ہمیں بتایا کہ بلوغ المرام کوئی تیس چالیس ورق کا رسالہ ہے۔ جس میں سے یہ حدیث مولوی صاحب نے نقل فرما دی۔ اگر کسی مسئلہ پر ہم ایسے رسالہ سے کوئی حدیث نقل کرتے تو قیامت آجاتی بخاری مسلم کا مطالبہ ہوتا۔

اوّل تو پتہ نہیں کہ یہ حدیث موضوع ہے۔ ضعیف ہے یا کیسی ہے۔ اگر مان لو کہ حدیث صحیح ہے تو حدیث میں بھی ذکر نہیں کہ حضور نے نماز میں سینے پر ہاتھ رکھا بلکہ فوضع کی ف عاطفہ تعقیبیہ سے ظاہراً معلوم ہوتا ہے کہ نماز کے بعد کسی حاجت سے سینہ مبارک پر ہاتھ رکھے۔ رب فرماتا ہے۔

وَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا	جب تم کھانا کھاؤ تو چلے جاؤ۔

اس کا مطلب یہ نہیں کہ کھانے کے دوران میں روٹی ہاتھ میں لئے چلے جاؤ۔ اس صورت میں یہ حدیث ہماری پیش کردہ احادیث کے خلاف نہ ہوگی۔ پھر اس حدیث میں اس کا طریقہ مذکور نہ ہوا کہ آیا عورتوں کی طرح سینے پر ہاتھ رکھے یا پہلوانوں کی طرح لہٰذا حدیث مجمل ہے۔ قابل عمل نہیں آیت کریمہ کے متعلق صرف یہ گزارش ہے۔ کہ وَانْحَرْ کے یہ اچھوتے معنی نہ کسی مرفوع صحیح حدیث میں آئے نہ جمہور مفسرین نے بیان فرمائے۔ سب یہ ہی معنی کرتے ہیں کہ رب تعالےٰ کے لئے نماز پڑھو اور قربانی کرو اور نہ حوالہ کسی بڑی معتبر تفسیر کا دیا۔ تفسیر قادری اردو جلالہ، اگر بالفرض

محال مان لو۔ تو تمام اہل حدیث حضرات کو چاہئیے کہ اب سے نمازیں بجائے سینے کے گلے پر ہاتھ رکھا کریں کیونکہ نحر گلے کے آخری حصے کو کہتے ہیں۔ جو سینے سے متصل اوپر کی جانب ہے قربانی کو نحر اس لئے کہتے ہیں۔ کہ اس میں ذبح کے وقت جانور کا گلا چیرا جاتا ہے۔ نہ کہ سینہ۔ لہٰذا اب ان بزرگوں کو ترقی کر کے سینے سے اوپر گلا پکڑنا چاہئیے

بہرحال ہم کو مولانا موصوف کے اس جواب پر سخت افسوس ہوا۔ اور ہم اس نتیجہ پر پہنچے کہ ان بزرگوں کے پاس سینے پر ہاتھ رکھنے کی کوئی حدیث مسلم بخاری۔ یا صحاح ستہ کی موجود نہیں ان بچاروں کو صحاح ستہ کی حدیث صحیحہ کیا ملتی۔ اس کے بارے میں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے صرف یہ فرمایا۔

وَرَاٰی بَعْضُهُمْ اَنْ یَّضَعَهُمَا فَوْقَ السُّرَّةِ وَرَاٰی بَعْضُهُمْ اَنْ یَّضَعَهُمَا تَحْتَ السُّرَّةِ وَكُلُّ ذٰلِكَ وَاسِعٌ عِنْدَهُمْ	بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ ہاتھ ناف کے اوپر رکھے بعض کی رائے یہ ہے کہ ناف نیچے رکھے ان میں سے ہر ایک جائز ہے ان کے نزدیک

اگر امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کو سینے پر ہاتھ باندھنے کی کوئی حدیث ملتی تو ضرور نقل فرماتے۔ صرف علماء کی رائے کا ذکر نہ فرماتے۔

تیسرا باب

نماز میں بسم اللہ آہستہ پڑھنا

سنت یہ ہے کہ نمازی سورۂ فاتحہ کے اوّل بسم اللہ شریف آہستہ پڑھے۔ الحمد للہ سے قراءۃ شروع کرے۔ مگر غیر مقلد وہابی بسم اللہ بھی اونچی آواز سے پڑھتے ہیں۔ جو بالکل خلاف سنت ہے۔ بسم اللہ آہستہ پڑھنے کے متعلق بہت احادیث شریفہ ہیں جن میں سے یہاں چند پیش کی جاتی ہیں۔ رب تعالیٰ قبول فرمائے۔

حدیث نمبر ۱ تا ۳۔ مسلم و بخاری و امام احمد نے حضرت انس سے روایت کی۔

قَالَ صَلَّيْتُ خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَخَلْفَ اَبِيْ بَكْرٍ وَّعُمَرَ وَعُثْمَانَ فَلَمْ اَسْمَعْ اَحَدًا مِّنْهُمْ يَقْرَأُ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔	میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر صدیق عمر فاروق عثمان غنی رضی اللہ عنہم کے پیچھے نمازیں پڑھیں ان میں سے کسی کو نہ سنا کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھتے ہوں۔

حدیث نمبر ۴۔ مسلم شریف نے حضرت انس سے روایت کی۔

وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَبَا بَكْرٍ وَّعُمَرَ كَانُوْا يَفْتَتِحُوْنَ الصَّلٰوةَ بِالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔	بیشک نبی صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہ الحمد للہ رب العالمین سے قراءۃ شروع فرماتے تھے۔

حدیث نمبر ۵ تا ۷۔ نسائی۔ ابن حبان۔ طحاوی شریف نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ صَلَّيْتُ خَلْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَبِيْ بَكْرٍ وَّعُمَرَ وَعُثْمَانَ فَلَمْ اَسْمَعْ اَحَدًا مِّنْهُمْ يَجْهَرُ بِبِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔	میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر و عمر و عثمان کے پیچھے نمازیں پڑھیں۔ ان حضرات میں سے کسی کو بسم اللہ اونچی آواز سے پڑھتے نہ سنا۔ رضی اللہ عنہم۔

حدیث نمبر ۸ تا ۱۱۔ طبرانی نے معجم کبیر میں ابونعیم نے حلیہ میں ابن خزیمہ اور طحاوی نے حضرت انس سے روایت کی۔

اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَبَا بَكْرٍ وَّعُمَرَ كَانُوْا يُسِرُّوْنَ بِبِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔	بیشک نبی صلے اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر و عمر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم آہستہ پڑھا کرتے تھے۔

حدیث نمبر ۱۲ تا ۱۴۔ ابوداؤد۔ دارمی۔ طحاوی نے حضرت انس سے روایت کی۔

اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَبَا بَكْرٍ وَّعُمَرَ وَعُثْمَانَ كَانُوْا يَسْتَفْتِحُوْنَ الْقِرَاءَةَ بِالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ	بیشک نبی صلے اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم الحمد للہ رب العالمین سے قراءۃ شروع فرماتے تھے۔

حدیث نمبر ۱۵۔ مسلم شریف نے حضرت انس ابن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاَبَا بَکْرٍ وَّعُمَرَ وَعُثْمَانَ کَانُوْا یَسْتَفْتِحُوْنَ الْقِرَاءَۃَ بِالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ لَا یَذْکُرُوْنَ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ فِیْ اَوَّلِ الْقِرَاءَۃِ وَلَا فِیْ اٰخِرِھَا	یقیناً نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم الحمد للہ سے قراءۃ شروع فرماتے تھے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہ قراءۃ کے شروع میں ذکر کرتے تھے نہ قراءۃ کے آخر میں۔

حدیث نمبر ۱۶۔ ابن ابی شیبہ نے سیدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّہٗ کَانَ یُخْفِیْ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ وَالْاِسْتِعَاذَۃَ وَرَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ	عبداللہ ابن مسعود بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور اعوذ باللہ اور ربنا لک الحمد آہستہ پڑھا کرتے تھے۔

حدیث نمبر ۱۷۔ امام محمد نے کتاب الآثار میں حضرت ابراہیم نخعی سے روایت کی۔

قَالَ اَرْبَعٌ یُخْفِیْھِنَّ الْاِمَامُ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ وَسُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَالتَّعَوُّذُ وَاٰمِیْنَ۔	آپ نے فرمایا کہ چار چیزوں کو امام آہستہ پڑھے بسم اللہ۔ سبحانک اللہم۔ اعوذ باللہ اور آمین۔

حدیث نمبر ۱۸ تا ۱۹۔ مسلم ابوداؤد شریف نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی

قَالَتْ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَسْتَفْتِحُ الصَّلٰوۃَ بِالتَّکْبِیْرِ وَالْقِرَاءَۃَ بِالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ	فرماتی ہیں کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نماز تکبیر سے شروع فرماتے تھے۔ اور قراءۃ الحمد للہ سے۔

حدیث نمبر ۲۰۔ عبدالرزاق نے ابوفاختہ سے روایت کی۔

اَنَّ عَلِیًّا کَانَ لَا یَجْھَرُ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ وَکَانَ یَجْھَرُ بِالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ	حضرت علی مرتضٰے بسم اللہ اونچی آواز سے نہ پڑھتے تھے الحمد للہ اونچی آواز سے پڑھتے تھے۔

اس کے متعلق اور بہت سی احادیث پیش کی جا سکتی ہیں۔ مگر ہم یہاں صرف بیس حدیثوں پر کفایت کرتے ہیں۔ اگر شوق ہو تو طحاوی اور صحیح البہاری شریف کا مطالعہ فرمادیں۔

عقل۔ بھی چاہتی ہے کہ بسم اللہ بلند آواز سے نہ پڑھی جاوے۔ کیونکہ سورتوں کے اول میں جو بسم اللہ لکھی ہوئی ہے وہ ان سورتوں کا جز نہیں۔ فقط سورتوں میں فصل کرنے

کے لیئے لکھی گئی۔ اور حدیث شریف میں ارشاد ہوا کہ جو اچھا کام بسم اللہ سے شروع نہ ہو وہ ناقص ہے تو جیسے برکت کے لیئے نمازی قراءۃ سے پہلے اعوذ باللہ پڑھتے ہیں۔ مگر آہستہ کیونکہ اعوذ سورۃ کا جز نہیں۔ ایسے ہی برکت کے لیئے بسم اللہ پڑھے۔ مگر آہستہ کیونکہ یہ بھی ہر سورۃ کا جز نہیں۔ ہاں سورہ نمل شریف میں بسم اللہ الرحمن الرحیم سورۃ جز ہے۔ امام وہاں بلند آواز سے پڑھتا ہے۔ کیونکہ وہ وہاں کی آیت ہے۔ غرضیکہ امام صرف قرآن کریم کو آواز سے پڑھے جو بسم اللہ سورۃ کے اول میں ہے۔ وہ سورہ کا جز نہیں لہٰذا آہستہ پڑھنی چاہیئے۔

دوسری فصل

اس پر اعتراضات و جوابات

اعتراض ۱: چونکہ بسم اللہ الرحمن الرحیم ہر سورۃ کا جز ہے۔ اگر جز نہ ہوتی۔ تو قرآن میں لکھی نہ جاتی۔ قرآن کریم میں صرف آیات قرآنیہ لکھی گئیں۔ غیر قرآن نہ لکھا گیا۔ لہٰذا جیسے اور آیتیں بلند آواز سے پڑھی جاتی ہیں۔ ویسے ہی بسم اللہ بھی اونچی آواز سے پڑھنی چاہیئے

جواب: اس اعتراض کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ بسم اللہ ہر سورۃ کا جزو نہیں کیونکہ ہر سورۃ کے ساتھ نازل نہیں ہوئی۔ چنانچہ شروع بخاری شریف باب کیف کان بدء الوحی میں سب سے پہلی وحی کے متعلق روایت کی ہے۔ کہ جبرئیل امین نے حضور کی خدمت میں عرض کیا اقراء پڑھو حضور نے فرمایا۔ ما انا بقاری میں پڑھنے والا نہیں پھر عرض کیا اقراء حضور نے پھر وہ ہی جواب دیا۔ آخر میں عرض کیا۔ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ الخ غرضیکہ پہلی وحی یہ ہے۔ جس میں بسم اللہ کا ذکر نہیں معلوم ہوا کہ سورتوں کے اول میں بسم اللہ شریف نازل نہیں ہوئی دوسرے یہ کہ اگر بسم اللہ ہر سورۃ کا جزو ہوتی تو سورۃ کے اوپر علیحدہ کر کے لمبے حروف سے نہ لکھی جاتی بلکہ جیسے اور آیتیں ملی ہوئی لکھی گئی ہیں۔ ایسے ہی بسم اللہ تمام آیتوں کے ساتھ لکھی جاتی۔ دیکھو سورۃ نمل شریف میں بسم اللہ سورۃ کا جز ہے تو وہاں علیحدہ امتیازی شکل میں نہ لکھی گئی بلکہ تمام آیات کے ساتھ تحریر ہوئی۔ معلوم ہوا کہ سورتوں کے اول میں بسم اللہ کا امتیازی شکل میں علیحدہ لکھنا فاصلہ کے لیئے ہے۔

اعتراض ۲۔ طحاوی شریف میں حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی

اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یُصَلِّیْ فِیْ بَیْتِہَا فَیَقْرَاءُ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ	نبی صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر میں نماز پڑھتے تھے۔ تو پڑھتے تھے بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمد للہ الخ

معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں بسم اللہ آواز سے پڑھتے تھے۔ ورنہ ام سلمہ کیسے سن لیتیں۔

جواب۔ اس حدیث میں آواز کا ذکر نہیں۔ صرف بسم اللہ پڑھنے کا ذکر ہے۔ ہم بھی کہتے ہیں کہ بسم اللہ پڑھے۔ مگر آہستہ پڑھے ظاہر یہ ہی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس موقع پر آہستہ ہی پڑھتے تھے۔ یہ نماز جو حضور ام سلمہ کے گھر پڑھتے تھے۔ فرض نماز نہ تھی۔ نفل تھی۔ فرض تو مسجد میں جماعت سے پڑھتے تھے۔ نفل میں قراءۃ قرآن آہستہ ہوتی ہے۔ لہٰذا یہاں بسم اللہ بھی آہستہ تھی۔ اور الحمد للہ بھی آہستہ۔ ام سلمہ اس موقعہ پر حضور کے قریب ہوتی تھیں۔ اسی لیئے حضور کی آہستہ آواز شریف سن لیتی تھیں آہستہ قراءۃ میں بھی اتنی آواز چاہیئے کہ برابر والا سن لے ورنہ وہ قراءۃ نہ ہوگی تفکر ہوگا لہٰذا اس حدیث سے آپ کا مدعی ثابت نہیں۔

اعتراض ۳۔ ترمذی شریف میں عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَفْتَتِحُ صَلٰوتَہٗ بِبِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ	حضور صلے اللہ علیہ وسلم اپنی نماز بسم اللہ الرحمن الرحیم سے شروع فرماتے تھے۔

جواب۔ اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ افسوس ہے آپ نے ترمذی کا یہ مقام آگے نہ دیکھا فرماتے ہیں۔

من احدیث لیس اسنادہ بذاک	یہ ایسی حدیث ہے جس کی اسناد کچھ بھی نہیں۔

افسوس ہے کہ ہماری پیش کردہ حدیثوں کو بلاوجہ ضعیف کرکے رد کرتے ہو اور خود ایسی حدیث پیش کررہے ہو۔ جس کا سرانہ پتہ دوسرے یہ کہ اگر اس حدیث کو صحیح مان بھی لو تو بھی اس میں بسم اللہ بلند آواز سے پڑھنے کا ذکر نہیں۔ صرف یہ ہے کہ نماز بسم اللہ سے شروع فرماتے تھے۔ ہم بھی کہتے ہیں کہ بسم اللہ پڑھنی چاہیئے۔ مگر آہستہ تیسرے یہ کہ ہوسکتا ہے کہ تکبیر تحریمہ سے پہلے بسم اللہ پڑھتے ہوں کیونکہ صلوٰتہ فرمایا نہ کہ قراءۃ

اعتراض ۵۔ طحاوی شریف نے حضرت عبد الرحمن ابن ابزیٰ سے روایت کی

صَلَّیْتُ خَلْفَ عُمَرَ فَجَهَرَ بِبِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ وَکَانَ یَجْهَرُ اَبِیْ بِبِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی آپ نے بسم اللہ الرحمن الرحیم بلند آواز سے پڑھی میرے والد بھی بلند آواز سے پڑھتے تھے معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بسم اللہ بلند آواز سے پڑھتے تھے۔

جواب۔ اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ حدیث تمام ان مشہور احادیث کے خلاف ہے جو ہم پہلے فصل میں ذکر کر چکے ہیں۔ جن میں بخاری مسلم وغیرہ کی احادیث ہیں۔ جن سے بہت قوت سے ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت خلفاء راشدین الحمد للہ سے قراءۃ شروع کرتے تھے۔ بسم اللہ آہستہ پڑھتے تھے۔ لہٰذا یہ حدیث شاذ ہے اور احادیث مشہورہ کے مقابل حدیث شاذ قابل عمل نہیں ہوتی۔ دوسرے یہ کہ اس حدیث میں اس کی تصریح نہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نماز کے اندر سبحان پڑھنے کے بعد الحمد سے پہلے بسم اللہ اونچی آواز سے پڑھتے تھے اس کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نماز ختم فرما کر دعا سے پہلے برکت کے لیئے بسم اللہ شریف پڑھتے تھے۔ پھر دعا فرماتے تھے اس صورت میں یہ حدیث ہماری پیش کردہ احادیث کے خلاف نہیں جہاں تک ہو سکے احادیث میں مطابقت کرنی چاہیئے۔ تیسرے یہ کہ سورۃ سے پہلے بسم اللہ کا اونچی آواز سے پڑھنا اس لیے ہے کہ بسم اللہ ہر سورت کا جز ہے اور سورۃ کا جز ہونا قطعی یقینی حدیث سے ہو سکتا ہے نہ کہ حدیث واحد سے۔ آپ کی پیش کردہ حدیث خبر واحد ہے جو یہ ثابت کرنے کے لیئے کافی نہیں افسوس یہ ہے کہ ہم آہستہ بسم اللہ کے لیئے بخاری و مسلم کی روایات پیش کریں۔ اور آپ اس کے مقابل طحاوی شریف کی آڑ لیں۔ حالانکہ طحاوی شریف پر آپ کا اعتماد نہیں۔

چوتھا باب

امام کے پیچھے مقتدی قراءت نہ کرے

امام کے پیچھے مقتدی کو قرآن شریف پڑھنا سخت منع ہے مگر غیر مقلد وہابی مقتدی پر سورہ فاتحہ پڑھنا فرض جانتے ہیں۔ اس ممانعت پر قرآن کریم احادیث شریفہ۔ اقوال صحابہ کبار عقلی دلائل بے شمار ہیں لہذا ہم اس باب کی دو فصلیں کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں اس ممانعت کا ثبوت اور دوسری فصل میں اس پر سوالات مع جوابات رب تعالےٰ قبول فرماوے۔

پہلی فصل

امام کے پیچھے مقتدی کو قرآن کی تلاوت کرنا منع ہے۔ خاموش رہنا ضروری ہے دلائل ملاحظہ ہوں قرآن شریف فرماتا ہے۔

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۔ — اور جب قرآن شریف پڑھا جاوے تو اسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو تاکہ رحم کیے جاؤ

خیال رہے کہ شروع اسلام میں نماز میں دنیاوی بات چیت بھی جائز تھی اور مقتدی قراءت بھی کرتے تھے۔ بات چیت تو اس آیت سے منسوخ ہوئی۔

وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِیْنَ — اور کھڑے ہو اللہ کیلئے اطاعت کرتے ہوئے (خاموش)

چنانچہ مسلم نے باب تحریم الکلام فی الصلوٰۃ اور بخاری نے باب ما ینہی من الکلام فی الصلوٰۃ میں حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ كُنَّا نَتَكَلَّمُ فِي الصَّلٰوةِ يُكَلِّمُ الرَّجُلُ صَاحِبَهٗ وَهُوَ اِلٰى جَنْبِهٖ فِي الصَّلٰوةِ حَتّٰى نَزَلَتْ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ فَاُمِرْنَا بِالسُّكُوْتِ — ہم لوگ نماز میں باتیں کرلیا کرتے تھے ہر ایک اپنے ساتھی سے نماز کی حالت میں گفتگو کرلیتا تھا۔ یہاں تک کہ یہ آیت اتری وقوموا للہ الخ پس

وَنُهِيْنَا عَنِ الْكَلَامِ (لفظ مسلم) | ہم کو حکم دیا گیا خاموش رہنے کا اور کلام سے منع فرما دیا گیا۔

پھر نماز میں کلام تو منع ہو گیا۔ مگر تلاوت قرآن مقتدی کرتے رہے۔ جب یہ آیت اتری۔ تو مقتدی کو تلاوت بھی ممنوع ہو گئی۔

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا الخ | جب قرآن پڑھا جاوے تو غور سے سنو اور چپ رہو۔ چنانچہ تفسیر مدارک شریف میں اسی آیت واذا قرا کی تفسیر میں ہے۔

وَجُمْهُوْرُ الصَّحَابَةِ عَلٰى اَنَّهٗ فِى اسْتِمَاعِ الْمُؤْتَمِّ۔ | عام صحابہ کرام کا فرمان یہ ہے کہ یہ آیت مقتدی کے قراءۃ امام سننے کے متعلق ہے۔

تفسیر خازن میں اسی آیت واذا قرئ کی تفسیر میں ایک روایت یہ نقل فرمائی۔

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّهٗ سَمِعَ نَاسًا يَقْرَءُوْنَ مَعَ الْاِمَامِ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ اَمَا اٰنَ لَكُمْ اَنْ تَفْقَهُوْا اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ۔ | حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بعض لوگوں کو امام کے ساتھ قرآن پڑھتے سنا۔ جب فارغ ہوئے تو فرمایا کہ کیا ابھی تک یہ وقت نہ آیا کہ تم اس آیت کو سمجھو واذا قرئ القرآن الخ

تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس شریف میں اسی آیت کی تفسیر میں ہے۔

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فِى الصَّلٰوةِ الْمَكْتُوْبَةِ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ اِلٰى قِرَاءَتِهٖ وَاَنْصِتُوْا لِقِرَاءَتِهٖ | جب فرض نماز میں قرآن پڑھا جائے تو اس کی قراءت کو کان لگا کر سنو اور قرآن پڑھے جانے وقت خاموش رہو۔

ہماری اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ اول اسلام میں امام کے پیچھے مقتدی قراءت کرتے تھے اس آیت مذکورہ کے نزول کے بعد امام کے پیچھے قراءۃ منسوخ ہو گئی اب احادیث ملاحظہ ہوں۔

حدیث نمبر ١:۔ مسلم شریف باب سجود التلاوۃ میں عطاء ابن یسار سے مروی ہے۔

اَنَّهٗ سَاَلَ زَيْدَ ابْنَ ثَابِتٍ عَنِ الْقِرَاءَةِ مَعَ الْاِمَامِ فَقَالَ لَا قِرَاءَةَ مَعَ الْاِمَامِ فِىْ شَىْءٍ | انہوں نے حضرت زید ابن ثابت رضی اللہ عنہ صحابی سے امام کے ساتھ قراءۃ کرنے کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ امام کے ساتھ بالکل قراءۃ جائز نہیں۔

حدیث نمبر ۲۔ مسلم شریف باب التشہد میں ہے۔

فَقَالَ لَهُ اَبُوْ بَكْرٍ فَحَدِيْثُ اَبِيْ هُرَيْرَةَ فَقَالَ هُوَ صَحِيْحٌ يَعْنِيْ وَاِذَا قَرَءَ فَاَنْصِتُوْا۔	ابوبکر نے سلمان سے پوچھا کہ ابوہریرہ کی حدیث کیسی ہے تو آپ نے فرمایا کہ بالکل صحیح ہے یعنی یہ حدیث کہ جب امام قراءت کرے تو تم خاموش رہو بالکل صحیح ہے۔

حدیث نمبر ۳۔ ترمذی شریف نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

مَنْ صَلّٰى رَكْعَةً لَمْ يَقْرَأْ فِيْهَا بِاُمِّ الْقُرْاٰنِ فَلَمْ يُصَلِّ اِلَّا اَنْ يَكُوْنَ وَرَاءَ الْاِمَامِ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ۔	جو کوئی نماز پڑھے اس میں سورہ فاتحہ نہ پڑھے اس نے نماز ہی نہ پڑھی مگر یہ کہ امام کے پیچھے ہو (یعنی تب نہ پڑھے) یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

حدیث نمبر ۴۔ نسائی شریف میں حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا جُعِلَ الْاِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهٖ فَاِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوْا وَاِذَا قَرَاَ فَاَنْصِتُوْا۔	حضور نے فرمایا کہ امام اس لئے مقرر کیا گیا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے تو جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ قراءت کرے تو تم خاموش رہو

ہم حدیث نمبر ۲ میں مسلم شریف کے حوالہ سے بیان کر چکے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ کی یہ حدیث صحیح ہے۔

حدیث نمبر ۵۔ طحاوی شریف نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ كَانَ لَهٗ اِمَامٌ فَقِرَاءَةُ الْاِمَامِ لَهٗ قِرَاءَةٌ۔	جس کا کوئی امام ہو تو امام کی تلاوت اس کی تلاوت ہے۔

حدیث نمبر ۶ تا ۱۰۔ امام محمد نے موطا شریف میں امام ابوحنیفہ عن موسےٰ ابن ابی عائشہ عن عبداللہ ابن شداد عن جابر ابن عبداللہ سے روایت کی ہے

اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ كَانَ لَهٗ اِمَامٌ فَقِرَاءَةُ الْاِمَامِ لَهٗ	حضور نے فرمایا کہ جس کا امام ہو تو امام کی تلاوت اوس کی تلاوت ہے محمد ابن منیع اور امام

قِرَاءَةٌ قَالَ مُحَمَّدُ ابْنُ مَنِيعٍ وَابْنُ الْهُمَامِ هٰذَا الْإِسْنَادُ صَحِيحٌ عَلٰى شَرْطِ الشَّيْخَيْنِ

ابن ہمام نے فرمایا کہ یہ اسناد صحیح ہے۔ اور مسلم بخاری کی شرط پر ہے۔

یہ حدیث امام احمد۔ ابن ماجہ۔ دار قطنی۔ بیہقی نے بھی روایت کی (صحیح البہاری)

حدیث نمبر ۱۱۔ طحاوی شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ اَقْبَلَ بِوَجْهِهٖ فَقَالَ اَتَقْرَءُوْنَ وَالْاِمَامُ يَقْرَاُ فَسَكَتُوْا فَسَاَلَهُمْ ثَلٰثًا فَقَالُوْا اِنَّا لَنَفْعَلُ قَالَ فَلَا تَفْعَلُوْا۔

حضرت انس فرماتے ہیں کہ ایک بار حضور نے نماز پڑھائی پھر صحابہ پر متوجہ ہوئے۔ اور فرمایا کہ کیا امام کی قراءۃ کی حالت میں تم تلاوت کرتے ہو۔ صحابہ خاموش رہے حضور نے تین بار یہ سوال فرمایا تو صحابہ نے عرض کیا ہاں فرمایا آیندہ ایسا نہ کرنا۔

حدیث نمبر ۱۲۔ طحاوی شریف نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

مَنْ قَرَاَ خَلْفَ الْاِمَامِ فَلَيْسَ عَلَى فِطْرَةٍ

جو امام کے پیچھے تلاوت کرے وہ دین فطرت پر نہیں

حدیث نمبر ۱۳۔ دار قطنی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

اَنَّهٗ قَالَ قَالَ رَجُلٌ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَقْرَاُ خَلْفَ الْاِمَامِ اَوْ اُنْصِتُ قَالَ بَلْ اَنْصِتْ فَاِنَّهٗ يَكْفِيْكَ۔

ایک شخص نے حضور سے سوال کیا کہ میں امام کے پیچھے تلاوت کروں یا خاموش رہوں فرمایا خاموش رہو۔ امام تیرے لئے کافی ہے۔

حدیث نمبر ۱۴۔ دار قطنی نے حضرت شعبی سے روایت کی۔

اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا قِرَاءَةَ خَلْفَ الْاِمَامِ

حضور نے فرمایا کہ امام کے پیچھے تلاوت جائز نہیں

حدیث نمبر ۱۵۔ بیہقی نے قراءۃ کی بحث میں حضرت ابو ہریرہ سے روایت کی۔

اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كُلُّ صَلٰوةٍ لَا يُقْرَاُ فِيْهَا بِاُمِّ الْكِتَابِ فَهِيَ خِدَاجٌ اِلَّا صَلٰوةً خَلْفَ الْاِمَامِ

انہوں نے حضور سے روایت کی کہ آپ نے فرمایا جس نماز میں سورہ فاتحہ نہ پڑھی جاوے وہ ناقص ہے سواء اوس نماز کے جو امام کے پیچھے ہو۔

حدیث نمبر ۱۶ اور ۱۷۔ امام محمد نے مؤطا میں عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ لَيْتَ فِي فَمِ الَّذِي يَقْرَأُ خَلْفَ الْإِمَامِ حَجَرًا۔ | جو امام کے پیچھے تلاوت کرے کاش اس کے منہ میں پتھر ہو۔

حدیث نمبر ۱۸ تا ۲۴۔ امام طحاوی نے حضرت عبداللہ ابن مسعود۔ زید ابن ثابت عبداللہ ابن عمر۔ عبداللہ ابن عباس۔ جابر ابن عبداللہ۔ حضرت علقمہ۔ حضرت علی مرتضیٰ۔ حضرت عمر وغیرہم صحابہ کرام سے مکمل اسنادوں سے روایات پیش کیں کہ یہ تمام حضرات امام کے پیچھے قرأت کے سخت خلاف تھے ان میں سے کوئی صاحب فرماتے ہیں کہ جو امام کے پیچھے تلاوت کرے اس کے منہ میں آگ ہو۔ کوئی فرماتے ہیں اس کے منہ میں پتھر ہو کوئی فرماتے ہیں وہ فطرت کے خلاف ہے اگر ہم کو اس رسالہ کے بڑھ جانے کا اندیشہ نہ ہوتا تو وہ تمام روایات یہاں نقل کرتے ان کے علاوہ قراءۃ خلف الامام کے خلاف بہت زیادہ احادیث ہیں جن میں سے ہم نے صرف ۲۴ پر کفایت کی اگر کسی کو اُن کے مطالعہ کا شوق ہو تو طحاوی شریف۔ مؤطا امام محمد صحیح البہاری۔ ہمارا حاشیہ بخاری نعیم البہاری وغیرہ کتب کا مطالعہ کرے۔

عقل بھی چاہتی ہے کہ مقتدی امام کے پیچھے تلاوت نہ کرے چند وجوہ سے۔

(۱) نماز میں جیسے سورۃ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے۔ ایسے ہی سورۃ ملانی بھی ضروری ہے مسلم شریف میں ہے۔

لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَأْ بِاُمِّ الْقُرْاٰنِ فَصَاعِدًا۔ | اس کی نماز نہیں ہوتی جو سورۃ فاتحہ اور کچھ اور نہ پڑھے۔

غیر مقلدین بھی مانتے ہیں کہ مقتدی امام کے پیچھے سورۃ نہ پڑھے تو چاہیئے کہ سورۃ فاتحہ بھی نہ پڑھے کہ جیسے سورۃ میں امام کی قراءت کافی ہے۔ ایسے ہی سورہ فاتحہ میں بھی کافی ہے

(۲) جو کوئی رکوع میں امام کے ساتھ مل جاوے اُسے رکعت مل جاتی ہے۔ اگر مقتدی پر سورۃ فاتحہ پڑھنی لازم ہوتی تو اُسے رکعت نہ ملنی چاہیئے تھی۔ دیکھو اگر یہ شخص تکبیر تحریمہ نہ کہے یا تکبیر تحریمہ کے ساتھ ایک تسبیح کے بقدر قیام نہ کرے بلکہ سیدھا رکوع میں چلا جاوے

تو اسے رکعت نہ ملے گی کیونکہ تکبیر تحریمہ اور قیام مقتدی پر فرض ہے تو ایسے ہی اگر اس پر سورۃ فاتحہ فرض ہوتی تو اس کے بغیر رکعت نہ ملتی۔ معلوم ہوا کہ امام کی قراءۃ اس کے لیے کافی ہے۔ جب اس مقتدی کیلئے قراءۃ ساقط ہوگئی تو چاہیئے کہ دوسرے مقتدیوں سے بھی ساقط ہو

(۳) اگر مقتدی پر قراءۃ فاتحہ بھی ہو اور آمین بھی تو بتاؤ کہ اگر امام مقتدی سے پہلے سورہ فاتحہ سے فارغ ہو جاوے تو یہ مقتدی جو ابھی فاتحہ کے بیچ میں ہے آمین کہے یا نہ کہے تو اپنی فاتحہ ختم کرکے بھی آمین کہے یا نہ کہے جو بھی جواب دو حدیث دکھا کر دو۔ نہ دو آمین جائز ہیں۔ نہ فاتحہ کے بیچ میں آمین درست ہے

(۴) اگر مقتدی فاتحہ کے بیچ میں ہو اور امام رکوع میں چلا جاوے تو بتاؤ یہ مقتدی آدھی فاتحہ چھوڑ دے یا رکوع چھوڑ دے۔ جو بھی جواب دو حدیث دکھاؤ اپنی عقل و قیاس سے جواب نہ دینا۔ مشرق و مغرب کے علماء اہلحدیث کو اعلان عام ہے کہ ان سوالات ۱-۲-۳-۴ کے جوابات تمام حضرات مل کر مشورہ کرکے دیں۔ مگر شرط یہ ہے کہ حدیث صریح سے دیں محض اپنی رائے شریف سے نہ دیں۔ انشاءاللہ نہ دے سکینگے تو چاہیئے کہ ضد چھوڑیں اور احناف کی طرح حکم قرآن و حدیث پر عمل کریں کہ امام کے پیچھے قراءت نہ کیا کریں۔

(۵) شاہی دربار میں جب کوئی وفد جاتا ہے تو دربار کے آداب سب بجا لاتے ہیں۔ مگر عرض و معروض سب نہ کریں گے جو نمائندہ ہوگیا وہ ہی کرے گا۔ ایسے ہی باجماعت نمازی رب کی بارگاہ میں وفد کی شکل میں حاضر ہوتے ہیں تو تکبیر۔ تسبیح۔ تشہد وغیرہ سب پڑھیں کہ یہ اس دربار کا سلامی مجرا ہے سب ادا کریں۔ مگر تلاوت قرآن جو عرض و معروض ہے۔ صرف قوم کا نمائندہ کرے یعنی امام۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر سوالات و جوابات

اس مسئلہ پر غیر مقلدین اب تک جس قدر اعتراضات کر سکے ہیں ہم بفضلہ تعالیٰ ہر ایک نقل کرکے سب کے جوابات علیحدہ علیحدہ دیتے ہیں اور جس سلیقے سے ان کے سوالات ہم نقل

کر رہے ہیں۔ انشاءاللہ اس طریقہ سے وہ بھی نہ کرسکیں گے رب تعالیٰ قبول فرماوے۔

اعتراض نمبر ۱۔ آیۃ کریمہ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ میں قرآن سے مراد جمعہ کا خطبہ ہے۔ نہ کہ مقتدی کی نماز جیساکہ بعض مفسرین نے اسی آیت کے ماتحت فرمایا۔ لہٰذا خطبہ جمعہ کے وقت خاموشی ضروری ہے مگر مقتدی کا سورۂ فاتحہ پڑھنا منع نہیں۔

جواب۔ یہ غلط ہے کیونکہ یہ آیت کریمہ مکیہ ہے۔ سورہ اعراف کی آیت ہے اور جمعہ کی نماز و خطبہ مدینہ منورہ میں بعد ہجرت شروع ہوئے پھر اس آیت میں خطبہ مراد کیسے ہوسکتا ہے۔ دوسرے یہ کہ اگر بفرض محال مان لو تب بھی چونکہ آیت میں خطبہ کی قید نہیں صرف قراءۃ قرآن کا ذکر ہے۔ لہٰذا یہ حکم سب کو شامل ہے۔ کیونکہ آیت کے عموم کا لحاظ ہوتا ہے نہ کہ شان نزول کی خصوصیت کا۔ تیسرے یہ کہ جب خطبہ میں لوگوں کو بولنا حرام ہے حالانکہ سارا خطبہ قرآن نہیں بلکہ اس میں ایک دو آیات قرآن کی پڑھی جاتی ہیں۔ تو امام کے پیچھے۔ جبکہ سارا قرآن ہی پڑھا جا رہا ہے۔ خاموشی کیوں ضروری نہ ہوگی۔ تعجب ہے کہ آپ خطبۂ جمعہ میں تو خاموشی ضروری کہتے ہیں۔ اور امام کے پیچھے نہیں۔

اعتراض نمبر ۲۔ آیت کریمہ وَاِذَا قُرِئَ میں مشرکین مکہ سے خطاب ہے جو حضور کی تلاوت کے وقت شور مچاتے تھے اور آیت کا منشا یہ ہے کہ قرآن پڑھتے وقت دنیاوی باتیں کرکے شور نہ کیا کرو لہٰذا سورہ فاتحہ پڑھنا اس میں داخل نہیں۔

جواب۔ یہ بھی غلط ہے۔ آیت میں خطاب صرف مسلمانوں سے ہے۔ کیونکہ کفار پر کوئی عبادت واجب نہیں۔ جب تک کہ ایمان نہ لائیں۔ قرآن سننا بھی عبادت ہے یہ ان پر بغیر ایمان لائے کیسے واجب ہوگی۔ دوسرے یہ کہ آیت کریمہ کے آخر میں ہے۔ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ تاکہ تم پر رحمت کی جاوے۔ قرآن سننے سے رحمت صرف مسلمانوں پر آتی ہے۔ کافر ایمان کے بغیر کوئی بھی نیکی کرے۔ رحمت کا مستحق نہیں رب فرماتا ہے

مِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً	یعنی بعض کفار آپ کی طرف کان لگاتے ہیں۔ ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے

دیکھو کفار کا کان لگانا مفید نہ ہوا۔ اور فرماتا ہے۔

وَقَدِمْنَا اِلٰی مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا

اور جو کچھ انہوں نے کام کیئے تھے۔ ہم نے قصد فرماکر انہیں باریک غبار کے ریزوں کی طرح بنا دیا۔

اگر کافر سارا قرآن حفظ بھی کرے اور روزانہ تلاوت بھی کیا کرے۔ تب بھی ثواب کا مستحق نہیں بغیر وضو نماز درست نہیں۔ بغیر ایمان کوئی عبادت قبول نہیں۔ دوسرے یہ کہ قرآن کریم میں ارشاد ہُوا۔ وانصتو خاموش رہو۔ خاموشی کے معنی یہ ہیں کہ نہ بات کرو نہ کچھ پڑھو اگر سورۃ فاتحہ پڑھتے رہے تو خاموشی کہاں ہوئی غرضیکہ یہ آیت نہ تو کفار کے حق میں نازل ہوئی نہ خطبہ جمعہ کے لیئے نمازیوں کو امام کے پیچھے قراءۃ سے روکنے کے لیئے نازل ہوئی چنانچہ بیہقی شریف میں حضرت مجاہد سے روایت ہے۔

قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَاُ فِي الصَّلٰوةِ فَسَمِعَ قِرَاءَةَ فَتًى مِّنَ الْاَنْصَارِ فَنَزَلَ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ الخ (بیہقی)

حضور صلے اللہ علیہ وسلم نماز میں قراءۃ فرما رہے تھے کہ آپ نے ایک انصاری جوان کی قراءت سُنی۔ تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی واذا قرئ۔

ابن مردویہ نے اپنی تفسیر میں اسناد کے ساتھ معاویہ ابن قرۃ سے روایت کی کہ انہوں نے حضرت عبداللہ ابن مغفل صحابی رسول سے اس آیت کے نزول کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے جواب دیا۔

قَالَ اِنَّمَا نَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ الخ فِي الْقِرَاءَةِ خَلْفَ الْاِمَامِ اِذَا قَرَاَ الْاِمَامُ فَاسْتَمِعْ لَهٗ وَاَنْصِتْ (بیہقی)

یہ آیت واذا قرئ الخ امام کے پیچھے قراءۃ کرنے کے متعلق نازل ہوئی لہذا جب امام قراءت کرے تو تم کان لگاکر سنو اور خاموش رہو۔

اعتراض نمبر ۳۔ اگر تلاوت قرآن کے وقت سب کو خاموش رہنے کا حکم ہو تو مصیبت آجاوے گی۔ آج ریڈیو پر تلاوت قرآن ہوتی ہے جو تمام ملک میں سنی جاتی ہے۔ تو سب کو کاروبار کلام سلام حرام ہو جاوے گا۔ امام تراویح پڑھا رہا ہے ایک آدمی آیا جس نے ابھی فرض نہیں پڑھے وہ اُس ہی مسجد میں فرض عشا پڑھتا ہے۔ جہاں قراءۃ کی آواز آرہی ہے۔ یہ بھی

حرام ہوگا۔ غرضیکہ یہ معنی امت کے لیئے سخت تکلیف کا باعث ہیں (موجودہ وہابی)

جواب ۔ ساری امت کا اجماع ہے کہ تلاوت قرآن سننا فرض کفایہ ہے نہ کہ فرض عین اگر ساری کی قراءت ایک مسلمان بھی سن رہا ہے تو کافی ہے جیسے نماز جنازہ کہ اگرچہ سب پر فرض ہے مگر ایک کے ادا کرنے سے سب بری الذمہ ہو گئے امام کے پیچھے سب مقتدی ایک شخص کے حکم میں ہیں۔ جیسے نماز جنازہ کی جماعت۔ لہذا مقتدیوں میں سے تو کوئی کلام سلام تلاوت نہیں کر سکتا۔ غیر مقتدی کے لیئے ان مقتدیوں کا سن لینا کافی ہے۔ ہاں اگر سب لوگ کاروبار میں لگے ہوں کوئی نہ سن رہا ہو تو بلند آواز سے تلاوت منع ہے۔ ایسے ہی ایک مجلس میں چند لوگوں کا بلند آواز سے قرآن کریم پڑھنا منع ہے یا تو ایک تلاوت کرے باقی سنیں یا سب خاموشی سے پڑھیں۔ اس کی تحقیق شامی وغیرہ کتب فقہ میں دیکھو۔ لہذا نہ کوئی آفت ہے نہ مصیبت

اعتراض نمبر ۴ ۔ اس سے لازم آتا ہے کہ مکتب میں چند بچے ایک ساتھ قرآن شریف بلند آواز سے یاد نہیں کر سکتے پھر بھی مصیبت ہی رہی۔

جواب ۔ وہاں تعلیم قرآن ہے۔ تلاوت قرآن نہیں۔ تلاوت کا سننا فرض ہے نہ کہ تعلیم قرآن اس لیئے رب نے اِذَا قُرِئَ فرمایا اِذَا تَعَلَّمَ نہ فرمایا۔ دیکھو رب فرماتا ہے۔

وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ | جب تم قرآن پڑھو تو اعوذ باللہ پڑھ لیا کرو

تلاوت قرآن پر اعوذ پڑھنا چاہیئے۔ مگر جب شاگرد استاد کو قرآن سنائے تو اعوذ نہ پڑھے کہ یہ تلاوت قرآن نہیں تعلیم قرآن ہے (شامی وغیرہ)، ایسے ہی قرآن کریم خلاف ترتیب چھاپنا منع ہے۔ ترتیل و ترتیب چاہیئے۔ مگر بچوں کی تعلیم کے لیئے آخری پارہ الٹا چھاپتے بھی ہیں اور انہیں الٹا پڑھاتے بھی ہیں تعلیم و قراءۃ کے احکام میں فرق ہوتا ہے قرآن نے بھی تلاوت و تعلیم میں فرق کیا رب فرماتا ہے۔ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ الخ وہ نبی مسلمانوں پر آیتیں تلاوت کرتے ہیں اور انہیں پاک کرتے ہیں۔ اور انہیں قرآن و حکمت سکھاتے ہیں۔ اگر تلاوت اور تعلیم میں فرق نہیں تو یہاں ان دونوں کا ذکر علیحدہ کیوں ہوا۔

اعتراض نمبر ۵ ۔ آپ کی پیش کردہ حدیث قِرَاءَةُ الْاِمَامِ لَهٗ قِرَاءَةٌ اور حدیث وَاِذَا قَرَاَ فَاَنْصِتُوْا میں لفظ قراء ہے جس کے معنی ہیں پڑھنا تو ان احادیث کا مطلب

یہ ہے کہ جب امام پڑھے تم خاموش رہو کیا پڑھے قرآن یا کچھ اور تو چاہیئے کہ امام کے پیچھے سبحان۔ التحیات۔ درود وغیرہ کچھ نہ پڑھا جاوے کیونکہ امام جو پڑھ رہا ہے (موجودہ عقلمند وہابی)

جواب۔ اس کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ الزامی جواب تو یہ ہے۔ کہ اگر ایسے ہی لفظوں کے لغوی معنی کیئے گئے تو آپ کو مصیبت پڑ جاوے گی۔ آپ اپنے کو اہل حدیث کہتے ہیں۔ حدیث کے معنی ہیں۔ بات چیت یا قصہ کہانی۔ رب فرماتا ہے۔

فَبِاَيِّ حَدِيْثٍ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ | اس کے بعد اب کس بات پر ایمان لاؤ گے

اور فرماتا ہے فَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ | ہم نے ان قوموں کو قصے کہانیاں بنا دیا۔

تو اہل حدیث کے معنی یا تو ہوئے باتیں بنانے والا گپی یا قصے کہانیاں ناول پڑھنے سنانے والا جناب یہاں حدیث کے اصطلاحی معنی مراد ہیں۔ فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ وحی کے لغوی معنی ہیں۔ اشارہ اسلام کے معنی ہیں فرماں برداری کلمے کے معنی ہیں لفظ ان تمام معنی میں یہ الفاظ قرآن کریم میں استعمال ہوئے ہیں۔ کہو اب کہاں جاؤ گے سارا اسلام ہی ختم اور قرآن کے احکام ہی فنا جواب تحقیقی یہ ہے کہ نماز کے ذکر میں جب بھی لفظ قراءۃ بولا جاتا ہے تو اس سے تلاوت قرآن مراد ہوتی ہے۔ ہم کہتے ہیں نماز کے چھ رکن ہیں تکبیر تحریمہ۔ قیام۔ قراءۃ۔ رکوع۔ سجدہ۔ التحیات میں بیٹھنا تو یہاں قیام کے معنی ناچنے کے لیئے کھڑا ہونا۔ اور قراءۃ کے معنی ناول پڑھنا نہیں ذرا سمجھ سے بات کیا کرو کیا اتنی سمجھ پر حدیث رسول سمجھنے کا دعویٰ ہے ؎

گر ہمیں مکتب وہمیں ملا | کار طفلاں تمام خواہد شد

اعتراض نمبر ۲۔ مسلم و بخاری شریف میں ہے کہ حضور نے ارشاد فرمایا۔

لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَاْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ | اوس کی نماز نہیں ہوتی جو سورہ فاتحہ نہ پڑھے۔

اس حدیث سے دو مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ نماز میں سورہ فاتحہ پڑھنا فرض ہے کہ اس کے بغیر نماز بالکل صحیح نہیں ہوتی۔ جیسے قیام در کوع وغیرہ دوسرے یہ کہ سب پر فرض ہے۔ نمازی اکیلا ہو۔ یا امام یا مقتدی حدیث میں کوئی قید نہیں۔

جواب۔ اس کے تین جواب ہیں دو الزامی ایک تحقیقی پہلا جواب الزامی تو یہ ہے کہ یہ حدیث امام مسلم نے اس طرح نقل فرمائی۔

لَا صَلٰوۃَ لِمَنْ لَّمْ یَقْرَاْ بِاُمِّ الْقُرْاٰنِ فَصَاعِدًا۔	اوس کی نماز نہیں ہوتی۔ جو سورہ فاتحہ اور کچھ زیادہ نہ پڑھے۔

اور مؤطا امام مالک میں یہ ہی حدیث اس طرح ہے۔

لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ وَالسُّوْرَۃِ	نماز نہیں ہوتی مگر سورہ فاتحہ سے اور ایک اور سورۃ سے

آپ کو چاہیئے کہ مقتدی پر سورۃ فاتحہ بھی فرض جانو اور سورۃ ملانا بھی کیا۔ بعض حدیثوں پر ایمان ہے بعض کا انکار ہے۔

دوسرا جواب الزامی یہ ہے۔ تمہاری پیش کردہ حدیث قرآن کے بھی خلاف ہے اور ان حدیثوں کے بھی جو ہم نے پہلی فصل میں پیش کیں بلکہ تمہارے بھی مخالف ہے قرآن کریم فرماتا ہے۔

فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ	جس قدر قرآن آسان ہو پڑھ لیا کرو

پھر سورہ فاتحہ پڑھنا کیسے فرض ہو سکتا ہے۔ نیز فرماتا ہے۔

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا الآیۃ	جب قرآن پڑھا جاوے تو کان لگا کر سنو۔ اور خاموش رہو۔

پھر مقتدی امام کے ساتھ سورۃ فاتحہ پڑھ کر اس حکم ربانی کی مخالفت کیسے کرے ہم بہت احادیث بیان کر چکے ہیں جن میں ارشاد ہوا کہ امام کی قراءۃ مقتدی کی قراوت ہے۔ جب امام قراءۃ کرے تو تم چپ رہو وغیرہ

تم بھی کہتے ہو کہ جو رکوع میں امام کے ساتھ مل گیا اُسے رکعت مل گئی اگر مقتدی پر سورۃ فاتحہ فرض تھی تو اس کے بغیر رکعت کیسے مل گئی۔ اس پر وضو و طہارت تکبیر تحریمہ۔ قیام فرض رہا کہ اگر ان میں سے کچھ بھی چھوڑ کر رکوع میں شامل ہو جاوے تو نماز نہ پائے گا۔ سورۃ فاتحہ کیسے معاف ہو گئی وہ فرض تھی۔

جواب تحقیقی یہ ہے کہ اس حدیث کے ایسے معنی کرنے چاہئیں جس سے قرآن و حدیث میں مخالفت نہ رہے احادیث آپس میں ٹکرا نہ جائیں کوئی اعتراض بھی نہ پڑے وہ یہ کہ لا صلوٰۃ میں لانفی جنس ہے جس کا اسم تو ہے۔ صلوٰۃ جز پوشیدہ ہے یعنی "کامل" مطلب

یہ ہوا کہ نماز بغیر سورہ فاتحہ کامل نہیں ہوتی مطلق قراءۃ بحکم قرآن فرض ہے اور سورہ فاتحہ بحکم حدیث واجب جیسے۔

لَا صَلٰوةَ اِلَّا بِحُضُوْرِ الْقَلْبِ	نماز نہیں ہوتی مگر حضور قلب سے
لَا صَلٰوةَ لِجَارِ الْمَسْجِدِ اِلَّا فِي الْمَسْجِدِ	جو مسجد کے قریب رہتا ہو اوس کی نماز نہیں ہوتی مگر مسجد میں

ان دونوں حدیثوں میں لاصلوٰۃ سے کمال نماز کی نفی ہے نہ کہ اصل نماز کی ایسے ہی یہاں پھر لمن یقرا اقرأ بفاتحۃ حکمی و حقیقی دونوں کو شامل ہے کہ امام اور اکیلے نمازی پر حقیقۃً فاتحہ پڑھنا واجب ہے اور مقتدی پر حکماً کہ امام کا پڑھنا اوس کا پڑھنا ہے۔ ہماری پیش کردہ احادیث اس حدیث کی تفسیریں ہیں۔ یا یہ حدیث عام ہے۔ اور ہماری پیش کردہ احادیث اس کی تخصیص کرتی ہیں۔ جنہوں نے مقتدی کو اس حکم سے خاص کر دیا۔

اعتراض نمبر ۷۔ ترمذی شریف میں حضرت عبادہ ابن صامت سے ایک حدیث مروی ہے۔ جس کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

قَالَ اِنِّي اَرَاكُمْ تَقْرَؤُنَ وَرَاءَ اِمَامِكُمْ قَالَ قُلْنَا بَلٰى قَالَ لَا تَقْرَؤُا اِلَّا بِاُمِّ الْقُرْاٰنِ	حضور نے صحابہ سے فرمایا کہ میرے خیال میں تم اپنے امام کے پیچھے قراءۃ کرتے ہو ہم نے عرض کیا ہاں فرمایا۔ سورۃ فاتحہ کے سوا کچھ نہ پڑھا کرو

اس حدیث میں صراحتہً ارشاد ہے کہ امام کے پیچھے مقتدی سورہ فاتحہ پڑھے اور دوسری سورت نہ پڑھے یہ ہی ہم کہتے ہیں۔ عبادہ ابن صامت کی یہ حدیث ابوداؤد۔ نسائی۔ بیہقی میں بھی ہے۔

جواب۔ اس اعتراض کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ تم بھی کہتے ہو کہ امام کے ساتھ رکوع میں مل جانے سے رکعت مل جاتی ہے کیوں جناب جب مقتدی پر سورہ فاتحہ پڑھنی فرض ہے تو اس مقتدی کو یہ رکعت بغیر سورہ فاتحہ پڑھے کیسے مل گئی۔ اس کا جواب سوچو جو تم جواب دو گے وہ ہی ہمارا جواب ہوگا۔

دوسرے یہ کہ صرف عبادہ ابن صامت رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث مرفوع نقل ہے۔

جس میں حضور نے امام کے پیچھے سورہ فاتحہ کا حکم دیا لیکن اس کے خلاف حضرت جابر، علقمہ، عبداللہ ابن مسعود، زید ابن ثابت، عبداللہ ابن عباس، عبداللہ ابن عمر، حضرت علی و عمر سے بکثرت روایات منقول ہیں۔ جن میں سے کچھ روائتیں ہم پہلی فصل میں بیان کر چکے اور طحاوی شریف، صحیح البہاری شریف میں بہت زیادہ منقول ہیں تو حضرت عبادہ کی یہ روایت حدیث واحد ہے اور ان صحابہ کرام کی وہ روایات حدیث مشاہیر ہیں لہذا انہیں ترجیح ہے۔ تیسرے یہ کہ تمہاری پیش کردہ حدیث عبادہ قرآن کے خلاف ہے قرآن نے تلاوت قرآن کے وقت خاموشی کا حکم دیا۔ ہماری پیش کردہ احادیث کی چونکہ قرآن تائید کر رہا ہے۔ لہذا انہیں ترجیح ہے۔ چوتھے یہ کہ تمہاری پیش کردہ حدیث میں امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے کا حکم ہے اور ان احادیث میں جو ہم نے پیش کیں۔ اس کی ممانعت ہے نصوص میں مقابلہ ہو تو ممانعت کی نص کو ترجیح ہوتی ہے۔ دیکھو غیر اللہ کو سجدہ تعظیمی کا حکم قرآن کریم میں موجود ہے۔ فرشتوں کو اس کا حکم دیا گیا۔ بلکہ شیطان اس غیر اللہ کے سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے مردود کر دیا گیا۔ مگر دوسری نصوص میں اس سجدے کی ممانعت کی گئی۔ اب اس ممانعت پر ہی عمل ہے پانچویں یہ کہ عبادہ ابن صامت کی یہ حدیث نہ تو بخاری نے نقل کی نہ مسلم نے ممانعت کی۔ حدیث مسلم شریف میں موجود۔ نیز امام ترمذی نے اسے نقل کر کے اسے صحیح نہ فرمایا۔ بلکہ حسن کہا اور فرمایا کہ زیادہ صحیح کچھ اور ہے۔ حوالہ ملاحظہ ہو۔ ترمذی میں اسی تمہاری حدیث کے ساتھ ہے۔

قَالَ اَبُوْعِیْسٰی حَدِیْثُ عُبَادَةَ حَدِیْثٌ حَسَنٌ وَرَوٰی هٰذَا الْحَدِیْثَ الزُّهْرِیُّ عَنْ مَحْمُوْدِ ابْنِ الرَّبِیْعِ عَنْ عُبَادَةِ ابْنِ الصَّامِتِ قَالَ لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَّمْ یَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْکِتَابِ وَهٰذَا اَصَحُّ

ابو عیسٰی کہتے ہیں کہ عبادہ کی یہ حدیث حسن ہے۔ (صحیح نہیں) یہ ہی حدیث زہری نے محمود ابن ربیع سے انہوں نے عبادہ ابن صامت سے روایت کی کہ حضرت عبادہ نے فرمایا کہ جو سورہ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی یہ ہی روایت زیادہ صحیح ہے۔

پتہ لگا کہ زیادہ صحیح وہ الفاظ ہیں۔ جن میں مقتدی کے امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے کا ذکر نہیں۔ تعجب ہے کہ آپ صحیح حدیثوں کے مقابلہ میں ایک ایسی حدیث پیش کر رہے ہیں۔ جو قرآن کے خلاف مشہور حدیثوں کے بھی خلاف اور امام ترمذی کے نزدیک صحیح بھی نہیں۔ بلکہ حسن ہے۔ اور اس کے

خلاف زیادہ صحیح ہے۔ جو الزام حنفیوں پر دیا کرتے ہو۔ وہ خود بھی کر رہے ہو۔

اعتراض نمبر ۸۔ اکثر صحابہ کرام کا عمل یہ ہی ہے کہ وہ امام کے پیچھے قراءت کرتے تھے امام ترمذی اس حدیث عبادہ ابن صامت کے ماتحت فرماتے ہیں۔

وَالْعَمَلُ عَلٰی هٰذَا الْحَدِیْثِ فِی الْقِرَاءَةِ خَلْفَ الْاِمَامِ عِنْدَ اَکْثَرِ اَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَالتَّابِعِیْنَ۔

امام کے پیچھے قراءت کرنے کے متعلق اکثر صحابہ و تابعین کا اس حدیث عبادہ پر عمل ہے۔

جب اکثر صحابہ کا عمل اس پر ہے تو فاتحہ ضرور پڑھنی چاہیئے۔

جواب۔ اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ امام ترمذی کا یہاں اکثر فرمانا اضافی نہیں۔ بلکہ حقیقی ہے۔ اس کے معنی یہ نہیں کہ زیادہ صحابہ تو امام کے پیچھے فاتحہ پڑھتے تھے اور کم صحابہ نہ پڑھتے تھے۔ بلکہ اکثر بمعنی چند اور متعدد ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔

وَکَثِیْرٌ حَقَّ عَلَیْهِ الْعَذَابُ
سورۃ حج پ ۱۷ آیت ۱۸

اور ان میں سے بہت پر عذاب مقرر ہو چکا

حق یہ ہے کہ زیادہ صحابہ قراءۃ خلف الامام کے سخت خلاف ہیں۔ حضرت زید ابن ثابت فرماتے ہیں کہ جو امام کے پیچھے تلاوت کرے۔ اس کی نماز نہیں ہوتی (صحیح البخاری) حضرت انس فرماتے ہیں کہ جو امام کے پیچھے تلاوت کرے اس کا منہ آگ سے بھر جاوے۔ (ابن حبان) حضرت عبداللہ فرماتے ہیں۔ کہ جو امام کے پیچھے تلاوت کرے اس کے منہ میں بدلو بھر جاوے (ابن حبان حضرت عبداللہ ابن مسعود اور حضرت علقمہ فرماتے ہیں کہ جو امام کے پیچھے قراءۃ کرے اس کے منہ میں خاک (طحاوی شریف) حضرت علی مرتضیٰ فرماتے ہیں کہ جو امام کے پیچھے تلاوت کرے وہ فطرت پر نہیں (طحاوی) حضرت زید ابن ثابت فرماتے ہیں جو امام کے پیچھے تلاوت کرے اس کی نماز نہیں ہوتی۔ (ابن جوزی فی العلل) حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ جو امام کے پیچھے تلاوت کرے۔ کاش اس کے منہ میں پتھر (مؤطا امام محمد و عبدالرزاق) حضرت سعد ابن ابی وقاص فرماتے ہیں کہ جو امام کے پیچھے تلاوت کرے اس

کے منہ میں انگارے ہوں (مؤطا امام محمد عبد الرزاق)۔ حضرت عبد اللہ ابن عمر خود بھی امام کے پیچھے تلاوت نہ کرتے تھے۔ اور سختی سے منع بھی فرماتے تھے۔ کہتے تھے کہ امام کی قراءت کافی ہے (مؤطا امام محمد یہ تمام روایات طحاوی شریف اور صحیح البخاری میں موجود ہیں یہ تو بطور نمونہ عرض کیا گیا۔ ورنہ اسّی صحابہ سے منقول ہے۔ کہ وہ حضرات امام کے پیچھے قراءت سے سخت منع فرماتے تھے۔ دیکھو شامی۔ فتح القدیر وغیرہ اگر بعض روایات میں آجاوے کہ ان میں سے بعض حضرات فاتحہ پڑھتے تھے تو یا تو اُن کا پہلا فعل ہو گا جو بعد کو منسوخ ہو گیا۔ یا وہ روایات قابل ترک ہوں گی کیونکہ قرآن کے خلاف ہیں۔

اعتراض نمبر ۹۔ یہ تمام روایات ضعیف ہیں (وہ ہی پرانا سبق)

جواب۔ جی ہاں۔ اس لئے ضعیف ہیں کہ آپ کے خلاف ہیں۔ آپ کو ان کے ضعف کا الہام ہوا ہو گا۔ ہم ضعیف کے متعلق اس سے پہلے بہت کچھ عرض کر چکے ہیں کہ جرح مبہم معتبر نہیں۔ نیز امام صاحب نے جب یہ احادیث لیں۔ اس وقت کوئی ضعیف نہ تھی بعد میں ضعف آیا۔ بعد کا ضعف امام صاحب کو مضر نہیں نیز چند ضعیف اسنادیں مل کر حدیث کو حسن بنا دیتی ہیں وغیرہ

اعتراض نمبر ۱۰۔ اگر امام آہستہ تلاوت کر رہا ہو۔ جیسے ظہر و عصر میں یا مقتدی بہت دور ہو کہ وہاں تک امام کی تلاوت کی آواز نہ پہنچتی ہو تو چاہیئے کہ وہ سورہ فاتحہ پڑھ لے۔ کیونکہ اب فاتحہ پڑھنا قرآن سننے میں حارج نہیں۔

جواب۔ یہ اعتراض جب درست ہوتا۔ جبکہ خاموشی صرف قرآن سننے کے لئے ہوتی حالانکہ خاموشی کا علیحدہ حکم ہے اور سُننے کا علیحدہ حکم رب فرماتا ہے۔ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا یہ ایسا ہی ہے جیسے ارشاد باری ہے۔ اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ جیسے زکوٰۃ کی فرضیت نماز کی وجہ سے نہیں بلکہ یہ نماز سے علیحدہ مستقل فرض ہے ایسے ہی خاموشی مستقل ضروری چیز ہے۔ خفیہ نمازوں میں خاموشی ہے سننا نہیں۔ جہری نمازوں میں خاموشی بھی ہے اور سننا بھی۔

اعتراض نمبر ۱۱۔ جب مقتدی نماز کے سارے ارکان ادا کرتا ہے۔ جیسے تکبیر تحریمہ

قیام رکوع وغیرہ تو تلاوت بھی نماز کا ایک رکن ہے۔ وہ بھی ادا کرے یہ کیا کہ سب ارکان ادا کرے ایک چھوڑ دے۔

جواب۔ اس کا جواب ہم پہلے دے چکے ہیں کہ جماعت کی نماز میں مسلمان وفد بن کر دربار خداوندی میں حاضر ہوتے ہیں۔ جن کا نمایندہ امام ہوتا ہے۔ آداب شاہی قیام۔ رکوع۔ سجدہ اور تحیۃ و ثنا سب عرض کریں گے مگر عرض معروض یعنی تلاوت قرآن صرف ان کا نمایندہ ان سب کی طرف سے کرے گا۔ مقتدی پر اسی لیئے تلاوت فرض نہیں۔ بلکہ منع ہے۔ اس پر ادب سے خاموش رہنا بحکم قرآن کریم فرض ہے۔

اعتراض نمبر ۱۲۔ رکوع میں ملنے والے مقتدی پر سورۃ فاتحہ پڑھنا معاف ہے۔ جیساکہ مسافر پر چار رکعت والی نماز میں دو رکعت معاف ہیں۔ کیونکہ حدیث میں شریف میں وارد ہے۔

جواب۔ الحمد للہ آپ قریبًا حنفی ہو گئے بس یہی ہم کہتے ہیں کہ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنا معاف ہے۔ جیسے مسافر پر دو رکعتیں فرض کی معاف ہیں۔ کیونکہ امام کی قراءۃ اس کی قراءۃ ہے آپ نے مان لیاکہ لَا صَلٰوۃَ لِمَنْ لَمْ یَقْرَاْ والی حدیث اپنے ظاہری عموم پر نہیں۔ بعض نمازی اس سے مستثنیٰ ہیں۔ بس ہم یہ ہی سننا چاہتے تھے۔ آپ کے نزدیک خاص مقتدی مستثنیٰ ہیں۔ ہمارے نزدیک عام مقتدی۔ حدیث میں استثناء ماننے میں ہم اور آپ برابر ہوئے۔ صرف مقدار استثناء میں تھوڑی بحث رہ گئی۔ انشاء اللہ وہ بھی آپ مان جائیں گے۔ یہ جواب الزامی تھا۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ شریعت میں نماز بعض صورتوں میں آدھی رہ جاتی ہے۔ جیسے سفر اور کبھی بالکل معاف ہو جاتی ہے۔ جیسے دائمی جنون اور عورت کی پلیدگی کی حالت۔ لیکن نماز کے شرائط و ارکان کسی صورت میں معاف نہیں ہوتے۔ البتہ بعض مجبوریوں میں ان کا بدل کر دیا جاتا ہے۔ بالکل معاف کبھی نہیں ہوتی وضو کا بدل تیمم اور قیام کا بدل قعود کر دیا گیا۔ مگر بغیر وضو کسی مجبوری سے بھی جائز نہ ہوئی۔ اگر مقتدی کے لیئے سورہ فاتحہ پڑھنا نماز کا رکن ہوتا تو اس کے چھوٹ جانے سے رکعت ہرگز نہ ملتی۔ معلوم ہوا کہ اس کے لیئے امام کی قراءۃ بدل ہے۔ بس یہی ہم کہتے ہیں۔ لہٰذا اس مسئلہ کو سفر کی نماز پر قیاس کرنا بالکل بے

عقلی ہے دیکھو اگر نماز میں کوئی شخص رکوع میں شامل ہو تو واجب ہے کہ رکوع میں ہی عید کی تکبیریں کہے۔ نماز جنازہ میں جو کوئی آخری تکبیر میں ملے تو اس پر واجب ہے کہ پہلی تکبیریں کہہ لے جب رکوع میں شامل ہونے والے پر تکبیرات عیدین معاف نہ ہوئیں اور آخر میں شامل ہونے والے پر نماز جنازہ کی تکبیریں معاف نہیں ہوتیں۔ تو اگر مقتدی پر سورہ فاتحہ پڑھنی فرض تھی تو رکوع میں شامل ہونے پر کیوں معاف ہو گئی۔

اعتراض نمبر ۱۳۔ رکوع پانے والے پر اسی رکعت کا قیام معاف ہو گیا۔ جو فرض تھا۔ تو اگر سورہ فاتحہ معاف ہو جاوے تو کیا حرج ہے۔

جواب۔ یہ غلط ہے اس پر قیام معاف نہیں ہوا ضروری ہے کہ تکبیر تحریمہ کہہ کر بقدر ایک تسبیح قیام کرے پھر دوسری تکبیر کہہ کر رکوع کرے ورنہ نماز نہ ملے گی۔

اعتراض نمبر ۱۴۔ آیت کریمہ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ الخ مکی ہے ہجرت سے پہلے نازل ہوئی اور سورہ فاتحہ مدینہ منورہ میں فرض ہوئی تو سورۃ فاتحہ پڑھنا اس آیۃ سے کیسے منسوخ ہو سکتا ہے۔ کیا مقدم آیت مؤخر آیت کی ناسخ ہو سکتی ہے۔ (بعض نئے وہابی)

جواب۔ یہ محض آپ کی رائے ہے آپ نے کوئی حوالہ نہ دیا۔ جب سورہ فاتحہ مکی ہے۔ اور نماز بھی مکہ معظمہ میں فرض ہو چکی تھی۔ تو کیا وجہ ہے کہ سورۃ فاتحہ مکہ معظمہ میں فرض نہ ہو۔ کیا فرضیت طہارت و وضو بھی مدنی ہے۔

پانچواں باب

آمین آہستہ کہنی چاہیئے

احناف کے نزدیک ہر نمازی خواہ امام ہو یا مقتدی یا اکیلا اور نماز جہری ہو یا سری آمین آہستہ کہے۔ مگر غیر مقلد وہابیوں کے نزدیک جہری نماز میں امام و مقتدی بلند آواز سے چیخ کر آمین کہیں۔ اس لیے اس باب کی بھی دو فصلیں کی جاتی ہیں۔ پہلی فصل میں ہمارے دلائل، دوسری

فصل میں وہابیوں کے اعتراضات مع جوابات۔

پہلی فصل

آہستہ آمین کہنا حکم خدا و رسول کے موافق ہے۔ چیخ کر آمین کہنا قرآن کریم کے بھی خلاف ہے اور حدیث و سنت کے بھی مخالف دلائل حسب ذیل ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً۔ | اپنے رب سے دعا مانگو عاجزی سے اور آہستہ

آمین بھی دعا ہے۔ لہٰذا یہ بھی آہستہ کہنی چاہیئے۔ رب فرماتا ہے۔

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ۔ | اے محبوب جب لوگ آپ سے میرے متعلق پوچھیں تو میں بہت نزدیک ہوں مانگنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں جو مجھ سے دعا کرتا ہے۔

معلوم ہوا کہ چیخ کر دعا اس سے کی جاوے جو ہم سے دور ہو۔ رب تو ہماری شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے پھر آمین چیخ کر کہنا عبث بلکہ خلاف تعلیم قرآنی ہے۔ اس لیئے کہ آمین دعا ہے۔

حدیث نمبر ۱ تا ۸۔ بخاری۔ مسلم۔ احمد۔ مالک۔ ابوداؤد۔ ترمذی۔ نسائی۔ ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَمَّنَ الْاِمَامُ فَاَمِّنُوْا فَاِنَّهٗ مَنْ وَافَقَ تَاْمِیْنُهٗ تَاْمِیْنَ الْمَلٰئِکَةِ غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ۔ | فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو کیونکہ جسکی آمین فرشتوں کی آمین کے موافق ہو گی۔ اس کے گذشتہ گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گناہ کی معافی اس نمازی کے لیئے ہے۔ جس کی آمین فرشتوں کی آمین کی طرح ہو اور ظاہر ہے کہ فرشتے آہستہ آمین کہتے ہیں۔ ہم نے ان کی آمین آج تک نہ سُنی تو چاہیئے کہ ہماری آمین بھی آہستہ ہو تاکہ فرشتوں کو موافقت ہو اور گناہوں کی معافی ہو۔ جو وہابی چیخ کر آمین کہتے ہیں۔ وہ جیسے مسجد میں آتے ہیں۔ ویسے ہی جاتے ہیں ان کے گناہوں کی معافی نہیں ہوتی کیونکہ وہ فرشتوں کی آمین کی مخالفت کرتے ہیں۔

حدیث نمبر ۹ تا ۱۳۔ بخاری۔ شافعی۔ مالک۔ ابو داؤد۔ نسائی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا قَالَ الْاِمَامُ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْہِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ فَقُوْلُوْا اٰمِیْنَ فَاِنَّہٗ مَنْ وَافَقَ قَوْلُہٗ۔ قَوْلَ الْمَلٰٓئِکَۃِ غُفِرَ لَہٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ۔

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب امام کہے۔ غیر المغضوب علیہم ولا الضالین تو تم کہو۔ آمین کیونکہ جس کا یہ آمین کہنا فرشتوں کی آمین کہنے کے مطابق ہوگا۔ اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

اس حدیث سے دو مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ مقتدی کے پیچھے سورہ فاتحہ ہرگز نہ پڑھے اگر مقتدی پڑھتا تو حضور فرماتے کہ جب تم ولا الضالین کہو تو تم آمین کہو۔ معلوم ہوا کہ تم صرف آمین کہوگے۔ ولا الضالین کہنا امام کا کام ہے۔ رب فرماتا ہے۔

اِذَا جَآءَکُمُ الْمُؤْمِنٰتُ فَامْتَحِنُوْہُنَّ

جب تمہارے پاس مومنہ عورتیں آئیں تو ان کا امتحان لو۔

دیکھو امتحان لینا صرف مومنوں کا کام ہے نہ کہ مومنہ عورتوں کا کسی حدیث میں نہیں آیا کہ اِذَا قُلْتُمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ فَقُوْلُوْا آمین جب تم ولا الضالین کہو تو آمین کہہ لو معلوم ہوا کہ مقتدی ولا الضالین کہے گا ہی نہیں۔

دوسرے یہ کہ آمین آہستہ ہونی چاہیئے کیونکہ فرشتوں کی آمین آہستہ ہی ہوتی ہے۔ جو آج تک ہم نے نہیں سنی خیال رہے کہ یہاں فرشتوں کی آمین کی موافقت سے مراد وقت میں موافقت نہیں بلکہ طریقہ ادا میں موافقت ہے۔ فرشتوں کی آمین کا وقت تو وہ ہی ہے۔ جب امام سورہ فاتحہ ختم کرتا ہے۔ کیونکہ ہمارے محافظ فرشتے ہمارے ساتھ ہی نمازوں میں شریک ہوتے ہیں اور اسی وقت آمین کہتے ہیں۔

حدیث نمبر ۱۴ تا ۱۸۔ امام احمد۔ ابو داؤد طیالسی۔ ابو یعلی موصلی طبرانی۔ دارقطنی اور حاکم نے مستدرک میں حضرت وائل ابن حجر سے روایت کی حاکم نے فرمایا کہ اس کی اسناد نہایت صحیح ہے۔

عَنْ وَائِلِ ابْنِ حُجْرٍ اَنَّهٗ صَلّٰى مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا بَلَغَ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ قَالَ اٰمِيْن وَاَخْفٰى بِهَا صَوْتَهٗ

حضرت وائل ابن حجر نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی۔ جب حضور ولا الضالین پر پہنچے تو آپ نے فرمایا آمین اور آمین میں آواز آہستہ رکھی۔

معلوم ہوا کہ آمین آہستہ کہنا سنت رسول اللہ ہے۔ بلند آواز سے کہنا بالکل خلاف سنت ہے۔

حدیث نمبر ۱۹ تا ۲۱ ۔ ابوداؤد۔ ترمذی۔ ابن ابی شیبہ نے حضرت وائل ابن حجر سے روایت کی۔

قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَاَ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ فَقَالَ اٰمِيْنَ وَخَفَضَ بِهٖ صَوْتَهٗ

فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو سنا کہ آپ نے پڑھا غیر المغضوب علیہم ولا الضالین تو فرمایا آمین اور آواز مبارک آہستہ رکھی۔

حدیث نمبر ۲۲ و ۲۳۔ طبرانی نے تہذیب الآثار میں اور طحاوی نے حضرت وائل ابن حجر سے روایت کی۔

قَالَ لَمْ يَكُنْ عُمَرُ وَعَلِيٌّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا يَجْهَرَانِ بِبِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَلَا بِاٰمِيْنَ۔

حضرت عمر و علی رضی اللہ عنہما نہ تو بسم اللہ اونچی آواز سے پڑھتے تھے نہ آمین۔

معلوم ہوا کہ آہستہ آمین کہنی سنت صحابہ بھی ہے۔

حدیث نمبر ۲۴۔ عینی شرح ہدایہ نے حضرت ابو معمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

عَنْ عُمَرَ ابْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ يُخْفِي الْاِمَامُ اَرْبَعًا التَّعَوُّذَ وَبِسْمِ اللّٰهِ وَاٰمِيْنَ وَرَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ امام چار چیزیں آہستہ کہے۔ اعوذ باللہ۔ بسم اللہ۔ آمین۔ اور ربنا لک الحمد۔

حدیث نمبر ۲۵۔ بیہقی نے حضرت ابو وائل سے روایت کی عبد اللہ ابن مسعود نے فرمایا

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ يُخْفِي الْاِمَامُ اَرْبَعًا بِسْمِ اللّٰهِ ـ وَاللّٰهُمَّ رَبَّنَالَكَ الْحَمْدُ وَالتَّعَوُّذَ وَالتَّشَهُّدَ	امام چار چیزیں آہستہ کہے بسم اللہ۔ ربنالک الحمد۔ اعوذ اور التحیات۔

حدیث نمبر ۲۶۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے حضرت حماد سے انہوں نے ابراہیم نخعی سے روایت کی۔

قَالَ اَرْبَعٌ يُخْفِيهِنَّ الْاِمَامُ اَلتَّعَوُّذُ وَبِسْمِ اللّٰهِ ـ وَسُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَ اٰمِين رَوَاهُ مُحَمَّدٌ فِي الْاٰثَارِ وَعَبْدُ الرَّزَّاقِ فِي مُصَنَّفِهٖ	آپ نے فرمایا کہ امام چار چیزیں آہستہ کہے اعوذ و بسم اللہ۔ سبحانک اللہم اور آمین یہ حدیث امام محمد نے آثار میں اور عبد الرزاق نے اپنی مصنف میں بیان کی۔

عقل بھی چاہتی ہے کہ آمین آہستہ کہی جاوے۔ کیونکہ آمین قرآن کریم کی آیت یا کلمہ قرآن نہیں اسی لئے نہ جبریل امین اسے لائے۔ نہ قرآن کریم میں لکھی گئی۔ بلکہ دعا اور ذکر اللہ ہے تو جیسے کہ ثناء التحیات درود ابراہیمی۔ دعا ماثورہ وغیرہ آہستہ پڑھی جاتی ہیں۔ ایسے ہی آمین بھی آہستہ ہونی چاہیئے یہ کیا کہ تمام ذکر آہستہ ہوئے آمین پر تمام لوگ چیخ پڑے یہ چیخنا قرآن کے بھی خلاف ہے۔ احادیث صحیحہ کے بھی صحابہ کرام کے عمل کے بھی اور عقل سلیم کے بھی رب تعالیٰ عمل کی توفیق دے۔ دوسرے اس لئے کہ اگر مقتدی پر سورہ فاتحہ پڑھنا بھی فرض ہو اور اسے آمین کہنے کا بھی حکم ہو تو مقتدی سورہ فاتحہ کے درمیان میں ہو اور امام ولاالضالین کہہ دے اب اگر یہ مقتدی آمین نہ کہے تو اس سنت کے خلاف ہوا اور اگر آمین کہے اور چیخے تو آمین درمیان میں آوے گی۔ قرآن میں غیر قرآن آوے گا۔ اور درمیان سورہ فاتحہ میں شور مچے گا۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

اب تک ہم نے غیر مقلدین کے جس قدر اعتراضات سُنے ہیں۔ تفصیل وار مع

جوابات عرض کرتے ہیں۔

اعتراض نمبر ۱۔ آمین دعا نہیں ہے۔ لہٰذا اگر یہ بلند آواز سے کہی جاوے تو کیا حرج ہے۔ رب نے دعا آہستہ مانگنے کا حکم دیا ہے نہ کہ دیگر اذکار کا۔

جواب۔ آمین دعا ہے۔ اس کا دعا ہونا قرآن شریف سے ثابت ہے۔ دیکھو موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی میں دعا کی۔

رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ۔ | اے رب ہمارے ان کے مال برباد کر دے اور ان کے دل سخت کر دے کہ ایمان نہ لائیں جب تک دردناک عذاب نہ دیکھ لیں۔

رب نے ان کی دعا قبول فرماتے ہوئے ارشاد کیا۔

قَالَ قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِيْمَا | رب نے فرمایا تم دونوں کی دعا قبول کی گئی تو ثابت قدم رہو

فرمائیے دعا تو صرف موسیٰ علیہ السلام نے مانگی تھی۔ مگر رب نے فرمایا کہ تم دونوں کی دعا قبول کی گئی۔ یعنی تمہاری اور حضرت ہارون کی۔ حضرت ہارون نے دعا کب مانگی تھی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کی دعا پر آمین کہا تھا۔ رب نے آمین کو دعا فرمایا۔ معلوم ہوا کہ آمین دعا ہے۔ اور دعا آہستہ ہونا چاہیئے۔ یہ مسائل قرآنیہ میں سے ہے۔

اعتراض نمبر ۲۔ ترمذی شریف میں حضرت وائل ابن حجر سے روایت ہے۔

قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَءَ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ وَقَالَ اٰمِيْنَ وَمَدَّ بِهَا صَوْتَهٗ | میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کہ آپ نے غیر المغضوب علیہم ولا الضالین پڑھا۔ اور آمین فرمایا اپنی آواز کو اس پر بلند کیا۔

معلوم ہوا کہ آمین بلند آواز سے کہنا سنت ہے

جواب۔ آپ نے حدیث کا ترجمہ غلط کیا۔ اس میں مدّ ارشاد ہوا مَدَّ مَدًّا سے بنا۔ اس کے معنے بلند کرنا نہیں۔ بلکہ آواز کھینچنا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ حضور نے آمین بروزن کریم قصر سے نہ فرمائی۔ بلکہ بروزن قالین الف اور میم خوب کھینچ کر پڑھی۔ لہٰذا اس میں آپ کی کوئی دلیل

نہیں۔ ترجمہ کی غلطی ہے۔ خیال رہے کہ مد کا مقابل قصر ہے۔ خفاء کا مقابل ہے جہر۔ رفع کا مقابل خفض ہے۔ اگر یہاں جہر ہوتا تو دلیل صحیح ہوتی۔ جہر کسی روایت میں نہیں۔ رب فرماتا ہے۔

اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا يَخْفٰى	بیشک رب تعالیٰ جانتا ہے بلند اور پست آواز کو

دیکھو رب نے یہاں خفاء کا مقابل جہر فرمایا نہ کہ مد

اعتراض نمبر ۳۔ ابوداؤد شریف میں حضرت وائل ابن حجر سے روایت ہے۔

قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَرَاءَ وَلَا الضَّالِّيْنَ قَالَ آمِيْنُ وَ رَفَعَ بِهَا صَوْتَهٗ۔	نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب فرماتے ولا الضالین تو فرماتے تھے آمین اور اس میں آواز شریف بلند فرماتے تھے

یہاں رفع فرمایا جس کے معنی ہیں اونچا کیا۔ بلند کیا معلوم ہوا کہ آمین اونچی آواز سے کہنا سنت ہے

جواب۔ اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ حضرت وائل ابن حجر کی اصل روایت میں مدّ ہے۔ جیسا کہ ترمذی شریف میں وارد ہوا۔ جس کے معنی کھینچنے کے ہیں۔ نہ کہ بلند کرنا۔ یہاں اسناد کے کسی راوی نے روایت بالمعنی کی مدّ کو رفع سے تعبیر فرمایا اور مراد وہ ہی کھینچنا ہے نہ کہ بلند کرنا روایت بالمعنی کا عام دستور تھا۔ دوسرے یہ کہ ترمذی اور ابوداؤد کی روایتوں میں نماز کا ذکر نہیں۔ صرف حضور کی قراءت کا ذکر ہے۔ ممکن ہے کہ نماز کے علاوہ خارجی قراءۃ کا ذکر فرمایا ہو۔ مگر جو روایات ہم نے پیش کی ہیں۔ ان میں نماز کا صراحۃً ذکر ہے۔ لہٰذا احادیث میں تعارض نہیں اور یہ احادیث ہمارے خلاف نہیں۔ تیسرے یہ کہ آمین بالجہر اور آمین خفی کی احادیث میں تعارض ہے۔ مگر جہر والی روایتیں قرآن کریم کے خلاف ہیں۔ لہٰذا چھوڑنے کے لائق ہیں اور آہستہ کی روایتیں قرآن کے مطابق ہیں۔ لہٰذا واجب العمل ہیں۔ چوتھے یہ کہ آہستہ آمین کی حدیثیں قیاس شرعی کے موافق ہیں اور جہری آمین کی حدیثیں اس کے خلاف لہٰذا آہستہ آمین کی حدیثیں قابل عمل ہیں۔ اس کے خلاف قابل ترک۔ قرآنی آیتوں اور قیاس شرعی کا ذکر ہم پہلی فصل میں کر چکے ہیں۔ پانچویں یہ کہ آمین جہری والی حدیثیں قرآن شریف سے اور ان احادیث سے جو ہم پیش کر چکے ہیں۔ منسوخ ہیں۔ اسی لئے صحابہ کرام ہمیشہ آہستہ آمین کہتے تھے اور اسی کا حکم دیتے تھے۔ اور زور سے آمین کہنے سے منع کرتے تھے۔ جیسا کہ پہلی

فصل میں ذکر کیا گیا اگر جہر کی حدیثیں منسوخ نہیں تھیں۔ تو صحابہ نے عمل کیوں چھوڑ دیا۔

اعتراض نمبر ۴۔ ابن ماجہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَالَ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ قَالَ اٰمِيْنَ حَتّٰى يَسْمَعَهَا اَهْلُ الصَّفِّ الْاَوَّلِ فَيَرْتَجُّ بِهَا الْمَسْجِدُ	حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب غیر المغضوب علیہم ولا الضالین فرماتے تو آمین فرماتے یہاں تک کہ پہلی صف والے سن لیتے تو مسجد گونج جاتی تھی۔

اس حدیث میں کسی تاویل کی گنجائش نہیں یہاں تو مسجد گونج جانے کا ذکر ہے۔ گونج بغیر شور نہیں پیدا ہوتی۔

جواب:۔ اس اعتراض کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ آپ نے حدیث پوری پیش نہیں کی۔ اوّل عبارت چھوڑ دی۔ وہ یہ ہے۔ ملاحظہ ہو۔

عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ تَرَكَ النَّاسُ التَّاْمِيْنَ وَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الخ	لوگوں نے آمین کہنا چھوڑ دی۔ حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم الخ

اس جملہ سے معلوم ہوا کہ عام صحابہ کرام نے بلند آواز سے آمین چھوڑ دی تھی۔ جس پر سیدنا ابوہریرہ یہ شکایت فرما رہے ہیں اور صحابہ کا کسی حدیث پر عمل چھوڑ دینا اس حدیث کے نسخ کی دلیل ہے۔ یہ حدیث تو ہماری تائید کرتی ہے نہ کہ تمہاری۔ دوسرے یہ کہ اگر یہ حدیث صحیح مان بھی لی جاوے تو عقل اور مشاہدہ کے خلاف ہے۔ اور جو حدیث عقل و مشاہدہ کے خلاف ہے۔ وہ قابل عمل نہیں خصوصاً جبکہ تمام احادیث مشہورہ اور آیات قرآنیہ کے بھی خلاف ہو۔

کیونکہ اس حدیث میں مسجد گونج جانے کا ذکر ہے۔ حالانکہ گنبد والی مسجد میں گونج پیدا ہوتی ہے نہ کہ چھپر والی مسجد میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد شریف آپ کے زمانہ میں معمولی چھپر والی تھی۔ وہاں گونج پیدا ہو ہی کیسے سکتی تھی۔ آج کوئی غیر مقلد صاحب کسی چھپر والے گھر میں شور مچا کر گونج پیدا کر کے دکھاویں انشاء اللہ چیختے چیختے مر جاویں گے مگر گونج نہ پیدا ہوگی۔ اس اعتراض کے باقی وہ جواب ہیں۔ جو اعتراض ع۳ کے ماتحت

عرض کیئے گئے۔ تیسرے یہ کہ یہ حدیث قرآن کریم کے بھی خلاف ہے۔ رب فرماتا ہے۔ لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ اپنی آوازیں نبی کی آواز سے اونچی نہ کرو اگر صحابہ نے اتنی اونچی آمین کہی کہ مسجد گونج گئی تو ان سب کی آواز حضور کی آواز سے اونچی ہوگئی۔ قرآن کریم کی صریح مخالفت ہوئی جو حدیث مخالف قرآن ہو قابل عمل نہیں۔

اعتراض نمبر ۵۔ بخاری شریف میں ہے۔

فَقَالَ عَطَاءٌ آمِیْن دُعَاءٌ اَمَّنَ اِبْنُ الزُّبَیْرِ وَمَنْ وَرَاءَهُ حَتّٰی اَنَّ الْمَسْجِدَ لَلَجَّةٌ۔

حضرت عطا فرماتے ہیں کہ آمین دعا ہے۔ اور حضرت ابن زبیر اور ان کے پیچھے والوں نے آمین کہی یہاں تک کہ مسجد میں گونج پیدا ہوگئی۔

اس حدیث سے صاف معلوم ہوا کہ آمین اتنی چیخ کر کہنا چاہیئے کہ مسجد گونج جاوے۔

جواب۔ اس اعتراض کے بھی چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ اس کا پہلا جملہ ہمارے مطابق ہے۔ کہ آمین دعا ہے اور قرآن کریم فرماتا ہے کہ دعا آہستہ مانگو دیکھو فصل اوّل۔ دوسرے یہ کہ اس حدیث میں نماز کا ذکر نہیں نہ معلوم خارج نماز یہ تلاوت ہوئی یا نماز میں ظاہر یہ ہے کہ خارج نماز ہوگی۔ تاکہ ان احادیث کے خلاف نہ ہو جو ہم نے پیش کیں۔ تیسرے یہ کہ حدیث عقل و مشاہدے کے خلاف ہے۔ کیونکہ کچی اور چھپر والی مسجد میں گونج پیدا نہیں ہوسکتی۔ لہٰذا واجب التاویل ہے۔ جناب اگر قرآن کی آیۃ بھی عقلِ شرعی اور مشاہدے کے خلاف ہو تو وہاں تاویل واجب ہوتی ہے۔ ورنہ کفر لازم آجاتا ہے۔ آیات صفاتِ کو متشابہ مان کر صرف ایمان لاتے ہیں اس کے ظاہری معنی نہیں کرتے کیونکہ ظاہری معنی عقل شرعی کے خلاف ہیں۔ جیسے۔

یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ — اُن کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ

فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ۔ — تم جدھر پھر و گے ادھر ہی اللہ کا منہ ہے۔

خدا کے لیئے ہاتھ منہ ہونا عقل کے خلاف ہے۔ لہٰذا یہ آیات واجب التاویل ہیں رب فرماتا ہے۔

فَوَجَدَهَا تَغْرُبُ فِي عَيْنٍ حَمِئَةٍ | ذوالقرنین نے سورج کو کیچڑ کے چشمے میں ڈوبتے دیکھا

سورج کا ڈوبتے وقت آسمان سے اترنا اور کیچڑ میں ڈوبنا خلاف عقل تھا۔ لہذا اس کی تاویل کی جاتی ہے۔ یہ تاویل ہمارے حاشیۃ القرآن میں ملاحظہ کرو۔ جناب حدیث پڑھنا اور ہے۔ حدیث سمجھنا کچھ اور خلاصہ یہ ہے کہ ایسی کوئی حدیث صحیح مرفوع موجود نہیں جس میں نماز میں آمین بالجہر کی تصریح ہو ایسی صحیح حدیث نہ ملی ہے۔ نہ ملے گی وہابیوں کو چاہیئے کہ ضد چھوڑیں اور صدق دل سے امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا دامن پکڑیں کہ یہ ہی حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا راستہ ہے اس مسئلہ کی زیادہ تحقیق ہمارے حاشیہ بخاری عربی میں ملاحظہ فرماؤ۔

اعتراض نمبر ۴۔ آہستہ آمین کے متعلق آپ نے جس قدر حدیثیں پیش کی ہیں وہ سب ضعیف ہیں اور ضعیف سے استدلال نہیں کر سکتے۔ (وہی پرانا یاد کیا ہوا سبق) دیکھو وائل ابن حجر کی ترمذی والی روایت جو تم نے پیش کی۔ اس کے متعلق امام ترمذی فرماتے ہیں۔

حَدِيْثُ سُفْيَانَ اَصَحُّ مِنْ حَدِيْثِ شُعْبَةَ فِيْ هٰذَا اِلٰى اَنْ قَالَ وَخَفَضَ بِهَا صَوْتَهٗ وَاِنَّمَا هُوَ مَدَّ بِهَا صَوْتَهٗ	آمین کے بارے میں سفیان کی حدیث شعبہ کی حدیث سے زیادہ صحیح ہے شعبہ یہاں کہتے ہیں خفض یعنی حضور نے پست آواز سے کہا حالانکہ یہاں مد ہے یعنی آواز کھینچ کر آمین فرمائی۔

جواب۔ خدا کا شکر ہے کہ آپ مقلد تو ہوئے امام ابوحنیفہ کے نہ سہی امام ترمذی کے سہی کہ ہر جرح آنکھ بند کر کے قبول کر لیتے ہیں۔ جناب اس حدیث کے ضعف کی اصل وجہ یہ ہے کہ یہ آپ کے خلاف ہے۔ اگر آپ کے حق میں ہوتی تو آنکھ بند کر کے مان لیتے، آپ کے اس سوال کے چند جواب ہیں

ایک ۱ یہ کہ ہم نے آہستہ آمین کی چھبیس سندیں پیش کیں کیا سب سندیں ضعیف ہیں اور سب میں شعبہ راوی آرہے ہیں۔ اور شعبہ ہر جگہ غلطی کر رہے ہوں یہ ناممکن ہے دوسرے ۲ یہ کہ اگر یہ چھبیس اسنادیں ساری کی ساری ضعیف بھی ہوں۔ جب بھی

سب مل کر قوی ہوگئیں۔ جیسا کہ ہم مقدمہ میں عرض کر چکے ہیں۔
تیسرے یہ کہ شعبہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے بعد اسناد میں شامل ہوئے۔ جن سے یہ حدیث ضعیف ہوئی۔ امام صاحب کو یہ ہی حدیث بالکل صحیح ملی تھی۔ بعد کا ضعف پہلے والوں کو مضر نہیں۔
چوتھے یہ کہ اگر پہلے سے ہی یہ حدیث ضعیف تھی۔ جب بھی امام اعظم سراج امت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے قبول فرما لینے سے قوی ہو گئی۔ جیسا کہ ہم مقدمہ میں عرض کر چکے۔
پانچویں یہ کہ چونکہ اس حدیث پر عام امت مسلمہ نے عمل کر لیا ہے۔ لہٰذا حدیث کا ضعف جاتا رہا اور حدیث قوی ہو گئی۔ جیسا کہ ہم مقدمہ میں عرض کر چکے ہیں۔
چھٹے یہ کہ اس حدیث کی قرآن کریم تائید کر رہا ہے اور بلند آواز کی حدیث قرآن کے خلاف ہے لہٰذا آہستہ آمین کی حدیث قرآن کی تائید کی وجہ سے قوی ہو گئی۔ جیسا کہ ہم مقدمہ میں عرض کر چکے ہیں۔
ساتویں یہ کہ اس حدیث کی قیاس شرعی تائید کر رہا ہے اور بلند آواز کی حدیث قیاس شرعی کے اور عقل شرعی کے خلاف ہے لہٰذا آہستہ آمین کی حدیث قوی ہے اور بلند آواز کی حدیث ناقابل عمل غرضکہ آہستہ آمین کی حدیث بہت قوی ہے۔ اس پر عمل چاہیئے۔
اعتراض نمبر ۷۔ ابو داؤد شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور جب سورۃ فاتحہ سے فارغ ہوتے تو۔

اس طرح آمین کہتے کہ صف اوّل میں جو آپ سے قریب ہوتا وہ سن لیتا۔	قَالَ آمِین حَتّٰی یَسْمَعُ مَنْ یَلِیْہِ مِنَ الصَّفِّ الْاَوَّلِ۔

جواب۔ اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حدیث آپ کے بھی خلاف ہے کیونکہ پہلی آپ کی روایتوں میں تھا کہ مسجد گونج جاتی تھی اور اس میں یہ آیا کہ صرف پیچھے والے ایک دو آدمی ہی سنتے تھے۔ دوسرے یہ کہ اسی حدیث کی اسناد میں بشر ابن رافع آ رہا ہے۔ اسے ترمذی نے کتاب الجنائز میں حافظ ذہبی نے میزان میں سخت ضعیف فرمایا احمد نے اسے منکر الحدیث کہا ابن معین نے اس کی روایتہ کو موضوع قرار دیا۔ امام نسائی نے اسے قوی نہیں مانا (دیکھو آفتاب محمدی لہٰذا یہ حدیث سخت ضعیف ہے قابل عمل نہیں)

چھٹا باب

رفع یدین کرنا منع ہے

احناف اہل سنت کے نزدیک رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اُٹھتے وقت دونوں ہاتھ اٹھانا خلاف سنت اور ممنوع ہے مگر وہابی غیر مقلد ان دونوں وقت میں رفع یدین کرتے ہیں۔ اور اس پر بہت زور دیتے ہیں۔

لہٰذا ہم اس مسئلے کو بھی دو فصلوں میں بیان کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں اپنے مسئلہ کا ثبوت دوسری فصل میں اس مسئلہ پر اعتراضات مع جواب رب تعالیٰ قبول فرماوے۔

پہلی فصل

نماز میں رکوع جاتے آتے رفع یدین کرنا مکروہ اور خلاف سنت ہے جس پر بے شمار احادیث اور قیاس مجتہدین وارد ہیں ہم ان میں سے کچھ عرض کرتے ہیں۔

حدیث نمبر ۱ تا ۴۔ ترمذی۔ ابوداؤد۔ نسائی۔ ابن ابی شیبہ نے حضرت علقمہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ لَنَا ابْنُ مَسْعُوْدٍ اَلَا اُصَلِّیْ بِکُمْ صَلٰوۃَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَصَلّٰی وَلَمْ یَرْفَعْ یَدَیْہِ اِلَّا مَرَّۃً وَّاحِدَۃً مَعَ تَکْبِیْرِ الْاِفْتِتَاحِ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ حَدِیْثُ ابْنِ مَسْعُوْدٍ حَدِیْثٌ حَسَنٌ وَبِہٖ یَقُوْلُ غَیْرُ وَاحِدٍ مِّنْ اَھْلِ الْعِلْمِ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَالتَّابِعِیْنَ۔

ایک دفعہ ہم سے حضرت عبداللہ ابن مسعود نے فرمایا کہ میں تمہارے سامنے حضور کی نماز نہ پڑھوں پس آپ نے نماز پڑھی۔ اس میں سوا تکبیر تحریمہ کے کبھی ہاتھ نہ اٹھائے۔ امام ترمذی نے فرمایا کہ ابن مسعود کی حدیث حسن ہے اس رفع یدین نہ کرنے پر بہت سے علماء صحابہ و علماء تابعین کا عمل ہے۔

خیال رہے کہ یہ حدیث چند وجہ سے بہت قوی ہے۔ ایک یہ کہ اس کے راوی حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ ہیں۔ جو صحابہ میں بڑے فقیہہ عالم ہیں۔ دوسرے یہ کہ آپ جماعت صحابہ کے سامنے حضور کی نماز پیش کرتے ہیں اور کوئی صحابی اس کا انکار نہیں فرماتے۔ معلوم ہوا کہ سب نے اس کی تائید کی۔ اگر رفع یدین سنت ہوتا تو صحابہ اس پر ضرور اعتراض کرتے کیونکہ ان سب نے حضور کی نماز دیکھی تھی۔ تیسرے یہ کہ امام ترمذی نے اس حدیث کو ضعیف نہ فرمایا۔ بلکہ حسن فرمایا۔ چوتھے یہ کہ امام ترمذی نے فرمایا۔ کہ بہت علماء صحابہ و تابعین رفع یدین نہ کرتے تھے۔ ان کے عمل سے اس حدیث کی تائید ہوئی۔ پانچویں یہ کہ امام ابوحنیفہ جیسے جلیل القدر عظیم الشان مجتہد وقت نے اس کو قبول فرمایا اور اس پر عمل کیا۔ چھٹے یہ کہ عام امت رسولؐ کا اس پر عمل ہے۔ ساتویں یہ کہ یہ حدیث قیاس و عقل کے بالکل مطابق ہے۔ جیسا کہ ہم آئندہ عرض کرینگے۔ انشاء اللہ ان وجوہ سے ضعیف حدیث بھی قوی ہو جاتی ہے چہ جائیکہ یہ حدیث تو خود بھی حسن ہے۔

حدیث نمبر ۵۔ ابن شیبہ نے حضرت براء ابن عازب سے روایت کی۔

قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا افْتَتَحَ الصَّلٰوةَ رَفَعَ يَدَيْهِ ثُمَّ لَا يَرْفَعُهُمَا حَتّٰى يَفْرُغَ۔	حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع فرماتے تھے تو اپنے ہاتھ اٹھاتے تھے پھر نماز سے فارغ ہونے تک نہ اٹھاتے تھے

خیال رہے کہ حدیث براء ابن عازب کو ترمذی نے اس طرح نقل فرمایا کہ فی الباب عن البراء

حدیث نمبر ۶۔ ابوداؤد نے حضرت براء ابن عازب سے روایت کی۔

قَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَفَعَ يَدَيْهِ حِيْنَ افْتَتَحَ الصَّلٰوةَ ثُمَّ لَمْ يَرْفَعْهُمَا حَتّٰى انْصَرَفَ	میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب آپ نے نماز شروع کی تو دونوں ہاتھ اٹھائے پھر نماز سے فارغ ہونے تک نہ اٹھائے

حدیث نمبر ۷۔ طحاوی شریف نے سیدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِىْ اَوَّلِ تَكْبِيْرَةٍ ثُمَّ	وہ حضور سے روایت کرتے ہیں کہ آپ پہلی تکبیر میں ہاتھ اٹھاتے تھے۔ پھر کبھی

لَا يَعُوْدُ۔ نہ اٹھاتے تھے۔

حدیث نمبر ۸ تا ۱۴۔ حاکم و بیہقی نے حضرت عبداللہ ابن عباس و عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُرْفَعُ الْاَيْدِيْ فِيْ سَبْعِ مَوَاطِنَ عِنْدَ اِفْتِتَاحِ الصَّلٰوةِ وَاسْتِقْبَالِ الْبَيْتِ وَالصَّفَا وَالْمَرْوَةِ وَالْمَوْقِفَيْنِ وَالْجَمْرَتَيْنِ۔	حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سات جگہ ہاتھ اٹھائے جائیں نماز شروع کرتے وقت کعبہ شریف کے سامنے منہ کرتے وقت صفاء مروہ پہاڑ پر اور دو موقف منا و مزدلفہ میں اور دونوں جمروں کے سامنے۔

یہ حدیث بزار نے حضرت ابن عمر سے۔ ابن ابی شیبہ نے حضرت عبداللہ ابن عباس سے بیہقی نے حضرت ابن عباس سے طبرانی نے اور بخاری نے کتاب المفرد میں عبداللہ ابن عباس سے کچھ فرق سے بیان کی بعض روایات میں نماز عیدین کا بھی ذکر ہے۔

حدیث نمبر ۱۵۔ امام طحاوی نے حضرت مغیرہ سے روایت کی کہ میں نے ابراہیم نخعی سے عرض کیا کہ حضرت وائل نے حضور کو دیکھا کہ آپ شروع نماز میں اور رکوع کے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت ہاتھ اٹھاتے تھے تو آپ نے جواب دیا۔

اِنْ كَانَ وَائِلٌ رَاٰهُ مَرَّةً يَفْعَلُ ذَالِكَ فَقَدْ رَاٰهُ عَبْدُ اللّٰهِ خَمْسِيْنَ مَرَّةً لَا يَفْعَلُ ذَالِكَ	اگر حضرت وائل نے حضور کو ایک بار رفع یدین کرتے دیکھا ہے تو حضرت عبداللہ ابن مسعود نے حضور کو پچاس دفع رفع یدین نہ کرتے دیکھا

اس سے معلوم ہوا کہ سیدنا عبداللہ ابن مسعود کی حدیث بہت قوی ہے۔ کیونکہ وہ صحابہ میں فقیہ عالم ہیں۔ حضور کی صحبت میں اکثر رہنے والے نماز میں حضور سے قریب تر کھڑے ہونے والے ہیں۔ کیونکہ حضور کے قریب وہ کھڑے ہوتے تھے جو عالم و عاقل ہوتے تھے جیسا کہ روایات میں وارد ہے۔

حدیث نمبر ۱۶ و ۱۷۔ طحاوی اور ابن ابی شیبہ نے حضرت مجاہد سے روایت کی۔

قَالَ صَلَّيْتُ خَلْفَ ابْنِ عُمَرَ فَلَمْ	کہ میں نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ

يَكُنْ يَدَيْهِ اِلَّا فِى التَّكْبِيْرَةِ الْاُوْلٰى مِنَ الصَّلٰوةِ

عنہا کے پیچھے نماز پڑھی۔ آپ نماز میں پہلی تکبیر کے سوا کسی وقت ہاتھ نہ اُٹھاتے تھے۔

حدیث نمبر ۱۸۔ عینی شرح بخاری نے حضرت عبداللہ ابن زبیر سے روایت کی۔

اَنَّهٗ رَاٰى رَجُلًا يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِى الصَّلٰوةِ عِنْدَ الرُّكُوْعِ وَعِنْدَ رَفْعِ رَاْسِهٖ مِنَ الرُّكُوْعِ فَقَالَ لَهٗ لَا تَفْعَلْ فَاِنَّهٗ شَيْئٌ فَعَلَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ تَرَكَهٗ۔

کہ آپ نے ایک شخص کو رکوع میں جاتے اور رکوع سے اُٹھتے وقت ہاتھ اُٹھاتے دیکھا تو اس سے فرمایا کہ ایسا نہ کیا کرو کیونکہ یہ کام ہے جو حضور نے پہلے کیا تھا پھر چھوڑ دیا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رکوع کے آگے پیچھے رفع یدین منسوخ ہے۔ جن صحابہ سے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے رفع یدین ثابت ہے وہ پہلا فعل ہے بعد میں منسوخ ہوگیا۔

حدیث نمبر ۱۹ و ۲۰۔ بیہقی و طحاوی شریف نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

اَنَّهٗ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِى التَّكْبِيْرَةِ الْاُوْلٰى مِنَ الصَّلٰوةِ ثُمَّ لَا يَرْفَعُ فِىْ شَيْئٍ مِّنْهَا۔

کہ آپ نماز کی پہلی تکبیر میں ہاتھ اُٹھاتے تھے پھر کسی حالت میں ہاتھ نہ اُٹھاتے تھے۔

حدیث نمبر ۲۱۔ طحاوی شریف نے حضرت اسود رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ رَاَيْتُ عُمَرَ ابْنَ الْخَطَّابِ رَفَعَ يَدَيْهِ فِىْ اَوَّلِ تَكْبِيْرَةٍ ثُمَّ لَا يَعُوْدُ وَقَالَ حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ۔

میں نے حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ آپ نے پہلی تکبیر میں ہاتھ اٹھائے پھر نہ اُٹھائے امام طحاوی نے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہے

حدیث نمبر ۲۲۔ ابوداؤد شریف نے حضرت سفیان سے روایت کی۔

حَدَّثَنَا سُفْيَانُ اِسْنَادَهٗ بِهٰذَا۔ قَالَ فَرَفَعَ يَدَيْهِ فِىْ اَوَّلِ مَرَّةٍ وَقَالَ بَعْضُهُمْ مَرَّةً وَّاحِدَةً۔

حضرت سفیان اسی اسناد سے فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود نے پہلی بار ہی ہاتھ اٹھائے بعض راویوں نے فرمایا کہ ایک ہی دفعہ اٹھائے

حدیث نمبر ۲۳- دارقطنی نے حضرت براء ابن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

اَنَّهٗ رَاٰى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ افْتَتَحَ الصَّلٰوةَ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى حَاذٰى بِهِمَا اُذُنَيْهِ ثُمَّ لَمْ يَعُدْ اِلٰى شَيْءٍ مِّنْ ذَالِكَ حَتّٰى فَرَغَ مِنْ صَلٰوتِهٖ	کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا جب کہ حضور نے نماز شروع کی تو ہاتھ اتنے اٹھائے کہ کانوں کے مقابل کر دیئے پھر نماز سے فارغ ہونے تک کسی جگہ ہاتھ نہ اٹھائے

حدیث نمبر ۲۴- امام محمد نے کتاب الآثار میں حضرت امام ابوحنیفہ عن حماد عن ابراہیم نخعی سے اس طرح روایت کی۔

اَنَّهٗ قَالَ لَا تَرْفَعِ الْاَيْدِيْ فِيْ شَيْءٍ مِّنْ صَلٰوتِكَ بَعْدَ الْمَرَّةِ الْاُوْلٰى	آپ نے فرمایا کہ پہلی بار کے سوا نماز میں کبھی ہاتھ نہ اٹھاؤ۔

حدیث نمبر ۲۵- ابوداؤد نے براء ابن عازب سے روایت کی۔

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا افْتَتَحَ الصَّلٰوةَ رَفَعَ يَدَيْهِ اِلٰى قَرِيْبٍ مِّنْ اُذُنَيْهِ ثُمَّ لَا يَعُوْدُ۔	بیشک حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع کرتے تھے تو کانوں کے قریب تک ہاتھ اٹھاتے تھے پھر عود نہ کرتے۔

رفع یدین کی ممانعت کی اور بہت سی احادیث ہیں۔ ہم نے یہاں بطور اختصار صرف پچیس روایتیں پیش کر دیں اگر شوق ہو تو مؤطا امام محمد۔ طحاوی شریف۔ صحیح البہاری شریف کا مطالعہ فرماویں۔

آخر میں ہم حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا وہ مناظرہ پیش کرتے ہیں۔ جو رفع یدین کے متعلق مکہ معظمہ میں امام اوزاعی سے ہوا۔ ناظرین دیکھیں کہ امام اعظم کس پایہ کے محدث ہیں اور کتنی قوی صحیح الاسناد حدیث پیش فرماتے ہیں۔

امام ابومحمد بخاری محدث رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سفیان ابن عیینہ سے روایت کی کہ ایک دفعہ حضرت امام اعظم اور امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہما کی مکہ معظمہ کے دارالحناطین میں ملاقات ہو گئی۔

توان بزرگوں کی آپس میں حسب ذیل گفتگو ہوئی۔ سنیئے اور ایمان تازہ کیجئے۔ یہ مناظرہ فتح القدیر اور مرقات شرح مشکوٰۃ وغیرہ میں بھی مذکور ہے۔

امام اوزاعی ۔ آپ لوگ رکوع میں جاتے اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کیوں نہیں کرتے۔

امام ابوحنیفہ اس لیئے کہ رفع یدین ان موقعوں پر حضور سے ثابت نہیں۔

امام اوزاعی ۔ آپ نے یہ کیا فرمایا میں آپ کو رفع یدین کی صحیح حدیث سناتا ہوں۔

حَدَّثَنِی الزُّهْرِیُّ عَنْ سَالِمٍ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ کَانَ یَرْفَعُ یَدَیْهِ اِذَا افْتَتَحَ الصَّلٰوةَ وَعِنْدَ الرُّکُوْعِ وَعِنْدَ الرَّفْعِ مِنْهُ

مجھے زہری نے حدیث بیان کی انہوں نے سالم سے سالم نے اپنے والد سے انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ آپ ہاتھ اٹھاتے تھے جب نماز شروع فرماتے اور رکوع کے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت۔

امام اعظم ۔ میرے پاس اس سے قوی تر حدیث اس کے خلاف موجود ہے

امام اوزاعی :۔ اچھا فوراً پیش فرمایئے

امام اعظم ۔ لیجئے سنیئے۔

حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ اِبْرَاهِیْمَ عَنْ عَلْقَمَةَ وَالْاَسْوَدِ عَنْ عَبْدِ اللهِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ لَا یَرْفَعُ یَدَیْهِ اِلَّا عِنْدَ افْتِتَاحِ الصَّلٰوةِ ثُمَّ لَا یَعُوْدُ لِشَیْءٍ مِنْ ذَالِكَ ۔

ہم سے حضرت حماد نے حدیث بیان کی۔ انہوں نے ابراہیم نخعی سے انہوں نے حضرت علقمہ اور اسود سے انہوں نے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم صرف شروع نماز میں ہاتھ اٹھاتے تھے پھر کسی وقت نہ اٹھاتے تھے۔

امام اوزاعی ۔ آپ کی پیش کردہ حدیث کو میری پیش کردہ حدیث پر کیا فوقیت ہے جس کی وجہ سے آپ نے اسے قبول فرمایا اور میری حدیث کو چھوڑ دیا۔

امام اعظم :۔ اس لیئے کہ حماد ۔ زہری سے زیادہ عالم فقیہہ ہیں۔ اور ابراہیم نخعی سالم

سے بڑھ کر عالم وفقیہ ہیں۔ علقمہ۔ سالم کے والد عبداللہ ابن عمر سے علم میں کم نہیں اسود بہت ہی بڑے متقی فقیہ و افضل ہیں۔ عبداللہ ابن مسعود فقہ ہیں۔ قرأۃ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں حضرت ابن عمر سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہیں کہ بچپن سے حضور کے ساتھ رہے۔

چونکہ ہماری حدیث کے راوی تمہاری حدیث کے راویوں سے علم و فضل میں زیادہ ہیں۔ لہذا ہماری پیش کردہ حدیث بہت قوی اور قابل قبول ہے۔

امام اوزاعی:۔ خاموش

غیر مقلد وہابی صاحبان امام صاحب کی یہ اسناد دیکھیں اور اس میں کوئی نقص نکالیں امام اوزاعی کو بجز خاموشی کے چارہ کار نہ ہوا یہ ہے۔ امام اعظم کی حدیث دانی اور یہ ہے۔ ان کی حدیث کی اسناد۔ اللہ تعالیٰ حق قبول کرنے کی توفیق دے۔ ضد کا کوئی علاج نہیں۔ یہ لمبی لمبی اسنادیں۔ اور ان میں ضعیف راویوں کی شرکت حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے بعد کی پیداوار ہیں۔ امام صاحب نے جو حدیث قبول فرمائی وہ نہایت صحیح ہے۔

عقل کا تقاضا بھی یہ ہے کہ رکوع میں رفع یدین نہ ہو کیونکہ تمام کا اس پر اتفاق ہے کہ تکبیر تحریمہ میں رفع یدین ہو۔ اور تمام کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ سجدہ اور قعدہ کی تکبیروں میں رفع یدین نہ ہو۔ رکوع کی تکبیر میں اختلاف ہے دیکھنا چاہیئے کہ رکوع کی تکبیر تکبیر تحریمہ کی طرح ہے یا سجدہ اور التحیات کی تکبیروں کی طرح غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ رکوع کی تکبیر تکبیر تحریمہ کی طرح نہیں۔ بلکہ سجدہ اور التحیات کی تکبیروں کی طرح ہے۔ کیونکہ تکبیر تحریمہ فرض ہے جس کے بغیر نماز نہیں ہوتی اور رکوع و سجدے کی تکبیریں سنت کہ ان کے بغیر بھی نماز ہو جاوے گی۔ تکبیر تحریمہ نماز میں صرف ایک دفعہ ہوتی ہے۔ رکوع سجدے کی تکبیریں بار بار ہوتی ہیں۔ تکبیر تحریمہ سے اصل نماز شروع ہوتی ہے رکوع سجدے کی تکبیروں سے رکن نماز شروع ہوتا ہے نہ کہ اصل نماز۔ تکبیر تحریمہ نمازی پر دنیاوی کام کھانا پینا وغیرہ حرام کرتی ہے رکوع سجدہ کی تکبیروں کا یہ حال نہیں ان سے پہلے ہی یہ حرمت آچکی ہے تو جب رکوع کی تکبیر سجدہ کی تکبیر کی طرح ہوتی۔ نہ کہ تکبیر تحریمہ کی طرح تو چاہیئے کہ رکوع کی تکبیر کا بھی وہ ہی حال ہو۔ جو سجدہ کی تکبیر کا حال ہے۔ یعنی ہاتھ نہ اٹھانا۔ لہذا حق یہ ہے کہ رکوع میں رفع یدین ہرگز نہ کرے (از طحاوی شریف)

خلاصہ - یہ ہے کہ رفع یدین بوقت رکوع حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور حضرات صحابہ خصوصاً خلفاء راشدین کے عمل کے خلاف ہے عقل شرعی کے بھی مخالف جن روایات میں رفع یدین آیا ہے وہ تمام منسوخ ہیں۔ جیساکہ حدیث ۱۸ میں صراحۃً مذکور ہے یا وہ سب مرجوع اور ناقابل عمل ہیں۔ ورنہ احادیث میں سخت تعارض واقع ہوگا۔ یہ بھی خیال رہے کہ نماز میں سکون و اطمینان چاہیئے۔ بلاوجہ حرکت وجنبش مکروہ اور سنت کے خلاف ہے۔ اس ہی لئے نماز میں بلاضرورت پاؤں ہلانا۔ انگلیوں کو جنبش دینا ممنوع ہے۔

رفع یدین میں بلاضرورت جنبش ہے۔ تو رفع یدین کی حدیثیں سکون نماز کے خلاف ہیں اور ترک رفع کی حدیثیں سکون نماز کے موافق۔ لہٰذا عقل کا بھی تقاضا ہے کہ رفع یدین نہ کرنے کی حدیثوں پر عمل ہو۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراضات وجوابات

غیر مقلد وہابیوں کی طرف سے اب تک مسئلہ رفع یدین پر جو اعتراضات ہم تک پہنچے ہیں۔ ہم نہایت متانت سے تفصیل وار مع جوابات عرض کرتے ہیں رب تعالیٰ قبول فرمائے

اعتراض نمبر ۱ - رفع یدین نہ کرنے کے متعلق جس قدر روایات پیش کی گئیں وہ سب ضعیف ہیں اور ضعیف حدیث قابل عمل نہیں ہوتی (وہ ہی پرانا سبق)

جواب - جی ہاں۔ صرف اس لئے ضعیف ہیں کہ آپ کے خلاف ہیں اگر آپ کے حق میں ہوتیں تو اگرچہ من گھڑت موضوع بھی ہوتیں۔ آپ کے سر وآنکھوں پر ہوتیں۔ جناب آپ کی ضعیف ضعیف کی رٹ نے لوگوں کو حدیث کا منکر بنا دیا واسطہ رب کا یہ عادت چھوڑ دو۔ ہم ضعیف کے بہت جوابات پچھلے بابوں میں عرض کر چکے۔

اعتراض نمبر ۲ - ابوداؤد کی براء ابن عازب والی حدیث کے متعلق خود ابوداؤد نے فرمایا۔

هٰذَا الْحَدِيْثُ لَيْسَ بِصَحِيْحٍ	یہ حدیث صحیح نہیں۔

معلوم ہوا کہ یہ حدیث ضعیف ہے پھر آپ نے اسے پیش کیوں فرمایا۔

جواب ۔ اس کے چند جواب ہیں۔ ایک ۱ یہ کہ کسی حدیث کے صحیح نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ضعیف ہو صحیح اور ضعیف کے درمیان حسن بنفسہ۔ حسن لغیرہ کا درجہ بھی ہے۔ ابوداؤد نے صحت کا انکار کیا ہے نہ کہ ضعف کا دعویٰ۔ دوسرے یہ کہ ابوداؤد کا فرمانا کہ یہ حدیث صحیح نہیں جرح مبہم ہے انہوں نے صحیح نہ ہونے کی وجہ نہ بتائی۔ کہ کون سا راوی ضعیف ہے اور کیوں ضعیف ہے۔ جرح مبہم معتبر نہیں۔ ہم ابوداؤد کے مقلد نہیں کہ ان کی ہر جرح آنکھ میچ کر مان لیں۔

اعتراض نمبر ۳۔ ابوداؤد آپ کی پیش کردہ حدیث نمبر ۵ کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں یزید ابن ابی زیاد ہیں۔ جن کو آخر عمر میں بھول کی بیماری ہو گئی تھی۔ انہوں نے بڑھاپے میں فرمایا۔ ثُمَّ لا یعود ورنہ اصل حدیث میں یہ الفاظ موجود نہیں لیجئے جرح مفصل حاضر ہے۔ اب یہ حدیث یقیناً ضعیف ہے۔ جو قابل عمل نہیں۔

جواب ۔ اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یزید ابن ابی زیاد ابوداؤد کی اس روایت میں ہیں۔ مگر امام صاحب ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی اسناد میں نہیں تو یہ اسناد ابوداؤد کو ضعیف ہو کر ملی مگر امام ابوحنیفہ کو صحیح ہو کر ملی تھی۔ ابوداؤد کا ضعف امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے لئے مضر کیوں ہو دوسرے ۲ یہ کہ رفع یدین نہ کرنے کی حدیث بہت اسنادوں سے مروی ہے سب میں یزید ابن زیاد موجود نہیں۔ اگر یہ اسناد ضعیف ہے تو باقی اسنادیں کیوں ضعیف ہوں گی۔ تیسرے یہ کہ امام ترمذی نے رفع یدین نہ کرنے کی حدیث کو حسن فرمایا۔ اور بہت صحابہ اس پر عمل بیان کیا۔ آپ کی نظر ابوداؤد کے ضعیف کہنے پر تو گئی مگر امام ترمذی کے حسن فرمانے پر نہ گئی اور صحابہ کے عمل پر نہ گئی یہ کیوں چوتھے یہ کہ اگر اس حدیث کی ساری اسنادیں بھی ضعیف ہوں۔ تب بھی سب ضعیف اسنادیں مل کر قوی ہو جائیں گی۔ جیسا کہ ہم مقدمہ میں عرض کر چکے ہیں۔ پانچویں یہ کہ عام علماء اولیاء جمہور ملت اسلامیہ کا رفع یدین نہ کرنے پر عمل رہا اور ہے اس سے بھی یہ حدیث قوی ہو جاتی ہے۔ سوا مٹھی بھر وہابیوں کے سب ہی اس پر عامل ہیں تعجب ہے کہ آپ کی ڈیڑھ آدمیوں کی جماعت تو حق پر ہو مگر عام امت رسول اللہ گمراہی پر۔ خیال رہے کہ دنیا میں پچانوے فی صدی مسلمان حنفی المذہب ہیں اور پانچ فی صدی دیگر مذاہب

اس اندازہ کی صحت حرمین طیبین جاکر معلوم ہوتی ہے۔ جہاں ہر ملک کے مسلمان جمع ہوتے ہیں۔ بیچارے وہابی تو کسی شمار میں نہیں۔ یہ شاید ہزار میں ایک ہوں گے۔ سرکار فرماتے ہیں۔

مَارَاٰہُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَسَنًا فَھُوَ عِنْدَ اللّٰہِ حَسَنٌ۔ | جسے عامۃ المومنین اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔

اور فرماتے ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔

اِتَّبِعُوا السَّوَادَ الْاَعْظَمَ فَاِنَّہٗ مَنْ شَذَّ شُذَّ فِی النَّارِ | میری امت کے بڑے گروہ کی پیروی کرو۔ جو بڑی جماعت سے الگ رہا وہ دوزخ میں الگ جائیگا۔

خیال رہے کہ شافعی۔ مالکی۔ حنبلی۔ حنفی سب ایک گروہ ہے کہ عقائد سب کے ایک ہیں سب مقلد ہیں۔ غیر مقلد مٹھی بھر جماعت مسلمانوں سے عقائد میں بھی علیحدہ ہے۔ اعمال میں جداگانہ لہذا حنفیوں کی کوئی حدیث ضعیف ہو سکتی ہی نہیں۔ امت کے عمل سے قوی ہے۔ دیکھو مقدمہ۔

اعتراض نمبر ۴۔ تمہاری پیش کردہ حدیث نمبر ا جو ترمذی وغیرہ نے حضرت ابن مسعود سے نقل کی وہ مجمل ہے کیونکہ اس میں نماز کا سارا طریقہ بیان نہ کیا گیا۔ صرف یہ فرمایا گیا۔ کہ ابن مسعود نے صرف ایک دفعہ ہاتھ اٹھایا آگے کیا کیا یہ مذکور نہیں اور مجمل حدیث نا قابل عمل ہوتی ہے (ڈیرہ غازی خاں کے ایک لائق وہابی)

جواب۔ جناب یہ حدیث مجمل نہیں۔ مطلق نہیں۔ عام نہیں۔ مشترک لفظی۔ یا معنوی نہیں بلکہ حدیث مختصر ہے۔ مختصر پر عمل کو کس نے منع کیا؟ اور مجمل بھی بعد بیان متکلم قابل عمل بلکہ واجب العمل ہو جاتی ہے کیونکہ مجمل بیان متکلم کے بعد محکم ہو جاتی ہے۔

ہمارا اعلان۔ دنیا بھر کے وہابی غیر مقلدوں کو اعلان ہے کہ مطلق۔ عام۔ مجمل۔ مشترک معنوی۔ مشترک لفظی میں فرق بتائیں۔ اور ان میں سے ہر ایک کی جامع مانع تعریف کریں۔ مگر قرآن و حدیث کی روشنی میں اصول فقہ، منطق کو ہاتھ نہ لگائیں۔

وہابیو! تم حدیث کے غلط ترجمے کیئے جاؤ۔ تمہیں ان علمی چیزوں سے کیا تعلق

کسی حنفی عالم سے مجمل کا لفظ سن لیا ہوگا۔ تو دھونس جمانے کے لیئے یہاں اعتراض جڑ دیا اور اس میں یہ سُنا ہوا لفظ استعمال کر دیا۔ اللہ تعالےٰ نے علوم کے دریا تو مقلدین کے سینوں میں بہائے ہیں۔

اعتراض نمبر ۵۔ ابوداؤد۔ ترمذی۔ دارمی ابن ماجہ نے حضرت ابوحمید ساعدی سے ایک طویل حدیث نقل کی جس میں رفع یدین کے متعلق عبارت یہ ہے۔

ثُمَّ یُکَبِّرُ وَیَرْفَعُ یَدَیْہِ حَتّٰی یُحَاذِیَ بِھِمَا مَنْکِبَیْہِ ثُمَّ یَرْکَعُ وَیَضَعُ رَاحَتَیْہِ عَلٰی رُکْبَتَیْہِ۔ ثُمَّ یَرْفَعُ رَاسَہٗ فَیَقُوْلُ سَمِعَ اللہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ ثُمَّ یَرْفَعُ یَدَیْہِ حَتّٰی یُحَاذِیَ بِھِمَا مَنْکِبَیْہِ الخ

پھر آپ تکبیر کہتے تھے اور اپنے ہاتھ اتنے اٹھاتے کہ کندھوں کے مقابل ہو جاتے اور اپنی ہتھیلیاں اپنے گھٹنوں پر رکھتے پھر اپنا سر اٹھاتے پھر کہتے سمع اللہ لمن حمدہ پھر اپنے ہاتھ اٹھاتے یہاں تک کہ کندھوں کے مقابل ہو جاتے۔

ابوحمید ساعدی نے جماعت صحابہ میں یہ حدیث پیش کی جس میں بوقت رکوع رفع یدین کا ذکر ہے اور سب نے ان کی تصدیق کی معلوم ہوا کہ رفع یدین حضور کا فعل ہے اور صحابہ کی تصدیق و عمل لہٰذا اس پر عمل ہم کو بھی چاہیئے (نوٹ یہ حدیث وہابی غیر مقلدوں کی انتہائی دلیل ہے جس پر انہیں بہت ناز ہے)۔

جواب ۔ اس کے چند جواب ہیں غور سے ملاحظہ کرو۔ ایک یہ کہ یہ حدیث اسناد کے لحاظ سے قابل عمل نہیں کیونکہ اس حدیث کی اسناد ابوداؤد وغیرہ میں یہ ہے۔

حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا یَحْیٰ۔ وَھٰذَا حَدِیْثُ اَحْمَدَ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْحَمِیْدِ یَعْنِیْ اِبْنَ جَعْفَرٍ اَخْبَرَنِیْ مُحَمَّدُ ابْنُ عَمْرٍو ابْنِ عَطَاءٍ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا حُمَیْدِ السَّاعِدِیَّ فِیْ عَشَرَۃٍ الخ

ہم سے مسدد نے حدیث بیان کی وہ فرماتے ہیں ہمیں یحیٰ نے حدیث سنائی۔ احمد نے فرمایا کہ ہمیں عبدالحمید ابن جعفر نے وہ کہتے ہیں کہ مجھے محمد ابن عمرو ابن عطاء نے خبر دی وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابوحمید ساعدی سے دس صحابہ کی جماعت میں سُنا۔

ان میں سے عبدالحمید ابن جعفر سخت مجروح و ضعیف ہیں۔ دیکھو طحاوی۔ دوسرے محمد ابن عمرو ابن عطاء نے ابوحمید ساعدی سے ملاقات ہی نہیں کی۔ اور کہہ دیا میں نے ان سے سنا ہے لہٰذا

یہ غلط ہے۔ درمیان میں کوئی راوی چھوٹ گیا۔ جو مجہول ہے (طحاوی) ان دو نقصوں کی وجہ سے یہ حدیث ہی ناقابل عمل ہے مگر چونکہ آپ کے موافق ہے۔ اس لیئے آپ کو مقبول ہے۔ کچھ تو شرم کرو۔

دوسرے یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ اس حدیث میں یہ بھی ہے۔

ثُمَّ اِذَا قَامَ مِنَ الرَّكْعَتَيْنِ كَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى يُحَاذِيَ بِهِمَا مَنْكِبَيْهِ كَمَا كَبَّرَ عِنْدَ اِفْتِتَاحِ الصَّلٰوةِ۔

پھر جب دو رکعتیں پڑھ کر اٹھتے تو تکبیر فرماتے اور اپنے ہاتھ اٹھاتے یہاں تک کہ کندھوں کے مقابل ہو جاتے جیسے کہ نماز کے شروع پر کیا تھا

فرماؤ آپ دو رکعتوں سے اٹھتے وقت رفع یدین کیوں نہیں کرتے۔

تیسرے یہ کہ جب ابو حمید ساعدی نے یہ حدیث صحابہ کے مجمع میں پیش کی تو ان بزرگوں نے فرمایا جو ابو داؤد میں ہے۔

قَالُوْا فَلِمَا فَوَاللّٰهِ مَا كُنْتَ بِاَكْثَرِنَا لَهٗ تَبْعَةً وَّاَقْدَمَنَا لَهٗ صُحْبَةً قَالَ بَلٰى۔

انہوں نے فرمایا کہ تم ہم سے زیادہ حضور کی نماز کے کیسے واقف ہو گئے نہ تو تم ہم سے زیادہ حضور کی تابع رہے نہ ہم سے پہلے تم صحابی بنے تو ابو حمید بولے بیشک ایسا ہی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ابو حمید نہ تو صحابہ میں فقیہہ و عالم ہیں نہ انہیں حضور کی زیادہ صحبت میسر ہوئی اور سیدنا عبداللہ ابن مسعود عالم فقیہہ صحابی ہیں۔ جو حضور کے ساتھ سایہ کی طرح رہے۔ وہ رفع یدین کے خلاف روایت کرتے ہیں۔ تو یقیناً ابو حمید کی روایت کے مقابل میں حضرت ابن مسعود کی روایت زیادہ معتبر ہے۔ جیسا کہ تعارض احادیث کا حکم ہے لہٰذا تمہاری یہ حدیث بالکل ناقابل عمل ہے۔

چوتھے یہ کہ ابو حمید ساعدی نے یہ نہ فرمایا کہ حضور نے آخر حیات شریف تک رفع یدین کیا صرف یہ فرمایا کہ حضور ایسا کرتے تھے۔ مگر کب تک اس سے خاموشی ہے۔ ہم پہلی فصل میں حدیث پیش کر چکے ہیں کہ رفع یدین کی حدیثیں منسوخ ہیں۔ لہٰذا یہ اُس منسوخ حدیث کا بیان ہے کہ ایک زمانہ میں حضور ایسا کرتے تھے۔ اب لائق عمل نہیں۔

پانچویں یہ کہ یہ حدیث قیاس شرعی کے خلاف ہے اور سیدنا ابن مسعود کی روایت قیاس کے مطابق لہٰذا وہ حدیث واجب العمل ہے اور تمہاری یہ روایت واجب الترک کیونکہ جب احادیث میں تعارض ہو تو قیاس شرعی سے ایک کو ترجیح ہوتی ہے۔ اس کی بہت مثالیں موجود ہیں۔ دیکھو ایک حدیث میں ہے۔

اَلْوُضُوْءُ مِمَّا مَسَّتْهُ النَّارُ | آگ کی پکی چیز کے استعمال سے وضو کرنا واجب ہے

دوسری حدیث شریف میں وارد ہوا کہ حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم نے کھانا ملاحظہ فرما کر بغیر وضو کئے نماز پڑھی۔ یہاں حدیثوں میں تعارض ہوا تو پہلی حدیث چھوڑ دی گئی کہ قیاس کے خلاف ہے دن رات گرم پانی سے وضو کیا جاتا ہے۔ دوسری حدیث واجب العمل ہوئی کہ قیاس کے مطابق ہے ایسے ہی یہاں ہے۔

چھٹے یہ کہ عام صحابہ کرام کا عمل تمہاری پیش کردہ حدیث کے خلاف رہا جیسا کہ ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے معلوم ہوا کہ صحابہ کی نظر میں رفع یدین کی حدیث منسوخ ہے۔

ساتویں یہ کہ ابو حمید ساعدی کی اس روایت میں عبد الحمید ابن جعفر اور محمد ابن عمرو ابن عطاء ایسے غیر معتبر راوی ہیں کہ خدا کی پناہ۔ چنانچہ امام ماردی نے جوہر نقی میں فرمایا کہ عبد الحمید منکر الحدیث ہے۔ یہ امام ماردی وہ ہیں جنہیں یحییٰ ابن سعید فرماتے ہیں۔ هُوَ اِمَامُ النَّاسِ فِیْ هٰذَا الْبَابِ۔ حدیث کے فن میں وہ امام ہیں۔ محمد ابن عمرو ایسا جھوٹا راوی ہے۔ کہ اس کی ملاقات ابو حمید ساعدی سے ہرگز نہ ہوئی۔ مگر کہتا ہے سمعت میں نے ان سے سنا۔ ایسے جھوٹے آدمی کی روایت موضوع یا کم سے کم اول درجہ کی مدلس ہے۔ نیز اس حدیث کی اسناد میں سخت اضطراب ہے اسناد بھی مضطرب ہے اور متن بھی۔ چنانچہ عطاف ابن خالد نے جب یہ روایت کی تو محمد ابن عمرو اور ابو حمید ساعدی کے درمیان ایک مجہول الحال راوی بیان کیا لہٰذا یہ حدیث مجہول بھی ہے غرضیکہ اس حدیث میں ایک نہیں بہت خرابیاں ہیں۔ یہ منکر بھی ہے مضطرب بھی مدلس یا موضوع بھی ہے۔ مجہول بھی ہے۔ دیکھو حاشیہ ابو داؤد یہی مقام ایسی روایت تو نام لینے کے قابل بھی نہیں۔ چہ جائیکہ اس سے دلیل پکڑی جاوے۔

آٹھویں یہ کہ بخاری نے بھی ابو حمید ساعدی کی یہ روایت لی ہے۔ مگر نہ اس میں ایسے راوی ہیں

نہ وہاں رفع یدین کا ذکر ہے۔ دیکھو مشکوٰۃ شریف باب صفۃ الصلوٰۃ اگر ان کی روایت میں رفع یدین کا ذکر درست ہوتا تو امام بخاری ہرگز نہ چھوڑتے۔ بہرحال تمہاری یہ حدیث کسی لحاظ سے توجہ کے قابل نہیں

حنفی بھائیو! رفع یدین غیر مقلد وہابیوں کا چوٹی کا مسئلہ ہے اور یہ حدیث ابو حمید ساعدی مایہ ناز دلیل ہے جو وہابیوں کے بچہ بچہ کو حفظ ہوتی ہے عام حنفی لوگ انکی لن ترانیاں دیکھ کر سمجھتے ہیں کہ ان کے دلائل بڑے غوب قوی ہیں۔ الحمد للہ کہ اس دلیل کے پرخچے اڑ گئے اب وہابی یہ حدیث پیش کرنے کی ہمت نہیں کر سکتے۔

خیال رہے کہ وہابیوں کی کسی اسناد کا مجروح ہو جانا وہابیوں کے لئے قیامت ہے کیونکہ انکے مذہب کی بنیاد صرف انہیں اسنادوں پر ہی ہے اگر ایک اسناد غلط ہو گئی تو سمجھو کہ انکے مذہب کی آنکھ پھوٹ گئی کیونکہ ان بیچاروں کا سوا ان اسنادوں کے کوئی سہارا نہیں یہ بے پیرے۔ بے مرشدے بے نورے اس آیت کے مصداق ہیں۔ رب فرماتا ہے۔

وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا نیز رب فرماتا ہے۔ وَمَنْ يَّلْعَنْهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا

جسے اللہ گمراہ کرے اسے نہ کوئی ولی ملے نہ پیر مرشد۔ جس پر خدا لعنت کرتا ہے اس کا کوئی مددگار نہیں۔

لیکن احناف کی حدیث کی کسی اسناد کے مجروح ہونے سے احناف پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہمارے مسائل فقہیہ کا دارومدار ان اسنادوں پر نہیں۔ بلکہ حضرت امام الائمہ کاشف الغمہ سراج اُمہ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے فرمان پاک پر ہے۔ وہ امام اعظم جو امت کا چراغ ہے امام بخاری و عام محدثین کے استادوں کا استاد ہے۔ جس کے زیر دامن ہزارہا اولیاء اور علماء ہیں جس کا مذہب ہر اس جگہ موجود ہے جہاں دین رسول اللہ موجود ہے۔ ان کے قول ہمارے مسائل کی دلیل ہیں۔ امام اعظم کی دلیلیں آیات قرآنیہ اور وہ صحیح احادیث ہیں جن پر نہ کوئی خدشہ ہے نہ غبار کیونکہ امام اعظم حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت قریب زمانہ میں ہیں۔

مثال:۔ دیکھو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث تقسیم نہ فرمائی حالانکہ قرآن کریم میں تقسیم میراث کا حکم ہے۔ جب ان کی خدمت میں یہ سوال ہوا تو فرمایا کہ میں نے حضور سے سنا ہے کہ انبیاء کرام کی میراث تقسیم نہیں ہوتی۔ چونکہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے خود

براہ راست یہ حدیث سنی تھی بیدھڑک اس پر عمل کیا اگر اس حدیث سے ہم استدلال کرتے تو ہم کو ہزار ہا مصیبتیں پیش آجائیں۔ اسناد پر ہزار ہا قسم کی جرح ہوجاتی مگر صدیق اکبر کی آنکھوں نے خاموش قرآن میں تقسیم میراث کا حکم دیکھا تھا۔ لیکن ان کے کانوں نے بولتے ہوئے قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ اس حکم سے انبیاء کرام مستثنیٰ ہیں۔ جیسے صدیق اکبر کی حدیث جرح و قدح سے پاک ہے۔ ایسے ہی امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی روایات جرح و قدح سے پاک کہ ان کا زمانہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے متصل ہے لہٰذا وہابیوں کے لیئے یہ اسناد بن آفت ہیں ہم مقلدوں پر ان جرحوں کا کوئی اثر نہیں۔ دیکھو ہم نے پہلی فصل میں جو امام اعظم رضی اللہ عنہ کی اسناد پیش کی سبحان اللہ کیسی پاکیزہ اسناد ہے کیا کسی وہابی میں ہمت ہے کہ اسناد پر جرح کر سکے۔

اعتراض نمبر ۷۔ بخاری و مسلم نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ اِذَا افْتَتَحَ الصَّلٰوةَ وَاِذَا كَبَّرَ لِلرُّكُوْعِ اِذَا رَفَعَ رَاْسَهٗ مِنَ الرُّكُوْعِ رَفَعَهُمَا كَذَالِكَ وَقَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ وَكَانَ لَا يَفْعَلُ ذَالِكَ فِی السُّجُوْدِ۔	بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھ شریف کاندھوں تک اٹھاتے تھے جب نماز شروع فرماتے اور جب رکوع کے لیئے تکبیر فرماتے۔ اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تھے۔ تب بھی ایسے ہی ہاتھ اٹھاتے تھے اور فرماتے سمع اللہ لمن حمدہ ربنا لک الحمد اور سجدہ میں رفع یدین نہ کرتے تھے۔

یہ حدیث مسلم و بخاری کی ہے۔ نہایت صحیح الاسناد ہے۔ جس سے رفع یدین رکوع کے وقت بھی ثابت ہے اور بعد رکوع بھی۔

جواب۔ اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ اس حدیث میں یہ تو ذکر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رکوع میں رفع یدین کرتے تھے۔ مگر یہ ذکر نہیں کہ آخر وقت تک حضور کا یہ فعل شریف رہا۔ ہم بھی کہتے ہیں کہ واقعی رفع یدین اسلام میں پہلے تھا بعد کو منسوخ ہوگیا۔ اس حدیث میں اس منسوخ فعل شریف کا ذکر ہے۔ اس کا منسوخ ہونا ہم پہلی فصل میں بیان کر چکے۔

دوسرے یہ کہ صحابہ کرام نے رفع یدین کرنا چھوڑ دیا۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ان کی نظر میں رفع یدین منسوخ ہے۔ چنانچہ دار قطنی میں صفحہ نمبر ۱۱۱ پر سیدنا عبداللہ ابن مسعود سے روایت کی

قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ وَمَعَ اَبِیْ بَکْرٍ وَّمَعَ عُمَرَ فَلَمْ يَرْفَعُوْا اَيْدِيَهُمْ اِلَّا عِنْدَ التَّكْبِيْرَةِ الْاُوْلٰى فِی اِفْتِتَاحِ الصَّلٰوةِ۔

فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر صدیق۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے ساتھ نمازیں پڑھی ہیں ان حضرات نے شروع نماز تکبیر اولیٰ کے سوا اور کسی وقت ہاتھ نہ اٹھائے

فرمائیے جناب اگر رفع یدین سنت باقیہ ہے تو ان بزرگوں نے اس پر عمل کیوں چھوڑ دیا۔ تیسرے یہ کہ اس حدیث کے راوی سیدنا عبداللہ ابن عمر ہیں اور ان کا خود اپنا عمل اس کے خلاف کہ آپ رفع یدین نہ کرتے تھے۔ جیسا کہ ہم پہلی فصل میں نقل کر چکے اور جب راوی کا اپنا عمل اپنی روایت کے خلاف ہو تو معلوم ہوگا کہ یہ حدیث خود راوی کے نزدیک منسوخ ہے ہم پہلی فصل میں یہ بھی دکھا چکے کہ حضرت علی مرتضےٰ رضی اللہ عنہ بھی رفع یدین نہ کرتے تھے۔ ان صحابہ کے عمل نے اس حدیث کا نسخ ثابت کیا۔ چوتھے یہ کہ رسالہ آفتاب محمدی میں ہے کہ یہ حدیث ابن عمر سے چند اسنادوں سے مروی ہے اور وہ سخت ضعیف ہیں کیونکہ ایک روایت میں یونس ہے جو سخت ضعیف ہے جیسا کہ تہذیب میں ہے۔ اس کی دوسری اسناد میں ابوقلابہ ہے جو خارجی المذہب تھا یعنی ناجبی دیکھو تہذیب تیسری اسناد میں عبداللہ ہے یہ پکا رافضی تھا۔ چوتھی اسناد میں شعیب ابن اسحاق ہے یہ بھی مرجیہ مذہب کا تھا۔ غرضیکہ رفع یدین کی حدیثوں کے راوی روافض بھی ہیں کیونکہ یہ روافض کا عمل ہے وہ رفع یدین کرتے ہیں۔

اعتراض نمبر ۷۔ بخاری شریف نے حضرت نافع سے روایت کی۔

اَنَّ اِبْنَ عُمَرَ کَانَ اِذَا دَخَلَ فِی الصَّلٰوةِ كَبَّرَ رَفَعَ يَدَيْهِ وَاِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ رَفَعَ يَدَيْهِ وَاِذَا قَامَ مِنَ الرَّكْعَتَيْنِ رَفَعَ يَدَيْهِ وَرَفَعَ ذٰلِكَ اِبْنُ عُمَرَ اِلَى النَّبِيِّ

حضرت عبداللہ ابن عمر جب نماز میں داخل ہوتے تو تکبیر کہتے اور اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے اور جب سمع اللہ لمن حمدہ کہتے جب بھی دونوں ہاتھ اٹھاتے اور جب دو رکعتوں سے کھڑے ہوتے تب بھی دونوں ہاتھ اٹھاتے تھے اور

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ — اس فعل کی آپ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کیطرف مرفوع کرتے تھے

دیکھو سیدنا عبد اللہ ابن عمر بوقت رکوع رفع یدین کرتے تھے۔ رفع یدین سنت صحابہ بھی ہے۔

جواب۔ اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے کہ اس میں دو رکعتوں سے اُٹھتے وقت بھی رفع یدین ثابت ہے۔ تم لوگ صرف رکوع پر کرتے ہو۔ دو رکعتوں سے اُٹھتے وقت نہیں کرتے۔ دوسرے یہ کہ ہم پہلی فصل میں حدیث بیان کر چکے ہیں کہ حضرت مجاہد فرماتے ہیں۔ میں نے حضرت عبد اللہ ابن عمر کے پیچھے نماز پڑھی وہ صرف تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ اٹھاتے تھے۔ اب حضرت ابن عمر کے دو فعل نقل ہوئے بوقت رکوع ہاتھ اٹھانا۔ اور نہ اٹھانا ان دونوں حدیثوں کو اس طرح جمع کیا جا سکتا ہے کہ نسخ کی خبر سے پہلے آپ ہاتھ اٹھاتے تھے۔ اور نسخ کی خبر کے بعد نہ اٹھاتے تھے۔ کیونکہ اس حدیث میں وقت کا ذکر نہیں کہ کب اور کس زمانہ میں اٹھاتے تھے۔ لہٰذا دونوں حدیثیں جمع ہو گئیں۔ چنانچہ طحاوی شریف میں ہے۔

فَقَدْ يَجُوْزُ اَنْ يَكُوْنَ ابْنُ عُمَرَ فَعَلَ مَا رَاٰهُ طَاؤُسُ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ الْحُجَّةُ عِنْدَهٗ بِنَسْخِهٖ ثُمَّ قَامَتِ الْحُجَّةُ عِنْدَهٗ بِنَسْخِهٖ وَتَرَكَهٗ وَفَعَلَ مَا ذَكَرَهٗ عَنْهُ مُجَاهِدٌ

جائز ہے کہ سیدنا ابن عمر نے رفع یدین جو طاؤس نے دیکھا ثبوت نسخ سے پہلے کیا۔ پھر جب سیدنا عبد اللہ ابن عمر کو رفع یدین کے نسخ کی تحقیق ہو گئی تو چھوڑ دیا اور وہ کیا۔ جو مجاہد نے دیکھا (رفع یدین نہ کرنا)

بہرحال ہمارے نزدیک دونوں حدیثیں درست ہیں مختلف وقتوں میں مختلف عمل ہیں۔ مگر وہابیوں کو ایک حدیث چھوڑنا پڑتی ہے۔ کسی حدیث کو چھوڑنے سے دونوں کو جمع کرنا بہتر ہے۔

اعتراض نمبر ۸۔ مسلم شریف نے حضرت وائل ابن حجر سے روایت کی۔ جس کے بعض الفاظ یہ ہیں۔

فَلَمَّا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ رَفَعَ يَدَيْهِ فَلَمَّا سَجَدَ سَجَدَ بَيْنَ كَفَّيْهِ

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سمع اللہ لمن حمدہ فرمایا تو اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور جب سجدہ کیا تو دونوں ہاتھوں کے بیچ میں کیا۔

اس سے بھی رفع یدین ثابت ہے۔

جواب۔ حضرت وائل ابن حجر رضی اللہ عنہ کی یہ روایت سیدنا عبداللہ ابن مسعود کی روایت کے مقابلہ میں معتبر نہیں۔ حضرت وائل ابن حجر صرف ایک بار ہاتھ اٹھانیکی روایت کرتے ہیں۔ کیونکہ ابن حجر دیہات کے رہنے والے تھے۔ جنہوں نے ایک آدھ بار حضور کے پیچھے نماز پڑھی انہیں نسخ احکام کی خبر بمشکل ہوتی تھی۔ مگر حضرت ابن مسعود ہمیشہ حضور کے ساتھ رہتے تھے۔ بڑے عالم و فقیہہ صحابی تھے۔ نیز حضرت وائل ابن حجر حضور کے پیچھے آخری صف میں کھڑے ہوتے ہوں گے۔ حضرت ابن مسعود صفِ اوّل میں خاص حضور کے پیچھے کھڑے ہونے والے صحابی ہیں کیونکہ حضور کے پیچھے علماء فقہاء صحابہ کھڑے ہوتے تھے خود سرکار نے حکم دیا تھا کہ۔

لِيَلِيَنِّي مِنْكُمْ اُولُوا الْاَحْلَامِ وَالنُّهٰى | تم میں سے مجھ سے قریب وہ رہے جو علم و عقل والا ہو

چنانچہ مسند امام اعظم میں ہے کہ کسی نے سیدنا ابراہیم نخعی سے حضرت وائل ابن حجر کی اس روایت کے متعلق دریافت کیا۔ جس میں انہوں نے رفع یدین کا ذکر کیا ہے۔ تو حضرت ابراہیم نخعی نے نفیس جواب دیا۔

فَقَالَ اَعْرَابِيٌّ لَا يَعْرِفُ شَرَائِعَ الْاِسْلَامِ وَلَمْ يُصَلِّ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَّا صَلٰوةً وَاحِدَةً وَقَدْ حَدَّثَنِيْ مَنْ اُحْصِيْ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّهٗ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِيْ بَدْءِ الصَّلٰوةِ فَقَطْ وَحَكَاهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَبْدُ اللّٰهِ عَالِمٌ بِشَرَائِعِ الْاِسْلَامِ وَحُدُوْدِهٖ مُتَفَقِّدٌ اَحْوَالَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُلَازِمٌ لَهٗ فِيْ اِقَامَتِهٖ وَاَسْفَارِهٖ وَقَدْ صَلّٰى مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا لَا يُحْصٰى۔

آپ نے فرمایا کہ وائل ابن حجر دیہات کے رہنے والے تھے اسلام کے احکام سے پورے واقف نہ تھے حضور کے ساتھ ایک آدھ ہی نماز پڑھ سکے اور مجھ سے بے شمار شخصوں نے حضرت ابن مسعود سے روایت کی کہ آپ صرف ابتداء نماز میں ہاتھ اُٹھاتے تھے اور یہ حضور سے نقل فرماتے تھے۔ عبداللہ ابن مسعود رض احکام اسلام سے خبردار حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے حالات کی تحقیقی خبر رکھنے والے۔ حضور کے سفر و حضر کے ساتھی تھے۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بے شمار نمازیں پڑھیں۔

خلاصہ یہ کہ عالم و فقیہہ اور حضور کے ساتھ ہمیشہ رہنے والے صحابی کی روایت کو ترجیح ہوتی

ہے لہٰذا حضرت عبداللہ ابن مسعود کی روایت قابل عمل ہے۔ اور اس روایت کے مقابل سیدنا وائل ابن حجر کی روایت ناقابل عمل انہوں نے رفع یدین کے نسخ سے پہلے کا فعل ملاحظہ کیا اور وہ ہی نقل فرمادیا۔

اعتراض نمبر ۹۔ اگر تکبیر تحریمہ کے سوا رفع یدین نہ کرنا چاہیئے۔ تو آپ لوگ نماز عید اور نماز وتر میں رکوع کے وقت رفع یدین کیوں کرتے ہو کیا وہ دونوں نمازیں نماز نہیں۔ (بعض ڈیرہ غازی خانی وہابی)

جواب۔ اس سوال سے آپ کی بے بسی ظاہر ہو رہی ہے۔ احادیث میں تو آپ رہ گئے اب لگے اٹکل پچو بہانہ بنانے۔ جناب یہاں گفتگو اس رفع یدین میں ہے جسے آپ سنت نماز یا سنت رکوع سمجھے بیٹھے ہیں۔ عیدین اور وتر کے رفع یدین سنت رکوع نہیں۔ بلکہ نماز عید اور دعا قنوت کی سنتیں ہیں۔ اسی ہی لیئے عید میں ایک رکعت میں تین بار رفع یدین ہوتا ہے اور وتر میں رکوع سے پہلے نہیں بلکہ دعا قنوت سے پہلے ہوتا ہے جیسے نماز عید میں خطبہ جماعت وغیرہ اور نماز وتر میں دعا قنوت تین رکعت وغیرہ خصوصی صفات ہیں۔ ایسے ہی چھ تکبیریں اور چھ دفعہ رفع یدین نماز عید کی خصوصیت ہے اگر نماز پنجگانہ کو نماز عید یا نماز وتر پر قیاس کرتے ہو تو اسے وہابیو ہر رکوع پر تین دفعہ رفع یدین کیا کرو اور ہر نماز میں دعا قنوت پڑھا کرو۔

اعتراض نمبر ۱۰۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب سورۂ کوثر شریف نازل ہوئی تو حضور نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا کہ اسے جبرئیل نحر کیا چیز ہے جس کا مجھے نماز کے ساتھ حکم دیا تو حضرت جبرئیل نے فرمایا کہ اس نحر سے مراد قربانی نہیں بلکہ

اِذَا تَحَرَّمْتَ لِلصَّلٰوةِ اَنْ تَرْفَعَ يَدَيْكَ اِذَا كَبَّرْتَ وَاِذَا رَكَعْتَ وَاِذَا رَفَعْتَ رَاْسَكَ مِنَ الرُّكُوْعِ فَاِنَّهَا صَلٰوتُنَا وَصَلٰوةُ الْمَلٰئِكَةِ الَّذِيْنَ فِى السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ۔

جب آپ نماز کی تکبیر تحریمہ کہیں تو اپنے ہاتھ اٹھائیں اور جب رکوع کریں اور جب اپنا سر اٹھائیں کیونکہ یہ ہی ہماری نماز ہے اور ان فرشتوں کی نماز ہے جو سات آسمانوں میں ہے

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم نے جیسے نماز کا حکم دیا ہے۔ ویسے ہی رفع یدین کا بھی حکم دیا

لہذا رفع یدین ایسا ہی ضروری ہے۔ جیسے نماز ضروری کہ رب نے فرمایا فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ فرشتے بھی رفع یدین کرتے ہیں تو جو لوگ رفع یدین نہ کریں وہ حضور کے بھی مخالف ہیں صحابہ کرام کے بھی اور فرشتوں کے بھی۔ فرش و عرش پر رفع یدین ہوتا ہے تم لوگ ایک امام ابوحنیفہ کی پیروی میں ان تمام مقدسین کی مخالفت نہ کرو۔

نوٹ ضروری۔ ڈیرہ غازی خاں کے وہابی غیر مقلدوں کی طرف سے رفع یدین کے متعلق ایک ٹریکٹ مفت تقسیم ہوا مجھے بھی بھیجا گیا اس میں یہ اعتراض بہت جوش کے لب ولہجہ میں مذکور ہے اب تک پرانے وہابیوں کو نہ سوجھا تھا۔

جواب۔ وہابی جی تم نے یا تمہارے کسی ہم نوا نے جھوٹی حدیث گڑھ تو لی۔ مگر گڑھنا نہ آئی جھوٹ بولنے کے لئے بھی سلیقہ درکار ہے۔ تمہاری اس گھڑی ہوئی حدیث نے ہی تمہارے مذہب کا بیڑا غرق کر دیا۔ چونکہ تم نے اس کی اسناد بیان نہ کی اس لئے اسناد پر بحث نہیں کی جاسکتی اور نہیں جاسکتا کہ اس کا گھڑنے والا کون ہے۔ البتہ متن حدیث پر چند طرح گفتگو ہے۔

ایک یہ کہ آپ نے انحر کے معنی کیئے رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد ہاتھ اٹھانا یہ لغت کی کون سی کتاب سے ثابت ہیں۔ نحر کے معنی ہاتھ سے اٹھانا۔ رکوع پہلے اور بعد اتنے معنی کی پوٹلی ایک لفظ نحر میں کس نے بھر دی۔ کیا حضرت جبریل علیہ السلام کو لغت عرب کی بھی خبر نہ تھی جو نحر کے معنی یہ بتا گئے پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل بیت اطہار نے بھی نہ پوچھا کہ اے جبریل نحر کے یہ انوکھے معنی کہاں سے لیئے گئے۔ اور کیسے لیئے گئے لغت کا حوالہ پیش کرو۔ اگر قرآن و حدیث کے معنی ایسے ہونے شروع ہو گئے تو دین کا رب ہی حافظ ہے۔ صلوۃ کے معنی روٹی کھانا۔ زکوۃ کے معنی پانی پینا حج کے معنی کپڑے پہننا۔ صوم کے معنی چارپائی پر سونا۔ جہاد کے معنی دوکانداری کرنا کر لو۔ چلو اسلام کے پانچوں ارکان ختم۔ ذرا شرم کرو اپنے نامہذب مذہب کو بنانے کے لئے کیوں ایسی حدیثیں گھڑتے ہو۔

دوسرے یہ کہ یہاں نحر صلوۃ پر معطوف ہے۔ اور معطوف ہمیشہ معطوف علیہ کا غیر ہوتا ہے۔ تو چاہیئے کہ نحر سے مراد رفع یدین نہ ہو کہ یہ نماز کا جزء ہے۔ نہ کہ نماز کا غیر

تیسرے یہ کہ جب وانحر کے معنی ہوئے رفع یدین کرو اور یہ امر قرآن کریم میں نماز کے

حکم کے ساتھ مذکور ہوا تو چاہیئے کہ جیسے نماز فرض قطعی ہے کہ اس کا منکر دین سے خارج ہو جاتا ہے ایسے ہی رفع یدین فرض قطعی ہو کہ اس کے سارے منکر کافر ہوں تو تم اور تمہاری ساری جماعت اسے فرض کیوں نہیں کہتے۔ صرف سنّت کیوں کہتے ہو اور جب غیر مقلد حنفیوں میں پھنستے ہیں تو رفع یدین چھوڑ کیوں دیتے ہیں۔ یہ کہہ کر کہ رفع یدین کرنا بھی سنت ہے نہ کرنا بھی جس پر چاہو عمل کر لو بتاؤ اوس کی فرضیت کے منکر ہو کر تمام وہابی کون ہوئے۔

چوتھے یہ کہ کسی محدث نے رفع یدین کو فرض قطعی نہ کہا۔ امام ترمذی نے رفع یدین نہ کرنے کی حدیث کو حسن فرما کر فرمایا کہ اس پر بہت علماء صحابہ و تابعین کا عمل ہے۔ فرماؤ امام ترمذی اور سارے محدثین رفع یدین کی فرضیت کا انکار کر کے تمہارے نزدیک اسلام کے دائرہ میں رہے یا نہیں اور اب ان کی کتب سے حدیث لینا شرعًا جائز ہے یا ناجائز۔

پانچویں یہ کہ ہم پہلی فصل میں دلائل سے ثابت کر چکے کہ حضرت ابوبکر صدیق۔ عمر فاروق۔ علی مرتضیٰ۔ عبداللہ ابن عباس۔ عبداللہ ابن عمر۔ عبداللہ ابن مسعود۔ عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہم اجمعین جیسے جلیل القدر صحابہ رفع یدین نہ کرتے تھے۔ بلکہ سیدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس سے سخت منع فرماتے تھے تو اتنا بڑا فریضۂ قرآنی جو نماز کی طرح فرض ہو ان صحابہ پر مخفی رہا اور آج چودہ سو برس کے بعد ڈیرہ غازی خاں کے ایک مولوی کو معلوم ہوا۔ حیرت در حیرت کا باعث ہے یا نہیں۔

چھٹے یہ کہ تم نے یہ گھڑی ہوئی حدیث حضرت امیر المومنین مولاء کائنات علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف نسبت کی تو حیرت ہے کہ حضرت علی خود یہ روایت بیان فرماتے ہیں اور خود ہی اس کے خلاف کرتے ہیں کہ رفع یدین نہیں فرماتے آخر خود کیوں عمل چھوڑ دیا۔

ساتویں یہ کہ خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل سے وانحر کے معنی پوچھے اور پھر خود اوس پر عمل نہ فرمایا۔ جیسا کہ ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے چاہیئے تو یہ تھا کہ رفع یدین کی ایسی ہی تبلیغ فرمائی جاتی۔ جیسے نماز کی فرضیت کی تبلیغ کی گئی اور رفع یدین نہ کرنے والوں پر ایسے ہی جہاد کیا جاتا۔ جیسے حضرت صدیق اکبر نے زکوٰۃ کے منکروں پر فرمایا۔ ملاجی حدیث گھڑنے سے پہلے تمام اونچ نیچ سوچ سمجھ لینی چاہیئے۔

مسلمانو! غور کرو یہ ہے ان لوگوں کی اتباع حدیث جو ہم سے ہر مسئلہ پر بخاری و مسلم

کی حدیث کا مطالبہ کرتے ہیں۔ اور اپنے لیئے ایسی بے تکی حدیثیں گھڑ لینے میں خوفِ خدا نہیں کرتے۔شاید اہل حدیث کے معنی ہیں۔حدیث بنانے والے۔حدیث ڈھالنے والے۔

اعتراض نمبر ۱۱۔ حضرت امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں۔

اِذَا ثَبَتَ حَدِیْثٌ فَھُوَ مَذْھَبِیْ۔ | جب کوئی حدیث ثابت ہو جاوے۔تو وہ ہی میرا مذہب ہے۔

چونکہ رفع یدین قرات خلف الامام کے متعلق ہم کو ثابت ہو گیا کہ امام ابوحنیفہ رح کا قول حدیث کے خلاف ہے۔ اس لیئے ہم نے ان کا قول دیوار سے مار دیا اور حدیث رسول پر عمل کیا خود تحقیق کر کے حدیث پر عمل کرنا یہ ہی حنفیت ہے (عام وہابی)

جواب۔ جی ہاں اور خاص کر جبکہ حدیث کے محقق آپ جیسے محققین (حقہ پینے والے) ہوں جنہیں استنجا کرنے کی تمیز نہیں جو بخاری کو بکھاری۔مسلم کو مسلّم حدیث کو حدیث فرمائیں۔ جناب حضرت امام نے آپ جیسے بزرگوں کو یہ کھلی اجازت نہیں دی۔امام کے فرمان کا ترجمہ یہ ہے

اِذَا ثَبَتَ حَدِیْثٌ فَھُوَ مَذْھَبِیْ | جب حدیث ثابت ہو گئی تو وہ میرا مذہب ہوئی ہے

یعنی اے مسلمانوں ہم نے ہر مسئلہ پر حدیث رسول تلاش کی۔اور اس کے ہر پہلو پر ہر طرح غور و خوض و بحث تمحیص کی۔ اسناد اور متن پر خوب گرما گرم جرح و قدح کی جب ہر طرح ثابت ہوئی تو اسے اپنا مذہب بنایا گیا۔یہ مذہب بہت پختہ اور تحقیقی ہے۔لہٰذا تم خود حدیث کے سمندر میں نہ کودنا ایمان کھو بیٹھو گے۔ ہمارے نکالے ہوئے موتی استعمال کرنا۔سمندر سے موتی نکالنا ہر ایک کا کام نہیں۔ صرف غواص کا کام ہے۔اگر پنساری کی دکان کی دوائیں بیمار اپنی رائے سے استعمال کرے گا تو وہ ہلاک ہو جاوے گا۔حکیم کی تجویز سے استعمال کرو۔قرآن حدیث روحانی دواؤں کا دواخانہ ہے۔ امام اعظم طبیب اعظم ہیں۔قرآن و حدیث کی دوائیں ہوں۔ امام برحق مجتہد کی تجویز ہو۔ دیکھو پھر فائدہ ہوتا ہے یا نہیں۔

حضرت امام کے فرمان کا یہ مطلب نہیں کہ میں نے شریعت کے سارے قوانین و مسائل بغیر سوچے سمجھے اٹکل پچو بیان کر دیئے ہیں۔ اسے ناسمجھ نادانوں تم حدیث کے غلط سلط ترجمے کرتے جانا اور مذہب میں فتنے پھیلاتے جانا جب ایک قابل طبیب بغیر تحقیق اور بغیر سوچے

سمجھے ایک بیمار کے لئے نسخہ نہیں لکھتا تو امام ابو حنیفہ جیسے حکیم ملت سراج امت نے آنکھیں بند کر کے بغیر قرآن و حدیث دیکھے روحانی نسخے قیامت تک کے مسلمانوں کے لئے کیسے لکھ دیئے۔ رب تعالیٰ سمجھ دے۔

ساتواں باب

وتر واجب ہیں اور تین رکعت ہیں

وتر کے لغوی معنی ہیں طاق عدد یعنی جس کے برابر دو حصے نہ ہو سکیں۔ جیسے تین پانچ سات وغیرہ اس کا مقابل ہے۔ شفع یعنی جفت عدد جو دو برابر حصوں پر تقسیم ہو جاوے اصطلاح شریعت میں وتر اس طاق نماز کو کہا جاتا ہے۔ جو بعد نماز عشا خواہ تہجد میں یا عشاء کے بعد پڑھی جاتی ہے۔

ہمارا مذہب یہ ہے کہ وتر واجب ہے کہ اس کا چھوڑنے والا سخت گنہگار ہے۔ اس کی قضا لازم۔ اور وتر کی تین رکعتیں ہیں۔ لیکن غیر مقلد وہابی کہتے ہیں کہ وتر واجب نہیں سنت غیر مؤکدہ یعنی نفل ہے اور وتر ایک رکعت ہے مذہب حنفی حق ہے اور وہابیوں کا قول باطل محض ہم کو یہاں اصل بحث تو وتر کی تین رکعتوں پر کرنا ہے اس سے پہلے ضمنی طور پر وتر کے وجوب پر چند حدیثیں پیش کرتے ہیں۔

وتر واجب ہیں

حدیث نمبر ۱ تا ۳۔ ابوداؤد۔ نسائی۔ ابن ماجہ نے حضرت ابوایوب سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْوِتْرُ حَقٌّ عَلٰی كُلِّ مُسْلِمٍ	حضور نے فرمایا کہ ہر مسلمان پر وتر لازم ہیں۔

حدیث نمبر ۴۔ بزار نے حضرت عبداللہ ابن عباس سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْوِتْرُ وَاجِبٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ۔	حضور نے فرمایا کہ ہر مسلمان پر وتر واجب ہیں۔

حدیث نمبر ۵ و ۶۔ ابوداؤد و حاکم نے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ انہوں نے فرمایا۔

قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اَلْوِتْرُ حَقٌّ فَمَنْ لَّمْ یُوْتِرْ فَلَیْسَ مِنَّا۔	میں نے حضور کو فرماتے ہوئے سنا کہ وتر لازم ضروری ہیں۔ جو وتر نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں۔

حدیث نمبر ۷۔ عبداللہ ابن احمد نے عبدالرحمٰن ابن رافع تنوخی سے روایت کی کہ حضرت معاذ ابن جبل جب شام میں تشریف لائے تو ملاحظہ فرمایا کہ شام کے لوگ وتر میں سستی کرتے ہیں۔ تو آپ نے حضرت امیر معاویہؓ سے اس کی شکایت کی کہ شامی لوگ وتر کیوں نہیں پڑھتے۔

فَقَالَ مُعَاوِیَۃُ اَوَاجِبٌ ذٰلِكَ عَلَیْھِمْ قَالَ نَعَمْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ زَادَنِیْ رَبِّیْ عَزَّوَجَلَّ صَلٰوۃً ھِیَ الْوِتْرُ فِیْمَا بَیْنَ الْعِشَاءِ اِلٰی طُلُوْعِ الْفَجْرِ	تو امیر معاویہ نے پوچھا کہ کیا مسلمانوں پر وتر واجب ہیں معاذ ابن جبل نے فرمایا ہاں۔ میں نے حضور کو فرماتے ہوئے سنا کہ مجھے رب نے ایک نماز اور دی ہے جو وتر ہے عشاء اور فجر کے طلوع کے درمیان۔

حدیث نمبر ۸۔ ترمذی نے حضرت زید ابن اسلم سے مرسلاً روایت کی۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ نَامَ عَنْ وِتْرِہٖ فَلْیُصَلِّ اِذَا اَصْبَحَ	جو وتر چھوڑ کر سو جائے۔ وہ صبح کے وقت اس کی قضا پڑھ لے۔

حدیث نمبر ۹ تا ۱۴۔ ابوداؤد۔ نسائی۔ ابن ماجہ۔ احمد۔ ابن حبان۔ حاکم نے اپنی مستدرک میں حضرت ابوایوب انصاری سے روایت کی اور حاکم نے کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ شرط شیخین پر ہے۔

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ	حضور نے فرمایا کہ وتر لازم ہے۔ واجب

وَسَلَّمَ اَلْوِتْرُ حَقٌّ وَّاجِبٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ | ہے۔ ہر مسلمان پر۔

ان احادیث سے دو باتیں ثابت ہوئیں۔ ایک یہ کہ وتر نفل نہیں۔ بلکہ واجب ہے۔ دوسرے یہ کہ وتر کی قضا واجب ہے اور ظاہر ہے کہ قضا صرف فرض یا واجب کی ہوتی ہے نفل کی قضا نہیں وجوب وتر کی بہت احادیث ہیں ہم نے صرف ۴ روایتیں پیش کیں۔

وتر تین رکعت ہیں

حدیث نمبر ۱ تا ۴۔ نسائی شریف۔ طحاوی۔ طبرانی نے صغیر میں۔ حاکم نے مستدرک میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی۔ حاکم نے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہے مسلم و بخاری کی

قَالَتْ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُوْتِرُ بِثَلٰثٍ لَا یُسَلِّمُ اِلَّا فِیْ اٰخِرِھِنَّ

فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین رکعت وتر پڑھتے تھے نہ سلام پھیرتے تھے مگر آخر میں۔

حدیث نمبر ۵ و ۶۔ دارقطنی اور بیہقی نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وِتْرُ اللَّیْلِ ثَلٰثٌ کَوِتْرِ النَّھَارِ صَلٰوۃِ الْمَغْرِبِ

فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ رات کے وتر تین رکعت ہیں۔ جیسے دن کے وتر نماز مغرب

حدیث نمبر ۷۔ طحاوی شریف نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یُوْتِرُ بِثَلٰثِ رَکَعَاتٍ۔

بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم وتر پڑھتے تھے تین رکعتیں۔

حدیث نمبر ۸۔ نسائی شریف نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ ایک شب میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا۔ آپ رات کو بیدار ہوئے اور وضو فرمایا۔ مسواک کی۔ اور یہ آیۃ کریمہ تلاوت فرماتے تھے۔ اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ الخ پھر دو رکعتیں نفل پڑھیں۔

ثُمَّ عَادَ فَنَامَ حَتّٰی سَمِعْتُ نَفْخَہٗ ثُمَّ قَامَ فَتَوَضَّاءَ وَاسْتَاکَ ثُمَّ صَلّٰی رَکْعَتَیْنِ ثُمَّ قَامَ فَتَوَضَّأَ وَاسْتَاکَ وَصَلّٰی رَکْعَتَیْنِ وَاَوْتَرَ بِثَلٰثٍ۔

پھر آپ دوبارہ سو گئے یہاں تک کہ میں نے حضور کے خراٹے سنے پھر اٹھے اور مسواک کی پھر دو رکعتیں پڑھیں پھر اٹھے اور وضو مع مسواک کیا اور دو رکعتیں پڑھیں اور تین رکعت وتر پڑھے۔

حدیث نمبر ۹ تا ۱۳۔ ترمذی۔ نسائی۔ دارمی۔ ابن ماجہ۔ ابن ابی شیبہ نے حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔

قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْوِتْرِ بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى وَقُلْ يَا اَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ وَقُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ فِيْ رَكْعَةٍ رَكْعَةٍ۔

فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم وتر میں سبح اسم ربک الاعلے۔ اور قل یا ایہا الکافرون اور قل ہو اللہ پڑھا کرتے تھے۔ ایک ایک رکعت میں ایک ایک سورت۔

حدیث نمبر ۱۴ تا ۱۸۔ ترمذی شریف۔ ابو داؤد۔ ابن ماجہ۔ نسائی۔ امام احمد بن حنبل نے حضرت عبد العزیز بن ابن جریج۔ عبد الرحمن ابن ابزی سے روایت کی۔

قَالَ سَاَلْنَا عَائِشَةَ بِاَيِّ شَيْءٍ كَانَ يُوْتِرُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ كَانَ يَقْرَأُ فِي الْاُوْلٰى بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى وَفِي الثَّانِيَةِ بِقُلْ يَا اَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ وَفِي الثَّالِثَةِ بِقُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ وَالْمُعَوِّذَتَيْنِ

فرماتے ہیں کہ ہم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وتر میں کیا پڑھا کرتے تھے۔ تو آپ نے فرمایا کہ پہلی رکعت میں سبح اسم ربک الاعلے دوسری میں قل یا ایہا الکافرون تیسری میں قل ہو اللہ اور فلق وناس۔

حدیث نمبر ۱۹۔ نسائی شریف نے حضرت ابی ابن کعب سے روایت کی۔

قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَءُ فِي الْوِتْرِ بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى وَفِي الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ قُلْ يَا اَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ وَفِي الثَّالِثَةِ بِقُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ وَلَا يُسَلِّمُ اِلَّا فِيْ آخِرِهِنَّ۔

بیشک نبی صلے اللہ علیہ وسلم وتر میں سبح اسم ربک الاعلے اور دوسری رکعت میں قل یا ایہا الکافرون اور تیسری رکعت میں قل ہو اللہ پڑھا کرتے تھے۔ اور سلام نہ پھیرتے تھے۔ مگر ان تینوں رکعتوں کے آخر میں۔

حدیث نمبر ۲۰۔ ابن ابی شیبہ نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ اَجْمَعَ الْمُسْلِمُوْنَ عَلَى الْوِتْرِ ثَلٰثٌ لَا يُسَلِّمُ اِلَّا فِيْ آخِرِهِنَّ۔

اس پر سارے مسلمان متفق ہیں کہ وتر تین رکعتیں ہیں نہ سلام پھیرے۔ مگر ان کے آخر میں۔

حدیث نمبر ۲۱ ۔ طحاوی شریف نے حضرت ابو خالد سے روایت کی۔

قَالَ سَالْتُ اَبَا الْعَالِيَةِ عَنِ الْوِتْرِ فَقَالَ عَلَّمَنَا اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ الْوِتْرَ مِثْلُ صَلٰوةِ الْمَغْرِبِ هٰذَا وِتْرُ اللَّيْلِ وَهٰذَا وِتْرُ النَّهَارِ

میں نے حضرت ابوالعالیہ سے وتر کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ ہم سب صحابہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تو یہ ہی جانتے ہیں کہ وتر نماز مغرب کی طرح ہیں۔ یہ رات کے وتر ہیں اور مغرب دن کے وتر

یہ اکیس حدیثیں بطور نمونہ پیش کی گئی ہیں ورنہ وتر کی تین رکعتوں پر بہت زیادہ حدیثیں موجود ہیں۔ اگر تفصیل ملاحظہ کرنا ہو تو طحاوی شریف اور صحیح البہاری ملاحظہ فرمائیے ان احادیث سے یہ پتہ لگا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل شریف تین رکعت وتر پر تھا۔ تمام صحابہ کا یہ ہی عمل رہا اور اس تین رکعت پر سارے مسلمان متفق رہے۔ حنفی کہتے ہیں کہ تینوں رکعتیں ایک سلام سے پڑھے۔ مگر نفس امارہ پر چونکہ نماز گراں ہے اس لیئے ہوائے نفس والوں نے صرف ایک رکعت وتر پڑھ کر سو رہنے کی عادت ڈالی۔ ناظرین نے ان مذکورہ احادیث میں دیکھ لیا کہ حضور وتر کی پہلی رکعت میں فلاں سورت پڑھتے تھے۔ دوسری میں فلاں سورت تیسری میں فلاں وہابی حضرات بتائیں کہ اگر وتر ایک رکعت ہے تو یہ سورتیں کیسے پڑھی جاویں گی۔

عقل کا بھی تقاضا ہے کہ وتر ایک رکعت نہ ہو کیونکہ وتر نماز نہ تو فرض ہے نہ نفل۔ بلکہ واجب ہے کہ اس کا پڑھنا ضروری ہے نہ پڑھنے والا فاسق ہے۔ لیکن اس کے وجوب کا انکار کفر نہیں واجب کا یہ ہی حکم ہے اور ہر غیر فرض عبادت کی مثال فرض عبادت میں ضرور ہونی چاہیئے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ کوئی غیر فرض عبادت بالکل جداگانہ ہو کہ اس کی مثال فرض میں نہ ہو۔ یہ یہ شریعت کا عام قاعدہ ہے جو زکوٰۃ حج وغیرہ میں جاری ہے اگر وتر ایک رکعت ہوتی تو چاہیئے تھا کہ کوئی فرض نماز بھی ایک رکعت ہوتی۔ حالانکہ کوئی فرض نماز ایک رکعت نہیں۔ فرض تو کیا کوئی نفل و سنت مؤکدہ و سنت غیر مؤکدہ بھی ایک رکعت نہیں۔ نماز فرض یا تو دو رکعت ہے۔ جیسے فجر یا چار رکعت جیسے ظہر۔ عصر۔ عشا یا تین رکعت جیسے مغرب وتر نہ تو چار رکعت ہو سکتی ہیں۔ نہ دو کہ یہ عدد شفع ہیں۔ وتر نہیں تو لامحالہ تین ہی رکعت چاہیئے۔ ایک رکعت نماز اسلامی قانون کے خلاف ہے جس کی مثال کسی نماز میں نہیں ملتی۔ ایک رکعت نامکمل ہے ناقص

ہے۔ بہتر اسے۔ غرضیکہ ایک رکعت وتر عقل کے بھی خلاف ہے اور نقل کے بھی امت کا اجماع صحابہ کرام کا عمل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان سب ہی اس کے خلاف ہے۔

دوسری فصل

اس پر اعتراضات و جوابات

مسئلہ وتر پر اب تک جس قدر دلائل غیر مقلد وہابیوں کی طرف سے ہم کو ملے ہم سب نمبر وار مع جواب عرض کرتے ہیں۔ رب تعالیٰ قبول فرماوے۔

اعتراض نمبر ا۔ ابن ماجہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی۔

قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم يُوتِرُ بِوَاحِدَةٍ ثُمَّ يَرْكَعُ رَكْعَتَيْنِ الخ — فرماتی ہیں کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم ایک رکعت وتر پڑھتے تھے۔ پھر بعد وتر دو نفل پڑھتے تھے

معلوم ہوا کہ وتر ایک رکعت چاہیئے۔ حضور نے یہ ہی پڑھی ہے۔

جواب۔ آپ نے حدیث کا ترجمہ غلط کیا۔ جس کی وجہ سے یہ حدیث تمام ان احادیث کے خلاف ہوگئی جن میں تین رکعتوں کا ذکر ہے اور احادیث آپس میں متعارض ہوگئیں۔ حدیث کا ترجمہ ایسا کرنا چاہیئے۔ جس سے احادیث متفق ہوجاویں۔ اس حدیث شریف میں ب استعانۃ کی ہے۔ جیسے كَتَبْتُ بِالْقَلَمِ میں نے قلم سے لکھا کیونکہ اوتر باب افعال متعدی بنفسہ ہے تو حدیث کے معنے یہ ہوئے کہ حضور نے نماز تہجد کو وتر یعنی طاق بنایا ایک رکعت کے ذریعہ سے اس طرح کہ دو رکعتوں کے ساتھ ایک رکعت ملائی جس سے نماز تہجد کا عدد جفت سے طاق بن گیا۔ مثلاً آٹھ رکعت تہجد ادا فرمائی یہ عدد جفت تھا پھر تین رکعت وتر پڑھی تو وتر کی تیسری رکعت کے سبب کل رکعتیں گیارہ ہوگئیں۔ جو طاق ہیں اس تمام نماز کو طاق بنانے والی وتر کی یہ ایک رکعت ہے۔ جو دو سے مل کر ادا ہوئی۔ اس صورت میں یہ حدیث گزشتہ تمام احادیث کے موافق ہوگئی۔ میں غیر مقلدوں سے پوچھتا ہوں کہ اگر تمہارے معنی کیئے جاویں تو ان احادیث کا کیا جواب دوگے جن میں صراحتہً تین کا عدد مذکور ہے۔ یا جن میں وارد ہوا کہ حضور پہلی رکعت میں فلاں سورت پڑھتے تھے دوسری رکعت میں فلاں اور تیسری رکعت میں فلاں سورت جو پہلے فصل میں مذکور ہوئیں۔

اعتراض نمبر ۲۔ مسلم شریف نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَلٰوۃُ اللَّیْلِ مَثْنٰی مَثْنٰی فَاِذَا خَشِیَ اَحَدُکُمُ الصُّبْحَ صَلّٰی رَکْعَۃً وَّاحِدَۃً تُوْتِرُ لَہٗ مَا قَدْ صَلّٰی۔

فرماتے ہیں کہ حضور نے فرمایا کہ تہجد کی نماز دو دو رکعت ہیں جب تم میں سے کوئی صبح ہو جانے کا خوف کرے تو ایک رکعت پڑھ لے یہ رکعت گزشتہ نماز کو وتر بنا دے گی۔

اس سے چار مسئلے معلوم ہوئے۔ ایک یہ کہ نماز تہجد میں دو دو رکعت نفل ادا کرنی چاہیئے دوسرے یہ کہ نماز تہجد رات میں ہو۔ صبح سے پہلے۔ تیسرے یہ کہ وتر تہجد کی نماز کے بعد افضل ہے چوتھے یہ کہ وتر ایک رکعت ہے۔ حنفی لوگ پہلے تین مسئلے تو مانتے ہیں۔ چوتھے کے انکاری ہیں۔ اگر یہ حدیث صحیح ہے تو چاروں مسئلے مانیں اگر صحیح نہیں۔ تو چاروں نہ مانیں۔

جواب۔ غیر مقلد وہابی تو اس حدیث کا ترجمہ یہ کرتے ہیں۔ کہ جب صبح کا خوف ہو تو اکیلی ایک رکعت علیحدہ طور پر پڑھ لے۔ اس ترجمہ سے یہ حدیث ان تمام حدیثوں کے خلاف ہوگئی جو ہم پہلی فصل میں پیش کر چکے ہیں اور دونوں قسم کی حدیثوں پر عمل ناممکن ہوگیا۔ حنفی اس کے معنی یہ کرتے ہیں۔ کہ جب صبح کا خوف ہو تو دو کے ساتھ ایک رکعت ملا کر پڑھ لے۔ جن کا ذکر ہو رہا ہے۔ یعنی رکعۃً واحدۃً کے بعد مع الرکعتین پوشیدہ ہے۔ کیونکہ پہلے مثنٰی مثنٰی کا ذکر ہو چکا ہے اس صورت میں احادیث میں کوئی تعارض نہ رہا اور دونوں قسم کی حدیثوں پر عمل ہوگیا۔ جیسے کہ رب فرماتا ہے۔

وَلَبِثُوْا فِیْ کَھْفِھِمْ ثَلٰثَ مِائَۃٍ سِنِیْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًا۔

اصحاف کہف اپنے غار میں تین سو سال ٹھہرے تو بڑھائیے۔

اس آیۃ میں یہ نو سال تین سو سال سے علیحدہ نہیں ہیں۔ بلکہ ان کے ساتھ ہیں مطلب یہ ہے کہ تین سو نو سال قیام کیا۔ چونکہ تین سو سال شمسی تھے اور تین سو نو سال قمری اس لیئے رب تعالےٰ نے اس طرح ارشاد فرمایا۔ ایسے ہی وتر کی یہ رکعت علیحدہ اُن دو دو سے نہیں۔ بلکہ ان میں سے آخری مثنٰی یعنی دو کے ساتھ ہے لیکن چونکہ وہ دوٌ دوٌ رکعتیں۔ تہجد کی تھیں اور نفل تھیں یہ تین رکعتیں وتر کی ہیں اور واجب ہیں اسی لیئے اس اعلم الاولین والآخرین افصح الخلق صلے اللہ علیہ وسلم نے اس طرح ارشاد فرمایا۔ کہو وہابی جی حدیثوں کو لڑانا اچھا۔ یا احادیث میں موافقت پیدا کر کے سب پر عمل کرنا

بہتر۔ کاش کہ آپ نے کسی مقلد سے حدیث پڑھی ہوتی۔

اعتراض نمبر ۳۔ مسلم شریف نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔

اَلْوِتْرُ رَکْعَةٌ مِّنْ آخِرِ اللَّیْلِ | وتر آخر رات میں ایک رکعت ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ وتر صرف ایک رکعت ہے۔

جواب :۔ اس کا جواب بھی دوسرے اعتراض کے جواب سے معلوم ہو گیا۔ کہ وہابی اس کے معنی کرتے ہیں کہ وتر ایک رکعت ہے۔ اکیلی سب رکعتوں سے علیحدہ اس صورت میں یہ حدیث بہت احادیث کے مخالف ہوگی، اور احادیث کا جمع ناممکن ہوگا۔ حنفی اس کا ترجمہ کرتے ہیں کہ وتر ایک رکعت ہے۔ دو کے ساتھ۔ جس کی تفسیر دوسری وہ حدیثیں ہیں۔ جو ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے ہیں۔ یا اس حدیث میں وتر بمعنی اسم فاعل ہے۔ یعنی تہجد کی نماز کو طاق بنانے والی ایک رکعت ہے کہ یہ دو سے مل کر ساری نماز کو طاق بنا دیتی ہے کہ نمازی نے آٹھ رکعت تہجد پڑھی۔ پھر جب وتروں کی نیت باندھی جب تک دو رکعتیں پڑھیں تو نماز جفت ہی رہی۔ جب ان دو رکعتوں سے ایک رکعت اور ملا دی تو طاق یعنی گیارہ رکعتیں بن گئیں۔ اس صورت میں یہ حدیث تمام دوسری حدیثوں سے موافق ہو گئی۔ احادیث کا تعارض دور کرنا ضروری ہے۔

اعتراض نمبر ۴۔ ابو داؤد نسائی شریف نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَللّٰہُ وِتْرٌ یُحِبُّ الْوِتْرَ فَاَوْتِرُوْا یَا اَھْلَ الْقُرْاٰنِ | فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ وتر (بے جوڑ) ہے وتر کو پسند فرماتا ہے۔ پس وتر پڑھا کرو اے قرآن ماننے والو۔

حنفی بتائیں کہ اللہ ایک ہے یا تین، جب وہ ایک ہے تو وتر بھی ایک ہی رکعت چاہیئے نہ کہ تین حضور نے نماز وتر کو رب تعالیٰ کے وتر ہونے سے مثال دی ہے۔

جواب :۔ اس کے دو جواب ہیں۔ ایک الزامی، دوسرا تحقیقی جواب الزامی تو یہ ہے کہ پھر وہابیوں کو چاہیئے کہ مغرب کے فرض بھی ایک رکعت پڑھا کریں۔ نہ کہ تین۔ کیونکہ مغرب کے فرض دن کے وتر ہیں۔ اور یہ وتر رات کے وتر۔ جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے اور

اور ہم پہلی فصل میں حدیث پیش کر چکے ہیں۔ اگر وہابی کہیں کہ دوسری روایتوں میں آگیا کہ حضور مغرب کے فرض تین پڑھتے تھے۔ تو ہم کہتے ہیں کہ یہ بھی روایتوں میں آگیا کہ حضور نماز وتر بھی تین رکعت پڑھتے تھے۔ دیکھو پہلی فصل۔ تحقیقی جواب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رب تعالیٰ کی محض وتریت یعنی طاق بے جوڑ ہونے میں مثال دی ہے نہ کہ ایک ہونے میں تین بھی وتر ہے ایک بھی وتر تمثیل میں ادنٰے مناسبت کافی ہوتی ہے ہر طرح مثل ہونا ضروری نہیں اس لیئے حضورؐ نے وتر فرمایا واحدؐ نہ فرمایا یعنی یہ نہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے ایک رکعت کو پسند فرماتا ہے۔ دیکھو رب فرماتا ہے۔

مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ۔ اللہ کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق جس میں چراغ ہے۔

یہاں رب تعالیٰ نے اپنے نور کی مثال چراغ سے دی مطلقاً نورانیت میں اب اگر کوئی کہے کہ چراغ میں تیل بتی ہوتی ہے تو چاہیئے کہ اللہ تعالےٰ کے نور میں بھی روغن وبتی ہو تو اس کی حماقت ہے ہم کہتے ہیں۔ فلاں شخص شیر ہے مطلب ہوتا ہے کہ صرف طاقت میں شیر کی طرح ہے یہ نہیں کہ اس کے دم اور پنجہ بھی ہے۔

اعتراض نمبر ۵۔ بخاری شریف میں حضرت ابن ابی ملیکہ سے روایت کی۔

اَوْتَرَ مُعَاوِيَةُ بَعْدَ الْعِشَاءِ بِرَكْعَةٍ وَعِنْدَهٗ مَوْلًى لِابْنِ عَبَّاسٍ فَاَتَى ابْنَ عَبَّاسٍ فَاَخْبَرَهٗ فَقَالَ دَعْهُ فَاِنَّهٗ قَدْ صَحِبَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ۔ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عشاء کے بعد ایک رکعت وتر پڑھی۔ اس وقت ان کے پاس سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے غلام حاضر تھے انہوں نے حضرت ابن عباس سے اسکا ذکر فرمایا تو آپ نے فرمایا انہیں کچھ نہ کہو وہ صحابی رسول ہیں۔

معلوم ہوا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ایک رکعت وتر پڑھتے تھے یہ فعل صحابی ہے۔

جواب۔ یہ حدیث تو احناف کی قوی دلیل ہے کہ وتر تین رکعت ہیں کیونکہ جب امیر معاویہ نے ایک رکعت وتر پڑھی تو سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے غلام کو حیرت ہوئی جس کی شکایت حضرت ابن عباس سے کی۔ حیرت وتعجب اس کام پر ہوتا ہے۔ جو نرالا اور عجیب ہے اس سے تو یہ معلوم

ہُوا۔کہ کوئی صحابی ایک رکعت وتر نہ پڑھتے تھے۔ ورنہ انہیں تعجب ہوتا نہ شکایت کرتے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اعتراض کرنے سے منع فرمایا کیونکہ امیر معاویہ مجتہد فقیہہ صحابی ہیں۔ فقیہہ مجتہد کی غلطی و خطا پر اعتراض جائز نہیں۔ اس کا ذکر اس بخاری کی دوسری روایت میں اس طرح ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قِيْلَ لَهٗ هَلْ لَكَ فِيْ اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ مَعَاوِيَةَ مَا اَوْتَرَ اِلَّا بِوَاحِدَةٍ قَالَ اَصَابَ اِنَّهٗ فَقِيْهٌ

حضرت ابن عباس سے عرض کیا گیا کہ کیا آپ کو حضرت امیر المومنین معاویہ پر کوئی اعتراض ہے وہ تو وتر ایک ہی رکعت پڑھتے ہیں آپ نے فرمایا ٹھیک کرتے ہیں وہ مجتہد عالم فقیہہ ہیں۔

صاف معلوم ہُوا کہ وتر تمام صحابہ اور خود سیدنا عبداللہ ابن عباس تین رکعت پڑھا کرتے تھے۔ اس ہی لیے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ایک رکعت پڑھنے کی شکایت کی گئی مگر چونکہ سیدنا امیر معاویہ صحابی ہیں۔ عالم ہیں مجتہد ہیں اور مجتہد فقیہہ کی خطا بھی درست ہوتی ہے۔ ان پر اعتراض نہ کرو۔ مہربان من یہ حدیث تو حنفیوں کی دلیل ہے آپ دھوکے سے اپنی دلیل سمجھ بیٹھے یہ تو آپ کے خلاف ہے

اعتراض نمبر ۶۔ حنفیوں کی عجیب حالت ہے ہم ایک رکعت وتر پڑھیں۔ تو اعتراض کرتے امیر معاویہ ایک رکعت وتر پڑھیں۔ تو اُن پر کوئی اعتراض نہیں۔ ہم رفع یدین یا اونچی آمین کہیں تو ہم پر ملامت ہے۔ امام شافعی ہماری سی نماز پڑھیں۔ تو نہ انہیں وہابی کہا جاوے نہ ان پر کوئی اعتراض ہو یہ دو رُخی پالیسی کیسی اور یہ فرق کیوں ہے۔ (عام وہابی)

جواب۔ جی ہاں بالکل ٹھیک ہے۔ عالم فقیہہ مجتہد کی خطا پر بھی ثواب ہے۔ مگر جاہل جب دیدہ دانستہ عالموں سے منہ موڑ کر غلطی کرے تو سزا کا مستحق ہے اگر سول سرجن سند یافتہ ملازم سرکار کسی بیمار کو غلط دوا دے دے تو اس پر کوئی عتاب نہیں لیکن اگر کوئی جاہل آدمی یوں ہی اٹکل پچو کسی کو غلط دوا کھلا دے تو شرعاً و قانوناً مجرم ہے۔ جج۔ حاکم کسی ملزم کو سزا دے سکتا ہے اگرچہ غلطی کرے مگر جو ایرے غیرے قانون ہاتھ میں لے کر خود ہی لوگوں کو سزا دینے لگے مجرم ہے جیل کا مستحق ہے۔

دیکھو حضرت علی و معاویہ رضی اللہ عنہما میں خونریز جنگ ہوئی۔ جس میں یقیناً علی مرتضیٰ برحق تھے اور امیر معاویہ خطا پر لیکن ان میں سے گنہگار کوئی نہیں۔ جس کو بھی برا کہا جاوے تو برا کہنے والا بے ایمان ہو جاوے گا۔ قرآن کریم نے حضرت داؤد و سلیمان علیہما السلام کے ایک مقدمے میں مختلف فیصلوں

کا ذکر فرمایا۔

إِذْ يَحْكُمَانِ فِي الْحَرْثِ إِذْ نَفَشَتْ فِيهِ غَنَمُ الْقَوْمِ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شَاهِدِينَ فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمَانَ وَكُلًّا آتَيْنَا حُكْمًا وَعِلْمًا	جب وہ دونوں حضرات ایک کھیت کے متعلق فیصلہ فرماتے تھے جب اس میں قوم کی بکریاں پھیل گئیں۔ ہم انکا فیصلہ مشاہدہ فرما رہے تھے پس ہم نے حضرت سلیمان کو وہ سمجھا دیا۔ اور ہم نے ان میں سے ہر ایک کو حکمت و علم بخشا۔

دیکھو کھیت کے اس مقدمہ میں داؤد سلیمان علیہما السلام دونوں بزرگوں نے علیحدہ علیحدہ فیصلہ کیا حضرت سلیمان علیہ السلام کا فیصلہ برحق تھا۔ جس کی رب تعالیٰ نے تائید فرمائی۔ حضرت داؤد علیہ السلام کا فیصلہ خطاء اجتہادی تھی۔ لیکن ان پر کسی قسم کا عتاب ہوا ہرگز نہیں۔ کیوں اس لیئے کہ آپ مجتہد مطلق تھے اور مجتہد کی خطا پر عتاب نہیں۔ وہابیو اگر تم بھی رفع یدین یا اونچی آمین۔ شافعی بن کر کرو تو تمہیں وہابی نہ کہا جاوے گا۔ نہ تم سے یہ شکایت ہو تو خود بے علم ہوتے ہوئے قانون ہاتھ میں لے لیتے ہو اور اپنی ذمہ داری پر یہ حرکتیں کر کے دین میں فتنہ واقع کرتے ہو اس پر تمہاری یہ درگت بنتی ہے۔

اعتراض نمبر ۷ ۔ تین رکعت وتر کی جتنی حدیثیں ہیں۔ وہ سب ضعیف ہیں اور ضعیف حدیثیں حجت نہیں۔

جواب ۔ جی ہاں اس لیئے ضعیف ہیں۔ کہ آپ کے خلاف ہیں۔ یا اس لیئے کہ ساری حدیثیں ساڑھے تیرہ سو برس کی پرانی ہو چکیں آدمی تو ساٹھ برس میں بوڑھا ضعیف ہو جاتا ہے تو قریباً چودہ سو برس کی حدیثیں ضعیف کیوں نہ ہوں۔ آپ کی اس ضعیف ضعیف کی رٹ لگانے نے لوگوں کو حدیث کا منکر کر دیا۔ آپ کے اس اعتراض کے جوابات ہم اس کتاب میں بارہا دے چکے ہیں۔

آٹھواں باب

قنوت نازلہ پڑھنا منع ہے

نماز وتر کی تیسری رکعت میں رکوع سے پہلے دعاء قنوت ہمیشہ پڑھنا سنت ہے اور فجر

کے فرض کی دوسری رکعت میں بعد رکوع قنوت نازلہ پڑھنا سخت مکروہ اور خلاف سنت ہے مگر غیر مقلد وہابیوں کا عمل اس کے برعکس ہے وہ وتر میں دعا قنوت ہمیشہ نہیں پڑھتے بلکہ رمضان کی بعض تاریخوں میں لیکن فجر میں ہمیشہ قنوت نازلہ پڑھتے ہیں۔ دوسری رکعت کے رکوع کے بعد بعض دیوبندی وہابی بھی جو در اصل در پردہ غیر مقلد ہیں۔ بہانہ بنا کر فجر میں قنوت نازلہ پڑھنے لگے ہیں۔ اس لیئے اس باب کی بھی دو فصلیں کی جاتی ہیں پہلی فصل میں اس مسئلہ کا ثبوت دوسری فصل میں اس مسئلہ پر سوالات مع جوابات۔

پہلی فصل

قنوت نازلہ کے معنی ہیں آفت و مصیبت کے وقت کی دعاء حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار ایک خاص مصیبت پر چند روز یہ دعا قنوت فجر کی رکعت دوم میں بعد رکوع پڑھی پھر آیتہ قرآنی نے یہ دعا منسوخ فرمادی۔ اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر کبھی نہ پڑھی دلائل حسب ذیل ہیں۔

حدیث نمبر ۱و۲۔ بخاری و مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ انہوں نے حضرت عاصم احول کے ایک سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا۔

إِنَّمَا قَنَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَهْرًا إِنَّهُ كَانَ بَعَثَ أُنَاسًا يُقَالُ لَهُمُ الْقُرَّاءُ سَبْعُوْنَ رَجُلًا فَأُصِيْبُوْا فَقَنَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ الرُّكُوْعِ شَهْرًا يَدْعُوْ عَلَيْهِمْ

حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے قنوت نازلہ صرف ایک ماہ پڑھی آپ نے ستر صحابہ کو جو قاری تھے ایک جگہ تبلیغ کے لیئے بھیجا وہ شہید کر دیئے گئے تو حضور نے ایک ماہ تک رکوع کے بعد ان کفار پر بد دعا فرماتے ہوئے قنوت نازلہ پڑھی۔

ایک ماہ کی قید سے معلوم ہوا کہ حضور کا یہ فعل شریف ہمیشہ نہ تھا۔ غدر کی وجہ سے صرف ایک ماہ رہا پھر منسوخ ہو گیا۔

حدیث نمبر ۳۔ طحاوی شریف نے حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَنَتَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ شَهْرًا يَدْعُوْ عَلٰی رِعْلٍ وَذَكْوَانَ فَلَمَّا ظَهَرَ عَلَيْهِمْ تَرَكَ الْقُنُوْتَ

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک ماہ قنوت نازلہ پڑھی قبیلہ رعل و زکوان پر بددعا فرمائی جب حضور ان پر غالب آگئے تو چھوڑ دی۔

اس حدیث میں چھوڑ دینے کا صراحتہً ذکر آگیا۔

حدیث نمبر ۴ تا ۷ ۔ ابو یعلی موصلی ۔ ابوبکر بزار طبرانی نے کبیر میں بیہقی نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَنَتَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ شَهْرًا يَدْعُوْا عَلٰی عُصَيَّةَ وَذَكْوَانَ شَهْرًا فَلَمَّا ظَهَرَ عَلَيْهِمْ تَرَكَ الْقُنُوْتَ وَقَالَ الْبَزَّارُ فِيْ رِوَايَتِهٖ لَمْ يَقْنُتِ النَّبِيُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَّا شَهْرًا وَّاحِدًا لَمْ يَقْنُتْ قَبْلَهٗ وَلَا بَعْدَهٗ

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک ماہ قنوت نازلہ پڑھی جس میں قبیلہ عصیہ و زکوان پر بددعا فرمائی جب ان پر غالب آگئے تو چھوڑ دی بزار نے اپنی روایت میں فرمایا کہ حضور نے صرف ایک ماہ قنوت نازلہ پڑھی۔ اس سے پہلے یا اس کے بعد کبھی نہ پڑھی۔

حدیث نمبر ۸ و ۹ ۔ ابوداؤد و نسائی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَنَتَ شَهْرًا ثُمَّ تَرَكَهٗ

یقیناً نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک ماہ قنوت نازلہ پڑھی پھر چھوڑ دی۔

حدیث نمبر ۱۰ تا ۱۲ ۔ ترمذی ۔ نسائی ۔ ابن ماجہ نے حضرت ابو مالک اشجعی سے روایت کی۔

قَالَ قُلْتُ لِاَبِيْ يَا اَبَتِ اِنَّكَ قَدْ صَلَّيْتَ خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰہِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَبِيْ بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ وَعَلِيٍّ هٰهُنَا بِالْكُوْفَةِ نَحْوًا مِّنْ خَمْسِ سِنِيْنَ كَانُوْا يَقْنُتُوْنَ قَالَ يَا بُنَيَّ مُحْدَثٌ.

فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ ابا جان آپ نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر و عمر و عثمان اور علی رضی اللہ عنہم کے پیچھے کوفہ میں تقریباً پانچ سال نماز پڑھی۔ کیا یہ حضرات قنوت نازلہ پڑھتے تھے انہوں نے فرمایا کہ اے بچے یہ بدعت ہے

یعنی ہمیشہ قنوت نازلہ پڑھنا بالکل سنت کے خلاف ہے اور بدعت سیئہ ہے

حدیث نمبر ۱۳ و ۱۴ ۔ مسلم و بخاری نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک دراز حدیث

نقل کی جس میں آخری الفاظ یہ ہیں

وَکَانَ یَقُوْلُ فِیْ بَعْضِ صَلٰوتِہٖ اَللّٰھُمَّ الْعَنْ فُلَانًا وَّفُلَانًا لِاَحْیَاءٍ مِّنَ الْعَرَبِ حَتّٰی اَنْزَلَ اللّٰہُ لَیْسَ لَکَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بعض نمازوں میں فرمایا کرتے تھے کہ خدایا فلاں فلاں (عرب کے بعض قبیلے) پر لعنت کر یہاں تک کہ یہ آیت کریمہ نازل ہوئی ولیس لک الخ

اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ دعاء قنوت نازلہ فجر کی نماز میں پڑھنا منسوخ ہے۔ دوسرے یہ کہ حدیث شریف آیتہ قرآنی سے منسوخ ہو سکتی ہے کہ قنوت نازلہ پڑھنا حدیث سے ثابت ہے اور اس کا نسخ قرآن کریم سے ثابت۔ تیسرے یہ کہ دین کے دشمنوں پر بددعا یا لعنت کرنا جائز ہے۔ جن لوگوں پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بددعا فرمائی وہ حضور کی ذات شریف کے دشمن نہ تھے۔ بلکہ دین اسلام کے دشمن تھے۔ جب ان پر جہاد کر سکتے ہیں۔ تو بددعا بھی کر سکتے ہیں۔ ہاں حضور نے اپنے ذاتی دشمنوں کو معافیاں دی ہیں۔ لہٰذا احادیث میں تعارض نہیں۔

حدیث نمبر ۱۵ ۔ حافظ طلحہ ابن محمد محدث نے اپنی مسند میں امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی اسناد سے روایت کی۔

عَنِ الْاِمَامِ الْاَعْظَمِ عَنْ اَبَانِ ابْنِ عَبَّاشٍ عَنْ اِبْرَاھِیْمَ عَنْ عَلْقَمَۃَ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ لَمْ یَقْنُتْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِی الْفَجْرِ اِلَّا شَھْرًا وَّاحِدًا لِاَنَّہٗ حَارَبَ الْمُشْرِکِیْنَ فَقَنَتَ یَدْعُوْا عَلَیْھِمْ۔

امام اعظم ابو حنیفہ حضرت ابن عیاش سے روایت فرماتے ہیں وہ ابراہیم نخعی سے وہ حضرت علقمہ سے وہ حضرت عبد اللہ ابن مسعود سے انہوں نے فرمایا کہ حضور نے نماز فجر میں قنوت نازلہ کبھی نہ پڑھی سوا ایک مہینہ کے کیونکہ حضور نے مشرکین سے جنگ کی تھی تب ان پر ایک ماہ بددعا فرمائی تھی۔

حدیث نمبر ۱۶ و ۱۷ ۔ حافظ ابن خسرو نے اپنی مسند میں اور قاضی عمر ابن حسن اشنانی نے حضرت امام ابو حنیفہ سے انہوں نے حماد سے انہوں نے حضرت ابراہیم نخعی سے روایت کی۔

قَالَ مَا قَنَتَ اَبُوْبَکْرٍ وَّعُمَرُ وَلَا عُثْمَانُ وَلَا عَلِیٌّ حَتّٰی حَارَبَ اَھْلَ الشَّامِ فَکَانَ یَقْنُتُ۔

نہ حضرت ابوبکر و عمر نے نہ حضرت عثمان نے نہ علی مرتضیٰ نے قنوت نازلہ پڑھی۔ یہاں تک کہ حضرت علی نے اہل شام سے جنگ کی تو قنوت نازلہ پڑھی۔

حدیث نمبر ۱۸۔ ابو محمد بخاری نے امام اعظم ابو حنیفہ سے انہوں نے عطیہ عوفی سے انہوں نے حضرت ابو سعید خدری صحابی سے روایت کی۔

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ لَمْ يَقْنُتْ اِلَّا اَرْبَعِيْنَ يَوْمًا يَدْعُوْا عَلٰى عُصَيَّةَ وَذَكْوَانَ ثُمَّ لَمْ يَقْنُتْ اِلٰى اَنْ مَاتَ	انہوں نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کی۔ کہ حضور نے چالیس دن کے سواء قنوت نازلہ نہ پڑھی۔ ان چالیس دن میں آپ نے عصیہ ذکوان پر بددعا فرمائی پھر وفات تک کبھی نہ پڑھی۔

یہ اٹھارہ احادیث بطور نمونہ پیش کی گئیں۔ ورنہ قنوت نازلہ نہ پڑھنے کے متعلق بہت زیادہ احادیث شریفہ موجود ہیں۔ اگر شوق ہو تو طحاوی شریف۔ صحیح البہاری وغیرہ کا مطالعہ فرمادیں۔

عقل کا بھی تقاضا یہ ہے کہ قنوت نازلہ نماز میں نہ پڑھی جاوے۔ چند وجہ سے ایک یہ کہ پنجگانہ فرائض کی رکعتیں مختلف ہیں۔ فجر کی دو۔ عصر۔ عشا کی چار۔ مغرب کی تین۔ مگر کوئی فرض نماز ارکان نماز یا دعا وغیرہ میں دوسری نماز سے مختلف نہیں۔ سب کے ارکان ودعائیں وغیرہ یکساں ہیں۔ تو جب چار نمازوں میں قنوت نازلہ نہیں چاہیئے کہ فجر کے فرضوں میں بھی نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ باجماعت فرائض میں دعائیں اور ذکر مختصر ہیں نوافل میں ان کی آزادی ہے۔ دیکھو رکوع سے اُٹھتے وقت اکیلا نمازی سمع اللہ لمن حمدہ کہتا ہے اور ربنا لک الحمد بھی۔ مگر جب جماعت سے پڑھتا ہے۔ تو امام ربنا لک الحمد نہیں کہتا صرف سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ کہتا ہے اور مقتدی اس کے برعکس کہ ربنا لک الحمد تو کہتا ہے مگر سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ نہیں کہتا۔ جب ان نمازوں میں اس قدر اختصار مطلوب ہے تو فجر کے رکوع کے بعد اتنی دراز یعنی دعاء قنوت نازلہ پڑھنا مقصد شرح کے بالکل خلاف ہے تیسرے یہ کہ نماز خصوصاً فرائض پنجگانہ کے ارکان ایک دوسرے سے بالکل ملے ہوئے چاہئیں۔ قیام کے بعد فوراً سجدہ اور سجدہ کے بعد فوراً قیام یا جلسہ ان میں فاصلہ کرنا مقصد شرع کے خلاف ہے رکوع فجر کے بعد جو قومہ ہے۔ اس میں صرف سمع اللہ لمن حمدہ کا کے بقدر ٹھہرنا چاہیئے۔ اگر اس میں قنوت نازلہ پڑھی گئی تو سجدہ میں جو نماز کا اعلیٰ رکن ہے۔ دیر لگے گی تاخیر فرض اگر بھول کر ہو تو سجدہ سہو واجب کرتی ہے اور اگر عمداً ہو تو نماز فاسد کر دیتی ہے لہٰذا اندرون نماز قنوت نازلہ نہ پڑھنا چاہیئے تاکہ نماز کے ارکان میں اتصال رہے۔

مسئلہ فقہی۔ مذہب حنفی یہ ہے کہ جنگ یا دوسری آفات عامہ کے موقعہ پر بہتر یہ ہی ہے کہ قنوت نازلہ خارج نماز پڑھے تاکہ صحابہ کرام کے اختلاف سے بچا رہے کیونکہ بعض صحابہ آفات و جنگوں کے موقعہ پر قنوت نازلہ پڑھتے تھے بعض اسے بالکل منسوخ مانتے تھے لیکن اگر فجر کے فرضوں کی دوسری رکعت میں رکوع کے بعد قنوت نازلہ پڑھے تو اگرچہ اچھا نہ کیا۔ مگر جائز ہے۔ ضرورت سے ممنوعات مباح ہو جاتے ہیں۔ لیکن آہستہ پڑھے بلند آواز سے نہ پڑھے۔ فجر کے سوا کسی اور نماز میں پڑھے گا۔ تو نماز فاسد ہو جاوے گی۔ کیونکہ اس نے بلا وجہ عمداً سجدہ میں تاخیر کر دی تاخیر فرض مفسد نماز ہے۔

ایک شبہ۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ آفت عامہ یا جہاد کے موقع پر ہر جہری نماز یعنی فجر، مغرب عشاء میں قنوت نازلہ پڑھنا چاہیئے۔ کیونکہ شرح نقایہ اور غایۃ الاوطار میں ہے۔

قَنَتَ الْاِمَامُ فِیْ صَلٰوۃِ الْجَهْرِ وَهُوَ قَوْلُ الثَّوْرِیِّ وَاَحْمَدُ

اس موقعہ پر امام جہری نمازمیں قنوت نازلہ پڑھے امام ثوری و احمد کا یہ ہی قول ہے۔

پنجاب میں بہت روز تک بعض جاہل اماموں نے اسی دلیل سے مغرب و عشاء فجر بلکہ نماز میں قنوت نازلہ پڑھ کر لوگوں کی نمازیں برباد کیں۔

شبہ کا ازالہ۔ شرح نقایہ اور غایۃ الاوطار میں یہاں کاتب نے غلطی سے بجائے فجر کے جہر لکھ دیا ہے یعنی ف کو جیم بنا دیا۔ چنانچہ اشباہ والنظائر میں اس جگہ بجائے صلوۃ الجہر کے صلوۃ الفجر ہے اور طحطاوی علی در المختار اور علامہ ابن عابدین شامی نے منحۃ الخالق علی بحر الرائق میں فرمایا۔

وَلَعَلَّهٗ مُحَرَّفٌ عَنِ الْفَجْرِ

شاید کہ لفظ جہر فجر سے بگڑ کر بن گیا ہے

طحطاوی کی عبارت یوں ہے

وَالَّذِیْ یَظْهَرُ لِیْ اَنَّ قَوْلَهٗ فِی الْبَحْرِ اِنْ نَزَلَ عَلَی الْمُسْلِمِیْنَ نَازِلَةٌ قَنَتَ الْاِمَامُ فِیْ صَلٰوۃِ الْجَهْرِ تَحْرِیْفٌ مِنَ النَّاسِخِ وَصَوَابُهُ الْفَجْرِ۔

بحر الرائق نے جو فرمایا کہ اگر مسلمانوں پر کوئی آفت پڑے تو امام جہری نماز میں قنوت نازلہ پڑھے میرا خیال ہے کہ یہ کاتب کی غلطی ہے۔ صحیح یہ ہے کہ یہاں فجر ہے۔

ہم نے بہت اختصار سے اس کے متعلق کچھ لکھ دیا ہے اگر قنوت نازلہ کی زیادہ تحقیق

کرنا ہو تو ہمارا فتاوی نعیمیہ ملاحظہ فرمادیں۔ چونکہ اب دیوبندی بھی بعض جگہ قنوت نازلہ پڑھنے لگے ہیں۔ اس لیئے وہاں اس مسئلہ پر کچھ جم کر بحث کر دی گئی ہے۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

غیر مقلد وہابیوں کی طرف سے اب تک جس قدر اعتراضات ہم تک پہنچے ہیں وہ ہم نہایت دیانتداری سے مع جوابات پیش کرتے ہیں۔ اگر آیندہ کوئی نیا شبہ نظر سے گزرا تو ان شاء اللہ اوس کا جواب بھی عرض کر دیا جاوے گا۔

اعتراض نمبر ۱۔ تم نے قنوت نازلہ نہ پڑھنے کی جس قدر احادیث پیش کی ہیں وہ تمام کی تمام ضعیف ہیں۔ اور ضعیف حدیثوں سے حجت نہیں پکڑی جا سکتی۔ (بیرانہ سبنی)

جواب۔ اس کے جوابات ہم بارہا دے چکے ہیں۔ اب ایک فیصلہ کن جواب عرض کرتے ہیں۔ وہ یہ ہے۔ کہ ہمارے دلائل یہ روایات نہیں۔ ہماری اصل دلیل تو امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے۔ ہم یہ آیت و احادیث مسائل کی تائید کے لیئے پیش کرتے ہیں۔ احادیث یا آیات امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی دلیلیں ہیں۔ ان کی احادیث کی یہ اسنادیں نہیں۔ ان کی اسناد نہایت مختصر اور کھری ٹکسالی ہوتی ہے۔ جس میں دو تین راوی ہوتے ہیں۔ وہ بھی نہایت ثقہ اس باب کی پہلی فصل میں آپ حدیث نمبر ۱۲ ملاحظہ کر چکے ہیں کہ امام صاحب کی اسناد صرف دو راوی ہیں۔ عطیہ عوفی ابو سعید خدری اور حدیث نمبر ۱۵ میں صرف چار راوی ہیں۔ ابان ابن عیاش۔ ابراہیم نخعی۔ علقمہ ابن مسعود۔ بتاؤ ان میں کون ضعیف ہے۔ چونکہ امام صاحب کا زمانہ خیر القرون میں سے ہے۔ ان کی احادیث کی اسنادوں میں بہت کم راوی ہیں۔ لہٰذا وہاں ضعیف کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ضعف تدلیس وغیرہ بیماریاں بعد میں لگیں۔ ہاں تمہاری کسی روایت کا ضعیف ہونا تمہارے لیئے قیامت ہے کہ یہ ہی روایتیں تمہاری دلیلیں ہیں۔ جن پر تمہارے مذہب کا دار و مدار ہے۔ اور تمہارا زمانہ حضور سے بہت دور تمہاری روایتوں کی اسنادیں بہت لمبی جن میں ہر طرح کی بیماریاں موجود ہیں۔ لہٰذا ضعیف ضعیف کی رٹ سے کسی غیر مقلد کو ڈراؤ۔ حنفی کے لیئے اس سے کچھ خطرہ نہیں۔ باقی جوابات وہ ہیں۔

جو ہم پہلے بابوں میں عرض کر چکے ہیں۔ ہم نے ہر حدیث کی بفضلہ تعالےٰ اتنی اسنادیں پیش کی ہیں کہ وہ احادیث حسن ہو گئیں۔ ضعف جاتا رہا۔

اعتراض نمبر ۲۔ ابن ماجہ نے روایت کی کہ کسی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ حضور نے کب قنوت پڑھی تو جواب دیا۔

قَنَتَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَعْدَ الرُّکُوْعِ وَفِیْ رِوَایَۃٍ قَبْلَ الرُّکُوْعِ وَبَعْدَہٗ۔ | حضور نے رکوع کے بعد قنوت پڑھی اور ایک روایت میں ہے کہ رکوع سے پہلے بھی قنوت پڑھی اور بعد بھی۔

اس سے معلوم ہوا کہ قنوت نازلہ پڑھنا سنت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہے۔

جواب۔ اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ اس حدیث میں قنوت نازلہ کا ذکر نہیں اور صاحب مشکوٰۃ یہ حدیث دعاء قنوت کے بحث میں لائے ہیں جو وتروں میں پڑھی جاتی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں دعاء قنوت مراد ہے۔ لہٰذا آپ کا استدلال غلط ہے۔ دوسرے یہ کہ اگر قنوت نازلہ ہی مراد ہو تو یہاں یہ ذکر نہیں کہ حضورؐ نے ہمیشہ پڑھی۔ اور ہم پہلی فصل میں ثابت کر چکے ہیں کہ حضور نے قنوت نازلہ صرف ایک یا سوا ماہ پڑھی۔ پھر ہمیشہ کے لئے چھوڑ دی۔ لہٰذا یہ حدیث منسوخ ہے اور منسوخ سے دلیل پکڑنا سخت جرم۔ تیسرے یہ کہ اگر اس حدیث میں قنوت نازلہ ہی مراد ہو تو اس میں یہ فیصلہ نہ فرمایا گیا کہ رکوع سے پہلے پڑھی یا بعد میں۔ تو تم نے بعد رکوع کا فیصلہ کیسے کر لیا۔ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے۔ چوتھے یہ کہ یہ حدیث ابن ماجہ کی ہے اس کی اسناد مجروح ہے۔ اس ہی لئے اسے مسلم و بخاری نے نہ لیا۔ مسلم و بخاری کی روایتیں اس کی خلاف ہیں۔ جو ہم پہلی فصل میں پیش کر چکے۔ لہٰذا یہ حدیث مجروح ہے غرضیکہ یہ حدیث تمہارے لیے کسی طرح حجت نہیں۔

اعتراض نمبر ۳۔ طحاوی شریف نے بہت سی اسنادوں سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی اتنی اسنادوں والی روایت ضعیف نہیں ہو سکتی۔

قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ حِیْنَ یَفْرُغُ مِنْ صَلٰوۃِ الْفَجْرِ مِنَ | حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز فجر کی قراءۃ سے فارغ ہوتے اور تکبیر کہہ کر رکوع فرماتے اور رکوع

اَلْقِرَاءَةَ وَيُكَبِّرُ وَيَرْفَعُ رَاْسَهٗ وَيَقُوْلُ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ يَقُوْلُ وَهُوَ قَائِمٌ اَللّٰهُمَّ اَنْجِ الْوَلِيْدَ ابْنَ الْوَلِيْدِ الخ	سے سر مبارک اٹھاتے۔ اور سمع اللہ لمن حمدہ فرماتے تو کھڑے ہوئے۔ یہ دعا پڑھتے اے اللہ ولید ابن ولید کو نجات دے الخ

طحاوی شریف حنفیوں کی کتاب ہے اس سے قنوت نازلہ کا ثبوت ہے۔

جواب:۔ شاید آپ نے طحاوی شریف کے اس ہی صفحہ پر حضرت عبدالرحمٰن ابن ابی بکر کی یہ روایت نہ دیکھی۔ اور دیکھتے بھی کیسے یہ آپ کے خلاف ہوتی۔ ملاحظہ ہو۔ آخری الفاظ۔

فَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْئٌ فَمَادَعَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَدُعَاءٍ عَلٰى اَحَدٍ	حضور فجر میں قنوت نازلہ پڑھتے تھے۔ پس یہ آیت اتری "لیس لک" الخ اس کے بعد حضور نے کبھی کسی پر نماز میں بددعا نہ فرمائی۔

لہٰذا آپ کی پیش کردہ تمام احادیث اس آیت کریمہ سے منسوخ ہیں۔ اور منسوخ احادیث اپنی دلیل میں پیش کرنا آپ جیسے بزرگوں کا ہی کام ہے۔

اعتراض نمبر ۴۔ احادیث سے ثابت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جنگ صفین کے زمانہ میں فجر میں قنوت نازلہ پڑھتے تھے۔ بعض روایات میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے قنوت نازلہ پڑھنا منقول ہے۔ ایسے جلیل القدر صحابہ کا قنوت نازلہ پڑھنا اسکے سنت ہونے کی روشن دلیل ہے۔

جواب۔ اس کے دو جواب ہیں الزامی اور تحقیقی جواب الزامی تو یہ ہے کہ یہ روایات تمہارے بھی خلاف ہیں۔ کیونکہ ان میں بحالت جنگ کا ذکر ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جنگ کفار کے زمانہ میں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ خوارج یا بغاۃ کی جنگ میں یہ دعا پڑھتے تھے معلوم ہوا کہ امن کے زمانہ میں نہیں پڑھتے مگر تم ہمیشہ پڑھتے ہو۔ تم نے آج تک کفار سے کتنی جنگیں کیں۔ تم نے مسلمانوں کو مشرک بنانے اور مسلمانوں سے لڑنے کے سواء کون سے جہاد کیئے۔

تحقیقی جواب یہ ہے کہ ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے ہیں کہ قنوت نازلہ کے متعلق صحابہ کرام میں اختلاف رہا بعض صحابہ کرام اسے بالکل منسوخ مانتے اور بدعت فرماتے ہیں۔ جیسے حضرت ابو مالک اشجعی رضی اللہ عنہ جیسا کہ ہم بحوالہ نسائی و ابن ماجہ پہلی فصل میں عرض کر چکے اور بعض صحابہ کرام بحالت جنگ قنوت نازلہ پڑھتے تھے۔ جیسے حضرت عمر و علی رضی اللہ عنہما اس لیئے ہمارے فقہاء فرماتے ہیں۔

کہ اب بھی بحالت جنگ قنوت نازلہ پڑھنا جائز ہے۔ اگرچہ بہتر نہیں۔ لیکن ہمیشہ پڑھنا کسی صحابی کا قول نہیں ہماری ساری گفتگو ہمیشہ پڑھنے کے متعلق ہے۔ آپ کا دعویٰ کچھ اور ہے۔ دلیل کچھ اور تمام وہابیوں کو اعلان عام ہے۔ کہ ایک حدیث مرفوع صحیح ایسی دکھاؤ جس میں ہمیشہ قنوت نازلہ پڑھنے کا حکم یا ذکر ہو انشاء اللہ قیامت تک نہ ملے گی۔ لہٰذا کیوں ضد کرتے ہیں مقلد بن کر صحیح نمازیں پڑھا کرو۔

تتمہ

وتر میں دعاء قنوت ہمیشہ پڑھو

چونکہ غیر مقلد وہابی وتروں میں ہمیشہ دعاء قنوت پڑھنے کو منع کرتے ہیں۔ صرف آخری پندرہ رمضان میں دعا قنوت پڑھتے ہیں۔ ہم حنفی سال بھر تک پڑھتے ہیں۔ اس لیے بطور اختصار کچھ اس کے متعلق بھی عرض کرتا ہوں۔ ہمیشہ دعاء قنوت وتر کے آخر رکعت میں قراءۃ کے بعد رکوع سے پہلے پڑھنا سنّت ہے۔ اس کے خلاف کرنا سخت بُرا ہے۔ احادیث ملاحظہ ہوں۔

حدیث نمبر ۱ و ۲۔ امام محمد نے آثار میں اور حافظ ابن خسرو محدث نے امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے انہوں نے حضرت حماد سے انہوں نے ابراہیم نخعی سے انہوں نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی۔

اَنَّہٗ کَانَ یَقْنُتُ السَّنَۃَ کُلَّھَا فِی الْوِتْرِ قَبْلَ الرَّکُوْعِ	کہ آپ وتروں میں تمام سال رکوع سے پہلے دعا قنوت پڑھتے تھے۔

حدیث نمبر ۳ و ۴۔ دارقطنی اور بیہقی نے حضرت سوید ابن غفلہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ سَمِعْتُ اَبَابَکْرٍ وَّعُمَرَ وَعُثْمَانَ وَعَلِیًّا یَقُوْلُوْنَ قَنَتَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ اٰخِرِ الْوِتْرِ وَکَانُوْا یَفْعَلُوْنَ ذَالِکَ	وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوبکر صدیق عمر فاروق عثمان غنی۔ علی مرتضٰے سے سنا کہ وہ سب حضرات فرماتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی آخری رکعت میں دعا قنوت پڑھتے تھے اور تمام صحابہ بھی یہ ہی کرتے تھے۔

حدیث نمبر ۵ تا ۸۔ ابو داؤد۔ ترمذی۔ نسائی۔ ابن ماجہ نے حضرت امیر المومنین علی مرتضٰے رضی اللہ تعالیٰ

عنہ سے روایت کی۔

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَقُوْلُ فِیْ اٰخِرِ وِتْرِہٖ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ الخ	یقیناً حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی آخری وتر میں یہ دعا پڑھتے تھے۔ اللھم ان اعوذبک الخ

یہ احادیث بطور نمونہ عرض کردیں۔ ورنہ اس بارے میں احادیث بہت ہیں۔ ان میں کہیں یہ ذکر نہیں کہ حضور نے یا صحابہ کرام نے صرف آخری نصف رمضان میں دعاء قنوت پڑھی آگے پیچھے نہ پڑھی۔ بلکہ سیدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے صراحۃً منقول ہوا کہ آپ سارا سال دعاء قنوت پڑھتے تھے معلوم ہوا کہ سارا سال وتروں میں رکوع سے پہلے دعاء قنوت پڑھنا حضور کی بھی سنّت ہے اور صحابہ کرام کی بھی۔

خیال رہے۔ کہ غیر مقلد وہابیوں کے پاس صرف آخری نصف رمضان میں دعاء قنوت پڑھنے کی صرف ایک حدیث ہے۔ جو ابوداؤد نے حضرت حسن بصری سے روایت کی الفاظ یہ ہیں۔

اَنَّ عُمَرَ ابْنَ الْخَطَّابِ جَمَعَ النَّاسَ عَلٰی اُبَیِّ ابْنِ کَعْبٍ فَکَانَ یُصَلِّیْ بِھِمْ عِشْرِیْنَ لَیْلَۃً وَلَا یَقْنُتُ بِھِمْ اِلَّا فِی النِّصْفِ الْبَاقِیْ۔	حضرت عمر ابن خطاب نے لوگوں کو ابی ابن کعب پر جمع کردیا وہ انہیں بیس رات تراویح پڑھاتے تھے۔ اور قنوت نہ پڑھتے تھے مگر باقی آدھے رمضان میں۔

غیر مقلد کہتے ہیں کہ آخری نصف رمضان میں دعاء قنوت پڑھنا سنت صحابہ ہے۔

جواب۔ اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ اے وہابیو تمہارا پوری حدیث پر ایمان ہے یا آدھی پر۔ اگر آدھی پر ہے تو کیوں۔ اور اگر پوری پر ہے۔ تو اس میں یہ بھی مذکور ہے کہ حضرت ابی ابن کعب تمام صحابہ کو بیس رات تراویح پڑھاتے تھے۔ تم آٹھ تراویح ہمیشہ کیوں پڑھتے ہو۔ صرف بیس رات کیوں نہیں پڑھتے اس قسم کی حرکات کے متعلق قرآن کریم فرماتا ہے۔

اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْکِتٰبِ وَتَکْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ	کیا بعض کتاب پر ایمان لاتے ہو اور بعض کا انکار کرتے ہو۔

اگر اس حدیث سے پندرہ دن دعاء قنوت ثابت ہوتی ہے۔ تو بیس رکعت تراویح صرف بیس رات بھی ثابت ہوتی ہیں۔ لہٰذا یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں دعاء قنوت کا ذکر نہیں۔ ظاہر یہ ہے۔ کہ یہ دعا کوئی اور ہوگی۔ جس میں کفار کی ہلاکت کی دعا کی گئی ہو۔ چونکہ اس زمانہ میں کفار سے جہاد بہت زیادہ ہوتے تھے تو صحابہ کرام آخر رمضان میں جس میں شب قدر بھی ہے۔ اعتکاف کی راتیں بھی کفار کی ہلاکت اور اسلام کی فتح کی دعائیں کرتے ہوں گے۔ اگر اس سے دعاء قنوت مراد ہو تو یہ حدیث ان احادیث کے خلاف ہوگی۔ جو ہم پیش کر چکے جن میں فرمایا گیا کہ صحابہ کرام سارا سال دعاء قنوت پڑھتے تھے۔ جہاں تک ہو سکے احادیث میں تعارض پیدا نہ ہونے دیا جاوے۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ اس حدیث سے بھی پندرہ دن دعاء قنوت ثابت نہیں ہوتی۔ کیونکہ ابی ابن کعب نے بیس رات تراویح پڑھائیں۔ جن میں سے آخری نصف میں دعاء قنوت پڑھی تو حساب سے کل دس دن یعنی دسویں رمضان سے بیس رمضان تک دعاء قنوت ہوئی تم پندرھویں سے تیس تک کیوں پڑھتے ہو۔

ہمارا اعلان۔ ہم تمام دنیا کے وہابیوں کو اعلان کرتے ہیں کہ کوئی حدیث مرفوع صحیح مسلم بخاری کی ایسی پیش کرو۔ جس میں پندرہ دن دعاء قنوت کا حکم ہو۔ آگے پیچھے پڑھنے کی ممانعت ہو۔ قیامت تک نہ لا سکو گے لہذا اپنے موجودہ عمل سے توبہ کرو اور ہمیشہ دعاء قنوت پڑھا کرو۔ ہمیشہ رب سے دعا مانگنے سے شرم نہ کرو۔

نواں باب

التحیات میں بیٹھنے کی کیفیت

مرد کے لیے سنت یہ ہے کہ دونوں التحیات میں داہنا پاؤں کھڑا کرے اور بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھے۔ عورت دونوں پاؤں داہنی طرف نکال دے اور زمین پر بیٹھے وہابی غیر مقلد پہلی التحیات میں تو مردوں کی طرح بیٹھتے ہیں۔ مگر دوسری میں عورتوں کی طرح یہ سنت کے خلاف ہے اور بہت برا اس لیئے ہم اس باب کی بھی دو فصلیں کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں اس کا ثبوت دوسری فصل میں

اس مسئلہ پر اعتراضات مع جوابات

پہلی فصل

التحیات میں خواہ پہلی ہو یا دوسری مرد داہنا پاؤں کھڑا کرے اور اس کی انگلیوں کا سر کعبہ کیطرف بایاں پاؤں بچھائے اس پر بیٹھے اس پر بہت سی احادیث وارد ہیں۔ بطور نمونہ کچھ پیش کی جاتی ہیں۔

حدیث نمبر ۱۔ مسلم شریف نے حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ایک طویل حدیث روایت کی جس کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

وَكَانَ يَفْتَرِشُ رِجْلَهُ الْيُسْرٰى وَيَنْصِبُ رِجْلَهُ الْيُمْنٰى

آپ اپنا بایاں پاؤں شریف بچھاتے تھے اور داہنا پاؤں کھڑا فرماتے تھے۔

حدیث نمبر ۲ و ۳۔ بخاری ونسائی نے حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔

قَالَ اِنَّمَا السُّنَّةُ فِى الصَّلٰوةِ اَنْ تَنْصِبَ رِجْلَكَ الْيُمْنٰى وَتُثْنِىَ الْيُسْرٰى زَادَا لنَّسَائِىُّ وَاسْتِقْبَالُهُ بِاَصَابِعِهَا الْقِبْلَةَ۔

سنت یہ ہے کہ تو اپنا داہنا پاؤں کھڑا کرے۔ اور بایاں پاؤں بچھائے نسائی میں یہ زائد ہے کہ داہنے پاؤں کی انگلیاں قبلہ کی طرف کرے۔

حدیث نمبر ۴ تا ۷۔ بخاری شریف۔ مالک۔ ابوداؤد۔ نسائی نے سیدنا عبد اللہ ابن عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہم اجمعین سے روایت کی۔

اَنَّهٗ كَانَ يَرٰى عَبْدَ اللّٰهِ ابْنَ عُمَرَ يَتَرَبَّعُ فِى الصَّلٰوةِ اِذَا جَلَسَ قَالَ فَعَلْتُهٗ وَاَنَا يَوْمَئِذٍ حَدِيْثُ السِّنِّ فَنَهَانِىْ عَبْدُ اللّٰهِ ابْنُ عُمَرَ وَقَالَ سُنَّةُ الصَّلٰوةِ اَنْ تَنْصِبَ رِجْلَكَ الْيُمْنٰى وَتُثْنِىَ رِجْلَكَ الْيُسْرٰى فَقُلْتُ لَهٗ اِنَّكَ تَفْعَلُ ذَالِكَ فَقَالَ اِنَّ رِجْلَىَّ لَا تَحْمِلَانِىْ۔

کہ وہ اپنے والد عبد اللہ ابن عمر کو دیکھتے تھے کہ آپ نماز میں چہار زانو بیٹھتے تھے فرماتے ہیں کہ ایک دن میں بھی ایسے ہی بیٹھا۔ اس وقت میں نوعمر تھا تو مجھے حضرت عبد اللہ نے اس سے منع فرمایا اور کہا کہ نماز کی سنت یہ ہے کہ تم داہنا پاؤں کھڑا کرو اور بایاں پاؤں بچھاؤ میں نے کہا کہ آپ تو یہ کرتے ہیں۔ یعنی چہار زانو بیٹھتے ہیں تو فرمایا کہ میرے پاؤں میرا بوجھ نہیں اٹھا سکتے (یعنی معذوری ہے)

حدیث نمبر ۸ و ۹۔ ترمذی شریف اور طبرانی نے حضرت وائل ابن حجر سے روایت کی۔

قَالَ قَدِمْتُ الْمَدِيْنَةَ قُلْتُ لَأَنْظُرَنَّ إِلٰى صَلٰوةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا جَلَسَ يَعْنِيْ لِلتَّشَهُّدِ إِفْتَرَشَ رِجْلَهُ الْيُسْرٰى وَوَضَعَ يَدَهُ الْيُسْرٰى عَلٰى فَخِذِهِ الْيُسْرٰى وَنَصَبَ رِجْلَهُ الْيُمْنٰى۔

فرمایا کہ میں مدینہ منورہ میں آیا تو میں نے دل میں کہا کہ میں حضور کی نماز دیکھوں گا۔ جب آپ نماز میں بیٹھے یعنی التحیات میں تو آپ نے اپنا بایاں پاؤں بچھا دیا اور بایاں ہاتھ بائیں ران پر رکھا اور داہنا پاؤں کھڑا کر دیا۔

حدیث نمبر ۱۰ تا ۱۳۔ امام احمد۔ ابن حبان۔ طبرانی نے کبیر میں حضرت رفاعہ ابن رافع رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ فَاِذَا جَلَسْتَ فَاجْلِسْ عَلٰى فَخِذِكَ الْيُسْرٰى۔

پھر جب تم بیٹھو تو اپنی بائیں ران پر بیٹھو۔

حدیث نمبر ۱۴۔ طحاوی شریف نے حضرت ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

اِنَّهٗ كَانَ يَسْتَحِبُّ اِذَا جَلَسَ الرَّجُلُ فِى الصَّلٰوةِ اَنْ يَّفْتَرِشَ قَدَمَهُ الْيُسْرٰى عَلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يَجْلِسُ عَلَيْهَا

آپ مستحب جانتے تھے کہ مرد نماز میں اپنا بایاں پاؤں بچھائے زمین پر اور اس پر بیٹھے۔

حدیث نمبر ۱۵۔ ابوداؤد شریف نے حضرت ابراہیم نخعی سے روایت کی۔

قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا جَلَسَ فِى الصَّلٰوةِ اِفْتَرَشَ رِجْلَهُ الْيُسْرٰى حَتّٰى اَسْوَدَّ ظَهْرُ قَدَمِهٖ۔

وہ فرماتے تھے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم جب نماز میں بیٹھتے تو اپنا بایاں پاؤں بچھاتے تھے یہاں تک کہ اس قدم شریف کی پشت سیاہ ہو گئی تھی۔

حدیث نمبر ۱۶۔ بیہقی شریف نے سیدنا ابوسعید خدری سے ایک دراز حدیث نقل کی۔ جس کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

فَاِذَا جَلَسَ فَلْيَنْصِبْ رِجْلَهُ الْيُمْنٰى وَلْيُخْفِضْ رِجْلَهُ الْيُسْرٰى۔

جب نماز میں بیٹھے تو اپنے داہنے پاؤں کو کھڑا کرے اور بایاں پاؤں بچھائے۔

حدیث نمبر ۱۷۔ طحاوی شریف نے حضرت وائل ابن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ صَلَّيْتُ خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ لَاَحْفَظَنَّ صَلٰوةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَلَمَّا قَعَدَ لِلتَّشَهُّدِ فَرَشَ رِجْلَهُ الْيُسْرٰى ثُمَّ قَعَدَ عَلَيْهَا۔

میں نے حضور کے پیچھے نماز پڑھی تو دل میں کہا کہ میں حضور کی نماز یاد کروں گا۔ فرماتے ہیں۔ کہ جب حضور التحیات کے لیے بیٹھے تو بایاں پاؤں بچھایا۔ پھر اسی پر بیٹھ گئے۔

حدیث نمبر ۱۸۔ طحاوی شریف نے حضرت ابو حمید ساعدی سے ایک طویل حدیث روایت کی جس کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

فَاِذَا قَعَدَ لِلتَّشَهُّدِ اَضْجَعَ رِجْلَهُ الْيُسْرٰى وَنَصَبَ الْيُمْنٰى عَلٰى صَدْرِهَا وَيَتَشَهَّدُ۔

جب حضور التحیات کیلئے بیٹھے تو آپ نے اپنا بایاں پاؤں بچھایا اور داہنا پاؤں اس کے سینے پر کھڑا کیا اور التحیات پڑھتے تھے۔

یہ اٹھارہ حدیثیں بطور نمونہ پیش کی گئی ہیں ورنہ اس بارے میں بہت حدیثیں ہیں۔ ان تمام حدیثوں میں مطلق التحیات کا ذکر ہے۔ اول آخر کی قید نہیں معلوم ہوا کہ مرد التحیات میں بائیں پاؤں پر بیٹھے عورتوں کی طرح دونوں پاؤں ایک طرف نکال کر زمین پر نہ بیٹھے۔

عقل کا تقاضا بھی یہ ہے کہ دوسری التحیات میں بھی بائیں پاؤں پر بیٹھے کیونکہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ پہلی التحیات میں مرد بائیں پاؤں پر بیٹھے۔ اور دو سجدوں کے درمیان میں اسی طرح بیٹھے آخری التحیات میں وہابیوں کا اختلاف ہے۔ پہلی التحیات میں بیٹھنا واجب ہے۔ اور دو سجدوں کے درمیان بیٹھنا فرض۔ دوسری التحیات میں بیٹھنے کو اگر فرض مانتے ہو تو اسے سجدوں کی درمیانی نشست کی طرح ہونا چاہیئے یعنی بائیں پاؤں پر اور اگر اس نشست کو واجب مانا جاوے تو اسے پہلے التحیات کی نشست کی طرح ہونا چاہیئے یعنی بائیں پاؤں پر یہ کیا کہ وہ دونوں نشستیں بائیں پاؤں پر ہوں۔ اور یہ آخری نشست زمین پر دونوں پاؤں ایک طرف نکال کر اس نشست کی مثال نماز میں نہیں ملتی غرضیکہ بائیں پاؤں پر بیٹھنا قرین قیاس ہے اور زمین پر سرین رکھ کر بیٹھنا عقل و نقل سب کے ہی خلاف ہے۔ اس سے بچنا چاہیئے۔ خیال رہے کہ عورت زمین پر سرین رکھ کر دونوں پاؤں داہنی طرف نکال کر ضرور بیٹھتی ہے مگر

وہ پہلی التحیات میں بھی ایسے ہی بیٹھتی ہے اور دو سجدوں کے بیچ میں بھی اسی طرح لہٰذا اس کا اس طرح بیٹھنا قرین قیاس ہے کہ اوس کی ہر نشست اسی طرح ہے۔ غرضیکہ عورتوں کی ہر نشست زمین پر ہے۔ مردوں کی ہر نشست بائیں پاؤں پر نہ معلوم وہابیوں کی یہ دورنگی ابلقی نشست کس میں شامل ہے

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراضات وجوابات

اب تک اس مسئلہ کے متعلق وہابیوں غیر مقلدوں کے جس قدر دلائل ہم کو مل سکے ہیں۔ ہم انہیں مع جوابات پیش کرتے ہیں رب تعالیٰ قبول فرمادے۔ آمین۔

اعتراض نمبر ۱۔ طحاوی شریف نے حضرت یحییٰ ابن سعید سے روایت کی۔

اَنَّ الْقَاسِمَ ابْنَ مُحَمَّدٍ اَرَاهُمُ الْجُلُوْسَ فَنَصَبَ رِجْلَهُ الْيُمْنٰى وَثَنَّى رِجْلَهُ الْيُسْرٰى وَجَلَسَ عَلٰى وَرِكِهِ الْيُسْرٰى وَلَمْ يَجْلِسْ عَلٰى قَدَمَيْهِ ثُمَّ قَالَ اَرَانِىْ هٰذَا عَبْدُ اللّٰهِ ابْنُ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عُمَرَ وَحَدَّثَنِىْ اَنَّ اَبَاهُ عَبْدَ اللّٰهِ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يَفْعَلُ ذَالِكَ۔

کہ قاسم ابن محمد نے اون لوگوں کو نماز میں بیٹھنا دکھایا تو اپنا داہنا پاؤں کھڑا کیا۔ اور بایاں پاؤں بچھایا اور اپنے بائیں سرین پر بیٹھے۔ آپ دونوں قدموں پر نہ بیٹھے۔ پھر قاسم نے فرمایا کہ یہ ہی مجھے عبداللہ ابن عبداللہ ابن عمر نے دکھایا اور مجھے خبر دی کہ ان کے والد حضرت عبداللہ ابن عمر ایسا ہی کرتے تھے۔

اس سے معلوم ہوا کہ دونوں پاؤں داہنی طرف نکال کر زمین پر بیٹھنا سنت صحابہ ہے اور صحابہ کرام نے یہ عمل اسی لئے کیا کہ حضور کو ایسے ہی کرتے دیکھا ہوگا۔

جواب۔ اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حدیث آپ کے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ اس سے معلوم ہوا کہ سیدنا عبداللہ ابن عمر نماز کی ہر التحیات میں اس ہی طرح بیٹھتے تھے۔ مگر تم کہتے ہو کہ پہلی التحیات میں بائیں پاؤں پر بیٹھے۔ دوسرے میں اس طرح بیٹھے۔ لہٰذا یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے۔

دوسرے یہ کہ یہ حدیث اوس روایت کے خلاف ہے جو ہم پہلی فصل میں پیش کر چکے ہیں۔ کہ سیدنا عبداللہ ابن عمر دونوں التحیات میں بائیں پاؤں پر بیٹھتے تھے وہ حدیث نہایت قوی تھی۔

یہ حدیث اسناد کے لحاظ سے بھی ضعیف ہے۔ قیاس شرعی کے بھی خلاف اور جب حدیثوں میں تعارض ہو تو جو حدیث قیاس شرعی کے موافق ہوگی اُسے ترجیح ہوگی۔

تیسرے یہ کہ اس حدیث سے تمہارا قول ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس میں یہ تصریح نہیں۔ کہ عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ زمین پر سرین رکھ کر بیٹھتے تھے یہ ہے کہ دونوں قدموں پر نہ بیٹھتے تھے واقعی نمازی دونوں قدموں پر نہیں بیٹھتا۔ بلکہ صرف ایک قدم یعنی بائیں پر بیٹھتا ہے۔ لہٰذا اس میں تمہاری کوئی دلیل نہیں۔

اعتراض نمبر ۲۔ طحاوی شریف اور ابوداؤد نے محمد ابن عمرو ابن عطاء سے ایک طویل حدیث روایت کی۔ جس کا ملخص یہ ہے۔

سَمِعْتُ اَبَاحُمَيْدِ السَّاعِدِيَّ فِي عَشْرَةٍ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَا اَعْلَمُكُمْ بِصَلٰوةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ اَنَّهٗ كَانَ فِي الْجَلْسَةِ الْاُوْلٰى يُثْنِيْ رِجْلَهُ الْيُسْرٰى فَيَقْعُدُ عَلَيْهَا حَتّٰى اِذَا كَانَتِ السَّجْدَةُ الَّتِيْ يَكُوْنُ فِيْ اٰخِرِهِ التَّسْلِيْمُ اَخَّرَ رِجْلَهُ الْيُسْرٰى وَقَعَدَ مُتَوَرِّكًا عَلٰى شِقِّهِ الْاَيْسَرِ فَقَالُوْا صَدَقْتَ۔

میں نے ابوحمید ساعدی کو دس صحابہ کرام کی جماعت میں فرماتے ہوئے سُنا۔ آپ نے فرمایا کہ میں تم سب میں حضور کی نماز کو زیادہ جانتا ہوں۔ فرمایا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم پہلی التحیات میں اپنا بایاں پاؤں بچھاتے اور اس پر بیٹھتے تھے۔ جب وہ سجدہ فرما لیتے۔ جس کے آخر میں سلام ہے تو اپنا بایاں پاؤں ایک جانب نکال دیتے اور اپنے بائیں سرین پر زمین پر بیٹھتے تو صحابہ نے فرمایا کہ تم سچ کہتے ہو۔

اس حدیث میں صاف طور پر فرمایا گیا کہ پہلی التحیات میں پاؤں پر اور دوسری التحیات میں زمین پر بیٹھنا سنت ہے اور ابوحمید ساعدی نے یہ حدیث دس صحابہ کی جماعت میں ذکر کی اور ان سب نے اس کی تصدیق فرمائی معلوم ہوا کہ عام صحابہ کا وہ ہی طریقہ تھا جس پر ہم عامل ہیں۔ (یہ غیر مقلد وہابیوں کی مایہ ناز حدیث ہے)

جواب۔ یہ حدیث ضعیف ہی نہیں۔ بلکہ محض گھڑی ہوئی ہے۔ کیونکہ اس کا راوی محمد ابن عمرو ابن عطاء ہے۔ جو بہت جھوٹا ہے۔ وہ کہتا تھا۔ سَمِعْتُ اَبَا حُمَيْدٍ وَاَبَا قَتَادَةَ میں نے ابوحمید اور ابوقتادہ سے سُنا۔ حالانکہ حضرت ابوقتادہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔ اونہی کے زمانہ

میں شہید ہوئے حضرت علی نے ہی ابوقتادہ کی نماز جنازہ پڑھی اور محمد ابن عمرو خلافت حیدری کے بعد پیدا ہوا۔ پھر ابوقتادہ سے کیسے ملا۔ ایسا جھوٹا آدمی ہرگز قابل اعتبار نہیں۔ نہ اُس کی حدیث قابل عمل ہے دیکھو طحاوی شریف اسی باب کا آخر۔

ابوحمید ساعدی کی صحیح حدیث وہ ہے۔ جو طحاوی شریف نے اسی باب میں بروایتہ عباس ابن سہیل روایت کی جو ہم پہلی فصل میں بیان کر چکے جس میں فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بایاں پاؤں بچھا کر اوس پر بیٹھتے اور التحیات پڑھتے تھے۔ افسوس ہے کہ آپ ایسی واہی اور ضعیف بلکہ جھوٹے راویوں کی روایتوں پر اپنے مذہب کی بنیاد قائم کرتے ہیں۔ اور جب حنفی اپنی تائید میں صحیح حدیث پیش کریں تو اس پر حیلوں بہانوں سے ضعیف ضعیف کی رٹ لگاتے ہیں اور اگر یہ حدیث صحیح مان بھی لی جاوے تب بھی گذشتہ اُن احادیث کے خلاف ہوگی جو ہم عرض کر چکے ہیں۔ ہماری تمام احادیث چونکہ قیاس شرعی کی تائید سے قوت حاصل کر چکیں۔ لہٰذا وہ ہی قابل عمل ہیں۔ یہ حدیث بالکل ناقابل عمل۔

اعتراض نمبر ۳۔ ترمذی شریف نے عباس ابن سہیل ساعدی سے روایت کی۔

قَالَ اِجْتَمَعَ اَبُوْحُمَيْدٍ وَّاَبُوْاُسَيْدٍ وَسَهْلُ ابْنُ سَعْدٍ وَمُحَمَّدُ ابْنُ مُسْلَمَةَ فَذَكَرُوْا صَلٰوةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَبُوْحُمَيْدٍ اَنَا اَعْلَمُكُمْ بِصَلٰوةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَلَسَ يَعْنِيْ لِلتَّشَهُّدِ فَافْتَرَشَ رِجْلَهُ الْيُسْرٰى وَاَقْبَلَ بِصَدْرِ الْيُمْنٰى عَلٰى قِبْلَتِهٖ وَوَضَعَ كَفَّهُ الْيُمْنٰى عَلٰى رُكْبَتِهِ الْيُمْنٰى وَكَفَّهُ الْيُسْرٰى عَلٰى رُكْبَتِهِ الْيُسْرٰى وَاَشَارَ بِاُصْبَعِهٖ يَعْنِيْ سَبَّابَةً۔

ایک بار ابوحمید ابواسید۔ سہیل ابن سعد اور محمد ابن مسلمہ جمع ہوئے۔ انہوں نے حضور کی نماز کا تذکرہ کیا تو ابوحمید فرمانے لگے کہ تم سب سے زیادہ حضور کی نماز کو میں جانتا ہوں حضور التحیات کے لیئے بیٹھے تو آپ نے اپنا بایاں پاؤں بچھایا اور داہنے پاؤں کا سینہ قبلہ کی طرف کر دیا اور اپنی داہنی ہتھیلی داہنے گھٹنے پر رکھی بائیں ہتھیلی بائیں گھٹنے پر رکھی اور اپنی انگلی دکلمے کی اونگلی سے اشارہ فرمایا۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم اس ہی طرح التحیات میں بیٹھتے تھے جیسے ہم بیٹھتے ہیں۔ ورنہ آپ کے داہنے پاؤں کا سینہ قبلہ کی طرف نہ ہوتا۔ بلکہ یہ پاؤں کھڑا ہوتا۔

جواب۔ اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے کیونکہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر التحیات میں زمین پر بیٹھتے تھے۔ تم پہلی التحیات میں تو بائیں پاؤں پر بیٹھتے ہو۔ دوسری میں زمین پر۔ یہ کیوں جو تم جواب دو گے۔ وہ ہی ہمارا جواب ہو گا اپنی فکر کرو۔

دوسرے یہ کہ تمہاری دوسری التحیات میں تین کام ہوتے ہیں۔ بائیں پاؤں کا داہنی طرف نکلنا۔ داہنے پاؤں کا کھڑا ہونا۔ سرین کا زمین پر لگنا عورتوں کی طرح اس حدیث میں ان تینوں باتوں میں سے ایک بھی ثابت نہیں نہ تو بائیں پاؤں کا داہنی طرف نکلنا۔ نہ سرین کا زمین پر رکھنا۔ نہ داہنے پاؤں کا کھڑا ہونا۔ سرین کا زمین پر لگنا عورتوں کی طرح اس حدیث میں ان تینوں باتوں میں سے ایک بھی ثابت نہیں نہ تو بائیں پاؤں کا داہنی طرف نکلنا۔ نہ سرین کا زمین پر رکھنا۔ نہ داہنے پاؤں کا کھڑا ہونا تعجب ہے کہ اسے آپ نے اپنی تائید میں کیسے سمجھ لیا یہ آپ کی خوش فہمی ہے۔ داہنے پاؤں کے سینے کا قبلہ کی طرف ہونا تمہارے بھی خلاف ہے۔

تیسرے یہ کہ ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ان تمام حدیثوں کے خلاف ہے۔ جو ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے نیز خود انہی ابو سعید ساعدی سے اس کے خلاف بھی منقول ہے۔ وہ تمام احادیث اس حدیث سے زیادہ قوی ہیں۔ جیسا کہ ہم پہلی فصل اور خود اس فصل میں عرض کر چکے۔ لہذا وہ احادیث قابل عمل ہیں اور یہ ناقابلِ عمل۔

چوتھے یہ کہ اس ہی ترمذی میں اس ہی جگہ حضرت ابو وائل کی وہ حدیث بھی موجود ہے جس میں حنفیوں کی طرح بیٹھنا مذکور ہے اس کے متعلق امام ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن ہے صحیح ہے اور فرمایا کہ اکثر علما کا اس پر عمل ہے۔ آپ نے ایسی صحیح و صاف حدیث کو کیوں چھوڑا اور مجمل حدیث پر کیوں عمل کیا جو آپ کے بھی موافق نہیں معلوم ہوا کہ آپ حدیث کے متبع نہیں۔ اپنی رائے کے اتباع کرتے ہیں آپ اپنا نام اہل حدیث نہیں۔ بلکہ اہل رائے یا اہل ضد رکھیں۔

اعتراض نمبر ۴۔ بائیں پاؤں پر بیٹھنے کے متعلق آپ نے جس قدر احادیث پیش کی ہیں وہ سب ضعیف ہیں۔ قابل حجت نہیں (رسالہ سبق)

جواب۔ کسی حنفی کو آپ اس منتر سے نہ ڈرایا کریں۔ حنفی پر روایت کے ضعیف ہونے کا کوئی

اثر نہیں پڑتا۔ حنفی بحمدہ تعالیٰ اتنی حدیثیں پیش کرتے ہیں کہ اگر بفرض محال وہ سب ضعیف بھی ہوں۔ تو بھی قوی ہو جاویں۔ نیز امام اعظم جیسے جلیل القدر مجتہد سراج امت کا قبول فرما لینا ہی اس کو قوی کرنے کے لیئے کافی ہے۔ حنفی مذہب کی دلائل یہ روایات نہیں۔ یہ تو تائیدیں ہیں۔ حنفیوں کی دلیل قول امام ہے ہمارا ایمان کتاب پر بھی ہے۔ سنت پر بھی اور اجتماع امت وقیاس مجتہد پر بھی ہمارے سامنے یہ آیت کریمہ ہے۔

اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ

اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اور اپنے میں سے امر والوں (مجتہدین امت) کی

دسواں باب

بیس رکعت تراویح

ہم بیس رکعت تراویح کے متعلق ایک مستقل رسالہ لکھ چکے ہیں جس کا نام ہے۔ لمعات المصابیح علی رکعات التراویح جس میں بہت تفصیل سے یہ مسئلہ بیان کیا ہے اس کتاب کو مکمل کرنے کے لیئے کچھ بطور اختصار یہاں عرض کیا جاتا ہے۔ جس کو تفصیل دیکھنی ہو وہ ہمارا مذکورہ رسالہ ملاحظہ کرے۔ خیال رہے کہ ساری امت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس پر اتفاق ہے۔ کہ تراویح آٹھ رکعت نہیں۔ ہاں اکثر مسلمان بیس پڑھتے ہیں اور بعض مسلمان چالیس البتہ غیر مقلد وہابی وہ فرقہ ہے۔ جسے نماز گراں ہے محض نفس پر بوجھ سمجھ کر تراویح صرف آٹھ رکعت پڑھ کر سو رہتے ہیں اور کچھ روایتوں کا بہانہ بناتے ہیں۔ اس لیئے ہم اس مسئلہ کو دو فصلوں میں بیان کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں بیس رکعت تراویح کے دلائل دوسری فصل میں وہابیوں کے اعتراضات مع جوابات رب تعالیٰ قبول فرماوے۔ آمین

پہلی فصل

بیس رکعت تراویح کا ثبوت

بیس رکعت تراویح سنّت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سنت صحابہ سنت عامۃ المسلمین ہے آٹھ رکعت تراویح خلاف سنت ہے۔ دلائل ملاحظہ ہوں۔

حدیث نمبر ۱ تا ۵۔ ابن ابی شیبہ۔ طبرانی نے کبیر میں۔ بیہقی۔ عبد ابن حمید اور امام بغوی نے سیدنا عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یُصَلِّی فِیْ رَمَضَانَ عِشْرِیْنَ رَکْعَۃً سِوَی الْوِتْرِ زَادَ الْبَیْہَقِیُّ فِیْ غَیْرِ جَمَاعَۃٍ

بیشک نبی صلی اللہ علیہ وسلم ماہ رمضان شریف میں بیس رکعت پڑھتے تھے وتر کے علاوہ بیہقی نے یہ زیادہ فرمایا کہ بغیر جماعت تراویح پڑھتے تھے۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بیس رکعت تراویح پڑھا کرتے تھے۔ جن روایات میں آیا ہے کہ آپ نے صرف تین دن تراویح وہاں باجماعت پڑھنا مراد ہے یعنی بغیر جماعت تو ہمیشہ پڑھتے تھے۔ جماعت سے صرف تین دن پڑھیں۔ لہذا احادیث میں تعارض نہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ تراویح سنت مؤکدہ علی العین ہے کہ حضور نے ہمیشہ پڑھیں اور لوگوں کو رغبت بھی دی۔

حدیث نمبر ۶۔ امام مالک نے حضرت یزید ابن رومان سے روایت کی۔

کَانَ النَّاسُ یَقُوْمُوْنَ فِیْ زَمَنِ عُمَرَ الْخَطَّابِ فِیْ رَمَضَانَ بِثَلٰثٍ وَّعِشْرِیْنَ رَکْعَۃً

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں رمضان میں لوگ تیئس رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔

اس سے دو مسئلہ معلوم ہوئے ایک یہ کہ تراویح بیس رکعت ہیں۔ دوسرے یہ کہ وتر تین رکعت ہیں۔ اسی لئے کل تیئس رکعتیں ہوئیں۔

حدیث نمبر ۷۔ بیہقی نے معرفہ میں صحیح اسناد سے حضرت سائب ابن یزید سے روایت کی۔

قَالَ کُنَّا نَقُوْمُ فِیْ عَہْدِ عُمَرَ بِعِشْرِیْنَ رَکْعَۃً وَالْوِتْرِ

ہم صحابہ کرام عمر فاروق کے زمانہ میں بیس رکعت اور وتر پڑھتے تھے۔

حدیث نمبر ۸۔ ابن منیع نے حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

اَنَّ عُمَرَ ابْنَ الْخَطَّابِ اَمَرَهٗ اَنْ تُصَلِّيَ بِاللَّيْلِ فِيْ رَمَضَانَ قَالَ اِنَّ النَّاسَ يَصُوْمُوْنَ النَّهَارَ وَلَا يُحْسِنُوْنَ اَنْ يَقْرَءُوْا فَلَوْ قَرَاْتَ عَلَيْهِمْ بِاللَّيْلِ قَالَ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ هٰذَا شَيْءٌ لَمْ يَكُنْ فَقَالَ فَقَدْ عَلِمْتُ وَلٰكِنَّهٗ حَسَنٌ فَصَلّٰى بِهِمْ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً

حضرت عمر نے اونہیں حکم دیا کہ تم لوگوں کو رات میں تراویح نماز پڑھاؤ کیونکہ لوگ دن میں روزہ رکھتے ہیں اور قرآن کریم اچھی طرح نہیں پڑھ سکتے بہتر یہ ہے کہ تم ان پر قرآن پڑھا کرو رات میں حضرت ابی نے عرض کیا کہ اے امیرالمومنین یہ وہ کام ہے جو اس سے پہلے نہ تھا آپ نے فرمایا میں جانتا ہوں۔ لیکن یہ اچھا کام ہے تو حضرت ابی ان کو بیس رکعتیں پڑھائیں۔

اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ عہد فاروقی سے پہلے مسلمانوں میں تراویح جاری ہی تھی۔ مگر باجماعت اہتمام سے ہمیشہ تراویح کا رواج حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے ہوا اصل تراویح سنّت رسول اللہ ہے اور جماعت۔ اہتمام ہمیشگی سنت فاروقی ہے۔

دوسرے یہ کہ بیس رکعت تراویح پر تمام صحابہ کا اجتماع ہوا۔ کیونکہ حضرت ابی ابن کعب نے تمام صحابہ کو بیس رکعت پڑھائیں۔ صحابہ کرام نے پڑھیں کسی نے اعتراض نہ کیا۔

تیسرے یہ کہ بدعت حسنہ اچھی چیز ہے کہ حضرت ابی ابن کعب نے عرض کیا کہ جماعت تراویح کی باقاعدہ جماعت اہتمام سے بدعت ہے۔ اس سے پہلے نہ ہوئی۔ فاروق اعظم نے فرمایا بالکل ٹھیک ہے واقعی یہ بدعت ہے مگر اچھی ہے۔

چوتھے یہ کہ جو کام حضور کے زمانہ میں نہ ہو وہ بدعت ہے اگرچہ عہد صحابہ میں رائج ہو کہ تراویح کی جماعت اگرچہ زمانہ فاروقی میں ہوئی۔ مگر اسے بدعت حسنہ فرمایا گیا۔

حدیث نمبر ۹ ۔ بیہقی نے اپنی سنن میں حضرت ابو عبدالرحمن سلمی سے روایت کی۔

اَنَّ عَلِيَّ ابْنَ اَبِيْ طَالِبٍ دَعَا الْقُرَّاءَ فِيْ رَمَضَانَ رَجُلًا يُصَلِّيْ بِالنَّاسِ خَمْسَ تَرْوِيْحَاتٍ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً وَكَانَ عَلِيٌّ يُوْتِرُ بِهِمْ

کہ علی رضی اللہ عنہ نے رمضان شریف میں قاریوں کو بلایا پھر ایک شخص کو حکم دیا کہ لوگوں کو بیس رکعت پڑھاؤ حضرت علی اونہیں وتر پڑھاتے تھے۔

حدیث نمبر ۱۰ بیہقی شریف نے حضرت ابوالحسناء سے روایت کی۔

اَنَّ عَلِیَّ ابْنَ اَبِیْ طَالِبٍ اَمَرَ رَجُلًا یُصَلِّیْ بِالنَّاسِ خَمْسَ تَرْوِیْحَاتٍ عِشْرِیْنَ رَکْعَۃً	حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ لوگوں کو پانچ ترویحے یعنی بیس رکعت پڑھائیں

بطور نمونہ چند حدیثیں پیش کی گئیں ورنہ بیس رکعت کی احادیث بہت ہیں۔ اگر شوق ہو تو ہماری لمعات المصابیح اور صحیح البہاری ملاحظہ کریں۔

عقل کا تقاضا بھی یہ ہے کہ تراویح بیس رکعت ہوں نہ کہ آٹھ چند وجوہ سے ایک یہ کہ دن رات میں بیس رکعت فرض و واجب ہیں۔ ۱۷ رکعت فرض تین رکعت واجب ماہ رمضان میں بیس تراویح پڑھی جاویں۔ ان رکعات کی تکمیل اور مدارج بڑھانے کے لیئے لہذا آٹھ رکعت تراویح بالکل خلاف قیاس ہیں۔

دوسری یہ کہ صحابہ کرام تراویح کی ہر رکعت میں ایک رکوع پڑھتے تھے بلکہ قرآن کریم کے رکوع کو رکوع اس ہی لیئے کہتے ہیں۔ کہ اتنی آیات پر حضرت عمر و عثمان و صحابہ کرام رکوع میں رکوع کرتے تھے۔ اور ستائیسویں شب کو ختم قرآن ہوتا تھا۔ آٹھ رکعت ہوتیں تو چاہیئے تھا کہ قرآن کریم کے رکوع کل دو سو سولہ ۲۱۶ ہوتے۔ حالانکہ قرآن کریم کے کل رکوع ۵۵۷ ہیں بیس رکعت کے حساب سے ۵۴۰ رکوع ہوتے ہیں۔ کوئی وہابی صاحب آٹھ رکعت تراویح مان کر قرآن کریم کے رکوع کی تعداد کی وجہ بیان فرماویں۔

تیسرے یہ کہ تراویح ترویحہ کی جمع ہے۔ ترویحہ ہر چار رکعت کے بعد کچھ دیر بیٹھ کر راحت کرنے کو کہتے ہیں۔ اگر تراویح آٹھ رکعت ہوتیں تو بیچ میں ایک ترویحہ ہوتا۔ اس صورت میں اس کا نام تراویح جمع نہ ہوتا جمع کم از کم تین پر بولی جاتی ہے۔

علماء امت کا عمل۔ ہمیشہ سے قریباً ساری امت کا عمل بیس رکعت تراویح پر رہا۔ اور آج بھی ہے۔ حرمین شریف اور ساری دنیا کے مسلمان بیس رکعت تراویح ہی پڑھتے ہیں۔

چنانچہ ترمذی شریف باب قیام شہر رمضان میں اس طرح فرماتے ہیں۔

وَاَکْثَرُ اَهْلِ الْعِلْمِ عَلٰی مَا رُوِیَ عَنْ عَلِیٍّ وَعُمَرَ وَغَیْرِهِمَا مِنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عِشْرِیْنَ رَکْعَۃً وَهُوَ قَوْلُ	اور اکثر علماء کا عمل اسی پر ہے جو حضرت عمر و علی و دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول ہے یعنی بیس رکعتہ تراویح اور یہ ہی سفیان ثوری۔ ابن مبارک

سُفْیَانَ الثَّوْرِیِّ وَابْنِ الْمُبَارَكِ وَالشَّافِعِیِّ وَ قَالَ الشَّافِعِیُّ هٰكَذَا اَدْرَكْتُ بِبَلَدِ مَكَّةَ يُصَلُّوْنَ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً

اور امام شافعی رحمتہ اللہ کا فرمان ہے امام شافعی نے فرمایا کہ ہم نے مکہ والوں کو بیس رکعتہ تراویح پڑھتے پایا۔

عمدۃ القاری شرح بخاری جلد پنجم صفحہ نمبر ۳۵۵ میں ارشاد فرمایا۔

قَالَ ابْنُ عَبْدِ الْبَرِّ وَهُوَ قَوْلُ جُمْهُوْرِ الْعُلَمَاءِ وَبِهٖ قَالَ الْكُوْفِيُّوْنَ وَالشَّافِعِيُّ وَاَكْثَرُ الْفُقَهَاءِ وَهُوَ الصَّحِيْحُ عَنْ اُبَيِّ ابْنِ كَعْبٍ مِنْ غَيْرِ خِلَافٍ مِنَ الصَّحَابَةِ

ابن عبد البر فرماتے ہیں کہ بیس رکعت تراویح ہی جمہور علماء کا قول ہے یہ ہی کوفی حضرات اور امام شافعی اور اکثر علماء فقہاء فرماتے ہیں اور یہ ہی صحیح ہے ابی ابن کعب سے منقول ہے اس میں صحابہ کا اختلاف نہیں۔

مولانا علی قاری شرح نقایہ میں بیس رکعت تراویح کے بارے میں فرماتے ہیں۔

فَصَارَ اِجْمَاعًا لِمَا رَوَى الْبَيْهَقِيُّ بِاِسْنَادٍ صَحِيْحٍ كَانُوْا يُقِيْمُوْنَ عَلٰى عَهْدِ عُمَرَ رَكْعَةً وَعَلٰى عَهْدِ عُثْمَانَ وَعَلِيٍّ عِشْرِيْنَ

بیس رکعت تراویح پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔ کیونکہ بیہقی نے صحیح اسناد سے روایت کی صحابہ کرام اور سارے مسلمان حضرت عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں بیس رکعتہ تراویح پڑھا کرتے تھے۔

علامہ ابن حجر مکی فرماتے ہیں۔

اِجْمَاعُ الصَّحَابَةِ عَلٰى اَنَّ التَّرَاوِيْحَ عِشْرُوْنَ رَكْعَةً۔

تمام صحابہ کا اس پر اتفاق ہے۔ کہ تراویح بیس رکعت ہیں۔

ان تمام حوالوں سے معلوم ہوا کہ بیس رکعت تراویح سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ بیس رکعتہ تراویح پر صحابہ کا اجماع ہے۔ بیس رکعت تراویح پر عام مسلمانوں کا عمل ہے۔ بیس رکعتہ تراویح حرمین شریفین میں پڑھی جاتی ہیں۔ بیس رکعت تراویح عقل کے مطابق ہیں۔ بیس رکعت تراویح قرآنی رکوعات کی تعداد کے مناسب ہیں۔ بلکہ آج حرمین طیبین میں نجدیوں کی سلطنت ہے مگر اب بھی وہاں بیس رکعتہ تراویح پڑھی جاتی ہیں جس کا جی چاہے جاکر دیکھ لے۔ نہ معلوم ہمارے ہاں کے

وہابی غیر مقلد کس کی تقلید کرتے ہیں۔ جو آٹھ رکعت تراویح پڑھتے ہیں۔ آٹھ رکعت تراویح سنت رسول کے خلاف سنت صحابہ کے خلاف سنت مسلمین کے خلاف سنت علماء مجتہدین کے خلاف سنت حرمین طیبین کے خلاف ہے۔ ہاں ہوا نفس کے مطابق ہے کہ نماز نفس امارہ پر بوجھ ہے رب تعالٰی نفس امارہ کے پھندوں سے نکالے اور سنت رسول پر عمل کی توفیق بخشے۔ آمین۔

دوسری فصل

بیس رکعت تراویح پر اعتراضات و جوابات

حقیقت یہ ہے کہ غیر مقلدوں کے پاس آٹھ رکعت تراویح کی کوئی قوی دلیل نہیں کچھ اوہام رکیکہ اور کچھ شبہات فاسدہ ہیں۔ دل تو نہیں چاہتا تھا کہ ہم ان کا ذکر کریں مگر بحث مکمل کرنے کے لیئے اُن کے اعتراضات مع جوابات عرض کرتے ہیں۔ رب تعالٰی انہیں ہدایت نصیب کرے۔

اعتراض نمبر ۱۔ امام مالک نے سائب ابن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

اَنَّهٗ قَالَ اَمَرَ عُمَرُ ابْنُ الْخَطَّابِ اُبَیَّ ابْنَ كَعْبٍ وَّتَمِيْمُ الدَّارِیْ اَنْ يَّقُوْمَا لِلنَّاسِ بِاِحْدٰی عَشَرَةَ رَكْعَةً الخ

وہ فرماتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ نے ابی ابن کعب اور تمیم داری کو حکم دیا کہ لوگوں کو گیارہ رکعت پڑھایا کریں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے آٹھ تراویح کا حکم دیا تھا۔ اگر تراویح بیس رکعت ہوتیں۔ تو کل رکعات ۲۳ ہنتیں مع وتر کے۔

جواب۔ اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی سخت خلاف ہے۔ کیونکہ اس سے جہاں آٹھ تراویح کا ثبوت ہُوا۔ وہاں ہی تین وتر کا بھی ثبوت ہُوا تب ہی تو کل رکعتیں گیارہ ہوں گی۔ آٹھ تراویح تین وتر۔ اگر وتر ایک رکعت ہوتی تو کل نو رکعتیں ہوتیں۔ نہ کہ گیارہ۔ بتاؤ تم ایک رکعت وتر کیوں پڑھتے ہو کیا ایک ہی حدیث کے بعض حصہ کا اقرار ہے بعض کا انکار۔ لہٰذا اس روایت کا جو تم جواب دو گے وہ ہی جواب ہمارا ہے۔

دوسرے یہ کہ اس حدیث کے راوی محمد ابن یوسف ہیں۔ ان کی روایات میں سخت اضطراب ہے۔ مؤطا امام مالک کی اس روایت میں تو ان سے گیارہ رکعتیں منقول ہوئیں۔ اور محمد ابن نصر مروزی

نے انہیں سے تیرہ رکعات نقل کیں۔ محدث عبدالرزاق نے انہی سے اکیس رکعتیں نقل فرمائیں دیکھو فتح الباری شرح بخاری جلد چہارم صفحہ نمبر ۱۸۰ مطبوعہ مطبع خیریہ مصر۔ لہذا ان کی کوئی روایت معتبر نہیں تعجب ہے کہ آپ نفس امارہ کی خواہش پوری فرمانے کے لیئے ایسی واہیات روایتوں کی آڑ پکڑتے ہیں۔

تیسرے یہ کہ عہد فاروقی میں اولاً آٹھ رکعت تراویح کا حکم ہوا۔ پھر بارہ رکعت کا پھر آخر میں بیس رکعت پر ہمیشہ کے لیئے عمل ہوا۔ چنانچہ اسی موطا امام مالک میں حضرت اعرج سے ایک طویل حدیث نقل فرمائی جس کے آخر الفاظ یہ ہیں۔

وَكَانَ الْقَارِئُ يَقْرَأُ بِسُوْرَةِ الْبَقَرَةِ فِيْ ثَمَانِ رَكَعَاتٍ فَاِذَا اَقَامَهَا فِيْ اِثْنَيْ عَشَرَةَ رَكْعَةً رَاَى النَّاسُ اَنَّهُ قَدْ خَفَّفَ

قاری آٹھ رکعت تراویح میں سورہ بقر پڑھتے تھے پھر جب بارہ رکعتوں میں پڑھنے لگے تو لوگوں نے محسوس کیا کہ ان پر آسانی ہوگئی۔

اس حدیث کی شرح میں مولانا علی قاری مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں۔

ثَبَتَ الْعِشْرُوْنَ فِيْ زَمَنِ عُمَرَ وَفِي الْمُوَطَّا رِوَايَةٌ بِاِحْدٰى عَشَرَةَ رَكْعَةً وَجَمَعَ بَيْنَهُمَا اَنَّهُ وَقَعَ اَوَّلًا ثُمَّ اسْتَقَرَّ الْاَمْرُ عَلَى الْعِشْرِيْنَ فَاِنَّهُ الْمُتَوَارِثُ۔

ہاں بیس کا حکم حضرت عمر کے زمانہ میں ثابت ہوا موطا شریف میں گیارہ رکعت کا ذکر ہے۔ ان دونوں روایتوں کو اسطرح جمع کیا گیا ہے کہ عہد فاروقی میں پہلے تو آٹھ رکعت کا حکم تھا۔ پھر بیس رکعت پر تراویح کا قرار ہوا یہ ہی مسلمانوں میں رائج ہے۔

معلوم ہوا آٹھ رکعت تراویح پر عمل متروک ہے۔ بیس رکعت تراویح صحابہ کرام اور تمام مسلمانوں میں معمول۔

اعتراض نمبر ۲۔ تمہاری پیش کردہ احادیث سے ثابت ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بیس تراویح پڑھتے تھے تو حضرت عمر نے پہلے آٹھ رکعت کا حکم ہی کیوں دیا خلاف سنت حکم صحابہ کی شان سے بعید ہے

جواب۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے خود تو بیس رکعات تراویح پڑھیں۔ مگر صحابہ کو اس تعداد کا صریحی حکم نہ دیا تھا۔ صرف رمضان کی راتوں میں نماز خصوصی کی رغبت دی تھی۔ بلکہ خود جماعت بھی باقاعدہ

ہمیشہ نہ کرائی۔ وجہ یہ ارشاد فرمائی کہ تراویح فرض ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ اس لیئے صحابہ کرام پر تراویح کی رکعات کی تعداد ظاہر نہ ہوئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اوّلاً اپنے اجتہاد سے آٹھ پھر بارہ مقرر فرمائیں۔ بیس کی سند مل جانے پر بیس ہی کا دائمی حکم دے دیا۔ اس زمانہ میں آج کی طرح حدیث کتابوں میں جمع نہ تھی۔ ایک ایک حدیث بہت کوشش و محنت سے حاصل کی جاتی تھی۔

اعتراض نمبر ۳۔ بخاری شریف میں ہے کہ حضرت ابوسلمہ نے ام المومنین عائشہ صدیقہ سے پوچھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کی راتوں میں کتنی رکعات پڑھتے تھے۔ تو ام المومنین نے ارشاد فرمایا۔

مَا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَزِیْدُ فِیْ رَمَضَانَ وَلَا فِیْ غَیْرِہٖ عَلٰی اِحْدٰی عَشَرَ رَکْعَاتٍ	حضور صلی اللہ علیہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہ پڑھتے تھے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور تراویح آٹھ رکعت پڑھتے تھے۔ اگر بیس پڑھتے تو کل رکعات ۲۳ ہوتیں۔

جواب۔ اس اعتراض کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے اس لیئے کہ اگر اس سے آٹھ رکعت تراویح ثابت ہوتی ہے تو تین رکعت وتر بھی ثابت ہوئیں۔ تب ہی تو کل رکعت گیارہ ہوئیں۔ بتاؤ تم وتر ایک رکعت کیوں پڑھتے ہو۔ جواب دو کیا بعض حدیث پر ایمان ہے۔ بعض کا انکار۔

دوسرے یہ کہ حضرت ام المومنین یہاں نماز تہجد کا ذکر فرما رہی ہیں نہ کہ نماز تراویح کا اس ہی لیئے آپ نے ارشاد فرمایا کہ رمضان اور غیر رمضان و دیگر مہینوں میں گیارہ رکعات سے زیادہ نہ پڑھتے تھے۔ تراویح رمضان کے علاوہ دوسرے مہینوں میں کب پڑھی جاتی ہے۔ اگر آپ اس پر غور کر لیتے تو ایسی جرأت نہ کرتے۔ اس ہی لیئے ترمذی شریف نے اس حدیث کو باب صلوٰۃ اللیل یعنی تہجد کے باب میں ذکر فرمایا۔ نیز اس ہی حدیث کے آخر میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ وتر سے پہلے کیوں سو جاتے ہیں۔ تو فرمایا کہ اے عائشہ ہماری آنکھیں سوتی ہیں۔ دل نہیں سوتا جس سے معلوم ہوا کہ

یہ نماز سرکار آخر رات میں سو کر اٹھ کر ادا فرماتے تھے۔ تراویح سونے کے بعد نہیں پڑھی جاتیں تہجد پڑھی جاتی ہے۔

تیسرے یہ کہ اگر اس نماز سے مراد تراویح ہے اور آٹھ تراویح حضور نے پڑھی۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیس تراویح کا حکم کیوں دیا اور تمام صحابہ نے یہ حکم کیوں قبول کیا اور خود ام المؤمنین نے یہ سب کچھ دیکھ کر کیوں نہ اعلان فرمایا کہ میں نے حضور کو آٹھ رکعت تراویح پڑھتے دیکھا ہے۔ تم بیس رکعت پڑھتے ہو۔ یہ خلاف سنت اور بدعت سیئہ ہے آپ کیوں خاموش رہیں ذرا ہوش کرو حدیث کو صحیح سمجھنے کی کوشش کرو۔

وہابیوں سے سوالات

تمام دنیا کے وہابیوں سے حسب ذیل سوالات ہیں سارے مل کر ان کے جوابات دیں بتاؤ۔ ۱ کہ حضرت عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم نے بیس رکعت کا حکم کیوں دیا۔ کیا اس سنت کی انہیں خبر نہ تھی۔ آج قریباً چودہ سو برس بعد تم کو پتہ لگا۔

(۲) اگر نعوذ باللہ خلفاء راشدین نے بدعت سیئہ کا حکم دے دیا تھا تو تمام صحابہ نے بے چون و چرا قبول کیوں کر لیا گیا ان میں کوئی بھی حق گو اور متبع سنت نہ تھا آج اتنے عرصہ کے بعد تم حق گو بھی پیدا ہوئے اور متبع سنت بھی۔

(۳) اگر تمام صحابہ بھی خاموش رہے تو ام المؤمنین عائشہ صدیقہ کے ایک سنت رسول کے خلاف بدعت سیئہ کا رواج دیکھا تو وہ کیوں خاموش رہیں۔ ان پر تبلیغ حق فرض تھی یا نہیں جیسے آج تم آٹھ رکعت تراویح کے لیئے ایڑی چوٹی کا زبانی و قلبی بدنی و مالی زور لگا رہے ہو۔ انہوں نے یہ کیوں نہ کیا۔ پھر تو ام المؤمنین سے تم افضل ہوئے۔

(۴) وہ تمام خلفاء راشدین اور سارے صحابہ بلکہ خود حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم بیس رکعت تراویح پڑھ کر۔ پڑھوا کر یا جاری ہوتے ہوئے۔ دیکھ کر خاموش رہ کر ہدایت پر تھے یا نعوذ باللہ گمراہ۔ اگر آج حنفی بیس رکعت تراویح پڑھنے کی بناء پر گمراہ اور بدعتی ہیں تو ان حضرات پر تمہارا کیا فتویٰ ہے۔ جواب دو۔ جواب دو۔ جواب دو۔

(۵) اگر بیس رکعت تراویح بدعت سیئہ ہے اور آٹھ رکعت تراویح سنّت اور تم بہادروں نے چودہ سو برس بعد یہ سنت جاری کی۔ تو بتاؤ حرمین طیبین کے تمام مسلمان بدعتی اور گمراہ ہیں یا نہیں۔ اگر نہیں تو کیوں۔ اور اگر ہیں تو تم آج نجدی وہابیوں کو اس کی تبلیغ کیوں نہیں کرتے۔ تمہارے فتوے صرف ہندو پاکستان میں فساد پھیلانے ہی کے لیئے ہیں۔

(۶) حضرات آئمہ مجتہدین اور اُن کے سارے متبعین جن میں لاکھوں اولیاء علماء محدث فقہاء مفسرین داخل ہیں۔ جو سب بیس تراویح پڑھتے تھے۔ وہ سب بدعتی اور گمراہ تھے یا نہیں۔

(۷) اگر سارے یہ حضرات گمراہ تھے اور ہدایت پر تمہاری مٹھی بھر جماعت ہے۔ تو اُن گمراہوں کی کتابوں سے حدیث لینا حدیث پڑھنا جائز ہے یا حرام اور ان کی روایت حدیث صحیح ہے یا نہیں جب بدعمل کی روایت صحیح نہیں۔ تو بدعقیدہ کی روایت صحیح کیونکر ہو سکتی ہے۔

(۸) تمام دنیا کے مسلمان جو بیس تراویح پڑھتے ہیں۔ تمہارے نزدیک گمراہ اور بدعتی ہیں یا نہیں۔ اگر ہیں تو اس حدیث کا کیا مطلب ہے۔

اِتَّبِعُوا السَّوَادَ الْاَعْظَمَ۔ مسلمانوں کے بڑے گروہ کی اتباع کرو۔

اور قرآن کریم نے عامۃ المسلین کو خیر امّت اور شہداء علی الناس کیوں فرمایا؟

امید ہے کہ حضرات وہابیہ نجد تک کے علماء سے مل کر ان سوالات کے جواب دیں۔ ہم منتظر ہیں۔

ہمارا مطالبہ۔ ہم ساری دنیا کے وہابیوں نجدیوں سے مطالبہ کرتے ہیں کہ ایک صحیح مرفوع حدیث مسلم بخاری یا کم از کم صحاح ستہ کی ایسی پیش کریں۔ جس میں صراحۃً مذکور ہو کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم آٹھ رکعت تراویح پڑھتے تھے یا اس کا حکم فرماتے تھے۔ مگر تراویح کا لفظ ہو۔ یا صحابہ کرام نے آٹھ تراویح دائمی طور پر قائم فرمائیں۔

اور ہم کہہ دیتے ہیں کہ قیامت تک نہ دکھا سکو گے۔ صرف ضد پر ہو۔ رب تعالیٰ توفیق بخشے آمین بیس رکعت تراویح کا ثبوت الحمدللہ حضور کے فعل شریف صحابہ کرام کے فرمان و عمل عامۃ المسلین کے طریقہ شرعی اور عقل سے ہوا۔ والحمدللہ رب العالمین۔

لطیفہ۔ غیر مقلد وہابی جب کبھی حنفیوں میں پھنس جاتے ہیں۔ تو تراویح بیس رکعت پڑھ

لیتے ہیں۔ جس کا بارہا مشاہدہ ہوا۔ اور ہو رہا ہے۔ معلوم ہوا کہ انہیں خود بھی اپنے مذہب پر اعتماد نہیں۔

گیارہواں باب ۱۱

ختم قرآن پر روشنی کرنا

عامۃ المسلمین کا ہمیشہ سے دستور رہا ہے کہ ثواب اور روشنی قبر حاصل کرنے کے لیئے یوں تو ہمیشہ ہی مگر رمضان شریف یا شب قدر اور ختم قرآن کے دن خصوصیت سے مسجدوں میں چراغاں یعنی دھوم دھام سے روشنی کرتے ہیں۔ مسجدوں کو خوب آراستہ کرتے ہیں۔ وہابیوں کی مسجدیں بے رونق بے نور رہتی ہیں۔ انہیں مسجدوں میں چراغاں کرنے وہاں زینت دینے کی توفیق نہیں ملتی وہابی مسلمانوں کے اس کار ثواب کو بدعت حرام۔ بلکہ شرک تک کہتے ہیں۔ اس لیئے ہم اس باب کی بھی دو فصلیں کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں ان مسائل کا ثبوت دوسری فصل میں ان مسائل پر اعتراضات مع جوابات۔ ناظرین سے توقع انصاف اور اپنے رب سے امید قبول ہے۔

پہلی فصل

روشنی مسجد کا ثبوت

مسجدوں میں ہمیشہ روشنی کرنا۔ خصوصًا ماہ رمضان خصوصًا شب بقدر یا ختم قرآن شریف کے دن وہاں چراغاں کرنا اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے۔ جس کا بہت ثواب ہے۔ دلائل ملاحظہ ہوں۔

(۱) اللہ رب العزت قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے۔

اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ | اللہ کی مسجدوں کو وہ لوگ آباد کرتے ہیں۔ جو اللہ تعالٰے اور قیامت پر ایمان رکھتے ہیں۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ مسجدوں میں جماعات نماز قائم کرنا۔ وہاں صفائی رکھنا۔ عمدہ چٹائیاں۔

فرش وغیرہ بچھانا وہاں روشنی وچراغاں کرنا وغیرہ سب مسجد کی آبادی میں داخل ہیں۔ تفسیر روح البیان نے فرمایا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام مسجد بیت المقدس میں کبریت احمر کی روشنی فرماتے تھے۔ جس کی روشنی میں میلوں تک عورتیں چرخہ کات لیتی تھیں۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ مسجدوں میں رونق وچراغاں کرنا ایمان کی علامت ہے۔ تو ظاہر ہے۔ کہ مسجدوں کو بے نور بے آباد رکھنا کفار کی نشانی۔

(۲) ابن ماجہ نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایتہ کی۔

قَالَ اَوَّلُ مَنْ اَسْرَجَ فِی الْمَسَاجِدِ تَمِيْمُ الدَّارِیْ

وہ فرماتے ہیں کہ جس نے پہلے مسجدوں میں چراغ جلائے وہ تمیم داری صحابی ہیں۔ رضی اللہ عنہ

اس سے معلوم ہوا کہ مسجد میں روشنی کرنا سنّت صحابی ہے۔ خیال رہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں چراغ کا عام رواج نہ تھا۔ بوقت جماعت کھجور کی لکڑیاں جلا کر روشنی کر لی جاتی تھی حضرت تمیم داری نے وہاں چراغاں کیا۔

(۳) ابوداؤد شریف نے حضرت اُم المومنین میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی۔

قَالَتْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَفْتِنَا فِیْ بَيْتِ الْمَقْدِسِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِيْتُوْهُ فَصَلُّوْا فِيْهِ وَكَانَتِ الْبِلَادُ فِیْ ذٰلِكَ حَرْبًا فَاِنْ لَمْ تَاْتُوْهُ وَتُصَلُّوْا فِيْهِ فَابْعَثُوْا بِزَيْتٍ يُسْرَجُ فِیْ قَنَادِيْلِهٖ۔

انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہمیں مسجد بیت المقدس شریف کے متعلق حکم دیں تو حضور نے ارشاد فرمایا کہ اس مسجد میں جاؤ اور وہاں نماز پڑھو اس زمانہ میں شہروں میں جنگ تھی تو فرمایا کہ اگر تم وہاں نہ پہنچ سکو اور نماز نہ پڑھ سکو تو وہاں تیل بھیجدو۔ کہ وہاں کی قندیلوں میں جلایا جاوے۔

اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے۔ ایک یہ کہ بیت المقدس کی مسجد میں نماز پڑھنے کے لیئے سفر کرکے جانا سنت ہے۔ ہمارے حضورؐ نے معراج میں وہاں تمام نبیوں کو نماز پڑھائی۔ خود حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم اور سارے پیغمبر سفر کرکے وہاں نماز پڑھنے پہنچے۔ دوسرے یہ کہ بیت المقدس کی مسجد میں بہت قندیلیں روشن کی جاتی تھیں۔ جیسا قنادیل جمع فرمانے سے معلوم ہوا تیسرے یہ کہ مسجد میں روشنی کرنے کا ثواب وہاں نماز پڑھنے کی طرح ہے۔ یعنی اعلیٰ درجہ کی عبادت اور باعث ثواب ہے چوتھے یہ کہ مسجد میں چراغاں کرنے کے لیئے دور سے تیل بھیجنا سنت صحابہ ہے۔

(۴) حدیث امام رافعی محدث نے حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ بَنٰی لِلّٰہِ مَسْجِدًا بَنَی اللّٰہُ لَہٗ بَیْتًا فِی الْجَنَّۃِ وَمَنْ عَلَّقَ فِیْہِ قِنْدِیْلًا صَلّٰی عَلَیْہِ سَبْعُوْنَ اَلْفَ مَلَکٍ حَتّٰی یَنْطَفِیَ ذَالِکَ الْقِنْدِیْلُ۔

کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو اللہ تعالٰے کے لیئے مسجد بنائے گا۔ اللہ تعالٰے اس کے لیئے جنت میں گھر بنائے گا اور جو مسجد میں قندیل جلائے گا اس پر ستر ہزار فرشتے دعاء رحمت کریں گے۔ جبتک کہ یہ چراغ بجھ نہ جائے۔

معلوم ہُوا کہ مسجد کی روشنی ستر ہزار فرشتوں کی دعا لینے کا ذریعہ ہے۔

(۵) حدیث ابن بخاری نے حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ عَلَّقَ فِیْ مَسْجِدٍ قِنْدِیْلًا صَلّٰی عَلَیْہِ سَبْعُوْنَ اَلْفَ مَلَکٍ حَتّٰی یَنْطَفِیَ ذَالِکَ الْقِنْدِیْلُ

فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو مسجد میں کوئی قندیل لٹکائے تو اس پر ستر ہزار فرشتے دعاء رحمت کرتے ہیں۔ یہانتک کہ یہ قندیل گل ہو۔

معلوم ہوا کہ جیسے مسجد میں چراغ جلانا ثواب ہے۔ ایسے ہی مسجد میں چراغ یا تیل یا بتی دینا بھی ثواب ہے۔ خواہ ایک چراغ ہو یا بہت۔

(۶) حدیث ابن شاہین محدّث نے حضرت ابی اسحاق ہمدانی سے روایت کی۔

قَالَ خَرَجَ عَلِیُّ ابْنُ اَبِیْ طَالِبٍ فِیْ اَوَّلِ لَیْلَۃٍ مِنْ رَمَضَانَ وَالْقَنَادِیْلُ تَزْہَرُ وَکِتَابُ اللّٰہِ تُتْلٰی فَقَالَ نَوَّرَ اللّٰہُ لَکَ یَا ابْنَ الْخَطَّابِ فِیْ قَبْرِکَ کَمَا نَوَّرْتَ مَسَاجِدَ اللّٰہِ تَعَالٰی بِالْقُرْاٰنِ۔

فرماتے ہیں کہ رمضان کی پہلی شب کو حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف لائے مسجد نبوی میں قندیلیں جگمگا رہی تھیں اور قرآن کی تلاوت ہو رہی تھی تو آپ نے فرمایا اے عمر ابن خطاب اللہ تعالیٰ تمہاری قبر روشن کرے جیسے تم نے اللہ کی مسجدوں کو قرآن کے وقت روشن کر دیا۔

(۷) حدیث صحیح البہاری شریف نے بعض محدثین سے روایت کی کہ اونہیں امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ سے روایت پہنچی۔

اَنَّہٗ قَالَ نَوَّرَ اللّٰہُ قَبْرَ عُمَرَ کَمَا نَوَّرَ عَلَیْنَا مَسَاجِدَنَا۔

آپ نے فرمایا اللہ تعالٰے حضرت عمر کی قبر روشن کرے جیسے اونہوں نے ہماری مسجدوں کو روشن کیا۔

ان آخری روایتوں سے معلوم ہوا کہ رمضان شریف میں مسجدوں میں چراغاں کرنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے مروج ہے۔ حضرات صحابہ کرام نے اس پر اعتراض نہ فرمایا بلکہ حضرت علی مرتضٰے رضی اللہ عنہ نے اس انہیں دعائیں دیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ روشنی مسجد سے انشاء اللہ قبر منور ہوگی۔ لہذا اب جو اس روشنی مسجد کو روکتا ہے۔ وہ درپردہ سنت صحابہ پر اعتراض کرتا ہے۔ اس چراغاں کے روکنے والے اپنی قبریں تاریک کر رہے ہیں۔

(۸) قرآن رب تعالیٰ ان بند کرنے والوں کے متعلق ارشاد فرماتا ہے۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِىْ خَرَابِهَا

اُس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ کی مسجدوں کو اللہ کے ذکر سے روکے اور ان کی بے آبادی میں کوشش کرے

اس آیت میں ان لوگوں پر بھی عتاب ہے۔ جو مسجدوں میں نماز۔ ذکر الٰہی۔ تلاوت قرآن نعت خوانی سے منع کریں۔ اور ان لوگوں پر بھی عتاب ہے جو مسجدوں میں چٹائیاں ڈالنے فرش بچھانے روشنی کرنے چراغاں وغیرہ سے روکیں کہ آبادی میں یہ سب چیزیں داخل ہیں۔

عقل کا تقاضا بھی ہے کہ موجودہ زمانہ میں مسجدوں کو آراستہ کرنا وہاں ہمیشہ یا بعض خصوصی موقعہ پر چراغاں کرنا اچھا ہے۔ کیونکہ آج ہم اپنے مکانوں میں زیب و زینت کرتے ہیں۔ بیاہ شادی وغیرہ پر خوب دل کھول کر روشنی و چراغاں کرتے ہیں۔ عمارتیں سجاتے ہیں۔ جب ہمارے گھر آراستگی روشنی چراغاں کے مستحق ہیں تو اللہ کا گھر جو تمام گھروں سے افضل ہے اسے عام گھروں سے زیادہ آراستہ کیا جاوے تاکہ مسجدوں کی عظمت لوگوں کے دلوں میں قائم ہو۔ یہ کام احترام مسجد اور تبلیغ دین کا ذریعہ ہے۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

غیر مقلد وہابیوں کے جس قدر اعتراضات اب تک ہم نے سنے ہیں۔ وہ نہایت دیانتداری سے مع جوابات عرض کرتے ہیں۔ رب تعالیٰ قبول فرماوے۔

اعتراض نمبر ا۔ مسجدوں میں چراغاں کرنا فضول خرچی و اسراف ہے اور اسراف سے قرآن کریم میں

منع فرمایا گیا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

کُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ۔ | کھاؤ اور پیو اور فضول خرچی نہ کرو۔ بیشک اللہ تعالیٰ فضول خرچوں کو پسند نہیں فرماتا۔

جواب۔ مسجد کے چراغاں کو فضول خرچی کہنا غلط ہے۔ فضول خرچی اس خرچ کو کہا جاتا ہے جس میں کوئی دینی یا دنیاوی نفع نہ ہو۔ مسجد کے چراغاں میں مسجد کی زینت ہے۔ جو عبادت اور باعث ثواب ہے۔

اعتراض نمبر ۲۔ جب ایک چراغ سے روشنی حاصل ہو سکتی ہے تو باقی چراغاں بے کار ہیں اور بے کار خرچ فضول خرچی میں داخل ہے۔

جواب ۱۔ جب ایک قمیص و پائجامہ سے ستر حاصل ہو جاتا ہے تو چاہیئے کہ اچکن واسکٹ پہننا فضول خرچی اور حرام ہو۔ جب چھ آنہ گز کے گاڑھے سے ستر چھپ جاتا ہے۔ تو چاہیئے کہ دو روپے گز کی ململ۔ لٹھا۔ چکن۔ وائل پہننا حرام ہو۔ جب گھر میں دو آنہ کے چراغ سے روشنی حاصل ہو سکتی ہے۔ تو وہاں صدہا روپیہ خرچ کرکے بجلی فٹنگ کرانا۔ اور گیس کی روشنی کرنا اسراف و حرام ہونا چاہیئے جب تھرڈ کلاس سے بھی راستہ طے ہو جاتا ہے تو انٹر بلکہ سیکنڈ۔ فسٹ میں روپیہ خرچ کرنا حرام ہونا چاہیئے۔ جناب ایک دیئے سے تو روشنی حاصل ہوتی ہے اور زیادہ چراغوں سے مسجد کی زینت و رونق مسجد کی روشنی بھی عبادت ہے اور وہاں کی زینت بھی عبادت۔

اعتراض نمبر ۳۔ اگر مسجد میں چراغاں کرنا اچھی چیز ہے تو خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانہ شریف میں مسجد نبوی شریف میں چراغاں کیوں نہ کیا۔ کیا تم حضور سے افضل ہو یا دین کے زیادہ ہمدرد ہو۔ جو کام حضور نہ کریں تمہیں کرنے کا کیا حق ہے۔

جواب۔ اگر واسکٹ۔ اچکن اعلیٰ درجہ کی ململیں پہننا اچھا کام ہے تو حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم نے کیوں نہ استعمال فرمائیں جو کام حضور نے نہ کیا وہ اسے دہابیو تم کیوں کرتے ہو۔ تم اپنے گھروں میں بجلی فٹنگ کیوں کرتے ہو تم اپنے گھر میں بجلی گیس کیوں جلاتے ہو۔ جناب حضور کے زمانہ شریف میں لوگوں کے گھر بھی سارے معمولی تھے۔ جہادوں کا زمانہ تھا اس طرف توجہ فرمانے کا موقعہ ہی نہ تھا جب صحابہ کرام کے زمانہ میں لوگوں نے اپنے گھر اچھے بنائے۔ تو فقہاء صحابہ نے سوچا کہ دین

تو دنیا سے اعلیٰ ہے۔ اور اللہ کا گھر یعنی مسجد نبوی شریف ہمارے گھروں سے افضل۔ جب ہمارے گھر شاندار ہیں تو اللہ کا گھر بہت شاندار ہونا چاہیئے۔ یہ سوچ کر حضرت عثمان نے مسجد نبوی شریف بہت عالی شان بنائی اور وہاں بہت زیب و زینت کی حضور فرماتے ہیں کہ۔

عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ　　تم میری اور میرے خلفاء راشدین کی سنت مضبوطی سے پکڑو

جیسے حضور کی سنت قابل عمل ہے۔ ایسے ہی حضور کے صحابہ کرام کی سنت لائق عمل حضور کے صحابہ نے مسجد نبوی شریف میں چراغاں کیا۔ بلکہ خود حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم نے بیت المقدس کی مسجد میں چراغاں کرنے کے لیئے تیل بھیجنے کا حکم دیا۔

اعتراض نمبر ۴۔ ابو داؤد شریف نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا اُمِرْتُ بِتَشْيِيْدِ الْمَسَاجِدِ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لَتُزَخْرِفُنَّهَا كَمَا زَخْرَفَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى۔

فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ مجھے مسجدیں سجانے کا حکم نہیں دیا گیا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ تم یہود و نصاریٰ کی طرح آراستہ کروگے۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مسجدیں سجانے کا حکم نہیں۔ یہ بھی پتہ لگا کہ عبادت خانے سجانا یہود و نصاریٰ کی سنت ہے نہ کہ مسلمانوں کا طریقہ اور ظاہر ہے کہ مسجد میں چراغاں کرنا بھی سجاوٹ ہی ہے لہٰذا یہ بھی منع ہے۔

جواب۔ اس کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ اگر اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ مسجدوں کی زینت اور وہاں چراغاں کرنا منع ہے۔ تو انہیں ابن عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر و عثمان رضؓ کو مسجدوں کی زینت دیتے وہاں چراغاں کرتے دیکھا اور منع نہ فرمایا۔ کیا خود ہی اپنی روایت کی مخالفت کی نیز کیا تمام صحابہ کرام اس حدیث کا وہ مطلب نہ سمجھے جو تم سمجھے نیز اس صورت میں یہ حدیث قرآن کریم کے مخالف ہوگی کہ رب تعالےٰ نے مسجد کی زینت و آبادی کو ایمان کی علامت قرار دیا کہ فرمایا۔ اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰهِ الخ پتہ لگا کہ تم نے حدیث کا مطلب غلط سمجھا۔

دوسرے یہ کہ یہاں ہر زینت کی ممانعت نہیں بلکہ ناجائز ٹیپ ٹاپ پر عتاب ہے جیسے فوٹو تصویروں سے سجانا اسی لیئے یہود و نصاریٰ سے تشبیہہ دی گئی۔ ان کے عبادت خانے

تصاویر وفوٹو سے سجائے جاتے ہیں۔ یا وہ زینت مراد ہے جو اللہ کے لیئے نہ ہو دکھلاوے اور نام ونمود ریاکاری کے لیئے ہو جیسا کہ اگلی حدیث سے معلوم ہو رہا ہے۔ مگر جو زینت و چراغاں صرف مسجد کے احترام اور رب تعالیٰ کی رضا کے لیئے ہو وہ بہتر ہے۔ رب تعالےٰ اپنے اور اپنے محبوب کے کلام کی صحیح فہم نصیب فرمائے۔

اعتراض نمبر ۵۔ ابوداؤد۔ نسائی۔ دارمی اور ابن ماجہ نے حضرت انس سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ اَشْرَاطِ السَّاعَۃِ اَنْ یَّتَبَاھَی النَّاسُ فِی الْمَسَاجِدِ

وہ فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے کہا یقیناً علامات قیامت سے یہ ہے کہ لوگ مسجدوں میں فخر کریں گے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسجدوں کی زینت علامت قیامت ہے۔ اس سے اللہ بچائے۔

جواب۔ اس حدیث کے وہ ہی معنی ہیں۔ جو ہم اعتراض نمبر ۴ کے جواب میں عرض کر چکے یعنی فخریہ مسجدیں بنانا اور شیخی کے طور پر مسجدیں سجانا علامت قیامت ہے کہ ایک محلے والے دوسرے محلہ والوں کے مقابلہ میں مسجد کو زینت دے کر انہیں طعنہ دیں کہ ہماری مسجد تمہاری مسجد سے زیادہ آراستہ ہے جناب فخر وریا کے لیئے نماز پڑھنا ممنوع ہے۔ تو اس سے لازم یہ نہیں آتا کہ اخلاص کی نماز بھی منع ہو جاوے۔

یا حدیث کے معنی یہ ہیں کہ قریب قیامت لوگ مسجدوں میں جا کر بجائے ذکر اللہ کرنے کے دنیاوی باتیں ایک دوسرے کے مقابل شیخی مارا کریں گے۔ یہ سخت گناہ ہے اور اگر حدیث کے وہ ہی معنے ہوں جو تم سمجھے یعنی مسجدوں کی زینت علامات قیامت ہے تو بھی اس سے ممانعت ثابت نہیں ہوتی قیامت کی ہر علامت بُری نہیں عیسےٰ علیہ السلام کا نزول۔ امام مہدی کا ظہور بھی علامت قیامت ہے۔ مگر بُرا نہیں بلکہ بہت بابرکت ہے۔

اعتراض نمبر ۶۔ مسجدوں میں چراغاں کرنا بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی۔

جواب۔ یہ غلط ہے۔ یہ تو سنت صحابہ ہے جیسا کہ ہم پہلی فصل میں بیان کر چکے ہیں اور اگر یہ بدعت بھی ہو تو ہر بدعت نہ حرام ہے نہ گمراہی۔ بخاری شریف چھاپنا بدعت ہے مگر حرام نہیں۔ بلکہ ثواب ہے حدیث کا فن اسکی قسمیں بدعت ہیں مگر حرام نہیں بدعت کی نفیس تحقیق اسی جاء الحق کے

پہلے حصہ میں دیکھو جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ آج کلمہ و نماز بلکہ ساری عبادتوں میں بہت بدعتیں شامل ہیں ان بدعتوں پر ثواب ہے۔

بارھواں باب ۱۲

شبینہ پڑھنا ثواب ہے

ہمیشہ سے صالح مسلمانوں کا دستور ہے کہ ماہ رمضان المبارک میں شبینہ کرتے ہیں کبھی ایک رات میں کبھی دو میں، کبھی تین راتوں میں پورا قرآن شریف تراویح میں ختم کرتے ہیں۔ بعض بزرگوں سے منقول ہے کہ وہ رمضان کے علاوہ بھی روزانہ ایک قرآن شریف پڑھ لیتے تھے یہ سب کچھ جائز اور ثواب ہے۔ بشرطیکہ اتنی جلدی نہ پڑھے کہ حروف قرآن درست ادا نہ ہوں۔ نہ سستی اور کسل سے پڑھے۔ مگر غیر مقلد وہابی اسے بھی حرام کہتے ہیں۔ رات بھر سینما دیکھنے والوں کو برا نہیں کہتے۔ مگر تمام رات قرآن پڑھنے والوں پر لعن طعن کرتے ہیں۔ ان پر شرک و بدعت کے فتوے لگاتے ہیں۔ اس لیئے ہم اس باب کی بھی دو فصلیں کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں شبینہ کا ثبوت دوسری فصل میں اس پر اعتراضات و جوابات۔

پہلی فصل

شبینہ کا ثبوت

ایک شب میں قرآن ختم کرنا باعث ثواب ہے اس کا ثبوت قرآن و حدیث عقل بلکہ خود وہابیوں کی کتابوں سے ہے۔ دلائل ملاحظہ ہوں۔

(۱) قرآن کریم اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتا ہے۔

یٰاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا نِّصْفَهٗۤ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ اَوْ زِدْ عَلَیْهِ وَ رَتِّلِ	اے چادر اوڑھنے والے محبوب رات بھر قیام فرماؤ سوا کچھ رات کے آدھی رات یا اوس سے کچھ

اَلْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا	کم کردیا اس پر کچھ بڑھاؤ اور قرآن ٹھیر ٹھیر کر پڑھو۔

اس آیت کریمہ میں حضور کو قریبًا تمام رات نماز پڑھنے کا حکم دیا اور شروع اسلام میں رات بھر عبادت کرنا فرض تھا۔ کچھ تھوڑا حصہ آرام کے لئے رکھا گیا تھا۔ پھر ایک سال کے بعد یہ فرضیت منسوخ ہوگئی۔ مگر استحباب اب بھی باقی ہے۔ اب جو شخص شبینہ میں تمام رات جاگے۔ بہت کم سوئے وہ اس آیت پر عامل ہے۔ مگر چاہیئے یہ کہ شبینہ وہ پڑھے۔ جو قرآن صحیح پڑھ سکے۔ جیسا کہ ترتیل کے حکم سے معلوم ہو رہا ہے۔

(۲) حدیث مسلم و بخاری نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث روایۃ کی۔ جس میں نماز خسوف کا ذکر ہے۔ اس کے بعض الفاظ یہ ہیں۔

فَقَامَ قِیَامًا طَوِیْلًا نَحْوًا مِّنْ قِرَاءَۃِ سُوْرَۃِ الْبَقَرَۃِ۔	حضور نے گرہن کی نماز میں بہت دراز قیام فرمایا قریبًا سورہ بقرہ کی بقدر۔

معلوم ہوا کہ حضور نے گرہن کی نماز میں سورۃ بقر یعنی ڈھائی پارہ کی برابر قرأت کی شبینہ میں فی رکعۃ ڈیڑھ پارہ آتا ہے۔ جب ایک رکعۃ میں ڈھائی پارہ پڑھنا ثابت ہے۔ تو ڈیڑھ پارہ پڑھنا بدرجہ اولٰی جائز ہے۔

(۳) حدیث ابوداؤد نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے حضور کی نماز تہجد کے متعلق ایک بہت دراز حدیث نقل فرمائی۔ جس کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

فَصَلّٰی اَرْبَعَ رَکْعَاتٍ قَرَاءَ فِیْهِنَّ الْبَقَرَۃَ وَاٰلَ عِمْرَانَ وَالنِّسَاءَ وَالْمَائِدَۃَ وَالْاَنْعَامَ	حضور نے نماز تہجد میں چار رکعت پڑھیں جن میں سورۃ بقر اور آل عمران اور سورہ نسأ اور مائدہ و سورہ انعام پڑھیں۔

دیکھو نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے تہجد کی چار رکعتوں میں قریبًا آٹھ پارے پڑھے یعنی فی رکعت قریبًا دو پارے شبینہ میں ہر رکعت میں اتنی قراءۃ نہیں ہوتی۔ ڈیڑھ پارہ فی رکعت ہوتا ہے تو یہ کیوں حرام ہوگا۔

(۴) حدیث مسلم و بخاری نے حضرت مغیرہ ابن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَامَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ	حضور نے نماز شب میں اتنا قیام فرمایا کہ قدم

حَتّٰی تَوَرَّمَتْ قَدَمَاهُ فَقِيْلَ لَهٗ لِمَا تَصْنَعُ هٰذَا وَقَدْ غُفِرَ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ قَالَ اَفَلَا اَكُوْنَ عَبْدًا شَكُوْرًا

مبارک پر ورم آگیا تو عرض کیا گیا کہ آپ ایسی مشقت کیوں کرتے ہیں۔ آپ کی بدولت آپ کی امت کے اگلے پچھلے گناہ بخش دیئے گئے تو فرمایا کہ کیا میں بندہ شکر گزار نہ ہوں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عبادات میں مشقت اٹھانا سنت رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے۔ اگر کسی شبینہ میں کسی مومن کے پاؤں پر ورم آجاوے تو اس خوش نصیب کو یہ سنت نصیب ہوگئی۔ وہابیوں کو خود تو عبادت کی توفیق نہیں ملتی دوسروں کو بھی عبادت سے روکتے ہیں۔

(۵) حدیث طحاوی شریف نے حضرت ابن سیرین سے روایت کی۔

قَالَ كَانَ تَمِيْمُ الدَّارِيُّ يُحْيِي اللَّيْلَ كُلَّهٗ بِالْقُرْاٰنِ كُلِّهٖ فِيْ رَكْعَةٍ

فرماتے ہیں کہ حضرت تمیم داری تمام رات جاگتے تھے اور ایک رکعت میں سارا قرآن شریف پڑھتے تھے

شبینہ میں تو بیس رکعت تراویح میں قرآن شریف پڑھا جاتا ہے۔ حضرت تمیم داری صحابی رسول تو ایک رکعت میں سارا قرآن شریف پڑھا کرتے تھے۔

(۶) حدیث طحاوی شریف نے حضرت اسحاق ابن سعید سے روایت کی۔

عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ الزُّبَيْرِ اَنَّهٗ قَرَءَ الْقُرْاٰنَ فِيْ رَكْعَةٍ

وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن زبیر نے ایک رکعت میں سارا قرآن شریف پڑھا

(۷) حدیث ابونعیم نے حلیہ میں حضرت عثمان ابن عبدالرحمٰن تیمی سے روایت کی۔

قَالَ لِيْ اَبِيْ لَاَغْلِبَنَّ اللَّيْلَةَ عَلَى الْمَقَامِ فَلَمَّا صَلَّيْتُ الْعَتَمَةَ تَخَلَّصْتُ اِلَى الْمَقَامِ حَتّٰی قُمْتُ فِيْهِ فَبَيْنَا اَنَا قَائِمٌ اِذَا رَجُلٌ وَضَعَ يَدَهٗ بَيْنَ كَتِفَيَّ فَاِذَا هُوَ عُثْمَانُ ابْنُ عَفَّانَ فَبَدَاَ بِاُمِّ الْقُرْاٰنِ فَقَرَاَ حَتّٰی خَتَمَ

مجھ سے میرے والد نے فرمایا کہ آج تمام رات مقام ابراہیم پر جاگوں گا۔ جب میں نماز عشاء پڑھ چکا۔ تو مقام ابراہیم پر پہنچا میں کھڑا ہی ہوا تھا کہ اچانک ایک صاحب نے میری پشت پر ہاتھ رکھا۔ وہ حضرت عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ تھے آپ نے سورۂ فاتحہ سے قرآن شروع کیا۔ بس

اَلْقُرْآنَ فَرَكَعَ وَسَجَدَ ثُمَّ اَخَذَ نَعْلَيْهِ فَلَا اَدْرِىْ اَصَلّٰى قَبْلَ ذٰلِكَ شَيْئًا اَمْ لَا۔	پڑھتے رہے یہاں تک کہ قرآن ختم کر لیا۔ پھر رکوع کیا اور سجدہ کیا پھر اپنے نعلین شریف اٹھائے یہ مجھے خبر نہیں کہ اس سے پہلے نماز پڑھی یا نہیں

(۸) حدیث ابو نعیم نے حلیہ میں حضرت ابراہیم نخعی سے روایت کی۔

كَانَ اَسْوَدُ يَخْتِمُ الْقُرْاٰنَ فِىْ رَمَضَانَ فِىْ كُلِّ لَيْلَتَيْنِ وَكَانَ يَنَامُ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ۔	کہ حضرت اسود رضی اللہ عنہ ماہ رمضان میں ہر دو رات میں ایک قرآن ختم فرماتے تھے اور مغرب وعشاء کے درمیان سوتے تھے۔

(۹) حدیث طحاوی شریف نے حضرت حماد سے روایت کی۔

عَنْ سَعِيْدِ ابْنِ جُبَيْرٍ اَنَّهٗ قَرَاَ الْقُرْاٰنَ فِىْ رَكْعَةٍ فِى الْبَيْتِ	حضرت سعید ابن جبیر صحابی نے بیت اللہ شریف میں ایک رکعت میں سارا قرآن شریف پڑھا۔

ان احادیث سے ثابت ہوا کہ اکثر رات جاگنا نماز پڑھنا۔ روزانہ قیام فرمانا حتیٰ کہ پاؤں پر ورم آجاوے۔ ایک رکعت میں ڈھائی پارے پڑھنا سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور ایک رات دو رات بلکہ ایک رکعت میں سارا قرآن پڑھنا سنت صحابہ ہے۔ جو شبینہ کو حرام یا شرک یا فسق کہے وہ نرا جاہل ہے۔

(۱۰) مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب تلاوت القرآن میں صفحہ ۶۱۵ پر صحابہ کرام کا دستور اس طرح بیان فرمایا۔

فَخَتَمَهٗ جَمَاعَةٌ فِىْ يَوْمٍ وَّلَيْلَةٍ مَّرَّةً وَّاٰخَرُوْنَ مَرَّتَيْنِ وَاٰخَرُوْنَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ وَخَتَمَهٗ فِىْ رَكْعَةٍ مَنْ لَا يُحْصَوْنَ كَثْرَةً	ایک جماعت نے دن رات میں ایک ختم کیا ایک نے دو بار بعضوں نے تین بار اور ایک رکعت میں قرآن پڑھنے والے تو بے شمار ہیں۔

عقل کا تقاضا۔ بھی یہی ہے کہ شبینہ عبادت ہو نہ کہ حرام کیونکہ عبادت کا ثواب بقدر مشقت ملتا ہے۔ گرمیوں کے روزے۔ تلوار کا جہاد۔ مشقت کے حج پر ثواب ملے گا عذاب نہ ہوگا۔ تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ مسلمان رب کی رضا کے لیئے تمام رات نماز بھی پڑھے۔ قرآن شریف

کی تلاوت بھی کرے اور بجائے ثواب کے عذاب پائے۔ قرآن کے ایک حرف پڑھنے پر دس نیکیاں ہیں تو تعجب ہے کہ سارے قرآن پڑھنے پر بجائے نیکیوں کے اوٹا عذاب ہو حضرت داؤد علیہ السلام بطور معجزہ تھوڑی دیر میں ساری زبور شریف پڑھ لیتے تھے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے تو اگر ایک شب میں قرآن پڑھنے پر عذاب ہوتا ہو تو پھر نعوذ باللہ ساری زبور شریف پڑھ لینے تھے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے تو اگر ایک شب میں قرآن پڑھنے پر عذاب ہوتا ہو تو پھر نعوذ باللہ حضرت داؤد علیہ السلام بقول وہابیہ پوری زبور پڑھنے پر گنہگار ہوتے ہوں گے۔ رب تعالےٰ سمجھ دے۔

لطیفہ:۔ وہابیوں نے اپنی کتاب ارواح ثلثہ میں اپنے بانی مذہب مولوی اسمٰعیل صاحب کے فضائل بیان کرتے ہوئے لکھا کہ مولوی اسماعیل صاحب عصر سے مغرب تک قرآن کریم ختم کر لیتے تھے لوگوں نے خود اُن سے اتنی دیر میں سارا قرآن سنا۔ اب میں وہابیوں سے پوچھتا ہوں کہ تم ہمارے امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ پر اس لئے لعن طعن کرتے اور اُن کی جناب میں گالیاں بکتے ہو کہ وہ جناب ماہ رمضان میں روزانہ دن کو ایک قرآن شریف اور شب کو ایک قرآن ختم کرتے تھے۔ بولو تمہارے اسمٰعیل تو عصر سے مغرب تک ایک قرآن ختم کر لیتے تھے۔ وہ بھی اسی لعن طعن کے مستحق ہیں یا نہیں۔ وہ بھی فاسق و فاجر ہوئے یا نہیں یا تمہارا امام جو کرے۔ وہ مباح ہے۔ جواب دو۔

دوسری فصل

شبینہ پر اعتراضات و جوابات

شبینہ کے متعلق ہم وہ اعتراضات بھی نقل کرتے ہیں جو غیر مقلد وہابی کرتے ہیں۔ اور وہ اعتراضات بھی بیان کرتے ہیں جو آج تک ان کو سُوجھے نہیں۔ ہم ان کی وکالت میں عرض کرتے ہیں مع جوابات کے رب تعالیٰ قبول فرمائے۔

اعتراض نمبر ۱۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔

وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا | قرآن شریف کی تلاوت ٹھیر ٹھیر کر کرو۔

اور ظاہر ہے کہ جب ہر رکعت میں ڈیڑھ پارہ پڑھ کر سارا قرآن ایک رات میں ختم کیا جاوے گا

توحافظ کو بہت تیز پڑھنا پڑے گا۔ جس سے سوا یعلمون، تعلمون سمجھ میں نہ آوے گا۔ لہٰذا شبینہ پڑھنا حکم قرآن کے خلاف ہے۔

جواب ۔ اس اعتراض کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ تمہارے بانی مذہب مولوی اسماعیل دہلوی عصر سے مغرب تک پورا قرآن پڑھ لیتے تھے۔ بتاؤ وہ ٹھیر ٹھیر کر پڑھتے تھے یا یعلمون تعلمون وہ حرام کے مرتکب تھے یا نہیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام بہت جلد ساری زبور پڑھ لیتے تھے حضرت عثمان غنی۔ تمیم داری۔ عبداللہ ابن زبیر وغیرہم اکابر صحابہ نے ایک رکعت میں سارا قرآن پڑھا ہے۔ خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کی ایک رکعت میں دو پارے اور نماز خسوف میں ایک رکعت میں ڈھائی پارے تلاوت فرماتے تھے۔ جن کے حوالے پہلی فصل میں گزر گئے۔ کیا آپ کا یہ اعتراض ان ہستیوں پر بھی جاری ہو گا۔ اگر نہیں تو کیوں۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے بعض کو قوت لسانی ایسی بخشی ہے کہ وہ بہت تیز پڑھ کر بھی صاف اور واضح پڑھ سکتے ہیں۔ بعض میں یہ قوت نہیں۔ وہ اگر تیز پڑھیں۔ تو صرف یعلمون تعلمون ہی سمجھ میں آوے گا۔ شبینہ صرف پہلی قسم کے حفاظ پڑھیں دوسری قسم کے حفاظ ہرگز نہ پڑھیں اس آیت کریمہ کا یہ ہی منشاء ہے۔ آیت کریمہ اپنی جگہ حق ہے اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم اور ان بزرگ صحابہ کرام کا عمل شریف جنہوں نے ایک رکعت میں بہت دراز تلاوت کی اپنی جگہ حق ہے۔

اعتراض نمبر ۲ ۔ حدیث ترمذی۔ ابوداؤد۔ دارمی نے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے روایت کی (مشکوٰۃ باب تلاوۃ القرآن)

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَمْ یَفْقَہْ مَنْ قَرَاءَ الْقُرْاٰنَ فِیْ اَقَلَّ مِنْ ثَلٰثٍ ۔	بیشک فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ جو تین دن سے کم میں قرآن پڑھے۔ وہ قرآن نہ سمجھے گا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تین دن سے کم میں پورا قرآن ہرگز نہ پڑھنا چاہیئے کیونکہ پھر قرآن سمجھ میں نہ آوے گا۔ لہٰذا شبینہ بالکل منع ہے۔

جواب ۔ اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے تم تو تین

شب کا شبینہ بھی حرام کہتے ہو اور اس حدیث میں اس کی اجازت آگئی۔ دوسرے یہ کہ تمہارے پیشوا مولوی اسماعیل دہلوی عصر سے مغرب تک قرآن کریم ختم کر لیتے تھے۔ وہ بھی اس زد میں آجاتے ہیں۔ ان کی صفائی پیش کرو۔ جو تمہارا جواب ہے وہ ہی ہمارا۔

تیسرے یہ کہ سرکار عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں عام لوگوں کی بیان فرمائی۔ کہ علے العموم حفاظ اگر ایک یا دو دن میں ختم قرآن کریں۔ تو سمجھ نہ سکیں گے۔ بعض بندے جو اس پر قادر ہیں وہ اس حکم سے علیحدہ رہیں۔ جیسے حضرت عثمان وغیرہم صحابہ کرام ایک رکعت میں قرآن ختم کرتے تھے۔ اس ہی لئے اس حدیث کی شرح میں مرقات ولمعات شریف میں ہے۔ کہ بعض بزرگ ایک دن ورات میں تین ختم کرتے تھے۔ بعض حضرات آٹھ ختم فرما لیتے تھے اور شیخ ابو مدین مغربی ایک دن ورات میں ستر ہزار قرآن پڑھ لیتے تھے۔ انہوں نے ایک دفعہ حجر اسود چوم کر دروازہ کعبہ پر آتے آتے ختم قرآن کر لیا۔ اور لوگوں نے حرف بحرف سنا۔ (مرقات جلد دوم صفحہ ۲۱۶ باب تلاوت القرآن میں ہے)

وَالْحَقُّ اَنَّ ذَالِكَ تَخْتَلِفُ بِاَشْخَاصٍ | حق یہ ہے کہ یہ حکم مختلف لوگوں کے لحاظ سے مختلف ہے

اعتراض نمبر ۳۔ حدیث مسلم و بخاری نے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے طویل حدیث نقل فرمائی جس کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

وَاقْرَأْ فِيْ كُلِّ سَبْعِ لَيَالٍ وَلَا تَزِدْ عَلٰى ذَالِكَ (مشکوٰۃ۔ صوم تطوع) | ہر ہفتہ میں ایک قرآن ختم کرو۔ اس پر زیادہ نہ کرو

دیکھو حضرت عبداللہ ابن عمرو نے حضور سے جلد ختم کرنے کی اجازت مانگی حضور نے اوّلاً تو حکم دیا کہ ایک ماہ میں ایک ختم کرو۔ اصرار کرنے پر ارشاد ہوا کہ ایک ہفتہ سے کم میں قرآن ختم نہ کرنا چاہیئے لہٰذا شبینہ منع ہے۔

جواب سرکار کا یہ جواب سیدنا عبداللہ ابن عمرو رضی اللہ عنہ کی حالت کے لحاظ سے ہے۔ وہ ایک دو رات میں ختم کرنے پر صاف نہ پڑھ سکتے ہوں گے۔ یا یہاں دائمی تلاوت کا ذکر ہے کہ اگر روزانہ ہر انسان ایک ختم کیا کرے تو دنیاوی کاروبار معطل ہو جاویں گے اگر سال میں ایک آدھ دن میں قرآن ختم کیا جاوے تو کوئی حرج نہیں۔ جن صحابہ نے ایک ایک رکعت میں ایک

ایک قرآن پڑھا ہے اونہیں یہ حدیث معلوم تھی۔ پھر بھی ایک رکعت میں ختم کرتے تھے۔

اعتراض نمبر ۴۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے کبھی ایک دو رات میں پورا قرآن نہ پڑھا لہذا شبینہ بدعت ہے اور بدعت سے بچنا چاہیئے۔

جواب۔ حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کا ایک شب میں پورا قرآن پڑھنا دو وجہ سے ہے ایک یہ کہ آپ کی اوّل حیات شریف میں پورا قرآن اُترا ہی نہ تھا۔ وفات سے کچھ پہلے قرآن کی تکمیل ہوئی، لہذا وہاں ختم قرآن کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ دوسرے یہ کہ آپ نے اپنی امت پر رحم فرمایا تاکہ شبینہ پڑھنا ان پر ضروری سنت نہ ہو جائے۔ پھر صحابہ نے شبینہ پڑھا، جیسے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے تراویح ہمیشہ نہ پڑھی، پھر صحابہ نے باقاعدہ جماعت سے پڑھی۔ (شبینہ سنت صحابہ ہے) جس پر عمل کرنے سے انشاء اللہ وہ ہی ثواب ملے گا، جو سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کرنے سے ملتا ہے۔ سنت صحابہ کو بدعت کہہ کر منع کرنا وہابیوں کو ہی سجتا ہے ہم اہل سنت یہ نہیں کہہ سکتے۔

اعتراض نمبر ۵۔ آج کل شبینہ کا یہ حال ہے کہ حافظ تلاوت کر رہا ہے، مقتدیوں میں کوئی سو رہا ہے، کوئی اونگھ رہا ہے، کوئی سُست بیٹھا ہے۔ اس میں قرآن کریم کی بے ادبی ہے اس لیئے شبینہ بند ہو جانا چاہیئے۔

جواب۔ یہ محض جھوٹا الزام ہے، شبینہ میں بعض لوگ باقاعدہ شبینہ سننے آتے ہیں وہ کھڑے ہو کر خوب شوق سے سنتے ہیں۔ بعض محض شبینہ دیکھنے آتے ہیں وہ لیٹے بیٹھے رہتے ہیں، جس میں کوئی حرج نہیں، قرآن سُننا فرض کفایہ ہے، بعض کا سننا کافی ہے اور اگر بفرض محال مان بھی لیا جائے کہ سارے مسلمان سُستی سے سنتے ہیں تو کوشش کر کے سُستی دور کرو، شبینہ بند نہ کرو، آج کل شادی بیاہ میں بہت گناہ کیئے جاتے ہیں، ناچ تماشے، باجے آتشبازی سب ہی کچھ ہوتی ہے۔ براہ مہربانی نکاح بند نہ کرو۔ بلکہ ان چیزوں کو روکنے کی کوشش کرو، حضور کے زمانہ میں کعبہ شریف میں بت تھے، تو حضور نے کعبہ نہ ڈھایا بلکہ جب رب نے قوت دی، تب بتوں کو نکال دیا، اگر مسجد میں کتا گھس جاوے۔ تو مسجد کو نہ گراؤ۔ کُتے کو نکالو، اگر چارپائی میں کھٹمل کپڑوں یا سر کے بالوں میں جوئیں ہو جاویں، تو یہ کپڑے مار دو، چارپائی یا کپڑے یا بالوں

کو آگ نہ لگا دو، وہابیوں کا یہ عجیب قاعدہ ہے کہ عبادتوں سے خرابیاں دور کرنے کی بجائے خود عبادت کو روکنے کی کوشش کرتے ہیں، یہ لوگ اسی قسم کے بہانوں سے سارے امور خیر کو روکتے ہیں۔ جیسے میلاد شریف، ختم بزرگاں وغیرہ اگر سنی بھائیوں نے ہمارا یہ جواب یاد رکھا، تو انشاء اللہ وہابیوں کے فتنوں سے بچے رہینگے ہم نے شبینہ کے مسئلہ پر قدرے تفصیل سے گفتگو اس لیئے کردی کہ آجکل عام طور سے وہابی اس کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں، جہاں رمضان شریف میں کسی جگہ شبینہ کا اہتمام ہوا جھٹ دیوبندی اور غیر مقلد وہابیوں نے حرام و شرک کے فتوے جڑے۔

تیرہواں باب ۱۳

بوقت جماعت سنت فجر پڑھنا

فقہی مسئلہ یہ ہے، کہ اگر کوئی شخص فجر کے وقت مسجد میں جب آئے جبکہ جماعت ہو رہی ہو، اور ابھی اس نے سنت فجر نہ پڑھی ہوں تو اسے چاہیئے کہ جماعت سے کچھ فاصلہ پر کھڑے ہو کر سنت فجر پڑھے بشرطیکہ جماعت مل جانیکی قوی اُمید ہو اگر التحیات بھی مل سکے تب بھی سنت فجر پڑھے مگر وہابی غیر مقلد اس کے سخت خلاف ہیں اور اسی مسئلہ کی وجہ سے حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ پر لعن طعن کرتے ہیں اور کہتے ہیں، کہ ایسے موقعہ پر سنت فجر چھوڑ دے اور جماعت میں شرکت کرے ہم نہایت دیانتداری سے اس باب کی دو فصلیں کرتے ہیں، پہلی فصل میں مذہب حنفی کے دلائل دوسری فصل میں غیر مقلد وہابیوں کے سوالات مع جوابات رب تعالیٰ قبول فرمادے۔

(۱) طحاوی شریف نے حضرت عبداللہ ابن ابی موسیٰ اشعری سے روایتہ کی۔

عَنْ اَبِیْهِ حِیْنَ دَعَاهُمْ سَعِیْدُ ابْنُ الْعَاصِ دَعَا اَبَا مُوْسٰی وَحُذَیْفَةَ وَعَبْدَ اللّٰهِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَبْلَ اَنْ	وہ اپنے والد حضرت ابوموسیٰ اشعری سے روایت کرتے ہیں۔ جب انہیں سعید ابن عاص نے بلایا اس نے حضرت ابوموسیٰ

يُصَلِّي الْغَدَاةَ ثُمَّ خَرَجُوْا مِنْ عِنْدِهٖ وَقَدْ اُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ فَجَلَسَ عَبْدُ اللّٰهِ اِلٰى اُسْطُوَانَةٍ مِنَ الْمَسْجِدِ فَصَلَّى الرَّكْعَتَيْنِ ثُمَّ دَخَلَ فِي الصَّلٰوةِ

حضرت حذیفہ اور عبداللہ ابن مسعود کو بلایا نماز فجر پڑھنے سے پہلے یہ حضرات سعید ابن عاص کے پاس سے واپس ہوئے حالانکہ فجر کی تکبیر ہو چکی تھی۔ حضرت ابن مسعود مسجد کے ایک ستون کے پاس بیٹھ گئے۔ پھر وہاں دو رکعتیں پڑھیں پھر نماز میں شامل ہوئے۔

دیکھو حضرت عبداللہ ابن مسعود نے جو فقیہہ صحابی ہیں، حضرت ابو موسیٰ اشعری اور حضرت حذیفہ کی موجودگی میں جماعت فجر ہوتے ہوئے سنت فجر پڑھیں، پھر جماعت میں شامل ہوئے اور اس پر نہ تو ان دونوں صحابیوں نے کچھ اعتراض کیا نہ کسی اور نمازی نے معلوم ہوا کہ تمام صحابہ کا عام طریقہ یہ ہی تھا کہ بوقت جماعت فجر سنت فجر پڑھتے پھر جماعت میں شامل ہوتے تھے۔ اور صحابہ کرام بغیر حضور کے حکم کے ایسا نہ کر سکتے تھے۔ غرضیکہ یہ فعل سنت صحابہ ہے

(۲) اسی طحاوی نے حضرت ابو مجلز سے روایت کی۔

قَالَ دَخَلْتُ الْمَسْجِدَ فِي صَلٰوةِ الْغَدَاةِ مَعَ اِبْنِ عُمَرَ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَالْاِمَامُ يُصَلِّي فَاَمَّا ابْنُ عُمَرَ فَدَخَلَ فِي الصَّفِّ وَاَمَّا ابْنُ عَبَّاسٍ فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ دَخَلَ مَعَ الْاِمَامِ فَلَمَّا سَلَّمَ الْاِمَامُ قَعَدَ ابْنُ عُمَرَ مَكَانَهٗ حَتّٰى طَلَعَتِ الشَّمْسُ فَرَكَعَ رَكْعَتَيْنِ

وہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ ابن عمر اور عبداللہ ابن عباس کے ساتھ مسجد میں گیا۔ حالانکہ امام نماز پڑھا رہا تھا حضرت ابن عمر تو صف میں داخل ہو گئے۔ لیکن حضرت ابن عباس نے اولاً دو سنتیں پڑھیں پھر امام کے ساتھ نماز میں داخل ہوئے پھر جب امام نے سلام پھیرا تو ابن عمر وہاں ہی بیٹھے رہے جب سورج نکل آیا تو دو رکعتہ نفل پڑھیں

حضرت عبداللہ ابن عباس نے جو بڑے فقیہہ صحابی اور حضور کے اہل بیت اطہار میں سے ہیں، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ و تمام صحابہ کی موجودگی میں جماعت فجر کے وقت دو سنتیں پڑھ کر جماعت میں شرکت فرمائی اور کسی نے آپ پر اعتراض نہ کیا۔

(۳) ابن طحاوی نے حضرت ابوعثمان انصاری سے روایت کی۔

قَالَ جَاءَ عَبْدُ اللّٰهِ ابْنُ عَبَّاسٍ وَالْاِمَامُ فِي صَلٰوةِ الْغَدَاةِ وَلَمْ يَكُنْ صَلَّى الرَّكْعَتَيْنِ فَصَلَّى ابْنُ عَبَّاسٍ الرَّكْعَتَيْنِ خَلْفَ الْاِمَامِ ثُمَّ دَخَلَ مَعَهُمْ۔

کہ حضرت عبداللہ ابن عباس مسجد میں اس حال میں آئے، کہ امام نماز فجر میں تھے۔ اور حضرت ابن عباس نے ابھی سنت فجر نہ پڑھی تھیں۔ تو آپ نے امام کے پیچھے (دور) دو رکعتیں پڑھیں پھر ان سب کے ساتھ شامل ہوئے

(۴) طحاوی شریف نے حضرت محمد ابن کعب سے روایت کی۔

قَالَ خَرَجَ ابْنُ عُمَرَ مِنْ بَيْتِهٖ فَاُقِيْمَتْ صَلٰوةُ الصُّبْحِ فَرَكَعَ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ اَنْ يَّدْخُلَ الْمَسْجِدَ وَهُوَ فِي الطَّرِيْقِ ثُمَّ دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَصَلَّى الصُّبْحَ مَعَ النَّاسِ

فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر اپنے گھر سے نکلے ادھر نماز صبح کی تکبیر ہوئی تو آپ نے مسجد میں آنے سے پہلے ہی دو سنتیں پڑھیں حالانکہ آپ راستہ میں تھے پھر مسجد میں آئے اور لوگوں کے ساتھ نماز پڑھی۔

(۵) طحاوی شریف نے حضرت ابی علید اللہ سے روایت کی۔

عَنْ اَبِي الدَّرْدَاءِ اَنَّهٗ كَانَ يَدْخُلُ الْمَسْجِدَ وَالنَّاسُ صُفُوْفٌ فِي صَلٰوةِ الْفَجْرِ فَيُصَلِّي الرَّكْعَتَيْنِ فِي نَاحِيَةِ الْمَسْجِدِ ثُمَّ يَدْخُلُ مَعَ الْقَوْمِ فِي الصَّلٰوةِ

کہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ مسجد میں تشریف لاتے تھے، حالانکہ لوگ نماز فجر میں صف بستہ ہوتے تھے تو آپ مسجد کے ایک گوشہ میں دو رکعتیں پڑھ لیتے تھے پھر قوم کے ساتھ نماز میں شامل ہوتے۔

(۶) طحاوی شریف نے حضرت ابوعثمان نہدی سے روایت کی۔

قَالَ كُنَّا نَاْتِي عُمَرَ ابْنَ الْخَطَّابِ قَبْلَ اَنْ نُّصَلِّيَ الرَّكْعَتَيْنِ قَبْلَ الصُّبْحِ وَهُوَ فِي الصَّلٰوةِ فَنُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ فِي اٰخِرِ الْمَسْجِدِ ثُمَّ

فرماتے ہیں کہ ہم حضرت عمر فاروق کے پاس سنت فجر پڑھنے سے پہلے آتے تھے۔ حالانکہ حضرت عمر نماز میں ہوتے تھے۔ تو ہم مسجد کے کنارے پر سنت فجر پڑھ لیتے

يَدْخُلُ مَعَ الْقَوْمِ فِي صَلٰوتِهِمْ۔	تھے، پھر قوم کے ساتھ ان کی نماز میں شامل ہو جاتے تھے۔

(۷) طحاوی شریف نے حضرت یونس سے روایت کی۔

قَالَ كَانَ الْحَسَنُ يَقُوْلُ يُصَلِّيْهِمَا فِي نَاحِيَةِ الْمَسْجِدِ ثُمَّ يَدْخُلُ مَعَ الْقَوْمِ فِي صَلٰوتِهِمْ۔	کہ امام حسن فرماتے تھے کہ سنت فجر مسجد کے ایک گوشہ میں پڑھ لے پھر قوم کے ساتھ ان کی نماز میں شامل ہو جاوے۔

(۸) طحاوی شریف نے حضرت نافع سے روایت کی۔

يَقُوْلُ اَيْقَظْتُ ابْنَ عُمَرَ لِصَلٰوةِ الْفَجْرِ وَقَدْ اُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ فَقَامَ فَصَلَّى الرَّكْعَتَيْنِ۔	فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبد ابن عمر کو نماز فجر کے لیئے بیدار کیا۔ حالانکہ فجر کی تکبیر ہو رہی تھی تو آپ نے پہلے سنت فجر پڑھیں۔

(۹) طحاوی شریف نے حضرت امام شعبی سے روایت کی۔

كَانَ مَسْرُوْقٌ يَجِيْئُ اِلَى الْقَوْمِ وَهُمْ فِي الصَّلٰوةِ وَلَمْ يَكُنْ رَكَعَ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ فَيُصَلِّي الرَّكْعَتَيْنِ فِي الْمَسْجِدِ ثُمَّ يَدْخُلُ مَعَ الْقَوْمِ فِي صَلٰوتِهِمْ	حضرت مسروق قوم کے پاس آتے تھے جب کہ وہ نماز فجر میں مشغول ہوتے اور مسروق نے سنت فجر نہ پڑھی ہوتیں تو آپ مسجد میں پہلے دو سنتیں پڑھ لیتے پھر قوم کیساتھ نماز میں شامل ہوتے تھے

(۱۰)۔ طحاوی شریف نے حضرت عبد اللہ ابن ابی موسیٰ اشعری سے روایت کی

اَنَّهٗ دَخَلَ الْمَسْجِدَ وَالْاِمَامُ فِي الصَّلٰوةِ فَصَلّٰى رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ۔	کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری مسجد میں آئے حالانکہ امام نماز میں تھا، آپ نے پہلے دو سنت فجر پڑھیں۔

یہ دس حدیثیں بطور نمونہ پیش کی گئیں ورنہ اس کے متعلق بہت روایات ہیں، اگر شوق ہو تو طحاوی شریف کا مطالعہ فرماویں۔

عقل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ایسی حالت میں سنت فجر پہلے پڑھے، پھر جماعت میں شریک ہو، کیونکہ تمام مؤکدہ سنتوں میں سنت فجر کی زیادہ تاکید ہے حتیٰ کہ مسلم بخاری ابوداؤد ترمذی اور نسائی شریف نے ام المومنین عائشہ صدیقہ سے روایت کی۔

(۱۱) ۱۵۔ لَمْ یَکُنِ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلٰی شَیْءٍ مِّنَ النَّوَافِلِ اَشَدَّ تَعَاھُدًا مِّنْہُ عَلٰی رَکْعَتَیِ الْفَجْرِ

حضور صلے اللہ علیہ وسلم جتنی نگہبانی و پابندی سنت فجر کی فرماتے تھے اتنی کسی سنت کی نہ فرماتے تھے۔

اور احمد، طحاوی، ابوداؤد شریف نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت کی۔

(۱۲) ۱۸۔ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تَدَعُوْا رَکْعَتَیِ الْفَجْرِ وَاِنْ طَرَدَتْکُمُ الْخَیْلُ۔

فرمایا نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ سنت فجر نہ چھوڑو، اگرچہ تمہیں دشمن کا لشکر بھگا رہا ہو۔

غرضیکہ سنت فجر کی بہت تاکید ہے اور اگر سنت فجر رہ جائیں فرض پڑھ لیئے جاویں تو ان کی قضا نہیں ہوتی، سنت ظہر تو فرض ظہر کے بعد بھی پڑھ لیئے جاتے ہیں، ادھر جماعت بھی واجب ہے اگر یہ شخص سنت فجر کی وجہ سے جماعت چھوڑ دے، تو واجب کا تارک ہوا، اور اگر جماعت کی وجہ سے سنت فجر چھوڑ دے، تو اتنی اہم سنت مؤکدہ کا تارک ہوا۔ لہٰذا ان میں سے کسی کو نہ چھوڑے اگر جماعت مل سکے تو پہلے سنت فجر پڑھ لے، پھر جماعت میں شامل ہو جاوے دو عبادتیں کرنا بہتر ہے، ایک کو چھوڑنا بہتر نہیں۔

یہ بھی خیال رہے کہ جہاں جماعت ہو رہی ہو، وہاں ہی سنت فجر پڑھنا منع ہے کہ اس میں جماعت کی مخالفت اور اس سے منہ پھیرنا ہے۔ لہٰذا ایسی جگہ کھڑا ہو، جہاں جماعت میں شامل نہ معلوم ہو، مسجد کے گوشہ یا دوسرے حصہ میں۔

ظہر کی پہلی سنتیں مؤکدہ ہیں، مگر بعد فرض پڑھی جا سکتی ہیں، اور سنت عصر و عشاء مؤکدہ نہیں غیر مؤکدہ ہیں، اس لیئے انہیں بوقت جماعت نہیں پڑھ سکتے، سنت فجر مؤکدہ بھی ہیں۔ اور بعد فرض پڑھی بھی نہیں جاتیں، اس لیئے اگر جماعت مل جانے کی امید ہو، تو پڑھ لے۔ لیکن اگر جماعت نہ مل سکے، تو پھر سنت فجر چھوڑ دے، کہ جماعت واجب ہے۔ واجب سنت سے زیادہ اہم ہے۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

اب تک اس مسئلہ پر ہم جس قدر اعتراضات معلوم کر سکے ہیں، وہ مع جوابات نہایت دیانتداری سے عرض کیے دیتے ہیں۔ اگر آیندہ کوئی اور اعتراض ہمارے علم میں آیا۔ تو انشاء اللہ تعالےٰ اس کتاب کے تیسرے ایڈیشن میں اس کا بھی جواب عرض کر دیں گے۔

اعتراض نمبر ا۔ طحاوی وغیرہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا اُقِیْمَتِ الصَّلٰوۃُ فَلَا صَلٰوۃَ اِلَّا الْمَکْتُوْبَۃَ۔

آپ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، کہ حضور نے فرمایا جب نماز کی تکبیر کہی جاوے تو فرض کے سوا کوئی نماز نہیں

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ فجر کی تکبیر ہو جانے پر سنتیں پڑھنا، اس حدیث کے صریح خلاف ہے۔ کیونکہ تکبیر ہو چکنے کے بعد صرف فرض نماز ہی پڑھی جانی چاہیئے۔

جواب۔ اس کے چند جواب ہیں، ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ تم بھی کہتے ہو، کہ فجر کی تکبیر ہو جانے پر اپنے گھر میں یا مسجد کے علاوہ دوسری جگہ سنتیں پڑھ لے، اگرچہ وہ جگہ مسجد کے بالکل متصل ہو جہاں تک امام کی قرأت کی آواز جا رہی ہو، اور جماعت وہاں سے نظر آ رہی ہو، تو جو تم جواب دو گے۔ وہ ہی ہمارا جواب ہے۔

دوسرے یہ کہ اگر کسی نے سنت فجر یا دوسرے فرض جماعت سے پہلے شروع کر دیئے ہوں اور درمیان میں فجر کی جماعت کھڑی ہو جاوے۔ تو تم بھی اس نماز کا توڑنا واجب نہیں کہتے۔ بلکہ جائز ہے کہ یہ نماز پوری کر کے جماعت میں شریک ہو، حالانکہ اس حدیث میں کچھ تفصیل نہیں، لہٰذا یہ حدیث گویا مجمل ہے۔ جس پر بغیر تفصیل عمل ناممکن ہے۔

تیسرے یہ کہ یہ حدیث مرفوع صحیح نہیں، صحیح یہ ہے، کہ یہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا اپنا فرمان ہے، جیسا کہ اسی جگہ طحاوی شریف نے بہت تحقیق سے بیان فرمایا۔ اور ہم پہلی فصل میں ثابت کر چکے ہیں، کہ فقہاء صحابہ جماعت فجر کے وقت سنت

فجر پڑھ کر جماعت میں شریک ہوتے تھے، لہذا ان کا عمل و قول حضرت ابوہریرہ کے قول پر ترجیح پاوے گا۔

چوتھے یہ کہ اس حدیث پر ہر شخص عمل نہیں کر سکتا، کیونکہ صاحب ترتیب جس پر ترتیب نماز فرض ہے، اگر اس کی عشاء قضاء ہو گئی ہو، اور جماعت فجر قائم ہو جاوے، تو وہ اوّلاً عشاء قضاء کرے، پھر جماعت میں شرکت کرے ورنہ ترتیب کے خلاف ہو گا۔

پانچویں یہ کہ اگر یہ حدیث مرفوع درست ہو تب اس کے معنے یہ ہی ہوں گے کہ تکبیر فجر کے وقت جماعت کی جگہ یعنی صف سے متصل سنت فجر نہ پڑھے، بلکہ مسجد کے گوشہ میں جماعت سے علیحدہ پڑھے، تاکہ مذکورہ بالا خرابیاں لازم نہ آویں، حنفی یہ ہی کہتے ہیں کہ جماعت سے متصل سنت فجر ہرگز نہ پڑھے۔

چھٹے یہ کہ بیہقی شریف میں یہ حدیث اس طرح مروی ہے۔

اِذَا اُقِیْمَتِ الصَّلٰوۃُ فَلَا صَلٰوۃَ اِلَّا الْمَکْتُوْبَۃَ اِلَّا رَکْعَتَیِ الْفَجْرِ (از حاشیہ طحاوی)	جب نماز کی تکبیر کہی جاوے تو سوائے فرض کوئی نماز جائز نہیں۔ بجز سنت فجر کے

اس صورت میں آپ کا اعتراض جڑ سے کٹ گیا، بیہقی کی یہ روایت اگر ضعیف بھی ہو تو بھی عمل صحابہ کی وجہ سے قوی ہو جاوے گی۔ عمل صحابہ ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے وہاں ملاحظہ فرماؤ۔

ساتویں یہ کہ آپ کی پیش کردہ حدیث کے معنی یہ ہیں کہ تکبیر نماز کے بعد کوئی نفل جائز نہیں یعنے یہ درست نہیں کہ جماعت ہو رہی ہو اور دوسرا آدمی اس جگہ نفلیں پڑھے جاوے۔ سنت فجر نفل نہیں۔ بلکہ مؤکدہ سنّت ہے، یہ تاویل اس لیئے ہے، تاکہ احادیث میں تعارض نہ رہے۔

اعتراض نمبر ۲۔ طحاوی شریف نے حضرت مالک ابن بحینہ سے روایت کی۔

قَالَ اُقِیْمَتْ صَلٰوۃُ الْفَجْرِ فَاَتٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ	کہ ایک دن فجر کی تکبیر کہی گئی پس حضور صلے اللہ علیہ وسلم ایک شخص پر گزرے جو سنت

عَلٰی رَجُلٍ یُصَلِّی رَکْعَتَیِ الْفَجْرِ فَقَامَ عَلَیْهِ وَلَاثَ بِهِ النَّاسُ فَقَالَ اَتُصَلِّیْهَا اَرْبَعًا ثَلٰثَ مَرَّاتٍ۔

فجر پڑھ رہا تھا اس پر کھڑے ہو گئے اور لوگوں نے بھی اسے گھیر لیا فرمایا کہ کیا تو فجر کے فرض چار پڑھتا ہے یہ تین بار فرمایا۔

اس حدیث میں سنت فجر کا صراحۃً ذکر ہو گیا جس میں کوئی تاویل نہیں ہو سکتی معلوم ہوا کہ تکبیر فجر کے وقت سنت فجر سخت منع ہے

جواب - یہ صاحب مالک ابن بحینہ کے صاحبزادے عبداللہ تھے اور وہاں ہی سنت فجر پڑھ رہے تھے۔ جہاں جماعت ہو رہی تھی، یعنی صف سے متصل، یہ واقعی مکروہ ہے، اسی پر حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے عتاب فرمایا، چنانچہ اسی طحاوی شریف میں اسی حدیث سے کچھ آگے یہ حدیث مفصل طور پر اس طرح مذکور ہے۔

عَنْ مُحَمَّدِ ابْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِعَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ مَالِكِ ابْنِ بُحَیْنَةَ وَهُوَ مُنْتَصِبٌ ثَمَّةَ بَیْنَ یَدَیْ نِدَاءِ الصُّبْحِ فَقَالَ لَا تَجْعَلُوْا هٰذِهِ الصَّلٰوةَ کَصَلٰوةِ قَبْلَ الظُّهْرِ وَ بَعْدَهَا وَاجْعَلُوْا بَیْنَهُمَا فَصْلًا

محمد ابن عبدالرحمان سے روایت ہے کہ ایک دن حضور علیہ السلام عبداللہ ابن مالک ابن بحینہ پر گزرے حالانکہ وہ وہاں ہی کھڑے ہوئے تھے تکبیر فجر کے بالکل سامنے، تو حضور نے فرمایا کہ اس سنت فجر کو ظہر کی پہلی پچھلی سنتوں کی طرح نہ بناؤ، سنت فجر اور فرض فجر میں فاصلہ کرو

اس حدیث نے آپ کی پیش کردہ حدیث کو بالکل واضح کر دیا، کہ اگر سنت فجر جماعت سے دور پڑھی جاوے تو بلا کراہت جائز ہے، جماعت سے متصل پڑھنا منع ہے، یہ ہی ہم کہتے ہیں۔ لہٰذا آپ کا اعتراض اصل سے ہی غلط ہے۔

اعتراض نمبر ۳ - جماعت فجر کے وقت چونکہ امام کی تلاوت کی آواز اس شخص کے کان میں بھی آوے گی۔ اس لیئے اس وقت سنت فجر نہ پڑھنا چاہیئے، رب تعالےٰ فرماتا ہے کہ جب قرآن پڑھا جاوے تو اسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو، لہٰذا سنت فجر جماعت کے وقت پڑھنا قرآن کریم کے بھی خلاف ہے۔

جواب۔ اس کے چند جواب ہیں، ایک یہ کہ ہم کو سخت تعجب ہے کہ یہاں تو آپ سنت فجر اس لئے منع فرماتے ہیں کہ تلاوت قرآن کے وقت خاموش رہنا فرض ہے، اور خود آپ ہی امام کے پیچھے مقتدی پر سورۂ فاتحہ پڑھنا فرض کہتے ہیں، کیا قرأۃ خلف الامام میں آپ کو یہ آیت یاد نہ رہی۔

دوسرے یہ کہ یہ اعتراض خود تم پر بھی پڑتا ہے، تم کہتے ہو کہ مسجد کے باہر سنت فجر پڑھ سکتے ہیں۔ اگرچہ وہ جگہ مسجد سے بالکل متصل ہو۔ جہاں قرآن شریف پڑھنے کی آواز پہنچ رہی ہو۔

تیسرے یہ کہ قرآن پاک کا سننا اور تلاوت کے وقت خاموش رہنا فرض کفایہ ہے۔ فرض عین نہیں۔ مقتدیوں کا سننا اور خاموش رہنا کافی ہے، اگر فرض عین ہوتا تو بہت مشکل در پیش آتی۔ ایک شخص کی تلاوت پر جہاں تک اس کی آواز پہنچتی ہو، وہاں تک طعام کلام اور دنیاوی کاروبار بند ہو جاتے، آج سائنس کا زور ہے۔ ریڈیو پر تلاوت قرآن ہوتی ہے، جس کی آواز ساری دنیا میں پہنچتی ہے۔ اگر سننا خاموش رہنا فرض عین ہو، تو مصیبت آجاوے، بہر حال یہ اعتراض محض لغو ہے۔

اعتراض نمبر ۴۔ جماعت فجر کے وقت سنت فجر پڑھنے میں جماعت کی مخالفت ہے کہ لوگ قیام میں ہیں، یہ رکوع یا سجدہ میں، لوگ سجدہ میں ہیں، یہ التحیات میں اور مخالفت جماعت سخت بری چیز ہے

جواب۔ یہ مخالفت جب ہوگی۔ جبکہ جماعت سے متصل سنت فجر پڑھی جاویں اسے ہم بھی سخت مکروہ کہتے ہیں۔ اگر جماعت سے دور مسجد کے گوشہ یا دوسرے حصہ میں پڑھے تو مخالفت بالکل نہیں، بلکہ بوقت ضرورت یہ مخالفت بھی جائز ہوتی ہے، دیکھو جس مقتدی کا وضو ٹوٹ جاوے، اور وہ وضو کر کے واپس آئے۔ اسی اثناء میں دو ایک رکعت ہو چکیں تو اپنی جگہ پہنچ کر یہ شخص پہلے اپنی فوت شدہ رکعتیں پڑھے گا۔ پھر جماعت کے ساتھ شامل ہوگا۔ ان رکعتوں کے ادا کرنے میں ظاہر ہے کہ جماعت کی مخالفت ہوگی مگر ضرورۃً جائز ہے۔ سنت فجر بھی ضروری ہیں کہ اگر جماعت سے دور رہ کر ادا کر لی

سجاویں تو کوئی حرج نہیں۔

چودھواں باب ۱۴

نمازیں جمع کرنا منع ہیں

ہر مسلمان پر لازم ہے، کہ ہر نماز اس کے وقت میں ادا کرے، مقیم ہو یا مسافر، بیمار ہو یا تندرست، مگر غیر مقلد وہابی بحالت سفر ظہر و عصر ایسے ہی مغرب و عشاء جمع کرکے پڑھتے ہیں، یعنی عصر کے وقت میں ظہر و عصر ملا کر اور عشاء کے وقت میں مغرب و عشاء ادا کرتے ہیں ان کا یہ عمل قرآن شریف کے بھی خلاف ہے۔ اور احادیث صحیحہ کے بھی مخالف، ہم اس باب کی بھی دو فصلیں کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں مذہب حنفی کے دلائل دوسری فصل میں غیر مقلد وہابیوں کے اعتراضات مع جوابات۔

پہلی فصل

نمازیں جمع کرنا منع ہے

ہر نماز اپنے وقت میں پڑھنا فرض ہے اور عمداً کسی نماز کو اپنے وقت کے بعد پڑھنا بلا عذر سخت گناہ اور منع ہے، دلائل حسب ذیل ہیں۔

نمبر ۱۔ رب تعالےٰ نماز کے اوقات کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے۔

اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا۔	مسلمانوں پر نماز فرض ہے اپنے وقت میں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جیسے نماز فرض ہے ویسے ہی ہر نماز کا اپنے وقت میں پڑھنا بھی فرض ہے، جیسے نماز کا تارک گنہگار ہے۔ ایسے ہی بلا عذر نماز کو بے وقت پڑھنے والا بھی مجرم ہے، اس آیت میں مقیم و مسافر کا کوئی فرق نہیں، ہر مومن کو یہ حکم

سے کوئی ہو۔

نمبر ۲۔ رب تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلٰوتِهِمْ سَاهُوْنَ ۝	خرابی ہے ان نمازیوں کے لیئے جو اپنی نمازوں میں سستی کرتے ہیں۔

اس آیت میں نماز سستی سے پڑھنے والوں پر عتاب ہے، بلا عذر وقت گزار کر نماز پڑھنا بھی سستی میں داخل ہے، بلکہ اول درجہ کی سستی ہے۔

نمبر ۳۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرَّاكِعِيْنَ۔	نماز قائم کرو زکوٰۃ دو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔

قرآن کریم نے کہیں نماز پڑھنے کا حکم نہیں دیا ہر جگہ نماز قائم کرنیکا حکم دیا ہے، نماز قائم کرنا یہ ہے کہ ہمیشہ نماز پڑھے، صحیح پڑھے، صحیح وقت پر پڑھے۔ نماز کا وقت گزار کر پڑھنا نماز قائم کرنے کے خلاف ہے۔

نمبر ۴۔ رب تعالیٰ متقیوں کی تعریف اس طرح فرماتا ہے۔

هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝	قرآن ان متقی لوگوں کے لیئے ہادی ہے جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں، اور ہمارے دیئے میں سے خرچ کرتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ متقی و پرہیزگار وہ مومن ہے، جو نماز قائم کرے، یعنی ہر نماز اسکے وقت پر پڑھے، اور ہمیشہ پڑھے، خواہ مقیم ہو یا مسافر، سفر میں ظہر یا عصر کا وقت نکال کر نماز پڑھنا ان آیات کریمہ کے صریح خلاف ہے۔

نمبر ۵ و ۶۔ حدیث مسلم و بخاری نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ سَاَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَىُّ الْاَعْمَالِ اَحَبُّ اِلَى اللّٰهِ	فرماتے ہیں کہ میں نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کونسا عمل سب سے اچھا ہے فرمایا وقت

قَالَ اَلصَّلٰوۃُ بِوَقْتِهَا قُلْتُ ثُمَّ اَیٌّ قَالَ بِرُّ الْوَالِدَیْنِ قُلْتُ ثُمَّ اَیٌّ قَالَ الْجِهَادُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ قَالَ حَدَّثَنِیْ بِهِنَّ وَلَوِاسْتَزَدْتُهٗ لَزَادَنِیْ۔	پر نماز پڑھنی میں نے کہا پھر کونسا عمل فرمایا، ماں باپ کی خدمت میں نے عرض کیا پھر کونسا عمل فرمایا۔ اللہ کی راہ میں جہاد فرماتے ہیں کہ حضور نے مجھے یہ باتیں فرمائیں اگر زیادہ پوچھتا تو زیادہ بتاتے۔

نمبر ۷ تا ۱۰۔ احمد، ابوداؤد۔ مالک، نسائی نے حضرت عباد۔ ابن صامت سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ خَمْسُ صَلَوَاتٍ اِفْتَرَضَهُنَّ اللّٰهُ تَعَالٰی مَنْ اَحْسَنَ وُضُوْءَهُنَّ وَصَلَّاهُنَّ بِوَقْتِهِنَّ وَاَتَمَّ رُکُوْعَهُنَّ وَخُشُوْعَهُنَّ کَانَ لَهٗ عَلَی اللّٰهِ عَهْدٌ اَنْ یَّغْفِرَ لَهٗ الخ	فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ رب نے پانچ نمازیں فرض کیں جو مسلمان ان کا وضو اچھی طرح کرے اور انہیں ان کے وقت پر ادا کرے اور ان کا رکوع اور حضور قلبی پورا کرے تو اس کے متعلق اللہ کے کرم پر وعدہ ہے کہ اسے بخش دے۔

نمبر ۱۱۔ ترمذی شریف نے حضرت علی مرتضےٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ یَا عَلِیُّ ثَلٰثٌ لَا تُؤَخِّرْهَا اَلصَّلٰوۃُ اِذَا اَتَتْ وَالْجَنَازَۃُ اِذَا حَضَرَتْ وَالْاَیِّمُ اِذَا وَجَدْتَ لَهَا کُفُوًا۔	بیشک نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے علی تین چیزوں میں دیر مت لگاؤ نماز جب آجاوے اور جنازہ جب موجود ہو، لڑکی جب تم اس کا کفو پاؤ۔

نمبر ۱۲ تا ۱۴۔ احمد، ترمذی، ابوداؤد نے حضرت ام فروہ سے روایت کی۔

قَالَتْ سُئِلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَیُّ الْاَعْمَالِ اَفْضَلُ قَالَ اَلصَّلٰوۃُ لِاَوَّلِ وَقْتِهَا۔	فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ کونسا عمل افضل ہے فرمایا نماز پڑھنا اس کے اول وقت مستحب میں

نمبر ۱۵۔ مسلم شریف نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تِلْکَ صَلٰوۃُ الْمُنَافِقِ یَجْلِسُ وَیَرْقُبُ الشَّمْسَ حَتّٰی اِذَا اصْفَرَّتْ وَکَانَتْ بَیْنَ قَرْنَیِ الشَّیْطٰنِ قَامَ فَنَقَرَ اَرْبَعًا لَا یَذْکُرُ اللّٰہَ اِلَّا قَلِیْلًا

فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ منافق کی نماز ہے کہ بیٹھا ہوا سورج کی انتظار کرتا رہے یہاں تک کہ جب زرد ہوجائے اور سورج شیطان کے دو سینگوں کے درمیان پہنچ جاوے تو چار چونچ مارے جنمیں رب کا ذکر تھوڑا کرے

اس قسم کی احادیث بیشمار ہیں، جن میں نماز کو وقت پر ادا کرنے کی تاکید فرمائی گئی ہے اور دیر سے یا وقت مکروہ میں نماز پڑھنے پر سخت عتاب فرمایا، اسے منافقوں کا عمل قرار دیا گیا، یہاں بطور نمونہ چند احادیث پیش کی گئیں، افسوس ہے ان وہابی غیر مقلدوں پر، جو گھر سے دو میل جاکر، سفر کا بہانہ بناکر، وقت نکال کر نماز پڑھتے ہیں، نہ کوئی مجبوری ہوتی ہے، نہ کوئی عذر، صرف نفس امارہ کا دھوکہ ہے۔ کھانا وقت پر کھائیں، دنیاوی تمام کام خوب سنبھال کر کریں، مگر نمازیں بگاڑیں، جو اسلام کا پہلا فریضہ اور اعلےٰ رکن ہے مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہابیوں کی صحبت سے بچیں، اور سفر و حضر میں ہر نماز اپنے وقت پر پڑھیں،

عقل کا تقاضا۔ بھی یہ ہے کہ سفر میں ہر نماز اپنے وقت پر پڑھی جاوے، ظہر کو عصر کے وقت میں اور مغرب کو عشاء کے وقت میں نہ پڑھے، کیونکہ شریعت نے پانچوں نمازیں اور نماز جمعہ، نماز عیدین، نماز تہجد، نماز اشراق، نماز چاشت سب کے اوقات علیحدہ علیحدہ مقرر فرمائے کہ ان میں سے کسی نماز کو دوسری نماز کے وقت میں ادا نہیں کیا جاتا، مسافر بحالت سفر نماز فجر، نماز عصر، نماز عشاء کو اپنے وقت میں ہی پڑھتا ہے ایسے ہی اگر مسافر نماز تہجد، نماز اشراق، نماز چاشت، نماز جمعہ پڑھے، تو ان کے مقررہ وقتوں ہی میں پڑھے گا۔ یہ نہیں کر سکتا کہ نماز تہجد سورج نکلنے کے بعد یا نماز جمعہ عصر کے وقت میں یا نماز فجر آفتاب نکلنے یا نماز عشاء صبح صادق ہو جانے پر پڑھے، تو ظہر اور مغرب نے کیا قصور کیا ہے کہ مسافر صاحب ظہر تو عصر کے وقت میں پڑھیں، اور مغرب عشاء کے وقت میں، حالانکہ سفر میں ان دونوں نمازوں کے وہ ہی وقت ہیں۔ جو حضر میں ہیں۔ دوسرے یہ کہ وہابی صاحبان بتائیں کہ جب وہ سفر میں ظہر کو عصر کے وقت میں اور مغرب کو عشاء کے

وقت میں پڑھتے ہیں تو یہ ظہر اور مغرب ادا ہوتی ہے، یا قضاء اگر قضاء ہوتی ہے تو دیدہ و دانستہ نماز قضا کرنا سخت گناہ ہے۔ اور اگر ادا ہوتی ہے تو کیوں حضرت جبریل امین نے جو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں نمازوں کے اوقات عرض کیئے، تو یہ نہ فرمایا کہ مسافر کے لیئے ظہر کا وقت آفتاب ڈوبنے تک اور مغرب کا وقت صبح صادق تک ہوگا، بلکہ ہر مسلمان کے لیئے وقت ظہر عصر سے پہلے ختم ہونے اور وقت مغرب عشاء سے پہلے ختم ہونے کا حکم دیا تھا، پھر تم نے مسافر کے لیئے ان دو نمازوں میں یہ وقت کی گنجائش کہاں سے نکالی، اور مسلمانوں کی نمازیں کیوں خراب کیں، بہر حال پانچوں نمازوں کے اوقات مسافر و مقیم ہر ایک کے لیئے یکساں ہیں، ہر مسلمان پر فرض ہے کہ ہر حال میں ہر نماز اس کے وقت میں پڑھے۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

غیر مقلد وہابی اب تک اس مسئلے کے متعلق جس قدر اعتراضات کر سکے ہیں ہم وہ تمام نقل کر کے ہر ایک کے جوابات عرض کرتے ہیں، آئندہ اگر کوئی اور اعتراض ہمارے علم میں آیا تو انشاءاللہ دوسرے ایڈیشن میں اس کا جواب بھی عرض کر دیا جائے گا۔

اعتراض نمبر ۱۔ بخاری شریف میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجْمَعُ بَيْنَ صَلٰوةِ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ اِذَا كَانَ عَلٰى ظَهْرِ سَيْرٍ وَّ يَجْمَعُ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ

فرماتے ہیں کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم جب سفر میں ہوتے تو نماز ظہر و عصر جمع فرمالیتے تھے اور مغرب و عشاء بھی جمع فرماتے تھے۔

یہ حدیث ابوداؤد، ترمذی، موطا امام مالک، مؤطا امام محمد، طحاوی شریف وغیرہ بہت محدثین نے مختلف راویوں سے کچھ فرق سے بیان فرمائی ہے۔ یہ ہی حدیث وہابیوں

کی انتہائی دلیل ہے، جسے وہ بہت قوی دلیل سمجھتے ہیں۔

جواب۔ اس کے چند جواب ہیں، بغور ملاحظہ فرماؤ۔

ایک یہ کہ ابوداؤد شریف اور طحاوی شریف وغیرہم نے انہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ بھی روایت کی کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم بغیر سفر بغیر خوف کے مدینہ منورہ میں بھی ظہر و عصر، ایسے ہی مغرب و عشاء جمع فرما لیتے تھے۔ چنانچہ ابوداؤد شریف کے الفاظ یہ ہیں۔

قَالَ جَمَعَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَیْنَ الظُّھْرِ وَالْعَصْرِ وَالْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ بِالْمَدِیْنَۃِ مِنْ غَیْرِ خَوْفٍ وَّلَا مَطَرٍ۔

ابن عباس نے فرمایا کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم ظہر و عصر مغرب و عشاء مدینہ منورہ میں بغیر بارش اور بغیر خوف کے جمع فرما لیتے تھے

بلکہ اسی ابوداؤد و طحاوی شریف نے انہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ حضور مدینہ منورہ میں سات بلکہ آٹھ نمازیں جمع فرما لیتے تھے۔

چنانچہ ابوداؤد شریف کے الفاظ یہ ہیں۔

قَالَ صَلّٰی بِنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِالْمَدِیْنَۃِ ثَمَانِیًا وَّسَبْعًا۔ اَلظُّھْرَ وَالْعَصْرَ وَالْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں سات نمازیں آٹھ نمازیں جمع کرکے ہم کو پڑھائیں ظہر، عصر، مغرب، عشاء،

تو اے وہابیو! تم صرف سفر میں، صرف ظہر و عصر یا مغرب و عشاء پر ہی مہربانی کیوں کرتے ہو؟ تمہیں چاہیئے کہ روافض کی طرح سات سات آٹھ آٹھ نمازیں ایک دم پڑھ کر آرام کیا کرو، سفر میں بھی، اور گھر میں بھی، کیا بعض احادیث کو مانتے ہو، بعض کے انکاری ہو؟

دوسرے یہ کہ تمہاری پیش کردہ بخاری کی روایت میں یہ تو مذکور ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ظہر و عصر جمع فرمائی، مگر یہ تفصیل نہیں، کہ کیسے جمع فرمائیں، آیا عصر کو ظہر کے وقت میں پڑھا یا ظہر کو عصر کے وقت میں، ایسے ہی مغرب عشاء کے وقت میں پڑھی یا عشاء مغرب کے وقت

میں، لہذا یہ حدیث مجمل ہے۔ اور مجمل حدیث بغیر تفصیل کے قابل عمل نہیں ہوتی۔

تیسرے یہ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا سفر میں ان نمازوں کو جمع فرمانا عذر سفر کی وجہ سے تھا، ضرورت پر بہت سی ممنوع چیزیں حلال ہو جاتی ہیں، اور جمع بھی صرف صورۃً تھا، حقیقۃً نہ تھا، یعنی حضور علیہ السلام نے ظہر عصر کے وقت میں نہ پڑھی۔ بلکہ سفر کرتے کرتے ظہر کے آخر وقت میں قیام فرمایا، ظہر آخر وقت میں ادا فرمائی، اور عصر اول وقت میں، بظاہر معلوم یہ ہوا، کہ حضور علیہ السلام نے دو نمازیں ایک وقت میں ادا فرمائیں، لیکن حقیقۃً ہر نماز اپنے وقت میں ہوئی ظہر یا مغرب آپ نے آخر وقت میں پڑھی، عصر یا عشاء اوّل وقت میں۔ اس صورت میں اس صورت میں یہ حدیث نہ قرآن کے خلاف ہوئی نہ دوسری ان احادیث کے جو ہم نے پہلی فصل میں پیش کیں۔

یہ جمع بالکل جائز ہے، یہ ہی ہمارا مذہب ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عباس کی وہ حدیث جو طحاوی و ابو داؤد نے روایت کی۔ جس میں فرمایا گیا۔ کہ حضور علیہ السلام مدینہ منورہ میں بغیر خوف بغیر بارش سات آٹھ نمازیں جمع فرما لیتے تھے وہاں سات آٹھ نمازیں مراد نہیں، بلکہ سات آٹھ رکعتیں مراد ہیں کہ اگر مغرب و عشاء صورۃً جمع فرمائیں، تو فرض کی سات رکعتیں جمع ہو گئیں، تین مغرب کی چار عشاء کی، اور اگر ظہر و عصر جمع فرمائیں۔ تو آٹھ رکعت جمع ہو گئیں، چار ظہر کی چار عصر کی، چونکہ یہ جمع صورۃً تھی نہ کہ حقیقۃً لہذا سفر میں بھی جائز تھی، اور حضر میں بھی، بیان جواز کے لیئے، حدیث سمجھنے کے لیئے شرعی عقل اور حدیث والے محبوب صلے اللہ علیہ وسلم سے رشتۂ غلامی چاہیئے جس سے وہابی بے بہرہ ہیں۔

اس معنے کی تائید

نمازیں جمع کرنے کے جو معنے ہم نے بیان کیئے اس معنے کی تائید بہت سی احادیث سے ہوتی ہے۔ جن میں سے بعض احادیث نقل کی جاتی ہیں۔ سنو اور عبرت پکڑو۔

حدیث نمبر ۱۔ طبرانی نے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے روایت کی۔

اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَجْمَعُ الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ یُؤَخِّرُ ھٰذِہٖ فِیْ اٰخِرِ وَقْتِھَا وَیُعَجِّلُ ھٰذِہٖ فِیْ اَوَّلِ وَقْتِھَا۔	بیشک نبی صلے اللہ علیہ وسلم مغرب و عشاء اس طرح جمع فرماتے تھے کہ مغرب اس کے آخر وقت میں ادا فرماتے تھے اور عشاء اس کے اول وقت میں۔

حدیث نمبر۲۔ بخاری شریف میں حضرت سالم سے ایک طویل حدیث روایت کی۔ جس کے کچھ الفاظ یہ ہیں۔

وَکَانَ عَبْدُ اللّٰہِ ابْنُ عُمَرَ یَفْعَلُہٗ اِذَا اَعْجَلَہُ السَّیْرُ یُقِیْمُ الْمَغْرِبَ فَیُصَلِّیْھَا ثَلٰثًا ثُمَّ یُسَلِّمُ ثُمَّ قَلَّمَا یَلْبَثُ حَتّٰی یُقِیْمَ الْعِشَاءَ فَیُصَلِّیْھَا رَکْعَتَیْنِ۔	عبداللہ ابن عمر بھی حضور علیہ السلام کا سا عمل کرتے تھے، کہ جب سفر میں جلدی ہوتی تو مغرب کی تکبیر کہتے اور تین رکعت پڑھتے پھر سلام پھیرتے پھر تھوڑی دیر ٹھہرتے پھر عشاء کی تکبیر فرماتے اور دو رکعت عشاء پڑھتے

حدیث نمبر۳۔ نسائی شریف نے حضرت نافع سے روایت کی۔

قَالَ اَقْبَلْنَا مَعَ ابْنِ عُمَرَ مِنْ مَکَّۃَ فَلَمَّا کَانَ تِلْکَ اللَّیْلَۃُ سَارَ بِنَا حَتّٰی اَمْسَیْنَا فَظَنَنَّا اَنَّہٗ نَسِیَ الصَّلٰوۃَ فَقُلْنَا لَہُ الصَّلٰوۃُ فَسَکَتَ وَسَارَ حَتّٰی کَادَ الشَّفَقُ اَنْ یَّغِیْبَ ثُمَّ نَزَلَ فَصَلّٰی وَغَابَ الشَّفَقُ فَصَلَّی الْعِشَاءَ ثُمَّ اَقْبَلَ عَلَیْنَا فَقَالَ ھٰکَذَا کُنَّا نَصْنَعُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا جَدَّ بِہِ السَّیْرُ۔	فرماتے ہیں، کہ ہم مکہ معظمہ سے حضرت ابن عمر کے ساتھ آئے، جب یہ رات ہوئی تو آپ چلتے رہے یہاں تک کہ شام ہوگئی، ہم سمجھے کہ حضرت عبداللہ نماز بھول گئے ہم نے ان سے کہا کہ نماز پڑھ لیجئے مگر آپ چلتے ہی رہے یہانتک کہ شفق ڈوبنے کے قریب ہوگئی تو اترے اور مغرب پڑھی، پھر شفق غائب ہوگئی تو نماز عشاء پڑھی پھر ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ ہم حضور کیسا تھ بھی ایسا ہی کرتے تھے، جب سفر میں جلدی ہوتی۔

اس قسم کی بے شمار حدیثیں ہیں، جن میں صراحتہً ارشاد ہوا ہے کہ سفر میں عصر و ظہر یا مغرب و عشاء صرف صورۃً جمع کی جاویں گی، کہ مغرب اپنے آخر وقت میں پڑھی جاوے، عشاء اپنے

اول وقت میں، نہ تو ظہر عصر کے وقت میں پڑھی جاوے نہ مغرب عشاء کے وقت میں اگر ان احادیث کی تفصیل دیکھنی ہو، تو طحاوی شریف اور صحیح البہاری وغیرہ کا مطالعہ فرماؤ، ہم نے صرف تین حدیثوں پر اکتفا کی، لہٰذا حنفیوں کی توجیہہ بالکل درست ہے، اس کی تائید قرآن کریم بھی کر رہا ہے۔ اور دیگر احادیث بھی وہابیوں کی توجیہہ محض باطل ہے، قرآن کریم کے بھی خلاف ہے اور احادیث کے بھی۔

اے وہابیو! اگر تم ان احادیث کی وجہ سے سفر میں جمع حقیقی مانتے ہو تو حضرت ابن عباس کی حدیث کی وجہ سے بحالتِ اقامت سات بلکہ آٹھ نمازیں ایک دم پڑھ لیا کرو یہ حدیث ہم پہلی فصل میں بیان کر چکے ہیں، جب تم اس حدیث میں جمع صوری مراد لیتے ہو۔ تو یہاں جمع حقیقی کیوں مراد لیتے ہو؟ کیا بعض حدیثوں پر ایمان ہے۔ بعض کا انکار،

اعتراض نمبر ۲۔ بخاری شریف میں حضرت انس سے روایت ہے، جس کے بعض الفاظ یہ ہیں۔

قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا ارْتَحَلَ قَبْلَ اَنْ تَزِيْغَ الشَّمْسُ اَخَّرَ الظُّهْرَ اِلٰى وَقْتِ الْعَصْرِ ثُمَّ نَزَلَ فَجَمَعَ بَيْنَهُمَا۔

فرماتے ہیں، کہ اگر حضور صلے اللہ علیہ وسلم سورج ڈھلنے سے پہلے سفر کرتے تو ظہر کو عصر کے وقت تک مؤخر کرتے پھر دونوں نمازیں جمع فرماتے۔

اس حدیث سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام ظہر عصر کے وقت میں پڑھتے تھے، جیسا کہ اِلَى الْعَصْرِ سے ظاہر ہے۔

جواب۔ آپ نے اس حدیث کا ترجمہ غلط کیا، اِلٰی سے معلوم ہوتا ہے کہ عصر کے وقت سے پہلے نزول فرماتے تھے، غایت مغیّا سے خارج ہے۔ نہ کہ داخل عصر تک مؤخر فرمانے کے معنے یہ ہیں کہ عصر کے قریب تک مؤخر فرماتے تھے۔ جیسا کہ اعتراض نمبر ۱ کے جواب کی حدیث سے معلوم ہوا۔ لہٰذا جمع صوری مراد ہے نہ کہ جمع تحقیقی۔

اعتراض نمبر ۳۔ طحاوی شریف نے حضرت نافع سے روایت کی۔ جس کے بعض الفاظ یہ ہیں۔

حَتّٰی اِذَا کَانَ عِنْدَ غَیْبُوْبَۃِ الشَّفَقِ نَزَلَ فَجَمَعَ بَیْنَھُمَا وَقَالَ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ھٰکَذَا اِذَا جَدَّ بِہِ السَّیْرُ۔

حضرت ابن عمر چلتے رہے یہاں تک کہ شفق غائب ہونے کا وقت آگیا تو اترے۔ پس مغرب و عشاء جمع فرمائیں اور فرمایا کہ میں نے حضور کو ایسے ہی کرتے دیکھا ہے جب سفر میں جلدی ہوتی۔

اس حدیث میں صراحۃً مذکور ہے۔ کہ حضرت عبداللہ ابن عمر شفق غائب ہونیکے وقت اترے یقیناً آپ نے مغرب عشاء کے وقت میں پڑھی۔

جواب۔ یہ بھی آپ کی غلط فہمی پر مبنی ہے۔ اس کے معنے یہ کب ہیں کہ شفق غائب ہونے کے بعد اترے معنے بالکل ظاہر ہیں کہ جب شفق غائب ہونے لگی یعنی غائب ہونے کے قریب ہوئی تب اترے۔ نماز مغرب پڑھتے ہی شفق غائب ہوگئی اور وقت عشاء آگیا۔ عشاء پڑھ لی۔ ہم پہلے اعتراض کے جواب میں ان ہی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا عمل شریف بیان کر چکے ہیں جس میں تصریح ہے کہ آپ نے مغرب آخر وقت میں پڑھی اور عشاء اول وقت میں وہ حدیث تمہاری اس حدیث کی تفسیر ہے۔

اعتراض نمبر ۴۔ اگر ہر نماز اپنے وقت میں ہی پڑھنی چاہیئے اور سفر وغیرہ عذر کی حالت میں بھی ایک نماز دوسری نماز کے وقت میں پڑھنا گناہ ہے تو حاجی لوگ عرفات میں نویں ذی الحجہ کو ظہر و عصر ملا کر کیوں پڑھتے ہیں۔ ظہر کے وقت میں عصر اور دسویں ذی الحجہ کی شب کو مزدلفہ میں مغرب و عشاء ملا کر عشاء کے وقت میں کیوں پڑھتے ہیں۔ حنفی بھی وہاں نمازوں کا جمع کرنا جائز کہتے ہیں۔ جب حج کے موقعہ پر نماز ظہر و عصر ایسے ہی مغرب و عشاء حقیقی طور پر ایک ہی وقت میں جمع ہوگئیں۔ تو اگر سفر میں جمع ہو جاویں۔ تو کیا حرج ہے۔ اے حنفیو! تم قرآنی آیت اور یہ احادیث حج میں کیوں بھول جاتے ہو؟ (یہ وہابیوں کا انتہائی اعتراض ہے)

جواب۔ جناب نہ تو عرفہ میں عصر ظہر کے وقت میں ادا ہوتی ہے۔ نہ مزدلفہ میں مغرب عشاء کے وقت میں۔ بلکہ وہاں حجاج کے لیئے عصر کا وقت ظہر کی طرف اور مغرب کا وقت عشاء کی طرف منتقل ہوگیا ہے۔ یعنی وہاں مغرب کا وقت شفق غائب ہونے کے بعد شروع

ہوتا ہے۔ اور عصر کا وقت ظہر پڑھتے ہی شروع ہو جاتا ہے۔ جیسے وتر کا وقت عشاء کے فرض پڑھتے ہی شروع ہو جاتا ہے۔ لہٰذا وہاں نمازیں اپنے وقت سے نہ ہٹیں۔ بلکہ نمازوں کے اوقات ہٹ گئے نمازیں اپنے وقت ہی میں ہوئیں، اور تم سفر میں نمازوں کو اپنے وقت سے ہٹاتے ہو۔ وقت ہٹ جانے اور نماز ہٹ جانے میں بڑا فرق ہے۔

اس کی کھلی دلیل یہ ہے کہ اگر امام عرفہ میں ظہر اپنے ہمیشہ کے وقت میں پڑھے اور عصر ہمیشہ کے وقت، تو سخت گنہگار ہوگا۔ گویا اس نے عصر قضا کر دی اور اگر اس دن مغرب کی نماز اپنے ہمیشہ کے وقت میں پڑھی، اور عشاء اپنے معمولی وقت میں، تو نماز مغرب ہوگی ہی نہیں اور ایسا کرنے والا سخت گنہگار ہوگا۔ گویا اس نے مغرب کی نماز وقت سے پہلے پڑھ لی۔ معلوم ہوا کہ آج ان نمازوں کے وقت ہی بدل دیئے گئے ہیں۔

لیکن اگر مسافر ظہر و عصر جمع نہ کرے۔ بلکہ ظہر اپنے وقت میں پڑھے۔ اور عصر اپنے وقت میں ایسے ہی مغرب اپنے وقت میں پڑھے، اور عشاء اپنے وقت میں، تو تم بھی اسے گنہگار نہیں مانتے، بلا کراہت جائز کہتے ہو۔ معلوم ہوا کہ تمہارے نزدیک بھی سفر میں وقت نماز نہیں بدلتا۔ بلکہ نماز دوسرے وقت میں ادا کی جاتی ہے۔ لہٰذا حاجیوں کی عرفہ و مزدلفہ والی نمازیں۔ نہ قرآنی آیات کے خلاف ہیں، نہ احادیث کے مخالف۔ وہاں ہر نماز اپنے وقت میں ادا ہوتی ہے اور مسافر کا حقیقی طور پر نمازوں کا جمع کرنا قرآن کریم کے بھی خلاف ہے، احادیث کے بھی۔ حج میں اوقات نماز میں تبدیلی۔ حدیث مشہور بلکہ حدیث صحیح متواتر معنوی سے ثابت ہے۔ اس پر اسی طرح عمل واجب ہے۔ جیسے آیت قرآنیہ پر عمل ضروری ہے

ہم نے یہاں جمع نماز کا مسئلہ مختصر طور سے عرض کر دیا ہے۔ اگر اس کی پوری تحقیق دیکھنا ہو تو ہمارا حاشیۂ بخاری نعیم الباری میں یہ ہی بحث ملاحظہ کرو۔ ان شاء اللہ وہاں لطف آجاوے گا۔

ناظرین کو ان بحثوں سے پتہ لگ گیا ہوگا کہ مذہب حنفی بفضلہ تعالیٰ نہایت مضبوط مدلل اور بہت ہی قوی اور قرآن مجید و احادیث کے بالکل مطابق ہے

وہابی غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ اُن کے مذہب کی بنیاد محض غلطی پر قائم ہے۔ رب تعالےٰ ہم کو اسی مذہب حنفی پر قائم رکھے۔

ہمارا دین حنفی ہے۔ مذہب حنیفی یعنی ملت ابراہیمی اور مذہب نعمانی۔

پندرہواں باب ۱۵

سفر کا فاصلہ تین دن کی راہ ہے

شریعت اسلامیہ نے مسافر کو یہ سہولت دی ہے کہ اس پر چار رکعت فرض میں بجائے چار کے دو واجب فرمائی ہیں۔ لیکن وہابیوں غیر مقلدوں نے محض نفسانی خواہش سے نماز میں کمی کرنے کے لیئے سفر کو ایسا عام کر دیا ہے کہ خدا کی پناہ۔ گھر سے کھیت دیکھنے گئے۔ مسافر بن گئے۔ ایک آدھ میل سیر و تفریح کرنے شہر سے باہر نکلے۔ مسافر بن بیٹھے۔ اور نماز میں کمی کر دی۔ شرعاً سفر کی مسافت تین دن کی راہ ہے کہ جب انسان اپنے وطن سے تین دن کی مسافت کا ارادہ کر کے نکلے تو وہ مسافر ہے اس پر صرف چار رکعت والی فرضوں میں قصر واجب ہے یعنی بجائے چار کے دو پڑھے۔

یہ تین دن کی مسافت عام اچھے راستوں پر تقریباً ستاون میل انگریزی بنتے ہیں۔ ہر منزل ۱۹ میل کی کل تین منزلیں ۵۷ میل اور ریتیلے یا پہاڑی راستہ اس سے کم بنے گا۔ غرضیکہ تین دن کے راہ کا اعتبار ہے۔

حاجیوں کو ضروری ہدایت

آج کل حرمین طیبین میں نجدیوں کی حکومت ہے۔ نجدی امام حج کے زمانہ میں مکہ معظمہ سے منیٰ و عرفات میں آکر قصر نماز ادا کرتا ہے۔ حالانکہ منیٰ کا فاصلہ مکہ معظمہ سے صرف تین میل

ہے۔ اور عرفات کا فاصلہ نو میل حنفی مذہب کی رُو سے وہ امام قصر نہیں کر سکتا۔ اس لیئے حنفی لوگ اس کے پیچھے ہرگز نماز نہ پڑھیں۔ ورنہ نماز ہی نہ ہوگی۔
شافعی یا حنبلی امام کو ایسے موقعہ پر یہ چاہیئے کہ ذی الحجہ کی آٹھ تاریخ کو مکہ معظمہ سے ۵۷ میل دور نکل جاوے۔ پھر واپس ہوتے ہوئے منیٰ و عرفات میں قصر پڑھے تاکہ حنفیوں کی نمازیں بھی اوس کے پیچھے درست ہوں حاجیوں کو بہت احتیاط چاہیئے۔ اس باب کی بھی ہم دو فصلیں کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں سفر کی اس مسافت کا ثبوت۔ دوسری فصل میں اس مسئلہ پر اعتراضات مع جوابات۔

پہلی فصل

مسافت سفر تین دن کا ثبوت

سفر کی مسافت کم از کم تین دن کی راہ ہے۔ اس سے کم فاصلہ شرعًا سفر نہیں۔ نہ ایسے شخص پر سفر کے احکام جاری ہوں۔ دلائل حسب ذیل ہیں۔

1۔ حدیث بخاری شریف نے حضرت عبداللہ ابن عمر سے روایت کی۔

اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تُسَافِرِ الْمَرْاَۃُ ثَلٰثَۃَ اَیَّامٍ اِلَّا مَعَ ذِیْ مَحْرَمٍ۔

بیشک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورت تین دن کی مسافت کا سفر بغیر قریبی رشتہ دار کے نہ کرے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت کو اکیلے سفر کرنا حرام ہے۔ ذی رحم قرابتہ دار کے ساتھ سفر کر سکتی ہے۔ اسی سفر کی مدت حضور نے تین دن فرمائی معلوم ہوا کہ سفر کی مسافت تین دن ہے۔

(۲) حدیث مسلم شریف نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ جَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثَلٰثَۃَ اَیَّامٍ وَلَیَالِیَھُنَّ لِلْمُسَافِرِ وَیَوْمًا وَلَیْلَۃً لِلْمُقِیْمِ۔

حضور صلعم نے موزوں پر مسح کی مدت مسافر کیلئے تین دن تین راتیں مقرر فرمائی اور مقیم کے لیے ایک دن رات۔

حدیث نمبر ۳ تا ۹۔ ابوداؤد۔ نسائی۔ ابن حبان۔ طحاوی۔ ابوداؤد۔ طیالسی طبرانی۔ ترمذی نے خزیمہ ابن ثابت انصاری وغیرہم رضی اللہ عنہم سے روایت کی۔

عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ قَالَ فِی الْمَسْحِ عَلَی الْخُفَّیْنِ لِلْمُقِیْمِ یَوْمٌ وَلَیْلَۃٌ وَلِلْمُسَافِرِ ثَلٰثَۃُ اَیَّامٍ وَلَیَالِیْھِنَّ

وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں حضور نے فرمایا کہ مقیم کیلئے موزوں پر مسح کی مدت ایک دن ایک رات ہے اور مسافر کیلئے تین دن تین راتیں ہیں۔

حدیث نمبر ۱۰ تا ۱۲۔ اثرم نے اپنی سنن میں۔ ابن خزیمہ دار قطنی نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ رَخَّصَ لِلْمُسَافِرِ ثَلٰثَۃَ اَیَّامٍ وَلَیَالِیْھِنَّ وَلِلْمُقِیْمِ یَوْمًا وَّلَیْلَۃً اِذَا تَطَھَّرَ فَلَبِسَ خُفَّیْہِ اَنْ یَّمْسَحَ عَلَیْھِمَا وَقَالَ الْخِطَابِیُّ وَھُوَ صَحِیْحُ الْاِسْنَادِ (مشکوٰۃ)

وہ روایت کرتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ حضور نے مسافر کیلئے تین دن تین رات تک مسح کی اجازت دی اور مقیم کے لئے ایک دن ایک رات جبکہ وضو کرکے موزے پہنے ہوں۔ خطابی کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔

حدیث نمبر ۱۳ تا ۱۵۔ ترمذی۔ نسائی نے حضرت صفوان ابن عسال سے روایت کی۔

قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَاْمُرُنَا اِذَا کُنَّا سَفْرًا اَنْ لَّا نَنْزِعَ خِفَافَنَا ثَلٰثَۃَ اَیَّامٍ وَلَیَالِیْھِنَّ الخ (مشکوٰۃ)

حضور صلے اللہ علیہ وسلم ہم کو حکم دیتے تھے کہ جب ہم مسافر ہوں اپنے موزے تین دن تین رات نہ اتاریں۔ الخ

ان احادیث شریفہ سے معلوم ہوا کہ ہر مسافر کو تین دن موزے پر مسح کرنے کی اجازت ہے کوئی مسافر اس اجازت سے علیحدہ نہیں۔ اگر تین دن سے کم مسافت بھی سفر بن جاوے تو اس اجازت سے بہت سے مسافر فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ مثلاً اگر وہابی صاحب اپنے کھیت پر سیر کرنے ایک میل کے فاصلہ پر جاکر مسافر بن جاویں۔ تو تین دن مسح کرکے دکھاویں۔ ایسے ہی جو آدمی ایک دن چل کر گھر پہنچ جاوے۔ وہ اس اجازت

سے کیسے فائدہ اٹھائے۔ لہٰذا تین دن سے کم سفر بن سکتا ہی نہیں ورنہ موزوں پر مسح کی یہ احادیث عمومی طور پر قابل عمل نہ رہیں گی۔ اس دلیل پر اچھی طرح غور کر لیا جاوے

حدیث نمبر ۱۶۔ امام محمد نے آثار میں حضرت علی ابن ربیعہ والبی سے روایت کی۔

قَالَ سَأَلْتُ عَبْدَ اللّٰهِ ابْنَ عُمَرَ اِلٰی کَمْ تُقْصَرُ الصَّلٰوۃُ فَقَالَ اَتَعْرِفُ السُّوَیْدَاءَ قُلْتُ لَا وَلٰکِنِّیْ قَدْ سَمِعْتُ بِهَا قَالَ هِیَ ثَلٰثُ لَیَالٍ قَوَاصِدَ فَاِذَا خَرَجْنَا اِلَیْهَا قَصَرْنَا الصَّلٰوۃَ۔

فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا عبداللہ ابن عمر سے پوچھا کہ کتنی مسافت پر نماز کا قصر ہو سکتا ہے تو آپ نے فرمایا کہ کیا تم نے مقام سویداء دیکھا ہے میں نے کہا دیکھا تو نہیں سنا ہے۔ فرمایا وہ یہاں سے تین رات کے (قاصد کی رفتار سے) فاصلہ پر ہے ہم جب وہاں تک جائیں تو قصر کر سکتے ہیں۔

حدیث نمبر ۱۷۔ دارقطنی نے حضرت عبداللہ ابن عباس سے روایت کی۔

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ یَا اَهْلَ مَکَّةَ لَا تَقْصُرُوا الصَّلٰوۃَ فِیْ اَدْنٰی مِنْ اَرْبَعَةِ بُرُدٍ مِنْ مَکَّةَ اِلٰی عُسْفَانَ

بیشک حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مکہ والو چار برید سے کم سفر میں نماز قصر نہ کرنا۔ یہ فاصلہ مکہ معظمہ سے عسفان کا ہے

حدیث نمبر ۱۸۔ موطا امام مالک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

اَنَّهٗ کَانَ یَقْصُرُ الصَّلٰوۃَ فِیْ مِثْلِ مَا بَیْنَ مَکَّةَ وَالطَّائِفِ وَفِیْ مِثْلِ مَا بَیْنَ مَکَّةَ وَعُسْفَانَ وَفِیْ مِثْلِ مَا بَیْنَ مَکَّةَ وَجُدَّةَ قَالَ یَحْیٰی قَالَ مَالِكٌ وَذَالِكَ اَرْبَعَةُ بُرُدٍ۔

کہ آپ نماز قصر کرتے تھے مکہ اور طائف اور مکہ عسفان اور مکہ اور جدہ کی برابر فاصلہ میں یحیٰی فرماتے ہیں کہ امام مالک نے فرمایا یہ فاصلہ چار برید ہے۔

حدیث نمبر ۱۹۔ امام شافعی نے بہ اسناد صحیح حضرت عبداللہ ابن عباس سے روایت کی۔

اَنَّہٗ سُئِلَ اَتُقْصَرُ الصَّلٰوۃُ اِلٰی عَرَفَۃَ قَالَ لَا وَلٰکِنْ اِلٰی عُسْفَانَ وَاِلٰی جَدَّۃَ وَاِلَی الطَّائِفِ رَوَاہُ الْاِمَامُ الشَّافِعِیُّ وَقَالَ اِسْنَادُہٗ صَحِیْحٌ

حضرت ابن عباس سے سوال کیا گیا۔ کہ کیا عرفات تک (۹ میل) جانے میں نماز قصر کی جاوے گی فرمایا نہیں۔ لیکن قصر کی جاوے گی عسفان یا جدہ یا طائف تک اسے امام شافعی نے نقل فرمایا اور فرمایا کہ اس کی اسناد صحیح ہے۔

حدیث نمبر ۲۰:۔ امام محمد نے مؤطا شریف میں حضرت نافع سے روایت کی۔

اَنَّہٗ کَانَ یُسَافِرُ مَعَ ابْنِ عُمَرَ الْبَرِیْدَ فَلَا یَقْصُرُ الصَّلٰوۃَ

کہ آپ حضرت عبداللہ ابن عمر کے ساتھ ایک برید سفر کرتے تھے تو قصر نہ فرماتے تھے۔

خیال رہے کہ ۴ برید انگریزی میل کے حساب سے قریبًا ۵۷ میل ہوتا ہے۔ یعنی ۳۶ کوس تین منزلیں۔ یہ چند حدیثیں بطور نمونہ پیش کی گئیں۔ ورنہ اس کے متعلق بہت احادیث وارد ہیں۔ جس کو شوق ہو وہ صحیح البہاری شریف کا مطالعہ کرے ان تمام احادیث سے معلوم ہُوا۔ کہ مطلقًا شہر سے نکل جانا سفر نہیں نہ اس پر سفر کے احکام جاری ہوں۔ سفر کے لیئے چار برید فاصلہ یعنی تین منزلیں چاہئیں۔ صحابہ کرام کا اس ہی پر عمل تھا۔

عقل کا تقاضا بھی یہ ہے مطلقًا شہر سے نکل جانا سفر نہ ہو کیونکہ شہر کے آس پاس کی زمین شہر کی فنا کہلاتی ہے۔ جس سے شہری ضروریات پوری ہوتی ہیں۔ جیسے قبرستان عیدگاہ چراگاہیں گھوڑ دوڑ کے میدان یہاں پہنچ جانا شہر میں پہنچ جانا سمجھا جاتا ہے کوئی شخص اس جگہ سیر و تفریح کے لیے جا کر اپنے کو مسافر نہیں سمجھتا۔ نیز اگر اس جیسی مسافت کو سفر کہا جاوے تو چاہیئے کہ کوئی عورت بغیر محرم کے مطلقًا شہر سے باہر نہ جا سکے۔ کیونکہ عورت کو بغیر محرم سفر کرنا حرام ہے۔ نیز اسلامی قانون ہے کہ مسافر تین دن رات موزوں پر مسح کر سکتا ہے۔ یہ قانون ہر مسافر کو عام نہ ہو سکے گا۔ جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں۔ تو چاہیئے کہ سفر کی کم از کم کوئی حد مقرر ہو۔ جسے عقل شرعی بھی سفر مانے اور جس سے یہ اسلامی قانون بھی ہر مسلمان پر جاری ہو۔ وہ حد تین دن ہی ہے۔

نیز تین دن کی مسافت کا سفر ہونا تو یقینی ہے۔ اس سے کم مسافت سفر ہونا مشکوک نماز کی چار رکعتیں یقین سے ثابت ہیں تو یقینی چیز کو مشکوک سے نہیں چھوڑ سکتے یقین کو یقین ہی زائل کر سکتا ہے۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

اس مسئلہ پر وہابیوں کو صرف ایک ہی حدیث مل سکی ہے۔ جو مختلف کتب حدیث میں مختلف راویوں سے منقول ہے۔ چنانچہ مسلم و بخاری نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَلَّی الظُّھْرَ بِالْمَدِیْنَۃِ اَرْبَعًا وَصَلّٰی بِذِی الْحُلَیْفَۃِ رَکْعَتَیْنِ۔	کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ظہر مدینہ منورہ میں چار رکعت پڑھیں اور ذی الحلیفہ میں نماز عصر دو رکعتیں ادا فرمائیں۔

دیکھو ذوالحلیفہ مدینہ منورہ سے صرف ۳ میل فاصلہ پر ہے۔ جسے آج کل بیر علی کہا جاتا ہے۔ یہ ہی اہل مدینہ کے لیئے حج کا میقات ہے۔ جب حضور صلے اللہ علیہ وسلم مدینہ سے باہر تشریف لے جاتے تھے۔ تو صرف ۳ میل فاصلے پر پہنچ کر قصر فرماتے تھے۔

جواب :۔ اس حدیث میں سیر و تفریح کے لیئے صرف ذوالحلیفہ تک جانے کا ذکر نہیں ہے۔ بلکہ یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حجۃ الوداع کا واقعہ بیان ہو رہا ہے کہ سرکار بہ ارادہ حج مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے ذوالحلیفہ پہنچ کر وقت عصر آگیا۔ تو چونکہ آپ آگے جا رہے تھے۔ لہٰذا یہاں قصر فرمایا۔ اس لیئے یہاں فرمایا گیا۔ صَلَّی الظہر ایک بار یہ واقعہ ہوا۔ کَانَ یُصَلِّیْ نہ فرمایا جس سے معلوم ہوتا کہ آپ ہمیشہ ایسا کیا کرتے تھے۔ اس حدیث کی تفسیر وہ حدیث ہے جو مؤطا امام مالک اور مؤطا امام محمد میں حضرت نافع سے روایت کی۔

اَنَّ عَبْدَ اللّٰہِ ابْنَ عُمَرَ کَانَ اِذَا خَرَجَ حَاجًّا اَوْ مُعْتَمِرًا قَصَرَ الصَّلٰوۃَ	کہ حضرت عبد اللہ ابن عمر جب حج یا عمرہ کرنے کے لیئے مدینہ منورہ سے روانہ ہوتے۔ تو

بِذِی الْحُلَیْفَۃِ۔ | ذوالحلیفہ پہنچ کر قصر پڑھتے تھے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ عمل شریف تمہاری پیش کردہ حدیث کی تفسیر ہے اس سے مسئلہ فقہی یہ معلوم ہوا کہ جو شخص سفر کے ارادے سے اپنے وطن سے روانہ ہو جاوے تو آبادی سے نکلتے ہی نماز قصر پڑھے گا۔ اور واپسی پر آبادی میں داخل ہونے پر وہ مقیم بنے گا یہ حدیث ہمارے بالکل موافق ہے۔

اعتراض نمبر ۲۔ مسلم و بخاری نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَحِلُّ لِاِمْرَأَۃٍ تُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ تُسَافِرَ مَسِیْرَۃَ یَوْمٍ وَلَیْلَۃٍ لَیْسَ مَعَھَا حُرْمَۃٌ۔ | فرمایا نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ جو عورت اللہ تعالٰے اور قیامت پر ایمان رکھتی ہو۔ اُسے یہ حلال نہیں کہ ایک دن و رات کی مسافت کا سفر بغیر محرم کرے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک دن و رات کی مسافت طے کرنا سفر ہے کہ اسے حضور نے سفر فرمایا اور اس پر سفر کے احکام جاری کیئے کہ عورت کو بغیر محرم کے اتنی دُور جانا حرام فرما دیا گیا۔ معلوم ہوا کہ سفر کے لیے تین دن کی مسافت ضروری نہیں ایک دن کا بھی ہو جاتا ہے۔

جواب۔ اس کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ تمہارا مذہب اس حدیث سے بھی ثابت نہ ہوا۔ تمہارا مذہب تو یہ ہے کہ شہر سے میل دو میل سیر و تفریح کے لیے جانا بھی سفر ہے اور اس حدیث میں ایک دن و رات مسافت کی قید ہے۔ لہٰذا یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے۔ دوسرے یہ کہ ہم پہلی فصل میں تین دن کی روایت اسی بخاری شریف کی پیش کر چکے ہیں ہم کو دو روائتیں ملیں۔ تین دن والی اور ایک دن والی۔ اگر ایک دن کی حدیث پہلی ہو اور تین دن کی حدیث بعد کی۔ تو ایک دن والی حدیث منسوخ ہے۔ اور اگر تین دن والی حدیث پہلی ہے۔ ایک دن والی حدیث پیچھے تو تین دن کی حدیث ایک دن والی حدیث سے منسوخ نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ تین دن میں ایک دن بھی آجاتا ہے۔ اور جب ایک دن کی مسافت پر عورت کو اکیلے سفر حرام ہے تو تین دن کا سفر بھی حرام ہوگا۔ لہٰذا تین دن کی روایت یہ

بہر حال قابل عمل ہے اور ایک دن کی حدیث پر عمل مشکوک اس لیے ایک دن کی حدیث قابل عمل نہیں۔ تین دن کی حدیث قابل عمل ہے کہ حرمت شک سے ثابت نہیں ہوتی۔ بہ ہر حال سفر کی مدت تین دن کی مسافت ہی ہو سکتی ہے۔

اعتراض نمبر ۳۔ آج کل موٹر اور ریل وغیرہ سے تین دن کا سفر ایک گھنٹہ میں طے ہو جاتا ہے۔ تو بتاؤ موزوں پر مسح کی مدتِ تین دن یہ مسافر کیسے پوری کرے گا۔ تمہارے قول پر بھی یہ حدیث علی العموم قابل عمل نہ ہوئی۔

جواب ۔ یہ اعتراض بالکل لغو ہے۔ ایک ہے قانون کا اپنا سقم کہ قانون خود ہر جگہ جاری نہ ہو سکے یہ قانون کا عیب ہے ایک ہے کسی عارضہ کی وجہ سے قانون جاری نہ ہونا یہ قانون کا اپنا سقم نہیں شریعت میں سفر پیدل یا اونٹ کی رفتار معتبر ہے اگر وہ تین دن کی ہے۔ تو سفر ہے۔ اسی رفتار میں ہر مسافر پر یہ مسح کا قانون حاوی اور جاری ہونا چاہیئے اگر شخص ایک گھنٹہ میں اتنا سفر کر لیتا ہے تو یہ ایک خارجی عارضہ ہے۔ جس کی وجہ سے یہ قانون کی زد سے بچ گیا۔ قانون اپنی جگہ درست ہے۔ تمہارے قول کی وجہ سے قانون میں سقم لازم آتا ہے۔ لہذا تمہارا قول باطل ہے۔ ہمارا قول درست۔

سولھواں باب ۱۶

سفر میں سنت و نفل

مسافر کو بحالت سفر صرف فرض نماز میں قصر کرنے کا حکم ہے کہ چار رکعت فرض دو پڑھے۔ فرض کے علاوہ تمام نفل و سنت، وتر گھر کی طرح پورے پڑھے۔ ان نمازوں کا جو حکم گھر میں ہے۔ وہ ہی سفر میں ہے۔ نہ تو ان میں قصر ہے نہ یہ منع ہیں۔ نہ بالکل معاف مگر غیر مقلد وہابی سفر میں نفل نہ خود پڑھتے ہیں۔ نہ اوروں کو پڑھنے دیتے ہیں۔ بعض تو اس میں بہت سخت ہیں۔ اس لیئے ہم اس باب کی بھی دو فصلیں کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں اس مسئلہ

کا شرعی ثبوت۔ دوسری فصل میں اس پر وہابیوں کے اعتراضات مع جوابات حق تعالےٰ قبول فرماوے۔

پہلی فصل

سفر میں سنت و وتر، نفل پوری پڑھو

مسافر صرف چار رکعت فرض میں قصر کرے۔ باقی ساری نماز پوری پڑھے۔ اسے روکنا یا منع کرنا سخت جرم ہے۔ دلائل حسب ذیل ہیں۔

نمبر ۱۔ رب تعالےٰ ارشاد فرماتا ہے۔

اَرَءَیۡتَ الَّذِیۡ یَنۡھٰی عَبۡدًا اِذَا صَلّٰی	کیا آپ نے اُس مردود کو دیکھا جو بندہ مومن کو روکتا ہے جب وہ نماز پڑھتا ہے۔

معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو نماز سے روکنا کفار کا طریقہ ہے۔ اور رب تعالےٰ کو بہت ناپسند اس ہی لئے فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص وقت مکروہ میں نماز پڑھنے لگے۔ تو اسے نہ روکو تاکہ اس آیت کی زد میں نہ آجاؤ۔ جب نماز پڑھ چکے تو مسئلہ بتا دو (شامی وغیرہ) اس سے وہابیوں کو عبرت پکڑنا چاہیئے۔ جو مسافر مسلمانوں کو سنت و نفل سے بہت سختی سے روکتے ہیں۔ بلکہ لڑنے مرنے پر تیار ہو جاتے ہیں۔ آخر وہ نماز ہی تو ہے۔ اس سے اتنی چڑ کیوں ہے۔

نمبر ۲۔ رب تعالےٰ کفار مکہ کے عیوب اس طرح بیان فرماتا ہے۔

وَلَا تُطِعۡ کُلَّ حَلَّافٍ مَّھِیۡنٍ ھَمَّازٍ مَّشَّآءٍ بِنَمِیۡمٍ مَّنَّاعٍ لِّلۡخَیۡرِ مُعۡتَدٍ اَثِیۡمٍ۔	اس کی بات نہ مانو جو بہت قسمیں کھانے والا ذلیل۔ چغل خور۔ بھلائی سے روکنے والا حد سے آگے بڑھنے والا سخت گنہگار ہے۔

معلوم ہوا کہ لوگوں کو بھلائی سے روکنا کفار کا طریقہ ہے۔ ان کی بات ہرگز نہ ماننا چاہیئے مسلمانوں کو بھلائیوں سے روکنا وہابیوں کی زندگی کا محبوب مشغلہ ہے۔ سینما۔ جوئے اور شراب سے نہیں چڑتے چڑتے ہیں تو کس سے؟ سفر میں سنت، نفل نماز پڑھنے سے کوئی مسلمان الا

بات ہرگز نہ مانے۔ اس آیت پر عمل کرے۔
نمبر ۳۔ رب تعالیٰ مومنوں کی تعریف فرماتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے۔

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ۔	مومن وہ ہیں کہ اگر ہم انہیں زمین میں سلطنت دے دیں تو نمازیں قائم کریں اچھی باتوں کا حکم دیں۔ بری باتوں سے روکیں۔

اگر خدا نہ کرے زمین میں وہابیوں کی سلطنت ہو جاوے۔ تو لوگوں کو کس چیز سے روکیں۔ سفر میں سنت و نفل نماز پڑھنے سے۔ اللہ کے ذکر کی مجلسوں سے۔ میلاد شریف ختم و فاتحہ و تلاوتِ قرآن سے۔ کن چیزوں کا حکم دیں؛ گندے کنوؤں سے وضو کرنے کا۔ کوّے خشیئے کھانے کا لڑکے پیشاب اور منی کے پاک سمجھنے کا۔ اپنے نطفے کی زنا کی لڑکی سے نکاح کر لینے کا۔ جیسا کہ ہم آخر کتاب میں وہابیوں کے خصوصی مسائل بیان کریں گے۔

حدیث ۴ و ۵: ترمذی شریف اور طحاوی شریف نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ سے روایت کی۔ مگر قدرے لفظی اختلاف سے

قَالَ صَلَّیْتُ مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِی الْحَضَرِ وَ السَّفَرِ فَصَلَّیْتُ مَعَهٗ فِی الْحَضَرِ الظُّهْرَ اَرْبَعًا وَ بَعْدَهَا رَكْعَتَیْنِ وَصَلَّیْتُ مَعَهٗ فِی السَّفَرِ الظُّهْرَ رَكْعَتَیْنِ وَبَعْدَهَا رَكْعَتَیْنِ وَالْعَصْرَ رَكْعَتَیْنِ وَ لَمْ یُصَلِّ بَعْدَهَا شَیْئًا وَالْمَغْرِبَ فِی الْحَضَرِ وَالسَّفَرِ سَوَاءً ثَلٰثَ رَكَعَاتٍ وَلَا یَنْقُصُ فِی حَضَرٍ وَلَا سَفَرٍ وَهِیَ وِتْرُ النَّهَارِ وَ بَعْدَهَا رَكْعَتَیْنِ۔	فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وطن اور سفر میں نمازیں پڑھی ہیں پس میں نے آپ کے ساتھ وطن میں ظہر چار رکعت پڑھی اسکے بعد دو رکعت سنت اور آپ کے ساتھ سفر میں ظہر دو رکعت پڑھیں۔ اس کے بعد دو رکعتیں سنت عصر دو رکعت اس کے بعد کچھ نہ پڑھا۔ اور مغرب وطن سفر میں برابر تین رکعتیں اس میں کمی نہ فرماتے تھے وطن میں نہ سفر میں وہ دن کے وتر ہیں اس کے بعد دو رکعت سنت پڑھیں

طحاوی شریف میں یہ الفاظ اور زیادہ ہیں۔

وَصَلَّی الْعِشَاءَ رَكْعَتَیْنِ وَ بَعْدَهَا	حضور علیہ السلام نے عشاء کی نماز دو رکعتیں پڑھیں

رَکْعَتَیْنِ۔ | اسکے بعد دو رکعتیں۔

دیکھو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر میں ظہر کے فرض دو اور بعد میں سنت دو مغرب کے فرض تین اور بعد میں سنتیں دو۔ عشاء کے فرض دو اور بعد میں سنتیں دو پڑھیں۔ اگر سفر میں سنت یا نفل پڑھنا ممنوع ہوتا تو سرکار پُرانوار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیوں پڑھتے یہ وہابی سنّت سے چڑتے ہیں۔

نمبر ۶ و ۷۔ ابوداؤد و ترمذی نے حضرت براء ابن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ صَحِبْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثَمَانِیَۃَ عَشَرَ سَفَرًا فَمَا رَاَیْتُہٗ تَرَکَ رَکْعَتَیْنِ اِذَا زَاغَتِ الشَّمْسُ قَبْلَ الظُّھْرِ۔

فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اٹھارہ سفر کیئے۔ میں نے آپ کو نہ دیکھا کہ آپ نے آفتاب ڈھلنے کے بعد ظہر کے پہلے کی دو نفل چھوڑے ہوں۔

نمبر ۸ ابوداؤد شریف نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا سَافَرَ وَاَرَادَ اَنْ یَّتَطَوَّعَ اِسْتَقْبَلَ الْقِبْلَۃَ بِنَاقَتِہٖ فَکَبَّرَ ثُمَّ صَلّٰی

فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر کرتے اور نفل پڑھنا چاہتے تو اپنی ناقہ کو کعبہ کی طرف متوجہ فرما دیتے۔ پھر تکبیر کہہ کر نفل پڑھتے۔

۹ و ۱۰ مسلم و بخاری نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُصَلِّیْ فِی السَّفَرِ عَلٰی رَاحِلَتِہٖ حَیْثُ تَوَجَّھَتْ بِہٖ یُوْمِیْ اِیْمَاءً صَلٰوۃَ اللَّیْلِ اِلَّا الْفَرَائِضَ وَیُوْتِرُ عَلٰی رَاحِلَتِہٖ

فرماتے ہیں کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم سفر میں اپنی سواری پر نفل پڑھتے تھے۔ جدھر بھی اس کا منہ ہوتا آپ اشارے سے نماز پڑھتے۔ تہجد کی نماز سوائے فرض کے۔ وتر بھی سواری پر پڑھتے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم سفر میں راستہ طے کرتے ہوئے نماز تہجد بھی پڑھا کرتے تھے۔ اور یہ لوگ ٹھہرے ہوئے مسافر کو سنّت مؤکدہ تک سے روکتے ہیں۔

نمبر ۱۱۔ مؤطا امام مالک میں حضرت نافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ اِنَّ عَبْدَ اللّٰہِ ابْنَ عُمَرَ کَانَ | فرماتے ہیں کہ بے شک عبداللہ ابن عمر اپنے

يَرٰى ابْنَهٗ عُبَيْدَ اللّٰهِ يَتَنَفَّلُ فِى السَّفَرِ فَلَا يُنْكِرُ عَلَيْهِ۔	فرزند عبید اللہ کو سفر میں نفل پڑھتے دیکھتے تھے تو آپ منع نہ فرماتے تھے۔

نمبر ۱۲۔ ترمذی شریف نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰے عنہ سے روایت کی۔

قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الظُّهْرَ فِى السَّفَرِ رَكْعَتَيْنِ وَبَعْدَهَا رَكْعَتَيْنِ رَوَاهُ التِّرْمِذِىُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ۔	فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں ظہر کی دو رکعتیں پڑھیں اسکے بعد دو رکعت سنت اسے ترمذی نے روایت کیا اور فرمایا کہ یہ حدیث حسن ہے

نمبر ۱۳ و ۱۴۔ مسلم و ابو داؤد نے حضرت ابو قتادہ رضی اللہ تعالٰے عنہ سے سفر میں نعریس کی رات نماز صبح قضاء ہو جانے کی بہت دراز حدیث روایت کی جسکے بعض الفاظ یہ ہیں۔

صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ الصُّبْحِ ثُمَّ صَلَّى الصُّبْحَ كَمَا كَانَ يُصَلِّىْ۔	حضور علیہ السلام نے فجر کی سنتیں فرض سے پہلے پڑھیں پھر فجر کے فرض پڑھے جیسے ہمیشہ پڑھا کرتے تھے۔

نمبر ۱۵ تا ۱۸۔ بخاری، مسلم، ترمذی، ابو داؤد نے حضرت ابن ابی لیلیٰ سے روایت کی۔

قَالَ مَا اَخْبَرَنَا اَحَدٌ اَنَّهٗ رَاَى النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى الضُّحٰى غَيْرُ اُمِّ هَانِىٍٔ ذَكَرَتْ اَنَّ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ اِغْتَسَلَ فِىْ بَيْتِهَا فَصَلّٰى ثَمَانَ رَكَعَاتٍ۔	فرماتے ہیں کہ ہمیں حضرت ام ہانی کے سواء اور کسی نے یہ خبر نہ دی کہ اس نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو نماز چاشت پڑھتے دیکھا، ام ہانی فرماتی ہیں کہ فتح مکہ کے دن حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کے گھر میں غسل فرمایا اور آٹھ رکعت نفل نماز چاشت پڑھیں۔

دیکھو فتح مکہ کے دن حضور علیہ السلام مکہ معظمہ میں مسافر ہیں۔ اس کے باوجود حضور علیہ السلام نے اپنی بہن ام ہانی بنت ابی طالب کے گھر میں نماز چاشت آٹھ رکعت پڑھی، حالانکہ نماز چاشت نفل ہے۔

نمبر ۱۹۔ ابن ماجہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰے عنہ سے روایت کی۔

قَالَ فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَلٰوۃَ الْحَضَرِ وَصَلٰوۃَ السَّفَرِ فَکُنَّا نُصَلِّیْ فِی الْحَضَرِ قَبْلَھَا وَبَعْدَھَا وَکُنَّا نُصَلِّیْ فِی السَّفَرِ قَبْلَھَا وَبَعْدَھَا۔	فرماتے ہیں کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے وطن میں بھی نماز فرض ادا فرمائی اور سفر میں بھی ہم وطن میں فرض نماز سے پہلے اور بعد نفل پڑھتے تھے اور سفر میں بھی فرض سے پہلے اور بعد نفل پڑھتے تھے۔

نمبر ۲۰۔ بخاری شریف نے حضرت جابر رضی اللہ تعالٰے عنہ سے روایت کی۔

اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یُصَلِّی التَّطَوُّعَ وَھُوَ رَاکِبٌ فِیْ غَیْرِ الْقِبْلَۃِ	نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سواری پر غیر قبلہ کی طرف نماز نفل پڑھا کرتے تھے۔

عقل کا تقاضا بھی یہ ہے کہ سفر میں سنت ونفل کی نہ تو معافی ہو اور نہ قصر چند وجہ سے۔

ایک یہ کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ معراج کی رات نمازیں دو دو رکعت فرض کی گئیں۔ پھر سفر میں تو وہ ہی دو رہیں۔ حضر میں بعض نمازوں میں زیادتی کردی گئی اور ظاہر ہے۔ کہ معراج میں فرض نمازیں ہی لازم کی گئیں تھیں۔ نہ کہ سنّت و نوافل وغیرہ۔ لہٰذا قصر صرف فرض میں ہوا نہ کہ نفل وسنّت میں دوسرے یہ کہ بحالت سفر فرض نمازیں بہت پابندی ہے کہ سواری پر چلتی ریل میں، غیر قبلہ کی طرف ادا نہیں ہوسکتی، سنت ونفل میں یہ کوئی پابندی نہیں، سواری پر، غیر قبلہ کی طرف بھی ادا ہو جاتی ہیں، فرض کے لیئے مسافر کو سفر توڑنا پڑتا ہے۔ جس سے دیر لگتی ہے۔ اس لیئے وہ نماز آدھی کردی گئی۔ چونکہ سنت ونفل کے لیئے سفر توڑنا نہیں پڑتا سواری پر ادا ہو جاتی ہیں۔ اس لیئے نہ تو ان میں قصر کی ضرورت ہے، نہ معافی کا سوال پیدا ہوتا ہے یہ سمجھنا کہ جب سفر میں فرض کم ہو گئے۔ تو سنتیں بھی کم ہونی چاہئیں غلط ہے، دیکھو جمعہ کے فرض بجائے چار کے دو رکعت ہیں، مگر سنت کوئی کم نہیں ہوئی۔ فرض علیحدہ نماز ہے اور سنت ونفل علیحدہ یعنی سنت ونفل فرض کی ایسی تابع نہیں کہ اگر فرض پورے پڑھے جاویں تو سنتیں بھی پوری ہوں اور اگر فرض میں قصر ہو تو سنتوں میں بھی قصر ہو یا بالکل معاف ہو جاویں۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

غیر مقلد وہابیوں کے پاس اس مسئلہ پر بہت ہی تھوڑے دلائل ہیں۔ جنہیں وہ ہر جگہ الفاظ بدل کر بیان کرتے ہیں، ہم ان کی وکالت میں ان کے سوالات کے جوابات پیش کرتے ہیں۔

اعتراض نمبر ا۔ مسلم و بخاری وغیرہ نے حضرت حفص ابن عاصم سے روایت کی۔

قَالَ صَحِبْتُ اِبْنَ عُمَرَ فِیْ طَرِیْقِ مَکَّۃَ فَصَلّٰی لَنَا الظُّھْرَ رَکْعَتَیْنِ ثُمَّ جَاءَ رَحْلَہٗ وَجَلَسَ فَرَاٰی نَاسًا قِیَامًا فَقَالَ مَا یَصْنَعُ ھٰؤُلَاءِ قُلْتُ یُسَبِّحُوْنَ قَالَ لَوْکُنْتُ مُسَبِّحًا اَتْمَمْتُ صَلٰوتِیْ صَحِبْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَکَانَ لَا یَزِیْدُ فِی السَّفَرِ عَلٰی رَکْعَتَیْنِ وَاَبَا بَکْرٍ وَّعُمَرَ وَعُثْمَانَ کَذٰلِکَ۔

فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ساتھ مکہ معظمہ کے راستہ میں تھا تو آپ نے ہم کو نماز ظہر دو رکعت پڑھائیں پھر آپ اپنی منزل پر تشریف لائے اور بیٹھ گئے تو کچھ لوگوں کو کھڑا ہوا دیکھا۔ فرمایا یہ لوگ کیا کر رہے ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ نفل پڑھ رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اگر نفل پڑھتا تو نماز ہی پوری پڑھتا میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا تو آپ سفر میں دو رکعتوں سے زیادہ نہ پڑھتے تھے اور میں نے حضرت ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کو ایسے ہی دیکھا۔

اس سے معلوم ہوا کہ سفر میں نفل و سنت پڑھنا سنت رسول (علیہ السلام) و سنت خلفائے راشدین کے خلاف ہے۔ اس لئے مسافر دو رکعت فرض پڑھے باقی کچھ نہ پڑھے۔

جواب: اس اعتراض کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے کیونکہ اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین نے سفر میں کہیں دو فرض سے زیادہ نہ پڑھے، اور تم کہتے ہو کہ مسافر چاہے قصر پڑھے یا پوری۔ تم نے پوری نماز پڑھنے کا حکم اس حدیث کے خلاف کیوں دیا۔

دوسرے یہ کہ آپ کی اس حدیث سے نفل نہ پڑھنا ثابت ہے اور ہماری پیش کردہ بہت سی احادیث سے نفل پڑھنا ثابت ہوا، تو آپ ان بہت سی احادیث کے مقابل صرف اس ایک حدیث پر کیوں عمل کرتے ہو۔ ان احادیث پر کیوں عمل نہیں کرتے؛ صرف نفسانی خواہش کی وجہ سے کہ نفس امارہ پر نماز بھاری ہے۔

تیسرے یہ کہ خود سیدنا عبداللہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وہ احادیث ہم پہلی فصل میں پیش کر چکے جن میں وہ فرماتے ہیں۔ کہ میں نے حضور پر نور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سفر میں سواری پر نفل پڑھتے دیکھا، پھر ان ثبوت کی احادیث کو آپ نے کیوں نہ قبول کیا؛ صرف ایک اسی حدیث پر ہی کیوں عمل کیا؟ کیا نماز کم کرنے کا شوق ہے۔

چوتھے یہ کہ جب ثبوت ونفی میں تعارض ہو، تو ثبوت کو نفی پر ترجیح ہوتی ہے۔ جب حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی دو روائتیں ہیں، ثبوت نفل کی بھی اور نفی کی بھی، تو ثبوت کی روایت قابل عمل ہوگی نہ نفی کی۔ دیکھو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا فرماتی ہیں، کہ حضور علیہ السلام کو جسمانی معراج نہیں ہوئی۔ دیگر صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ ہوئی، آج تمام دنیا معراج جسمانی کی قائل ہے؛ کیوں؛ اس لیئے کہ ثبوت نفی پر مقدم ہے۔

پانچویں یہ کہ جب احادیث میں تعارض نظر آئے، تو ان کے ایسے معنے کیئے جاویں، جن سے تعارض دور ہو جاوے، جب حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی روایات میں تعارض ہے، تو تمہاری اس حدیث کے معنے یہ ہیں، کہ نفل نماز اہتمام سے پڑھنا، ان کے لئے سفر توڑنا باقاعدہ اتر کر، زمین پر کھڑے ہو کر پڑھنا، چلتی سواری پر نفل درست نہ سمجھنا، یہ نہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ثابت ہے، نہ ان خلفائے راشدین سے رضی اللہ تعالےٰ عنہم، چنانچہ اس حدیث کے بعض الفاظ بھی یہ ہی بتا رہے ہیں، راوی فرماتے ہیں، کہ آپ نے بعض لوگوں کو ڈیرے پر کھڑے ہوئے نفل پڑھتے دیکھ کر یہ فرمایا۔ حالت بھی سفر کی تھی سفر بھی حج کا تھا راستہ بہت تھا جلد پہنچنا تھا۔ ان حضرات کے اس طریقہ عمل سے سفر میں دشواری ہوتی تھی، اس لیئے آپ نے یہ فرمایا لہٰذا یہ حدیث نہ تو دوسری احادیث کے خلاف ہے، نہ خود حضرت ابن عمر کی دوسری روایتوں کے مخالف حدیث میں مقابلہ پیدا نہ کرو بلکہ موافقت کی کوشش کرو۔

چھٹے یہ کہ تمہاری اس حدیث میں بھی سفر میں نفل پڑھنے کی ممانعت نہیں، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے صرف قیاس فرما کر یہ فرمایا کہ اگر نفل کا ایسا اہتمام ضروری ہوتا، تو نماز فرض ہی پوری کیوں نہ پڑھی جاتی۔

اعتراض نمبر ۲۔ جب سفر میں فرض نماز ہی بجائے چار کے دو رکعت ہو گئی۔ تو سنت و نفل تو فرض سے درجہ میں کم ہیں۔ چاہیئے کہ وہ بھی یا تو بجائے چار کے دو ہو جاویں۔ یا بالکل معاف ہو جاویں۔

جواب ۔ الحمد للہ کہ آپ قیاس کے قائل ہو گئے کہ سنت کو فرض پر قیاس کرنے لگے لیکن جیسے آپ ویسا آپ کا قیاس بہتر تھا۔ کہ مجتہدین آئمہ کی تقلید کر لی ہوتی تاکہ آپ کو ایسے قیاسات نہ کرنے پڑتے۔ جناب سنت و نفل کو فرض پر قیاس نہیں کر سکتے، فرض نماز میں صرف دو رکعتیں بھری پڑھی جاتی ہیں۔ باقی خالی مگر سنت و نفل کی چاروں رکعت بھری ہیں، فرمائیے، وہاں سنت و نفل فرض کی طرح کیوں نہ ہوئیں۔ وہاں بھی کہدو کہ جب فرض میں دو رکعت خالی ہیں تو چاہیئے سنتیں و نفل کی چاروں رکعت خالی ہوں۔ جمعہ کی نماز میں فرض نماز بجائے چار کے دو رکعت ہو جاتی ہیں، مگر سنتیں بجائے گھٹنے کے بڑھ جاتی ہیں، کہ بعد فرض جمعہ چار سنتیں مؤکدہ ہیں، چاہیئے کہ وہاں بھی یہ ہی قیاس کرو کہ جب جمعہ کے فرض بجائے چار کے دو رہ گئے تو چاہیئے کہ جمعہ کے بعد کی سنتیں بجائے دو کے ایک رکعت ہی رہ جاوے سنت و نفل میں قصر نہ ہونے کی وجہ ہم پہلی فصل کی عقلی دلیلوں میں عرض کر چکے کہ مسافر کو سنت کے لیئے سفر توڑنا نہیں پڑتا۔ سواری پر ہی پڑھ سکتا ہے۔ اس لیئے ان میں قصر کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

نوٹ ضروری ۔ یہ جو کہا گیا کہ نفل و سنت سواری پر پڑھی جا سکتی ہیں۔ سواری کا رُخ کدھر ہی ہو۔ یہ مسافر کے لیئے راستہ طے کرنے کی حالت میں ہے۔ جبکہ وہ جنگل میں ہو۔ شہر میں۔ یا کسی جگہ ٹھہرنے کی حالت کا یہ حکم نہیں۔ اگر مسافر کسی بستی میں دو چار دن کے لیئے ٹھہرا ہوا ہو تو سنت و نفل بھی فرض کی طرح تمام شرائط وار ارکان کے ساتھ ادا کرے گا۔ غیر مقلد وہابیوں کے نزدیک مسافر خواہ راستہ طے کر رہا ہو یا کہیں دو چار دن کے لیئے ٹھہرا ہوا ہو

سنت و نفل نہ پڑھے۔

اعتراض نمبر ۳۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم رحمتہ للعالمین ہیں، جب رب تعالےٰ نے سفر میں اپنی فرض نماز میں رعایت کر دی تو چاہیئے کہ حضور بھی اپنی سنتوں میں کمی کر دیں۔ سنت کا اسی طرح رہنا حضور کی رحمت کے خلاف ہے۔

جواب:۔ جی ہاں چونکہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم رحمت عالم ہیں۔ اس لیئے حضور نے اپنی سنتیں کم نہ فرمائیں نماز رحمت ہے۔ بوجھ نہیں شاید وہابیوں کے نفس پر نماز بوجھ ہوگی۔ اس لیئے انہیں ایسے سوالات سوجھتے ہیں۔ جناب اللہ کے فرض مومن کے بالغ ہونے پر لگتے ہیں، اور مرنے سے پہلے چھوڑ دیتے ہیں مگر سنت رسول اللہ کسی وقت اور کسی حالت میں مومن کا ساتھ نہیں چھوڑتی، مومن سنت رسول کی آغوش میں پیدا ہوتا ہے۔ سنت کے سایہ میں پرورش پاتا ہے۔ سنت کے دامن میں مرتا ہے اور ان شاء اللہ سنت والے محبوب صلے اللہ علیہ وسلم کی پشت و پناہی میں قیامت میں اٹھے گا، دیکھو ختنہ، عقیقہ، بچے کو دو سال تک دودھ پلانا سنت ہی تو ہیں، پھر مرتے وقت وضو۔ کعبہ کو رخ ہونا مرد کا کفن تین کپڑے عورت کا کفن پانچ کپڑے یہ سب سنتیں ہی ہیں، اس لیئے ہمارا نام اہل فرض یا اہل واجب نہیں اہل سنت ہے، ہمارے حضور کی سنت رحمت ہے، بوجھ نہیں رحمت کا کم نہ ہونا ہی اچھا رب تعالےٰ مالک الملک ہے، جب چاہے جتنی چاہے رحمت دے، اس کی رحمتیں یکساں نہیں ہوتیں، کبھی کم کبھی زیادہ، ایسے ہی فرض نماز مقیم کے لیئے پوری مسافر کے لیئے آدھی۔

ستر ہواں باب

سفر میں قصر واجب ہے

مسئلہ شرعی یہ ہے کہ مسافر پر چار رکعت والی فرض نماز میں قصر فرض ہے۔ مسافر پہ نماز پوری نہیں پڑھ سکتا، اگر بھول کر بجائے دو کے چار پڑھ لے تو اس کا وہ ہی حکم ہوگا، جو کوئی فجر کے فرض

چار پڑھ لے کہ اگر پہلی التحیات پڑھ کر تیسری رکعت میں کھڑا ہوا تو سجدہ سہو کرے ورنہ نماز کا اعادہ کرے۔ لیکن اگر دیدہ دانستہ بجائے دو کے چار پڑھے تو نہ ہوگی، مگر غیر مقلد وہابی کہتے ہیں، کہ مسافر کو اختیار ہے۔ خواہ قصر پڑھے یا پوری مسافر کسی چیز کا پابند نہیں اس لیے ہم اس باب کی بھی دو فصلیں کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں اپنے دلائل دوسری فصل میں اس مسئلہ پر سوالات وجوابات رب تعالیٰ قبول فرمادے۔

پہلی فصل

سفر میں قصر ضروری ہے

سفر میں قصر ضروری ہونے پر احناف کے پاس بہت دلائل ہیں، جن میں سے کچھ پیش کیے جاتے ہیں۔

حدیث نمبر ۱ تا ۴۔ بخاری مسلم۔ مؤطا امام محمد۔ موطا امام مالک نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کچھ لفظی فرق کے ساتھ روایت کی یہ لفظ مسلم و بخاری کے ہیں۔

قَالَتْ فُرِضَتِ الصَّلٰوةُ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ هَاجَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فُرِضَتْ اَرْبَعًا وَتُرِكَتْ صَلٰوةُ السَّفَرِ عَلَى الْفَرِيْضَةِ الْاُوْلٰى

فرماتی ہیں کہ اولاً نماز دو دو رکعتیں فرض ہوئیں۔ پھر حضور نے ہجرت کی تو نمازیں چار رکعت فرض کی گئیں۔ اور نماز سفر پہلے ہی فریضہ پر رہی۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہجرت سے پہلے ہر نماز کی دو رکعتیں تھیں۔ بعد ہجرت بعض کی چار رکعتیں کر دی گئیں۔ مگر سفر کی نماز ویسے ہی رہی تو جیسے ہجرت سے پہلے اگر کوئی شخص چار رکعت پڑھ لیتا تو اس کی نماز نہ ہوتی۔ ایسے ہی اب بھی جو مسافر سفر میں چار فرض پڑھ لے تو بھی نماز نہ ہوگی۔ لفظ فرض۔ اور فریضہ کو غور سے ملاحظہ کرو۔

مؤطا امام محمد و امام مالک کی روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

فُرِضَتِ الصَّلٰوةُ رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ فِي الْحَضَرِ وَالسَّفَرِ فَاُقِرَّتْ

اولاً سفر و حضر میں نمازیں دو دو رکعتیں فرض ہوئی تھیں پھر نماز سفر تو ویسے ہی رہی اور

صَلٰوۃَ السَّفَرِ وَزِیْدَ فِیْ صَلٰوۃِ الْحَضَرِ | نماز حضر میں زیادتی کر دی گئی۔

حدیث نمبر ۵ تا ۷۔ مسلم شریف۔ نسائی۔ طبرانی نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔

قَالَ فَرَضَ اللّٰہُ الصَّلٰوۃَ عَلٰی لِسَانِ نَبِیِّکُمْ فِی الْحَضَرِ اَرْبَعًا وَّفِی السَّفَرِ رَکْعَتَیْنِ وَفِی الْخَوْفِ رَکْعَۃً | فرماتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے تمہارے نبی کی زبان شریف پر وطن میں چار رکعتیں اور سفر میں دو رکعتیں خوف میں ایک رکعت فرض کیں (یعنی جماعت سے ایک رکعت)

اس میں صراحتہً معلوم ہوا کہ سفر میں دو رکعت ہی فرض ہیں۔ جیسے وطن میں فجر کی نماز۔

حدیث نمبر ۸ تا ۱۳۔ مسلم بخاری۔ ابوداؤد۔ ترمذی۔ نسائی۔ ابن ماجہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنَ الْمَدِیْنَۃِ اِلٰی مَکَّۃَ فَکَانَ یُصَلِّیْ رَکْعَتَیْنِ۔ | فرماتے ہیں کہ ہم حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ کی طرف گئے تو حضور انور دو دو رکعتیں ہی پڑھتے رہے۔

حدیث نمبر ۱۴ تا ۱۶۔ بخاری۔ مسلم۔ نسائی نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ صَلَّیْتُ مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِمِنًی رَکْعَتَیْنِ وَاَبِیْ بَکْرٍ وَعُمَرَ وَمَعَ عُثْمَانَ صَدْرًا مِّنْ اِمَارَتِہٖ ثُمَّ اَتَمَّہَا۔ | فرماتے ہیں کہ میں نے منیٰ میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے پیچھے دو دو رکعتیں پڑھیں اور خلافت عثمانی کے شروع میں بھی پھر حضرت عثمان نے پوری پڑھنا شروع کر دی

حدیث نمبر ۱۷۔ طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ اِفْتَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَکْعَتَیْنِ فِی السَّفَرِ کَمَا افْتَرَضَ فِی الْحَضَرِ اَرْبَعًا۔ | فرماتے ہیں کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے سفر میں دو رکعت ہی فرض فرمائیں جیسے وطن میں چار رکعت فرض کیں۔

حدیث نمبر ۱۸ تا ۲۰ - نسائی ابن ماجہ - ابن حبان نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ صَلٰوۃُ السَّفَرِ رَکْعَتَانِ وَصَلٰوۃُ الضُّحٰی رَکْعَتَانِ وَصَلٰوۃُ الْفِطْرِ رَکْعَتَانِ وَصَلٰوۃُ الْجُمُعَۃِ رَکْعَتَانِ تَمَامٌ غَیْرُ قَصْرٍ عَلٰی لِسَانِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔

فرماتے ہیں کہ سفر کی نماز دو رکعتیں ہیں۔ چاشت کی نماز دو رکعتیں عید الفطر کی نماز دو رکعتیں ہیں۔ جمعہ کی نماز دو رکعتیں ہیں، یہ دو رکعتیں پوری ہیں ناقص نہیں، حضور محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی زبان شریف پر۔

اس سے صاف معلوم ہوا کہ نماز سفر دو رکعت پڑھنا ایسا ہی ضروری ہے۔ جیسے جمعہ عیدین دو رکعت پڑھنا۔

حدیث نمبر ۲۱ - مسلم شریف نے حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ سے کچھ دراز حدیث نقل کی۔ جس کے آخری الفاظ شریفہ یہ ہیں۔

فَسَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ صَدَقَۃٌ تَصَدَّقَ اللّٰہُ بِہٖ فَاقْبَلُوْا صَدَقَتَہٗ۔

میں نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے نماز قصر کے بارے میں پوچھا تو حضور نے فرمایا یہ اللہ کا صدقہ ہے جو صدقہ فرمایا اس صدقہ کو قبول کرو

اس حدیث میں فاقبلو صیغہ امر ہے۔ امر وجوب کے لیئے آتا ہے معلوم ہوا کہ جو شخص سفر میں چار رکعت پڑھے، وہ خدا تعالےٰ کے صدقہ سے منہ پھیرتا ہے، رب کا صدقہ قبول کرنا اور سفر میں قصر کرنا فرض ہے۔

حدیث نمبر ۲۲ - طبرانی نے معجم صغیر میں سیدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ صَلَّیْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِی السَّفَرِ رَکْعَتَیْنِ وَمَعَ اَبِیْ بَکْرٍ رَکْعَتَیْنِ وَمَعَ عُمَرَ رَکْعَتَیْنِ ثُمَّ تَفَرَّقَتْ بِکُمُ السُّبُلُ فَوَاللّٰہِ لَوَدِدْتُ اَنْ حَظِّیْ مِنْ اَرْبَعِ رَکَعَاتٍ

میں نے سفر میں حضور کے پیچھے دو رکعتیں پڑھیں اور ابوبکر صدیق عمر فاروق کے پیچھے دو دو رکعتیں پڑھیں پھر تم لوگوں کو مختلف راہوں نے منتفرق کر دیا۔ قسم رب کی میں تمنا کرتا ہوں۔ کہ مجھے بجائے چار رکعتوں کے دو مقبول

رَكْعَتَيْنِ مُتَقَبَّلَتَيْنِ ۔	رکعتوں کا حصّہ ملے ۔

ہم نے بطور نمونہ صرف بائیس حدیثیں پیش کیں۔ ورنہ اس کے متعلق بے شمار احادیث ہیں۔ ان پیش کردہ روایتوں سے معلوم ہوتا ہے، کہ سفر میں قصر ہی فرض ہے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم وخلفاء راشدین نے قصر ہی پڑھی، چار رکعت پڑھنے سے صحابہ نے منع فرمایا۔ یا اس پر ناراضی کا اظہار کیا۔

عقل کا تقاضا بھی ہے کہ سفر میں قصر فرض ہے۔ مسافر کو قصر و اتمام دونوں کا اختیار دینا عقل شرعی کے بالکل خلاف ہے اس لیئے کہ سفر میں ہر چار رکعت والی نماز کی پہلی دو رکعتیں بالاتفاق فرض ہیں آخری دو رکعتوں کے متعلق سوال ہوتا ہے کہ وہ بھی مسافر پر فرض ہیں، یا نہیں اگر فرض ہیں تو ان کے نہ پڑھنے کا اختیار کیوں فرض ہیں، اختیار نہیں ہوتا۔ فرض و اختیار جمع نہیں ہوتے اور اگر فرض نہیں بلکہ نفل ہیں، تو ایک تحریمہ سے فرض و نفل نمازوں کا ادا ہونا شرعی قاعدے کے خلاف ہے۔ جس کی مثال کسی جگہ نہ ملے گی، فرض کی تکبیر تحریمہ علیحدہ ہوتی ہے، نفل کی علیحدہ ایک تحریمہ سے ایک ہی نماز ہو سکتی ہے، نہ کہ دو۔

بہرحال یہ اختیار کہ چاہے دو رکعت پڑھے چاہے چار شرعی عقل کے بالکل خلاف ہے نیز جیسے وطن میں چار رکعت ہی فرض ہیں، کم و بیش کا اختیار نہیں ایسے ہی سفر میں صرف دو رکعتیں پڑھنی چاہئیں۔ اختیار نہیں۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراضات وجوابات

اس مسئلہ پر ہم غیر مقلد وہابیوں کی طرف سے وکالت کرتے ہوئے اتنے اعتراضات معہ جوابات عرض کیئے دیتے ہیں، جو انشاء اللہ خود انہیں بھی یاد نہ ہوں گے۔ رب تعالے قبول فرماوے۔

اعتراض نمبر ا۔ رب تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

فَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَلَیْسَ	اور جب تم زمین میں سفر کرو تو تم پر گناہ

عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوۃِ اِنْ یَّفْتِنَکُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا۔

نہیں کہ بعض نمازیں قصر سے پڑھو اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ کافر تمہیں ایذا دیں گے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ سفر میں قصر فرض نہیں۔ بلکہ اس کی اجازت ہے۔ کیونکہ ارشاد باری ہوا کہ تم پر قصر میں گناہ نہیں، نہ قصر پڑھنے میں گناہ ہے، نہ قصر نہ پڑھنے میں۔

جواب - اس اعتراض کے چند جواب ہیں، ایک یہ کہ یہ آیت ظاہری معنی سے تمہارے بھی خلاف ہے کیونکہ یہاں قصر کے لیئے کفار کے خوف کی شرط ہے، کہ اگر تمہیں کفار سے خوف ہو تو قصر میں گناہ نہیں، اور تم کہتے ہو کہ امن کے سفر میں بھی قصر کی اجازت ہے، اب جو تم جواب دو گے وہ ہی ہمارا جواب ہے،

دوسرے یہ کہ یہ لَا جُنَاحَ حاجی کے صفا مروہ کی سعی کے بارے میں بھی ارشاد ہوا ہے رب فرماتا ہے۔

فَمَنْ حَجَّ الْبَیْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِ اَنْ یَّطَّوَّفَ بِهِمَا

تو جو بیت اللہ کا حج یا عمرہ کرے، اس پر اس میں گناہ نہیں کہ صفا و مروہ کا طواف کرے۔

حالانکہ صفا مروہ کا طواف حج میں واجب ہے عمرہ میں فرض ایسے ہی سفر میں قصر فرض ہے لاجناح فرضیت کے خلاف نہیں۔

تیسرے یہ کہ اگر سفر میں قصر صرف مباح ہوتا تو قرآن کریم یوں ارشاد فرماتا کہ تم پر قصر نہ کرنے میں گناہ نہیں، کیونکہ مباح کی پہچان یہ ہے کہ اس کے کرنے اور نہ کرنے میں گناہ نہیں، ورنہ فرض کام کرنے میں گناہ نہیں ہوتا، بلکہ اس کے نہ کرنے میں گناہ ہوتا ہے۔ لہذا کرنے میں گناہ نہ ہونا مباح ہونے کی دلیل نہیں، فرض واجب بھی ایسے ہی ہوتے ہیں، چوتھے یہ کہ زمانہ نبوی میں صحابہ کرام کو خیال ہوا کہ بجائے چار رکعت کے دو رکعتیں پڑھنا گناہ ہوگا کہ یہ نماز ناقص ہے انہیں سمجھانے کے لیئے یہ ارشاد ہوا لہذا آیت بالکل واضح ہے۔ تمہارے لیئے مفید نہیں۔

اعتراض نمبر ۲ ۔ شرح سنہ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔

قَالَتْ کُلَّ ذٰلِكَ قَدْ فَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ

فرماتی ہیں کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَقْصُرُ الصَّلٰوةَ وَاَتَمَّ۔	سب کچھ کیا، قصر بھی کیا اور پوری نماز بھی پڑھی۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سفر میں قصر بھی سنت ہے اور پوری پڑھنی بھی سنت، صرف قصر فرض نہیں،

جواب:۔ اس اعتراض کے چند جوابات ہیں۔

ایک یہ کہ اس کی اسناد میں ابراہیم ابن یحییٰ ہے، جو تمام محدثین کے نزدیک ضعیف ہے۔ لہٰذا یہ حدیث بالکل قابل عمل نہیں، دیکھو مرقات شرح مشکوٰۃ اسی حدیث کی شرح۔

دوسرے یہ کہ یہ حدیث ان تمام احادیث کے مخالف ہے۔ جو ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے کہ جلیل القدر صحابہ فرماتے ہیں۔ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمیشہ سفر میں دو رکعتیں ہی پڑھیں۔

تیسرے یہ کہ یہ حدیث خود ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت کے بھی خلاف ہے جو ہم نے پہلی فصل میں پیش کی، آپ فرماتی ہیں، کہ اولاً نماز دو دو رکعت فرض ہوئی پھر سفر میں وہ ہی دو رکعتیں فرض رہیں وطن میں بعض نمازوں میں زیادتی کر دی گئی، یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ سفر میں دو رکعتیں فرض بھی ہوں۔ اور کبھی حضور علیہ السلام نے چار رکعت بھی پڑھ لی ہوں، لہٰذا یہ حدیث واجب التاویل ہے۔

چوتھے یہ کہ اس حدیث میں لفظ سفر نہیں، یعنی آپ نے یہ نہ فرمایا کہ حضور علیہ السلام نے سفر میں قصر و اتمام فرمایا، لہٰذا حدیث کے معنے یہ ہیں، کہ حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم نے شروع اسلام میں اولاً قصر یعنی ہر نماز دو دو رکعت پڑھی، پھر جب رکعتیں بڑھا دی گئیں کہ بعض چار رکعت کر دی گئیں اور بعض تین تو حضور علیہ السلام نے اتمام فرمایا یعنی دو سے زیادہ پڑھیں، اس صورت میں یہ حدیث بالکل واضح بھی ہو گئی اور گزشتہ احادیث کے خلاف بھی نہ رہی

پانچویں یہ کہ اگر یہاں حالت سفر میں قصر و اتمام مراد، تب بھی مطلب یہ ہو گا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بحالت سفر قصر پڑھی، اور جب کہیں پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت فرمائی، تو اتمام فرمایا اب بھی حدیث بالکل واضح ہے۔

لطیفہ عجیبہ ۔ غیر مقلد وہابی ہمیشہ حنفیوں سے مسلم بخاری کی حدیث کا مطالبہ

کیا کرتے ہیں، اگر جب انہیں خود حدیث پیش کرنا پڑے، تو بخاری مسلم کی ہو، یا نہ ہو، صحیح ہو یا ضعیف ہر قسم کی حدیث پیش کر دینے سے شرم نہیں کرتے۔

یہ حدیث ایسی ضعیف ہے، کہ اسے صحاح ستہ نے روایت نہ کیا، امام ترمذی نے بھی اس حدیث کا ذکر تک نہ کیا، بلکہ وہ بھی یہ کہنے پر مجبور ہوئے کہ قصر تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرات خلفائے راشدین سے ثابت ہے، اتمام صرف عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا اپنا فعل ہے، چنانچہ امام ترمذی قصر نماز کے باب میں ارشاد فرماتے ہیں۔

وَقَدْ صَحَّ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ کَانَ یَقْصُرُ فِی السَّفَرِ وَاَبُوْبَکْرٍ وَعُمَرُ وَعُثْمَانُ صَدْرًا مِّنْ خِلَافَتِہٖ وَالْعَمَلُ عَلٰی ھٰذَا عِنْدَ اَکْثَرِ اَھْلِ الْعِلْمِ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَغَیْرِھِمْ۔

حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے صحیح حدیث یہ ہی ثابت ہے کہ آپ ہمیشہ سفر میں قصر کرتے تھے اور ابوبکر صدیق بھی عمر فاروق بھی حضرت عثمان بھی اپنی شروع خلافت میں اور اسی پر ہی اکثر علماء صحابہ وغیر صحابہ کا عمل ہے۔

اور سفر میں اتمام کے متعلق امام ترمذی نہایت ضعیف طریقے سے فرماتے ہیں

وَقَدْ رُوِیَ عَنْ عَائِشَۃَ اَنَّھَا کَانَتْ تُتِمُّ الصَّلٰوۃَ فِی السَّفَرِ۔

ہاں عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے روایت ہے آپ سفر میں اتمام فرماتی تھیں۔

اگر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کی وہ مرفوع حدیث قابلِ اعتبار ہوتی جو تم نے پیش کی۔ تو امام ترمذی حدیث مرفوع کو چھوڑ کر صرف عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے عمل شریف کا ذکر نہ فرماتے۔

پُر لطف بات وہ ہے جو آگے فرماتے ہیں۔

وَالْعَمَلُ عَلٰی مَا رُوِیَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاَصْحَابِہٖ۔

عمل اس پر ہے جو حضور صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ سے مروی ہے یعنی قصر

امام ترمذی کے اس فرمان سے معلوم ہوتا ہے، کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا بھی قصر و اتمام دونوں کا اختیار نہ دیتی تھیں، بلکہ آپ ہمیشہ سفر میں اتمام فرماتی تھیں۔ اہل علم

نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فعل شریف پر عمل کیا یعنی ہمیشہ قصر پڑھنا۔
اعتراض نمبر ۳۔ نسائی و دارقطنی اور بیہقی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے روایت کی۔

قَالَتْ خَرَجْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ عُمْرَۃِ رَمَضَانَ فَطَرَ وَصُمْتُ وَقَصَرَ وَاَتْمَمْتُ فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَصَرْتَ وَاَتْمَمْتُ وَاَفْطَرْتَ وَصُمْتُ قَالَ اَحْسَنْتِ یَا عَائِشَۃُ وَمَا عَابَ عَلَیَّ۔

فرماتی ہیں کہ میں حضور صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے ساتھ رمضان کے عمرہ میں گئی تو آپ نے روزہ نہ رکھا میں نے رکھا، آپ نے نماز قصر پڑھی۔ میں نے پوری پڑھی یعنی اتمام کیا۔ تو میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ نے قصر کیا، میں نے پوری پڑھی، آپ نے افطار کیا، میں نے روزہ رکھا فرمایا اے عائشہ تم نے اچھا کیا مجھ پر اعتراض نہ کیا

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سفر میں قصر بھی جائز ہے اور اتمام بھی۔
جواب۔ یہ حدیث ضعیف ہی نہیں بلکہ محض غلط اور بناوٹی ہے، کیونکہ حضور انور صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے کوئی عمرہ رمضان میں نہ کیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کل چار عمرے کیئے ہیں، جو سب کے سب ذی قعدہ میں تھے، البتہ حجۃ الوداع کے عمرہ کا احرام تو ذی قعدہ میں تھا، اور افعال عمرہ ذی الحجۃ میں ادا ہوئے۔ خصوصًا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کا رمضان کے عمرہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ہونا ایسا عجیب اور پیچیدہ مسئلہ ہے جسے وہابی صاحبان ہی حل فرما سکتے ہیں، وہابیو! پہلے اپنی بات عقل کی ترازو میں تولو، بعد کو بولو

اعتراض نمبر ۴۔ مسلم و بخاری نے حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ صَلّٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِمِنًی رَکْعَتَیْنِ وَاَبُوْبَکْرٍ وَعُمَرُ بَعْدَ اَبِیْ بَکْرٍ وَعُثْمَانُ صَدْرًا مِّنْ خِلَافَتِہٖ ثُمَّ اِنَّ عُثْمَانَ صَلّٰی بَعْدُ اَرْبَعًا فَکَانَ ابْنُ عُمَرَ اِذَا صَلّٰی مَعَ

فرماتے ہیں کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے منی میں دو رکعتیں پڑھیں۔ ابوبکر صدیق نے ان کے بعد عمر فاروق نے اور عثمان غنی نے اپنی شروع خلافت میں، پھر حضرت عثمان نے چار رکعتیں منی میں پڑھیں، حضرت ابن عمر جب امام کے

اَلْاِمَامِ صَلّٰى اَرْبَعًا وَاِذَا صَلّٰى وَحْدَهٗ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ	ساتھ پڑھتے تو چار پڑھتے، جب اکیلے پڑھتے تو دو پڑھتے تھے۔

اگر سفر میں قصر فرض اور اتمام ناجائز ہوتا، تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالےٰ عنہ منیٰ شریف میں اتمام کیوں کرتے ؟۔

جواب ۔ اس کے چند جواب ہیں۔

ایک یہ کہ یہ حدیث آپ کے بالکل خلاف ہے، آپ نے تو مسافر کو قصر و اتمام کا اختیار دیا ہے، کہ چاہے قصر کرے، چاہے پوری پڑھے، مگر اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور انور صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے اور حضرت صدیق و فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہما نے ہمیشہ قصر پڑھی حضرت عثمان غنی نے اپنی شروع خلافت میں جب قصر پڑھی تو اتمام نہ کیا۔ پھر جب پوری پڑھنے لگے۔ تو کبھی قصر نہ پڑھی۔ اختیار کسی بزرگ نے نہ دیا۔ آپ کا یہ اختیار کہاں سے ثابت ہے۔

دوسرے یہ کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے صرف منیٰ شریف میں اتمام کیا عام سفروں میں نہیں، معلوم ہوا کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ بھی سفر میں اتمام کے قائل نہ تھے، کسی وجہ خاص سے صرف منیٰ شریف میں اتمام فرماتے تھے۔

تیسرے یہ کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا منیٰ میں اتمام فرمانا اس لیئے نہ تھا کہ آپ قصر و اتمام دونوں جائز مانتے تھے بلکہ اس کی وجہ کچھ اور تھی، کیا وجہ تھی، اس کے متعلق دو روائیتیں ہیں امام احمد ابن حنبل نے روایت کی، کہ جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے منیٰ میں چار رکعت پڑھیں، تو لوگوں نے اس کا انکار کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں مکہ معظمہ میں اہل والا ہو گیا ہوں، اور میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فرماتے سنا ہے، کہ جو کوئی کسی شہر میں گھر والا ہو جاوے، وہ وہاں مقیم کی نماز پڑھے، چنانچہ مسند امام احمد کی حدیث کے آخری الفاظ یہ ہیں

اَنَّهٗ صَلّٰى بِمِنًى اَرْبَعَ رَكَعَاتٍ فَاَنْكَرَ النَّاسُ عَلَيْهِ فَقَالَ اَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ	حضرت عثمان نے منیٰ شریف میں چار رکعت پڑھیں تو لوگوں نے آپ پر اعتراض کیا تو آپ

تَاَهَّلْتُ بِمَكَّةَ مُنْذُ قَدِمْتُ وَاِنِّي سَمِعْتُ الخ (مرقاة۔ فتح القدير)	نے فرمایا کہ جب سے میں مکہ معظمہ میں آیا، میں گھروالا ہو گیا ہوں۔

اس روایت سے تین مسئلہ معلوم ہوئے۔ ایک یہ کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے صرف منیٰ میں چار رکعتیں پڑھیں، ہر سفر میں نہیں، دوسرے یہ کہ عام صحابہ نے آپ کے اس فعل پر اعتراض کیا۔ جس سے پتہ لگا کہ تمام صحابہ ہمیشہ سفر میں قصر ہی کرتے تھے، اتمام کبھی نہ کرتے تھے، ورنہ آپ پر اعتراض نہ کرتے، تیسرے یہ کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے مکہ معظمہ میں زمین خریدلی، وہاں مکان بنوالیا، وہاں اپنی ایک بیوی کو رکھا۔ اس لیئے مکہ معظمہ آپ کا ایک قسم کا وطن بن گیا، اور اپنے وطن میں اگر کوئی ایک دن کے لیئے بھی جائے تو مقیم ہوگا، اور قصر نہ پڑھے گا، پوری نماز پڑھے گا، لہٰذا حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا یہ عمل وہابیوں کے اس مسئلہ اختیار سے کوسوں دور ہے۔

دوسری روایت یہ ہے، کہ زمانہ عثمانی کے نو مسلم لوگوں نے حج میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو دو رکعت پڑھتے ہوئے دیکھ کر سمجھا، کہ اسلام میں نمازیں دو دو رکعتیں ہی فرض ہیں جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو اس غلط فہمی کا علم ہوا، تو آپ نے اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لیئے صرف منیٰ میں اتمام کیا، یعنی چار رکعتیں پڑھیں، چنانچہ عبدالرزاق اور دار قطنی نے ابن جریج سے روایت کی۔

بَلَغَنِي اَنَّهُ اَوْفَى اَرْبَعًا بِمِنًى فَقَطْ مِنْ اَجْلِ اَنَّ اَعْرَابِيًّا نَادَاهُ فِي مَسْجِدِ خَيْفٍ بِمِنًى يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ مَازِلْتُ اُصَلِّيْهَا رَكْعَتَيْنِ مُنْذُ رَأَيْتُكَ عَامَ الْاَوَّلِ صَلَّيْتَهَا رَكْعَتَيْنِ فَخَشِيَ عُثْمَانُ اَنْ يَظُنَّ جُهَّالُ النَّاسِ الصَّلٰوةَ رَكْعَتَيْنِ وَاِنَّمَا كَانَ اَوْفَاهَا بِمِنًى۔	مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے صرف منیٰ میں ہی چار رکعتیں پڑھیں، کیونکہ ایک دیہاتی نے مسجد خیف میں آپ کو پکار کر کہا کہ میں تو برابر دو رکعتیں ہی پڑھ رہا ہوں جب سے کہ سال گذشتہ میں نے آپ کو دو رکعتیں پڑھتے دیکھا، تو عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو خطرہ پیدا ہوا۔ کہ جہلاء نماز کی دو رکعتیں ہی سمجھ لیں گے اس لیئے آپ نے منیٰ میں چار رکعتیں پڑھیں۔

امام احمد اور عبدالرزاق کی یہ دونوں روایتیں اس طرح جمع کی جا سکتی ہیں، کہ جب حضرت عثمان غنی رضی

اللہ تعالےٰ عنہ کو لوگوں کی اس غلط فہمی کا علم ہوا تو آپ نے مکہ معظمہ میں بھی اپنا گھر بار بنا لیا تاکہ آپ یہاں آکر مقیم ہوا کریں اور نماز پوری پڑھا کریں۔

لہٰذا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اس فعل شریف سے وہابی غیر مقلد کسی طرح دلیل نہیں پکڑ سکتے۔

اعتراض نمبر ۵۔ جیسے شریعت نے مسافر کو روزہ کا اختیار دیا ہے کہ روزہ رکھے یا نہ رکھے مسافر پر سفر میں نہ روزہ رکھنا فرض ہے، نہ قضا کرنا فرض، ایسے ہی چاہیئے کہ مسافر کو سفر میں نماز کا اختیار ہو، کہ چاہے قصر کرے چاہے پوری پڑھے، اس پر قصر لازم کر دینا روزے کے اختیار کے خلاف ہے۔

جواب شکر ہے کہ آپ بھی قیاس کے قائل ہو گئے، کہ نماز کے قصر کو روزے کی قضا ہو پر قیاس کرنے لگے، مقلد حنفی قیاس کو مانیں تو تمہارے نزدیک مشرک ہو جائیں اور آپ قیاس کریں تو پختہ توحید یئے رہیں، افسوس۔

جناب روزہ سفر میں معاف نہیں ہوا، بلکہ مسافر کو روزہ قضا کر دینے کی اجازت ملی ہے، اگر سفر میں رکھے تو پورا، اگر قضا کرے تو پورے کی، لیکن فرض نماز سفر میں آدھی معاف ہو گئی ہے کہ چار رکعت والی نماز کی صرف دو رکعت باقی رہ گئیں، باقی دو رکعتیں نہ اب پڑھیئے نہ وطن پہنچ کر، معافی اور چیز ہے، تاخیر کی اجازت کچھ اور، لہٰذا نماز کے قصر کو روزے کی تاخیر پر قیاس کرنا مع الفارق ہے، مسافر پر روزہ معاف نہ ہوا، ورنہ اس کی قضا واجب نہ ہوتی، اس پر روزہ فرض ہے۔

مگر یہ دو رکعتیں اسے معاف ہیں، اس لیئے ان کی قضا نہیں لہٰذا یہ رکعتیں اس کے لیئے نفل ہیں، اور نفل نماز فرض کے تحریمہ سے ادا ہونا خلاف قاعدہ شرعیہ ہے۔

مسئلہ۔ مسافر پر فرض ہے کہ وطن میں پہنچتے ہی سفر کے رہے ہوئے روزوں کی قضاء شروع کر دے۔ اگر سفر میں آٹھ روزے قضا ہو گئے، پھر وطن پہنچ کر چار دن بعد فوت ہو گیا۔ تو قیامت میں ان چار روزوں کی پکڑ ہو گی، باقی چار روزوں پر پکڑ نہیں کہ ان کے قضا کرنے کا وقت ہی نہ پایا، یہ ہی بیمار اور حائضہ عورت کا حکم ہے، کہ شفا پاتے ہی روزوں کی قضا

شروع کردیں۔

اٹھارہواں باب ۱۸

نماز فجر اوجیالے میں پڑھو

حنفیوں کے نزدیک بہتر یہ ہے، کہ نماز فجر خوب اوجیالے میں پڑھی جاوے، جب سورج طلوع ہونے میں آدھ گھنٹہ باقی ہو، تو جماعت کھڑی ہو، گر غیر مقلد وہابیوں کے نزدیک نماز فجر بالکل اول وقت یعنی بہت اندھیرے میں پڑھنا چاہیئے۔ اس لیے ہم اس باب کی بھی دو فصلیں کرتے ہیں، پہلی فصل میں اس کا ثبوت، دوسری فصل میں اس پر سوالات مع جوابات

نوٹ ضروری: خیال رہے کہ مذہب حنفی میں دو نمازوں یعنی نماز مغرب اور موسم سرما کی ظہر کے سوا تمام نمازیں کچھ دیر سے پڑھنا افضل ہیں، نماز مغرب میں جلدی کرنا مستحب ہے۔ ایسے ہی سردی کے موسم میں نماز ظہر میں، اگر ہم کو اس کتاب کے طویل ہوجانے کا اندیشہ نہ ہوتا تو ہم ہر نماز کی تاخیر پر دلائل قائم کرتے، صرف نماز فجر کی تاخیر پر مکمل بحث کرتے ہیں۔ تاکہ ناظرین غور کریں، کہ مذہب حنفی کتنا پختہ اور مدلل ہے۔

پہلی فصل

نماز فجر میں اوجیالا باعث ثواب ہے

ہر زمانہ اور ہر موسم میں مستحب یہ ہے، کہ نماز فجر خوب روشنی ہوجانے پر پڑھی جاوے البتہ دسویں ذی الحجہ کو حاجی لوگ مزدلفہ میں فجر اندھیرے میں پڑھیں۔ اس پر بہت احادیث شاہد ہیں، جن میں سے بطور نمونہ کچھ پیش کی جاتی ہیں۔

نمبر ۱ تا ۸۔ ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، بیہقی، ابن حبان، ابوداؤد طیالسی وطبرانی نے کچھ فرق سے حضرت رافع ابن خدیج رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَسْفِرُوْا بِالْفَجْرِ فَاِنَّہٗ اَعْظَمُ لِلْاَجْرِ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ ھٰذَا حَدِیْثٌ صَحِیْحٌ

وہ فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ نماز فجر خوب اوجیالا کرکے پڑھو، کہ اس کا ثواب زیادہ ہے، ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

خیال رہے کہ اس حدیث میں اوجیالا کرنے سے مراد خوب اوجیالا کرنا ہے۔ جب کہ روشنی پھیل جاوے، یہ مطلب نہیں کہ فجر یقیناً ہو جاوے کیونکہ اس کے بغیر تو نماز ہوتی ہی نہیں جس اوجیالے سے ثواب زیادہ ہوتا ہے، وہ یہی روشنی ہے، جو ہم نے عرض کی۔

حدیث نمبر ۹ تا ۱۰۔ بخاری و مسلم نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ مَا رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَلّٰی صَلٰوۃً بِغَیْرِ وَقْتِھَا اِلَّا بِجَمْعٍ فَاِنَّہٗ جَمَعَ بَیْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ بِجَمْعٍ وَیُصَلِّیْ صَلٰوۃَ الصُّبْحِ مِنَ الْغَدِ قَبْلَ وَقْتِھَا۔

میں نے حضور صلے علیہ وسلم کو کبھی نہ دیکھا کہ آپ نے کوئی نماز غیر وقت میں پڑھی ہو سواء مزدلفہ کے کہ وہاں حضور نے مغرب وعشاء جمع فرمائی اور اس کی صبح نماز فجر اپنے وقت سے پہلے پڑھی۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم ہمیشہ فجر کی نماز خوب روشنی میں پڑھتے تھے، مگر مزدلفہ میں دسویں ذوالحجہ کو اندھیرے میں یعنی وقت معتاد سے پہلے اگر حضور ہمیشہ ہی اوّل وقت فجر پڑھتے ہوتے تو مزدلفہ میں پہلے پڑھنے کے کیا معنی۔ کیونکہ اس سے پہلے تو فجر کا وقت ہوتا ہی نہیں،

خیال رہے کہ مزدلفہ میں کوئی نماز اپنے وقت سے پہلے نہیں ہوتی، ہاں نماز مغرب عشاء کے وقت میں ادا ہوتی ہے، اور نماز فجر اپنے وقت میں اس پر ساری امت کا اتفاق ہے۔ اور اس حدیث کے یہ معنی نہیں کہ حضور نے نماز فجر وقت سے پہلے یعنی رات میں پڑھی، بلکہ روزانہ کے وقت معہود سے پہلے پڑھی اس معنی پر حدیث بالکل واضح ہے۔

نمبر ۱۱ تا ۱۴۔ ابوداؤد۔ طیالسی، ابن ابی شیبہ، اسحاق ابن راہویہ۔ طبرانی نے معجم میں حضرت رافع ابن خدیج سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِبِلَالٍ یَا بِلَالُ نَوِّرْ بِصَلٰوۃِ الصُّبْحِ حَتّٰی یُبْصِرَ الْقَوْمُ مَوَاقِعَ نَبْلِہِمْ مِنَ الْاِسْفَارِ

فرماتے ہیں، کہ حکم دیا حضور نے حضرت بلال کو فرمایا اے بلال نماز صبح میں اوجیالا کر لیا کرو، یہاں تک کہ لوگ اوجیالے کی وجہ سے اپنے پھینکے ہوئے تیر گرنے کی جگہ دیکھ لیا کریں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم نے نماز فجر ایسے وقت پڑھنے کا حکم دیا۔ جبکہ تیر انداز اپنے تیر گرنے کی جگہ کا مشاہدہ کر سکے اور یہ جب ہی ہو سکتا ہے۔ جب خوب روشنی پھیل جاوے۔

حدیث نمبر ۱۵۔ دیلمی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ نَوَّرَ بِالْفَجْرِ نَوَّرَ اللّٰہُ فِیْ قَبْرِہٖ وَ قَلْبِہٖ وَقِیْلَ فِیْ صَلٰوتِہٖ

فرماتے ہیں۔ کہ فرمایا نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے جو نماز فجر روشنی میں پڑھے اللہ تعالیٰ اس کی قبر اور اس کے دل میں روشنی کرے ایک روایت میں ہے، کہ اس کی نماز میں روشنی کرے۔

حدیث نمبر ۱۶ تا ۱۷۔ طبرانی نے اوسط میں اور بزار نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تَزَالُ اُمَّتِیْ عَلَی الْفِطْرَۃِ مَا اَسْفَرَ بِصَلٰوۃِ الْفَجْرِ۔

فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے میری امت دین فطرت پر رہے گی جب تک کہ نماز فجر اوجیالے میں پڑھے۔

حدیث نمبر ۱۸ تا ۲۳۔ طحاوی۔ بخاری۔ مسلم۔ ابوداؤد۔ نسائی۔ ابن ماجہ نے تھوڑے سے فرق سے حضرت یسار ابن سلامہ سے روایت کی۔

قَالَ دَخَلْتُ مَعَ اَبِیْ عَلٰی اَبِیْ بَرْزَۃَ یَسْئَلُہٗ اَبِیْ عَنْ صَلٰوۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ کَانَ یَنْصَرِفُ مِنَ

میں اپنے والد کے ساتھ حضرت ابوبرزہ صحابی کے پاس گیا، میرے والد ان سے حضور کی نماز متعلق پوچھتے تھے، تو انہوں نے فرمایا کہ حضور

صَلٰوةِ الصُّبْحِ وَالرَّجُلُ يَعْرِفُ وَجْهَ جَلِيْسِهٖ وَكَانَ يَقْرَأُ فِيْهَا بِالسِّتِّيْنَ اِلَى الْمِائَةِ

نماز صبح سے اس وقت فارغ ہوتے تھے جب ہر شخص اپنے ساتھی کا چہرہ پہچان لیتا تھا حالانکہ حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم ساٹھ سے سو آیتوں تک پڑھتے تھے

حدیث نمبر ۲۴ - طحاوی شریف نے حضرت عبد الرحمٰن ابن یزید سے روایت کی۔

قَالَ كُنَّا نُصَلِّى مَعَ ابْنِ مَسْعُوْدٍ فَكَانَ يُسْفِرُ بِصَلٰوةِ الصُّبْحِ

فرماتے ہیں، کہ ہم عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھ فجر کی نماز پڑھتے تھے، آپ خوب اجیالے میں نماز پڑھتے تھے۔

حدیث نمبر ۲۵ - بیہقی نے سنن کبریٰ میں ابو عثمان نہدی سے روایت کی۔

قَالَ صَلَّيْتُ خَلْفَ عُمَرَ الْفَجْرَ فَمَا سَلَّمَ حَتّٰى ظَنَّ الرِّجَالُ ذَوُو الْعُقُوْلِ اَنَّ الشَّمْسَ طَلَعَتْ فَلَمَّا سَلَّمَ قَالُوْا يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ كَادَتِ الشَّمْسُ تَطْلُعُ قَالَ فَتَكَلَّمَ بِشَيْئٍ لَمْ اَفْهَمْهُ فَقُلْتُ اَىَّ شَيْئٍ قَالَ قَالُوْا لَوْ طَلَعَتِ الشَّمْسُ لَمْ تَجِدْنَا غَافِلِيْنَ۔

فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر کے پیچھے نماز فجر پڑھی، تو آپ نے نہ سلام پھیرا یہاں تک کہ عقل والے لوگوں نے سمجھا کہ سورج نکل آیا جب آپ نے سلام پھیرا تو لوگوں نے عرض کیا کہ اے امیر المومنین سورج نکلنے ہی والا ہے، آپ نے کچھ فرمایا جو میں نہ سمجھ سکا۔ میں نے لوگوں سے پوچھا کہ حضرت عمر نے کیا فرمایا لوگوں نے بتایا کہ یہ فرمایا اگر سورج نکل آتا تو ہم کو غافل نہ پاتا۔

حدیث نمبر ۲۶ - بیہقی نے سنن کبریٰ میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ صَلّٰى بِنَا اَبُوْبَكْرٍ صَلٰوةَ الصُّبْحِ فَقَرَأَ اٰلَ عِمْرَانَ فَقَالُوْا كَادَتِ الشَّمْسُ تَطْلُعُ قَالَ لَوْ طَلَعَتْ لَمْ تَجِدْنَا غَافِلِيْنَ۔

فرماتے ہیں، کہ ہم کو ابو بکر صدیق نے نماز فجر پڑھائی اس میں سورہ آل عمران پڑھی لوگوں نے کہا کہ سورج نکلنے کے قریب ہے آپ نے فرمایا کہ اگر نکل آتا تو ہمکو غافل نہ پاتا۔

حدیث نمبر ۲۷ تا ۲۸ - طحاوی اور ملا خسرو محدث نے اپنی مسند میں امام اعظم ابو حنیفہ

سے انہوں نے حماد سے انہوں نے ابراہیم نخعی سے روایت کی۔

قَالَ مَا اجْتَمَعَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلٰی شَیْءٍ کَاجْتِمَاعِہِمْ عَلَی التَّنْوِیْرِ فِی الْفَجْرِ وَالتَّعْجِیْلِ فِی الْمَغْرِبِ قَالَ الطَّحَاوِیُ لَا یَصِحُّ اَنْ یُّجْتَمِعُوْا عَلٰی خِلَافِ مَاکَانَ عَلَیْہِ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔

فرماتے ہیں کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کسی مسئلہ پر ایسے متفق نہ ہوئے جیسے نماز فجر کی روشنی اور نماز مغرب کی جلدی پر متفق ہوئے امام طحاوی فرماتے ہیں، کہ یہ ناممکن ہے، کہ صحابہ کرام حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے خلاف عمل پر متفق ہو جاویں۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر صدیق و عمر فاروق خوب اوجیالے میں نماز فجر پڑھتے تھے، حتی کہ لوگوں کو سورج نکل آنے کا شبہ ہو جاتا تھا اور صحابہ کرام کا متفقہ عمل اس پر تھا، کہ نماز فجر خوب روشنی میں پڑھی جاوے۔

حدیث نمبر ۲۹۔ طحاوی شریف نے حضرت علی ابن ربیعہ سے روایت کی۔

قَالَ سَمِعْتُ عَلِیًّا یَقُوْلُ یَا قَنْبَرُ اَسْفِرْ اَسْفِرْ۔

فرماتے ہیں، میں نے حضرت علی مرتضے کو فرماتے ہوئے سنا کہ فرماتے تھے۔ اے قنبر اوجیالا کرو اوجیالا کرو۔

معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خوب اوجیالے میں نماز فجر پڑھتے تھے جیسا کہ اَسْفِرْ دوبار فرمانے سے معلوم ہوتا ہے۔

ہم نے یہاں یہ انتیس حدیثیں بطور نمونہ پیش کیں۔ اگر زیادہ تحقیق مقصود ہو تو طحاوی شریف اور صحیح البہاری شریف کا مطالعہ فرماؤ۔ بہرحال پتہ لگا کہ اوجیالے میں فجر پڑھنا سنت رسول اللہ سنتِ صحابہ اور صحابہ کرام کا اتفاقی عمل ہے۔

عقل کا تقاضا بھی یہ ہے کہ فجر کی نماز اوجیالے میں پڑھی جاوے چند وجہ سے ایک یہ کہ فجر کے لغوی معنی ہیں اوجیالا اور روشنی، لہذا نماز فجر اوجیالے میں پڑھنے سے کام نام کے مطابق ہو گا۔ اور اندھیرے میں پڑھنا۔ نام کے مخالف ہے۔ دوسرے یہ کہ اوجیالے

میں نماز پڑھنا زیادتی جماعت کا ذریعہ ہے، کیونکہ اکثر مسلمان صبح کو دیر سے اٹھتے ہیں۔ اگر جلدی بھی اٹھیں تو اس وقت استنجاء بعض کو غسل وضو کرنا، سنتیں پڑھنا ہوتا ہے بعض لوگ اس وقت سنتوں کے بعد استغفار اور کچھ اعمال اذکار کرتے ہیں۔ اوّل وقت فجر کی جماعت کر لینے میں بہت سے لوگ جماعت سے یا تکبیر اولیٰ سے رہ جاتے ہیں۔ اوجیالے میں پڑھنے سے تمام نمازی بخوبی جماعت کی تکبیر اولیٰ میں شرکت کر سکتے ہیں دیکھو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ کو درازِ قرأت سے اس لیئے منع فرمادیا تھا کہ ان کے مقتدیوں پر بار ہوتی تھی۔ جس چیز سے جماعت گھٹ جاوے اس سے پرہیز کرنا بہتر ہے جو جماعت کی زیادتی کا سبب ہو، وہ بہتر ہے اندھیرا جماعت کی کمی کا سبب ہے۔ اسفار جماعت کی زیادتی اور مسلمانوں کی آسانی کا ذریعہ لہٰذا اسفار بہتر ہے۔ تیسرے یہ کہ اندھیرے میں مسلمانوں کو مسجد میں آنا دشوار ہوگا۔ اوجیالے میں آسان چنانچہ حضرت عمر کو جب اندھیرے میں عین نماز کی حالت میں شہید کیا گیا، تو صحابہ کرام نے فجر میں بہت اوجیالا کرنے کا اہتمام کیا۔ دیکھو۔ طحاوی شریف صحیح البخاری اور ابن ماجہ وغیرہ۔

چوتھے یہ کہ نماز فجر کو چند امور میں نماز مغرب سے مناسبت ہے۔ مغرب رات کی پہلی نماز ہے فجر دن کی پہلی نماز۔ مغرب کاروبار بند ہونے کا وقت ہے، فجر کاروبار کھلنے کا وقت مغرب نیند کا فجر بیداری کا پیش خیمہ ہے، ہمیشہ وقت فجر وقت مغرب کے برابر ہوتا ہے یعنی جس زمانہ میں جتنا وقت مغرب کا ہوگا۔ اتنا ہی فجر کا جب نماز فجر نماز مغرب کے مناسب ہوئی، تو جیسے نماز مغرب اوجیالے میں پڑھنا افضل ہے، ایسے ہی نماز فجر اوجیالے میں پڑھنا بہتر ہے

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراض و جواب

"تا خبر فجر پر اب تک وہابیوں غیر مقلدوں کی طرف سے جس قدر اعتراضات ہم کو معلوم ہو سکے، وہ ہم تفصیل وار مع جواب عرض کرتے ہیں، اگر بعد میں اور کوئی اعتراض معلوم ہوا۔ تو

انشاء اللہ تیسرے اڈیشن میں اس کا جواب بھی دے دیا جائے گا۔
اعتراض نمبر ۱۔ ترمذی شریف میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔
اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ یَا عَلِیُّ ثَلٰثٌ لَا تُؤَخِّرْھَا اَلصَّلٰوۃُ اِذَا اَتَتْ وَالْجَنَازَۃُ اِذَا حَضَرَتْ وَالْاَیِّمُ اِذَا وَجَدْتَ لَھَا کُفُوًا۔
کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا اے علی تین چیزوں میں دیر نہ لگاؤ۔ نماز جب اس کا وقت آجاوے، جنازہ جب حاضر ہو لڑکی کا نکاح جب اس کے لئے کفو مل جاوے۔
نیز ابھی ترمذی میں سیدنا عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔
قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْوَقْتُ الْاَوَّلُ مِنَ الصَّلٰوۃِ رِضْوَانُ اللّٰہِ وَالْوَقْتُ الْاٰخِرُ عَفْوُ اللّٰہِ۔
فرماتے ہیں، کہ فرمایا حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ نماز کا اول وقت رب کی رضا و خوشنودی ہے اور نماز کا آخر وقت اللہ تعالےٰ کی معافی ہے۔
ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ ہر نماز اوّل وقت پڑھنی چاہیئے۔ حنفی لوگ فجر دیر میں پڑھ کر رب تعالےٰ کی رضامندی سے محروم ہیں۔
جواب۔ اس اعتراض کے چند جواب ہیں، ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے، کیونکہ تم بھی نماز عشاء اور گرمیوں کی ظہر میں تاخیر مستحب و بہتر جانتے ہو تم بھی خدا کی خوشنودی سے محروم ہو جو تمہارا جواب ہے، وہ ہی ہمارا۔
دوسرے یہ کہ ان حدیثوں میں اوّل وقت سے وقت مستحب کا اول مراد ہے، نہ کہ مطلق وقت کا اوّل یعنی جب نماز کا مستحب وقت شروع ہو جائے تب دیر نہ لگاؤ۔ نماز فجر میں روشنی ہی اوّل وقت ہے جیسے نماز عشاء کے لئے تہائی رات اول وقت ہے۔
اعتراض نمبر ۲۔ مسلم بخاری اور تمام محدثین نے روایت کی کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم ہمیشہ نماز فجر غلس یعنی اندھیرے میں پڑھتے تھے، لہٰذا حنفیوں کا دیر سے فجر پڑھنا سنت کے خلاف ہے۔
جواب۔ اس اعتراض کے بھی دو جواب ہیں، ایک یہ کہ غلس کے معنی ہیں، اندھیرا خواہ وقت کے اعتبار سے اندھیرا ہو یا مسجد کا اندھیرا حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز فجر روشنی میں

ہی پڑھتے تھے۔

گر مسجد میں اندھیرا ہوتا تھا۔ کیونکہ مسجد نبوی شریف بہت گھری بنی ہوئی تھی۔ چھت میں روشندان وغیرہ نہ تھے، اب بھی اگر مسجد میں روشندان نہ ہوں تو اندر بہت اندھیرا رہے کیونکہ بہت گھری بنی ہوئی ہے۔ صحن دور ہے، اس صورت میں یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں جو ہم پہلی فصل میں پیش کر چکے۔ دوسرے یہ کہ اگر غلس سے صبح کا اندھیرا ہی مراد ہو تو یہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا فعل شریف ہے۔ اور قول شریف وہ ہے، جو ہم پہلی فصل میں بتا چکے ہیں، یعنی حضور نے اندھیرے میں فجر پڑھی گر ہم کو اوجیالے میں پڑھنے کا حکم دیا۔ اور جب حدیث قولی و فعلی میں تعارض معلوم ہو تو حدیث قولی کو ترجیح ہوتی ہے، کیونکہ فعلی حدیث میں خصوصیت کا احتمال ہے دیکھو، سرکار نے خود نو بیویاں نکاح میں رکھیں، گر ہم کو چار بیویوں کی اجازت دی۔ ہم حکم پر عمل کر کے صرف چار بیویاں رکھ سکتے ہیں، آپ کے فعل پر عمل نہ کریں گے۔ یہ قاعدہ یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ قول عمل پر راجح ہے۔

تیسرے یہ کہ ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے کہ عام صحابہ کرام اوجیالے میں فجر پڑھتے تھے، حالانکہ انہوں نے حضور کا یہ عمل شریف دیکھا تھا، معلوم ہوا کہ حدیث قولی کو ترجیح دے کر اس پر عمل کرتے تھے۔ دوسری حدیث کو لائق عمل نہ سمجھتے تھے۔

چوتھے یہ کہ نماز فجر کا اندھیرے میں ہونا قیاس شرعی کیخلاف ہے، اوجیالے میں ہونا قیاس کے مطابق لہٰذا اوجیالے والی حدیث کو ترجیح ہو گی۔ کیونکہ جب احادیث میں تعارض ہو تو اس حدیث کو ترجیح ہوتی ہے، جو مطابق قیاس ہو۔

دیکھو ایک حدیث میں ہے۔ اَلْوُضُوْءُ مِمَّا مَسَّتْهُ النَّارُ آگ کی پکی چیز کھانے سے وضو واجب ہوتا ہے، دوسری حدیث میں ہے کہ حضور نے کھانا کھا کر نماز پڑھ لی وضو نہ کیا۔ پہلی حدیث خلاف قیاس ہے۔ دوسری مطابق قیاس لہٰذا دوسری حدیث کو ترجیح ہوئی پہلی حدیث کی تاویل کی گئی کہ وہاں وضو سے مراد کھانا کھا کر ہاتھ دھونا، کلی کرنا ہے، ایسے ہی یہاں تاویل کی جاوے کہ غلس سے مراد مسجد کا اندھیرا ہے، نہ کہ وقت کا بہر حال ترجیح روشنی کی حدیث کو ہے۔

ہمارا اعلان ہے کہ کوئی وہابی صاحب ایسی مرفوع حدیث پیش کریں جس میں فجر اندھیرے میں پڑھنے کا حکم دیا گیا ہو۔ جیسے ہم نے اوجیالے میں فجر پڑھنے کی ایک دو نہیں، بہت احادیث پیش کردیں، جن میں اس کا حکم دیا گیا ہے۔

پانچویں یہ کہ اندھیرے کی تمام احادیث بیان جواز کے لیئے ہیں اور اوجیالے کی تمام احادیث بیان استحباب کے لیئے، لہٰذا دونوں حدیثیں موافق ہیں۔ مخالف نہیں یعنی اندھیرے میں فجر پڑھنا جائز ہے۔ کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس پر عمل فرمایا اور اوجیالے میں فجر پڑھنا مستحب ہے۔ کیونکہ حضور علیہ السلام نے اس کا حکم دیا۔

اعتراض نمبر ۳۔ مسلم و بخاری نے حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی۔

قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الصُّبْحَ فَتَنْصَرِفُ النِّسَاءُ مُتَلَفِّعَاتٍ بِمُرُوْطِهِنَّ مَا يُعْرَفْنَ مِنَ الْغَلَسِ۔

فرماتی ہیں کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نماز صبح سے ایسے وقت فارغ ہوتے تھے کہ عورتیں اپنی چادروں میں لپٹی ہوئی مسجد سے واپس ہوتیں اور اندھیرے کی وجہ سے پہچانی نہیں جاتی تھیں

معلوم ہوا کہ نماز فجر اتنی جلدی شروع کرنا سنت ہے کہ جب ساٹھ یا سو آئتیں پڑھ کر نماز سے فارغ ہو، تو کوئی نمازی اندھیرے کی وجہ سے پہچانا نہ جا سکے۔ حنفی اتنا اوجیالا کرکے فجر پڑھتے ہیں، کہ شروع نماز کے وقت ہی لوگ پہچانے جاتے ہیں۔ ان کا یہ عمل سنت کے خلاف ہے۔

جواب:۔ اس کے جوابات اعتراض ۲ کے جواب میں گذر چکے کہ یا تو یہ مسجد کا اندھیرا ہوتا تھا نہ کہ وقت کا، یا اس عمل شریف پر حضور علیہ السلام کے فرمان اور حکم کو ترجیح ہے، وغیرہ، یہاں ایک جواب اور بھی ہوسکتا ہے، وہ یہ کہ حضور علیہ السلام کے زمانہ شریف میں عورتوں کو جماعت نماز میں حاضری کا حکم تھا، ان کے لحاظ سے نماز فجر جلدی پڑھی جاتی تھی، کہ وہ بیویاں پردہ سے گھر چلی جاویں، پھر عہد فاروقی میں عورتوں کو مسجد سے روک دیا گیا، تو یہ رعایت بھی ختم ہوگئی، عورتوں کو جماعت سے روکنے کی پوری تحقیق اور

اس کی وجہ ہماری کتاب اسلامی زندگی میں ملاحظہ کرو۔

اعتراض نمبر ۴ :- ترمذی شریف نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے روایت کی۔

قَالَتْ مَا صَلَّى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةً لِوَقْتِهَا الْاٰخِرِ مَرَّتَيْنِ حَتّٰى قَبَضَهُ اللّٰهُ۔

فرماتی ہیں کہ حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم نے دو دفعہ بھی کوئی نماز آخر وقت میں نہ پڑھی یہاں تک کہ رب نے آپ کو وفات دی۔

اس سے معلوم ہوا کہ تمام نمازیں خصوصًا نمازِ فجر اول وقت پڑھنا حضور علیہ السلام کی دائمی سنت ہے، یہ حکم منسوخ نہ ہوا، حضور علیہ السلام نے آخر حیات شریف تک اس پر عمل کیا افسوس کہ حنفی ایسی دائمی سنت سے محروم ہیں، جو حضور علیہ السلام نے ہمیشہ کی۔

جواب :- اس اعتراض کے چند جواب ہیں، ایک یہ کہ یہ حدیث صحیح بھی نہیں، اور اس کی اسناد متصل بھی نہیں، کیونکہ اس حدیث کو اسحاق ابن عمر نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے روایت کیا، اور اسحاق ابن عمر نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے کبھی ملاقات نہ کی، لہٰذا درمیان میں راوی رہ گیا ہے۔

اس لئے امام ترمذی نے اس حدیث کے ساتھ فرمایا۔

قَالَ اَبُوْ عِيْسٰى هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَلَيْسَ اِسْنَادُهٗ بِمُتَّصِلٍ۔

ابو عیسےٰ نے فرمایا کہ یہ حدیث غریب ہے اور اس کی اسناد متصل نہیں۔

اس کے حاشیہ میں ہے۔

لِاَنَّهٗ لَمْ يَثْبُتْ مُلَاقَاةُ اِسْحٰقَ مَعَ عَائِشَةَ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا)

کیونکہ اسحاق کی ملاقات حضرت عائشہ صدیقہ سے ثابت نہ ہوئی

لہٰذا یہ حدیث قابلِ عمل نہیں، افسوس ہے کہ وہابی ہم سے تو بالکل صحیح اور ٹکسالی حدیث کا مطالبہ کرتے ہیں، اور خود ایسی ضعیف اور ناقابل عمل حدیثیں پیش کر دینے میں تامل نہیں کرتے۔

دوسرے یہ کہ یہ حدیث بہت احادیث کے خلاف ہے، کیونکہ حضور صلے اللہ

علیہ وسلم نے بہت دفعہ نمازیں آخر وقت پڑھی ہیں، جب حضرت جبریل نماز کے اوقات عرض کرنے آئے، تو انہوں نے دو دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نمازیں پڑھائیں، پہلے دن تمام نمازیں اول وقت میں، دوسرے دن آخر وقت میں ایک دفعہ ایک شخص نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے نماز کے اوقات پوچھے تو آپ نے اسے دو دن اپنے پاس ٹھہرایا، ایک دن نمازیں اول وقت میں پڑھائیں دوسرے دن آخر وقت، تعریس کی رات میں حضور علیہ السلام نے فجر کی نماز قضا پڑھی، غزوہ خندق میں حضور علیہ السلام نے کئی نمازیں قضاء کر کے پڑھیں، عام طور پر سفر میں حضور علیہ السلام نماز ظہر آخر وقت اور عصر اول وقت پڑھتے تھے، ایسے ہی مغرب آخر وقت، عشاء اول وقت پڑھتے تھے ۔ ایک دفعہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نماز فجر کے لیئے بالکل آخر وقت تشریف لائے، اور بہت جلد فجر پڑھائی، بعد میں فرمایا کہ آج ہم ایک خواب دیکھ رہے تھے کہ رب تعالیٰ نے اپنا دست قدرت ہمارے سینۂ اقدس پر رکھا (مشکوٰۃ باب المساجد)

غرضیکہ حضور علیہ السلام نے بارہا نمازیں آخر وقت میں پڑھا ہیں، اور اس حدیث میں ہے کہ آپ نے کوئی نماز آخر وقت میں دوبارہ بھی نہ پڑھی، لہٰذا یہ روایت ناقابل عمل ہے۔

تیسرے یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے، پھر تم نماز عشاء آخر وقت یعنی تہائی رات گئے پڑھنا، مستحب کیوں کہتے ہو، اور گرمیوں میں ظہر آخر وقت میں مستحب کیوں بتاتے ہو۔ جو جواب تمہارا ہے، وہ ہی جواب ہمارا۔

اعتراض نمبر ۵ :- تم نے جو حدیث پیش کی تھی کہ فجر کو اوجیالے میں پڑھو، اس میں اوجیالے سے مراد صبح صادق کی وہ روشنی ہے، جس سے وقت فجر آجانا یقینی ہو جاوے اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ نماز فجر شک کی حالت میں نہ پڑھو، بلکہ جب یقین ہو جاوے کہ وقت ہو گیا، تب پڑھو، وہاں اسفار سے وہ روشنی مراد نہیں، جو حنفیوں نے سمجھی، یعنی خوب اوجیالا بہت سے محدثین نے اس حدیث کا یہ ہی مطلب بیان کیا۔

جواب:۔ ہرگز نہیں، کیونکہ اتنا اوجیالا کرنا تو فرض ہے، شک کی حالت میں نماز فجر پڑھنا جائز ہی نہیں؛ اور یہاں فرمایا گیا کہ اس اوجیالے کا ثواب زیادہ ہے۔ یعنی یہ اوجیالا مستحب ہے نہ کہ فرض۔ لہذا اس اجیالے سے مراد وہ ہی روشنی صبح ہے، جس میں فجر پڑھنا مستحب ہے... جو ہم نے معنے کیئے۔ وہ ہی درست ہیں۔ حدیث سمجھنے کے لیئے فقہ ضروری ہے۔

انیسواں باب ۱۹

ظہر ٹھنڈی کر کے پڑھو

وقت ظہر سورج ڈھلنے سے شروع ہوتا ہے اور اس وقت تک رہتا ہے، جبکہ ہر چیز کا سایہ اس کے نصف النہار کے سایہ کے علاوہ دوگنا ہو جاوے، سردیوں میں نماز ظہر جلدی پڑھنا اور گرمیوں میں کچھ دیر سے پڑھنا، کہ دوپہر کی تیزی جاتی رہے۔ کچھ ٹھنڈک ہو جاوے سنت ہے۔ مگر غیر مقلد وہابی نماز ظہر چلچلاتی دوپہری میں پڑھ لیتے ہیں، اور ایک مثل سایہ کے بعد عصر پڑھ لیتے ہیں، طرح طرح حنفیوں کو بھڑکاتے ہیں۔ کہ تمہارا مذہب حدیث کے خلاف ہے اس لیئے اس باب کی بھی دو فصلیں کی جاتی ہیں، پہلی فصل میں اس کا ثبوت دوسری فصل میں اس مسئلہ پر اعتراضات مع جوابات۔ حنفیوں کو چاہیئے کہ اپنے دلائل اور وہابیوں کے جوابات یاد رکھیں۔

پہلی فصل

ظہر ٹھنڈی کر کے پڑھو

سردیوں میں چونکہ دوپہر ٹھنڈی ہوتی ہے، لہذا اس زمانہ میں سورج ڈھلتے ہی ظہر پڑھنی سنت ہے، لیکن گرمیوں میں دیر سے پڑھنی سنت جبکہ ٹھنڈک ہو جاوے اور دوپہر کا جوش کم ہو جاوے۔ دلائل حسب ذیل ہیں۔

نمبر ۱ تا ۵۔ بخاری، مسلم، نسائی، ابوداؤد اور ترمذی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ فَاَبْرِدُوْا بِالصَّلٰوةِ وَقَالَ التِّرْمَذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ۔

فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ جب گرمی تیز ہو تو نماز ظہر ٹھنڈی کرکے پڑھو، ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

نمبر ۶ تا ۱۰۔ ابوداؤد طیالسی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے مسلم بخاری نسائی بیہقی نے ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کچھ اختلاف کے ساتھ روایت کی۔

اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ علیہ وسلم قَالَ شِدَّةُ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ فَاَبْرِدُوْا بِالظُّهْرِ وَاشْتَكَتِ النَّارُ اِلٰى رَبِّهَا فَقَالَتْ رَبِّ اَكَلَ بَعْضِىْ بَعْضًا فَاَذِنَ لَهَا بِنَفَسَيْنِ نَفَسٍ فِى الشِّتَاءِ وَنَفَسٍ فِى الصَّيْفِ الخ

فرمایا نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے گرمی کی تیزی دوزخ کی بھڑک سے ہے، لہٰذا ظہر ٹھنڈی کرو آگ نے رب کی بارگاہ میں شکایت کی عرض کیا کہ مولا میرے بعض نے بعض کو کھا ڈالا تو رب نے اسے دو سانسوں کی اجازت دی، ایک سانس سردی میں ایک سانس گرمی میں۔

نمبر ۱۱۔ نسائی شریف میں حضرت انس رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم اِذَا كَانَ الْحَرُّ اَبْرَدَ بِالصَّلٰوةِ وَاِذَا كَانَ الْبَرْدُ عَجَّلَ۔

فرماتے ہیں کہ جب گرمی زیادہ ہوتی تھی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز ٹھنڈی کرکے پڑھتے تھے اور جب سردی ہوتی تھی تو جلد پڑھ لیتے تھے

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ گرمیوں میں ظہر جلد پڑھنا سنت کے خلاف ہے۔

نمبر ۱۲ تا ۱۹۔ بخاری، ابوداؤد، ابن ابی شیبہ، ترمذی، ابوداؤد طیالسی، طحاوی، ابوعوانہ بیہقی نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِىْ سَفَرٍ فَاَرَادَ الْمُؤَذِّنُ اَنْ

فرماتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، مؤذن نے ظہر

يُؤَذِّنَ لِلظُّهْرِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَبْرِدْ ثُمَّ اَرَادَ اَنْ يُّؤَذِّنَ فَقَالَ اَبْرِدْ حَتّٰى رَاَيْنَا فَيْئَ التُّلُوْلِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ فَاِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ فَاَبْرِدُوْا بِالصَّلٰوةِ قَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ

کی اذان دینی چاہی، تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ٹھنڈا کرو۔ پھر انہوں نے اذان کا قصد کیا تو فرمایا ٹھنڈا کرو۔ یہاں تک کہ ہم نے ٹیلوں کا سایہ دیکھ لیا تو فرمایا نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ گرمی کی تیزی دوزخ کی بھڑک سے ہے۔ پس جب گرمی تیز ہو تو نماز ٹھنڈی کیا کرو، ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن و صحیح ہے۔

نمبر ۲۰۔ طحاوی شریف نے حضرت ابو مسعود رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت کی۔

اَنَّهٗ رَاَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَجِّلُهَا فِي الشِّتَاءِ وَيُؤَخِّرُهَا فِي الصَّيْفِ۔

انہوں نے دیکھا نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو ظہر کی نماز سردیوں میں جلدی پڑھتے تھے اور گرمیوں میں دیر سے پڑھتے تھے

اس کے متعلق اور بھی بہت سی احادیث پیش کی جا سکتی ہیں، مگر اختصاراً انہیں بیس حدیثوں پر اکتفا کرتا ہوں، اگر تفصیل دیکھنی ہو، تو صحیح البہاری۔ طحاوی وغیرہ کا مطالعہ فرماؤ خیال رہے۔ کہ نماز جمعہ کا وقت بھی ظہر کی طرح ہے۔ کہ گرمیوں میں ٹھنڈک کر کے پڑھی جاوے بعض لوگ سخت گرمی میں بھی جمعہ کی نماز بالکل اول وقت پڑھ لیتے ہیں یہ خلاف سنت ہے غیر مقلد وہابی تو زوال سے پہلے بھی نماز جمعہ پڑھ لینے سے گریز نہیں کرتے۔ بخاری شریف نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اشْتَدَّ الْبَرْدُ بَكَّرَ بِالصَّلٰوةِ اِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ اَبْرَدَ بِالصَّلٰوةِ يَعْنِي الْجُمُعَةَ۔

فرماتے ہیں کہ جب سخت ٹھنڈک ہوتی تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم نماز جلد پڑھتے تھے، اور جب گرمی تیز ہوتی تو نماز ٹھنڈی کر کے پڑھتے تھے یعنی نماز جمعہ۔

غرضیکہ نماز جمعہ نماز ظہر کی طرح سردیوں میں جلد اور گرمیوں میں کچھ دیر کر کے گرمی کی تیزی ٹوٹ جانے

پر پڑھنی چاہیئے۔

عقل کا تقاضا بھی یہ ہی ہے، کہ نماز ظہر گرمیوں میں ٹھنڈی کرکے پڑھنا چاہیئے، کہ تیز گرمی میں ظہر پڑھنا مسلمانوں کی تکلیف کا باعث ہے، اس سے جماعت گھٹ جانیکا اندیشہ ہے۔ کیونکہ گرمیوں میں عام کاروباری لوگ دوپہر کا کھانا کھا کر قیلولہ یعنی دوپہر میں آرام کرتے ہیں، اور دوپہر کی تپش گھر میں گذارنا چاہتے ہیں، اگر اس حالت میں نماز ظہر پڑھی جاوے تو وہ لوگ سنت قیلولہ سے بھی محروم رہیں گے اور ان پر اس وقت مسجد کی حاضری گراں بھی پڑے گی ایسے موقعہ پر شریعت مطہرہ آسانی کر دیتی ہے۔

نتیجہ:- مذکورہ بالا احادیث شریفہ اور دلیل عقل سے معلوم ہوا، کہ نماز ظہر کا وقت دو مثل سایہ تک رہتا ہے، اور عصر کا وقت دو مثل سایہ سے شروع ہوتا ہے، اس کی چند دلیلیں ہیں۔

ایک یہ کہ گذشتہ احادیث سے معلوم ہوا کہ حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم ظہر ٹھنڈی کرکے پڑھتے تھے، اور اس کا حکم دیتے تھے، اور ظاہر ہے کہ تمام جگہ خصوصاً ملک عرب میں ایک مثل سایہ کے بعد دوپہر کی تپش ٹوٹتی ہے، ایک مثل تک سخت بھڑک رہتی ہے۔ اگر ایک مثل پر وقت ظہر نکل جاوے، تو یہ احادیث غلط ہوں گی۔

دوسرے یہ کہ گذشتہ احادیث سے معلوم ہوا کہ حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم نے اس وقت نماز ظہر پڑھی۔ جب ٹیلوں کا سایہ نمودار ہو گیا۔ ایک مثل سایہ کے وقت ٹیلے کا سایہ نمودار نہیں ہوتا۔ کیونکہ پھیلاؤ کی وجہ سے اس کا سایہ ایک مثل کے بعد ظاہر ہو سکتا ہے اگر ایک مثل پر وقت ظہر نکل جاوے، تو یہ حدیث بھی غلط ہو گی۔

تیسرے یہ کہ نماز عصر کا وقت ہمیشہ ظہر کے وقت سے کم ہونا چاہیئے، اگر ایک مثل پر وقت عصر ہو جایا کرے تو ظہر کے برابر بلکہ کبھی ظہر سے بڑھ جاوے گا یہ قانون شرعی کے خلاف ہے، کیونکہ بخاری شریف نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک حدیث مرفوع نقل فرمائی کہ حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کی مثال یہود و نصاریٰ کے مقابل اس طرح دی، کہ کوئی شخص کسی مزدور کو صبح سے دوپہر

تک ایک قیراط پر رکھے، دوسرے کو دوپہر سے نماز عصر تک ایک قیراط پر رکھے، تیسرے کو نماز عصر سے سورج ڈوبنے تک دو قیراط اجرت پر رکھے، پہلے مزدور یہود ہیں، دوسرے مزدور نصاریٰ اور تیسرے مزدور مسلمان کہ ان کے عمل کا وقت تھوڑا، مزدوری دوگنی حدیث کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

اَلَا فَاَنْتُمُ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ مِنْ صَلٰوۃِ الْعَصْرِ اِلٰی مَغْرِبِ الشَّمْسِ اَلَا لَکُمُ الْاَجْرُ مَرَّتَیْنِ۔

خبردار ہو کر تم ہی وہ لوگ ہو جو نماز عصر سے سورج ڈوبنے تک کام کرتے ہو تمہاری مزدوری دوگنی ہے۔

اگر عصر کا وقت ایک مثل سے شروع ہو جاتا، تو ظہر کے برابر بلکہ کبھی اس سے زیادہ ہوتا اس صورت میں مسلمانوں کی یہ مثال بیان نہ فرمائی جاتی۔ لہذا نماز عصر کا وقت ظہر سے کم ہونا چاہیئے یہ جب ہی ہو سکتا ہے، جب وہ دو مثل سایہ سے شروع ہو، اگر ایک مثل پر عصر شروع ہو جاوے، تو بخاری شریف کی یہ حدیث بھی غلط ہو جاتی ہے۔ اس لیئے ماننا پڑے گا، کہ عصر دو مثل پر شروع ہو جاتی ہے

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراضات وجوابات

اس مسئلہ پر غیر مقلد وہابیوں کے بعض اعتراضات تو وہ ہیں۔ جن کے جوابات ہم اس سے پہلے باب میں دے چکے ہیں، جیسے حضور صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ نماز اول وقت میں پڑھنا افضل ہے یا جیسے تین چیزوں میں دیر نہ لگاؤ، نماز۔ توبہ۔ لڑکی کا نکاح بعض اعتراضات ان کے علاوہ ہیں، ہم وہ اعتراضات مع جوابات ...... عرض کرتے ہیں، رب تعالےٰ قبول فرماوے۔

اعتراض نمبر ۱۔ ابوداؤد۔ ترمذی نے حضرت عبداللہ ابن عباس سے ایک دراز حدیث روایت کی، جس میں ارشاد فرمایا کہ حضرت جبریل نے مجھے دو دن نماز پڑھائی، ایک دن ہر نماز اول وقت پڑھی دوسرے دن ہر نماز آخر وقت میں اس کے بعض الفاظ یہ ہیں۔

وَصَلّٰى بِيَ الْعَصْرَ حِيْنَ صَارَ ظِلُّ كُلِّ شَيْءٍ مِثْلَهُ۔	حضرت جبریل نے مجھے پہلے دن عصر اسوقت پڑھائی جب ہر چیز کا سایہ ایک مثل ہوگیا

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عصر کا وقت ایک مثل سایہ پر شروع ہو جاتا ہے، اور ظہر کا وقت اس سے پہلے نکل جاتا ہے۔

جواب :۔ اس اعتراض کے چند جواب ہیں۔

ایک یہ کہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے کیونکہ اسی حدیث میں اس جگہ یہ بھی ہے

فَلَمَّا كَانَ الْغَدُ صَلّٰى بِيَ الظُّهْرَ حِيْنَ كَانَ ظِلُّهُ مِثْلَهُ	جب دوسرا دن ہوا تو مجھے حضرت جبریل نے نماز ظہر پڑھائی جبکہ ہر چیز کا سایہ اس کی مثل ہوگیا۔

فرمایئے پہلے دن ایک سایہ پر نماز عصر پڑھائی اور دوسرے دن خاص اس ہی وقت نماز ظہر پڑھائی۔ حالانکہ وقت عصر، ظہر کا وقت نکل جانے کے بعد شروع ہوتا ہے، اگر ایک مثل سایہ پر وقت عصر داخل ہو جاتا ہے تو دوسرے دن اسی وقت نماز ظہر کیوں پڑھائی گئی، دوسرے یہ کہ اس حدیث میں اسی جگہ یہ الفاظ ہیں۔

وَصَلّٰى بِيَ الْعَصْرَ حِيْنَ كَانَ ظِلُّهُ مِثْلَيْهِ۔	اور دوسرے دن مجھے نماز عصر جب پڑھائی جبکہ ہر چیز کا سایہ دو مثل ہوگیا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے، کہ نماز عصر کا آخری وقت دو مثل سایہ ہے۔ حالانکہ آخری وقت سورج کا غروب ہے۔

تیسرے یہ کہ اس حدیث میں اوّل دن کی نماز عصر میں صرف ایک مثل سایہ کا ذکر ہے اور دوسرے دن کے آخر عصر میں دو مثل سایہ کا ذکر ہے اصل سایہ کا جو دوپہر کے وقت ہوتا ہے بالکل ذکر نہیں، حالانکہ تم بھی کہتے ہو کہ ایک مثل یا دو مثل اصل سایہ کے علاوہ ہونا چاہیئے تو جو تمہارا جواب ہے، وہ ہمارا

چوتھے یہ کہ اس حدیث میں تو یہ ہے کہ حضور کو ایک مثل سایہ پر نماز عصر پڑھا دی گئی اور جو حدیثیں ہم پہلی فصل میں پیش کر چکے ہیں، ان میں ذکر ہے۔ کہ حضور نے گرمی میں نماز ظہر ٹھنڈی کر کے اور ٹیلے کا سایہ پڑ جانے پر ادا فرمائی جو ایک مثل کے بعد ہوتا ہے تو حدیثیں آپس

میں متعارض ہوئیں، لہٰذا ہماری پیش کردہ حدیثوں کو ترجیح ہو گی، کیونکہ وہ قیاس شرعی کے مطابق ہیں اور یہ حدیث قابل عمل نہیں، کیونکہ قیاس شرعی کے خلاف ہے، تعارض کے وقت حدیث کو قیاس سے ترجیح ہوتی ہے۔

پانچویں یہ کہ حضرت جبریل کا یہ عمل پہلے واقع ہوا کیونکہ شب معراج کی صبح کو ہوا جب کہ نماز فرض ہی ہوئی تھی اور حضور کا عمل جو ہم ثابت کر چکے ہیں، یعنی ٹھنڈک میں نماز پڑھنا بعد کا عمل ہے لہٰذا تمہاری پیش کردہ حدیث منسوخ ہے، ہماری پیش کردہ احادیث اس کی ناسخ اس لیئے یہ حدیث قابل عمل نہیں۔

چھٹے یہ کہ شرعی قاعدہ ہے کہ یقینی چیز شک سے زائل نہیں ہو سکتی یقین کو یقین ہی دفعہ کر سکتا ہے، اس قاعدہ پر صدہا مسائل نکالے گئے ہیں، سورج ڈھلنے سے وقت ظہر یقیناً آگیا اور ایک مثل سایہ پر اس وقت کا نکلنا مشکوک ہے، تو اس شک سے وقت ظہر نہ نکلے گا۔ اور وقت عصر داخل نہ ہو گا۔ دو مثل پر ظہر کا نکل جانا یقینی ہے۔ لہٰذا یہ ہی حکم قابل عمل ہے نہ کہ تمہارا قول۔

اعتراض نمبر ۲۔ صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ ہم حضور کے ساتھ نماز ظہر اتنی جلدی پڑھتے تھے کہ فرش بہت گرم ہوتا تھا۔ ہم اس پر سجدہ نہ کر سکتے تھے، اسی لیئے سجدے کی جگہ کپڑا یا ٹھنڈی بجری رکھتے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ نماز ظہر گرمیوں میں بھی اول وقت ہی پڑھنی چاہیئے۔

جواب۔ اس کے چند جواب ہیں، ایک یہ کہ یہ حدیث ان تمام حدیثوں کے خلاف ہے جن میں گرمیوں کی ظہر کی تاخیر کرنے ٹھنڈی کرنے کا حکم ہے، اور وہ حدیثیں قیاس شرعی کے مطابق لہٰذا وہ ہی قابل عمل ہیں۔ یہ حدیث ناقابل عمل یا منسوخ ہے۔

دوسرے یہ کہ فرش کی گرمی خصوصاً ملک عرب میں بہت دیر تک یعنی ایک مثل سایہ کے بعد تک رہتی ہے، یہ گرمی پہلے کی ہوتی تھی۔ وقت ٹھنڈا ہو چکتا تھا، لہٰذا یہ حدیث ان احادیث کے بالکل خلاف نہیں۔ جن میں ٹھنڈک کا حکم ہے، جہاں تک ہو سکے احادیث میں مطابقت کی جاوے

اعتراض نمبر ۳۔ صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ ہم حضور کے ساتھ عصر اتنی جلدی پڑھتے تھے کہ بعد نماز

عصر اونٹ ذبح کرکے بوٹیاں بنا کر بھون کر آفتاب ڈوبنے سے پہلے کھا لیتے تھے اور ہم میں سے بعض لوگ نماز عصر کے بعد تین میل مسافت طے کرکے اپنے گھر پہنچ جاتے تھے اور ابھی سورج چمکتا ہوتا تھا۔ جیسا کہ مسلم شریف وغیرہ میں ہے، اس سے معلوم ہوا کہ عصر کی نماز دو مثل سے پہلے پڑھی جاتی تھی، کیونکہ دو مثل کے بعد اتنا وقت نہیں بچتا، کہ یہ کام کیئے جاویں۔ (عام وہابی)

جواب:۔ یہ تمام حدیثیں درست ہیں مگر آپ کا یہ مذکورہ نتیجہ نکالنا غلط۔ دو مثل کے بعد عصر پڑھ کر تین میل فاصلہ بخوبی طے ہو سکتا ہے، اہل عرب بہت تیز رفتار ہیں، ہمارے ہاں بھی بعض لوگ دس منٹ میں ایک میل چل لیتے ہیں۔ تین میل آدھ گھنٹے میں چلے جاتے ہیں، عصر کا وقت بعض زمانہ میں دو گھنٹہ سے بھی زیادہ ہوتا ہے۔ ایسے ہی اونٹ کا ذبح کر لینا اور بھون کر کھا لینا غروب آفتاب سے پہلے ہو سکتا ہے۔ اہل عرب ذبح اور گوشت صاف کرنے پکانے میں بہت ہی پھرتیلے ہوتے ہیں۔ جیسا کہ تجربہ ہے۔

اعتراض نمبر ۴۔ مسلم بخاری میں حضرت سہل ابن سعد سے روایت ہے۔

قَالَ مَاكُنَّا نَقِيْلُ وَلَا نَتَغَدّٰى اِلَّا بَعْدَ الْجُمُعَةِ۔ | ہم صحابہ نہیں قیلولہ کرتے تھے، نہ ناشتہ کھاتے تھے مگر جمعہ کے بعد۔

اس سے معلوم ہوا کہ جمعہ کی نماز سخت گرمی میں بھی بہت جلد پڑھنی چاہیئے کہ دوپہر کا آرام بلکہ صبح کا ناشتہ بھی بعد نماز کیا جاوے، پھر تم کیسے کہتے ہو، کہ گرمیوں میں جمعہ ٹھنڈا کرکے پڑھو۔

جواب:۔ اس کے دو جواب ہیں، ایک یہ کہ یہ حدیث ظاہری معنی سے تمہارے خلاف ہے، کیونکہ اس سے لازم آتا ہے، کہ نماز جمعہ ناشتہ اور قیلولہ یعنی دوپہر کے آرام سے پہلے پڑھی جاوے تو چاہیئے کہ فجر کے بعد فوراً جمعہ پڑھ لیا جاوے، کیونکہ ناشتہ تو بالکل سویرے ہوتا ہے۔ تم بھی اتنی جلد جمعہ پڑھ لینے کے قائل نہیں۔

دوسرے یہ کہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ہم جمعہ کے دن جمعہ کی طیاری کی وجہ سے نماز سے پہلے نہ ناشتہ کرتے تھے نہ دوپہر کا آرام بعد نماز یہ سب کچھ کرتے تھے یعنی نماز کی وجہ سے ناشتہ اور آرام پیچھے کر دیتے تھے، نہ کہ ناشتہ اور آرام کی وجہ سے جمعہ پہلے پڑھ لیتے تھے

جیسا کہ تم سمجھے۔

تفسیر سے یہ کہ اس حدیث میں سردیوں کے جمعہ کا ذکر ہے کہ اس زمانہ میں دن چھوٹا ہوتا ہے دوپہر میں گرمی نہیں ہوتی، اس لیئے سورج ڈھلتے ہی جمعہ پڑھ لیتے تھے، دوپہر کا کھانا اور آرام بعد جمعہ کرتے تھے، اب بھی مدینہ والے ایسا ہی کرتے ہیں۔ بخاری شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یُصَلِّی الْجُمُعَۃَ حِیْنَ تَمِیْلُ الشَّمْسُ	حضور صلے اللہ علیہ وسلم آفتاب ڈھلنے کے بعد جمعہ پڑھتے تھے۔

لہٰذا اس مذکورہ حدیث کے معنی یہ نہیں کہ نماز جمعہ سورج ڈھلنے سے پہلے پڑھ لی جاتی تھی چونکہ نماز جمعہ نماز ظہر کی نائب ہے لہٰذا ظہر کے وقت میں ہی ادا ہوگی اور گرمیوں میں ٹھنڈک کر کے سردیوں میں سورج ڈھلتے ہی پڑھی جاوے گی ظہر کی طرح اب احادیث میں کوئی تعارض نہیں۔

بیسواں باب ۲۰

آذان و تکبیر کے الفاظ

شریعت میں آذان و اقامت کے (تکبیر) الفاظ اور احکام قریبًا یکساں ہیں، جو الفاظ آذان کے ہیں، وہ ہی تکبیر کے صرف حی علی الفلاح کے بعد قد قامت الصلوٰۃ دوبار زیادہ ہے ترجیع نہ آذان میں ہے، نہ اقامت میں، آذان کے کل پندرہ کلمے ہیں، اور اقامت کے سترہ کلمے جیسا کہ عام طور پر مسلمانوں میں رائج ہے۔ مگر غیر مقلد وہابیوں کی آذان بھی اس اذان سے علیحدہ ہے اور اقامت بھی اس اقامت کے سوا ہے، وہ اذان کی دونوں شہادتوں کو دو دو بار کی بجائے چار چار بار کہتے ہیں، اولًا دوبارہ آہستہ پھر بلند آواز سے اسے ترجیع

کہتے ہیں، یعنی پہلے اَشْہَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ آہستہ کہتے ہیں۔ پھر چیخ کر ایسے ہی اشہد ان محمد رسول اللہ کو اس حساب سے ان کے نزدیک اذان کے کلمات پندرہ کے بجائے انیس ہیں اور اقامت (تکبیر) کے کلمات ایک ایک بار کہتے ہیں اس طرح کہ دونوں شہادتیں اور حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح۔ ایک ایک بار ان کے نزدیک اقامت کے کلمات بجائے سترہ کے تیرہ ہیں، اور دعویٰ کرتے ہیں کہ اسلامی اذان و اقامت وہ ہی ہے جو ہم کہتے ہیں۔ اور حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ پر اس وجہ سے لعن طعن کرتے ہیں اور اس ذات کریم کو گالیاں دیتے ہیں، پہلی فصل میں اس مروجہ اسلامی اذان کا ثبوت دوسری فصل میں اس پر اعتراضات مع جوابات اللہ رسول قبول فرماوے۔

پہلی فصل

موجودہ آذان و اقامت کا ثبوت

حق یہ ہے کہ آذان اقامت کے کلمات دو دو ہیں، نہ آذان میں ترجیع ہے، نہ اقامت (تکبیر) کے کلمات ایک ایک پہلی تکبیر چار بار آخر میں کلمہ لاالہ الا اللہ ایک بار باقی تمام الفاظ دو دو دلائل حسب ذیل ہیں۔

حدیث نمبر ۱تا۱۔ ابوداؤد۔ نسائی۔ ابن خزیمہ۔ ابن حبان بیہقی۔ دارقطنی نے سیدنا عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی۔

اَنَّہٗ قَالَ کَانَ الْاَذَانُ عَلٰی عَھْدِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَرَّتَیْنِ مَرَّتَیْنِ وَالْاِقَامَۃُ مَرَّۃً مَرَّۃً غَیْرَ اَنَّہٗ یَقُوْلُ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ الخ

وہ فرماتے ہیں کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اذان کے کلمات دو دو بار تھے اور تکبیر ایک ایک بار اس کے سواء کہ تکبیر میں قد قامت الصلوٰۃ بھی کہتے تھے۔

اس حدیث کے متعلق ابن جوزی جیسے ناقد کہتے ہیں۔

ھٰذَا اِسْنَادٌ صَحِیْحٌ سَعِیْدُ الْمَقْبُرِیُّ وَثَّقَہٗ اِبْنُ حَبَّانٍ وَغَیْرُہٗ (بہاری)

یہ اسناد صحیح ہے۔ سعید المقبرای کی ابن حبان نے توثیق کی۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اذان میں ترجیع نہیں ورنہ اذان کے کلمات دو دو رہ ہوتے شہادتیں چار چار بار ہوتیں، اقامت کے ایک بار ہونے کا جواب دوسری فصل میں عرض کیا جاویگا

حدیث نمبر ۷:۔ طبرانی نے معجم اوسط میں ابو محذورہ موذن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پوتے حضرت ابراہیم ابن اسماعیل ابن عبدالمالک ابن ابی محذورہ سے روایت کی۔

قَالَ سَمِعْتُ جَدِّیْ عَبْدَ الْمَلِكِ ابْنِ اَبِیْ مَحْذُوْرَةَ يَقُوْلُ اَنَّهٗ سَمِعَ اَبَاهُ اَبَا مَحْذُوْرَةَ يَقُوْلُ اَلْقٰی عَلَیَّ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْاَذَانَ حَرْفًا حَرْفًا اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اِلٰی اٰخِرِہٖ وَلَمْ یَذْکُرْ فِیْہِ تَرْجِیْعًا۔

فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے دادا عبدالملک ابن ابی محذورہ کو سنا وہ فرماتے تھے، کہ انہوں نے اپنے والد ابو محذورہ کو فرماتے سنا۔ کہ حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھے اذان کا ایک ایک لفظ بتایا، اللہ اکبر اللہ اکبر آخر تک اس میں ترجیع کا ذکر نہ فرمایا۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے، کہ آذان میں ترجیع کا حکم حضور نے نہ دیا لہٰذا ترجیع سنت کے خلاف ہے۔

حدیث نمبر ۸ و ۹:۔ ابن ابی شیبہ۔ ترمذی نے حضرت ابن ابی لیلی تابعی سے کچھ اختلاف الفاظ سے روایت کی۔

قَالَ كَانَ عَبْدُ اللّٰہِ ابْنُ زَیْدِ الْاَنْصَارِیُّ مُؤَذِّنُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَشْفَعُ الْاَذَانَ وَالْاِقَامَةَ،

فرماتے ہیں، کہ عبداللہ ابن زید انصاری حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے مؤذن اذان اور تکبیر دو دو بار کہتے تھے۔

اس حدیث سے دو مسئلہ معلوم ہوئے ایک یہ کہ اذان میں ترجیع نہیں، دوسرے یہ کہ اقامت یعنی تکبیر کے کلمات دو دو بار کہے جاویں، نہ کہ ایک ایک بار۔

حدیث نمبر ۱۰:۔ بیہقی نے حضرت علی رضی اللہ تعالے عنہ سے روایت کی۔

اَنَّهٗ كَانَ یَقُوْلُ الْاَذَانُ مَثْنٰی مَثْنٰی وَالْاِقَامَةُ مَثْنٰی مَثْنٰی وَمَرَّ بِرَجُلٍ یُقِیْمُ مَرَّةً مَرَّةً فَقَالَ اجْعَلْھَا

آپ فرماتے تھے، کہ آذان بھی دو دو بار ہے تکبیر بھی دو دو بار اور آپ (حضرت علیؓ) ایک شخص پر گذرے جو اقامت ایک ایک

مثنیٰ مثنیٰ لا اُمّ لک

بار کہہ رہا تھا۔ تو آپ نے فرمایا اسے دو دو بار کر تیری ماں نہ رہے۔

حدیث نمبر ۱۱۔ ابوداؤد شریف نے حضرت معاذ ابن جبل سے ایک طویل حدیث بیان فرمائی جس میں عبداللہ ابن زید انصاری کی خواب کا واقعہ مذکور ہے، جو انہوں نے اذان کے متعلق دیکھی تھی، انہوں نے حضور کی خدمت میں آکر عرض کیا، کہ میں نے فرشتے کو خواب میں دیکھا جس نے قبلہ کی طرف منہ کر کے اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَشْہَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ الخ کہا پھر کچھ ٹھہر کر آذان کی طرح تکبیر بھی کہی الخ

حدیث کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

قَالَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَقِّنْھَا بِلَالًا فَاَذَّنَ بِھَا

راوی کہتے ہیں، کہ حضور نے عبداللہ سے فرمایا کہ یہ آذان حضرت بلال پر تلقین کرو پس حضرت بلال نے اذان انہی کلمات سے دی

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نہ تو خواب والے فرشتے نے آذان میں ترجیع کی تعلیم دی نہ اسلام کی پہلی اذان میں ترجیع تھی۔ جو حضرت بلال نے حضور کی موجودگی میں عبداللہ ابن زید کی تعلیم سے کہی یہ بھی معلوم ہوا کہ اقامت بھی آذان کی طرح دو دو بار ہے۔ لیکن اس میں قد قامت الصلوٰۃ بھی ہے۔

حدیث نمبر ۱۲ و ۱۳۔ ابن ابی شیبہ اور بیہقی نے عبدالرحمٰن ابن ابی لیلی سے روایت کی۔

قَالَ حَدَّثَنَا اَصْحَابُ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّ عَبْدَ اللّٰہِ ابْنَ زَیْدٍ الْاَنْصَارِیَّ جَاءَ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَاَیْتُ فِی الْمَنَامِ کَاَنَّ رَجُلًا قَامَ وَعَلَیْہِ بُرْدَانِ اَخْضَرَانِ فَقَامَ عَلٰی حَائِطٍ فَاَذَّنَ مَثْنٰی مَثْنٰی وَاَقَامَ مَثْنٰی مَثْنٰی

فرماتے ہیں کہ ہم کو حضور کے بہت صحابہ نے خبر دی کہ عبداللہ ابن زید انصاری حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور عرض کیا کہ میں نے خواب میں دیکھا، جیسے ایک مرد کھڑا ہوا اس پر دو سبز کپڑے ہیں پس وہ دیوار پر کھڑا ہوا اور اذان بھی دو دو بار دی، تکبیر بھی دو دو بار کہی۔

خیال رہے کہ اذان کی تعلیم رب تعالےٰ نے صحابہ کرام کو خواب میں فرشتہ کے ذریعہ دی
اس خواب میں نہ تو اذان میں ترجیع ہے، نہ اقامت ایک ایک بار معلوم ہوا کہ حنفی آذان و
تکبیر وہ ہے، جس کی رب نے تعلیم دی۔

حدیث نمبر۱۴تا۱۶۔ دارقطنی، عبدالرزاق، طحاوی شریف نے حضرت اسود ابن یزید سے روایت کی

اَنَّ بِلَالًا کَانَ یُثَنِّی الْاَذَانَ وَیُثَنِّی الْاِقَامَۃَ وَکَانَ یَبْدَأُ بِالتَّکْبِیْرِ وَ یَخْتِمُ بِالتَّکْبِیْرِ۔	بے شک حضرت بلال اذان بھی دو دو بار کہتے تھے۔ اور اقامت بھی دو دو بار ان دونوں کو تکبیر سے ہی شروع کرتے تھے تکبیر پر ہی ختم کرتے تھے

حدیث نمبر۱۷۔ طبرانی نے اپنی کتاب مسند الشامیین میں حضرت جنادہ ابن ابی امیہ سے روایت کی۔

عَنْ بِلَالٍ اَنَّہٗ کَانَ یَجْعَلُ الْاَذَانَ وَ الْاِقَامَۃَ سَوَاءً مَثْنٰی مَثْنٰی۔	وہ حضرت بلال سے روایت کرتے ہیں، کہ وہ آذان و اقامت دونوں برابر کہتے تھے یعنی دو دو بار

حدیث نمبر۱۸۔ دارقطنی نے حضرت ابوجحیفہ سے روایت کی۔

اَنَّ بِلَالًا کَانَ یُؤَذِّنُ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَثْنٰی مَثْنٰی وَیُقِیْمُ مَثْنٰی مَثْنٰی۔	حضرت بلال حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے اذان دو دو بار کہتے تھے۔ اور اقامت دو دو بار

حدیث نمبر۱۹۔ طحاوی نے حضرت حماد ابن ابراہیم سے روایت کی۔

قَالَ کَانَ ثَوْبَانُ یُؤَذِّنُ مَثْنٰی مَثْنٰی	حضرت ثوبان اذان دو دو بار کہتے تھے۔

حدیث نمبر۲۰۔ طحاوی نے حضرت عبید مولیٰ سلمہ ابن اکوع سے روایت کی۔

اَنَّ سَلَمَۃَ ابْنَ الْاَکْوَعِ کَانَ یُثَنِّی الْاَذَانَ وَالْاِقَامَۃَ	حضرت سلمہ ابن اکوع رضی اللہ تعالےٰ عنہ اذان و اقامت دُو دُو بار کہتے تھے۔

ہم نے یہ بیس حدیثیں بطور نمونہ پیش کیں، ورنہ اس کے متعلق بہت زیادہ احادیث ہیں اگر تفصیل دیکھنی ہو تو صحیح البہاری، طحاوی شریف وغیرہ کا مطالعہ فرماؤ، ان احادیث سے حسب ذیل چیزیں معلوم ہوئیں۔

ع۱۔ عبداللہ ابن زید ابن عبداللہ ابن ثعلبہ رضی اللہ عنہ کی خواب جو اسلامی اذان کی اصل ہے

اس میں نہ تو ترجیع کا ذکر ہے نہ اقامت ایک ایک بار کا، بلکہ وہ ہی اذان وتکبیر مذکور ہے۔ جو عام طور پر رائج ہے۔

ع۲ فرشتے نے جو اذان کی تعلیم دی، اس میں ترجیع بھی نہیں، اور اقامت ایک ایک بار بھی نہیں، وہ ہی ہماری اذان ہے۔

ع۳ حضور علیہ السلام کے مشہور مؤذن حضرت بلال، حضرت ثوبان وغیرہم ہمیشہ وہ ہی اذان واقامت دیتے تھے جو عام مسلمانوں میں مروج ہے، یعنی حنفی اذان واقامت۔

ع۴ جلیل القدر صحابہ وتابعین جیسے حضرت علی، عبد اللہ ابن عمر، سلمہ ابن اکوع، عبد اللہ ابن زید ابراہیم نخعی، حضرت علیہ، ابو جحیفہ وغیرہم رضی اللہ تعالےٰ عنہم یہ ہی اذان کہتے اور کہلواتے تھے جو مروجہ ہے، ترجیع یا اقامت ایک ایک بار کے قائل نہ تھے۔

ع۵ حضرت علی مرتضےٰ رضی اللہ عنہ ایک ایک اقامت کہنے والے پر ناراض ہوتے تھے دو دو بار کہلواتے تھے، اگر ترجیع یا اقامت ایک بار سنت ہوتی، تو یہ حضرات جو مزاج شناس رسول سنت کے متبع، بدعت سے متنفر تھے، انہوں نے اس کو کیوں ترک کیا، اور کرنے والوں کو کیوں روکا اور ان پر کیوں ملامت کی۔

عقل کا تقاضا بھی یہ ہے کہ اذان کی شہادتوں میں ترجیع نہ ہو، کیونکہ اذان میں اصل چیز صلوٰۃ اور فلاح ہے، کہ اذان نماز ہی کے ارکان ودعوت کے لئے ہے، باقی کلمات تکبیر و شہادت وغیرہ برکت یا تمہید یا نماز کی ترغیب کے لئے ہیں، جب صلوٰۃ اور فلاح میں تکرار اور ترجیع نہیں جو اصل اذان ہے تو ان کلمات میں بھی ترجیع نہ ہونی چاہیئے۔ جو اس کے تابع ہیں۔

دوسرے یہ کہ اذان کا مقصد ہے، نماز کی عام اطلاع اس لیئے اذان بلند مقام پر اونچی آواز سے کہنی چاہیئے، کانوں میں انگلیاں لگائی جاویں تاکہ آواز خوب اونچی نکلے اب ان دو شہادتوں کو اوّلاً آہستہ آہستہ کہنا، مقصد اذان کے بالکل خلاف ہے۔ اس کا ہر کلمہ بلند آواز سے چاہیئے دیکھو اذان کے اوّل میں تکبیر چار دفعہ کہی جاتی ہے۔ مگر چاروں بار خوب اونچی آواز سے اگر شہادتیں بھی چار دفعہ ہوتیں تو چاروں بار اونچی آواز سے ہوتیں۔

تیسرے یہ کہ اقامت اذان ہی کی طرح ہے حتیٰ کہ اسے بعض احادیث میں اذان فرمایا

گویا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا بَیْنَ کُلِّ اَذَانَیْنِ صَلٰوۃٌ ہر دو اذانوں کے درمیان نماز ہے یعنی آذان واقامت کے درمیان ہاں فرق صرف قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ کا ہے، کہ اقامت میں ہے اذان میں نہیں، تو چاہیئے کہ اقامتہ کے الفاظ بھی اذان کی طرح دو دو بار ہوں۔
چوتھے یہ کہ اذان میں بعض الفاظ مکرر آئے ہیں، کہ اوّل میں بھی ہیں آخر میں بھی جیسے تکبیر اور کلمہ اور بعض الفاظ غیر مکرر ہیں، کہ صرف ایک جگہ آئے جیسے صلوٰۃ فلاح، جو الفاظ مکرر ہیں وہ پہلی بار دو گنے ہیں، دوسری بار اس کے نصف تکبیر پہلی بار چار دفعہ ہے اور پچھلی بار دو دفعہ، شہادت توحید پہلی بار دو دو دفعہ ہے تو آخر بار ایک دفعہ۔ تو چاہیئے کہ تکبیر میں بھی ایسا ہی ہو۔ لہٰذا حنفی اذان و اقامت جو آج عام مسلمانوں میں رائج ہے۔ بالکل صحیح اور سنت کے مطابق ہے۔ اس پر طعن کرنا جہالت وحماقت ہے۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر سوالات مع جوابات

حنفی اذان واقامت پر غیر مقلد وہابی اب تک جو اعتراضات کر سکے ہیں اور جن کی اطلاع ہم کو پہنچی ہے، وہ تمام مع جوابات عرض کرتے ہیں، اگر آئندہ اور نئے اعتراضات ہمارے علم میں آئے تو ان شاء اللہ دوسرے ایڈیشن میں ان کے جوابات بھی عرض کر دیئے جائیں گے
اعتراض نمبر ۱۔ مسلم شریف نے حضرت ابو محذورہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے پوری اذان کی حدیث نقل کی، کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے انہیں بنفس نفیس اذان کی تلقین فرمائی، اس کے بعض الفاظ یہ ہیں۔

ثُمَّ تَعُوْدُ فَتَقُوْلُ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ	دونوں شہادتوں کے بعد پھر لوٹو اور کہو اشھد ان لاالہ الا اللہ الخ

اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ
اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ

اس سے معلوم ہوا کہ خود حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو محذورہ کو اذان کا

شہادتین میں ترجیع سکھائی، لہٰذا اذان میں ترجیع سنت ہے۔

جواب:۔ اس اعتراض کے چند جواب ہیں۔

ایک یہ کہ حضرت ابو محذورہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی روایات سخت متعارض ہیں اس حدیث میں تو وہ ترجیع کا ذکر فرماتے ہیں، اور ان ہی کی جو روایت ہم پہلی فصل میں بحوالہ طبرانی پیش کر چکے ہیں اس میں ترجیع کا ذکر بالکل نہیں، طحاوی شریف نے انہیں ابی محذورہ سے جو حدیث نقل کی اس میں اول اذان میں بجائے چار کے دو بار تکبیر کا ذکر ہے۔ لہٰذا ابو محذورہ کی روایت تعارض کی وجہ سے ناقابل عمل ہے جیسا کہ تعارض کا حکم ہے۔

دوسرے یہ کہ حضرت ابو محذورہ کی یہ ترجیع والی حدیث تمام ان مشہور حدیثوں کے خلاف ہے۔ جو ہم پہلی فصل میں پیش کر چکے ہیں، جن میں ترجیع کا ذکر نہیں، لہٰذا وہ احادیث مشہورہ قابل عمل ہیں۔ نہ کہ یہ حدیث واحد۔

تیسرے یہ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مشہور مؤذن حضرت بلال اور حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں انہوں نے حضور علیہ السلام کے زمانہ میں اور بعد میں کبھی اذان میں ترجیع نہ فرمائی۔ لہٰذا ان کا عمل زیادہ قابل قبول ہے۔

چوتھے یہ کہ اس حدیث میں ابو محذورہ کو عام صحابہ نے ترک کر دیا۔ ان کا عمل ترجیع پر نہ تھا۔ بلکہ ترجیع کے خلاف تھا، لہٰذا وہ ہی زیادہ قوی ہے۔

پانچویں یہ کہ یہ حدیث ابو محذورہ قیاس شرعی کے بھی خلاف ہے اور ہماری پیش کردہ احادیث قیاس کے مطابق، لہٰذا وہ احادیث قابل عمل ہیں نہ کہ یہ حدیث جیسا کہ تعارض کا حکم ہے۔

چھٹے وہ جواب ہے جو عنایہ شرح ہدایہ نے دیا کہ سیدنا ابو محذورہ کو زمانہ کفر میں توحید و رسالت سے سخت نفرت تھی اور حضور علیہ السلام کی بہت مخالفت، جب یہ اسلام لائے اور حضور علیہ السلام نے انہیں اذان دینے کا حکم دیا تو انہوں نے شرم کی وجہ سے اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اور اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ آہستہ آہستہ کہا۔ بلند آواز سے نہ کہا، تو حضور علیہ السلام نے انہیں دوبارہ بلند آواز سے یہ کلمات ادا کرنے کا حکم دیا یہ دوبارہ کہلوانا اس وقت تھا۔ تعلیم کے لیئے اور شرم دور کرنے کے لیئے، لہٰذا یہ حکم عارضی ہے۔ جیسے اگر آج کوئی شخص آہستہ

آہستہ اذان کہدے۔ تو دوبارہ بلند آواز سے کہلوائی جاتی ہے۔ اس صورت میں ابو محذورہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی یہ حدیث ہماری پہلی فصل کی حدیثوں کے خلاف نہیں۔

ساتویں وہ جواب ہے جو فتح القدیر نے دیا کہ حضرت ابو محذورہ نے یہ دونوں شہادتیں بغیر مد کے کہدی تھیں، اس لیئے دوبارہ مد کے ساتھ کہلوائیں۔ بہرحال یہ ترجیع ایک خصوصی واقعہ تھا۔ نہ کہ سنّتِ اسلام۔

اعتراض نمبر ۲۔ ابوداؤد، نسائی اور دارمی نے حضرت ابومحذورہ سے روایت کی۔

اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلَّمَہٗ الْاَذَانَ تِسْعَ عَشَرَۃَ کَلِمَۃً وَّالْاِقَامَۃَ سَبْعَ عَشَرَۃَ کَلِمَۃً۔	بے شک نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے انہیں اذان ۱۹ کلمے اور تکبیر ۱۷ کلمے سکھائے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اذان کے کلمے انیس ہیں، یہ ترجیع سے ہی بنتے ہیں، اگر اذان میں ترجیع نہ ہو، تو کل پندرہ کلمے ہیں۔ لہٰذا ترجیع اذان میں چاہیئے۔

جواب ۔ اس کے چند جواب ہیں، ایک یہ کہ یہ حدیث آپ کے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ اگر اس حدیث سے اذان میں ترجیع ثابت ہوتی ہے تو اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اقامت کے کلمات دو دو بار ہیں۔ اگر تمہاری طرح ایک ایک بار کلمات ہوتے تو اس کے کلمات بجائے سترہ کے تیرہ ہوتے۔ کیا آدھی حدیث پر ایمان لاتے ہو آدھی کے انکاری ہو۔

ترجیع اذان کے تمام وہ جوابات ہیں جو اعتراض ۱ کے ماتحت گذر گئے کہ حضور علیہ السلام نے حضرت ابومحذورہ کو ترجیع ایک خاص وجہ سے تعلیم دی تھی۔ وغیرہ۔

اعتراض نمبر ۳۔ مسلم و بخاری نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی۔

قَالَ ذَکَرُوا النَّارَ وَالنَّاقُوْسَ فَذَکَرُوا الْیَھُوْدَ وَالنَّصَارٰی فَاُمِرَ بِلَالٌ اَنْ یَّشْفَعَ الْاَذَانَ وَیُوْتِرَ الْاِقَامَۃَ	فرماتے ہیں کہ صحابہ نے اعلانِ نماز کے لیئے آگ اور ناقوس کی تجویز کی تو یہود و عیسائیوں کا ذکر بھی کیا کہ وہ بھی ان چیزوں سے اعلان عبادت کرتے ہیں تو حضرت بلال کو حکم دیا گیا کہ اذان دو دو بار کہیں اور اقامت ایک ایک بار

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اقامت کے کلمات ایک ایک بار کہے جاویں۔
جواب :۔ اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے کیونکہ اس سے معلوم ہوا کہ اقامت کے سارے کلمات ایک ایک بار ہوں۔ مگر تم کہتے ہو کہ اقامت میں اوّلاً تکبیر چار بار ہو۔ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ دوبار ہو، پھر تکبیر دوبار ہو لہٰذا جو جواب تمہارا ہے وہ ہی ہمارا۔ اگر کہو کہ دوسری حدیثوں میں قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ کو دوبار کہنے کا حکم ہے تو حنفی کہینگے کہ دوسری احادیث میں یہ بھی ہے کہ اقامت کے تمامی کلمات دوبار کہے جاویں وہ احادیث قابلِ عمل کیوں نہیں؟
دوسرے یہ کہ اس حدیث میں حضرت عبداللہ ابن زید کی خواب کا بالکل ذکر نہیں، بلکہ فرمایا گیا کہ جب صحابہ نے آگ یا ناقوس کے ذریعہ اعلان نماز کا مشورہ کیا اور بعض صحابہ نے فرمایا کہ اس میں یہود و نصاریٰ سے مشابہت ہے۔ اسلامی اعلان ان کے خلاف چاہیئے تو فوراً ہی حضرت بلال کو اذان و اقامت کا حکم دیا گیا تو اس اذان و اقامت سے موجودہ مروجہ شرعی اذان مراد نہیں بلکہ لغوی اذان یعنی اعلانِ نماز مراد ہے جو محلہ میں جا کر کیا جاوے اور اقامت سے مراد بوقت جماعت مسجد والوں کو جمع کرنے کے لیئے کیا جاوے کہ آجاؤ جماعت کھڑی ہو رہی ہے۔ چونکہ یہ اعلان ایک ہی بار کافی تھا۔ اس لیئے ایک بار کا ذکر ہوا، پھر اس کے بعد عبداللہ ابن زید رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی خواب کا واقعہ پیش آیا۔ جس سے مروجہ اذان و اقامت قائم کی گئی وہ اعلانات چھوڑ دیئے گئے تیسرے یہ کہ حضرت عبداللہ ابن زید کی خواب میں فرشتے نے جو اقامت کی تعلیم دی اس میں الفاظ اقامت دو دو بار ہیں۔ اور وہ خواب ہی اذان و اقامت کی اصل ہے۔ لہٰذا وہ ہی روایت قابلِ عمل ہے۔ دوسری روایات جو اسکے خلاف ہیں واجب التاویل ہیں یا ناقابلِ عمل۔ خیال رہے کہ یہ خواب صرف حضرت عبداللہ کی نہیں بلکہ ان کے علاوہ سات صحابہ نے یہ ہی خواب دیکھا۔ گویا یہ حدیث متواتر کے حکم میں ہوگئی۔
چوتھے یہ کہ روایات کا اسی پر اتفاق ہے، کہ حضرت بلال اور ابن ام مکتوم نے اذان میں ترجیع اپنے آخر دم تک نہ کی۔ دیکھو مرقاۃ شرح مشکوٰۃ، نیز ان بزرگوں کی اقامت میں اقامت کے کلمات دو دو ہی رہے۔ تو یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ کہ حضرت بلال جیسے مشہور مؤذن حضرت ابن ام مکتوم اپنی ساری عمر نہ تو اذان میں ترجیع کریں نہ تکبیر کے کلمات ایک ایک بار کہیں، حالانکہ انہیں حضور علیہ الصلوٰۃ

والسلام نے یہ حکم دیا ہو۔ لہٰذا ترجیع وغیرہ کی ساری روایتیں واجب التاویل ہیں۔ پانچویں یہ کہ یہ روایات قیاس شرعی کے مخالف ہیں اور ہماری پیش کردہ احادیث قیاس کے موافق، لہٰذا انہیں کو ترجیح ہوگی جب احادیث میں تعارض ہو تو قیاس سے ترجیح ہوتی ہے۔ دیکھو حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا اَلْوُضُوْءُ مِمَّا مَسَّتْهُ النَّارُ آگ کی پکی چیز استعمال کرنے سے وضو واجب ہے۔ دوسری روایت میں آیا کہ حضور علیہ السلام نے گوشت کھا کر نماز پڑھی، وضو نہ فرمایا ان احادیث میں تعارض ہوا، تو قیاس کی وجہ سے دوسری حدیث کو ترجیح ہوئی اب کوئی نہیں کہتا کہ کھانا کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، یہ کلی قانون ہے

اکیسواں باب ۲۱

متنفل کے پیچھے فرض نماز

مسئلہ شرعی یہ ہے نفل والے کے پیچھے فرض نماز ادا نہیں ہوتی، ہاں فرض والے کے پیچھے نفل نماز ہو جاتی ہے، فرض نماز میں یہ بھی ضروری ہے کہ امام بھی فرض پڑھ رہا ہو۔ یہ بھی ضروری ہے کہ امام و مقتدی دونوں ایک ہی نماز پڑھیں، ظہر والا عصر والے کے پیچھے نماز نہیں پڑھ سکتا مگر غیر مقلد وہابی کہتے ہیں کہ فرض نماز نفل والے کے پیچھے جائز ہے۔

نوٹ ضروری۔ بالغ مسلمان کی کوئی نماز نابالغ بچے کے پیچھے جائز نہیں، نہ فرض نہ تراویح نہ نفل، کیونکہ بچے پر نماز فرض نہیں محض نفل ہے، اور بچے کی نفل شروع کرنے کے بعد بھی نفل ہی رہتی ہے۔ اگر بچہ نفل شروع کرکے توڑ دے تو اس پر اس کی قضاء ضروری نہیں لیکن بالغ کی نفل شروع ہو کر ضروری ہو جاتی ہے۔ کہ اگر توڑ دے تو قضا لازمی ہے، اس لئے بالغ کوئی نماز بچہ کے پیچھے نہیں پڑھ سکتا، مگر غیر مقلد وہابیوں کے نزدیک یہ سب کچھ جائز ہے۔ اس لئے ہم اس باب کی بھی دو فصلیں کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں اس مسئلہ کا ثبوت، دوسری فصل میں اس پر

اعتراضات مع جوابات۔

پہلی فصل

متنفل کے پیچھے مفترض کی نماز ناجائز ہے

فرض نماز نفل والے کے پیچھے ادا نہیں ہو سکتی، اس پر بہت احادیث شریفہ اور قیاس شرعی شاہد ہیں، جن میں سے کچھ پیش کی جاتی ہیں۔

نمبر ۱تا۴:۔ ترمذی، احمد، ابوداؤد، شافعی، مشکوٰۃ نے باب الاذان میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالٰے عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ اَلْاِمَامُ ضَامِنٌ وَّالْمُؤَذِّنُ مُؤْتَمَنٌ اَللّٰھُمَّ اَرْشِدِ الْاَئِمَّۃَ وَاغْفِرْ لِلْمُؤَذِّنِیْنَ

فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے امام ضامن ہے اور مؤذن امین ہے۔ اے اللہ اماموں کو ہدایت دے، اور موذنوں کو بخش دے

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امام سارے مقتدیوں کی نمازوں کو اپنی نماز کے ضمن میں لیئے ہوتا ہے اور ظاہر ہے، کہ اعلیٰ شئے ادنیٰ کو اپنے ضمن میں لے سکتی ہے نہ کہ ادنیٰ شئے اعلیٰ کو فرض نفل کو اپنے اندر لے سکتا ہے، کہ نفل سے اعلیٰ ہے، نفل فرض کو اپنے ضمن میں نہیں لے سکتی کہ فرض سے ادنیٰ ہے ایسے ہی ہر فرض نماز اپنے مثل فرض کو اپنے ضمن میں لے سکتی ہے۔ نہ کہ دوسرے فرض کو لہٰذا اگر امام نماز عصر پڑھ رہا ہو تو اس کے پیچھے ظہر کی قضاء نہیں پڑھی جا سکتی کہ نماز عصر نماز ظہر کو اپنے ضمن میں نہیں لے سکتی کہ یہ دونوں نمازیں علیحدہ ہیں۔

حدیث نمبر ۵۔ امام احمد نے حضرت سلیم سلمی سے روایت کی۔

اَنَّہٗ اَتَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ اِنَّ مُعَاذَ ابْنَ جَبَلٍ یَاْتِیْنَا بَعْدَ مَا نَنَامُ وَنَکُوْنُ فِیْ اَعْمَالِنَا بِالنَّھَارِ فَیُنَادِیْ بِالصَّلٰوۃِ فَنَخْرُجُ اِلَیْہِ فَیُطَوِّلُ عَلَیْنَا فَقَالَ

حضرت سلیم حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی۔ یارسول اللہ حضرت معاذ ابن جبل ہمارے پاس ہمارے سو جانے کے بعد آتے ہیں۔ ہم لوگ دن میں اپنے کاروبار میں مشغول رہتے ہیں۔ پھر نماز کی اذان دیتے ہیں۔ ہم نکل کر ان کے پاس آتے

لَہٗ عَلَیْہِ السَّلَامُ یَا مُعَاذُ لَا تَکُنْ فَتَّانًا اِمَّا اَنْ تُصَلِّیَ مَعِیَ وَاِمَّا اَنْ تُخَفِّفَ عَلٰی قَوْمِكَ	ہیں وہ نماز بہت دراز پڑھاتے ہیں تو ان سے حضور نے فرمایا کہ اے معاذ فتنہ کا باعث نہ بنو یا تو میرے ساتھ نماز پڑھ لیا کرو یا اپنی قوم کو ہلکی نماز پڑھایا کرو۔

خیال رہے کہ حضرت معاذ ابن جبل نماز عشاء حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پڑھ کر اپنی قوم میں پہنچ کر انہیں نماز پڑھاتے اور دراز پڑھاتے تھے، جس کی شکایت بارگاہِ نبوی میں ہوئی۔ جس کا واقع یہاں ذکر ہوا۔

معلوم ہوا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ ابن جبل کو اس کی اجازت نہ دی کہ حضور کے ساتھ نماز پڑھ کر اپنی قوم کو پڑھائیں۔ کیونکہ نفل والے کے پیچھے فرض جائز نہیں۔ بلکہ فرمایا کہ یا میرے پیچھے پڑھو، تو قوم کو نہ پڑھاؤ۔ یا قوم کو پڑھاؤ تو میرے پیچھے نہ پڑھو۔

حدیث نمبر ۶۔ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے حضرت سے انہوں نے حضرت ابراہیم نخعی سے روایت کی۔

قَالَ اِذَا دَخَلْتَ فِیْ صَلٰوۃِ الْقَوْمِ وَاَنْتَ لَا تَنْوِیْ صَلٰوتَہُمْ لَا تُجْزِئُكَ وَاِنْ صَلَّی الْاِمَامُ صَلٰوتَہٗ وَنَوَی الَّذِیْ خَلْفَہٗ غَیْرَہَا اَجْزَاَتِ الْاِمَامَ وَلَمْ تُجْزِہِمْ رَوَاہُ الْاِمَامُ مُحَمَّدٌ فِی الْاٰثَارِ	فرماتے ہیں، کہ جب تم قوم کی نماز میں شامل ہوا اور تم ان کی نماز کی نیت نہ کرو۔ تو تمہیں یہ نماز کافی نہیں اور اگر امام ایک نماز پڑھے اور پیچھے والا مقتدی دوسری نماز کی نیت کرے تو امام کی نماز تو ہو جاوے گی اور پیچھے والے کی نہ ہوگی۔

اس سے معلوم ہوا کہ علماء ملت کا بھی یہ ہی مسلک ہے کہ نفل والے کے پیچھے فرض نماز نہیں پڑھی جا سکتی۔ ایسے ہی ایک فرض کے پیچھے دوسرا فرض ادا نہیں ہو سکتا۔

عقل۔ کا تقاضا بھی یہ ہے کہ نفل والے کے پیچھے فرض ادا نہ ہو، کیونکہ امام پیشوا ہے مقتدی اس کا تابعدار امام کی نماز اصل ہے مقتدی کی نماز اس پر متفرع، اس لیئے امام کے سہو سے مقتدی پر سجدۂ سہو واجب ہو جاتا ہے۔ لیکن مقتدی کے سہو سے نہ امام پر سجدہ سہو واجب نہ خود اس مقتدی پر امام کی قرأت مقتدی کے لیئے کافی ہے۔ مگر مقتدی کی

قرأت امام کے لیئے کافی نہیں۔حنفیوں کے نزدیک تو مطلقاً وہابیوں کے نزدیک سورہ فاتحہ کے لئیں۔ اگر امام بے وضو نماز پڑھاوے تو مقتدی کی نماز بھی نہ ہوگی۔ لیکن اگر مقتدی بے وضو پڑھ لے تو امام کی نماز درست ہوگی۔ امام سجدہ کی آیت آیتہ تلاوت کرے تو مقتدی پر سجدہ تلاوت واجب ہے مقتدی سنے یا نہ سنے۔ لیکن اگر مقتدی امام کے پیچھے سجدہ کی آیت تلاوت کرے، تو نہ امام پر سجدہ تلاوت واجب ہو نہ خود اس مقتدی پر۔ اگر امام مقیم ہو اور مقتدی مسافر تو مقتدی کو پوری نماز پڑھنی پڑے گی۔ لیکن اگر امام مسافر ہو اور مقتدی مقیم تو امام پوری نماز نہ پڑھے گا۔ بلکہ قصر کرے گا۔ اس قسم کے بہت مسائل ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ خود مقتدی اور اس کی نماز تابع ہے امام اور امام کی نماز اصل و متبوع ہے متبوع تابع سے یا تو برابر ہو یا اعلیٰ اور نفل نماز، فرض نماز سے درجہ کم ہے۔ تو چاہیئے کہ نفل کے پیچھے فرض ادا نہ ہوں، تاکہ اعلیٰ و افضل ادنیٰ کے تابع نہ ہو جاوے اسی طرح ایک فرض دوسرے فرض کے پیچھے نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ ایک نوع دوسرے نوع کے تابع نہیں ہو سکتی۔ جب نماز عید پڑھانے والے امام کے پیچھے نماز فجر نہیں ہو سکتی، مغرب پڑھانے والے کے پیچھے وتر نہیں ہو سکتے تو ظہر والے کے پیچھے عشاء کی قضاء بھی نہیں ہو سکتی غرضکہ ضروری یہ ہے کہ یا تو امام و مقتدی کی نماز ایک ہو یا مقتدی کی نماز امام کی نماز سے ادنیٰ ہو کہ امام فرض پڑھ رہا ہو۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

ہم اس پر غیر مقلد وہابیوں کی وکالت میں ان کی طرف سے وہ اعتراضات بھی عرض کیئے دیتے ہیں، جو وہ کیا کرتے ہیں، اور وہ بھی جواب تک ان کو سوجھے بھی نہ ہوں گے اور ان تمام کے جوابات دیئے دیتے ہیں۔

اعتراض نمبرا۔ عام محدثین نے حدیث روایت کی کہ معراج کی رات نماز پنجگانہ فرض ہوئیں۔ اس کے بعد دو دن تک حضرت جبریل علیہ السلام نے حضور کو پانچوں نمازیں پڑھائیں پہلے دن ہر نماز اول وقت میں دوسرے دن آخر وقت میں اور پھر عرض کیا کہ حضور ان وقتوں کے

درمیان ان نمازوں کے اوقات ہیں۔ دیکھو حضور پر یہ نمازیں فرض تھیں اور حضرت جبریل ؑ کے لیے نفل کیونکہ نماز پنجگانہ فرشتوں پر فرض نہیں مگر اس کے باوجود جبریل علیہ السلام امام ہیں اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم مقتدی معلوم ہوا کہ نفل والے کے پیچھے فرض نماز درست ہے بلکہ اسلام میں پہلی نماز ایسی ہی ہوئی۔ یعنی نفل کے پیچھے فرض اور یہ فعل سنت نبوی بھی ہے اور سنت جبریلی بھی۔

جواب ۔ اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ بتاؤ جبریل علیہ السلام یہ نمازیں پڑھانے رب کے حکم سے آئے تھے یا خود اپنی طرف سے آگئے بغیر حکم الٰہی۔ دوسری بات تو باطل ہے کیونکہ حضرت جبریل بغیر حکم الٰہی کبھی نہیں آتے رب فرماتا ہے۔

وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ | ہم رب کے حکم کے بغیر نہیں اترتے

لہٰذا ماننا پڑے گا۔ کہ رب تعالےٰ کے حکم سے آئے۔ جب حضرت جبریل کو رب نے ان نمازوں کا حکم دیا تو ان پر فرض ہوگئیں۔ رب کا حکم ہی فرض بنانے والی چیز ہے۔ لہٰذا ان نمازوں میں نفل کے پیچھے فرض نہ پڑھے گئے

دوسرے یہ کہ ان دو دنوں میں نہ حضور پر یہ نمازیں فرض تھیں نہ صحابہ پر کیونکہ اگرچہ معراج کی رات میں نمازیں فرض کر دی گئیں۔ لیکن ابھی ان کا طریقہ ادا اور وقت کی تعلیم نہ دی گئی قانون تشریح سے پہلے واجب العمل نہیں ہوتا۔ اس لیے تمام مسلمانوں نے نہ تو حضرت جبریل کے پیچھے یہ نمازیں پڑھیں نہ ان دنوں کی نمازیں قضا کیں۔ لہٰذا حضور نے حضرت جبریل علیہ السلام کے پیچھے نفل پڑھے الحمد للہ کہ تمہارا اعتراض جڑ سے اوکھڑ گیا۔

اعتراض نمبر ۲۔ مسلم و بخاری نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ كَانَ مُعَاذُ ابْنُ جَبَلٍ يُصَلِّيْ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ يَاْتِيْ قَوْمَهٗ فَيُصَلِّيْ بِهِمْ۔ | فرماتے ہیں کہ حضرت معاذ ابن جبل حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتے تھے۔ پھر اپنی قوم میں آتے اور انہیں نماز پڑھاتے تھے۔

دیکھو حضرت معاذ عشا کے فرض حضور کے پیچھے پڑھ لیتے تھے پھر اپنی قوم میں آکر پڑھاتے تھے آپ کی نماز نفل تھی اور سارے مقتدیوں کی نماز فرض معلوم ہوا کہ نفل والے کے پیچھے فرض

پڑھنا سنت صحابہ ہے

جواب - اس اعتراض کے چند جواب ہیں - ایک یہ کہ ہوسکتا ہے کہ حضرت معاذ ابن جبل حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نفل پڑھتے ہوں اور قوم کے ساتھ فرض ادا کرتے ہوں حضرت معاذ نے یہ کہیں نہیں فرمایا کہ میں حضور کے پیچھے فرض پڑھ لیا کرتا ہوں اور مقتدیوں کے آگے نفل کی نیت کرتا ہوں لہٰذا آپ کے لیئے یہ حدیث بالکل بے فائدہ ہے۔

دوسرے یہ کہ اس حدیث میں یہ نہیں آیا کہ حضرت معاذ نے یہ کام حضور کی اجازت سے کیا کہ انہیں حضور نے اجازت دی ہو کہ فرض میرے پیچھے پڑھ لیا کرو اور نفل مقتدیوں کے ساتھ یہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا اجتہاد تھا، جو کہ واقعہ میں درست نہ تھا۔ بارہا صحابہ کرام سے اجتہادی غلطی ہوئی۔

تیسرے یہ کہ ہم پہلی فصل میں حدیث پیش کر چکے ہیں، کہ جب حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حضرت معاذ کے اس عمل کی اطلاع دی گئی، تو حضور نے انہیں اس سے منع فرمادیا اور حکم دیا کہ یا تو میرے ساتھ نماز پڑھا کرو یا مقتدیوں کو ہلکی نماز پڑھایا کرو۔ معلوم ہوا۔ حضرت معاذ کا یہ اجتہاد سنت نبوی کے خلاف ہونیکی وجہ سے ناقابلِ عمل ہے۔

اعتراض نمبر ۳ - بیہقی اور بخاری نے انہی حضرت جابر سے حضرت معاذ کا یہی واقعہ روایت کیا۔ اس کے الفاظ یہ ہیں۔

قَالَ كَانَ مَعَاذٌ يُصَلِّي مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعِشَاءَ ثُمَّ يَرْجِعُ إِلَى قَوْمِهِ فَيُصَلِّي بِهِمُ الْعِشَاءَ وَهِيَ لَهُ نَافِلَةٌ۔

فرماتے ہیں کہ حضرت معاذ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کیساتھ نماز عشاء پڑھ لیتے تھے۔ پھر اپنی قوم کی طرف لوٹتے تھے تو انہیں عشاء پڑھاتے تھے یہ نماز ان کی نفل ہوتی تھی

اس حدیث سے صاف معلوم ہوا کہ حضرت معاذ ابن جبل حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نفل نہ پڑھتے تھے۔ بلکہ فرض ہی پڑھتے تھے اور مقتدیوں کے آگے نفل ادا کرتے تھے۔ لہٰذا یہ نہیں کہا جاسکتا کہ آپ حضور کے پیچھے نفل اور مقتدیوں کے ساتھ فرض پڑھتے تھے

جواب - آپ کی یہ حدیث حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے وہ حضرت

معاذ کا یہ واقعہ نقل کر کے اپنے انداز سے اور قیاس سے فرماتے ہیں، کہ حضور کے ساتھ فرض پڑھتے تھے، اس میں یہ نہیں کہ حضرت معاذ نے اپنی نیت و ارادے کا پتہ دیا ہو۔ دوسرے کی نیت کے متعلق اس سے بغیر پوچھے یقین سے نہیں کہا جا سکتا اور نہ اس میں یہ ہے کہ انہیں حضور نے اس کی اجازت دی۔ لہٰذا یہ حدیث کسی طرح آپ کی دلیل نہیں بن سکتی۔

اعتراض نمبر ۴ - بخاری شریف نے حضرت عمرو ابن سلمہ سے ایک طویل حدیث روایت کی۔ جس میں وہ فرماتے ہیں کہ ہماری قوم ایک گھاٹ پر رہتی تھی۔ جہاں سے قافلے گزرا کرتے تھے۔ میں حجازی قافلوں سے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے حالات اور قرآنی آیات پوچھتا رہتا تھا۔ فتح مکہ کے بعد میرے والد مدینہ منورہ حاضر ہو کر اپنی قوم کی طرف سے اسلام لائے وہاں سے نماز کے احکام معلوم کیئے ان سے حضور نے فرمایا کہ اذان کوئی دے دیا کرے مگر نماز وہ پڑھائے جسے زیادہ قرآن کریم یاد ہو۔ جب واپس ہوئے تو انہیں پتہ لگا، کہ مجھے قرآن کریم سب سے زیادہ یاد تھا۔ مجھے امام بنا دیا۔ اس وقت میری عمر چھ سات سال تھی، میں قوم کو نماز پڑھاتا تھا۔

حدیث کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

فَكَانَتْ عَلَيَّ بُرْدَةٌ كُنْتُ اِذَا سَجَدْتُ تَقَلَّصَتْ عَنِّي فَقَالَتْ اِمْرَاءَةٌ مِنَ الْحَيِّ اَلَا تُغَطُّوْنَ عَنَّا اِسْتَ قَارِئِكُمْ فَاشْتَرُوْا فَقَطَعُوْا لِي قَمِيْصًا۔
(مشکوٰۃ باب الامامۃ)

مجھ پر ایک چادر ہوتی تھی، کہ جب میں سجدہ کرتا تو کھل جاتی تو قبیلے کی ایک عورت نے کہا کہ اپنے قاری صاحب کے چوتڑ کیوں نہیں ڈھکتے تو لوگوں نے میرے لیئے کپڑا خرید کر قمیص سی دی۔

دیکھو عمرو ابن سلمہ صحابی ہیں، اور تمام صحابہ ان کے پیچھے نماز فرض پڑھتے ہیں، عمرو ابن سلمہ رض کی عمر شریف چھ سال ہے ان پر کوئی نماز فرض نہیں بچے کی نفل بھی بہت ادنیٰ ہوتی ہے لیکن جوان بڈھے ان کے پیچھے فرض ادا کرتے ہیں معلوم ہوا کہ نفل والے کے پیچھے فرض ادا ہو جاتے ہیں

جواب ۔ اس کے وہ ہی جوابات ہیں جو اعتراض ۲ کے ماتحت گزر گئے کہ ان کا یہ عمل اپنی رائے سے تھا۔ نہ کہ حضور کے فرمانے سے چونکہ یہ حضرات تازہ اسلام لائے تھے۔ احکام شرعی کی خبر نہ تھی بے خبری میں ایسا کیا۔ اگر آپ اس حدیث سے یہ مسئلہ ثابت کرتے ہو تو یہ بھی

مان لو کہ ننگے امام کے پیچھے بھی نماز جائز ہے۔ کیونکہ عمرو ابن سلمہ خود فرماتے ہیں کہ میرا کپڑا اتنا چھوٹا تھا۔ کہ سجدہ میں چادر ہٹ جاتی اور چوتڑ ننگے ہو جاتے تھے۔ اس کے باوجود یہ حضرات نمازیں پڑھتے رہے، کسی نے نماز نہ لوٹائی کیوں مسائل شرعیہ سے بے خبری کی وجہ سے افسوس کہ آپ حضرات آنکھ بند کر کے حدیث پڑھتے ہیں۔

اس تمام گفتگو سے معلوم ہوا کہ اس مسئلہ کے متعلق وہابیوں کے پاس صریح مرفوع حدیث موجود نہیں نہ حدیث قولی نہ فعلی یوں ہی چند شبہات کی بنا پر اس مسئلہ کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ اور امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ پر محض عداوت سے تبرا کرتے اور ان کی جناب میں گستاخیاں گالی گلوچ بکتے ہیں

۲۲ بائیسواں باب

خون اور قے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے

شرعی مسئلہ یہ ہے کہ آٹھ چیزیں وضو توڑ دیتی ہیں، جو چیز پیشاب پاخانہ کی راہ سے نکلے، غفلت کی نیند، غشی، نشہ، جنون، نماز میں ٹھٹھہ لگا کر ہنسنا، بہتا ہوا خون، منہ بھر کر قے ان کی تفصیل کتب فقہ میں دیکھو۔

مگر غیر مقلد وہابیوں کے نزدیک نہ تو بہتا ہوا خون وضو توڑے، نہ منہ بھر کر قے، لہٰذا کوئی حنفی کسی غیر مقلد کے پیچھے نماز نہ پڑھے، کیونکہ یہ لوگ بد عقیدہ بھی ہیں اور ان کے وضو کا بھی اعتبار نہیں کیا خبر ہے کہ قے کر کے یا نکسیر وغیرہ کر کے آئیں اور بغیر وضو کیے مصلے پر کھڑے ہو جائیں، چونکہ غیر مقلد اس مسئلے پر بھی بہت شور مچاتے ہیں۔ اس لیے ہم اس باب کی بھی دو فصلیں کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں اس کا ثبوت اور دوسری فصل میں اس پر اعتراضات مع جوابات، رب تعالٰی قبول فرما دے۔

پہلی فصل

قے اور بہتا خون بھی وضو توڑتا ہے،

حنفیوں کے نزدیک منہ بھر قے اور جسم سے خون کا نکل کر ظاہر بدن پر بہ کر پہنچ جانا وضو توڑ دیتا ہے۔ ظاہر بدن وہ ہے، جس کا دھونا غسل میں فرض ہے، دلائل ملاحظہ ہوں۔

نمبر ۱۔ دارقطنی نے حضرت تمیم داری رضی اللہ تعالٰے عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّے اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْوُضُوْءُ مِنْ کُلِّ دَمٍ سَائِلٍ

فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ وضو واجب ہے ہر بہتے ہوئے خون سے

نمبر ۲۔ ابن ماجہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰے عنہا سے روایت کی۔

قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ اَصَابَہٗ قَیْءٌ اَوْ رُعَافٌ اَوْ قَلْسٌ اَوْ مَذْیٌ فَلْیَنْصَرِفْ وَلْیَتَوَضَّأْ۔

فرماتی ہیں کہ فرمایا نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے جس کسی کو قے یا نکسیر یا مذی آجاوے تو نماز سے علیحدہ ہو جاوے اور وضو کرے۔

نمبر ۳۔ ابن ماجہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کی کہ حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں فاطمہ بنت ابی حبیش حاضر ہو کر عرض کرنے لگیں کہ مجھے استحاضہ کا خون اتنا ہے کہ میں کبھی پاک نہیں ہوتی، کیا نماز چھوڑ دوں؟ فرمایا کہ یہ حیض نہیں ہے رگ کا خون ہے۔ لہذا۔

اِجْتَنِبِی الصَّلٰوۃَ اَیَّامَ مَحِیْضِكِ ثُمَّ اَغْتَسِلِیْ وَتَوَضَّئِیْ لِکُلِّ صَلٰوۃٍ وَاِنْ قَطَرَ الدَّمُ عَلَی الْحَصِیْرِ۔

حیض کے زمانہ میں نماز سے بچو۔ پھر غسل کرو اور ہر نماز کے لیئے وضو کرو پھر نماز پڑھو اگرچہ خون چٹائی پر ٹپکتا رہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ استحاضہ کا خون وضو توڑ دیتا ہے، ورنہ حضور علیہ السلام ان بی بی صاحبہ پر معذور کے احکام جاری نہ فرماتے اور ہر نماز کے وقت ان پر وضو لازم نہ فرماتے دیکھو جیسے ریح یا قطرے کی بیماری ہو وہ۔ ہر نماز کے وقت ایک وضو کر کے نماز پڑھ سکتا ہے کیونکہ ریح اور پیشاب وضو توڑنے والی چیز ہے۔

نمبر۴۔ ابن ماجہ نے حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت کی۔

عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَاءَ اَوْ رَعَفَ فِی صَلٰوتِہٖ فَلْیَنْصَرِفْ وَلْیَتَوَضَّأْ وَلْیَبْنِ عَلٰی صَلٰوتِہٖ مَا لَمْ یَتَکَلَّمْ

آپ نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتی ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا جس کو نماز میں قے یا نکسیر آجاوے وہ نماز سے علیحدہ ہوجاوے اور وضو کرے اور اپنی نماز پر بنا کرے جبتک کہ بات نہ کی ہو۔

نمبر۵ و ۶۔ ترمذی و ابوداؤد نے حضرت طلق ابن علی سے روایت کی۔

قَالَ اِعْرَابِیٌّ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَلرَّجُلُ مِنَّا یَکُوْنُ فِی الْفَلَاۃِ فَتَکُوْنُ مِنْہُ رُوَیْحَۃٌ وَیَکُوْنُ فِی الْمَاءِ قِلَّۃٌ فَقَالَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا قَاءَ اَحَدُکُمْ فَلْیَتَوَضَّأْ۔ مُلَخَّصًا۔

ایک بدوی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہم میں سے کوئی شخص جنگل میں ہوتا ہے اسکی ریح نکل جاتی ہے اور پانی میں تنگی ہوتی ہے تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی قے کرے تو وضو کرے (ملخصًا)

کذا فی جمع الفوائد من جامع الاصول ومجمع الزوائد۔

نمبر۷۔ ترمذی نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالٰے عنہ سے روایت کی۔

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَاءَ فَتَوَضَّأَ فَلَقِیْتُ ثَوْبَانَ فِیْ مَسْجِدِ دِمَشْقَ فَذَکَرْتُ ذٰلِکَ لَہٗ فَقَالَ صَدَقَ اَنَا صَبَبْتُ لَہٗ وَضُوْءَہٗ وَ حَدِیْثُ حُسَیْنٍ اَصَحُّ شَیْءٍ فِیْ ھٰذَا الْبَابِ۔

ایک بار نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو قے آئی تو آپ نے وضو کیا پھر میں دمشق کی مسجد میں حضرت ثوبان سے ملا تو ابوالدرداء کی یہ حدیث بیان کی آپ نے فرمایا ابوالدرداء نے سچ کہا پانی میں نے ہی ڈالا تھا یعنی میں نے ہی وضو کرایا تھا۔
حسین کی یہ حدیث نہایت ہی صحیح ہے اس بارے میں

نمبر۸۔ طبرانی نے کبیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰے عنہ سے روایت کی۔

رَفَعَہٗ قَالَ اِذَا رَعَفَ اَحَدُکُمْ فِیْ صَلٰوتِہٖ فَلْیَنْصَرِفْ فَلْیَغْسِلْ عَنْہُ الدَّمَ ثُمَّ لِیُعِدْ وُضُوْءَہٗ

آپ مرفوع فرماتے ہوتے کہتے ہیں کہ جب تم میں سے کسی کو نماز میں نکسیر آجاوے تو علیحدہ ہو جاوے اور خون کو دھو دے پھر وضو لوٹائے

نمبر ۹۔ دار قطنی نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالٰے عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا قَاءَ اَحَدُکُمْ اَوْ رَعَفَ وَھُوَ فِی الصَّلٰوۃِ اَوْ اَحْدَثَ فَلْیَنْصَرِفْ وَلْیَتَوَضَّاءْ

فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم میں سے کسی کو نماز میں قے یا نکسیر آجاوے یا اور کوئی حدث کرے، تو علیحدہ ہو جاوے اور وضو کرے

نمبر ۱۰۔ ابن ابی شیبہ نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ مَنْ رَعَفَ فِیْ صَلٰوۃٍ فَلْیَنْصَرِفْ فَلْیَتَوَضَّاءْ فَاِنْ لَّمْ یَتَکَلَّمْ بَنٰی عَلٰی صَلٰوتِہٖ وَاِنْ تَکَلَّمَ اِسْتَانَفَ

فرماتے ہیں کہ جسے نماز میں نکسیر آجاوے تو وہ علیحدہ ہو جاوے اور وضو کرے پھر اگر کلام نہ کیا ہو تو باقی نماز پوری کرے اور اگر کلام کر لیا ہو تو نئے سرسے پڑھے

نمبر ۱۱۔ امام مالک نے حضرت یزید ابن قسط لیثی سے روایت کی۔

اِنَّہٗ رَاٰی سَعِیْدَ ابْنَ الْمُسَیَّبِ رَعَفَ وَھُوَ یُصَلِّیْ فَاَتٰی حُجْرَۃَ اُمِّ سَلَمَۃَ زَوْجِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاُتِیَ الْوَضُوْءُ فَتَوَضَّاءَ ثُمَّ رَجَعَ فَبَنٰی عَلٰی مَا قَدْ صَلّٰی

انہوں نے حضرت سعید ابن مسیب کو دیکھا کہ انہیں نماز میں نکسیر آگئی تو آپ حضرت ام سلمہ زوجہ رسول صلے اللہ علیہ وسلم کے گھر میں آئے تو انہیں پانی دیا گیا انہوں نے وضو کیا، پھر واپس ہوئے اور بقیہ نماز پوری کی۔

نمبر ۱۲۔ ابوداؤد نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کی

قَالَتْ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا اَحْدَثَ اَحَدُکُمْ فِیْ صَلٰوتِہٖ فَلْیَاْخُذْ بِاَنْفِہٖ ثُمَّ لِیَنْصَرِفْ۔

فرماتی ہیں کہ فرمایا نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ جب نماز میں کسی کا وضو ٹوٹ جاوے تو وہ اپنی ناک پکڑ لے پھر چلا جاوے۔

(مشکوٰۃ باب ما یجوز من العمل)

اس حدیث میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے نمازی کو تدبیر یہ بتائی، کہ اگر نماز میں کسی کی ریح نکل جاوے تو اپنے عیب کو چھپانے کے لیئے ناک پر ہاتھ رکھ لے تاکہ لوگ سمجھیں کہ اس کی نکسیر پھوٹ گئی پھر مسجد سے نکل کر وضو کی جگہ جاکر وضو کرلے، اگر نکسیر سے وضو نہ ٹوٹتا ہوتا تو یہ تدبیر بے فائدہ ہوتی ہم نے بطور نمونہ بارہ حدیثیں پیش کردیں، ورنہ اس کے متعلق بہت احادیث موجود ہیں اگر شوق ہو تو صحیح البہاری شریف کا مطالعہ فرماؤ۔

عقل کا تقاضا بھی یہ ہی ہے کہ بہتا خون اور منہ بھر قے وضو توڑ دے کیونکہ وضو طہارت اور پاکی ہے، ناپاکی نکلنے سے وضو ٹوٹ جانا چاہیئے، اسی لیئے پیشاب، پاخانہ اور ریح سے وضو جاتا رہتا ہے، بہتا خون، منہ بھر قے ناپاک ہے، قرآن کریم فرماتا ہے۔ اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اسی لیئے بہنے خون والا جانور ذبح سے حلال ہوتا ہے۔ تاکہ ناپاک خون اللہ کے نام پر نکل جاوے۔ تو جیسے پیشاب پاخانہ اور ریح نکلنے پر وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ کیوں؟ اس لیئے کہ ناپاک چیز نکلی، ایسے ہی بہتا ہوا خون اور قے نکلنے سے بھی وضو ٹوٹ جانا چاہیئے، کیونکہ یہ بھی نجس ہے، جو جسم سے نکلا، نیز استحاضہ اور بواسیر کے خون سے اور مرد کی پیشاب کی جگہ سے خون نکلنے سے بالاتفاق وضو ٹوٹ جاتا ہے، استحاضہ کے خون کے متعلق تو حدیث مرفوع بھی وارد ہے۔ جیساکہ ہم اس فصل میں عرض کر چکے، جب یہ تین قسم کے خون وضو توڑ دیتے ہیں تو لامحالا دوسری جگہ سے خون نکل کر بھی وضو توڑے گا۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

حقیقت یہ ہے کہ غیر مقلد وہابیوں کے پاس اس مسئلہ پر کوئی قوی دلیل نہیں، صرف کچھ شبہات اور وہمیات ہیں، مگر تکمیل بحث کے لیئے ہم ان کے جوابات بھی دیئے دیتے ہیں۔

اعتراض نمبر ۱۔ احمد و ترمذی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا وُضُوْءَ اِلَّا مِنْ صَوْتٍ اَوْ رِیْحٍ | فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ نہیں ہے وضو مگر آواز سے یا آہستہ ریح سے

اس سے معلوم ہوا کہ وضو صرف ریح سے ٹوٹتا ہے، خون قے اس کے علاوہ ہے لہٰذا اس سے وضو نہیں ٹوٹنا چاہیئے الاّ حصر کے لیئے ہے۔

جواب۔ اس کے دو جواب ہیں، ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے کیونکہ تم بھی کہتے ہو کہ پیشاب، پاخانہ، بلکہ عورت یا شرمگاہ کو چھونے سے بھی وضو ٹوٹ جاتا ہے اور الاّ کے حصر سے معلوم ہوتا ہے کہ سوائے ریح کے کسی چیز سے وضو نہ جاوے تو جو تمہارا جواب

ہے وہ ہی ہمارا جواب ہے۔

دوسرے یہ کہ یہ حصر اضافی ہے نہ کہ حقیقی، مطلب یہ ہے کہ اگر کسی کو ریح نکلنے کا شبہ ہو تو بغیر آواز یا بدبو یا یقینی احساس ہوئے وضو نہیں ٹوٹے گا۔

اس کی تفسیر وہ حدیث ہے، جو مسلم شریف نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کی

إِذَا وَجَدَ أَحَدُكُمْ فِي بَطْنِهِ شَيْئًا فَأَشْكَلَ عَلَيْهِ أَخَرَجَ مِنْهُ شَيْءٌ أَمْ لَا فَلَا يَخْرُجَنَّ مِنَ الْمَسْجِدِ حَتّٰى يَسْمَعَ صَوْتًا أَوْ يَجِدَ رِيحًا۔

جب تم میں سے کوئی اپنے پیٹ میں کچھ حرکت پائے اس لیئے اسے شبہ ہو جاوے کہ کچھ ہوا نکلی یا نہیں تو مسجد سے نہ نکلے، یہاں تک کہ آواز سنے، یا بُو پائے۔

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ آپ کی پیش کردہ حدیث اس شخص کے متعلق ہے۔ جسے ریح نکلنے کا شبہ ہو، حدیث کا منشاء کچھ اور ہے اور آپ کچھ اور کہہ رہے ہیں۔

اعتراض نمبر ۲۔ حاکم نے حضرت جابر ابن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

اَنَّهُ كَانَ فِي غَزْوَةِ ذَاتِ الرِّقَاعِ فَرُمِيَ رَجُلٌ مِنْهُ فَنَزَفَهُ الدَّمُ فَرَكَعَ وَسَجَدَ وَمَضٰى فِي صَلٰوتِهٖ

کہ آپ غزوہ ذات الرقاع میں تھے کہ ایک صحابیؓ کے تیر لگا ان کے خون نکلا، مگر انہوں نے رکوع کیا سجدہ کیا اور نماز پوری کرلی۔

اس سے معلوم ہوا کہ صحابی کو عین نماز کی حالت میں تیر لگا خون نکلا، مگر انہوں نے نماز نہ توڑی بلکہ رکوع سجدہ کرکے نماز مکمل کرلی، اگر خون نکلنا وضو توڑتا تو اسی وقت آپ نماز توڑ کر وضو کرنے پھر نماز یا نئے سرے سے پڑھتے یا وہ ہی پوری فرماتے، معلوم ہوا کہ خون وضو نہیں توڑتا۔

جواب۔ اس اعتراض کے چند جواب ہیں، ایک یہ کہ یہ حدیث آپ کے بھی خلاف ہے کیونکہ جب ان صحابی کے تیر لگا۔ خون بہا تو یقیناً ان کے کپڑے اور جسم خون آلودہ ہو گئے۔ لیکن اس کے باوجود وہ نماز پڑھتے ہی رہے، تو چاہیئے کہ آپ خون، پیشاب پاخانہ سے بھرے ہوئے کپڑوں میں نماز جائز کہو، حالانکہ تمام اہل اسلام کا اتفاق ہے، کہ نمازی کا بدن و کپڑا پاک ہونا چاہیئے، لہٰذا یہ حدیث کسی طرح قابل عمل نہیں۔

دوسرے یہ کہ اس حدیث میں یہ مذکور نہیں کہ ان صحابی نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی اجازت

سے یہ عمل کیا، معلوم ہوتا ہے دوسری واقفیت انہیں نہ تھی۔ اس لیئے ایسا کر گزرے۔

تیسرے یہ کہ حدیث تمام ان مرفوع و موقوف حدیثوں کے خلاف ہے، جو ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے، لہٰذا ناقابل عمل ہے۔

چوتھے یہ کہ یہ حدیث قرآن کریم کے بھی خلاف ہے، کیونکہ رب تعالیٰ نے بدن و کپڑے پاک رکھنے کا حکم دیا ہے، رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ گندگی سے دور رہو۔ اور فرماتا ہے۔ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ اپنے کپڑے پاک رکھو۔ اور اس حدیث سے معلوم ہوا، کہ ان بزرگ نے گندے جسم اور گندے کپڑوں میں نماز پڑھ لی۔ لہٰذا یہ حدیث ہرگز قابل عمل نہیں۔

پانچویں یہ کہ پتہ نہیں چلتا کہ وہ صحابی جن کا یہ واقعہ ہے، کون ہیں فقیہ ہیں یا غیر فقیہ اگر فقیہ ہیں تو انہوں نے اجتہاد سے یہ کام کیا جو حدیث مرفوع اور تمام فقہاء صحابہ کے خلاف ہے اور جو اجتہاد حدیث کے خلاف ہو وہ واجب ترک ہے، اور اگر غیر فقیہ ہیں تو ان سے یہ ہوا بہر حال حدیث کسی طرح قابل عمل نہیں۔

تیسرا اعتراض۔ اگر خون وضو توڑتا ہے۔ تو چاہیئے کہ تھوڑا خون بہتا نہ ہو وہ بھی وضو توڑ دے جیسے پیشاب ناقص وضو ہے، بہے یا صرف ایک قطرہ ہی نکلے، جب تھوڑا خون یعنی نہ بہنے والا وضو نہیں توڑتا، تو زیادہ خون بھی ناقص وضو نہیں، ایسے ہی قے اگر ناقص وضو ہے تو خواہ منہ بھر کر ہو یا تھوڑی، وضو توڑ دیتی ہے۔ یہ فرق تم نے کہاں سے نکالا؟

جواب۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ آپ قیاس کے قائل تو ہوئے کہ زیادہ خون کو تھوڑے خون پر اور خون کو پیشاب پر قیاس کرنے لگے مگر جیسے آپ ہیں ویسے ہی آپ کا قیاس۔ جناب گندگی کا نکلنا وضو توڑتا ہے پیشاب مطلقاً گندا ہے، تھوڑا ہو زیادہ، خون بہنے والا گندا ہے، رب تعالیٰ قبول فرماتا ہے اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا نہ بہنے والا گندا نہیں، آپ کا یہ قیاس قرآنی آیت کے خلاف ہے نیز ہر گندگی اپنے معدن میں جہاں وہ پیدا ہو پاک ہوتی۔ ہے، معدن سے نکل کر ناپاک ہوتی ہے دیکھو آنتوں میں پاخانہ اور مثانہ میں پیشاب بھرا ہے۔ مگر پاک ہے اس لیئے آپ کی نماز درست ہوتی ہے۔ اگر یہ ناپاک ہوتے تو نماز کسی طرح جائز نہ ہوتی کہ گندگی اٹھائے ہوئے کی نماز نہیں ہوتی ایسے ہی گندا انڈا جو اندر سے خون ہو گیا ہو جیب میں ڈال کر نماز پڑھ سکتے ہیں، اس کے اندر کا خون

چونکہ اپنے معدن میں ہے پاک ہے۔ جب یہ سمجھ لیا، تو اب پیشاب اور خون نکلنے میں فرق سمجھو پیشاب کی جگہ مثانہ ہے، وہ مثانہ سے ہٹ کر پیشاب کی نالی میں آکر چمکتا ہے۔ لہٰذا نجس ہے اگرچہ ایک بوند ہو مگر خون سارے جسم میں دوڑ رہا ہے اور کھال کے نیچے اس کا معدن ہے۔ اگر کہیں سوئی چبھ گئی اور خون چمک گیا، مگر بہا نہیں، تو وہ اپنی معدن میں رہ کر چمکا ہے، ناپاک نہیں، ہاں جب بہے تو سمجھو، کہ اپنے معدن سے علیحدہ ہو گیا اور ناپاک، اس فرق کی بنا پر پیشاب تو چمک کر بھی وضو توڑ دیتا ہے، مگر خون بہ کر توڑے گا۔ غرضکہ خون کا نکلنا اور ہے چمکنا کچھ اور لہٰذا خون کو پیشاب پر قیاس کرنا مع الفارق ہے۔

اعتراض نمبر ۴۔ عینی شرح بخاری نے ایسی بہت سی حدیثیں نقل کیں۔

اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَاءَ وَلَمْ یَتَوَضَّاْ۔ | بے شک نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے قے کی اور وضو نہ کیا۔

اگر قے وضوء توڑتی، تو حضور قے کر کے وضو کیوں نہ فرماتے؟

جواب۔ ماشاء اللہ کیسا نفیس اعتراض ہے، جناب یہ بھی احادیث میں آتا ہے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم بیت الخلاء سے تشریف لائے اور وضوء کے لیے پانی پیش کیا گیا۔ مگر حضور علیہ السلام نے وضو نہ کیا تو کہہ دینا کہ پیشاب پاخانہ بھی وضو نہیں توڑتا، جناب وضوء نہ کرنے کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت وضوء کی ضرورت نہ تھی۔ وضو ٹوٹ جانے پر فوراً وضوء کرنا واجب نہیں، ہاں اگر حضور فرماتے کہ قے وضو نہیں توڑتی، تو آپ پیش کر سکتے تھے۔ اگر یہ احادیث اس مسئلہ کی دلیل ہو سکتیں تو امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ ضرور پیش فرماتے امام ترمذی نے خون و قے کے ناقض وضوء ہونے پر نہایت صحیح حدیث پیش کی اور ناقض نہ ہونے پر کوئی حدیث بیان نہ کی، صرف علماء کا مذہب بیان فرمایا، معلوم ہوا، کہ ان کی نظر میں قے و خون کے وضو نہ توڑنے کی کوئی حدیث نہیں۔ کیونکہ وہ ہر مسئلہ پر حدیث پیش ہیں۔

اعتراض نمبر ۵۔ قے وخون کے متعلق آپ نے جو احادیث پیش کیں، جن میں ارشاد ہوا کہ جس نمازی کو نماز میں قے یا نکسیر آجاوے تو وہ وضو کرے، وہاں وضوء سے مراد خون و قے سے کپڑا دھو لینا ہے، نہ کہ شرعی وضو جیسے کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اَلْوُضُوْءُ مِمَّا مَسَّتْہُ

النَّارُ آگ کی پکی چیز کھانے سے وضو ہے، وہاں وضوء سے مراد ہاتھ دھونا۔ کلی کرنا ہے نہ کہ شرعی وضو، کیونکہ کھا کر ہاتھ دھونا، کلی کرنا سنت ہے یہ ناقض وضوء نہیں، ایسے ہی یہاں ہے لہٰذا تمہارے دلائل غلط ہیں۔

جواب :۔ واقعی آپ کا یہ سوال ایسا ہے جو آج تک کسی کو نہ سوجھا ہوگا۔ ذہن نے بہت رسائی کی، اسی کا نام تحریف ہے، اوّلاً تو آپ نے یہ غور نہ کیا کہ وہاں وضوء کے عرفی معنے خود حضور علیہ السلام نے بیان فرما دیئے، کہ ایک بار کھانا تناول کر کے ہاتھ دھوئے کلی کی اور فرمایا، هٰذَا وُضُوْءُ مِمَّا مَسَّتْهُ النَّارُ آگ کی پکی چیز کھانے سے وضو یہ ہے، یہاں آپ یہ معنے چھوڑ کر غیر معروف معنے کیوں مراد لے رہے ہو۔ نیز اس حدیث میں یہ ہے، کہ جس کو نماز میں قے یا نکسیر آجاوے۔ تو وضو کرے اور نماز کی بنا کرے یعنی باقی نماز پوری کرے، اگر کپڑا دھونا مراد ہوتا تو نماز کی بنا جائز نہ ہوتی بلکہ دوبارہ پڑھنی پڑتی، جس کا کپڑا نماز میں نجس ہو جاوے اور وہ دھوئے، وہ بنا نہیں کر سکتا دوبارہ پڑھے گا۔ لہٰذا آپ کی یہ توجیہہ محض باطل ہے۔

تیئسواں باب ۲۳

ناپاک کنواں پاک کرنا

مسئلہ شرعی یہ ہے کہ اگر کنوئیں، گڑھے یا گھڑے وغیرہ میں تھوڑی سی بھی ناپاکی گر جاوے تو ان کا پانی نجس ہو جاوے گا، کہ نہ پیا جا سکتا ہے، نہ اس سے وضو وغیرہ جائز ایک قطرہ پیشاب کنوئیں کو گندا کر دیتا ہے، سمندر، تالاب یا بہتا پانی اُن کے احکام جداگانہ ہیں۔ مگر غیر مقلد وہابی کہتے ہیں کہ جب پانی دو مشکے ہو تو اس میں خواہ کتنی ہی نجاست پڑ جاوے ناپاک نہ ہوگا، جب تک کہ اس کا رنگ یا بُو یا مزہ نہ بدلے، لہٰذا ان کے نزدیک کنوئیں میں خوب ہگو موتو کنواں پاک ہے شوق سے اس کا پانی پیئو۔ وضو کرو، پھر طرّہ یہ ہے کہ اس مسئلے پر امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالےٰ

عنہ کو گالیاں دیتے ہیں، کہ انہوں نے گندگی گر جانے پر کنویں کو پاک کیوں نہیں قرار دیا۔ مسلمانوں کو پیشاب کیوں نہ پینے دیا۔ حنفیوں کو چاہیئے کہ نہ تو غیر مقلد وہابیوں کے پیچھے نمازیں پڑھیں نہ ان کے کنووں کا پانی بے تحقیق پیئیں۔ ان کے کنویں اکثر گندے ہوتے ہیں، جن سے یہ لوگ کپڑے دھونے، نہانے اور وضو کرتے ہیں، نہ ان کے بدن پاک، نہ کپڑے پاک چونکہ اس مسئلہ کا یہ لوگ بہت مذاق اڑاتے اور آوازے کستے ہیں اور کہتے ہیں، کہ یہ مسئلہ احادیث کے بالکل خلاف ہے۔ اس لیے ہم اس مسئلہ کی بھی دو فصلیں کرتے ہیں، پہلی فصل میں اس مسئلہ کے دلائل، دوسری فصل میں اس پر سوالات مع جوابات۔

پہلی فصل

کنوئیں کا ناپاک ہونا

کنواں خواہ کتنا ہی گہرا ہو، اور اس میں کتنا ہی پانی ہو۔ اگر اسمیں ایک قطرہ شراب یا پیشاب یا چوہا بلی وغیرہ گر کر مر جاوے تو ناپاک ہے بغیر پاک کیئے اس کا پانی استعمال کے قابل نہیں اس کے متعلق بہت سی احادیث وارد ہیں۔ جن میں سے ہم بطور نمونہ چند پیش کرتے ہیں ملاحظہ ہوں۔

نمبر ۱ تا ۴۔ مسلم، نسائی، ابن ماجہ، طحاوی نے حضرت جابر رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت کی۔

عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ نَھٰی اَنْ یُبَالَ فِی الْمَاءِ الرَّاکِدِ ثُمَّ یَتَوَضَّأُ فِیْہِ

منع فرمایا نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس سے کہ ٹھہرے پانی میں پیشاب کیا جاوے، پھر اس سے وضو کیا جاوے

نمبر ۵ تا ۹۔ مسلم و طحاوی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَغْتَسِلُ اَحَدُکُمْ فِی الْمَاءِ الدَّائِمِ وَھُوَ جُنُبٌ فَقَالَ کَیْفَ یَفْعَلُ یَا اَبَاھُرَیْرَۃَ قَالَ یَتَنَاوَلُہٗ تَنَاوُلًا

فرمایا نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ کوئی شخص ٹھہرے پانی میں جنابت سے غسل نہ کرے ابو سائب نے پوچھا کہ اسے ابو ہریرہ پھر جنبی کیا کرے، فرمایا علیحدہ پانی لے لے۔

یہ حدیث احمد۔ ابن حبان۔ عبد الرزاق، وغیرہم بہت محدثین نے مختلف راویوں سے

بالفاظ مختلفہ روایت فرمائی۔

ان احادیث سے معلوم ہوا، کہ گڑھے، کنویں اور تمام ٹھہرے ہوئے پانیوں میں نہ پیشاب کرے۔ نہ جنابت کا غسل، اگر ایسا کر لیا گیا، تو پانی گندا ہو کر قابل استعمال نہ رہے گا۔ اگر دہ در دہ کے پانی گندگی گرنے سے ناپاک نہ ہوتا تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم یہ ممانعت نہ فرماتے

نمبر ۱۰ تا ۱۲۔ ترمذی حاکم در مستدرک، ابن عساکر نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے مختلف الفاظ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّے اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا وَلَغَ الْکَلْبُ فِی الْاِنَاءِ غُسِلَ سَبْعَ مَرَّاتٍ اَوَّلُھُنَّ بِالتُّرَابِ وَاِذَا وَلَغَ الْھِرَّۃُ غُسِلَ مَرَّۃً اَللَّفْظُ لِابْنِ عَسَاکِرَ

فرماتے ہیں، کہ فرمایا نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ جب برتن میں کتا چاٹ جاوے تو سات بار دھویا جاوے پہلی بار مٹی سے مانجھا جاوے اور جب بلی چاٹے جاوے تو ایک بار دھویا جاوے

ان احادیث سے پتہ لگا کہ اگر برتن میں کتا منہ ڈال دے تو برتن سات بار دھویا جاوے اور ایک بار مٹی سے بھی مانجھا جاوے اور اگر بلی برتن سے پی لے تو ایک بار ہی دھویا جاوے، برتن خواہ چھوٹا ہو جیسے ہانڈی، لوٹا یا بڑا جس میں دہ در دہ کے پانی آجاوے۔ اگر دہ در دہ کے پانی کسی نجاست سے ناپاک نہیں ہوتا، تو وہ برتن کیوں ناپاک ہو جاتا ہے۔ جس میں یہ پانی ہے، کتے کا منہ تو پانی میں پڑا اور پانی برتن سے لگا ہوا ہے جب برتن نجس ہو گیا تو پانی یقیناً نجس ہو گیا خواہ دہ در دہ کے ہو یا کم و بیش۔

نمبر ۱۳ تا ۱۵۔ دار قطنی طحاوی نے ابوالطفیل سے اور بیہقی نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی۔

اَنَّ غُلَامًا وَقَعَ فِیْ بِئْرِ زَمْزَمَ فَنُزِحَتْ۔

زمانہ صحابہ میں چاہ زمزم میں ایک لڑکا گر گیا، تو کنویں کا پانی نکالا گیا۔

نمبر ۱۶ و ۱۷۔ ابن ابی شیبہ اور طحاوی نے حضرت عطاء سے روایت کی، عطاء تابعی ہیں۔

اَنَّ حَبَشِیًّا وَقَعَ فِیْ زَمْزَمَ فَمَاتَ فَاَمَرَ بِہٖ ابْنُ الزُّبَیْرِ فَنُزِحَ مَاؤُھَا فَجَعَلَ الْمَاءُ لَا یَنْقَطِعُ فَنَظَرَ فَاِذَا عَیْنٌ تَجْرِیْ مِنْ قِبَلِ الْحَجَرِ الْاَسْوَدِ فَقَالَ

کہ ایک حبشی چاہ زمزم میں گر کر مر گیا حضرت عبداللہ ابن زبیر نے حکم دیا، پانی نکالا گیا، پانی ختم نہ ہوتا تھا اندر دیکھا تو ایک چشمہ آب سنگ اسود کی طرف سے آ رہا تھا ابن زبیر رضی اللہ عنہ

ابْنُ الزُّبَيْرِ حَسْبُكُمْ — نے فرمایا کہ کافی ہے۔

نمبر ۱۸۔ بیہقی نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ حَبْشِيًّا وَقَعَ فِي زَمْزَمَ فَمَاتَ فَاَنْزَلَ رَجُلًا اِلَيْهِ فَاَخْرَجَهُ ثُمَّ قَالَ اَنْزِحُوْا مَا فِيْهَا مِنْ مَاءٍ۔

وہ حضرت ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ چاہ زمزم میں ایک حبشی گر کر مر گیا تو آپ نے ایک آدمی کو اتارا جس نے اسے نکالا، پھر ابن عباس نے فرمایا کہ جو پانی کنویں میں ہے اسے نکال دو۔

ان احادیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے، ایک یہ کہ اگر کنوئیں میں کوئی خون والا جاندار مر جاوے تو کنواں نجس ہو جاوے گا۔ دوسرے یہ کہ ناپاک کنوئیں کے پاک کرنیکا طریقہ یہ ہے کہ اس کا پانی نکال دیا جاوے اسکی دیواریں وغیرہ دھونے کی ضرورت نہیں، تیسرے یہ کہ اگر کنوئیں کا پانی ٹوٹ نہ سکے تو پرواہ نہ کی جاوے، جو پانی فی الحال موجود ہے وہ ہی نکال دیا جاوے، جو بعد میں آتا رہے اس کا مضائقہ نہیں چوتھے یہ کہ جس ڈول و رسی سے ناپاک کنوئیں کا پانی نکالا جاوے اسے دھونا ضروری نہیں، کنوئیں کیساتھ وہ بھی پاک ہو جاویں گے، اگر غیر مقلد وہابی ان احادیث میں غور فرمالیں۔ تو امام صاحب کو گالیاں دینا، حنفیوں کا مذاق اڑانا آوازے کسنا چھوڑ دیں۔

نمبر ۱۹۔ طحاوی شریف نے امام شعبی تابعی رضی اللہ تعالٰے عنہ سے روایت کی۔

عَنِ الشَّعْبِيِّ فِي الطَّيْرِ وَالسِّنَّوْرِ وَنَحْوِهِمَا يَقَعُ فِي الْبِئْرِ قَالَ يُنْزَحُ مِنْهَا اَرْبَعُوْنَ دَلْوًا۔

امام شعبی چڑیا، بلی وغیرہ کے متعلق فرماتے ہیں کہ اگر یہ کنوئیں میں مر جاویں تو چالیس ڈول پانی نکالا جاوے۔

نمبر ۲۰۔ طحاوی نے حضرت حماد ابن سلیمان تابعی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی۔

اَنَّهُ قَالَ فِي دَجَاجَةٍ وَقَعَتْ فِي بِئْرٍ فَمَاتَتْ قَالَ يُنْزَحُ قَدْرُ اَرْبَعِيْنَ دَلْوًا اَوْ خَمْسِيْنَ ثُمَّ يُتَوَضَّأُ مِنْهَا۔

آپ فرماتے ہیں کہ جب کنوئیں میں مرغی گر کر مر جائے تو اس سے چالیس یا پچاس ڈول نکالے جاویں پھر اس سے وضو کیا جاوے

نمبر ۲۱۔ طحاوی شریف نے حضرت میسرہ اور زاذان سے روایت کی۔

عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ اِذَا سَقَطَتِ — حضرت علی مرتضٰے رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے

اَلْفَارَةُ اَوِالدَّابَّۃُ فِی الْبِیْرِ فَاخْرِجْھُمَا حَتّٰی یَغْلِبَکَ الْمَاءُ۔	ہیں کہ آپ نے فرمایا جب چوہا یا کوئی اور جانور کنوئیں میں مر جائے تو اسکا پانی نکالو یہاں تک کہ پانی تم پر غالب آجائے

نمبر ۲۲۔ طحاوی نے حضرت ابراہیم نخعی تابعی سے روایت کی۔

عَنْ اِبْرَاھِیْمَ فِی الْبِیْرِ تَقَعُ فِیْھَا الْفَارَۃُ قَالَ یُنْزَحُ مِنْھَا دِلَاءٌ	ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ جب کنوئیں میں چوہا گر جاوے تو اس سے کچھ ڈول نکالے جاویں۔

نمبر ۲۳۔ شیخ علاؤالدین محدث نے بحوالہ طحاوی حضرت انس سے روایت کی (واللہ اعلم)

عَنْ اَنَسٍ اَنَّہٗ قَالَ فِی الْفَارَۃِ اِذَا مَاتَتْ فِی الْبِیْرِ وَاُخْرِجَتْ مِنْ سَاعَتِھَا یُنْزَحُ مِنْھَا عِشْرُوْنَ دَلْوًا۔	حضرت انس سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جب چوہا کنوئیں میں گر جاوے اور فوراً نکال لیا جائے تو بیس ڈول نکالے جاویں۔

نمبر ۲۴۔ ابوبکر ابن ابی شیبہ نے حضرت خالد ابن مسلمہ سے روایت کی۔

اَنَّ عَلِیًّا سُئِلَ عَنْ بَالٍ فِیْ بِیْرٍ قَالَ یُنْزَحُ (انتصار الحق ص ۲۵۷)	حضرت علی سے پوچھا گیا اس بارے میں کہ کوئی کنوئیں میں پیشاب کردے فرمایا کہ کنوئیں کا پانی نکالا جاتے۔

یہ چوبیس روائتیں بطور نمونہ پیش کی گئیں، جن سے معلوم ہوا کہ گندی چیز گر جانے سے کنواں نجس ہوجاتا، اور پانی کا نکالنا اس کی پاکی ہے، اگر زیادہ تحقیق دیکھنی ہو تو طحاوی شریف اور صحیح البخاری شریف کا مطالعہ فرماویں۔

عقل کا تقاضا بھی یہ ہے کہ کنواں وغیرہ نجاست پڑنے سے نجس ہوجاویں، کیونکہ جب نجاست لگ جانے سے کپڑا جسم برتن وغیرہ تمام چیزیں نجس ہوجاتی ہیں، تو پانی جو پتلی چیز ہے جسمیں نجاست بہت زیادہ سرایت کرجاتی ہے۔ بدرجہ اولیٰ ناپاک ہوجانا چاہیئے۔ نیز جب دو مٹکے دودھ، تیل۔ پتلا گھی، شہد، کتنی نجاست پڑھنے سے نجس ہو جاتے ہیں۔ تو پانی ان چیزوں سے زیادہ پتلا ہے، وہ بھی ضرور ناپاک ہوجانا چاہیئے۔ ورنہ فرق بیان کرو کہ دو مٹکے دودھ کیوں ناپاک ہوجاتا ہے اور اتنا پانی کیوں نہیں نجس ہوتا اس لیئے سرکار محمد رسول اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ سوکر جاگو تو بغیر ہاتھ دھوئے پانی میں نہ ڈال (مسلم و بخاری) پانی خواہ دو قلے ہو یا کم و بیش، دیکھو بے وضو آدمی کو پانی میں ہاتھ ڈالنے سے منع فرمایا، ہاں ناپاک چیزوں کے پاک کرنے کے طریقے

مختلف ہیں تانبے، شیشے کے برتن صرف پونچھ دینے سے پاک ہو جاتے ہیں، ناپاک جوتا صرف چلنے پھرنے اور مٹی سے رگڑ جانے سے پاک ہو جاتا ہے، نجس زمین صرف سوکھ جانے اور اثر نجاست جاتے رہنے سے پاک ہو جاتی ہے۔ نجس کپڑا و جسم دھونے سے پاک ہوتے ہیں، ایسے ہی ناپاک کنواں پانی نکالنے سے پاک ہو جاتا ہے ناپاک دودھ، تیل پاک دودھ و تیل کے ساتھ ملکر بہ جانے سے پاک ہو جاتے ہیں۔ بہر حال حق یہ ہے کہ کنواں وغیرہ نجاست گرنے سے نجس ہو جاتا ہے۔ پھر ان کے پاک کرنے کے مختلف طریقے ہیں۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

اب تک غیر مقلد وہابی اس مسئلہ پر جس قدر اعتراضات کر سکے ہیں ہم ان کے جوابات تفصیل وار عرض کرتے ہیں، اگر اس کے بعد کوئی اور اعتراض ہمارے علم میں آیا تو ان شاء اللہ اس کتاب کے تیسرے ایڈیشن میں اس کا جواب بھی دے دیا جاوے گا۔

اعتراض نمبر ا۔ ترمذی شریف میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَنَتَوَضَّاُ مِنْ بِئْرِ بُضَاعَةَ وَهِيَ بِئْرٌ يُلْقٰى فِيْهَا الْحِيَضُ وَلُحُوْمُ الْكِلَابِ وَالنَّتْنُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْمَآءَ طَهُوْرٌ لَا يُنَجِّسُهٗ شَيْءٌ۔

فرماتے ہیں، عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ کیا ہم بضاعہ کنوئیں سے وضو کر سکتے ہیں، بضاعہ ایسا کنواں تھا جس میں حیض کے کپڑے، کتوں کے گوشت اور بدبودار چیزیں ڈالی جاتی تھیں تو حضور نے فرمایا کہ پانی پاک ہے اسے کوئی چیز ناپاک نہیں کر سکتی۔

بضاعہ مدینہ پاک میں ایک کنواں تھا۔ جس میں ہر قسم کی گندگی حتیٰ کہ مرے کتے بھی پھینک دیئے جاتے تھے، مگر اس کے باوجود سرکار نے کنوئیں کی گندگی کی ناپاکی کا حکم نہ دیا تعجب ہے کہ حضور تو بضاعہ کنوئیں کو کتے، حیض کے کپڑے اور ہر قسم کی گندگی گرنے پر بھی ناپاک نہیں فرماتے مگر امام ابو حنیفہ ایک قطرہ پیشاب گر جانے پر بھی سارا کنواں ناپاک کہہ دیتے ہیں، حنفیوں کا یہ مسئلہ حدیث کے بالکل خلاف ہے۔ کیا ابو حنیفہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے زیادہ پاک و ستھرے تھے۔

جواب :۔ اس اعتراض کے چند جوابات ہیں، ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے کیونکہ یہاں پانی میں کوئی قید نہیں، کہ کتنا پانی ناپاک نہیں، تو چاہیئے کہ گھڑے لوٹے میں بھی حیض کے کپڑے کتوں کے گوشت ڈال کر پیا کرو، کیونکہ پانی کو کوئی چیز ناپاک کرتی ہی نہیں۔

دوسرے یہ کہ اگر یہاں پانی سے کنوئیں کا پانی ہی مراد ہو، اور مطلب یہ ہو کہ کنوئیں کو کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی، تو بھی آپ کے خلاف ہے، کیونکہ تم کہتے ہو کہ اگر نجاست سے کنوئیں کے پانی کا رنگ یا بو یا مزہ بدل جاوے تو نجس ہو جاوے گا، وہ کونسا کنواں ہے جو مرے کتوں، حیض کپڑوں اور بدبودار چیزوں کے گرنے کے باوجود ان کا رنگ بو، مزہ نہ بدلے، دن رات کا تجربہ ہے کہ اگر ایک مرغی بھی کنوئیں میں پھول پھٹ جاوے تو پانی میں سخت تعفن آ جاتا ہے اس حدیث کی رو سے آپ کو فتویٰ دینا چاہیئے کہ وہابیوں کے کنووں میں مردار، کتے، سور، حیض کے کپڑے خوب ڈالے جاویں اور تم اسی بدبودار پانی کو پیتے رہو، تم نے بو اور مزہ بدلنے کی قید کہاں سے لگائی۔

تیسرے یہ کہ یہ حدیث تمام ان احادیث کے خلاف ہے جو ہم پہلی فصل میں بیان کر چکے ہیں۔ تعجب ہے کہ حضور علیہ السلام ٹھہرے پانی میں پیشاب کرنے کو بھی منع فرماتے ہیں اور یہاں مردار کتے ڈالنے سے ممانعت نہیں فرماتے، لہٰذا یہ حدیث قابل عمل نہیں تمام مشہور حدیثوں کے خلاف ہے

چوتھے یہ کہ یہ حدیث قیاس شرعی کے بھی خلاف ہے، جیسا کہ ہم پہلی فصل میں بیان کر چکے ہیں اور جب احادیث میں تعارض ہو تو جو حدیث خلافِ قیاس ہو، وہ واجب الترک ہے، اور جو مطابق قیاس ہو وہ واجب العمل ہے لہٰذا ان احادیث پر عمل کرو، جو ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے۔

پانچویں یہ کہ بضاعہ کنوآں ہمارے ملک کے کنوؤں کی طرح نہ تھا۔ بلکہ اس کے نیچے پانی جاری تھا۔ جیسا کہ آج مکہ معظمہ کے کنوئیں نہر زبیدہ پر بنے ہوئے ہیں، اور مدینہ منورہ کے کنوئیں نہر زرقا پر واقع ہیں، بظاہر کنوئیں معلوم ہوتے ہیں، مگر درحقیقت وہ آب رواں کی نہریں ہیں، چونکہ پانی جاری تھا، اس لیے جو گندگی گری بہ گئی، پاک و صاف پانی آ گیا نہ اس میں لوٹتی، نہ کوئی گندگی جاری نہر اور جاری دریا

کا حکم یہ ہی ہے۔
چنانچہ امام طحاوی نے امام واقدی سے نقل کیا۔

اَنَّ بِئْرَ بُضَاعَةَ كَانَتْ طَرِيْقًا لِلْمَاءِ إِلَى الْبَسَاطِيْنِ فَكَانَ الْمَاءُ لَا يَسْتَقِرُّ فِيْهَا

بضاعہ کنواں پانی کا راستہ تھا جو باغوں میں جاتا تھا، اس میں پانی ٹھہرتا نہ تھا۔

اس صورت میں تمام احادیث متفق ہوگئیں اور مسئلہ بالکل حل ہوگیا۔ لہذا کنواں گندگی گرنے سے نجس ہوجاتا ہے۔

اعتراض نمبر ۲۔ ترمذی شریف نے حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يُسْئَلُ عَنِ الْمَاءِ يَكُوْنُ فِي الْفَلَاةِ مِنَ الْاَرْضِ وَمَا يَنُوْبُهُ مِنَ السِّبَاعِ وَالدَّوَابِّ قَالَ اِذَا كَانَ الْمَاءُ قُلَّتَيْنِ لَمْ يَحْمِلِ الْخُبُثَ۔

فرماتے ہیں کہ میں نے سنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حالانکہ آپ سے اس پانی کے متعلق سوال ہوا جو جنگلوں میں ہوتا ہے، جس پر درندے اور جانور وارد ہوتے ہیں، تو حضور نے فرمایا کہ جب پانی دو مٹکے ہو تو نجاست کو نہیں اٹھاتا۔

اس سے معلوم ہوا کہ دو مٹکے پانی نجاست گرنے سے نجس نہیں ہوتا، امام ترمذی نے محمد ابن اسحاق سے روایت کی کہ دو قلے پانچ مشکیزہ ہوتے ہیں، جب پانچ مشکیزے پانی نجس نہیں ہوتا تو کنوئیں میں تو سینکڑوں مشکیزے پانی ہوتا ہے، وہ کیسے نجس ہوسکتا ہے۔

جواب۔ اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دو مٹکے پانی کبھی ناپاک نہیں ہوتا خواہ کتنی ہی نجاست گرے خبث میں مقدار نجاست کی قید نہیں تو چاہیئے کہ اگر دو مٹکے پانی میں چار مٹکے پیشاب پڑجاوے اور اس کا بو، مزہ، رنگ سب پیشاب کا سا ہوجاوے تب بھی وہ پانی پیتے رہیں، رنگ و بو نہ بدلنے کی قید تم نے کہاں سے لگائی؟ یہ بھی حدیث کے خلاف ہے۔

دوسرے یہ کہ لَمْ يَحْمِلِ الْخُبُثَ کے یہ معنے کیسے ہوئے کہ نجس نہیں ہوتا اس کے معنے ہیں نجاست برداشت نہیں کرتا۔ یعنی نجس ہوجاتا ہے، جب یہ احتمال بھی موجود ہے تو تمہارا استدلال باطل ہے۔

تیسرے یہ کہ اگر یہ ہی معنے کیئے جائیں کہ دو مٹکے پانی کبھی نجس نہیں ہوتا، تو یہ حدیث ان تمام حدیثوں کے خلاف ہے جو ہم پہلی فصل میں بیان کر چکے کہ حضور نے ٹھہرے پانی میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا خواہ دو مٹکے پانی ہو یا کم و بیش اور سیدنا عبد اللہ ابن عباس نے چاہ زمزم میں ایک حبشی گرنے پر اس کا پانی نکلوایا، یہ کیوں وہاں تو ہزاروں مٹکے پانی تھا۔ لہٰذا یہ حدیث لائق عمل نہیں چوتھے یہ کہ قلتین قلتہ کا تثنیہ ہے۔ قلہ مٹکے کو بھی کہتے ہیں اور انسان کی قدوقامت کو بھی اور پہاڑ کی چوٹی کو بھی یہاں قلہ کے معنی انسانی قدوقامت ہے۔ اور اس سے گہرائی کا اندازہ بتانا مقصود نہیں بلکہ لمبائی کا اندازہ بیان کرنا مقصود ہے، یعنی جب پانی بہہ رہا ہو اور دو قامت انسان کی بقدر اسے بہنے کیلئے فاصلہ مل جاوے تو اب کسی چیز سے نجس نہ ہوگا کیونکہ وہ پانی نہروں کی طرح رواں جاری ہے گندگی کو بہالے جاویگا۔ فوراً دوسرا پانی آوے گا، اس معنی سے احادیث میں تعارض بھی نہیں ہوگا۔ اور ہر حدیث واجب العمل بھی ہوگی۔ یہ وجہ بہت بہتر ہے۔ کیونکہ اگر قلہ کے معنی ہوں مٹکا تو پتہ نہ چلے گا۔ کہ کتنا بڑا مٹکا کہاں کا مٹکا اور پانچ مشک مقدار مقرر کرنا بھی درست نہیں کہ حدیث میں یہ مقدار مذکور نہیں۔ نیز یہ خبر نہیں کہ مشکیزہ کتنا بڑا اور کہاں کا۔ غرضکہ حدیث مجمل ہوگی مجمل پر عمل ناممکن ہے، پانچویں یہ کہ اس حدیث میں وہ صورت مراد ہے کہ دو قلے پانی زمین پر خوب پھیلا ہوا بڑے حوض کی مقدار میں ہو یعنی سو ہاتھ سطح ہوگی ہو۔ اب چونکہ یہ پانی تالاب کے حکم میں ہوگیا، لہٰذا معمولی گندگی گرنے سے ناپاک نہ ہوگا۔ اس صورت میں بھی احادیث میں تعارض نہیں۔

اعتراض نمبر ۳۔ حنفیوں کا ڈول بڑے کمال والا ہے کہ ناپاک کنوئیں سے صرف ناپاک پانی چھانٹ کر نکال لاتا ہے، پاک پانی چھوڑ آتا ہے۔ حیرت ہے۔ کہ جب کنوئیں میں چوہا مرگئی جس سے جس سے سارا کنواں ناپاک ہوگیا اور حنفیوں نے اس میں سے صرف تیس ڈول نکالے تو یا تو کہو کہ سارا کنواں ناپاک ہی نہ ہوا تھا۔ صرف تیس ڈول پانی ناپاک تھا جسے یہ کراماتی ڈول چھانٹ کر نکال لایا۔ اگر کل کنواں ناپاک ہوگیا تھا۔ تو تیس ڈول نکل جانے سے سارا پانی پاک کیسے ہوگیا۔

جواب۔ یہ کرامت وہابیوں کے ڈول میں بھی ظاہر ہوتی ہے۔ جب کنوئیں کا پانی بو مزہ رنگ بدل جانے کی وجہ سے ناپاک ہو جاوے اور کنواں چشمہ والا ہو، جس کا پانی ٹوٹ نہ سکے اب وہابی صاحبان اسے پاک کریں۔ بتاؤ اس صورت میں کل کنواں ناپاک ہوا ہے یا کچھ ڈول اگر کچھ ڈول پانی ناپاک،

ہوسے ، تو رہا ہوں کا ڈول واقعی کراماتی ہے کہ چھانٹ چھانٹ کر صرف گندا پانی نکال لایا۔ اور پاک پانی کو ہاتھ نہ لگایا اور اگر کل کنوآں ناپاک ہوا تھا تو کنوئیں کا کل پانی نکالا بھی نہیں ، پانی کے آس پاس کی دیواریں دھوئی بھی نہ گئیں اور کنوآں پاک ہوگیا یہ کیسے ہوا اس کا جواب وہابی دیں گے وہ ہی ہماری طرف سے بھی سمجھ لیں۔ جناب عالی چڑیا مر جانے سے سارا ہی کنواں ناپاک ہو جاتا ہے۔ مگر ناپاک چیزوں کے پاک کرنے کے طریقے مختلف ہیں کوئی چیز سوکھ کر کوئی جل کر کوئی بہہ کر کوئی صرف پونچھ دینے سے پاک ہو جاتی ہے۔ ایسے ہی اس کنوئیں کا پانی صرف آسانی کیلئے چالیس ڈول نکال دینے سے پاک ہو جاتا ہے۔ دیکھو منی ناپاک ہے۔ لیکن جب کپڑے میں لگ کر خشک ہو جاوے، تو صرف مل کر جھاڑ دینے سے کپڑا پاک ہو جاتا ہے تمہارا بھی یہ عقیدہ ہے، کہئیے یہ کپڑا بغیر دھوئے پاک کیسے ہوگیا۔ صرف آسانی کے لیئے ایسے ہی آسانی کے لیئے صرف چالیس ڈول نکال دینے سے سارا کنوآں پاک ہو جاتا ہے۔

اعتراض نمبر ۴ ۔ اگر چڑیا چوہا مرنے سے کنواں ناپاک ہو جاتا ہے۔ تو ناپاک پانی کی وجہ سے کنوئیں کی دیواریں بھی نجس ہوگئی اور جب اسے پاک کرنے کے لیئے ڈول ڈالا گیا، تو وہ ڈول و رسی بھی نجس ہوگئی تو چاہیئے تھا کہ اسے پاک کرنیکو دیواریں بھی دھوئی جاتی اور ڈول رسی بھی پاک کی جاتی۔

جواب :۔ اس اعتراض کا جواب اعتراض نمبر ۲ کے جواب میں گزر گیا کہ ایسے موقعہ پر شریعت آسانی کرتی ہے، کنوئیں کی دیواریں اور ڈول و رسی دھونے میں سخت دشواری تھی۔ اس لیے اس کی معافی دی گئی۔ تم بھی اپنے گندے کنوئیں پاک کرتے وقت نہ کنوئیں کی دیواریں دھوتے ہو نہ ڈول و رسی آپ کا یہ قیاس حدیث کے مقابل ہے اور نص کے مقابل قیاس دوڑانا جائز نہیں ہم پہلی فصل میں بتا چکے کہ حضرت عبداللہ ابن عباس وغیرہم صحابہ رضی اللہ عنہم نے چاہ زمزم پاک کیا، مگر نہ اس کی دیواریں دھوئیں نہ ڈول و رسی۔

چوبیسواں باب ۲۴

نماز جمعہ وعیدین گاؤں میں نہیں ہوتی

مسئلہ شرعی یہ ہے کہ نماز جمعہ و نماز عید و بقر عید گاؤں میں نہیں ہوتی ۔ ان تینوں نمازوں کیلئے شہر یا شہر کی ملحقہ جگہ میں ہونا شرط ہے نہ گاؤں والوں پر جمعہ وعیدین لازم ہے نہ وہاں گاؤں میں یہ نمازیں جائز ہیں ۔ ہاں اگر گاؤں والے شہر آکر یہ نمازیں پڑھ جائیں تو ثواب پائینگے مگر غیر مقلد وہابی کہتے ہیں کہ جمعہ وعیدین ہر جگہ جائز ہے نماز ظہر کی طرح ہر گاؤں شہر میں ہو سکتی ہیں ۔ اس لیئے اس مسئلہ کی بھی دو فصلیں کی جاتی ہیں ، پہلی فصل میں اس ممانعت کا ثبوت دوسری فصل میں اس مسئلہ پر اعتراضات وجوابات ۔

نوٹ ضروری ۔ خیال رہے کہ شہر وہ بستی ہے جہاں کوچے و بازار ہوں ۔ ضروریات کی چیزیں مل جاتی ہوں ۔ اور وہاں کوئی حاکم بھی رہتا ہو ۔ جہاں یہ نہ ہو وہ گاؤں ہے ۔

پہلی فصل

نماز جمعہ وعیدین کیلئے دوسری شرائط جماعت ، خطبہ وغیرہ کی طرح شہر یا فنائے شہر بھی شرط ہے کہ یہ نمازیں صرف شہر میں ہوں گی ، گاؤں میں نہیں ہو سکتیں ۔ دلائل ملاحظہ ہوں ۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے ۔

نمبر ۱ ۔ يَاۤ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ۔ | اے ایمان والو جب جمعہ کے دن نماز کی اذان ہو جائے ۔ تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو اور تجارتیں چھوڑ دو ۔

اس آیتہ کریمہ میں رب تعالیٰ نے مسلمانوں کو اذان جمعہ ہو جانے پر دو حکم دیئے جمعہ کے لیئے حاضر ہونا دوسرے تجارتی کاروبار چھوڑ دینا جس سے اشارةً معلوم ہوا کہ جمعہ وہاں ہی ہوگا جہاں تجارتی کاروبار

ہوں اور ظاہر ہے کہ تجارتی کاروبار بازاروں منڈیوں میں ہی ہوتے ہیں اور بازار و منڈیاں شہروں ہی میں ہوتی ہیں۔

حدیث نمبر ۱ تا ۳۔ عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں ابو عبید نے غریب میں مروزی نے کتاب الجمعہ میں امیرالمومنین علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ لَاجُمُعَةَ وَلَاتَشْرِيْقَ اِلَّافِيْ مِصْرٍ جَامِعٍ

آپ نے فرمایا کہ جمعہ اور تکبیر تشریق نہیں ہو سکتے مگر بڑے شہر میں۔

حدیث نمبر ۴۔ ابن ابی شیبہ نے ان ہی امیرالمومنین علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

قَالَ لَاجُمُعَةَ وَلَاتَشْرِيْقَ وَلَاصَلٰوةَ فِطْرٍ وَلَا اَضْحٰى اِلَّا فِيْ مِصْرٍ جَامِعٍ اَوْ مَدِيْنَةٍ عَظِيْمَةٍ

آپ نے فرمایا کہ نہ تو جمعہ ہوتا ہے، نہ تکبیر تشریق نہ عید بقر عید کی نماز مگر بڑے شہر میں۔

حدیث نمبر ۵۔ بیہقی نے عرفہ میں انہی حضرت علی سے روایت کی۔

قَالَ لَاتَشْرِيْقَ وَلَاجُمُعَةَ اِلَّا فِيْ مِصْرٍ جَامِعٍ۔

آپ نے فرمایا کہ نہیں ہے جمعہ اور نہ تکبیر تشریق مگر بڑے شہر میں۔

حدیث نمبر ۶۔ فتح الباری شرح بخاری جلد ۲۔ صفحہ ۳۱۶ میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

قَالَ لَيْسَ عَلٰى اَهْلِ الْقُرٰى جُمُعَةٌ اِنَّمَا الْجُمُعَةُ عَلٰى اَهْلِ الْاَمْصَارِ مِثْلِ الْمَدَائِنِ

آپ نے فرمایا گاؤں والوں پر نماز جمعہ فرض نہیں جمعہ مدائن جیسے شہر والوں پر فرض ہے۔

حدیث نمبر ۷ تا ۹۔ مسلم۔ بخاری، ابوداؤد میں حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت ہے۔

كَانَ النَّاسُ يَنْتَابُوْنَ الْجُمُعَةَ مِنْ مَّنَازِلِهِمْ وَالْعَوَالِيْ فَيَاْتُوْنَ فِي الْغُبَارِ وَالْعَرَقِ الخ

لوگ نماز جمعہ کے لئے اپنی منزلوں اور گاؤں سے مدینہ منورہ آتے تھے انہیں غبار لگ جاتا تھا اور پسینہ آجاتا تھا

حدیث نمبر ۱۰۔ ترمذی نے حضرت ثویر سے انہوں نے قبا والوں میں سے ایک صاحب سے انہوں نے اپنے والد سے جو صحابی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہیں روایت کیا۔

قَالَ اَمَرَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ نَّشْهَدَ الْجُمُعَةَ مِنْ قُبَا۔

فرمایا ہم قبا والوں کو نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ نماز جمعہ کیلئے قبا سے چل کر مدینہ آئیں۔

حدیث نمبر ۱۱۔ ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کی وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی۔

قَالَ الْجُمُعَةُ عَلٰى مَنْ اٰوَاهُ اللَّيْلُ اِلٰى اَهْلِهٖ

فرمایا جمعہ اس پر فرض ہے جو جمعہ پڑھ کر رات تک اپنے گھر واپس پہنچ جائے

حدیث نمبر ۱۲۔ ابن ماجہ نے حضرت عبداللہ ابن عمر سے روایت کیا۔

اَنَّ اَهْلَ قُبَاءَ كَانُوْا يَجْمَعُوْنَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ۔

قبا والے لوگ جمعہ کے دن نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جمعہ ادا کرتے تھے۔

حدیث نمبر ۱۳ و ۱۴:۔ مؤطا امام مالک بَابُ لَا جُمُعَةَ فِي الْعَوَالِيْ اور مؤطا امام محمد بَابُ صَلٰوةِ الْعِيْدَيْنِ وَاَمْرِ الْخُطْبَةِ میں بروایت ابن شہاب عن ابی عبید موسٰی ابن ازہر ہے۔

قَالَ شَهِدْتُ الْعِيْدَ مَعَ عُثْمَانَ فَصَلّٰى ثُمَّ انْصَرَفَ وَقَالَ اِنَّهٗ قَدِ اجْتَمَعَ لَكُمْ فِيْ يَوْمِكُمْ هٰذَا عِيْدَانِ فَمَنْ اَحَبَّ مِنْ اَهْلِ الْعَالِيَةِ اَنْ يَّنْتَظِرَ الْجُمُعَةَ فَلْيَنْتَظِرْهَا وَمَنْ اَحَبَّ اَنْ يَّرْجِعَ فَقَدْ اَذِنْتُ لَهٗ۔

فرمایا میں حضرت عثمان کے ساتھ نماز عید میں حاضر ہوا آپ نے نماز پڑھی پھر لوٹے اور فرمایا کہ آج کے دن میں دو عیدیں جمع ہو گئی ہیں، تو گاؤں والوں میں سے جو صاحب جمعہ کا انتظار کرنا چاہیں وہ کریں اور جو واپس جانا چاہیں میں انہیں اجازت دیتا ہوں۔

ان آخری احادیث سے معلوم ہوا کہ زمانہ نبوی اور زمانۂ صحابہ میں قبا اور دیگر گاؤں سے لوگ نماز جمعہ و عیدین پڑھنے کیلئے مدینہ منورہ حاضر ہوتے تھے۔ خواہ وہ اپنے گاؤں میں یہ نمازیں نہ پڑھ لیتے تھے اگر گاؤں میں نماز جمعہ جائز ہوتی تو یہ حضرات وہاں ہی پڑھ لیا کرتے، گرد و غبار تپش اور پسینہ کی زحمتیں اٹھا کر جمعہ و عیدین کے لیئے مدینہ طیبہ نہ آیا کرتے۔ بخاری کے لفظ يَنْتَابُوْنَ اور مؤطا کے لفظ اَنْ يَّرْجِعَ سے معلوم ہوا کہ گاؤں والوں پر جمعہ فرض نہیں، ورنہ ان کے باری باری آنے کے کیا معنی اور صرف عید پڑھ کر جو جمعہ کے دن تھی بغیر جمعہ پڑھے لوٹ جانیکا کیا مطلب؟

عقل کا تقاضا بھی یہ ہے کہ جمعہ گاؤں اور جنگلوں میں ہو نہ کہ صرف شہر میں ہو کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حج الوداع بروز جمعہ ہوا یعنی ۹ ذی الحجہ عرفہ کے دن جمعہ تھا۔ جسمیں ایک لاکھ سے زیادہ صحابہ کا اجتماع تھا مگر حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے نہ تو خود میدان عرفات میں جمعہ پڑھا نہ مکہ کے حاجیوں کو اس کا حکم دیا نیز صحابۂ کرام نے بہت ملک فتح کیئے مگر کہیں ثابت نہیں ہوا کہ ان حضرات

نے گاؤں میں جمعے قائم کیئے ہوں چنانچہ فتح القدیر باب الجمعہ میں ہے۔

وَبِهٰذَا لَمْ يُنْقَلْ عَنِ الصَّحَابَةِ حِيْنَ فَتَحُوا الْبِلَادَ وَاشْتَغَلُوْا بِنَصَبِ الْمَنَابِرِ وَالْجُمَعِ اِلَّا فِي الْاَمْصَارِ | صحابہ کرام سے کہیں منقول نہ ہوا کہ جب انہوں نے علاقے فتح کیئے تو انہوں نے شہروں کے سوا کہیں اور عید اور جمعے قائم کیئے ہوں۔

اگر جمعہ ظہر کی طرح ہر جگہ ہو جایا کرتا تو یہ حضرات ہر جگہ ہی جمعے قائم کرتے جیسے جمعہ کیلئے خطبہ، جماعت وغیرہ شرط ہے جو نماز ظہر کیلئے شرط نہیں نیز جمعہ مسافر اور عورت و بیمار پر فرض نہیں۔ ظہر سب پر فرض ہے ایسے ہی اگر جمعہ کیلئے شہر شرط ہو تو کیا مضائقہ ہے غرضکہ جمعہ سارے احکام میں ظہر کی طرح نہیں۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراض وجوابات

اعتراض نمبر ۱۔ قرآن کریم سے نماز جمعہ کی فرضیت بطریق اطلاق ثابت ہے، وہاں شہر کی قید نہیں تو تم مذکورہ احادیث کی وجہ سے قرآن میں قید کیسے لگا سکتے ہو۔ قرآنی مطلق حدیث واحد سے مقید نہیں ہو سکتا۔

جواب۔ اس کے چند جوابات ہیں ایک الزامی باقی تحقیقی جواب الزامی تو یہ ہے، کہ قرآن شریف میں نماز جمعہ کے لیئے کوئی شرط نہیں لگائی گئی نہ وقت کی، نہ خطبہ کی، نہ جماعت کی، نہ جگہ کی، تو چاہیئے کہ نماز جمعہ دن رات فجر مغرب ہر وقت میں پڑھا کرو، نیز خطبہ کی بھی پابندی نہ ہو۔ جنگل اور گھر میں اکیلا آدمی بھی جمعہ پڑھ سکے حالانکہ آپ لوگ بھی اس کے قائل نہیں۔ دوسرے یہ کہ آیت جمعہ مطلق نہیں بلکہ مجمل ہے اور مجمل کی تفصیل حدیث واحد سے بھی ہو سکتی ہے۔ تیسرے یہ کہ یہ احادیث واحد نہیں عرفات میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا جمعہ نہ پڑھنا تمام ان حاجی صاحبان نے دیکھا۔ جنکی تعداد ایک لاکھ کے قریب تھی، جس فعل شریف کو اتنے صحابہ دیکھیں، وہ خبر واحد کیونکر ہوگی۔ چوتھے یہ کہ خود قرآن کریم میں شہر کے شرط ہونے کی طرف اشارہ موجود ہے کہ رب نے حکم جمعہ کے ساتھ فرمایا وَذَرُوا الْبَيْعَ جیسا کہ ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے ہیں۔

اعتراض نمبر ۲۔ بخاری وغیرہ میں سیدنا عبداللہ ابن عباس سے روایت ہے کہ مسجد نبوی شریف کے بعد سب سے پہلا جمعہ مسجد عبدالقیس میں ہوا جو بحرین کے ایک قریہ جواثیٰ میں واقع ہے معلوم ہوا کہ قریہ یعنی گاؤں میں جمعہ ہو سکتا ہے۔

جواب۔ اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ عربی میں قریہ صرف گاؤں کو نہیں کہتے مطلقاً بستی کو کہتے ہیں گاؤں ہو یا شہر قرآن کریم میں بہت جگہ شہر کو قریہ کہا گیا ہے، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ۔ | کفار بولے کہ یہ قرآن ان دو شہروں (مکہ و طائف) کے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہ اتارا گیا۔

دیکھو اس آیت میں مکہ معظمہ و طائف کو قریہ فرمایا گیا حالانکہ یہ بڑے شہر ہیں، مکہ معظمہ کی شہریت تو قرآن سے ثابت ہے۔ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ اور فرماتا ہے

وَاسْئَلِ الْقَرْيَةَ الَّتِىْ كُنَّا فِيْهَا۔ | آپ پوچھیں اس شہر سے جسمیں ہم تھے۔

دیکھو اس آیت میں مصر کو قریہ فرمایا گیا جو عظیم الشان شہر ہے۔

۳۔ حَتّٰى اِذَا اَتَيَا اَهْلَ قَرْيَةِ ن اسْتَطْعَمَا اَهْلَهَا۔ | یہ دونوں (موسیٰ و خضر علیہما السلام) ایک بستی میں پہنچے اور وہاں کے باشندوں سے کھانا مانگا

اس آیت میں انطاکیہ کو قریہ فرمایا گیا، حالانکہ بڑا شہر ہے، بہرحال قریہ شہر کو بھی کہتے ہیں جواثیٰ گاؤں نہ تھا، بلکہ شہر تھا۔ چنانچہ صحاح میں ہے

اَنَّ جَوَاثٰى حِصْنٌ بِالْبَحْرَيْنِ | جواثیٰ بحرین میں ایک قلعہ ہے۔

اور ظاہر ہے کہ قلعہ شہروں میں ہوتا ہے۔ (فتح القدیر) مبسوط میں ہے

اِنَّهَا مَدِيْنَةٌ بِالْبَحْرَيْنِ | وہ بحرین میں ایک شہر ہے۔

بہرحال جن لوگوں نے کہا ہے کہ جواثیٰ قریہ ہے انکی مراد قریہ سے شہر ہے، دوسرے یہ کہ اگر یہاں قریہ بمعنی گاؤں ہو تو اس کی پہلی حالت مراد ہے یعنی پہلے وہ گاؤں تھا، جمعہ قائم ہونے کے وقت شہر بن چکا تھا، لہٰذا شہر والی روایتیں بھی درست ہیں گاؤں والی بھی تیسرے یہ کہ اگر جمعہ قائم ہونے کے وقت بھی گاؤں تھا۔ تو وہاں جمعہ پڑھنا صحابہ کرام کے اپنے اجتہاد سے تھا نہ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ان بزرگوں کو یہ مسئلہ معلوم نہ تھا۔ (از فتح القدیر وغیرہ)

اعتراض نمبر ۳۔ بیہقی شریف میں بروایتہ عبدالرحمٰن ابن کعب عن کعب ابن مالک ہے۔ فرماتے ہیں۔ سب سے پہلے جمعہ ہم کو سعد ابن زرارہ نے مقام حرہ بنی بیاضہ پر پڑھایا، پوچھا گیا کہ وہاں کتنے آدمی رہتے تھے۔ تو فرمایا صرف چالیس آدمی تھے حضرت کعب جب بھی اذان سنتے تو حضرت سعد کو دعائیں دیتے تھے دیکھو سعد بن زرارہ بھی صحابی ہیں اور حضرت کعب ابن مالک بھی ان بزرگوں نے مع دوسرے صحابہ کرام ایسی جگہ جمعہ پڑھایا جہاں صرف چالیس کی بستی تھی۔ معلوم ہوا کہ گاؤں میں جمعہ جائز ہے۔

جواب ۔ یہ واقعہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے پہلے کا ہے جب کہ جمعہ ابھی فرض بھی نہ ہوا تھا۔ بیعت عقبہ کے بعد جب مدینہ منورہ میں اسلام پھیلا اور کچھ لوگ مسلمان ہو گئے تو ان مسلمانوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ جیسے یہود ہفتہ کے دن اور عیسائی اتوار کے دن اپنے عبادت خانوں میں جمع ہو کر عبادتیں کرتے ہیں ہم بھی عروبہ کے دن جمع ہو کر عبادات کیا کریں۔ چنانچہ حضرت اسعد ابن زرارہ نے حرّہ بنی بیاضہ میں ایک خاص جگہ مسجد کی شکل کی بنائی اور وہاں عروبہ کے دن جمع ہونا نماز و وعظ کرنا شروع کر دیا اور اس دن کا نام یوم جمعہ رکھا یعنی مسلمانوں کے اجتماع کا دن یہ نماز ان بزرگوں کی اپنی اجتہادی نماز تھی۔ نہ کہ موجودہ اسلامی جمعہ پھر رب تعالیٰ نے اسی دن میں نماز جمعہ فرض فرمائی اس کی تحقیق بیہقی میں اسی مقام پر اور فتح القدیر میں جمعہ کی بحث میں ملاحظہ کرو اگر مان بھی لیا جائے کہ وہ نماز مروجہ جمعہ ہی کی نماز تھی۔ تو حرّہ بنی بیاضہ مستقل گاؤں نہ تھا۔ بلکہ مدینہ منورہ کے مضافات میں سے تھا یعنی فنائے شہر اور ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ فنائے شہر کے جنگلوں میں بھی جمعہ و عیدین جائز ہیں۔

اعتراض نمبر ۴۔ بخاری شریف میں حضرت یونس سے مروی ہے کہ جناب رزیق ابن حکیم نے ابن شہاب کو خط لکھا کہ کیا میں اپنی زمین ایلہ میں جمعہ پڑھ لیا کروں جہاں چند سوڈانی وغیرہ مسلمان رہتے ہیں، انہوں نے جواب دیا ضرور دیکھو محمد ابن شہاب نے رُزیق کو ایک بہت چھوٹے سے گاؤں ایلہ میں جمعہ پڑھنے کا حکم دیا۔ معلوم ہوا کہ جمعہ گاؤں میں جائز ہے۔

جواب ۔ اس کا جواب بخاری شریف کے اسی مقام سے معلوم ہو جاتا ہے کہ محمد ابن مسلم ابن شہاب زہری رحمتہ اللہ علیہ نے یہ فتویٰ اپنے اجتہاد سے دیا ہے نہ کہ کسی حدیث کی بنا پر انہیں مسئلہ معلوم نہ تھا۔ وہ سمجھے کہ ظہر کی طرح جمعہ بھی ہر جگہ ہو جاتا ہو گا لہذا یہ حکم دے دیا چنانچہ بخاری

میں اس جگہ اس شہاب کا پورا خط نقل کیا ہے جس میں اس فتوے کی یہ دلیل نقل فرمائی ہے کہ مجھ سے سالم نے ان سے عبد اللہ ابن عمر نے ان سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے ہر شخص چرواہا ہے اس سے قیامت میں اپنے ماتحتوں کے متعلق سوال ہوگا الخ اس سے معلوم ہوا کہ ابن شہاب کو گاؤں میں جواز جمعہ کی کوئی حدیث نہ ملی صرف اس حدیث سے استنباط کیا۔

اعتراض نمبر ۵۔ تمہاری پیش کردہ حدیثیں سب حضرت علی کے اقوال ہیں نہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان ایک صحابی کے قول سے قرآنی آیت کے خلاف فتوی کیونکر دیا جا سکتا ہے۔

جواب۔ صحابہ کرام کے اقوال بھی حدیث ہیں جنہیں حدیث موقوف کہا جاتا ہے۔ اور یہ حدیثیں اگر قیاسات کی قسم کی نہ ہوں تو حدیث مرفوع کے حکم میں ہوتی ہیں علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ جانتے تھے کہ قرآن شریف میں جمعہ کی نماز کے لیئے شہر کی صراحتہً قید نہ لگائی گئی اور پھر آپ نے فرمایا کہ گاؤں میں جمعہ جائز نہیں معلوم ہوا کہ آپ نے اپنی رائے سے یہ کلام نہیں فرمایا ہے، بلکہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے سن کر فرمایا اسی لیئے صاحب ہدایہ نے یہ حدیث مرفوعًا نقل فرمائی کیونکہ ایسی حدیثیں مرفوع کے حکم میں ہی ہوتی ہیں۔

اعتراض نمبر ۶۔ جمعہ کی نماز نماز ظہر کے قائم مقام ہے اسی لیئے جمعہ کے دن ظہر نہیں پڑھی جاتی صرف جمعہ ہی پڑھا جاتا ہے۔ جب ظہر گاؤں و شہر ہر جگہ ہو جاتی ہے تو جمعہ بھی ہر جگہ ہو جانا چاہیئے۔

جواب۔ یہ اعتراض تم پر بھی پڑ سکتا ہے، کیونکہ اس سے لازم آتا ہے کہ ظہر کی طرح جمعہ بھی اکیلے جماعت سے جنگل میں۔ گھر میں۔ مسجد میں ہر جگہ ہو جانا چاہیئے۔ اللہ کے بندو جب جمعہ اور ظہر میں بہت سے فرق ہیں کہ ظہر کی رکعتیں چار جمعہ کی دو ظہر میں سنت مؤکدہ چھ چار تو فرضوں سے پہلے اور دو بعد میں جمعہ میں آٹھ چار فرض سے پہلے اور چار بعد ظہر میں جماعت شرط نہیں اور جمعہ میں شرط ہے۔ ظہر میں خطبہ شرط نہیں جمعہ میں شرط ظہر میں ایک اذان جمعہ میں ۲ ظہر گھر میں بھی جائز مگر جمعہ کے لیئے اذان عام کی جگہ ہونا ضروری ظہر سارے مسلمانوں پر فرض مگر جمعہ عورت و مسافر پر فرض نہیں، جب جمعہ اور ظہر میں اتنے فرق موجود ہیں تو اگر یہ فرق بھی ہو جائے کہ جمعہ کیلئے شہر شرط ہو تو کیا مضائقہ ہے۔ تحقیق یہ ہے کہ جمعہ ہجرت سے پہلے ہی فرض ہوا تھا۔ مگر نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے نہ تو ہجرت سے پہلے مکہ معظمہ میں جمعہ پڑھا۔ اور نہ ہجرت کے بعد قبا کے قیام کے دوران میں کیونکہ اس وقت مکہ معظمہ دارالاسلام نہ تھا۔

اور قبا شریف شہر نہ تھا، جمعہ کے لیئے دونوں چیزیں شرط ہیں۔
اعتراض نمبر ۲ - حنفی کہتے ہیں کہ موسم حج میں منیٰ میں جمعہ پڑھا جائے، منیٰ تو گاؤں بھی نہیں محض جنگل ہے اگر جمعہ کے لیئے شہر شرط تھا تو منیٰ میں جمعہ جائز کیوں ہوگیا۔

جواب - حج کے زمانہ میں منیٰ شہر بن جاتا ہے کیونکہ وہاں ہر قسم کی عمارتیں گلی کوچے بازار تو پہلے ہی بنے ہوئے ہیں، حج کے موسم میں وہ سب آباد ہو جاتے ہیں اور وہاں حاکم بھی موجود ہوتا ہے۔ اس لیئے وہاں جمعہ جائز ہے۔ اس زمانہ میں دہلی و کانپور کے مقابلہ کا شہر بن جاتا ہے عرفات محض میدان ہے چاہیئے تو تھا کہ وہاں نماز عید بھی پڑھی جاتی مگر چونکہ اُس دن حج کے مشاغل بہت زیادہ ہیں اس لیئے حجاج پر عید معاف ہے۔ رمی۔ قربانی۔ حجامت۔ طوائف زیارت یہ سب دسویں تاریخ کو کیئے جاتے ہیں ان کی ادا میں شام ہو جاتی ہے۔ خیال رہے کہ مسافر پر نہ جمعہ فرض ہے نہ عید واجب اور اکثر حجاج مسافر ہی ہوتے ہیں۔

(نوٹ ضروری) جہاں مسلمان گاؤں میں جمعہ پڑھ لیتے ہوں، وہاں ان کو ظہر احتیاطی پڑھنے کا تاکیدی حکم دیا جائے ورنہ ان کا فرض ادا نہ ہوگا نماز ظہر رہ جائے گی۔

پچیسواں باب ۲۵

نماز جنازہ میں الحمد شریف کی تلاوت نہ کرو

احناف کے نزدیک نماز جنازہ میں تلاوت قرآن مطلقاً خلاف سنت ہے اس میں نہ تو سورۃ فاتحہ پڑھی جاوے نہ کوئی اور سورت کہ اگر اس نماز میں صرف حمد الٰہی درود شریف اور دعا پڑھی جاوے ہاں اگر الحمد شریف یا کوئی دوسری سورت ثناء الٰہی یا دعا کی نیت سے پڑھے تو جائز ہے تلاوت کی نیت سے جائز نہیں، تلاوت اور دعا کی نیتوں کے احکام مختلف ہیں دیکھو ناپاکی اجنابت، کی حالت میں آیتہ قرآنی تلاوت کی نیت سے پڑھنا حرام ہے، دعا کی

نیت سے پڑھنا درست کسی نے پوچھا، آپ کا مزاج کیسا ہے۔ ہم نے کہا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔ اگر ہم ناپاکی کی حالت میں ہوں تب بھی یہ کہہ دینا جائز ہے۔ لیکن اگر تلاوت قرآنی کی نیت سے یہ آیت پڑھی تو سخت جرم ہے، اگر غیر مقلد وہابی کہتے ہیں کہ نماز جنازہ میں تلاوت قرآن کی نیت سے سورۃ فاتحہ پڑھنا واجب ہے اس لیئے ہم اس باب کی بھی دو فصلیں کرتے ہیں، پہلی فصل میں اپنے دلائل، دوسری فصل میں اسی پر سوال وجواب۔

پہلی فصل

اس مسئلہ پر دلائل

نمبر ا۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓی اَحَدٍ مِّنْھُمْ مَّاتَ	منافقین میں سے کوئی مرجائے تو آپ اس پر جنازہ نہ پڑھیں

آیۃ کریمہ میں نماز جنازہ کو صلوٰۃ فرمایا مگر ساتھ ہی عَلٰی ارشاد فرمایا، جس سے معلوم ہوا کہ یہ نماز درحقیقت دعا ہے۔ عرفی نماز نہیں جیسے رب فرماتا ہے۔

صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا۔	اے مسلمانو تم نبی پر درود وسلام پڑھو

یہاں صلّوا علیہ میں نماز مراد نہیں بلکہ درود دعا مراد ہے۔ کیونکہ اس کے بعد عَلٰی ارشاد ہے جب صلوٰۃ کے بعد عَلٰی ہو تو وہ بمعنی دعاء رحمت ہوتی ہے نہ کہ عرفی نماز اور ظاہر ہے کہ سورہ فاتحہ وتلاوت قرآنی عرفی نماز کا رکن ہے نہ کہ دعا کا۔ دعا کے لیے تو حمد الٰہی ودرود شریف چاہیئے چونکہ جنازہ درحقیقت دعا ہے نہ کہ عرفی نماز لہٰذا اس میں تلاوت قرآن کیسی اسی لیئے اس میں رکوع سجدہ نہیں اور اس میں میت کو آگے رکھا جاتا ہے۔

حدیث نمبر ۲۔ مؤطا امام مالک میں بروایۃ نافع عَنْ ابن عمر ہے

اِنَّ ابْنَ عُمَرَ کَانَ لَا یَقْرَاُ فِی الصَّلٰوۃِ عَلَی الْجَنَازَۃِ (فتح القدیر)	سیدنا عبداللہ ابن عمر نماز جنازہ میں تلاوت قرآن نہ کرتے تھے۔

حدیث نمبر ۳۔ اسی مؤطا امام مالک میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے۔

عَمَّنْ سَئَلَ اَبَا ھُرَیْرَۃَ کَیْفَ یُصَلِّیْ	روایت ہے اس سے جس نے حضرت ابوہریرہ سے

عَلَى الْجَنَازَةِ فَقَالَ اَبُوْ هُرَيْرَةَ اَنَا لَعَمْرُكَ اُخْبِرُكَ اَتَّبِعُهَا مِنْ عِنْدِ اَهْلِهَا فَاِذَا وُضِعَتْ كَبَّرْتُ وَحَمِدْتُ اللّٰهَ وَصَلَّيْتُ عَلٰى نَبِيِّهٖ ثُمَّ اَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ عَبْدُكَ وَابْنُ عَبْدِكَ وَابْنُ اَمَتِكَ كَانَ يَشْهَدُ الخ (فتح)

پوچھا کہ وہ نماز جنازہ کیسے پڑھتے ہیں، تو آپ نے فرمایا تمہاری عمر کی قسم میں بتاتا ہوں میں میت کے گھر سے اس کے ساتھ جاتا ہوں جب میت رکھی جاتی ہے تو تکبیریں کہتا ہوں اور اللہ کی حمد اس کے نبی صلعم پہ درود عرض کرتا ہوں پھر یہ دعا پڑھتا ہوں الٰہی تیرا یہ بندہ تیرے فلانے بندے فلانی بندی کا لڑکا توحید و رسالت کی گواہی دیتا تھا الخ

غور کرو، کہ حضرت ابوہریرہ کی بتائی ہوئی نماز جنازہ میں حمد۔ درود۔ دعا کا ذکر تو ہے۔ مگر تلاوت قرآن کا بالکل ذکر نہیں معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ کرام جنازہ میں تلاوتِ قرآن نہ کرتے تھے۔

حدیث نمبر ۳ و ۴ - ابوداؤد ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہ سے روایت فرمایا۔

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا صَلَّيْتُمْ عَلَى الْمَيِّتِ فَاَخْلِصُوْا لَهُ الدُّعَاءَ۔

فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جب تم میت پر نماز جنازہ پڑھو تو اس کے لیئے خاص دعا کرو۔

ہم لوگ اس حدیث کے معنی کرتے ہیں کہ جب تم میت پر نماز پڑھ لو تو خلوص دل سے اس کے لیئے دعا مانگو اس سے دعا بعد نماز جنازہ کا ثبوت ہے مگر حضرات وہابی اس کے معنی یہ کرتے ہیں۔ کہ جب تم میت پر نماز پڑھو تو نماز میں خالص دعا کرو۔

ان کے اس معنی سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز جنازہ میں تلاوت قرآن نہیں صرف دعا ہے کہ خالص اس کو کہا جاتا ہے کہ جس میں اور چیز کی ملاوٹ نہ ہو تو ان کے ہاں مطلب یہ ہے کہ جیسے نمازوں میں تلاوت، رکوع، سجدہ، التحیات، و دعا وغیرہ سب کچھ ہوتی ہے اس جنازہ کی نماز میں بجز دعا کے کچھ نہ ہو رہی، حمد و درود یہ دعا کے توابع سے ہے کہ دعا کے اداب میں سے ہے بہرحال یہ حدیث ان کے معنی سے ہی انہی کے خلاف ہے۔ اور احناف کی تائید کرتی ہے۔

حدیث نمبر ۵ تا ۱۶ - عینی شرح بخاری جلد دوم صہ ۱۵۴ باب قراءۃ الفاتحہ علی الجنازہ میں

حسب ذیل احادیث ہیں۔

وَمِمَّنْ كَانَ لَا يَقْرَأُ فِي الصَّلٰوةِ عَلَى الْجَنَازَةِ وَيُنْكِرُ عُمَرُ ابْنُ الْخَطَّابِ وَعَلِيُّ ابْنُ اَبِيْ طَالِبٍ وَابْنُ عُمَرَ وَاَبُوْ هُرَيْرَةَ وَمِنَ التَّابِعِيْنَ عَطَاءٌ وَطَاؤُسٌ وَسَعِيْدُ ابْنُ الْمُسَيِّبِ وَابْنُ سِيْرِيْنَ وَسَعِيْدُ ابْنُ جُبَيْرٍ وَالشَّعْبِيُّ وَالْحَكَمُ قَالَ ابْنُ الْمُنْذِرِ وَبِهٖ قَالَ مُجَاهِدٌ وَحَمَّادٌ وَالثَّوْرِيُّ وَقَالَ مَالِكٌ قِرَاءَةُ الْفَاتِحَةِ لَيْسَتْ مَعْمُوْلًا بِهَا فِيْ بَلَدِنَا فِيْ صَلٰوةِ الْجَنَازَةِ۔

اور جو حضرات نماز جنازہ میں تلاوت قرآن نہ کرتے تھے اور اس کا انکار کرتے تھے، ان میں حضرت عمر ابن خطاب، علی ابن ابی طالب، ابن عمر اور ابوہریرہ ہیں اور تابعین میں سے حضرت عطاء طاؤس۔ سعید ابن مسیب، محمد ابن سیرین، سعید ابن جبیر، امام شعبی اور حکم ہیں۔ ابن منذر کہتے ہیں کہ یہی قول مجاہد اور حماد ثوری کا ہے، امام مالک فرماتے ہیں کہ ہمارے شہر (مدینہ منورہ) میں نماز جنازہ کے اندر سورہ فاتحہ پڑھنے کا رواج نہیں۔

عقل کا تقاضاء بھی یہی ہے کہ نماز جنازہ میں تلاوت قرآن نہ ہو، کیونکہ عام نمازوں میں جیسے تلاوت قرآن رکن ہے ویسے ہی انہیں رکوع، سجدہ، التحیات میں بیٹھنا بھی رکن ہے، اور ان نمازوں میں قبر یا میت یا کسی زندہ آدمی کا منہ اپنے سامنے ہونا حرام ہے نماز جنازہ میں نہ تو رکوع۔ سجود ہے التحیات ہے اور یہ نماز میت کو آگے رکھ کر ادا کی جاتی ہے، تو معلوم ہوا کہ یہ نماز درحقیقت دعا ہے اور دعا میں حمد، درود تو ہے مگر تلاوت قرآن نہیں لہذا نماز جنازہ میں تلاوت بھی نہیں، وہابی حضرات کو چاہیئے کہ جب نماز جنازہ میں تلاوت کرتے ہیں تو رکوع سجدہ بھی کیا کریں ہمارے ہاں پنجاب میں نماز جنازہ شروع ہوتے وقت پکار کر ایک آدمی نیت کی یوں تلقین کرتا ہے۔

نماز جنازہ فرض کفایہ ثناء واسطے اللہ تعالٰے کے درود واسطے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے دعا واسطے حاضر میت کے منہ طرف کعبہ شریف کے پیچھے اس امام کے، اس سے معلوم ہوا کہ عام مسلمان نماز جنازہ کو حمد، درود دعا کا مجموعہ ہی سمجھتے ہیں اسے مروجہ پنجگانہ نماز نہیں سمجھتے، بہر حال نماز جنازہ میں تلاوت قرآن ممنوع ہے۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

اب تک ہم کو جس قدر اعتراضات مل سکے ہیں، ان کے جوابات عرض کرتے ہیں اگر بعد میں کوئی نیا اعتراض ملا تو ان شاء اللہ اگلے اڈیشن میں اس کا جواب بھی دے دیا جاویگا۔

اعتراض نمبر ا۔ مشکوٰۃ شریف باب نماز جنازہ میں بحوالہ بخاری شریف ہے۔

عَنْ طَلْحَةَ ابْنِ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عَوْفٍ قَالَ صَلَّيْتُ خَلْفَ ابْنِ عَبَّاسٍ عَلٰى جَنَازَةٍ فَقَرَاءَ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَقَالَ لِتَعْلَمُوْا اَنَّهَا سُنَّةٌ۔

روایت ہے طلحہ ابن عبداللہ ابن عوف سے فرماتے ہیں میں نے حضرت ابن عباس کے پیچھے ایک جنازہ پر نماز پڑھی تو آپ نے سورہ فاتحہ پڑھی اور فرمایا میں نے اس لیئے پڑھی کہ تم جان لو کہ یہ سنت ہے

اس سے معلوم ہوا کہ نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھنا سنت رسول اللہ ہے اور صحابہ کا عمل۔

جواب۔ اس حدیث سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنا واجب ہے چند وجہ سے ایک یہ کہ اس روایت میں یہ نہیں آیا کہ جناب ابن عباس نے نماز جنازہ کے اندر سورہ فاتحہ پڑھی بلکہ ظاہر یہ ہے، کہ نماز کے بعد میت کو ایصال ثواب کے لیئے پڑھی ہو جیسا کہ فَقَرَاءَ کی ف سے معلوم ہوتا ہے کیونکہ ف تعقیب کی ہے، دوسرے یہ کہ اگر مان لیا جائے کہ نماز کے اندر ہی پڑھی تو یہ پتہ نہیں لگتا کہ کس تکبیر کے بعد پڑھی، تیسرے یہ کہ اگر اپنی طرف سے کوئی تکبیر بھی مقرر کر لو تو یہ پتہ نہیں لگتا کہ بنیت حمد و ثناء پڑھی یا بنیت تلاوت، بنیت دعاء و تلاوت پڑھنا ہم بھی جائز کہتے ہیں، چوتھے یہ کہ آپ کے سورہ فاتحہ پڑھنے پر سارے حاضرین صحابہ و تابعین کو سخت تعجب ہوا تب ہی تو آپ نے معذرت کے طور پر کہا کہ میں نے یہ عمل اس لیئے کیا تاکہ تم جان لو یہ سنت ہے پتہ چلا کہ صحابہ کرام نہ تو پڑھتے تھے اور نہ اسے سنت جانتے تھے اسی لیے آپ کو یہ معذرت کرنا پڑی۔ پانچویں یہ کہ آپ نے یوں نہ فرمایا کہ یہ سنت رسول اللہ ہے۔ بلکہ لغوی معنی میں سنت فرمایا یعنی یہ بھی ایک طریقہ ہے کہ بجائے دوسری ثناء اور دعاء کے سورہ فاتحہ پڑھ لی جائے۔ ہم ہم بھی یہی کہتے ہیں۔ چھٹے یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہیں ثابت نہیں ہوا کہ آپ نے نماز

جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھی ہو، ساتویں یہ کہ بجز سیدنا عبداللہ ابن عباس کے کسی صحابی سے جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھنا ثابت نہیں، بلکہ نہ پڑھنا ثابت ہے، جیسا کہ ہم فصل اول میں عرض کر چکے ہیں۔

چنانچہ فتح القدیر میں ہے۔

وَلَمْ تَثْبُتِ الْقِرَاءَةُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ | نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے جنازہ میں قراءت ثابت نہیں۔

بہرحال اس حدیث سے جنازہ میں فاتحہ پڑھنا ہرگز ثابت نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ بالکل مجمل ہے۔ جس میں بہت سے احتمالات ہیں۔

دوسرا اعتراض۔ مشکوٰۃ شریف، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ میں بروایت حضرت عبداللہ ابن عباس ہے۔

اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَرَءَ عَلَی الْجَنَازَۃِ بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ | کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے جنازہ پر سورہ فاتحہ پڑھی۔

معلوم ہوا کہ نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنا سنت رسول اللہ ہے۔

جواب۔ اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حدیث صحیح نہیں کیونکہ اس کی اسناد میں ابراہیم ابن عثمان واسطی ہے جو محدثین کے نزدیک منکر الحدیث ہے۔ چنانچہ ترمذی شریف میں اسی حدیث کے ماتحت ہے۔

قَالَ اَبُوْ عِیْسٰی حَدِیْثُ ابْنِ عَبَّاسٍ حَدِیْثٌ لَیْسَ اِسْنَادُہٗ بِذَالِکَ الْقَوِیِّ اِبْرَاہِیْمُ ابْنُ عُثْمَانَ ھُوَ اَبُوْ شَیْبَۃَ مُنْکَرُ الْحَدِیْثِ | ابوعیسیٰ فرماتے ہیں کہ عبداللہ ابن عباس کی یہ حدیث اسناداً قوی نہیں، ابراہیم ابن عثمان منکر حدیث ہیں۔

دوسرے یہ کہ ابوداؤد نے یہ حدیث نقل نہیں کی بلکہ انہوں نے عبداللہ ابن عباس کی حدیث موقوف نقل فرمائی ہے صاحب مشکوٰۃ غلطی سے ابوداؤد کا نام لے گئے (مرقاۃ) تیسرے یہ کہ اگر حدیث صحیح بھی مان لو تو بھی اس سے نماز جنازہ کے اندر سورۃ فاتحہ پڑھنا ثابت نہیں ہوتا ہو سکتا ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے نماز سے آگے یا پیچھے میت کے ایصال ثواب کے لئے سورۃ

فاتحہ پڑھی ہو۔ یہاں اس کا بیان ہے۔ چنانچہ اس حدیث کی شرح میں اشعتہ اللمعات میں ہے

واحتمال دارد کہ بر جنازہ بعد از نماز یا پیش ازاں بقصد تبرک خواندہ باشد چنانکہ آلاں متعارف است	یعنی احتمال یہ بھی ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ سے پہلے یا بعد، جنازہ پر برکت کیلئے پڑھی ہو جیسا کہ اب بھی رواج ہے۔

بہر حال اس حدیث سے جنازہ میں تلاوت فاتحہ کا ثبوت ہرگز نہیں ہوتا تعجب ہے کہ حضرات اہل حدیث ہم لوگوں سے جواز یا استحباب ثابت کرنے کے لیئے نہایت کھری صحیح ٹکسالی حدیث کا مطالبہ کرتے ہیں اور خود وجوب ثابت کرنے کے لیئے ایسی مجمل اور منکر و ضعیف حدیثیں پیش کرتے ہیں اللہ تعالیٰ انصاف کی توفیق دے۔

اعتراض نمبر۳۔ جب تم نماز جنازہ کو نماز کہتے ہو تو اس میں سورہ فاتحہ پڑھنا واجب مانو۔ حدیث شریف میں ہے۔ لَا صَلٰوةَ اِلَّا بِفَاتِحَةِ الْکِتَابِ (بغیر سورہ فاتحہ کوئی نماز نہیں ہوتی) نماز جنازہ بھی نماز ہے یہ بھی بغیر سورۃ فاتحہ نہ ہونی چاہیئے۔

جواب۔ اس کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ الزامی تو یہ ہے کہ پھر آپ نماز جنازہ میں رکوع سجدہ بھی کیا کریں، کیونکہ نمازوں میں یہ بھی فرض ہے۔ تحقیقی جواب یہ ہے کہ نماز جنازہ نہیں بلکہ دعا ہے اسے نماز کہنا صرف اس لیئے ہے کہ اس میں نماز کی بعض شرطیں ملحوظ ہیں، جیسے وضو، قبلہ کو رخ۔ اگر یہ نماز ہوتی تو اس میں میت کو کبھی آگے نہ رکھا جاتا۔

خاتمہ

آخر کتاب میں ہم چند اہم ضروری مسائل عرض کرتے ہیں، جن سے اہلسنت احناف کے دل باغ باغ ہو جاویں، گلشن تقلید کے ایسے پھول سنگھاتے ہیں، جن سے ان کے دماغ ایمان مہک جاویں، کیونکہ وہابی غیر مقلدین کی خشک گفتگو سنتے سنتے دل گھبرا گیا۔

مسئلہ ۲۶

پہلا مسئلہ

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے مناقب

غیر مقلد وہابی حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سخت دشمن ہیں۔ ان کے مسائل پر پھبتیاں کستے اور مذاق اڑاتے ہیں۔ ان میں سے بعض نے امام اعظم رضی اللہ عنہ کی تاریخ ولادت سگ، اور تاریخ وفات بو کم جہاں پاک، لکھی ہے۔ نعوذ باللہ اسی کے جواب میں بعض احناف نے کہا وہابی اور گدھے عدد ایک ہی ہیں یعنی ۲۴ گدھے بھی مردار خور ہے اور یہ لوگ بھی گزرے ہوئے بزرگوں کے تبرائی۔ غیبت کو قرآن کریم نے مرے بھائی کا گوشت کھانا قرار دیا ہے۔ خیال رہے کہ وہابی کے عدد چوبیس، چوہے کے عدد چوبیس، وہابی چوہے کی طرح دین کترتے ہیں، گدھ کی طرح غیبت کر کے مردار کھاتے ہیں۔

مجھے اس سے صدمہ ہوا، دل نے چاہا کہ اس عالی جناب کے کچھ حالات اور مناقب مسلمانوں کو سناؤں اور بتاؤں کہ حضرت امام کا اسلام میں کیا درجہ و منزلت ہے، شاید رب تعالیٰ ان بزرگوں کی مدح خوانی کو میرے لئے کفارۂ سیات بنا دے اور مجھے ان بزرگوں کے غلاموں میں حشر نصیب فرما دے۔ مسلمان اپنے امام کے مناقب سنیں اور ایمان تازہ کریں۔

امام اعظم کا نام و نسب: حضرت امام ابوحنیفہ کا نام شریف نعمان ابن ثابت ابن زوطی ہے۔ حضرت زوطی یعنی امام کے دادا فارسی النسل ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عاشق زار اور آپ کے خاص مقربین بارگاہ میں سے تھے آپ ہی کی محبت سے کوفہ میں قیام اختیار کیا، جو حضرت علی مرتضیٰ کا دار الخلافہ تھا۔ حضرت زوطی اپنے فرزند حضرت ثابت کو جو بچہ تھے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس دعا کیلئے لے گئے۔ حضرت علی مرتضیٰ نے ثابت کیلئے دعا فرمائی اور بہت برکت کی بشارت دی۔ حضرت امام حضور علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی کرامت و بشارت، ہیں۔

حضرت امام ابوحنیفہ ۸۰ھ میں کوفہ میں پیدا ہوئے اور ۱۵۰ھ ہجری میں بغداد میں وفات پائی، خیزران قبرستان میں دفن ہوئے، آپ کی قبر زیارت گاہِ خاص و عام ہے۔ ستر سال عمر شریف ہوئی۔

حضرت امام نے بہت صحابہ کا زمانہ پایا، جن میں سے چار صحابہ سے ملاقات کی، انس ابن مالک

جو بصرے میں تھے، عبداللہ ابن ابی اوفیٰ جو کوفہ میں تھے، سہیل ابن سعد ساعدی جو مدینہ منورہ میں تھے ابوطفیل عامر ابن واصلہ جو مکہ معظمہ میں تھے اس کے متعلق اور بھی روایات ہیں، مگر یہ قول راجح ہے امام اعظم حضرت حماد کے شاگرد رشید اور حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے تلمیذ خاص اور مخصوص صحبت یافتہ ہیں۔ دو سال تک امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی معیت نصیب ہوئی۔

حضرت امام کو منصور بادشاہ کوفہ سے بغداد لایا۔ پھر آپ سے قاضی القضاۃ کا عہدہ قبول کرنیکی درخواست کی آپ نے انکار کیا اس پر آپ کو قید کر دیا اور قید میں ہی یہ آفتاب عالم وعمل غروب ہو گیا۔ رضی اللہ عنہ۔

امام اعظم کے مناقب ۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت امام اعظم کے فضائل ومناقب ہماری حد وعد سے باہر ہیں۔ حضرت امام حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا زندۂ جاوید معجزہ اور حضرت امیر المومنین علی مرتضیٰ حیدر کرار رضی اللہ عنہ کی نہ مٹنے والی کرامت ہیں۔ امت مصطفویہ کے چراغ دینی مشکلات کو حل فرمانے والے ہیں۔ الحمد للہ اہل سنت احناف بڑے خوش نصیب ہیں، ہمارا رسول رسول اعظم صلے اللہ علیہ وسلم ہمارا پیر غوث اعظم رضی اللہ عنہ ہمارا امام امام اعظم عظمت وعزت ہمارے ہی نصیب میں ہے۔ بفضلہٖ تعالیٰ وکرمہٖ، ہم تبرک کے لیئے چند مناقب عرض کرتے ہیں، حنفی سنیں اور باغ باغ ہوں

۱ حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی پیشینگوئی اور فضیلت نہایت اہتمام سے بیان فرمائی چنانچہ مسلم وبخاری نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور طبرانی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ابونعیم، شیرازی، طبرانی نے قیس ابن ثابت ابن عبادہ سے روایت کی۔

لَوْكَانَ الْاِيْمَانُ عِنْدَ الثُّرَيَّا لَتَنَاوَلَهٗ رِجَالٌ مِّنْ اَبْنَاءِ فَارِسٍ وَفِیْ رِوَايَةِ الْبُخَارِیِّ وَالْمُسْلِمِ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِيَدِهٖ لَوْكَانَ الدِّيْنُ مُعَلَّقًا بِالثُّرَيَّا لَتَنَاوَلَهٗ رَجُلٌ مِّنْ فَارِسٍ۔

اگر ایمان ثریا تارے کے پاس ہوتا تو فارسی اولاد میں سے بعض لوگ وہاں سے لے آتے مسلم بخاری کی دوسری روایت میں ہے کہ قسم اسکی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر دین ثریا تارے میں لٹکا ہوتا تو فارس کا ایک آدمی اسے حاصل کر لیتا۔

بتاؤ فارسی النسل میں اس شان کا امام اعظم ابوحنیفہ نعمان ابن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوا کون ہوا؟

ع۲ علامہ ابن حجر مکی شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت امام اعظم کے فضائل میں ایک مستقل کتاب لکھی جس کا نام ہے۔ خیرات الحسان فی ترجمۃ ابی حنیفۃ النعمان اس میں ایک حدیث نقل فرمائی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

تُرْفَعُ زِيْنَةُ الدُّنْيَا سَنَةَ خَمْسِيْنَ وَمِائَةٍ	سنہ ڈیڑھ سو میں دنیا کی زینت اٹھالی جاوے گی۔

سنہ ڈیڑھ سو میں حضرت امام اعظم کی وفات شریف ہے معلوم ہوا کہ امام اعظم دنیائے شریعت کی زینت، شریعت کی رونق علم وعمل کی زیبائش تھے، امام کردری نے فرمایا، کہ اس حدیث سے حضرت امام ابو حنیفہ کی طرف ہی اشارہ ہے۔

ع۳ حضرت امام اعظم دنیائے اسلام میں پہلے وہ عالم دین ہیں جنہوں نے فقہ اور اجتہاد کی بنیاد رکھ کر ساری امت رسول پر احسان عظیم فرمایا باقی تمام ائمہ جیسے امام شافعی، امام مالک، امام احمد ابن حنبل وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اسی بنیاد پر عمارت قائم کی، حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسلام میں جو اچھا و نیک طریقہ ایجاد کرے اسے اپنا بھی ثواب ملے گا اور تمام عمل کرنے والوں کا بھی۔

ع۴ حضرت امام اعظم تمام فقہاء و محدثین کے بلاواسطہ یا بالواسطہ استاد ہیں، یہ تمام حضرات امام اعظم کے شاگرد چنانچہ امام شافعی حضرت امام محمد کے سوتیلے بیٹے اور ان کے شاگرد ہیں، ایسے ہی امام مالک نے حضرت امام کی تصنیفات سے فیض حاصل کیا، نیز امام بخاری محدثین کے استاد ہیں اور امام بخاری کے بہت استاذ و شیخ حنفی ہیں۔ گویا آسمان علم کے سورج امام اعظم ہیں باقی علما تارے

ع۵ امام اعظم رحمۃ اللہ کے بلاواسطہ شاگرد ایک لاکھ سے زیادہ ہیں۔ جن میں سے اکثر مجتہد ہیں۔ جیسے امام محمد، امام ابو یوسف، امام زفر، امام ابن مبارک جو دنیائے علم کے چمکتے ہوئے تارے ہیں حضرت امام محمد صاحب نے نوسو نوے دینی شاندار کتابیں تصنیف فرمائیں جن میں سے چھ کتابیں بڑے پائے کی ہیں۔ جنہیں کتب ظاہر الروایۃ کہا جاتا ہے۔ اور یہ تمام کتب فقہ کی اصل مانی جاتی ہیں۔

ع۶ تمام نبیوں کے سردار چار نبی ہیں آسمانی صحیفوں کی سردار چار کتب، فرشتوں کے سردار

چار فرشتے صحابہ میں افضل والے چار یار، علمائے مجتہدین میں افضل چار امام پھر ان چار نبیوں میں حضور افضل چار کتابوں میں قرآن افضل، چار فرشتوں میں حضرت جبریل افضل، چار یار میں ابوبکر صدیق افضل چار اماموں میں امام اعظم افضل، اسی لیے امام شافعی نے فرمایا، کہ فقہاء ابو حنیفہ کی اولاد ہیں۔ وہ ان سب کے والد۔

ع۷ امام اعظم جیسے آسمان علم کے سورج ہیں ویسے ہی میدان عمل کے شہسوار چنانچہ آپ نے چالیس سال عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی، چالیس سال ایسے روزے رکھے کہ کسی کو خبر نہ ہوئی، گھر سے کھانا لائے۔ باہر طلباء کو کھلا دیا۔ گھر والے سمجھے کہ باہر جا کر کھایا، باہر والے سمجھے کہ گھر میں کھا کر تشریف لائے۔ ہمیشہ ماہ رمضان میں اکسٹھ قرآن کریم ختم کرتے تھے، ایک قرآن دن میں، ایک رات میں اور ایک سارے مہینہ میں تراویح میں مقتدیوں کیساتھ پچپن حج کیئے۔

ع۸ امام اعظم رضی اللہ عنہ کا مزار پر انوار قبول دعا کے لیئے اکسیر اعظم ہے۔ چنانچہ حضرت امام شافعی قدس سرہٗ فرماتے ہیں، کہ جب مجھے کوئی حاجت پیش آتی ہے۔ تو میں بغداد شریف امام اعظم کے مزار شریف پر حاضر ہوتا ہوں، دو رکعت نفل پڑھ کر امام اعظم کی قبر شریف کی برکت سے دعا کرتا ہوں بہت ہی جلد حاجت پوری ہوتی ہے امام شافعی جب امام اعظم قدس سرہٗ کی قبر انور پر حاضر ہوتے۔ تو حنفی نماز پڑھتے تھے، کہ قنوت نازلہ نہ پڑھتے تھے۔ کسی نے پوچھا اس کی وجہ کیا ہے فرمایا کہ اس قبر والے کا احترام و ادب کرتا ہوں۔ شامی۔

خیال رہے کہ اس کا مطلب یہ نہیں کہ امام شافعی بغداد شریف میں امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار کے ادب میں سنت ترک فرما دیتے تھے، مطلب یہ ہے کہ کوئی امام یا مقلد یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ میں برحق ہوں، دوسرے آئمہ غلطی پر بلکہ اپنے حق ہونے کا ظن غالب کرتا ہے یہ بھی کہتا ہے کہ شاید دوسرے امام کا قول حق ہو، عقائد میں یقین ہے اور آئمہ کے اختلافی مسائل میں ہر ایک کو ظن غالب ہے۔ تو گویا حضرت امام شافعی نے یہاں حاضر ہو کر اس پر عمل کیا جسے امام اعظم سنت سمجھتے ہیں اس میں ایک سنت کا ترک دوسری سنت پر عمل ہے لہذا اس پر کوئی اعتراض نہیں۔

ع۹ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے سو بار رب تعالیٰ کو خواب میں دیکھا۔ آخری بار جو دعا رب سے پوچھی اور رب نے جو جواب دیا وہ رد المحتار میں تفصیل وار درج ہے۔

ع۱۰ امت محمدیہ کے بڑے بڑے اولیاء اللہ، غوث و قطب، ابدال، اوتاد حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دامن سے وابستہ ہیں اور آپ کے مقلد ہیں، جس قدر اولیاء مذہب حنفی ہیں اس دوسرے مذہب میں نہیں، چنانچہ حضرت ابراہیم ابن ادھم، شقیق بلخی، معروف کرخی، حضرت بایزید بسطامی فضیل ابن عیاض خراسانی، داؤد ابن نصر، ابن نصیر ابن سلیمان طائی، ابو عامد لفاف خزروی بلخی، خلف ابن ایوب، عبداللہ ابن مبارک دلی، فقیہ، محدث، وکیع ابن جراح شیخ الاسلام ابوبکر ابن وراق ترمذی جیسے سرداران اولیاء حنفی ہی ہیں، اور حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دامن سے وابستہ ہیں، غرضیکہ مذہب حنفی مذہب اولیاء ہے، آج بھی تقریباً سارے اولیاء اللہ حنفی ہی ہیں، فخر پاک و ہند حضرت داتا گنج بخش ہجویری جن کا آستانہ مرجع خلائق ہے۔ حنفی تھے آپ نے اپنی کتاب کشف المحجوب میں حضرت امام اعظم کے بڑے فضائل کشف سے بیان فرمائے اسی طرح تمام چشتی، قادری نقشبندی، سہروردی مشائخ سب حنفی ہیں۔

ع۱۱ حضرت امام اعظم کا مذہب حنفی عالم میں اتنا شائع ہوا، اتنا پھیلا کہ جہاں اسلام ہے، وہاں مذہب حنفی ہے، اکثر مسلمان حنفی ہیں، حرمین طیبین میں اکثر حنفی بلکہ دنیائے اسلام کے بعض خطے ایسے بھی ہیں جہاں صرف حنفی مذہب ہی ہے، دوسرے مذہب کو عوام جانتے بھی نہیں، جیسے بلخ بخارا، کابل قندھار اور تقریباً سارا ہندوستان اور پاکستان کہ یہاں شافعی، حنبلی، مالکی دیکھنے میں نہیں آتے کچھ غیر مقلد وہابی جو کہیں کے نہیں وہ دیکھے جاتے ہیں مگر یہ مٹھی بھر جماعت ایسی گم ہے کہ اس کا ہونا نہ ہونے کی طرح ہے اس مقبولیت عامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ امام اعظم مقبول بارگاہ الٰہی ہیں اور مذہب حنفی عنداللہ محبوب ہے۔

ع۱۲ امام اعظم کے مخالفین نے بھی امام اعظم کے فضائل و مناقب میں بہت عظیم الشان کتابیں لکھیں چنانچہ علامہ ابن حجر مکی نے خیرات الحسان فی ترجمۃ ابی حنیفۃ النعمان لکھی اور سبط ابن جوزی نے کتاب الانتصار الامام آئمۃ الامصار دو جلدوں میں لکھی، امام جلال الدین سیوطی شافعی نے تبییض الصحیفہ فی المناقب ابی حنیفہ لکھی، علامہ یوسف ابن عبدالہادی حنبلی نے تنویر الصحیفہ فی ترجمۃ ابی حنیفہ تحریر فرمائی جس میں ابن عبداللہ کا قول نقل فرمایا۔ وہ فرماتے ہیں، کہ میں نے امام ابوحنیفہ جیسا عالم، فقیہ متقی بہترین نہ دیکھا۔

غرضکہ امتِ مرحومہ حضرت امام ابوحنیفہ قدس سرہٗ کے فضل وکمال کے گواہ ہیں۔ اگر مٹھی بھر وہابی ان کی شان میں بکواس کریں، تو کیا اعتبار، اگر چمگادڑ سورج کو برا کہے تو سورج سیاہ نہیں ہو جاتا، جیسے آج روافض حضراتِ صحابہ پر طعن وتشنیع کرتے ہیں۔ ایسے ہی وہابی غیر مقلد حضرات امام پر۔

عـ۱۳ تمام آئمہ مجتہدین میں حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زمانہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے نہایت قریب ہے، کہ آپ کی ولادت پاک ۸۰ھ ہجری میں ہے آپ تابعی ہیں آپ نے چار صحابہ سے ملاقات وروایت کی۔ جنہوں نے آپ کی تابعیت کا انکار کیا محض تعصب سے کیا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے، کہ سیدنا عبداللہ ابن ابی اوفیٰ جیسے صحابی امام اعظم کے زمانہ میں کوفہ میں ہوں اور حضرت امام ان سے نہ ملیں؟ آج بزرگوں سے ملنے دنیا کھچی آتی ہے۔ صحابہ کی شان کا کیا پوچھنا۔ بہر حال آپ تابعی ہیں۔ اور آپ کو صحیح حدیثیں حضور سے ملیں، خیر القرون میں ہوئے۔
خیال رہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت ۸۰ھ ہجری میں ہے۔ وفات ۱۵۰ھ میں، عمر شریف ستر سال، مزار شریف بغداد میں، امام مالک کی ولادت ۹۰ھ ہجری میں وفات ۱۷۹ھ میں عمر شریف ۸۹ سال، مزار شریف مدینہ منورہ میں امام شافعی کی ولادت شریف ۱۵۰ھ میں وفات ۲۰۴ھ عمر شریف ۵۴ سال، آپ امام اعظم کی وفات کے دن پیدا ہوئے، امام احمد ابن حنبل کی ولادت شریف ۱۶۴ھ میں وفات ۲۴۱ھ میں، عمر شریف ۷۷ سال۔

عـ۱۴ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ نے اہل بیت نبوت سے خاص فیوض وبرکات حاصل کیے جو دوسرے آئمہ کو حاصل نہ ہوئے۔ کیونکہ امام اعظم حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مجلس پاک میں دو سال حاضر رہے خود فرماتے ہیں۔ لَوْلَا السَّنَتَانِ لَهَلَكَ النُّعْمَانُ اگر وہ دو سال نہ ملتے تو نعمان یعنی میں ہلاک ہو جاتا۔

عـ۱۵ حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت ابوبکر صدیق کے مظہر اتم ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق حضور علیہ السلام کے خلیفہ اول ہیں اور امام اعظم حضور کی امت کے مجتہد اول صدیق اکبر جامع قرآن ہیں امام اعظم جامع مسائل فقہ اور قواعد دینیہ ہیں حضرت صدیق اکبر نے حضور کے بعد پہلے عدل وانصاف کے قوانین خلافت کی بنیاد رکھی، امام اعظم نے اجتہاد اور تفقہ کی بنیاد رکھی۔ الغرض

صدیق نے امت مصطفوی کی بروقت مدد و اعانت کی کہ انہیں اختلاف سے بچا لیا، شیرازہ بکھرنے نہ دیا، امام اعظم نے مسلمانوں کی اتنی بڑی مدد کی کہ انہیں کفر و الحاد زندقہ کی آندھیوں سے بچا لیا، آج ان کے اجتہاد علمی کی برکت سے امت مسلمہ کفار و مرتدین کے فتنوں سے محفوظ ہے۔

۱۶ جیسے حضور غوث اعظم تمام اولیاء اللہ کے سردار ہیں کہ سب کی گردن پر حضور غوث پاک کا قدم ہے، آپ طریقت کے امام اوّل ہیں کسی نے کیا خوب کہا۔ شعر

غوث اعظم درمیان اولیاء   چوں جناب مصطفےٰ درانبیاء

ایسے ہی امام اعظم تمام علماء کے سردار ہیں کہ تمام علماء شریف آپ کے زیر سایہ ہیں اسی لیئے طریقت کے امام اوّل کا لقب غوث اعظم ہوا اور شریعت کے امام اوّل کا لقب امام اعظم بغداد شریف مجمع بحرین ہے کہ دونوں امام وہاں آرام فرما ہیں۔

دوسرا مسئلہ ۲۷

تقلید کی اہمیت

ہم نے رب تعالےٰ کے فضل و کرم سے جاء الحق حصہ اوّل میں مسئلہ تقلید بہت تفصیل سے لکھ دیا ہے، جس کا جواب آج تک وہابی غیر مقلدین سے نہ بن سکا اگر شوق ہو تو وہاں مطالعہ فرما دیں، اس جگہ کتاب کی تکمیل کے لیئے کچھ بطور اختصار تقلید کی ضرورت تقلید کے فوائد تقلید نہ کرنے کے نقصانات عرض کیے جاتے ہیں، رب تعالےٰ قبول فرمادے آمین۔

خیال رہے کہ امت محمدیہ علی صاحبہا افضل الصلوٰۃ و اکمل التحیۃ میں بعض وہ خوش نصیب لوگ ہیں جنہیں حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی صحبت میسّر ہوئی، اور انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیدار یار کیا وہ حضرات آسمان نبوت کے تارے ساری امت کے ہادی و امام ہیں ان کے حق میں خود حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم نے بشارت دی۔

اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ بِاَیِّهِمْ اِقْتَدَیْتُمْ اِهْتَدَیْتُمْ	میرے صحابہ تاروں کی طرح ہیں تم ان میں سے جس کی پیروی کرو گے ہدایت پا جاؤ گے۔

رب تعالیٰ نے انہیں اپنے حبیب صلے اللہ علیہ وسلم کی صحبت پاک کی برکت سے گمراہی

بدعقیدگی فسق و فجور سے محفوظ و مامون رکھا، خود ارشاد فرماتا ہے۔

وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوْا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا۔	رب تعالیٰ نے ان صحابہ پر پرہیزگاری کا کلمہ لازم فرمایا اور وہ اس کے مستحق ہیں۔

دوسری جگہ صحابہ کرام کو مخاطب فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے۔

وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ۔	اے صحابہ کرام رب نے کفر و فسق اور گناہوں سے تمہارے دلوں میں نفرت ڈالدی

اور تمام صحابہ سے رب نے جنتی ہونے کا وعدہ فرمایا کہ ارشاد فرمایا۔

وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى	رب نے سارے صحابہ سے جنت کا وعدہ فرما لیا۔

بلکہ رب تعالیٰ نے جماعت صحابہ کو تمام جہان کے ایمان کا معیار بتایا کہ جسکا ایمان ان کی طرح ہو وہ مومن ہے جس کا ایمان ان کے خلاف ہو وہ بے دین ہے۔ کہ فرمایا

فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا۔	اگر یہ لوگ تمہارے ایمان کی طرح ایمان لاویں۔ تو ہدایت پر ہوں گے۔

اگر صحابہ کرام کے فضائل و مراتب دیکھنا ہوں تو ہماری کتاب امیر معاویہ پر ایک نظر کا مطالعہ کرو۔ بہر حال حضور کی صحبت شریف کی برکت سے صحابہ کرام کے دل روشن سینے نورانی تھے، وہ حضرات فرش پر قدسی صفات کے حامل تھے۔ نہ ان میں دینی جھگڑے تھے نہ بہت سے فرقے نہ مذہبی اختلاف نہ فتنے و فساد لہٰذا اس خیر القرون کو باقاعدہ تقلید کی ضرورت نہ تھی۔ وہ تمام جہان کے امام تھے وہ کس کو تقلید کرتے۔

بعد میں مسلمانوں میں مذاہب کا اختلاف خیالات انتشار مسائل کی فراوانی فلسفہ و منطق کا الحاق پیدا ہوا، تب علماء ملت نے قرآن و حدیث سے مسائل استنباط فرمائے دین محمدی کے جزئیات کو آئینہ کی طرح صاف فرمادیا امت نے محسوس کیا، کہ اب تقلید ائمہ کے بغیر چارہ نہیں غرضکہ بعد کے مسلمان تین قسم کے ہو گئے، عوام، علماء، مجتہدین، عوام نے علماء کی پیروی اور علماء نے ائمہ مجتہدین کی تقلید کو لازم و ضروری سمجھا، یہ تقلید و اجتہاد ضروریات زمانہ کے لحاظ سے لازم ہوئی۔ اس کی مثال یوں سمجھو کہ اولاً جب تک ضرورت پیش نہ آئی صحابہ کرام نے قرآن کریم بھی کتابی

شکل میں جمع نہ فرمایا، عہد عثمانی میں جب ضرورت پڑی تو قرآن کتابی شکل میں جمع ہوا۔ پھر بہت عرصہ کے بعد قرآن میں زیر زبر لگائے گئے پھر بہت عرصہ کے بعد اس میں رکوع سیپارے مرتب کئے گئے کسی صحابی نے جمع حدیث اور حدیث کے اقسام و احکام بنانے کی ضرورت محسوس نہ فرمائی، بخاری مسلم وغیرہ عہد صحابہ کے بہت بعد کی کتابیں ہیں، غرضکہ دینی ضرورتیں بڑھتی گئیں، یہ چیزیں بنتی گئیں۔ یہ ہی حال آئمہ کی تقلید کا ہے، جیسے آج یہ نہیں کہا جاسکتا، کہ قرآن کا جمع، اعراب سیپارے بنانا۔ علم حدیث اور کتب حدیث، بدعت ہیں، عہد نبوی یا عہد صحابہ میں نہ تھے ایسے ہی یہ بھی کہنا حماقت ہے کہ تقلید آئمہ اور علم فقہ بدعت ہے عہد صحابہ میں اس کا رواج نہ تھا۔ آج اگر جمع شدہ قرآن اور مسلم بخاری ضروری ہیں۔ تو اماموں کی تقلید بھی لازم ہے۔ ہم اسجگہ نہایت اختصار سے تقلید کی اہمیت قرآن۔ حدیث عمل امت۔ عقلی دلائل سے ثابت کرتے ہیں۔ سنیئے اور ایمان تازہ کیجئے رب فرماتا ہے۔

۱۔ فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔	پھر اگر تم جانتے ہو تو علم والوں سے پوچھو۔

اس آیت شریفہ سے معلوم ہوا کہ دینی بات میں اپنی اٹکل نہ لگائے ناواقف کو ضروری ہے کہ واقف سے پوچھے جاہل عالم سے پوچھے، غیر مجتہد عالم مجتہد علماء سے دریافت کریں، اس ہی کا نام تقلید ہے۔

۲۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ	اے ایمان والو اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی فرمانبرداری کرو اور اپنے میں سے امر والے علماء کی،

قرآن کریم پر عمل اللہ کی اطاعت ہے حدیث شریف پر عمل حضور کی فرمانبرداری اور فقہ پر عمل اولی الامر کی اطاعت ہے، یہ تینوں اطاعتیں ضروری ہیں، امام رازی نے تفسیر کبیر میں فرمایا کہ یہاں اولوالامر سے مراد علماء دین ہیں نہ کہ سلاطین، کیونکہ بادشاہوں پر علماء کی اطاعت بہر حال ضروری ہے۔ مگر علماء پر بادشاہوں کی اطاعت ہر حال میں واجب نہیں، صرف انہی احکام میں واجب ہے جو شریعت کے موافق ہوں ایسے ہی حکام و سلاطین علماء سے احکام حاصل کریں گے۔

ع۳ وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ	اول سبقت کرنوالے مہاجرین اور انصار اور وہ جنہوں نے ان کی اتباع کی اللہ ان سے راضی ہوا یہ اللہ سے راضی۔

اس سے پتہ لگا کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی تین جماعتوں سے راضی ہے۔ مہاجرین، انصار اور تا قیامت ان کی اتباع و تقلید کرنے والے مسلمان غیر مقلد ان تینوں جماعتوں سے خارج کیونکہ نہ تو وہ مہاجر صحابی ہیں نہ انصاری، اور نہ ان کے مقلد ان کے نزدیک تقلید شرک ہے۔

ع۴ وَاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ	اس کی راہ چلو جو میری طرف رجوع لایا۔

اس آیتہ سے معلوم ہوا کہ ہر مسلمان پر لازم ہے کہ اللہ کے مقبول بندوں کا راستہ اختیار کرے چاروں امام خود بھی اللہ کے مقبول بندے ہیں اور تمام اولیاء علماء صالحین مومنین ان کے مقلد لہٰذا تقلید مقبولوں کا راستہ ہے غیر مقلدیت وہابیت مردودوں کا راستہ ہے۔

ع۵ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ۔	اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو۔

معلوم ہوا کہ صرف ہمارا تقویٰ و پرہیزگاری بخشش کے لیے کافی نہیں، پرہیزگاری کے ساتھ اچھوں کی سنگت بھی لازم ہے ورنہ راستہ میں ڈکیتی کا اندیشہ ہے چاروں امام اچھے ہیں، اور امت کے سارے اچھوں نے تقلید کی سارے اولیاء علماء محدثین مفسرین مقلد گزرے، غیر مقلدوں میں اگر کوئی ولی گزرا ہو تو دکھا دو، جس شاخ میں پھل پھول پتے نہ لگیں وہ چولھے کے لائق ہوتی ہے کیونکہ اس کا تعلق جڑ سے ٹوٹ چکا ہے ایسے ہی جس فرقہ میں اولیاء اللہ نہ ہوں، وہ دوزخ کے قابل ہے، کیونکہ اس کا تعلق حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے ٹوٹ چکا ہے۔

ع۶ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ۔	ہم کو ہدایت دے سیدھے، راستہ کی انکا راستہ جن پر تو نے انعام کیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ سیدھے راستہ کی پہچان یہ ہے۔ کہ اس پر اولیاء اللہ علماء صالحین ہوں دیکھ لو سارے اولیاء صالحین مقلد ہیں، حضور غوث پاک خواجہ اجمیری خواجہ بہاؤ الدین نقشبند امام ترمذی وغیرہ جیسے پایہ کے بزرگ مقلدین گزرے لہٰذا تقلید سیدھا جنت کا راستہ ہے۔ اور

وہابیت غیر مقلدیت ٹیڑھا راستہ جو دوزخ تک پہنچائے گا۔

۷ وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ۔ | جو کوئی ہدایت ظاہر ہونے کے بعد رسول کی مخالفت کرے اور مسلمانوں کے راہ کے علاوہ دوسرا راستہ اختیار کرے جدھر وہ پھرے گا ہم ادھر ہی پھر دینگے اور اسے دوزخ میں پہونچائینگے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو سزا حضور کی مخالفت کرنیوالے کفار کی ہے، وہ ہی سزا ان کلمہ گو بے دینوں کی بھی ہے جو مسلمانوں کا راستہ چھوڑ کر اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنائیں۔ تقلید عام مسلمانوں کا راستہ ہے غیر مقلدان سب سے علیحدہ وہ اپنا انجام سوچ لیں۔

۸ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا | اسی طرح ہم نے تم کو درمیانی امت بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور نبی تمہارے گواہ۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ مسلمان رب تعالےٰ کے دنیا و آخرت میں گواہ ہیں، جس آدمی یا جس راستہ یا جس مسئلہ کو عام مسلمان اچھا کہیں واقعی اچھا ہے اور جس کو برا کہیں وہ واقعہ میں برا عام دیکھ لو۔ مسلمان تقلید کو اچھا کہتے ہیں، مقلد ہیں اور غیر مقلدوں کو برا جانتے ہیں۔ لہذا تقلید ہی اچھا راستہ ہے اور مقلدین اچھی جماعت۔

احادیث شریفہ

اس بارے میں احادیث بہت ہیں کچھ بطور نمونہ پیش کی جاتی ہیں۔

حدیث نمبر ۱۔ ابن ماجہ نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

اِتَّبِعُوا السَّوَادَ الْاَعْظَمَ فَاِنَّهٗ مَنْ شَذَّ شُذَّ فِي النَّارِ (مشکوٰۃ) | بڑے گروہ کی پیروی کرو کیونکہ جو مسلمانوں کی جماعت سے الگ رہا وہ دوزخ میں علیحدہ ہی جاویگا۔

معلوم ہوا کہ مومن کو مسلمانوں کی بڑی جماعت کے ساتھ رہنا چاہیئے، جماعت سے علیحدگی دوزخ میں جانے کا راستہ ہے، عام المسلمین مقلد ہیں۔ غیر مقلد اپنا انجام سوچ لیں۔

حدیث نمبر ۲ تا ۴ ۔ مسلم۔ ترمذی۔ احمد نے حضرت حارثہ اشعری سے روایت کی۔

مَنْ خَرَجَ مِنَ الْجَمَاعَةِ قِيدَ شِبْرٍ فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَةَ الْإِسْلَامِ مِنْ عُنُقِهِ (مشکوٰۃ کتاب الامارۃ)

جو شخص بالشت برابر جماعت سے نکل گیا۔ اس نے اسلام کا پٹہ اپنی گردن سے اتار دیا۔

حدیث نمبر ۵۔ مسلم و بخاری نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْإِيمَانَ لَيَأْرِزُ إِلَى الْمَدِينَةِ كَمَا تَأْرِزُ الْحَيَّةُ إِلَى جُحْرِهَا (مشکوٰۃ باب الاعتصام)

فرمایا نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ ایمان مدینہ منورہ کی طرف ایسا سمٹ آوے گا۔ جیسے سانپ اپنے سوراخ کی طرف۔

معلوم ہوا کہ مدینہ منورہ ہمیشہ سے اسلام کا مرکز ہے۔ اور رہیگا۔ وہاں انشاء اللہ کبھی شرک نہ ہوگا الحمد للہ کہ سارے حجاز خصوصاً مکہ معظمہ و مدینہ میں سارے مسلمان مقلد تھے اور مقلد ہیں وہاں غیر مقلد ایک بھی نہیں نذیر حسین دہلوی شریف حسین کے زمانہ میں حرمین شریفین گئے، غیر مقلدیت کی وجہ سے گرفتار کر لیئے گئے وہاں تقیہ کر کے مقلد بن کر جان چھڑائی۔ پھر ہندوستان آکر غیر مقلد بن گئے، نذیر حسین غیر مقلدوں کے سرگروہ گزرے ہیں۔ اب اگرچہ وہاں نجدیوں کی سلطنت ہے۔ مگر نجدی بھی اپنے کو غیر مقلد کہتے ہوئے ڈرتے ہیں، اپنے کو حنبلی کہتے ہیں۔ اگر تقلید شرک ہوتی تو حرمین طیبین اس سے پاک وصاف رہتے۔

حدیث نمبر ۶۔ امام احمد نے حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الشَّيْطَانَ ذِئْبُ الْإِنْسَانِ كَذِئْبِ الْغَنَمِ يَأْخُذُ الشَّاذَّةَ وَالْقَاصِيَةَ وَالنَّاحِيَةَ إِيَّاكُمْ وَالشِّعَابَ وَعَلَيْكُمْ بِالْجَمَاعَةِ وَالْعَامَّةِ۔ (مشکوٰۃ باب الاعتصام)

فرمایا نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ شیطان انسان کا بھیڑیا ہے۔ جیسے بھیڑیا ریوڑ سے علیحدہ رہنے والی یا کنارہ والی یا بچھڑ جانیوالی کا شکار کرتا ہے ایسے ہی شیطان جماعت مسلمین سے الگ رہنے والے کا شکار کرتا ہے تم گھاٹیوں سے بچو جماعت اور عامۃ المسلمین کے ساتھ رہو۔

۷۔ لَا يَجْتَمِعُ أُمَّتِي عَلَى الضَّلَالَةِ وَيَدُ

میری امت گمراہی پر کبھی متفق نہ ہوگی جماعت

اللهِ عَلَى الْجَمَاعَةِ فَاِنَّ مَنْ شَذَّ شُذَّ فِي النَّارِ (مشکوٰۃ) | پر اللہ کی رحمت ہے، جو جماعت سے الگ رہا وہ دوزخ میں الگ ہو کر جاوے گا۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ مسلمان کے نجات کی صرف یہ صورت ہے کہ اپنے عقائد عامۃ المسلمین کے سے رکھے جو جماعت مسلمین سے الگ رہا شیطان کے شکار میں آ گیا، عام جماعت مسلمین مقلد ہے۔ لہٰذا غیر مقلد رہنا جماعت مسلمین سے علیحدگی ہے۔

عمل مسلمین۔ ہمیشہ سے ہر طبقہ کے مسلمان مقلد ہوئے، محدثین، مفسرین، فقہا، اولیاء اللہ ان میں کوئی غیر مقلد وہابی نہیں، چنانچہ امام قسطلانی اور تاج الدین سبکی نے صراحتہً امام نووی نے اشارۃً فرمایا کہ امام بخاری شافعی ہیں، ترمذی ابوداؤد، نسائی، دارقطنی وغیرہ تمام محدثین شافعی ہیں۔ طحاوی و امام زیلعی، عینی شارح، بخاری، طیبی، علی قاری، عبد الحق محدث دہلوی وغیرہم تمام محدثین حنفی ہیں۔

تفسیر کبیر، تفسیر خازن، بیضاوی، جلالین، تنویر المقیاس والے سارے مفسرین شافعی ہیں۔ تفسیر مدارک، تفسیر صاوی والے سارے مفسرین حنفی، فقہاء اور اولیاء اللہ سارے کے سارے مقلد ہیں اور عام اولیاء حنفی ہیں جیسے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں، غیر مقلد وہابی سوچیں، کہ ان میں کتنے محدث، کتنے مفسر، کتنے فقہاء کتنے اولیاء ہیں، ان کی جڑ کس زمین پر قائم ہے اور وہ کس درخت کی شاخ یا کس شاخ کا پھل ہیں۔

عقل کا تقاضا بھی یہ ہے کہ تقلید اشد ضروری فریضہ ہے اور غیر مقلدیت نجدیت زہر قاتل ہے، ایمان کے لیئے سخت خطرناک ہے چند وجوہ سے ایک یہ کہ قرآن و حدیث مسائل نکالنے کے لیئے آسان نہیں، ان سے مسائل کا استنباط سخت دشوار ہے، اس ہی لیئے رب تعالیٰ نے قرآن سکھانے کے لیئے اتنے بڑے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا اگر اسے سمجھنے کے لئے صرف عقل انسانی کافی ہوتی تو اس کی تعلیم کے لئے حضور سید الانبیاء نہ بھیجے جاتے فرماتا ہے۔

يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ۔ | وہ رسول مسلمانوں کو قرآن و حکمت سکھاتے ہیں۔

جیسے قرآن سمجھانے کے لیئے حضور بھیجے گئے ایسے ہی حدیث سمجھانے کیلئے آئمہ مجتہدین بھیجے

فرمائے گئے جو لوگ آج تقلید سے منہ پھیرے ہوئے ہیں۔ وہ قرآن و حدیث میں ایسی ٹھوکریں کھاتے ہیں کہ خدا کی پناہ میں نے بڑے بڑے غیر مقلد وہابیوں کو بارہا اعلان کیا کہ حدیث سمجھنا تو کیا تم صرف یہ ہی بتا دو کہ حدیث اور سنت میں فرق کیا ہے۔ حدیث کسے کہتے ہیں، اور سنت کسے تم اپنے کو اہل حدیث کہتے ہو۔ ہم اہل سنت ہیں بتاؤ تم میں ہم میں فرق کیا ہے۔ مگر یہ فرق حدیث سے ثابت کیا جاوے، آج تک نہ بتا سکے اور ان شاء اللہ قیامت تک نہ بتا سکیں گے۔ ہمارا اعلان عام ہے کہ آج بھی کوئی وہابی صاحب تکلیف کر کے جواب دیں، حدیث سمجھنا اس سے مسائل نکالنا تو ان بیچاروں کو نصیب ہی کہاں صرف رفع یدین اور آمین بالجہر کی چار حدیثیں بے سمجھے رٹ لیں، اور اہل حدیث بن گئے حدیث سمجھنا تو خدا کے فضل سے مقلدوں کا ہی کام ہے اگر فہم حدیث کا لطف اٹھانا ہے۔ تو ہمارے حاشیہ بخاری عربی یعنی نعیم الباری کا مطالعہ فرماؤ جس میں بفضلہ تعالےٰ ایک ایک حدیث سے آٹھ آٹھ دس دس مسائل کا استنباط کیا ہے کہ ایمان تازہ ہو جاتا ہے، بطور مثال ایک عام مشہور مختصر سی حدیث پیش کرتا ہوں۔

اُحُدٌ جَبَلٌ یُحِبُّنَا وَنُحِبُّهٗ۔ | اُحد پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے، ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔

ہم نے حسب ذیل مسائل شریعت و طریقت کے مستنبط کیے۔

ع۱ حضور کی محبوبیت صرف انسانوں سے خاص نہیں، بے عقل جانور بے جان لکڑی پتھر بھی حضور کے چاہنے والے ہیں۔ حسن یوسف لاکھوں نے دیکھا، مگر عاشق صرف زلیخا، حسن محمدی آج کسی نے نہ دیکھا مگر عاشق کروڑوں۔ حضور ساری مخلوق کے محبوب ہیں، کیوں نہ ہوں، کہ خالق کے محبوب ہیں۔

ع۲ جس انسان کو حضور سے محبت نہ ہو وہ پتھروں سے زیادہ سخت اور جانوروں سے بھی گیا گزرا ہے۔

ع۳ جب حضور پتھر کے دل کا حال جانتے ہیں کہ فرماتے ہیں احد ہم سے محبت کرتا ہے۔ تو انسانوں کے دل کے راز کیوں نہ جانیں ان سے کوئی غیب چھپا نہیں۔

ع۴ حضور کی بارگاہ میں عشق و محبت اور دلی کیفیت زبان سے کہنے کی ضرورت نہیں وہ

دل کی گہرائیوں کو جانتے ہیں، احد نے منہ سے کچھ نہ کہا، مگر اس کے دل کا حال حضور پر روشن تھا۔ اگر حضور انسانوں کے دلی حالات نہ جانیں تو کل قیامت میں شفاعت کیسے کریں گے۔ جو بھی حضور سے شفاعت کی درخواست کرے تو حضور فرماویں کہ مجھے خبر نہیں تو مومن تھا یا کافر شفاعت کیسے کروں کیونکہ بعض وہ بھی ہوں گے جو بغیر وضو کیئے فوت ہوئے ان کے چہروں پر آثار وضو کی چمک نہ ہوگی۔

ع۵ تمام عبادتوں کا بدلہ جنت ہے مگر محبت مصطفوی کا نتیجہ محبت ہے کہ فرمایا احد ہم سے محبت کرتا ہے۔ ہم اس سے محبت کرتے ہیں، لہٰذا عشق رسول عبادات سے اعلیٰ ہے کہ اس کا بدلہ جنت والا محبوب ہے۔

بخاری شریف کی ایک اور حدیث سنو اور اس سے ایمانی و عرفانی مسائل کا استنباط ملاحظہ کرو ایمان تازہ کرو۔

حدیث:۔ حضور دراز گوش پر سوار جا رہے ہیں سامنے دو قبریں نمودار ہوئیں دراز گوش دو پاؤں سے کھڑا ہوگیا، حضور اُتر پڑے اور فرمایا کہ ان قبر والوں پر عذاب ہو رہا ہے جسے دیکھ کر خچر گھبرا گیا۔ ان میں سے ایک تو اونٹوں کا چرواہا تھا، جو اونٹوں کے پیشاب کی چھینٹوں سے پرہیز نہ کرتا تھا۔ دوسرا چغل خور تھا، اس لیئے عذاب قبر میں گرفتار ہوئے، یہ فرما کر کھجور کی شاخ کی دو چیریں فرما کر دونوں قبروں پر گاڑ دیں اور فرمایا کہ جب تک یہ تر ہیں، عذاب قبر میں تخفیف ہوگی۔

فوائد:۔ اس حدیث سے چند فوائد حاصل ہوئے۔

ع۱ حضور کی چشم مبارک کے لیئے کوئی چیز آڑ نہیں، آپ پس پردہ بھی دیکھتے ہیں، دیکھو عذاب ہزاروں من مٹی کے نیچے یعنی قبر کے اندر ہو رہا ہے، مگر نگاہ پاک مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم قبر کے اوپر سے ملاحظہ فرما رہی ہے۔

ع۲ جس جانور پر حضور سوار ہو جاویں، اس جانور کی آنکھ سے بھی حجاب اٹھا دیئے جاتے ہیں کہ خچر نے حضور کی برکت سے قبر کا عذاب دیکھ لیا اور بھڑک گیا ورنہ ہمارے خچر دن رات قبرستان سے گزرتے ہیں، نہیں بھڑکتے، لہٰذا اگر حضور کسی ولی پر نظر کرم فرماویں تو اس

کی نگاہ سے بھی غیبی حجاب اٹھا جائیں گے۔

عـ۳ حضور ہر شخص کے ظاہر و خفیہ اگلے پچھلے تمام اعمال جانتے ہیں۔ کہ فرمادیا کہ ایک چغل خور تھا، دوسرا پیشاب سے پرہیز نہ کرتا تھا، حالانکہ ان دونوں نے یہ اعمال حضور کے سامنے نہ کئے تھے لہذا حضور ہمارے ہر عمل سے خبردار ہیں۔

عـ۴ حضور عذاب الہی سے بچانا عذاب دور کرانا بھی جانتے ہیں۔ گویا روحانی بیماریوں اور ان کے علاج سے خبردار ہیں، کہ ان قبر والوں کا عذاب دفع کرنے کے لیئے تر شاخیں قبروں پر گاڑھ کر فرمایا کہ اس سے عذاب ہلکا ہوگا۔

عـ۵ تر سبزہ کی تسبیح کی برکت سے مومن کا عذاب قبر ہلکا ہوتا ہے۔ لہذا اگر قبر پر تلاوت قرآن یا ذکر اللہ کیا جاوے تو میت کو فائدہ ہوگا۔ کیونکہ مومن کی تسبیح و تہلیل سے تر سبزہ کی تسبیح سے اعلیٰ ہے۔

عـ۶ اگرچہ خشک چیزیں بھی تسبیح پڑھتی ہیں، وَاِنۡ مِّنۡ شَیۡءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمۡدِہٖ مگر انکی تسبیح سے عذاب قبر دفع نہیں ہوتا، ذکر کی تاثیر کے لیئے زبان بھی تاثیر والی چاہیئے، لہذا وہابی وغیرہ خشکوں کی تلاوت قرآن وغیرہ بے فائدہ ہے، مومن جس کے دل میں محبت مصطفےٰ کی تری و سبزی ہے اس کا ذکر تاثیر والا ہے۔

عـ۷ مومن کی قبر پر سبزہ پھول وغیرہ ڈالنا مفید ہے کہ اس سے قبر والے کو فائدہ ہے حضور نے سبز شاخ قبر پر لگائی اور فرمایا جبتک کہ یہ تر رہیگی تب تک عذاب میں تخفیف ہوگی۔

عـ۸ حلال جانور کا پیشاب نجس ہے اس سے پرہیز ضروری ہے اس کی چھینٹیں عذاب قبر کا باعث ہیں دیکھو اونٹ حلال ہے مگر اس کی چھینٹیں عذاب قبر کا باعث ہوئیں۔

یہاں تک تو ہم نے آپ کو اپنے حاشیہ بخاری کی کچھ سیر کرائی۔ اب ہمارے حاشیہ القرآن کی بھی کچھ سیر کرلو، صرف ایک آیت کے فوائد عرض کرتا ہوں۔

فَمَا دَلَّهُمۡ عَلٰى مَوۡتِهٖۤ اِلَّا دَآبَّةُ الۡاَرۡضِ تَاۡكُلُ مِنۡسَاَتَهٗ ۔	جنات کو حضرت سلیمان کی وفات نہ بتائی مگر زمین کی دیمک نے جو آپ کا عصا کھاتی تھی۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات بحالت نماز ہوئی بیت المقدس کی تعمیر ہورہی تھی، آپ

اسی طرح لکڑی کے سہارے کھڑے رہے چھ ماہ کے بعد دیمک نے لاٹھی کھالی۔ لاٹھی گرنے کی وجہ سے آپ کا جسم شریف زمین پر آرہا۔ تب جنات جو بیت المقدس کی تعمیر کر رہے تھے۔ کام چھوڑ کر بھاگ گئے۔

فائدے ۔ اس آیت اور واقعہ سے چند فائدے حاصل ہوئے ۔

۱۔ انبیاء کرام کے اجسام وفات کے بعد گلنے یا بگڑنے سے محفوظ ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا جسم شریف چھ ماہ تک قائم رہا، مگر کوئی فرق نہ آیا۔

۲۔ انبیاء کرام کے اجسام شریفہ کو کیڑا نہیں کھا سکتا۔ دیکھو دیمک نے حضرت سلیمان کی لاٹھی کھائی پاؤں شریف نہ کھایا لہذا یعقوبؑ کو یقین تھا کہ یوسفؑ کو بھیڑیئے نے نہ کھایا یہ فرزند غلط کہہ رہے ہیں

۳۔ پیغمبر کا کفن بھی گلنے میلا ہونیسے محفوظ ہے، دیکھو حضرت سلیمان کا لباس شریف ان چھ ماہ میں نہ گلا نہ میلا ہوا، ورنہ جنات کو آپ کی وفات کا پتہ چل جاتا۔

۴۔ انبیاء کرام بعد وفات بھی دنیاوی و دینی حاجتیں پوری کرتے ہیں۔ دیکھو حضرت سلیمان نے بعد وفات مسجد بیت المقدس کی تکمیل کرا دی۔

۵۔ دینی ضرورت کی وجہ سے پیغمبر کے دفن و کفن میں دیر لگا دینا سنت الٰہیہ ہے، دیکھو رب تعالےٰ نے تکمیل مسجد کے لیئے حضرت سلیمان کو بعد وفات چھ ماہ تک بغیر کفن دفن رکھا، لہذا صحابہ کرام کا تکمیل خلافت کے لیئے حضور کے کفن و دفن میں تاخیر کرنا بالکل صحیح تھا کیونکہ تکمیل خلافت تکمیل مسجد سے کہیں زیادہ اہم ہے۔

۶۔ ہارٹ فیل یعنی اچانک موت اللہ کے نیک بندوں کے لیئے عذاب نہیں بلکہ رحمت ہے۔ دیکھو حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات اچانک ہوئی، مگر رحمت تھی ہاں غافل کے لیے عذاب ہے کہ اسے توبہ کا وقت نہیں ملتا۔ لہذا حدیث شریف واضح ہے۔

ایک اور آیۃ کریمہ کے فوائد و مسائل سنو جو ہم نے اپنے اس حاشیہ القرآن میں بیان کیئے۔

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ

آیت کریمہ میں اللہ تعالےٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی دو خاص نعمتوں کا

ذکر فرمایا اور ان کے شکریہ میں رب کی تسبیح وحمد کا حکم دیا ایک تو فتح مکہ دوسرے فتح کے دن اور اس کے بعد لوگوں کا جوق در جوق فوج در فوج اسلام قبول کرنا۔

اس آیت سے حسب ذیل فائدے حاصل ہوئے

ع۱ صحابہ کرام کی تعداد دو چار یا دس بیس نہیں بلکہ ہزارہا ہے کیونکہ رب تعالےٰ نے انہیں افواج یعنی فوجیں فرمایا دو چار آدمیوں کی فوجیں نہیں ہوتیں جیسے حضرات انبیاء کرام ایک لاکھ چوبیس ہزار ہیں جن میں تین سو تیرہ رسول ہیں اور چار مرسل اسے ہی صحابہ کرام ایک لاکھ چوبیس ہزار ہیں جن میں تین سو تیرہ بدر والے اور چار خلفاء راشدین جو کہے کہ مومن صحابہ کل چار پانچ تھے۔ وہ اس آیت کا منکر ہے۔

ع۲ فتح مکہ کے دن اور اس کے بعد ایمان لانے والوں کا ایمان رب تعالےٰ کے ہاں قبول ہوا کہ انہیں رب نے فرمایا کہ وہ اللہ کے دین میں داخل ہو گئے۔ ان کا داخل فی الدین ہو جانا قرآن سے ثابت ہوا لہٰذا ابو سفیان، ہند، عکرمہ، امیر معاویہ وغیرہم رضی اللہ عنہم سچے پکے مخلص مومن ہیں۔ جو ان کے ایمان کا انکار کرے وہ اسی آیت کا منکر ہے۔

ع۳ فتح مکہ کے دن ایمان لانے والوں میں سے کوئی مرتد نہ ہوا یہ حضرات ایمان پر قائم رہے ان کا خاتمہ ایمان پر ہوا کیونکہ ان کے ایمان میں داخل ہونے کی یہ صریح آیت موجود ہے، اسلام سے نکل جانے کی کوئی آیت نہیں نیز رب تعالیٰ نے ان کے ایمان کا ذکر بطور نعمت الٰہیہ کیا اگر یہ لوگ آئندہ ایمان سے نکل جانے والے ہوتے تو رب تعالےٰ بجائے تسبیح و تحمید کے حکم کے یوں فرماتا کہ محبوب ان کے ایمان کا اعتبار نہ کریں یہ لوگ پھر جائیں گے، اب جو تاریخی واقعہ ان کا کفر ثابت کرے، وہ جھوٹا ہے کہ قرآن شریف کے خلاف ہے۔

وھابیو! بولو آج تک قرآن وحدیث کے ایسے ایمان افروز عارفانہ مسائل کسی وہابی صاحب کے ذہن شریف میں بھی آئے، یہ نعمت تو اللہ تعالیٰ نے مقلدوں کو ہی بخشی ہے۔ تم نے صرف غلط سلط ترجمے کرنا ہی سیکھے ہیں۔

حنفی بھائیو! اگر تمہیں اس جیسے صدہا عارفانہ، عاشقانہ ایمانی مسائل دیکھنے کا شوق ہو، تو ہمارا حاشیہ القرآن اردو اور حاشیہ بخاری الشراح بخاری عربی کا مطالعہ کرو۔

دوسرے یہ کہ قرآن وحدیث طب ایمانی کی دوائیں ہیں جب طب یونانی کی دوائیں ہر شخص اپنی رائے سے نہیں کر سکتا اگر کریگا تو جان سے ہاتھ دھوئیگا۔ ایسے ہی قرآن وحدیث سے ہر شخص مسئلہ نہیں نکال سکتا، اگر نکالے گا تو وہابیوں کی طرح ایمان سے ہاتھ دھوئے گا۔

تیسرے یہ کہ قرآن وحدیث سمندر ہیں، جیسے سمندر سے ہر شخص موتی نہیں نکال سکتا ایسے ہی قرآن وحدیث سے ہر شخص مسئلے نہیں نکال سکتا تمہیں موتی سمندر سے نہ ملیں گے بلکہ جوہری کی دوکان سے ایسے ہی تمہیں مسائل قرآن وحدیث سے نہ ملیں گے، بلکہ امام ابو حنیفہ وشافعی وغیرہ رضی اللہ عنہم کی دوکانوں سے ملیں گے۔

چوتھے یہ کہ دنیا میں ہر شخص کسی پیشوا کا مقلد ہوتا ہے۔ کھانا پکانا۔ کپڑا سینا پہننا غرضکہ دنیا کا کوئی کام ایسا نہیں جس میں اس کے ماہروں کی تقلید نہ کی جاوے، دین تو دنیا سے کہیں اہم ہے اگر اس میں ہر شخص بے نکیلے اونٹ کی طرح بے قید ہو کہ جس کا جس طرف منہ اٹھا ادھر چل دیا تو دین تباہ ہو جائیگا غیر مقلد وہابیوں کو چاہیئے کہ پاؤں میں ٹوپی، سر پر جوتہ ٹانگوں میں کرتہ اور کندھے پر پائجامہ پہنا کریں، کیونکہ عام لوگوں کی طرح لباس پہننے میں تقلید ہے یہ ہیں، غیر مقلد، یہ کیا بات ہے کہ آپ ہر کام میں ہر طرح مقلد اور صرف تین چار مسئلے۔ قرأت خلف الامام رفع یدین وغیرہ میں۔ غیر مقلد اگر غیر مقلد ہو تو پورے بنو ہر کام الوکھا کرو، ہر بات نرالی کہو۔

پانچویں یہ کہ بظاہر احادیث میں اتنا تعارض معلوم ہوتا ہے کہ خدا کی پناہ ایک مسئلہ کے متعلق جب احادیث دیکھی جاویں تو چکر آجاتا ہے اگر تقلید نہ کی جاوے، صرف حدیثیں دیکھی جاویں، تو حیرانی ہوتی ہے کہ یا اللہ کیا کریں کدھر جائیں کوئی وہابی صاحب دو رکعت نماز ایسی پڑھ کر دکھاویں، جس میں ساری حدیثوں پر عمل ہو، ایک ایک مسئلہ پر دس دس قسم کی روائتیں موجود ہیں حضور وتر ایک رکعت پڑھتے تھے تین یا پانچ پڑھتے تھے، سات پڑھتے تھے۔ تو گیارہ تیرہ رکعتیں پڑھتے تھے۔ اب غیر مقلد ایسی وتر پڑھ کر دکھاویں، کہ سب حدیثوں پر عمل ہو جاوے ایک وہابی صاحب نے آمین بالجہر کی ایک حدیث پڑھی میں نے آمین بالاخفاء کی پانچ پڑھ دیں بیچارے منہ تکتے رہ گئے یہ کام مجتہد کا ہے کہ دیکھے کون حدیث ناسخ ہے کون منسوخ کون حدیث ظاہری معنی پر ہے کون واجب التاویل، حدیث پر وہ عمل کرے جو مزاج شناس

رسول ہو۔ اور راز دار پیغمبر یہ مزاج شناسی رازداری ہر ایسے غیرے کا کام نہیں۔

وہابی اور حدیث

غیر مقلدوں کا اصلی نام وہابی ہے، لقب نجدی کیونکہ ان کا مورث اعلیٰ محمد ابن عبدالوہاب ہے جو نجد کا رہنے والا تھا، اگر انہیں مورث اعلیٰ کی طرف نسبت کیا جاوے تو وہابی کہا جاتا ہے اور اگر جائے پیدائش کی طرف نسبت دی جاوے تو نجدی جیسے مرزا غلام احمد قادیانی کی امت کو مرزائی بھی کہتے ہیں اور قادیانی بھی پہلی نسبت مورث کی طرف ہے، دوسری نسبت جائے پیدائش کی طرف اسی جماعت کی پیشین گوئی خود حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم نے کی تھی کہ نجد کے متعلق ارشاد فرمایا تھا۔

هُنَاكَ الزَّلَازِلُ وَالْفِتَنُ وَبِهَا يَخْرُجُ مِنْهَا قَرْنُ الشَّيْطَانِ۔ | نجد میں زلزلے اور فتنے ہوں گے، اور وہاں سے ایک شیطانی فرقہ نکلے گا۔

غرض کہ اس جماعت کا بانی محمد ابن عبدالوہاب نجدی ہے اور اس کا ہندوستان میں پرورش کرنے والا اسماعیل دہلوی ہے، اس فرقہ کے حالات ہماری کتاب جاء الحق حصہ اوّل میں ملاحظہ فرماؤ یہ لوگ عام مسلمانوں کو مشرک اور صرف اپنی جماعت کو موحد کہتے ہیں۔ مقلدوں کے جانی دشمن اور ائمہ اربعہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ، امام شافعی، امام مالک، امام احمد ابن حنبل رضی اللہ عنہم اجمعین کی شان اقدس میں تبرّے کرتے ہیں۔

یہ لوگ اپنے آپ کو اہل حدیث یا عامل بالحدیث کہتے ہیں، یہ لوگ پہلے تو اپنے کو فخریہ طور پر وہابی کہتے تھے، چنانچہ ان کی بہت کتب کے نام تحفۂ وہابیہ وغیرہ ہیں، مگر اب وہابی کے نام سے چڑتے ہیں، ان کے عقائد و اعمال نہایت ہی گندے اسلام اور مسلمانوں کے دامن پر بدنما داغ ہیں، ہم یہاں اہل حدیث نام پر مختصر سا تبصرہ کرتے ہیں، تاکہ معلوم ہو کہ ان کا نام بھی درست نہیں، مسلمانوں سے امید انصاف ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب صلے اللہ علیہ وسلم سے امید قبول ہے

خیال رہے کہ دنیا میں کوئی شخص اہل حدیث یا عامل بالحدیث ہو سکتا ہی نہیں، کسی کا

اہل حدیث یا عامل بالحدیث ہونا ایسا ہی ناممکن ہے۔ جیسے دو نقیضین یا دو ضدین کا جمع ہونا غیر ممکن کیونکہ حدیث کے لغوی معنی ہیں بات، گفتگو یا کلام رب فرماتا ہے۔

۱۔ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ۔	قرآن کے بعد کونسی بات پر ایمان لائیں گے۔
۲۔ اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ۔	اللہ تعالے نے سب سے اچھا کلام نازل فرمایا۔
۳۔ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ	بعض لوگ وہ ہیں، جو کھیل کی باتیں وناول قصے خریدتے ہیں تاکہ اللہ کی راہ سے بہکا دیں۔

اس تیسری آیت میں ناول قصے کہانیوں کو حدیث فرمایا گیا ہے۔

اصطلاح شریعت میں حدیث اس کلام وعبارت کا نام ہے۔ جس میں حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے اقوال یا اعمال اسی طرح صحابہ کرام کے اقوال واعمال بیان کئے جاویں، اس عامل بالحدیث فرقے سے سوال ہے کہ تم کونسی حدیث پر عامل ہو، لغوی پر یا اصطلاحی پہ۔ ہو اگر لغوی حدیث پر عامل ہو تو چاہیئے کہ ہر ناول گو قصہ خواں اہل حدیث ہو کہ وہ حدیث یعنی باتیں کرتا ہے ہر سچی جھوٹی بات پر عمل کرتا ہے، اگر اصطلاحی حدیث پر عامل ہو تو پھر سوال یہ ہوگا کہ ہر حدیث پہ عامل ہو یا بعض پر دوسری بات تو غلط ہے۔ کیونکہ حضور کے کسی نہ کسی فرمان پر ہر شخص ہی عامل ہے، حضور فرماتے ہیں، کہ سچ نجات دیتا ہے جھوٹ ہلاک کرتا ہے، ہر مشرک وکافر اس کا قائل ہے، وہ سب ہی اہل حدیث ہو گئے۔ تم حنفی، شافعی۔ مالکی۔ حنبلی مسلمانوں کو اہل حدیث کیوں نہیں مانتے یہ تو ہزارہا حدیثوں پر عمل کرتے ہیں، اگر اہل حدیث کے معنی ہیں حضور کی ساری حدیثوں پر عمل کرنے والے تو یہ ناممکن ہے کیونکہ حضور کی بعض حدیثیں منسوخ ہیں، بعض حدیثوں میں حضور کے وہ خصوصی اعمال شریف بیان ہوئے جو حضور کے لیئے مباح یا فرض تھے، ہمارے لیئے حرام ہیں، جیسے منبر پر نماز پڑھنا اونٹ پر طواف فرمانا۔ حضرت حسین سید الشہداء خاتم آل عبا رضی اللہ عنہ کے لیئے سجدہ دراز فرمانا۔ حضرت امامہ بنت ابی العاص کو کندھے پر لے کر نماز پڑھنا، نو بیویاں نکاح میں رکھنا۔ بغیر مہر نکاح ہونا ازواج میں عدل ومہر واجب نہ ہونا۔ بلکہ حدیث سے ثابت ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کلمہ یوں پڑھتے تھے، لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ الخ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں، یہ حضرات اسی

حدیث پر عمل کر کے اس طرح کلمہ کا ورد نہیں کر سکتے، غرضکہ حدیث میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ایسے اقوال و اعمال بھی ذکر ہیں جو حضور کے لئے کمال ہیں، ہمارے لئے کفر۔

اسی طرح حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے وہ افعال کریمہ جو نسیان یا اجتہادی خطاء سے سرزد ہوئے حدیث میں مذکور ہیں، عامل بالحدیث صاحبان کو چاہیئے کہ ان پر بھی عمل کیا کریں۔ ہر حدیث پر جو عامل ہوئے بہر حال کوئی شخص ہر حدیث پر عمل نہیں کر سکتا جو اس معنی سے اپنے کو اہل حدیث یا عامل بالحدیث کہے۔ وہ غلط کہتا ہے۔ جب نام ہی جھوٹ ہے۔ تو اللہ کے فضل سے کام بھی سارے کھوٹے ہی ہوں گے، اسی لئے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ۔	لازم پکڑو میری اور خلفاء راشدین کی سنت کو

یہ نہ فرمایا کہ میری حدیث کو لازم پکڑو، کیونکہ ہر حدیث لائق عمل نہیں ہر سنت لائق عمل ہے حضور کے وہ اعمال طیبہ جو منسوخ بھی نہ ہوئے ہوں، حضور سے خاص بھی نہ ہوں خطائً انسیاناً بھی سرزد نہ ہوں، بلکہ امت کے لیئے لائق عمل ہوں، انہیں سنت کہا جاتا ہے۔ لہٰذا ہمارا نام اہل سنت بالکل حق و درست ہے۔ کہ ہم بفضلہ تعالےٰ حضور کی ہر سنت پر عامل ہیں۔ مگر وہابیوں کا نام اہل حدیث بالکل غلط ہے، کہ ہر حدیث پر عمل ناممکن۔

اب حدیثوں کی یہ چھانٹ کہ کون سی حدیث منسوخ ہے کون حکم کون حدیث حضور کی خصائص میں سے ہے، کون سب کی اتباع کے لیئے کون فعل شریف اقتداء کے لیئے ہے، کون نہیں کس فرمان کا کیا منشاء ہے۔ کس حدیث سے کیا مسئلہ صراحتہً ثابت ہے اور کون مسئلہ اشارۃً کون دلالۃً کون اقتضاءً یہ سب کچھ امام مجتہد ہی بتا سکتے ہیں۔ ہم جیسے عوام وہاں تک نہیں پہنچ سکتے۔ جیسے قرآن پر عمل کرانا حدیث کا کام ہے، ایسے ہی حدیث پر عمل کرانا امام مجتہد کا کام یوں سمجھو کہ حدیث شریف رب تک پہنچنے کا راستہ ہے اور امام مجتہد اس راستہ کا نور جیسے بغیر روشنی راہ طے نہیں ہوتا، بغیر امام و مجتہد حضور کی سنتوں پر عمل ناممکن ہے۔ اسی لیئے علماء فرماتے ہیں۔

اَلْقُرْاٰنُ وَالْحَدِيْثُ يُضِلَّانِ اِلَّا بِالْمُجْتَهِدِ	بغیر مجتہد قرآن و حدیث گمراہی کا باعث ہیں۔

رب تعالےٰ قرآن کریم کے متعلق فرماتا ہے۔

يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا۔	اللہ تعالےٰ قرآن کے ذریعہ بہت کو ہدایت دیتا ہے اور بہت کو گمراہ کر دیتا ہے۔

چکڑالوی اس ہی لئے گمراہ ہیں، کہ وہ قرآن شریف بغیر حدیث کے نور کے سمجھنا چاہتے ہیں، براہ راست رب تک پہنچنا چاہتے ہیں، وہابی غیر مقلد اسی لئے راہ سے بھٹکے ہوئے ہیں۔ کہ یہ حدیث کو بغیر علم کی روشنی اور بغیر امام مجتہد کے نور کے سمجھنا چاہتے ہیں، مقلدین اہل سنت کا ان شاء اللہ بیڑا پار ہے، کہ ان کے پاس کتاب اللہ بھی ہے سنت رسول اللہ بھی اور سراج امت امام مجتہد کا نور بھی۔

خلاصہ کلام یہ ہے۔ کہ اہل حدیث بننا ناممکن اور جھوٹ ہے، اہل سنت بننا حق و درست ہے۔ اہل سنت وہ ہی ہو سکے گا۔ جو کسی امام کا مقلد ہو گا، قیامت میں رب تعالیٰ بھی اپنے بندوں کو اماموں کے ساتھ پکارے گا۔ رب فرماتا ہے۔

يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمْ	اس دن ہم ہر شخص کو اس کے امام کیساتھ بلائیں گے

خیال رکھو کہ قرآن و سنت کا سمندر ہم مقلد بھی عبور کرتے ہیں، اور غیر مقلد وہابی بھی لیکن ہم تقلید کے جہاز کے ذریعہ جس کے ناخدا حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ ہیں۔ ان کی ذمہ داری پر سفر کر رہے ہیں، غیر مقلد وہابی خود اپنی ذمہ داری پر اس سمندر میں چھلانگ لگا رہے ہیں۔ انشاء اللہ مقلدوں کا بیڑا پار ہے، اور وہابیوں کا انجام غرقابی ہے۔

آخر میں ہم اہل حدیث حضرات سے پوچھتے ہیں کہ اسلام کی پہلی عبادت نماز ہے، براہ مہربانی آپ احادیث صحیحہ کی روشنی میں بتادیں کہ فرض، واجب، سنت، مستحب، مکروہ تحریمی اور حرام میں کیا فرق ہے۔ اور نماز میں کتنے فرض ہیں۔ کتنے واجب، کتنی سنتیں، کتنے مستحبات کتنے مکروہ تنزیہی، کتنے مکروہ تحریمی اور کتنے حرام انشاء اللہ تا قیامت یہ تمام مسائل یہ حضرات حدیث سے نہیں بتا سکتے۔ حالانکہ دن رات ان مسائل سے واسطہ ہوتا ہے۔ تو دوستو ضد کیوں کرتے ہو، تقلید اختیار کرو۔ جس میں دینی و دنیا کی بھلائی ہے۔

خدا کا شکر ہے کہ یہ کتاب یکم رمضان ۱۳۷۶ھ ۱۹۵۷ء اپریل روز دو شنبہ کو شروع ہو کر ۳ ذی الحجہ ۱۳۷۶ھ یکم جولائی ۱۹۵۷ء بروز دو شنبہ یعنی دو ماہ دو دن میں اختتام کو

پہنچی۔ رب تعالیٰ اپنے حبیب صلے اللہ علیہ وسلم کے صدقہ اسے قبول فرمائے۔ میرے لیے کفارہ سیات اور صدقہ جاریہ بنائے۔ مسلمانوں کے لئے اسے نافع بنائے جو کوئی اس کتاب سے فائدہ اٹھائے وہ مجھ بے کس گناہگار کے لیئے حسن خاتمہ اور معافی سیات کی دعا کرے کہ اس ہی لالچ میں میں نے یہ محنت کی ہے۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ وَنُوْرِ عَرْشِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ اٰمِيْن بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ ۞

(محمد یوسف کاتب ... گوجرانوالہ)

احمد یار خاں اشرفی بدایونی

سرپرست مدرسہ غوثیہ نعیمیہ گجرات (مغربی پاکستان) ۲ ذی الحجہ ۱۳۷۶ھ یوم دوشنبہ مبارکہ یکم جولائی ۱۹۵۷ء

فہرست مضامین "جاء الحق" حصہ دوم